شرح سنن ابنِ ماجہ

تصنیف

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی

جلد اوّل

ترجمہ

ابو العلا محمد محی الدین جہانگیر

ادام اللہ تعالیٰ ستالیۃ وبارک ایامہ ولیالیہ

شارح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

شبیر برادرز

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو القادر

جمیع حقوق الطبع محفوظ للناشر
All rights are reserved
جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ——— شرح سنن ابن ماجہ
مترجم ——— ابو العلاء محمد محی الدین جہانگیر
شرح ——— علامہ محمد لیاقت علی رضوی
کمپوزنگ ——— ورڈز میکر
باہتمام ——— ملک شبیر حسین
سن اشاعت ——— مئی 2015ء
طباعت ——— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ہدیہ ——— مکمل 6 جلدیں

شبیر برادرز
زبیدہ سنٹر 40، اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

ضروری التماس

قارئین کرام ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

بَابُ: فِي الْقَدَرِ

أَبْوَابُ فِي فَضَائِلِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

بَابٌ: فِيْ ذِكْرِ الْخَوَارِجِ

بَابٌ: فِيْمَا أَنْكَرَتِ الْجَهْمِيَّةُ

مقدمه رضويه

الحمد لله الذي أوضح وجوه معالم الدين وأفصح وجوه الشك بكشف النقاب عن وجه اليقين بالعلماء المستنبطين الراسخين والفضلاء المحققين الشامخين الذين نزهوا كلام سيد المرسلين مبرئين عن زيف المخلطين المدلسين ورفعوا مناره بنصب العلائم وأسندوا عمده بأقوى الدعائم حتى صار مرفوعا بالبناء العالي المشيد وبالأحكام الوثيق المدمج المؤكد مسلسلا بسلسلة الحفظ والإسناد غير منقطع ولا واه إلى يوم التناد ولا موقوف على غيره من المباني ولا معضل ما فيه من المعاني (والصلاة) على من بعث بالدين الصحيح الحسن والحق الصريح السنن العالي عن العلل القادحة والسالم من الطعن في أدلته الراجحة محمد المستأثر بالخصال الحميدة والمجتبى المختص بالخلال السعيدة وعلى آله وصحبه الكرام مؤيدى الدين ومظهرى الإسلام وعلى التابعين بالخير والإحسان وعلى علماء الأمة في كل زمان ما تغرد قمرى على الورد والبان وناح عندليب على نور الأقحوان (وبعد) فإن عاني رحمة ربه الغني محمد لياقت على الرضوى الحنفى عامله ربه ووالديه بلطفه الخفي يقول أن السنة إحدى الحجج القاطعة وأوضح المحجة الساطعة وبها ثبوت أكثر الأحكام وعليها مدار العلماء الأعلام وكيف لا وهي القول والفعل من سيد الأنام في بيان الحلال والحرام الذين عليهما مبنى الإسلام فصرف الإعمار في استخراج كنوزها من أهم الأمور وتوجيه الأفكار في استكشاف رموزها من تعمير العمور لها منقبة تجلت عن الحسن وأبها ومرتبة جلت بالبهجة والسنا وهي أنوار الهداية ومطالعها ووسائل الدراية وذرائعها وهي من مختارات العلوم عينها ومن منتقدات نقود المعارف فضها وعينها ولولاها لما بان الخطأ عن الصواب ولا تميز الشراب من السراب ولقد تصدت طائفة من السلف الكرام ممن كساهم الله تعالى جلابيب الفهم والأفهام ومكنهم من انتقاد الألفاظ الفصيحة المؤسسة على المعاني الصحيحة وأقدرهم على الحفظ بالحفاظ من المتون والألفاظ إلى جمع سنن من سنن سيد المرسلين هادية إلى طرائق شرائع الدين وتدوين ما تفرق منها في أقطار بلاد المسلمين بتفرق الصحابة والتابعين الحاملين.

قرآن مجید سے حجیت حدیث کے دلائل کا بیان

قرآن مجید سے حجیت حدیث کی پہلی دلیل کا بیان

(وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ٧)

اس آیت سے پتہ چل رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر اور نہی دونوں حجت ہیں۔اگر دونوں حجت نہ ہوں تو حکم دینے کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ یہ آیت مسئلہ فئے کے بارے میں ہے۔ان کا یہ شبہ اس طرح دور ہوگا کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے،خصوص شان نزول کا اعتبار نہیں ہوتا۔ورنہ قرآن مجید میں تمام احوال،ازمنہ،مقامات اور اشخاص میں حجت نہیں رہے گا۔

لیکن الفاظ آیت عام ہیں،صرف اموال کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احکام بھی اس میں داخل ہیں،اس لئے عام انداز میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو کوئی حکم یا مال یا اور کوئی چیز آپ کسی کو عطا فرمادیں وہ اس کو لے لینا چاہئے اور اس کے مطابق عمل کے لئے تیار ہو جانا چاہئے اور جس چیز سے روک دیں اس سے رکنا چاہئے۔

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی عام مفہوم کو اختیار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو اس آیت کی بنا پر قرآن ہی کا حکم اور واجب التعمیل قرار دیا ہے،قرطبی نے فرمایا کہ اس آیت میں اتی کے بالمقابل نہی کا لفظ آیا ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آتی کے معنی یہاں امر کے ہیں جو نہی کا صحیح مقابل ہے۔اور قرآن کریم نے نہی کے مقابل میں امر کے لفظ کو چھوڑ کر آتی کا لفظ استعمال شاید اس لئے فرمایا تا کہ جس مضمون کے سیاق میں یہ آیت آئی ہے یعنی مال فئی کی تقسیم اس پر بھی آیت کا مضمون شامل رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو حکم دیا کہ یہ کپڑے اتار دو،اس شخص نے کہا کہ آپ اس کے متعلق مجھے قرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں؟ جس میں سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہو،حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہاں وہ آیت میں بتاتا ہوں،پھر یہی آیت وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ پڑھ کر سنادی،امام شافعی نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب قرآن سے دے سکتا ہوں،پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے،ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک محرم نے زنبور (تتیا) مار ڈالا تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام شافعی نے یہی آیت وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ تلاوت کر کے حدیث سے اس کا حکم بیان فرمادیا۔(تفسیر قرطبی،سورہ حشر،بیروت)

(العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب الا بثبت)

ان کے اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مسئلہ فئے کیلئے ہی ہے،ہم تسلیم کر لیتے ہیں تو مسئلہ فئے کیلئے آپ کے جو اوامر ونواہی ہوں گے،وہ تو نافذ ہوں گے۔تو مسئلہ فئے میں آپ کا امر ونہی کیوں نافذ کیا؟ صرف اس لیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے امور کیلئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

قرآن مجید سے حجیت حدیث کی دوسری دلیل کا بیان

(وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا (الاحزاب 36)

کسی مؤمن مرد و عورت کو اختیار ہی نہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ فیصلہ کردیں پھر وہ یہ سوچتا رہے کہ میں عمل کروں یا نہ کروں، اگر ایماندار ہے تو بلا تامل آپ کا فیصلہ قبول کرے گا۔ اس سے پتہ چلا کہ نبی کریم ﷺ کا فیصلہ حجت ہے، ورنہ لوگوں کا اختیار ختم نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن مجید سے حجیت حدیث کی تیسری دلیل کا بیان

(فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء 65)

اس آیت سے بھی واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا فیصلہ حجت ہے جب تک نبی ﷺ کا فیصلہ ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے تسلیم نہیں کریں گے تو اس وقت تک ایمان نہیں ہوسکتے۔ اگر نبی ﷺ کا فیصلہ حجت نہ ہو تو ایمان کی نفی کیسے ہوگی؟

قرآن مجید سے حجیت حدیث کی چوتھی دلیل کا بیان

(لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا

(لاحزاب 21)

اسوہ کا معنی ہوتا ہے جس کے نقش قدم پر چلا جائے۔ اگر آپ کا امر اور نہی حجت نہیں تو آپ اسوہ کیسے بنیں گے؟ حالانکہ آپ اسوہ حسنہ ہیں۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال اور افعال حجت ہیں۔ اسی کو حدیث کہتے ہیں۔

قرآن مجید سے حجیت حدیث کی پانچویں دلیل کا بیان

(فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (النور 63)

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے امر کی مخالفت کرنے والے کو فتنہ یا دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اگر آپ کا امر حجت نہیں تو عذاب الیم کی وعید کیسے ہوسکتی ہے؟

قرآن مجید سے حجیت حدیث کی چھٹی دلیل کا بیان

(قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران 31)

اگر تمہارے اندر اللہ کی محبت موجود ہے تو رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ایمان کا تقاضا ہے جس کے

بغیر آدمی ایماندار نہیں بن سکتا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رسول اللہ ﷺ کے اتباع پر موقوف ہے۔ اگر لوگ رسول اللہ ﷺ کا اتباع نہ کریں تو ایماندار نہیں ہو سکتے۔ بلکہ قرآن کے ماننے والے بھی نہیں رہتے۔ قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں جن میں خاص حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (سَیَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا (البقرة 142) کہ مسلمانوں کو اپنے قبلے سے کس چیز نے پھیر دیا؟

مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ اس کا تذکرہ قرآن مجید میں کہیں بھی موجود نہیں، اس کا تذکرہ احادیث میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو حکم حدیثوں میں ہے، وہ اللہ کا حکم ہے۔ سورۃ التحریم، آیت 03 میں ہے۔

(وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَن بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (التحریم 3)

کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی بیوی کے ساتھ راز کی بات کی۔ تو اس بیوی نے راز کو فاش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر اپنے نبی کو دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے جو اطلاع اپنے نبی ﷺ کو دی ہے۔ وہ قرآن میں نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ جب نبی ﷺ نے بیوی سے پوچھا تو بیوی نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا بیوی سے سوال کرنا قرآن میں مذکور نہیں لیکن جواب مذکور ہے۔ منکرین حدیث کہتے ہیں کہ (وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ) میں ہے، لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ (وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ) خبر ہے۔ ایک حکایت ہوتی ہے، دوسرا محکی عنہ ہوتا ہے۔ حکایت محکی عنہ سے غیر ہوا کرتی ہے۔ اگر اس کو محکی عنہ مان لیں تو بات غلط ہو جاتی ہے کیونکہ محکی عنہ پورا واقع ہے۔

قرآن مجید سے حجیت حدیث کی ساتویں دلیل کا بیان

(إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (یونس 15)

اس آیت میں نفی اور استثناء موجود ہے جو قصر کا فائدہ دیتا ہے کہ میں صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں، وحی کے علاوہ کسی کی پیروی نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت صرف وحی کی پیروی ہوتی تھی، جس کی پیروی ہوتی تھی، وہ آپ کی حدیث ہی تھی اور قرآن ہی تھا۔ لہٰذا حدیث بھی وحی ہے۔ ورنہ مذکورہ بالا آیت میں قصر درست نہیں رہتا۔

قرآن مجید سے حجیت حدیث کی آٹھویں دلیل کا بیان

(وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ (الشوریٰ 51)

انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہم کلام ہونے کے تین طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ خفیہ اشارہ ہو۔ دوسرا طریقہ پس پردہ کلام کرنا ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوئے۔ اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی فرشتے کو پیغام دے کر بھیج دے۔ اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ تک دین تین طریقوں سے آیا ہے۔قرآن مجید ان تین طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ دوسرے دونوں طریقوں سے جو قوانین آئے۔وہ کہاں ہیں؟ وہ حدیث کی شکل میں ہیں۔اللہ تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں

(وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (النساء ۱۱۳)

اور اللہ نے آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا اور حکمت نازل کی۔کون سی حکمت نازل ہوئی؟ وہ حدیث ہے۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ آپ کی حدیث اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے۔جو شخص حدیث کا منکر ہے، وہ قرآن کا منکر ہے۔اگر وہ قرآن کو مانتا ہے تو ان تمام قرآنی آیات کو بھی مانے گا۔جب وہ قرآنی آیات کو تسلیم کرے گا تو حدیث کو خود بخود حجت تسلیم کرے گا۔

اقوال صحابہ کی حجیت کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ میں سے بعض علم، فقہ اور فتاویٰ وغیرہ میں بہت مشہور ہوئے۔ان کے کئے ہوئے فیصلے اور کس فتوے بذریعہ روایت ہم تک پہنچے ہیں۔اگر کسی مجتہد کو کتاب وسنت اور اجماع سے کسی مسئلے۔ سے کسی مسئلے کے لیے دلیل نہ ملے تو کیا وہ صحابہ کے ان اقوال، فتاوی جات اور فیصلوں سے حجت لے سکتا ہے یا نہیں؟

صحابی کی وہ بات جو اجتہاد اور رائے کے ذریعے نہیں کی جاسکتی علماء کے نزدیک حجت ہے کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ یقیناً یہ بات صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی سنی ہوگی۔صحابی کے جس قول پر اجماع ہو چکا ہو علماء اسے شرعی حجت قرار دیتے ہیں۔صحابی کا ایسا قول جو رائے اور اجتہاد پر مبنی ہو کیا وہ حجت ہے؟ اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

بعض علماء اسے شرعی حجت قرار دیتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ جب کوئی مسئلہ کتاب وسنت اور اجماع سے نہ مل سکے تو صحابی کے قول پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ اگر چہ وہ بات رائے پر مبنی ہے لیکن ان کی رائے ہماری رائے سے بہر حال بہتر ہے وہ اس لیے کہ وہ نزول وحی کے زمانے میں موجود تھے، تشریع احکام کی حکمت اور اسباب نزول سے واقف تھے، اور ایک لمبا عرصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بھی رہے تھے۔ان تمام وجوہات کی بنا پر ان کی آراء کو دوسروں کی آراء پر بڑی فضیلت حاصل ہے۔

اور بعض علماء اسے شرعی حجت نہیں گردانتے۔ان کا کہنا ہے کہ ہم صرف کتاب وسنت کے دلائل پر عمل کے پابند ہیں اور صحابی کا قول ان میں شامل نہیں۔

ہمارے علم کے مطابق راجح بات یہ ہے کہ اگر چہ صحابی کے ایسے قول پر جو اجتہاد ورائے پر مبنی ہو عمل واجب نہیں لیکن اپنی رائے پر ان کی رائے کو ترجیح دینا افضل ہے جیسا کہ اس کی وجوہات پہلے قول کے ضمن میں بیان کی جاچکی ہیں۔

اقوال صحابہ کے حجت ہونے پر ائمہ اربعہ کا بیان

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں مجھے کوئی چیز نہیں ملتی تو میں صحابہ کے اقوال اختیار کر لیتا ہوں۔(ابوحنیفہ للشیخ ابی زهرة ص309)

حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب موطا میں بہت سے صحابہ کے فتاوی جات نقل کیے ہیں اور اکثر مسائل میں انہی پر اعتماد کیا ہے۔ (مالک للشیخ ابی زہرہ، ص، 259)

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے کتاب وسنت یا اجماع یا اس کے ہم معنی کسی دوسری چیز میں جو حکم لگانے والی ہو یا اس کے ساتھ قیاس ہو، کوئی چیز نہیں ملتی تو میرا مسلک یہی ہے کہ صحابہ میں سے کسی کے قول کو اختیار کر لیا جائے۔
(الرسالہ للشافعی، ص، 598)

حضرت امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے ہر مسئلے میں یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے جواب دیا یا صحابہ یا تابعین کے کسی قول سے جواب دیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انتخاب کا بیان

عویم بن ساعدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب مخلوقات سے اللہ تعالی نے مجھے چنا اور پھر میرے لیے اصحاب کا انتخاب فرمایا۔ ان میں سے میرے لیے وزیر، داماد اور سسر بنائے۔ پس جس نے ان کو برا بھلا کہا۔ پس اس پر اللہ تعالی کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔ روز قیامت اللہ تعالی ان سے کوئی معاوضہ اور کوئی بدلہ قبول نہ کرے گا۔
(تفسیر قرطبی، سورہ فتح، بیروت)

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں پہلے اصول کا بیان

اللہ کے پیارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے بعض اوقات کسی فعل کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَنْ نَظْرَةِ الْفَجْأَةِ فَقَالَ اِصْرِفْ بَصَرَكَ۔ (سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب ما یؤمر بہ من غض البصر)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جانے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا، ،اپنی نظر پھیر لو۔

اس حدیث میں آپ نے کسی اجنبی عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کی صورت میں اس سے اپنی نظریں پھیرنے کا جو حکم دیا ہے یہ حکم فقہاء کے نزدیک وجوب کا فائدہ دے رہا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کے اس حکم کا انکار کر دے تو اس شخص کا کسی اسلامی معاشرے میں حکم کیا ہے؟ کیا ایسا شخص کافر ہے؟ جمہور علمائے مالکیہ، شوافع، حنابلہ، اہل الظاہر اور اہل الحدیث کے نزدیک اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے کوئی ایسا حکم ثابت ہو جس کے کرنے کو لازم ٹھہرایا گیا ہو تو اسے فرض یا واجب کہتے ہیں۔ لہٰذا فرض یا واجب وہ ہے جس کے کرنے کو شارع نے مکلف پر لازم ٹھہرایا ہو اور اس کو نہ کرنا باعث ملامت بھی ہو اور اس کا تارک آخرت میں سزا کا بھی مستحق ہو۔ جمہور علماء کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی شے ہیں۔ چاہے کسی حکم کا لزوم قرآن سے ثابت ہو یا سنت

سے دونوں ہی فرض ہیں۔ جبکہ احناف کے نزدیک فرض وہ ہے جو کہ قطعی ذریعہ مثلاً قرآن، متواتر حدیث یا اجماع امت سے ثابت ہو اور اس کے کرنے کو شارع نے لازم ٹھہرایا ہو، جبکہ واجب وہ ہے جو کہ ظنی ذریعہ یعنی خبر واحد سے ثابت ہو اور اس کے کرنے کو شارع نے لازم ٹھہرایا ہو۔ جمہور ائمہ اہل سنت مالکیہ، احناف، شوافع، حنابلہ اور اہل الحدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی فعل کی فرضیت یا وجوبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (یعنی خبر واحد) سے ثابت ہورہی ہو اور کوئی شخص اس فرض یا واجب کو ماننے سے انکار کردے تو اس کے منکر کو دنیا میں ملامت کی جائے گی اور وہ آخرت میں سزا کا بھی مستحق ہوگا، لیکن اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

الشیخ عاصم الحداد لکھتے ہیں کہ اعتقادی مسائل میں دوسرے تمام ائمہ حنفیہ متفق ہیں کہ فرض یا واجب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کے منکر کی تکفیر کی جاتی ہے اور اس سے مراد وہ فرض یا واجب ہے جس کا علم قرآن یا تواتر کے ذریعے ہوا ہو اور دوسرا وہ جس کے منکر کی تکفیر نہیں کی جاتی اور اس سے مراد وہ فرض یا واجب ہے جس کا علم اخبار آحاد کے ذریعہ ہوا ہو۔ (اصول فقہ پر ایک نظر ص ۴۰)

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں دوسرے اصول کا بیان

بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔ مستحب سے مراد یہ ہے کہ شارع نے کسی کام کے کرنے کا مطالبہ کیا ہو لیکن اس کو مکلف پر لازم قرار نہ دیا ہو۔ بعض اوقات مستحب میں تاکید زیادہ ہوتی ہے اور بعض اوقات کم۔ اسی لیے فقہاء نے اس کی دو قسمیں کی ہیں، یعنی مؤکدہ اور غیر مؤکدہ۔ آپ کے اقوال سے بعض اوقات سنت مؤکدہ ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ
(صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس)

جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے۔

یہ ذہن میں رہے کہ جمہور فقہاء اور محققین اصولیین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن و سنت میں جہاں بھی امر کا صیغہ آئے گا اس سے مراد فرضیت یا وجوب ہوگا، لیکن اگر کچھ منصوص یا غیر منصوص قرائن ایسے ہوں جن سے معلوم ہو کہ یہ حکم یہاں لزوم کے لیے نہیں ہے تو پھر اس سے مراد استحباب لیا جائے گا۔ بعض دوسری صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم یہاں وجوب کے لیے نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اہل فتویٰ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں امر کا صیغہ استحباب کے لیے ہے۔ لہٰذا تحیۃ المسجد کی دو رکعات سنت مؤکدہ ہے۔ جہاں تک اس بات کا معاملہ ہے کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اگر آپ کا قول وجوب کے لیے نہیں ہے تو پھر سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟ اس کا تعین بھی قرائن سے ہوگا اور یہ قرائن منصوص بھی ہوسکتے ہیں، مثلاً دوسری احادیث مبارکہ، اور غیر منصوص بھی، مثلاً صحابہ کا عمل وغیرہ۔ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی میں اس موضوع سے متعلق کافی روایات کو اکٹھا کیا ہے جن کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تحیۃ المسجد کی دو رکعات سنت مؤکدہ ہیں نہ کہ غیر مؤکدہ۔ طوالت کے خوف سے ہم ان روایات کو یہاں بیان نہیں کر رہے۔

جہاں تک سنت مؤکدہ کے حکم کا تعلق ہے تو ہم پہلے بھی اسے بیان کر چکے ہیں کہ سنت مؤکدہ کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اس پر عمل کرنے والے کو ثواب ہوگا اور اس کے تارک کو دنیا میں ملامت کی جائے گی، لیکن آخرت میں عذاب نہیں ہوگا۔ سنن مؤکدہ کے حکم کے بارے میں دو ابحاث بڑی اہم ہیں۔

ا اگر کوئی شخص کسی سنت مؤکدہ کو مستقل طور پر ترک کر دے تو یہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً کوئی ساری زندگی صرف فرض نماز پڑھتا رہے اور سنن مؤکدہ ادا نہ کرے تو شرعاً گناہ گار ہوگا۔ ب اگر کوئی معاشرہ، جماعت یا گروہ کسی سنت مؤکدہ کو کلی طور پر ترک کر دے تو یہ جائز نہیں ہے۔

امام شاطبی نے اس بارے میں ،الموافقات، میں بڑی عمدہ بحث کی ہے کہ ایک سنت مؤکدہ فرد کے اعتبار سے تو سنت ہوتی ہے لیکن اجتماع یا معاشرے کے اعتبار سے فرض کفایہ ہوتی ہے۔ مثلاً نکاح کرنا جمہور علماء کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ اگر کوئی شخص ذاتی طور پر نکاح کی ضرورت محسوس نہ کرے یا کسی اور وجہ سے نکاح نہ کرے تو دنیا میں تو اسے بغیر کسی شرعی عذر کے نکاح نہ کرنے پر ملامت کی جائے گی لیکن آخرت میں وہ عذاب کا مستحق نہ ہوگا، لیکن کسی مسلمان معاشرے کے لیے یہ بالکل بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اجتماعی طور پر نکاح کی سنت کو ترک کر دے۔ ایسی صورت میں سارا معاشرہ گناہ گار ہوگا اور آخرت میں عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔

بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے کسی فعل کے مستحب ہونے کا علم ہوتا ہے اور یہ فعل سنت غیر مؤکدہ ہوتا ہے نہ کہ سنت مؤکدہ۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان کے الفاظ ہیں۔ یہود اور عیسائی خضاب نہیں کرتے۔ پس تم ان کی مخالفت کرو یعنی خضاب کرو۔

(فتح الباری مع صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب ذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس۔ صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب الخضاب)

یہود و نصاریٰ کی مخالفت کے قرینے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس حدیث میں یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حکم استحباب کے لیے ہے، جیسا کہ صحابہ کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ خضاب کرتے تھے جبکہ حضرت علی، حضرت انس، حضرت ابی بن کعب اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم وغیرہ خضاب نہیں کرتے تھے۔ (فتح الباری مع صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب الخضاب)

وہ روایات جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے ان کا اسلوب بیان بھی ایسا ہی ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو یا مشرکین کی مخالفت کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔ ان روایات میں داڑھی رکھنے کا حکم وجوب کے لیے ہے کیونکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس بات پر قرینہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لیے ہے۔

ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ المزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةَ أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً

(صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب نھی النبی علی التحریم الا ما تعرف اباحتہ)

مغرب کی فرض نماز سے پہلے نماز (دو رکعت نفل) پڑھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ کہی اور تیسری مرتبہ یہ

انہ نہ کیا کہ ،،جو چاہے پڑھ لے،،۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ ،جو چاہے، کے الفاظ اس لیے کہے کہ لوگ اس کو سنت (مؤکدہ) نہ سمجھ لیں،،۔

اس حدیث میں ،،لِمَنْ شَاءَ، کے الفاظ سے واضح ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم استحباب کے معنی میں ہے۔دوسری بات معلوم ہوئی کہ صحابہ سنت کا لفظ سنت مؤکدہ (یعنی ایسی سنت جس کا چھوڑنا باعث ملامت ہو) کے لیے بھی استعمال کرتے تھے،اسی لیے صحابی نے یہ وضاحت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ،لِمَنْ شَاءَ، کے ذریعے واضح کیا کہ لوگ اس عمل کو سنت (مؤکدہ) نہ بنا لیں۔

علامہ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔اس جملے سے مراد یہ ہے کہ لوگ اس کو کوئی ایسا لازمی طریقہ نہ سمجھ لیں کہ جس کا ترک کرنا جائز نہیں ہوتا یا اس کو سنت مؤکدہ نہ بنالیں کہ جس کو چھوڑنا مکروہ ہے۔یہاں اس حدیث میں سنت سے مراد وہ نہیں ہے جو واجب کے بالمقابل ہو۔(فتح الباری مع صحیح البخاری)

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں تیسرے اصول کا بیان

بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک کسی فعل کی اباحت بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے۔مثلاً حَدِّثُوْا عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل)

بنی اسرائیل سے بیان کرو (یعنی اسرائیلی روایات) اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید میں بنی اسرائیل سے متعلقہ مجمل واقعات کی تفصیل کے لیے بنی اسرائیل سے روایت کرنے کی اجازت دی ہے۔اس حدیث میں ،حَدِّثُوْا، امر کا صیغہ نہ ہی وجوب کے لیے ہے اور نہ ہی استحباب کے لیے، بلکہ یہ اباحت کے لیے ہے،یعنی بنی اسرائیل سے روایت کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ روایت احکامِ شرعیہ سے متعلق نہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی عقائد یا تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔کہ حَدِّثُوْا صیغہ امر ہے جو وجوب کا متقاضی ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کے عدم وجوب کی طرف اشارہ کیا ہے۔لہٰذا یہاں امر اباحت کے معنی میں ہے، جیسا کہ ،وَلَا حَرَجَ، کے الفاظ اس کی اباحت کی دلیل ہیں۔(فتح الباری مع صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل)

مباح کی تعریف اور حکم کے بارے میں الدکتور عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں۔مباح سے مراد یہ ہے کہ شارع نے مکلف کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں اختیار دیا ہو مباح کا حکم یہ ہے کہ اس میں نہ ثواب ہے اور نہ گناہ، لیکن اگر اچھی نیت اور ارادے سے کوئی مباح کام کرے گا تو اس کا ثواب ہوگا۔مثلاً کوئی شخص اس لیے ورزش کرتا ہے تاکہ اس کا جسم مضبوط ہو اور وہ دینِ اسلام کے دشمنوں سے جہاد کرے تو اس ورزش کا بھی ثواب ہوگا۔(الوجیز ص ۴۸)

فرض، واجب اور مستحب کی طرح مباح کے قواعد و ضوابط کے بارے میں بھی اصولیین نے اصول کی کتابوں میں تفصیلی بحثیں کی ہیں۔مثلاً ایک بحث یہ ہے کہ کسی فعل کے مباح ہونے کے کیا قرائن اور دلائل ہوتے ہیں۔

امام شاطبی بھی، الموافقات، میں مباح کے حوالے سے بڑی نفیس ابحاث لے کر آئے ہیں۔ مثلاً امام شاطبی فرماتے ہیں کہ بعض اوقات ایک مباح فعل فرض یا مستحب بھی بن جاتا ہے اور بعض اوقات مکروہ یا حرام بھی۔ مثلاً قرآن میں (کُلُوْا وَاشْرَبُوْا) کا حکم ہے جو کہ اباحت کے لیے ہے، یعنی جو چاہے کھانا کھائے اور جو چاہے نہ کھائے، لیکن اگر کوئی شخص مستقل کھانا چھوڑ دے اور موت کے قریب پہنچ جائے، جیسا کہ بھوک ہڑتال میں ہوتا ہے، تو اب اس کے لیے یہی حکم (یعنی کھانا کھانے کا) فرضیت کے درجے میں ہوگا۔ اسی طرح اپنی بیوی سے مباشرت نہ کرنا ایک مباح فعل ہے، لیکن اس مباح فعل پر مداومت اس فعل کو حرمت کے درجے تک پہنچا دے گی۔

قرآن وسنت میں امر کا صیغہ ہر وقت وجوب کے معنی میں نہیں ہوتا، جیسا کہ ناواقف لوگوں کا خیال ہے۔ امام سبکی نے ،جمع الجوامع، میں امر کے صیغے کے ۲۶ معانی کا تذکرہ کیا ہے۔ بعض اصولیین نے امر کے صیغے کے سترہ اور بعض نے سولہ معانی بھی بیان کیے ہیں۔ مثلاً وجوب، ندب، اباحت، تہدید، ارشاد، تادیب، انذار، امتنان، اکرام، امتہان، تکوین، تعجیز، اہانت، تسویہ، دعا، تمنی، احتقار، خبر، اعتبار، تعجب، تکذیب، مشورہ، ارادہ، امتثال، اذن، انعام اور تفویض وغیرہ۔ اصولیین نے امر کے یہ تمام معانی قرآن و سنت کی نصوص سے ثابت کیے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم ان تمام نصوص کو بیان نہیں کر رہے۔ مثال کے طور پر (اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ) میں امر کا صیغہ دعا کے معنی میں ہے، (ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ) (الدخان) میں اہانت کے لیے ہے اور (اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ حٰم السجدۃ ۴۰) یعنی تم جو چاہو، عمل کرو، میں تہدید کے لیے ہے۔

(امر کے معانی کی تفصیل ہماری کتاب قواعد فقہیہ میں دیکھیں، محمد لیاقت علی رضوی عفی عنہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنن جو کسی فعل کی اباحت سے متعلق ہیں، ان سنن پر عمل یا ان کی ترغیب وتشویق دین اسلام کا مطلوب ومقصود نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ مباح استحباب یا وجوب کے درجے کو پہنچ جائے۔

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں چوتھے اصول کا بیان

بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے کسی فعل کی کراہت ثابت ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کا فرمان ہے۔ لَا یَمْشِ اَحَدُکُمْ فِیْ نَعْلٍ وَاحِدَۃٍ

(صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب استحباب لبس النعل فی الیمنی اولا والخلع من الیسریٰ)

تم میں سے کوئی شخص ایک جوتے میں نہ چلے۔ اس حدیث میں آپ نے ایک جوتا پہن کر چلنے سے منع فرمایا، لیکن ایک جوتا پہن کر چلنا حرام نہیں ہے، بلکہ مکروہ ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں نہی کا صیغہ کراہت کے لیے ہے۔

امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ یکرہ المشی فی نعل واحدۃ أو خف واحد

(شرح النووی مع صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب استحباب لبس النعل فی الیمنی اولا)

ایک جوتے یا ایک موزے میں چلنا مکروہ ہے۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو بیان کرنے کے لیے، ما جاء فی کراھیۃ المشی فی النعل الواحدۃ، کے الفاظ سے باب باندھ کر اس فعل کی کراہت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ ۔

(صحیح البخاری، کتاب التمنی، باب کراھیۃ التمنی لقاء العدو)

،دشمن سے ملاقات کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو۔اس حدیث میں دشمن سے ملاقات کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ تمنا کرنا مکروہ ہے۔جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب، کراھیۃ تمنی لقاء العدو، میں اس کی کراہت کی طرف اشارہ کیا ہے۔اسی طرح امام نووی رحمہ اللہ نے ،صحیح مسلم، میں، کراھیۃ تمنی لقاء العدو، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے سنن ابی داؤد میں ،فی کراھیۃ تمنی لقاء العدو، کے عنوان سے باب باندھ کر اس فعل کی کراہت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اصولیین کی تعریف کے مطابق مکروہ سے مراد وہ فعل ہے جس کے نہ کرنے کا شارع نے حکم دیا ہو لیکن اس کے نہ کرنے کو لازم نہ ٹھہرایا ہو۔مکروہ کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔

الدکتور عبدالکریم زیدان مکروہ کے حکم کے بارے میں لکھتے ہیں۔مکروہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا کرنے والا گناہ گار نہ ہوگا اگر چہ اس کو ملامت کی جائے گی اور اس کا تارک قابل مدح اور ثواب کا مستحق ہے جبکہ اس نے اس فعل کو اللہ کے لیے ترک کیا ہو۔(الوجیز ص ۵۴)

احناف اس مکروہ کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں جبکہ جمہور علماء صرف مکروہ کہتے ہیں۔جمہور ائمہ اہل سنت کے نزدیک اس کے منکر کی تکفیر نہیں ہوگی۔عامۃ الناس کو مکروہات سے بچنے کی ترغیب وتشویق بھی دلائی جائے گی۔

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں پانچویں اصول کا بیان

بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے کسی فعل کی حرمت معلوم ہوتی ہے۔مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔لَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا يَخْطُبْ بَعْضُكُمْ عَلٰى خِطْبَةِ بَعْضٍ ۔

(صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ حتی یاذن اویترک)

تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے اور نہ ہی کوئی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کرے۔

اگر کسی شخص نے بذریعہ ایجاب وقبول کوئی سودا مکمل کر لیا ہے تو اس کے اس سودے پر سودا کرنا حرام ہے۔اسی طرح اگر کسی شخص کا کسی خاندان میں رشتہ طے ہو چکا ہو تو وہاں اپنے رشتے کی بات چلانا حرام ہے سوائے اس کے کہ پہلا شخص دوسرے کو اجازت دے دے یا وہ اس جگہ نکاح کا اردہ ترک کر دے۔

امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ان احادیث مبارکہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی منگنی پر منگنی کرنا حرام ہے اور اُمت کا اس فعل کی حرمت پر اجماع ہے جبکہ لڑکی والوں نے پیغام بھیجنے والے کے پیغام کو صراحتاً قبول کر لیا ہو اور پہلے شخص نے دوسرے کو نہ تو وہاں پیغام بھیجنے کی اجازت دی ہو اور نہ ہی اس جگہ نکاح کا ارادہ ترک کیا ہو۔

(شرح النووی مع صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ حتی یاذن اویترک)

احناف ایسے فعل کو حرام کی بجائے مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔جمہور اور احناف کے نزدیک اس کی تعریف ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے

کہ حرام یا مکروہ تحریمی سے مراد ایسا فعل ہے جس کے نہ کرنے کا شارع نے حکم دیا ہو اور اس کے نہ کرنے کو لازم بھی ٹھہرایا ہو۔ اس کے مرتکب کو ملامت کی جائے گی اور اس کو آخرت میں عذاب بھی ہوگا۔ احناف کے نزدیک اگر اس کا علم قطعی ذریعے یعنی قرآن، خبر متواتر یا اجماع سے ہوگا تو یہ حرام ہے اور اگر اس کا علم ظنی ذریعے یعنی خبر واحد سے ہوگا تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ جبکہ جمہور اسے حرام ہی کہتے ہیں چاہے قرآن سے اس کا علم حاصل ہو یا خبر واحد سے اور یہی بات راجح ہے۔ ائمہ جمہور اور احناف کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر کسی فعل کی حرمت بذریعہ سنت (یعنی خبر واحد) معلوم ہو اور اس سنت کا کوئی شخص انکار کر دے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اگر چہ دنیا میں اس کو سخت ملامت کی جائے گی اور آخرت میں وہ عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔

الشیخ عاصم الحداد لکھتے ہیں اور سب، وہ یعنی احناف اور دوسرے یعنی مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ و اہل الحدیث یہ کہتے ہیں کہ تکفیر اس شخص کی کی جائے گی جو کسی قطعی دلیل سے ثابت چیز کا انکار کرے اور اس شخص کی تکفیر نہیں کی جائے جو کسی ظنی دلیل سے ثابت چیز کا انکار کرے۔ اسے صرف فاسق یا گمراہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ (اصول فقہ پر ایک نظر ص ۲۹)

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں چھٹے اصول کا بیان

بعض اوقات کسی مسئلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول ہوتا ہے اور ایک شخص اس قول پر عمل کرنے کو سنت پر عمل سمجھ رہا ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب وتشویق دلا رہا ہوتا ہے جبکہ آپ کا وہ قول آپ ہی کے کسی دوسرے قول یا فعل سے منسوخ ہوتا ہے۔ عام اشخاص یا اہل علم کی بات تو کجا بعض اوقات بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی آپ کی کسی سنت کے نسخ کا علم نہیں ہوتا تھا اور وہ منسوخ سنت پر خود بھی عمل کر رہے ہوتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب وتشویق دلا رہے ہوتے تھے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر صحابی ہر وقت آپ کی مجلس میں موجود نہیں ہوتا تھا اس لیے ہر صحابی کو ہر حدیث کا علم بھی نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ ۔

(صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الوضوء مما مست النار)

جس کو آگ نے چھوا ہو اس کے کھانے کے بعد وضو کرو۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز کو آگ نے چھوا ہو اس کے کھانے کے بعد وضو کرو چاہے وہ پنیر کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو،، ۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت ابو ہریرہ سے دریافت کیا کیا ہم چکناہٹ کی وجہ سے وضو کریں؟ کیا ہم گرم پانی کی وجہ سے بھی وضو کریں؟ (کیونکہ گرم پانی کو بھی آگ چھوتی ہے)۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ نے جواب میں کہا اے میرے بھتیجے! جب تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو اس کے لیے مثالیں نہ بیان کیا کرو۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کا حکم دیا تھا۔ بعد میں آپ نے ہی اس کو منسوخ کر دیا اور اس نسخ کا علم بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو نہ ہوا، لہٰذا وہ اس منسوخ سنت پر خود بھی عمل کرتے رہے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم جاری کرتے رہے۔ (سنن الترمذی، کتاب الطھارۃ عن رسول اللہ، باب ما جاء فی الوضوء مما غیرت النار)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے كَانَ آخِرُ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ تَرْكُ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ

النار (سنن النسائی، کتاب الطہارۃ، باب ترک الوضوء مما غیرت النار)

دونوں باتوں میں سے آخری بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ ایسی چیزوں کے کھانے کے بعد وضو نہ کرنا ہے جنہیں آگ نے چھوا ہو۔

امام نووی نے اس حدیث کی سند کو، صحیح، کہا ہے۔ امام ابن حجر نے اس کو، حسن، کہا ہے۔ امام ابن الملقن نے اس روایت کو، صحیح، کہا ہے۔ امام طحاوی نے بھی صحیح، کہا ہے۔ ابن حزم نے اس کو، قابل حجت، قرار دیا ہے۔ ابن قدامہ نے اس روایت کو ضعیف، کہا ہے۔ (موافقۃ الخبر الخبر جلد ۲، ص ۲۷۳، البدر المنیر جلد ۲، ص ۴۱۲۔ شرح معانی الآثار، جلد ۱، ص ۶۷۔ المحلی، جلد ۱، ص ۲۴۳۔ المغنی، جلد ۱، ص ۲۵۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قالہ شرعا دون ما ذکرہ من معایش)

یہ روایت صحیح ہے اور جمہور صحابہ، تابعین اور ائمہ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے استعمال کے بعد وضو کرنا واجب نہیں ہے۔ صحابہ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوامامہ، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں حضرت عبیداللہ السلمانی، حضرت سالم بن عبداللہ، حضرت قاسم بن محمد رحمہم اللہ اور فقہائے اہل مدینہ اور ائمہ میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابوحنیفہ، امام اسحاق بن راہویہ، امام عبداللہ بن مبارک، امام سفیان ثوری رحمہم اللہ اور اہل کوفہ اور اہل حجاز کا موقف یہی ہے۔

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں ساتویں اصول کا بیان

بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم تدبیری امور سے متعلق ہوتا ہے۔ آپ کے ایسے اقوال بھی سنت شرعیہ نہیں ہیں۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اللہ کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کھجور کی پیوندکاری کرتے تھے اور وہ کہتے تھے اس طرح فصل زیادہ ہوتی ہے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا،، تم یہ کیا کرتے ہو؟،، انہوں نے کہا ہم عرصہ دراز سے ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،، شاید کہ تم ایسا نہ کرو تو بہتر ہو،،۔ چنانچہ صحابہ نے اگلی فصل میں ایسا نہ کیا جس سے پھل کم ہو گیا۔ صحابہ نے آپ سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا، سوائے اس کے نہیں کہ میں تو ایک انسان ہوں۔ جب میں تمہیں تمہارے دین سے متعلق کوئی حکم دوں تو تم اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور جب میں تمہیں اپنی ذاتی رائے سے کوئی حکم جاری کروں تو میں بھی ایک انسان ہوں۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قالہ شرعا دون ما ذکرہ من معایش)

یہ حدیث اس مسئلے میں نص صریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض احکامات تشریع کے لیے نہ تھے۔ جیسے کسی مسئلے میں آپ نے بعض صحابہ کو دنیاوی امور میں کوئی مشورہ دے دیا ہو یا ان کی رہنمائی کر دی ہو۔

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں آٹھویں اصول کا بیان

بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات سفارش کے قبیل سے ہوتے ہیں۔ یہ بھی اُمت کے لیے سنت شرعیہ نہیں

ہوتے ہیں۔ مثلاً روایات میں آتا ہے کہ حضرت بریرہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی تھیں جو ایک غلام حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ بعد ازاں ایک موقع پر حضرت عائشہ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا۔ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت آزاد ہو جائے تو اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ اپنی غلامی کی حالت میں کیے ہوئے نکاح کو برقرار رکھے یا توڑ دے۔ حضرت بریرہ نے اپنی آزادی کے بعد اپنے اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے حضرت مغیث کے نکاح میں رہنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت مغیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے درخواست کی کہ آپ بریرہ کو سمجھائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کو بلوا کر کہا۔

یَا بَرِیْرَۃُ اتَّقِی اللّٰہَ فَإِنَّہٗ زَوْجُکِ وَاَبُوْ وَلَدِکِ، فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَاْمُرُنِیْ بِذٰلِکَ؟ قَالَ لَا، اِنَّمَا اَنَا شَافِعٌ، فَکَانَ دُمُوْعُہٗ تَسِیْلُ عَلٰی خَدِّہٖ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لِلْعَبَّاسِ، اَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِیْثٍ بَرِیْرَۃَ وَبُغْضِھَا اِیَّاہُ؟ (سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب فی المملوکۃ تعتق وھی تحت حر او عبد)

اے بریرہ! اللہ سے ڈر، وہ تیرا شوہر ہے اور تیرے بچے کا باپ ہے۔ تو حضرت بریرہ نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ مجھے مغیث کی طرف لوٹ جانے کا حکم دے رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں میں تو سفارش کر رہا ہوں۔ حضرت مغیث کی حالت یہ تھی کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں حضرت بریرہ کے پیچھے پھرتے تھے اور ان کے گالوں پر ہر وقت آنسو بہتے رہتے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا، کیا تجھے تعجب نہیں ہوتا کہ مغیث، کو بریرہ سے کتنی محبت ہے اور بریرہ، کو مغیث سے کس قدر نفرت ہے؟

اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم ماننا واجب ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت بریرہ آپ سے یہ سوال نہ کرتیں کہ کیا آپ مجھے حکم دے رہے ہیں؟

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں نویں اصول کا بیان

بعض اوقات آپ کے احکامات قضاء یا فوری فیصلوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ آپ کے ایسے احکامات بھی بعض مخصوص صورتوں میں سنت یعنی مصدر شریعت نہیں ہوتے ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے۔

اِنَّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ وَلَعَلَّ بَعْضَکُمْ اَلْحَنُ بِحُجَّتِہٖ مِنْ بَعْضٍ فَمَنْ قَضَیْتُ لَہٗ بِحَقِّ اَخِیْہِ شَیْئًا بِقَوْلِہٖ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَہٗ قِطْعَۃً مِنَ النَّارِ فَلَا یَاْخُذْھَا۔

تم میں سے بعض لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہیں، اور شاید تم میں سے کوئی ایک زیادہ، چرب زبان واقع ہو۔ پس اگر میں کسی ایک شخص کو اس کی چرب زبانی کی وجہ سے اس کے بھائی کے حق میں سے دے دوں، تو ایسے شخص کو میں آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں، پس وہ اس کو نہ لے۔

(صحیح البخاری، کتاب الشھادات، باب من اقام البینۃ بعد الیمین۔ وصحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب الحکم بالظاھر واللحن بالحجۃ)

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں دسویں اصول کا بیان

بعض اوقات آپ کے احکامات کسی ایک شخص کے بارے میں خاص ہوتے ہیں ،لہٰذا تمام اُمت کے لیے وہ سنت نہیں ہوتے ۔مثلاً ایک روایت کے الفاظ ہیں۔

ذَبَحَ أَبُو بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ أَبْدِلْهَا قَالَ لَيْسَ عِنْدِي إِلَّا جَذَعَةٌ ،قَالَ شُعْبَةُ وَأَحْسِبُهُ قَالَ هِيَ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ، قَالَ اِجْعَلْهَا مَكَانَهَا وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ .(صحیح البخاری، کتاب الإضاحی، باب قول النبی لابی بردۃ ضح بالجذع من المعز .(صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب وقتہا)

حضرت ابو بردہ نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کرلی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، تم اس کے بدلے میں ایک اور قربانی کرو،، ۔تو انہوں نے جواباً کہا میرے پاس تو صرف ایک جذعہ (بکری) ہے ۔(حدیث کے راوی شعبہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ (یعنی جذعہ) دوندے سے بہتر حالت میں ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،، اس کے بدلے میں جذعہ (بکری) قربانی کے طور پر دے دو، لیکن یہ یعنی جذعہ بکری تیرے بعد کسی کو (بطورِ قربانی) کفایت نہیں کرے گی (یعنی بکری کے لیے دو دانتا ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح آپ کے بعض احکامات کے بارے میں صحابہ میں اختلاف بھی ہو جاتا تھا کہ وہ عام ہیں یا خاص ۔مثلاً آپ کے ایک صحابی حضرت ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم ان کے ساتھ ہی ان کے گھر میں رہتے تھے، لیکن یہ ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے ۔جب یہ بالغ ہو گئے تو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اُن کا اپنے گھر میں آنا جانا اور رہنا پسند نہ تھا، اس پر ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلے کا حل دریافت فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابیہ کو مشورہ دیا

أَرْضِعِيهِ ،قَالَتْ وَكَيْفَ أُرْضِعُهُ وَهُوَ رَجُلٌ كَبِيرٌ؟ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ رَجُلٌ كَبِيرٌ .(صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب رضاعۃ الکبیر)

اس یعنی سالم کو دودھ پلا دو،، تو حضرت سہلہ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اسے کیسے دودھ پلاؤں جبکہ وہ ایک بالغ لڑکا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا،، میں جانتا ہوں کہ وہ ایک بالغ لڑکا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کے حکم کو صرف ان صحابیہ کے ساتھ خاص نہیں سمجھتی تھیں ۔ایک روایت کے الفاظ ہیں۔

فَبِذَلِكَ كَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا تَأْمُرُ بَنَاتِ أَخَوَاتِهَا وَبَنَاتِ إِخْوَتِهَا أَنْ يُرْضِعْنَ مَنْ أَحَبَّتْ عَائِشَةُ أَنْ يَرَاهَا وَيَدْخُلَ عَلَيْهَا وَإِنْ كَانَ كَبِيرًا خَمْسَ رَضَعَاتٍ ثُمَّ يَدْخُلُ عَلَيْهَا وَأَبَتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَسَائِرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ أَنْ يُدْخِلْنَ عَلَيْهِنَّ بِتِلْكَ الرَّضَاعَةِ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ حَتَّى يَرْضَعَ فِي الْمَهْدِ وَقُلْنَ لِعَائِشَةَ وَاللَّهِ مَا نَدْرِي لَعَلَّهَا كَانَتْ رُخْصَةً مِنَ النَّبِيِّ لِسَالِمٍ دُونَ النَّاسِ

(سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فیمن حرم بہ)

اسی حدیث کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بھانجیوں اور بھتیجیوں کو حکم دیتی تھیں کہ وہ اس کو پانچ مرتبہ دودھ پلائیں

جس کے بارے میں حضرت عائشہ کو یہ پسند ہوتا تھا کہ وہ ان کو دیکھے اور ان کے پاس آئے اگر چہ وہ بڑا ہی کیوں نہ ہو۔لیکن ام سلمہ اور باقی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے اس بات سے انکار کر دیا کہ کوئی شخص اس طرح (بڑی عمر میں) ان کا رضاعی رشتہ دار بنے اور پھر اس کے لیے ازواج مطہرات کے پاس آنا جائز ہو۔یہ تمام ازواج گود کی (حالت میں) رضاعت کی وجہ سے اپنے ساتھ رضاعی رشتہ داری کو جائز قرار دیتی تھیں۔یہ ازواج حضرت عائشہ کو کہتی تھیں کہ اللہ کی قسم! ہم تو یہی سمجھتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم صرف حضرت سالم کے لیے تھا نہ کہ تمام لوگوں کے لیے۔(صحیح ابی داود ۲۰۶۱)

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں گیارھویں اصول کا بیان

بعض اوقات آپ کے احکامات ،سداً للذریعۃ، ہوتے ہیں۔یعنی آپ کوئی حکم بطور شریعت جاری نہیں کرتے بلکہ کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی کی طرف لے جانے والے کسی سبب اور ذریعے سے منع کرتے ہیں، حالانکہ وہ سبب اور ذریعہ بذاتہ شرعاً جائز ہوتا ہے۔آپ کے ایسے احکامات کی اتباع بھی ضروری نہیں ہے۔مثلاً ایک دفعہ آپ نے صحابہ کو حکم دیا۔

إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ فِي الطُّرُقَاتِ، قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَالَنَا بُدٌّ مِنْ مَجَالِسِنَا، نَتَحَدَّثُ فِيهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ، فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ، قَالُوْا وَمَا حَقُّهُ؟ قَالَ، غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْأَذٰى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ،

(صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب النھی عن الجلوس فی الطرقات واعطاء الطریق حقہ)

راستوں میں بیٹھنے سے بچو،، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے راستوں میں بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، ہم یہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،، جب تم نے میری بات سے انکار کر دیا اور بیٹھنے کی بات کی ہے تو پھر راستے کو اس کا حق دو،، صحابہ نے عرض کیا کہ راستے کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، نظر کو جھکا کر رکھنا، کسی کو تکلیف دینے سے بچنا (تکلیف دہ چیز دور کرنا)، سلام کا جواب دینا، معروف کا حکم دینا اور منکر سے منع کرنا۔

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں بارھویں اصول کا بیان

بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقتی ضرر کو دور کرنے اور جزئی مصلحت کے حصول کے لیے کوئی حکم جاری کرتے تھے۔مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ قربانی کے جانوروں کا گوشت تین دن سے زائد استعمال نہ کریں۔بعض صحابہ نے اس حکم کو آپ کا ایک مستقل حکم سمجھ لیا، حالانکہ آپ نے یہ حکم ان غریب بدو صحابہ کی وجہ سے جاری کیا تھا جو اُس عید کے موقع پر آپ کے ساتھ حاضر تھے۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اس حکم سے مقصود یہ تھا کہ لوگ قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے کی بجائے ان بدو صحابہ پر صدقہ کر دیں۔حضرت سالم، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں۔

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ نَهَى أَنْ تُؤْكَلَ لُحُومُ الْأَضَاحِيِّ بَعْدَ ثَلَاثٍ . قَالَ سَالِمٌ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَأْكُلُ لُحُومَ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ (صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب بیان ما کان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع کر دیا۔ حضرت سالم کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر، تین دن کے بعد قربانی کا گوشت نہ کھاتے تھے۔

حضرت علی کا بھی یہی موقف تھا، جیسا کہ امام نووی نے 'شرح مسلم' میں بیان کیا ہے۔ جبکہ باقی صحابہ اس حکم کو ایک مستقل حکم نہیں مانتے اور جمہور علماء کا بھی یہی موقف ہے۔ اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب اس بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال اعرابی صحابہ کی وجہ سے تین دن سے زائد قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع کیا تھا کہ لوگ اس کو صدقہ کریں، لیکن اگلے سال آپ نے لوگوں کو تین دن سے زائد بھی قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے کی اجازت دے دی۔ روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا۔

إِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ مِنْ أَجْلِ الدَّافَّةِ الَّتِي دَفَّتْ، فَكُلُوا وَادَّخِرُوا وَتَصَدَّقُوا (صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب بیان ما کان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی ۔

میں نے تم کو تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے بعض اعرابی صحابہ کی وجہ سے منع کیا تھا جو کہ ہمارے پاس آ گئے تھے۔ اب تم تین دن کے بعد بھی کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ بھی کرو۔

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں تیرھویں اصول کا بیان

بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات بظاہر مطلق ہوتے ہیں لیکن درحقیقت وہ مطلق نہیں ہوتے۔ ایسے احکامات اپنے اطلاق میں سنت نہیں ہوں گے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

كَانَتْ تَحْتِي امْرَأَةٌ أُحِبُّهَا وَكَانَ أَبِي يَكْرَهُهَا، فَأَمَرَنِي أَبِي أَنْ أُطَلِّقَهَا، فَأَبَيْتُ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ طَلِّقِ امْرَأَتَكَ

(سنن الترمذی، کتاب الطلاق واللعان عن رسول اللہ، باب ما جاء فی الرجل یسالہ ابوہ ان یطلق زوجتہ)

ایک خاتون میرے نکاح میں تھیں اور مجھے اس سے محبت تھی، لیکن میرے والد (یعنی حضرت عمر) کو وہ خاتون ناپسند تھیں، تو میرے والد نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کو طلاق دے دوں۔ میں نے انکار کر دیا۔ پھر میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عبداللہ بن عمر! اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر کو کہا: أَطِعْ أَبَاكَ یعنی اپنے باپ کی اطاعت کر۔ (مسند احمد ۴۷۸۱)

اب اس روایت سے یہ مسئلہ نکالنا کہ اگر باپ اپنے بیٹے کو یہ حکم دے کہ اپنی بیوی کو طلاق دو تو اس مسئلے میں باپ کی اطاعت

مطلقاً واجب ہے، درست نہیں ہے۔ تحفۃ الاحوذی، اور، نیل الاوطار، کے مصنفین نے اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے لکھا ہے کہ باپ کے حکم پر بیٹے کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے چاہے کوئی شرعی عذر ہو یا نہ ہو اور اگر ماں بیوی کو طلاق کا حکم دے تو تین گنا زیادہ واجب ہے، کیونکہ حدیث میں ماں کا حق تین گنا زیادہ بیان کیا گیا ہے۔

ہمارے نزدیک یہ موقف درست نہیں ہے اور اگر ماں کی طرف سے طلاق کے حکم میں بیٹے کو پابند کیا جائے گا تو شاید یہاں کوئی بھی گھر آباد نہیں رہے گا کیونکہ ساس اور بہو کے اختلافات تو فطری ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس دو بدو آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اپنے اونٹ کی تلاش میں ایک قبیلے میں جا نکلا اور وہاں ایک لڑکی مجھے پسند آ گئی تو میں نے اس سے شادی کر لی، لیکن میرے والدین نے قسم اٹھا کر یہ بات کی ہے کہ وہ اس لڑکی کو اپنے خاندان میں شامل نہیں کریں گے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس نے اس بدو سے کہا۔

مَا أَنَا بِالَّذِيْ آمُرُكَ أَنْ تُطَلِّقَ امْرَأَتَكَ وَلَا أَنْ تَعُقَّ وَالِدَيْكَ ، قَالَ فَمَا أَصْنَعُ بِهٰذِهِ الْمَرْأَةِ؟ قَالَ ابْرَرْ وَالِدَيْكَ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۴، ص ۱۷۷)

میں تمہیں نہ تو یہ حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دو اور نہ ہی یہ مشورہ کہ تم اپنے والدین کی نافرمانی کرو۔ تو وہ شخص کہنے لگا کہ میں پھر اس عورت کا کیا کروں؟ تو حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا اپنے والدین سے حسن سلوک کرو۔

اسی طرح حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میرا باپ پہلے مجھے ایک لڑکی کے ساتھ شادی پر مجبور کرتا رہا اور جب میں نے اس سے شادی کر لی تو اب مجھے حکم دیتا ہے کہ میں اسے طلاق دے دوں۔ تو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا۔

مَا أَنَا بِالَّذِيْ آمُرُكَ أَنْ تَعُقَّ وَالِدَكَ وَلَا أَنَا بِالَّذِيْ آمُرُكَ أَنْ تَعُقَّ امْرَأَتَكَ غَيْرَ أَنَّكَ إِنْ شِئْتَ حَدَّثْتُكَ مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ اَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَحَافِظْ عَلٰى ذٰلِكَ إِنْ شِئْتَ أَوْ دَعْ ۔

(صحیح ابن حبان، جلد ۲، ص ۱۶۷)

میں تمہیں نہ تو یہ حکم دیتا ہوں کہ تم اپنے والدین کی نافرمانی کرو اور نہ ہی یہ مشورہ کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دو۔ ہاں اگر تم چاہو تو میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کر دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، باپ جنت کے دروازوں میں سے درمیانی دروازہ ہے۔ اگر تو چاہے تو اس کی حفاظت کر اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جب اس مسئلے کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے سائل سے کہا اپنی بیوی کو طلاق مت دے۔ اس پر سائل نے جواباً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والا مذکورہ بالا واقعہ سنا دیا تو امام احمد نے جواب دیا۔

إِذَا كَانَ أَبُوْكَ مِثْلَ عُمَرَ فَطَلِّقْهَا (فتاویٰ الازہر، جلد ۹، ص ۴۳۹)

اگر تیرا باپ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ہے (یعنی انتہائی متقی و دین دار اور حکمت و فراست والا) تو اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں چودھویں اصول کا بیان

بعض اوقات بعض مخصوص حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنے میں کسی فتنے کا اندیشہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے بعض علماء کے نزدیک ان حالات میں آپ کے اس حکم پر عمل کرنا سنت پر عمل شمار نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ کا حکم ہے۔ لَا تَمْنَعُوا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ الفتنۃ)

اللہ کی بندیوں (یعنی اپنی بیویوں) کو مسجدوں میں جانے سے مت روکو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے مسجد جانے کو ناپسند کرتے تھے اور بعض اوقات اس کا اظہار بھی کر دیتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی بیوی سے کہا گیا۔

لِمَ تَخْرُجِيْنَ وَقَدْ تَعْلَمِيْنَ اَنَّ عُمَرَ يَكْرَهُ ذٰلِكَ وَيَغَارُ؟

(صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ، باب ھل علی من لم یشھد الجمعۃ غسل من النساء والصبیان)

آپ مسجد کے لیے گھر سے کیوں نکلتی ہیں جبکہ آپ جانتی ہیں کہ حضرت عمر کو ناپسند کرتے ہیں اور اس بات پر غیرت کھاتے ہیں؟ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے زمانے کے فتن کو دیکھا تو کہا لَوْ اَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا اَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب خروج النساء الی المساجد باللیل والغلس)

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کل کی عورتوں کے حالات دیکھتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب اپنے بیٹے بلال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت سنائی کہ اپنی بیویوں کو مسجد میں جانے سے نہ روکو تو حضرت بلال نے جواباً کہا۔

وَاللّٰهِ لَنَمْنَعُهُنَّ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ اَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَتَقُوْلُ اَنْتَ لَنَمْنَعُهُنَّ؟ (صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علی الفتنۃ)

اللہ کی قسم ہم تو ان کو منع کریں گے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم کہتے ہو کہ ہم منع کریں گے؟

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت بلال نے اپنے والد کو کہا کہ ہمارے زمانے میں عورتیں اگر مسجد میں جائیں گی تو فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے لہٰذا ہم انہیں مسجد میں جانے سے روکیں گے۔ باوجودیکہ حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت بلال کو ان کے اس جواب پر سرزنش کی، لیکن خود حضرت عبداللہ بن عمر بھی شرعی احکام پر عمل پیرا ہونے کے لیے اس اصول (یعنی سد الذرائع) کو مدنظر رکھتے تھے جس کی وجہ سے ان کے بیٹے نے اس حدیث پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے دور خلافت میں حجاج بن یوسف ثقفی کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حجاز میں قائم شدہ خلافت کو ختم کرنے کے لیے بھیجا۔ اس وقت دو افراد حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

إِنَّ النَّاسَ ضَيَّعُوا وَأَنْتَ ابْنُ عُمَرَ وَصَاحِبُ النَّبِيِّ فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَخْرُجَ؟ فَقَالَ يَمْنَعُنِي أَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ دَمَ أَخِي فَقَالَا أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ (وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ) فَقَالَ قَاتَلْنَا حَتّٰى لَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ وَكَانَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ وَأَنْتُمْ تُرِيدُونَ أَنْ تُقَاتِلُوا حَتّٰى تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّيْنُ لِغَيْرِ اللّٰهِ؟

(صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قولہ وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ)

لوگوں نے امانت کو ضائع کر دیا (یعنی حق دار کو امارت وخلافت عطا نہ کی) اور آپ حضرت عمر کے بیٹے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں، پھر بھی آپ ان ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کیوں نہیں کرتے؟ تو حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا مجھے اللہ کا یہ حکم ان کے خلاف خروج سے روکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کے خون کو حرام کیا ہے۔ تو اس شخص نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے؟ (یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر، کو بنوامیہ کے فتنے سے نکالنے کے لیے قتال ہونا چاہیے) تو حضرت عبداللہ بن عمر نے جواب دیا ہم نے قتال کیا تھا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا اور دین (یعنی اطاعت) اللہ ہی کے لیے ہو گیا اور تم یہ چاہتے ہو کہ تم قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ پیدا ہو اور دین غیر اللہ کے لیے ہو جائے؟

صحیح بخاری ہی کی ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر نے آ کر کہا کہ آپ ہر سال حج وعمرہ تو کرتے ہیں لیکن اللہ کے راستے میں جہاد نہیں کرتے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا ارکان اسلام پانچ ہی ہیں، یعنی جہاد ان میں شامل نہیں ہے۔ تو اس شخص نے کہا اللہ تعالیٰ نے تو یہ حکم دیا کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراو اور اگر پھر ان میں کوئی ایک زیادتی کرے تو اس کے خلاف لڑو۔ یہ شخص دراصل حضرت عبداللہ بن عمر کو کہہ رہا تھا کہ (فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ، الحجرات ۹) کی نص کے تحت آپ پر ظالم گروہ کے ساتھ قتال واجب ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر نے اسے وہ جواب دیا جو اوپر مذکور ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کو وہ روایت بیان کرنے سے زبردستی روک دیا تھا جس میں کلمہ پڑھنے والے کے لیے جنت کی بشارت تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی تائید کی تھی۔

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں پندرھویں اصول کا بیان

بعض اوقات کوئی امتی آپ کے حکم کے ظاہر کی بجائے آپ کے مقصود ومنشا کو ملحوظ رکھتا ہے جس کی وجہ سے آپ کے ظاہری حکم پر عمل نہیں ہوتا۔ اس صورت میں آپ کے ظاہری حکم پر عمل نہ کرنا ہی افضل ہوتا ہے اگرچہ ظاہری حکم پر عمل بھی درست ہوتا ہے۔ مثلاً غزوہ احزاب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ سے ان کی بدعہدی کا بدلہ لینے کے لیے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ بنو قریظہ کی طرف کوچ کریں۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ نے مسلمانوں میں یہ منادی کرائی کہ

لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الظُّهْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ، فَتَخَوَّفَ نَاسٌ فَوْتَ الْوَقْتِ فَصَلَّوْا دُوْنَ بَنِي قُرَيْظَةَ، وَقَالَ

آخَرُوْنَ لَا نُصَلِّيْ إِلَّا حَيْثُ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَإِنْ فَاتَنَا الْوَقْتُ، قَالَ فَمَا عَنَّفَ وَاحِدًا مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ

(صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب المبادرة بالغزو وتقدیم اهم الامرین المتعارضین)

تم میں کوئی بھی اُس وقت تک ظہر کی نماز ہرگز نہ پڑھے جب تک کہ وہ بنوقریظہ میں نہ پہنچ جائے ،، ۔تو بعض لوگوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ (بنوقریظہ تک پہنچتے پہنچتے) ہماری نماز کا وقت فوت ہوجائے گا تو انہوں نے بنوقریظہ پہنچنے سے پہلے ہی (راستے میں) نماز پڑھ لی، جبکہ صحابہ کے ایک دوسرے گروہ نے کہا کہ ہم اسی جگہ ظہر کی نماز پڑھیں گے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔نے ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے چاہے ہماری نماز کا وقت ہی کیوں نہ گزر جائے ۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دونوں گروہوں کے عمل کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے کسی گروہ کے فعل کا انکار نہیں کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کے ظاہری حکم کی جن صحابہ نے یہ تاویل کی تھی کہ آپ کا اس حکم سے اصل مقصود یہ تھا کہ بنو قریظہ تک جلدی پہنچو یہاں تک کہ ظہر کی نماز وہاں جا کر پڑھو، وہ تاویل درست تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کی اپنی تقریر کے ذریعے تصویب فرمائی ۔علاوہ ازیں راستے میں نماز پڑھنے والا گروہ اس لیے افضل ہے کہ اس نے قرآن کے حکم (إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا) پر بھی عمل کیا۔

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں سولہویں اصول کا بیان

بعض اوقات کوئی عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی یہ تاویل کرتا ہے کہ وہ لازمی حکم نہیں ہے لہٰذا وہ اس حکم پر عمل نہیں کرتا ۔مثلاً حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علی بن ابی طالب نے مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والا معاہدہ لکھا اور اس میں مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ کے الفاظ لکھے تو اس پر مشرکین نے اعتراض کیا کہ یہ الفاظ معاہدے میں نہ لکھے جائیں، کیونکہ اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ نہ کرتے ۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا۔

اُمْحُهُ، فَقَالَ عَلِيٌّ مَا أَنَا بِالَّذِيْ أَمْحَاهُ، فَمَحَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِيَدِهِ

(صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب کیف یکتب هذا، صالح فلان بن فلان)

اِن الفاظ کو مٹا دو،، ۔حضرت علی نے کہا میں ان الفاظ کو مٹانے والا نہیں ہوں ۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے مٹا دیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں آپ کے حکم کی تعمیل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اپنے ایمان کے منافی سمجھا لہٰذا انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اور آپ کے حکم کی یہ تاویل کی کہ وہ کوئی لازمی حکم نہیں ہے۔

امام نووی نے ،شرح مسلم، میں اس حدیث کی یہی تاویل بیان کی ہے ۔اس طرح کی اور بھی بیسیوں روایات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ وتابعین نے آپ کے ہر حکم کی اتباع کو لازم نہیں سمجھا اور نہ ہی وہ آپ کے ہر قول کو شریعت سمجھتے تھے۔

لیکن یہ فرق کرنا کہ آپ کے کون سے اقوال کا تعلق تشریع سے ہے اور کون سے اقوال ہمارے لیے شریعت نہیں ہیں ، یہ کسی

عام آدمی کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ ان علماء کا کام ہے، جن کی زندگیاں حدیث پڑھنے اور پڑھانے میں گزرتی ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ائمہ سلف میں شارحین حدیث اور فقہاء ومحدثین نے یہ کام بحسن وخوبی کیا ہے اور حدیث کی شرح میں جابجا یہ واضح کیا ہے کہ آپ کا یہ حکم وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے، اباحت کے لیے ہے یا منسوخ ہے، عام ہے یا خاص، مستقل ہے یا عارضی، مطلق ہے یا مقید، وغیرہ۔

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں سترھویں اصول کا بیان

بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کام کسی ضرورت یا سبب سے کرتے تھے، لہٰذا اس ضرورت اور سبب کی عدم موجودگی میں اس مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک کو سبب یا علت پر محمول کرنا افضل ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے، حضرت ابوطفیل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے کہا۔

اَخْبِرْنِیْ عَنِ الطَّوَافِ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ رَاکِبًا اَسُنَّۃٌ ھُوَ؟ فَاِنَّ قَوْمَکَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّہٗ سُنَّۃٌ، قَالَ صَدَقُوْا وَکَذَبُوْا، قُلْتُ وَمَا قَوْلُکَ صَدَقُوْا وَکَذَبُوْا؟ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ کَثُرَ عَلَیْہِ النَّاسُ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مُحَمَّدٌ ھٰذَا مُحَمَّدٌ حَتّٰی خَرَجَ الْعَوَاتِقُ مِنَ الْبُیُوْتِ، قَالَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَا یُضْرَبُ النَّاسُ بَیْنَ یَدَیْہِ فَلَمَّا کَثُرَ عَلَیْہِ رَکِبَ وَ الْمَشْیُ وَالسَّعْیُ اَفْضَلُ (۱۵۸)

مجھے صفا اور مروہ کے درمیان سواری پر طواف کرنے کے بارے میں بتائیں کہ کیا وہ سنت ہے؟ بے شک آپ کی قوم کے لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ایسا کرنا سنت ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا انہوں نے سچ کہا اور جھوٹ بھی بولا۔ میں نے پھر پوچھا کہ آپ کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ انہوں نے سچ بھی کہا اور جھوٹ بھی بولا؟ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں نے ہجوم کرلیا تھا اور یہ کہہ رہے تھے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہاں تک کہ بوڑھی عورتیں بھی اپنے گھروں سے باہر نکل آئیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا لوگ آپ کے سامنے ہجوم نہیں کرتے تھے، لیکن جب انہوں نے آپ پر اکٹھ کرلیا تو آپ نے سوار ہوکر سعی کی، جبکہ پیدل سعی کرنا زیادہ افضل ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ وھذا الذی قالہ ابن عباس مجمع علیہ اجمعوا علی ان الرکوب فی السعی بین الصفا والمروۃ جائز وان المشی افضل منہ لا لعذر و اللّٰہ اعلم (۱۵۹)

اور جو بات حضرت عبداللہ بن عباس نے کہی ہے اس پر اجماع ہے۔ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ صفا اور مروہ کی سعی کے دوران سوار ہونا جائز ہے لیکن پیدل چلنا زیادہ افضل ہے، سوائے اس کے کہ کوئی عذر لاحق ہو۔

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں اٹھارویں اصول کا بیان

بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کام بطور عبادت کرنے کا ارادہ کرتے، لیکن آپ وہ کام کسی سبب سے بالفعل نہیں

کرتے تھے، تاہم آپ کی یہ خواہش ہوتی کہ آپ وہ کام کریں۔اس معاملے میں اگرچہ آپ نے ایک کام نہیں کیا لیکن جس کے کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش کی تھی تو وہ کام اُمت کے لیے مستحب ہوگا۔صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینے میں صرف تین دن تراویح پڑھائی تھے اور چوتھے دن صحابہ آپ کا انتظار کرتے رہے لیکن آپ تراویح پڑھانے کے لیے اپنے حجرے سے باہر تشریف نہ لائے۔فجر کی نماز کے بعد آپ نے صحابہ کو بتلایا

فَإِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ شَأْنُكُمُ اللَّيْلَةَ وَلَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ فَتَعْجِزُوا عَنْهَا (۱۵۴)

تمہاری رات کی کیفیت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے، لیکن مجھے یہ اندیشہ تھا کہ تم پر رات کی نماز (یعنی تراویح) فرض نہ کر دی جائے اور تم اس کی ادائیگی سے عاجز آ جاؤ اور گناہ گار رہو۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں۔فَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ (۱۵۵)

اور مجھے تراویح کی نماز کے لیے اپنے حجرے سے باہر نکلنے کے لیے سوائے اس چیز کے اور کسی امر نے نہیں روکا کہ مجھے یہ اندیشہ تھا کہ وہ تم پر فرض نہ کر دی جائے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین دن تراویح کی جماعت کروائی ہے، باقی دنوں میں آپ اور صحابہ نے تراویح کی نماز انفرادی طور پر پڑھی ہے۔صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک معاملہ اسی طرح رہا ہے۔اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ آپ کی سنت تو صرف تین دن جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھنا ہے تو وہ غلطی پر ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صحابہ مکمل رمضان میں تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔لہٰذا زیادہ افضل یہ ہے کہ تمام رمضان میں تراویح کی نماز ادا کی جائے۔صحیح بخاری کی ایک روایت میں عبدالرحمٰن بن عبدالقاری فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت عمر کے ساتھ مسجد نبوی میں گیا تو حضرت عمر نے دیکھا کہ صحابہ الگ الگ ٹکڑیوں میں نماز پڑھ رہے ہیں۔بعض صحابہ اکیلے نماز پڑھ رہے تھے، جبکہ بعض کچھ دوسروں کو نماز پڑھا رہے تھے۔حضرت عمر نے جب یہ منظر دیکھا تو سب کو جمع کر کے ایک جماعت بنا دیا اور حضرت اُبی بن کعب کو قاری مقرر کر دیا۔اگلی رات جب حضرت عمر دوبارہ مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے صحابہ کو ایک جماعت میں نماز پڑھتے دیکھ کر کہا۔

نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ، وَالَّتِي يَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَقُومُونَ، يُرِيدُ آخِرَ اللَّيْلِ، وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ (۱۵۶)

یہ کیا ہی خوب بدعت (یعنی نیا کام) ہے! اور جو لوگ سو رہے ہیں وہ ان قیام کرنے والوں سے افضل ہیں۔راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر کی مراد وہ سونے والے لوگ تھے جو آخر رات میں قیام کرتے تھے اور عام لوگ اول وقت میں قیام کرتے تھے،،۔

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں انیسویں اصول کا بیان

بعض اوقات ایسے کام کو کرنا جائز نہیں ہوتا جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا ہو لیکن آپ نے اس کو بالفعل نہ کیا

ہو اور اس کا علم احوال و قرائن سے ہوتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں جو مسجد میں آ کر جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے تھے، فرمایا۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْطَبَ ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَیُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ فَاُحَرِّقَ عَلَیْهِمْ بُیُوْتَهُمْ، وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ یَعْلَمُ اَحَدُهُمْ اَنَّهٗ یَجِدُ عَرْقًا سَمِیْنًا اَوْ مِرْمَاتَیْنِ حَسَنَتَیْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ)

امام نووی نے، شرح مسلم، میں لکھا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے والوں کو یہ سزا دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ آپ نے یہ سزا نہیں دی۔ امام نووی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حدیث کا سیاق یہ بتلاتا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد منافقین کے بارے میں تھا، کیونکہ صحابہ سے یہ بعید ہے کہ وہ ایک یا دو ہڈیوں کو جماعت کی نماز پر ترجیح دیں۔ بعض دوسری روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فجر اور عشاء کی نماز منافقین پر بھاری ہوتی تھی اور اس روایت میں بھی عشاء کی نماز کا تذکرہ ہے۔

اسی طرح آپ نے حطیم کو بھی بیت اللہ میں شامل کرنے کی خواہش کا ظہار کیا تھا لیکن کچھ موانع کی وجہ سے آپ نے اس پر عمل نہ کیا۔ اُمت نے بھی آج تک اس فعل پر آپ کی خواہش کے باوجود عمل نہیں کیا ہے۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الرمل فی الطواف والعمرۃ)

حدیث سے مستنبط استدلالی حکم میں بیسویں اصول کا بیان

بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فعل میں اصلاً مقصود وہ فعل نہیں ہوتا بلکہ اس فعل سے حاصل ہونے والا نتیجہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ مسواک کرنا آپ کی سنت ہے اور اس سنت کا مقصود منہ کی صفائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے

اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب سواک الرطب والیابس للصائم)

مسواک کرنا منہ کی صفائی کا ذریعہ ہے اور رب کی رضا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسواک کی سنت میں اصل حکمت طہارت ہے نہ کہ دانتوں پر کوئی لکڑی پھیرنا۔

امام طیبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ مسواک کی حکمت منہ کی صفائی ہے اور پھر منہ کی صفائی کو اللہ کی رضا قرار دیا گیا ہے۔ مسواک عربی زبان کے اعتبار سے اسم آلہ کا وزن بنتا ہے اور اس کا معنی، مایُستاک بہ، ہے، یعنی جس کے ذریعے کسی چیز کو رگڑا جائے یا ملا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسواک لکڑی ہی کی ہوتی تھی اور مسواک میں سب سے افضل پیلو کی مسواک ہے، جیسا کہ صحیح روایت میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ كُنْتُ اَجْتَنِیْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ سِوَاكًا مِنَ الْاَرَاكِ (ارواء الغلیل، جلد ۱، ص ۱۰۴)

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیلو کی مسواک چنا کرتا تھا۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق اپنی زندگی کے آخری لمحات میں آپ نے کھجور کی تازہ شاخ کو مسواک کے طور پر

استعمال کیا تھا جبکہ آپ کا سر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا۔ بعض علماء نے زیتون کی مسواک کو بھی اس کے درخت کے بابرکت ہونے کی وجہ سے افضل کہا ہے لیکن زیتون کی مسواک کی فضیلت میں وارد شدہ تمام روایات ضعیف ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انگلی کے دانتوں پر پھیرنے سے مسواک کی سنت ادا ہو جاتی ہے؟ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انگلی اگر نرم ہے یعنی اس سے کسی قدر دانتوں کی صفائی ممکن نہیں ہے تو یہ سنت ادا نہ ہوگی، لیکن اگر انگلی سخت اور کھردری ہے تو اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف، مالکیہ اور ایک روایت کے مطابق حنابلہ کے نزدیک اس سے سنت ادا ہو جائے گی جبکہ شوافع اور حنابلہ کے مشہور موقف کے مطابق سنت ادا نہ ہوگی۔

امام نووی، حافظ عراقی اور ابن قدامہ رحمہم اللہ نے پہلے مسلک ہی کو ترجیح دی ہے اور ہمارے نزدیک بھی پہلا مسلک درست ہے جس کی دلیل درج ذیل روایت ہے۔

إِنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ مِنْ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّكَ رَغَّبْتَنَا فِي السِّوَاكِ، فَهَلْ دُونَ ذٰلِكَ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالَ إِصْبَعَاكَ سِوَاكٌ عِنْدَ وُضُوئِكَ تَمُرُّهَا عَلٰى أَسْنَانِكَ

(طرح التثریب، جلد ۲، ص ۶۸)

انصار میں بنو عمر بن عوف کے ایک شخص نے عرض کیا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے ہمیں مسواک کرنے میں رغبت دلائی ہے، تو کیا مسواک کے علاوہ بھی کوئی شے کفایت کر جائے گی؟ تو آپ نے فرمایا، تمہاری انگلیاں تمہارے وضو کے وقت تمہاری مسواک ہیں، تم ان کو اپنے دانتوں پر رگڑ لیا کر۔

حافظ عراقی نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد اس کے تمام رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت، يُجْزِئُ مِنَ السِّوَاكِ الْأَصَابِعُ یعنی انگلیاں تمہیں مسواک کے بالمقابل کفایت کریں گی، بھی ہے، جس کے بعض طرق کو ابن حجر عسقلانی نے صحیح کہا ہے۔ (الدرایۃ، جلد ۱، ص ۱۸)

مسواک کا مقصد یعنی منہ کی صفائی عصر حاضر میں ٹوتھ پیسٹ اور برش وغیرہ سے بھی پورا ہو جاتا ہے تو کیا اگر کوئی شخص اس نیت سے برش کرے کہ سنت ادا ہو جائے تو اسے سنت کا ثواب ملے گا؟ علماء کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ برش کرنے سے بھی سنت کا ثواب ملے گا بشرطیکہ سنت کی ادائیگی کی نیت ہو۔

ڈاکٹر عبد اللہ الفقیہ لکھتے ہیں کہ جہاں تک مسواک کا معاملہ ہے تو اصل سنت یہی ہے کہ وہ پیلو کی نرم لکڑی کی ہونی چاہیے کیونکہ اس سے منہ کی بدبو اچھی طرح دور ہوتی ہے اور وہ ملائم بھی ہوتی ہے اور خوشبودار بھی۔ اگر اس کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی منہ کی صفائی حاصل ہو جائے یا کوئی اور چیز مسواک سے بھی زیادہ اچھی طرح منہ صاف کرنے والی ہو تو جن علماء نے مقصود کو دیکھا تو ان کے نزدیک پیسٹ اور برش وغیرہ بھی مسواک کی جگہ کفایت کرتے ہیں، اور جن علماء نے مسواک کو تعبدی امور میں شمار کیا ہے تو ان کے نزدیک سنت صرف لکڑی کے استعمال میں ہے، لہٰذا ان کے نزدیک لکڑی استعمال کرنا ہی سنت ہے۔ اور راجح مسلک ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پیسٹ اور برش وغیرہ سے بھی سنت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں لکڑی سے زیادہ اچھی طرح منہ کو صاف اور

پاک کرنے والے ہیں۔ بعض سلف صالحین کے نزدیک انگلی اور پرانے کپڑے کو رگڑنے سے بھی مسواک کی سنت حاصل ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ، جلد ۸، ص ۲۳۷)

یہ بات واضح رہے کہ برش کے ساتھ ساتھ مسواک کی سنت کو ترک نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ مسواک کرنے کے بہت سے ایسے مواقع سنت سے ثابت ہیں جن میں برش کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ کا فرمان ہے۔

لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ (صحیح البخاری، کتاب الجمعۃ، باب السواک یوم الجمعۃ۔ وسنن الترمذی، کتاب الطھارۃ عن رسول اللہ، باب ماجاء فی السواک)

مجھے اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میں اپنی اُمت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ لہٰذا ہر نماز کے وقت مسواک کرنا سنت ہے۔ اسی طرح بعض صحیح احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب کتا تمہارے کسی برتن میں اپنا منہ ڈال دے تو تم اس برتن کو سات مرتبہ دھوؤ اور پہلی مرتبہ مٹی سے دھوؤ۔ اب اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مقصود برتن کی صفائی ہے اور اگر برتن کی صفائی آج کل صابون یا سرف وغیرہ سے اچھی طرح ہوتی ہے تو ہمیں مٹی کی جگہ وہی استعمال کرنا چاہیے۔

علم اسماء الرجال کی اہمیت

علم اسماء الرجال کی ضرورت کا بیان

عاصم حضرت ابن سیرین علیہ الرحمہ جو عظیم محدث ہیں ان سے نقل کرتے ہیں کہ گزشتہ زمانے میں چونکہ لوگ سچے اور عادل ہوتے تھے اس لئے سندوں کے متعلق نہیں پوچھا جاتا تھا لیکن جب فتنوں کا دور آیا تو محدثین نے سندوں کا اہتمام شروع کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود محدثین اہل سنت کی حدیث کو قبول کر لیتے ہیں اور اہل بدعت کی روایت کو چھوڑ دیتے ہیں۔

(جامع ترمذی، جلد دوم، رقم الحدیث، 1934)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپس میں ایک دوسرے کے واسطے سے احادیث کو روایت کیا کرتے تھے۔ نیز عربوں کی خصوصیات میں سے تھا کہ وہ اکثر زمانہء جاہلیت میں بھی اشعار و حکایات کو سند کے ساتھ نقل کرتے تھے۔

اس لیے احادیث کو بھی صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ عام طور پر اسناد کے ساتھ ہی بیان کرتے اور کبھی ترک بھی کر دیا کرتے تھے، مگر اس فتنہ کے شروع ہونے کے بعد اس کا خصوصیت سے التزام کیا جانے لگا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ہم حدیث یاد کیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کی جاتی تھیں لیکن جب تم ہر اچھی اور بری راہ پر چلنے لگے تو اب اعتماد اور اعتبار ختم ہو گیا اور ہم نے اس فن کو چھوڑ دیا۔ ابو ایوب، سلیمان بن عبد اللہ غیلانی، ابو عامر، عقدی، رباح، قیس بن سعد، حضرت مجاہد بیان فرماتے ہیں کہ بشیر بن کعب عدوی ابن عباس کے پاس آئے اور احادیث بیان کرنا شروع کیں اور

کہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا لیکن ابن عباس نے نہ اس کی احادیث غور سے سنیں اور نہ ہی اس کی طرف دیکھا بشیر نے عرض کیا اے ابن عباس! کیا بات ہے کہ میں آپ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کر رہا ہوں اور آپ سنتے ہی نہیں؟

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ایک وہ وقت تھا کہ جب ہم کسی سے یہ سنتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ہماری نگاہیں بلاتا بے اختیار اس کی طرف لگ جاتیں اور غور سے اس کی حدیث سنتے لیکن جب سے لوگوں نے ضعیف اور ہر قسم کی روایات بیان کرنا شروع کر دیں تو ہم صرف اسی حدیث کو سن لیتے ہیں جس کو صحیح سمجھتے ہیں۔ (صحیح مسلم، جلد اول، رقم الحدیث، 22)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظہور فتنہ اور روایت میں تساہل کے بعد عام طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کے بیان کرنے اور دوسروں سے سننے میں حزم و احتیاط اور تحقیق کی روش اختیار کر لی تھی، تاکہ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنے کا پوری طرح سد باب ہو جائے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تلامذہ، یعنی تابعین جنہوں نے اپنے اساتذہ سے روایتیں کی ہیں، اسی اصول کی پابندی کرنے لگے۔

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا **ھذا الحدیث دین فانظروا عمن تاخذون دینکم** یہ حدیث دین ہے، پس خوب غور کر لو ان لوگوں کے بارے میں جن سے تم دین حاصل کر رہے ہو۔

شعبی نے ربیع بن خثیم رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ ربیع نے روایت بیان کی: من قال لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے ربیع بن خثیم سے دریافت کیا کہ آپ سے اس حدیث کو کس نے بیان کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ عمرو بن میمون اودی نے، اس کے بعد میری ملاقات عمرو بن میمون اودی سے ہوئی، میں نے عرض کیا کہ آپ سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے، پھر میری ملاقات ابن ابی لیلیٰ سے بھی ہوئی، تو میں نے دریافت کیا کہ آپ سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔

ان کے بارے میں حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **وھذا اول من فتش عن الاسناد** ترجمہ: یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سند کے بارے میں تحقیق و تفتیش سے کام لیا۔

تابعین اور تبع تابعین اکثر باہم احادیث کا مذاکرہ بھی کرتے تھے اور یہ حضرات صرف ان ہی حدیثوں کو قبول کرتے تھے جو جانی پہچانی ہوتی ہوں اور ان کو ترک کر دیتے جو نہیں پہچانی جاتی تھیں۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں: ہم حدیث کو سنتے تھے اور اس کو اپنے اصحاب کے سامنے اس طرح پیش کرتے تھے جیسے کھوٹے درہم کو صراف کے سامنے پیش کرتے ہیں، جن کو وہ حضرات پہچانتے تھے، انہیں قبول کرتے، ورنہ ترک کر دیتے تھے۔

اعمش کہتے ہیں۔ ابراہیم نخعی حدیث کے صراف تھے، میں بہت سے لوگوں سے حدیثوں کو سنتا، پھر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان روایات کو ان کے سامنے پیش کرتا، چناں چہ زید بن وہب وغیرہ کے یہاں مہینے میں ایک دو مرتبہ حدیث کے سلسلے میں

حاضری ہوتی اور ابراہیم نخعی کی خدمت میں حاضری سے مشکل ہی سے ناغہ ہوتا۔

اسماء الرجال کی تعریف

ڈاکٹر ادیب صالح نے علم اسماء الرجال کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ وھو علم یقوم علی مابہ تعرف احوال رواۃ الحدیث من حیث کونھم رواۃ الحدیث یہ وہ علم ہے کہ جو راویان حدیث کے احوال سے صرف ان کے راوی ہونے کی حیثیت سے بحث کرتا ہے۔ اس تعریف میں من حیث کونھم رواۃ الحدیث کی قید اس لیے لگائی گئی، ہر انسان کے بحیثیت انسان بہت سے احوال ہوتے ہیں، لیکن علم اسماء الرجال میں اس کے فقط ان احوال سے بحث ہوتی ہے کہ جن احوال سے اس کے راوی حدیث ہونے کی حیثیت سے بحث کرنا ضروری ہوتا ہے اور جن احوال سے حدیث کی صحت وسقم اور اس کے مراتب کی تعیین کا تعلق ہوتا ہے۔

علامہ سخاوی نے اسماء الرجال کی تعریف اس طرح کی ہے کہ التعریف بالوقت التی تضبط بہ الاحوال فی الموالید والوفیات، ویلتحق بہ ما یتفق من الحوادث والوقائع التی ینشأ عنھا معان حسنۃ من تعدیل وتجریح ونحو ذلک؛

یعنی اس وقت کی معرفت کا نام تاریخ ہے کہ جس کے ساتھ احوال ضبط کیے جاتے ہیں پیدائش و وفات کے اعتبار سے اس کے ملحقات میں سے وہ واقعات بھی ہیں کہ جس سے کسی تعریف یا تنقیص یا دوسرے احوال معلوم کیے جاتے ہیں۔

یہ وہ علم ہے کہ جو جرح و تعدیل کے مخصوص الفاظ و ضوابط کے ساتھ راویانِ حدیث کے احوال اور اُن کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے اور سن پیدائش وسنِ وفات اور رحلات و اسفار علمیہ اور علم حدیث میں اُن کے مقام و مراتب سے بحث کرتا ہے۔

اسماء الرجال کا موضوع

اس علم کا موضوع جس سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے وہ راویان حدیث کے وہ احوال ہیں جس سے حدیث کے صحت وسقم پر کچھ اثر پڑتا ہو۔

چنانچہ ڈاکٹر صباغ اپنی کتاب الحدیث النبوی مصطلحۃ وبلاغۃ وکتبہ میں لکھتے ہیں کہ وموضوعہ البحث فی رواۃ الحدیث وتاریخھم وکل ما یتعلق بشؤونھم ونشأتھم وشیوخھم وتلامذتھم ورحلاتھم، ومن اجتمعوا بہ، او من لم یجتمعوا بہ، من اھل عصرھم ومرکزھم العلمی فی عصرھم وعاداتھم وطبائعھم واخلاقھم وشھادۃ عارفیھم لھم، او علیھم وسائر مالہ صلۃ بتکوین الثقۃ علیھم جرحا او تعدیلاً،

اس علم کا موضوع راویان حدیث کے احوال اور ان کی تاریخ و اساتذہ، تلامذہ، اسفار علمیہ، عادات و اخلاق و طبائع اور ہر اس وصف سے بحث کرنا ہے کہ جس کا ان کی ثقاہت یا مجروح و عادل ہونے سے تعلق ہو۔ غرضے کہ اس علم کا موضوع بڑا وسیع ہے اور ان تمام جہات پر محیط ہے کہ جن کا راویان حدیث سے راوی حدیث ہونے کی حیثیت سے کوئی ادنی تعلق ہو۔

چنانچہ ڈاکٹر عجاج الخطیب اپنی کتاب اصول حدیث میں لکھتے ہیں۔ فھو یتناول بیان احوال الرواۃ وبذکر تاریخ ولادۃ الراوی ووفاتہ وشیوخہ وتاریخ سماعہ منھم ومن روی عنہ وبلادھم ومواطنھم ورحلات الراوی وتاریخ قدومہ الی البلدان المختلفۃ وسماعہ من بعض الشیوخ قبل الاختلاط ام بعدہ وغیر ذلک مما لہ صلۃ بامور الحدیث۔

کہ یہ علم اسمائے رجال یا تاریخ رجال راویان حدیث کے تمام احوال پر مشتمل ہوا کرتا ہے۔ اس میں راوی کی تاریخ پیدائش ووفات، اس کے اساتذہ اور تلامذہ اور راوی کے شہر ووطن، اسفار علمیہ اور مقامات سفر، ان اسفار میں کس سے ملاقات ہوئی اور کس سے نہیں ہوئی، کس استاذ سے اختلاط سے پہلے سنا اور کس سے اختلاط کے بعد، غرض کہ راوی کے ان تمام احوال سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے کہ جن کا امور حدیث سے کوئی معمولی تعلق ہو۔

اسم الرجال کی غرض وغایت

اس علم کی غرض وغایت یہ ہے کہ راویان حدیث کے احوال سے واقفیت حاصل کی جائے تاکہ اس کے ذریعے سے احادیث کی پہچان کی جائے اور صحیح اور غیر صحیح میں تمیز کی جائے کیوں کہ ان احادیث پر ہمارے دین کے بہت سے اعمال اعتقادیہ وفقہیہ کا دار ومدار ہے، اس کے علم کے بعد احادیث صحیحہ پر دین اور احکام دین کی بنیاد رکھی جائے اور ان لوگوں کی احادیث کو رد کر دیا جائے کہ جو قابل اعتبار نہ ہوں، یہ تمیز وتفتیش اگر نہ کی جائے تو دین میں بعض ایسی باتیں بھی داخل ہو جائیں گی جو بے اصل ہوں گی اور اس کے نتیجے میں دین کے اندر خلط واختلاط پیدا ہوگا اور سارا کا سارا دین بگڑ جائے گا۔

تاریخ اسم الرجال

یہ ان اہم علوم میں سے ہے کہ جو علم حدیث کے نصف حصے پر مشتمل ہے، کیوں کہ حدیث کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک وہ جس کو سند کہتے ہیں، جس کی تعریف حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ عسقلانی نے شرح نخبۃ الفکر میں طریق المتن سے کی ہے اور دوسرا حصہ وہ ہے جو متن کہلاتا ہے، علم اسماء الرجال کا تعلق سند سے ہوتا ہے اور اس کی صحت اور عدم صحت کے اعتبار سے پھر متن سے بھی تعلق ہوتا ہے، گویا پورے علم حدیث سے اس کا تعلق ہے، اس لیے اس کی اہمیت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اسی لیے تو بڑے بڑے محدثین نے اس علم میں اپنی عمریں صرف کیں اور امت کے سامنے راویان حدیث کے حالات پر مشتمل وہ کتابیں پیش کیں کہ جس سے کوئی بھی علم حدیث سے تعلق رکھنے والا مستغنی نہیں ہو سکتا ہے۔

اس لیے امام ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب الجرح والتعدیل کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ،

وجب الفحص عن الناقلۃ والبحث عن احوالھم واثبات الذین عرفناھم بشرائط العدالۃ والتثبت فی الروایۃ، مما یقتضیہ حکم العدالۃ فی نقل الحدیث وروایتہ بان یکونوا اُمناء فی انفسھم، علماء بدینھم، اھل ورع وتقوی وحفظ للحدیث واتقان وتثبت فیہ وان یکونوا اھل تمییز

وتحصيل لا يشوبهم كثير من الغفلات، ولا تغلب عليهم الاوهام فيما قد حفظوه ووعوه

یعنی روایت کرنے میں واجب ہے کہ اہل تثبت اور عادل راویوں کو تلاش کیا جائے اور ان کی روایت کو ثابت کیا جائے، جو عادل اور امین اور اہل تقویٰ ہوں اور ان پر اوہام وغفلت کا غلبہ نہ ہو، جو کچھ سنا وہ اچھی طرح یاد ہو۔

انہی علمائے جرح وتعدیل کے متعلق ڈاکٹر محمد الصباغ نے اپنی کتاب الحدیث النبوی میں لکھا ہے کہ علمائے اسلام نے علم اسمائے رجال میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ بالکل صحیح اور اسلامی موقف ہے، کیوں کہ ان حضرات نے نہ تو تمام راویوں کی روایتوں کو قبول کیا، اس لیے کہ اس سے دین میں تحریف کا راستہ کھلتا اور نہ سب کی روایتوں کو ترک کیا کہ اس سے دین کا بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا، بلکہ ان حضرات نے اس راہ میں تکالیف اور مشقتیں برداشت کر کے اپنے تمام اوقات صرف کیے اور راویانِ حدیث کے احوال کا علم حاصل کیا، جو ان کے لیے صحیح اور غیر صحیح کی تمیز ونقد میں معاون ثابت ہوئی۔

اس سلسلے میں ان حضرات نے کتابیں لکھی اور ہر راوی کے حالات کا از اول تا آخر پورا احصاء کیا کہ کب پیدا ہوا تھا؟ کب اس نے طلب حدیث کی ابتدا کی کب سنا؟ کیسے سنا؟ کس کے ساتھ سنا؟ کب سفر کیا؟ اور کہاں کا سفر اختیار کیا؟ اس طرح ان کے اساتذہ کا ذکر، ان کے علاقوں کا ذکر اور تاریخ وفات کا ذکر کیا اور بعض راویوں کے حالات میں تو ان کی زندگی کے جزئی حالات بھی خوب تحقیق وتدقیق سے تلاش کیے اور ان کی زندگی کے تمام حوادث ذکر کر دیے ہیں۔

طبقات علمائے اسماء الرجال

اس موضوع پر سب سے پہلے ابن عدی نے الکامل میں لکھا اور صحابہ، تابعین اور تبع وتابعین کے بعد اپنے زمانے تک ان علماء کا نام لکھا ہے کہ جن سے راویان جرح وتعدیل کے متعلق اقوال منقول ہیں یا جنہوں نے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، ان کے بعد پھر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل ہے، جو شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تحقیق کے ساتھ مطبوعہ ہے۔ اس رسالہ میں انہوں نے بائیس طبقات قائم کیے ہیں اور سات سو پندرہ علماء کا ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے المتکلمون فی الرجال کے عنوان سے ان کو اعلان بالتوبیخ اور فتح المغیث میں 26 طبقات میں ذکر کیا ہے، لیکن کچھ تلخیص بھی کی، اپنے زمانے تک انہوں نے دو سو دس اشخاص کے نام ذکر کیے۔

طبقہ اول کے راویان حدیث کا بیان

یوں تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رجال الحدیث ہیں؛ لیکن یہ آٹھ حضرات ان میں سرفہرست ہیں، ان کی روایات سب سے زیادہ ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۳۲ھ) آپ سے تقریبا ۸۴۸ احادیث مروی ہیں۔ (۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۵۸ھ) آپ سے تقریبا ۲۲۱۰ احادیث مروی ہیں۔ (۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۵۹ھ) آپ سے تقریبا ۵۳۷۴ احادیث مروی ہیں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۶۸ھ) آپ سے تقریباً ۱۶۶۰ احادیث مروی ہیں۔ (۵) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (۷۳ھ) آپ سے تقریباً ۲۶۳۰ احادیث مروی ہیں۔ (۶) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (۷۴ھ) آپ سے تقریباً ۱۱۷۰ احادیث مروی ہیں۔ (۷) حضرت جابر بن عبداللہ (انصاری رضی اللہ عنہ) (۷۸ھ) آپ سے تقریباً ۱۵۴۰ احادیث مروی ہیں۔ (۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۹۳ھ) آپ سے تقریباً ۲۲۶۶ احادیث مروی ہیں۔

ان کے بعد جن صحابہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ روایات ہیں ان میں حضرت ابوالدرداء (۳۲ھ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (۷۳ھ) سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ (۵۹ھ) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ (۳۴ھ) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (۳۲ھ) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۱۸ھ) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۵۲ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۴۰ھ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (۶۰ھ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (۳۲ھ) اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ (۳۵ھ) سرفہرست ہیں۔

علمی حیثیت سے جو صحابہ رضی اللہ عنہ اس دور میں زیادہ ممتاز رہے وہ مشہور فقیہ تابعی حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۱ھ) کے بیان کے مطابق یہ حضرات تھے۔

،عن مسروق قال، شاممت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم، فوجدت علمهم انتهى إلى ستة، عمر، وعلي، وعبد الله، ومعاذ، وابي الدرداء، وزيد بن ثابت، .(تاريخ ابی زرعة الدمشقي،باب بسم الله الرحمن الرحيم)

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہ کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے، میں نے ان کا علم چھ افراد میں منتہی ہوتے پایا، عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، معاذ رضی اللہ عنہ، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم ہیں۔

طبقہ دوئم کے راویان حدیث کا بیان

تابعین کرام میں جو حضرات اس میدان میں زیادہ پیش پیش رہے، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بیان میں ان کا ذکر مختلف شہروں کے اعتبار سے اس طرح ملتا ہے، یہ بحث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خبر واحد کی حجیت کے ذیل میں لکھی ہے۔

میں نے مدینہ منورہ و مکہ، یمن و شام و کوفہ کے حضرات ذیل کو دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے تھے اور صرف اس ایک صحابی کی حدیث سے ایک سنت ثابت ہو جاتی تھی، اہل مدینہ کے چند نام یہ ہیں محمد بن جبیر رضی اللہ عنہ، نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ، یزید بن طلحہ رضی اللہ عنہ، نافع بن عجیر رضی اللہ عنہ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، حمید بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، خارجہ بن یزید رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن کعب رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ، سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ، عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ وغیرہم اور اہل مکہ کے چند اسماء حسب ذیل ہیں۔

عطاء، طاؤس، مجاہد، ابن ابی ملیکہ، عکرمہ بن خالد، عبید اللہ بن ابی یزید، عبداللہ بن باباہ، ابن ابی عمار، محمد بن منکدر وغیرہم اور اسی طرح یمن میں وہب بن منبہ اور شام میں مکحول اور بصرہ میں عبدالرحمٰن بن غنم، حسن اور محمد بن سیرین کوفہ میں اسود، علقمہ اور شعبی۔

غرض تمام بلاد اسلامیہ اسی پر تھے؛ کہ خبر واحد حجت ہے؛ اگر بالفرض کسی خاص مسئلہ کے متعلق کسی کے لیے یہ کہنا جائز ہوتا کہ اس پر مسلمانوں کا ہمیشہ اجماع رہا ہے تو خبر واحد کی حجیت کے متعلق بھی میں یہ لفظ کہہ دیتا؛ مگر احتیاط کے خلاف سمجھ کر اتنا پھر بھی کہتا ہوں کہ میرے علم میں فقہاء مسلمین میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ (ترجمان السنہ)

ان کے علاوہ بھی اس دور کی عظیم تعداد ہے جن سے ہزاروں روایات آگے چلیں، یہ سب حضرات رجال الحدیث تھے، جن کی سندیں آگے چلیں، جہاں تک فقہ حدیث اور علم کا تعلق ہے علامہ شعبی (۱۰۳ھ) فرماتے ہیں؛ کہ صحابہ کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے زیادہ دین کی سمجھ رکھنے والا کوئی نہ تھا، حضرت ابوزرعۃ الدمشقی لکھتے ہیں،

میں نے علامہ شعبی کو کہتے سنا کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے بعد کوئی طبقہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب سے زیادہ فقیہ نہیں تھا۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی، باب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے اکابر مجتہدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

«فاذا انتهى الامر وجاء الامر الى ابراهيم والشعبي وابن سيرين والحسن وعطاء وسعيد بن المسيب وعدد رجالا فقوم اجتهدوا فاجتهد كما اجتهدوا» (تاریخ یحیٰ بن معین، جمع، سنہ، مکہ مکرمہ)

جب معاملہ ابراہیم نخعی، علامہ شعبی، امام محمد بن سیرین حسن بصری، حضرت عطاء بن ابی رباح اور، حضرت سعید بن المسیب تک پہنچے اور آپ نے کئی اور بھی نام لیے تو یہ وہ لوگ تھے جو مجتہد تھے سو میں بھی اجتہاد سے کام لیتا ہوں جیسا کہ یہ اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

یہ حضرات اپنے دور کے ائمہ علم تھے، رجال الحدیث ان کے علاوہ ہزاروں وہ لوگ بھی تھے جو مجتہدین کے درجہ کے نہ تھے؛ لیکن رواۃ حدیث میں خاصے معروف تھے، یہاں تک کہ آگے تبع تابعین میں ہزاروں رجال حدیث میدان علم میں آگئے، یہی تین طبقے تھے جن کے اہل ہونے کی خود لسان شریعت نے خبر دی تھی، خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم، ان خیر القرون کے بعد رجال حدیث محض زبانوں پر نہ رہے، کتابوں میں آنے لگے اور حدیث کی کتابیں متون احادیث اور ان کی اسانید کے ساتھ مرتب ہونے لگیں، اس دور میں صداقت وثقاہت غالب تھی اور رجال الحدیث کی باضابطہ جانچ پڑتال کی چنداں ضرورت نہ پڑتی تھی؛ لیکن جب فتنے پھیلنے شروع ہوئے اور بدعات کا شیوع ہوا تو اسانید پر باقاعدہ نظر کی ضرورت سمجھی گئی، یہاں تک کہ آگے چل کر اسماء الرجال کا علم ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر گیا۔

علم اسماء الرجال کی تدوین کا بیان

حدیث کے راوی جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تھے، اس فن کی کوئی ضرورت نہ تھی، وہ سب کے سب عادل، انصاف پسند

اور متماط تھے (لان الصحابۃ عدول ونقلہم صحیح للاوجہ للخلاف۔ مرقات) کبار تابعین بھی اپنے علم وتقویٰ کی روشنی میں ہر جگہ لائق قبول سمجھے جاتے تھے، جب فتنے پھیلے اور بدعات شروع ہوئیں تو ضرورت محسوس ہوئی کہ راویوں کی جانچ پڑتال کی جائے، فتنے سب سے پہلے کوفہ اور بصرہ سے اُٹھے، اس لیے علم کی تدوین وتنقیح پہلے یہیں ہونی ضروری تھی، کوفہ میں دو علمی مرکز تھے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۳۲ھ) کا اور (۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۴۰ھ) کا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنتے ہی مسلمانوں کا سیاسی اختلاف عراق میں اُمڈ آیا اور اس راستے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حلقے میں بہت سے غلط لوگ آشامل ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں وہ ان اختلافات کو دینی اختلاف نہ بنا سکے؛ لیکن آپ کے بعد انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے بہت سی غلط باتیں کہنی شروع کردیں؛ اس ورطہ شبہات میں انہوں نے دین کا بنیادی تصور تک بدل ڈالا، یہ اسلام میں فرقہ بندی کی طرف پہلا قدم تھا، اہل حق کے لیے اب صرف ایک ہی سلامتی کی راہ تھی؛ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہی روایات قابل اعتماد سمجھی جائیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے واسطہ سے آئیں؛ کیونکہ کوفہ میں یہی ایک علمی حلقہ تھا جو بیرونی حکمت سے محفوظ اور بچا رہا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے یہ شاگرد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حلقہ درس میں بھی گاہے بگاہے حاضر ہوتے رہے تھے،

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (۵۰ھ) جو کوفہ میں رہے ہیں فرماتے ہیں: لَمْ يَكُنْ يَصْدُقُ عَلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي الْحَدِيثِ عَنْهُ إِلَّا مِنْ أَصْحَابِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ۔ (مقدمہ مسلم، حدثنا علی بن خشرم اخبرنا)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہی روایات لائق قبول سمجھی جاتی تھیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے منقول ہوں۔

حضرت ابواسحٰق السبیعی (۱۲۹ھ) کہتے ہیں کہ بدعات کے ان شیوع پر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ایک نے کہا کہ ان لوگوں (بدعتیوں) کو خدا غارت کرے انہوں نے کتنا علم (حضرت علی رضی اللہ عنہ کا) ضائع کردیا ہے۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ (۱۱۰ھ) کہتے ہیں کہ جب یہ فتنے اٹھے تو علماء نے طے کیا:

،سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ، ۔ (مسلم، باب حدثنا ابو جعفر محمد بن الصباح)

ترجمہ: اپنے رواۃ حدیث کے نام بتاؤ، دیکھا جائے گا کہ اہل سنت کون ہیں؛ انہی کی روایات لی جائیں گی، اہلِ بدعت کا بھی پتہ لگایا جائے گا اور ان کی احادیث نہ لی جائیں گی۔

یہ صحیح ہے کہ عراق کی سرزمین پہلے فتنوں کی آماجگاہ بنی، کوفہ کے بعد بصرہ عراق کا دوسرا بڑا شہر تھا کوفہ سے تشیع اُٹھا تو بصرہ سے انکار قدر کی صدا اٹھی۔

،عن یحیی بن یعمر قال کان اول من قال فی القدر بالبصرہ معبد الجهني، ۔

ترجمہ: سب سے پہلے بصرہ میں جس نے عقیدہ قدر میں بات چیت کی وہ معبد جہنی تھا۔

یحیٰی بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمن حمیری حج کے موقع پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان لوگوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«فَإِذَا لَقِيتَ أُولَئِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنِّي بَرِيءٌ مِنْهُمْ وَأَنَّهُمْ بُرَآءُ مِنِّي وَالَّذِي يَحْلِفُ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ لَوْ أَنَّ لِأَحَدِهِمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا فَأَنْفَقَهُ مَا قَبِلَ اللَّهُ مِنْهُ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ» (مسلم، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان)

ترجمہ: جب تم ان لوگوں سے ملو تو انہیں کہہ دو کہ میں ان سے لاتعلق ہوں اور وہ مجھ سے لاتعلق ہیں، میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر یہ احد کے برابر سونا خیرات کریں اسے اللہ تعالیٰ ان سے قبول نہ کریگا، جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لائیں۔

اس سے پتہ چلا کہ ان دنوں صحابہ کی بات اہل حق کے ہاں حجت سمجھی جاتی تھی؛ تبھی تو یحیٰی بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمن نے صحابی رسول سے اس بارے میں پوچھنے کا فیصلہ کیا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا جواب بھی اسی طرف رہنمائی کررہا ہے کہ صحابہ جس سے لاتعلق ہوں وہ اس کے اہل باطل ہونے کا ایک کھلا نشان ہے اور یہ کہ صرف اہل باطل ہی صحابہ سے بےتعلق رہتے ہیں، اہل حق ہمیشہ ان کی پیروی کرتے آئے ہیں۔

علم اسماء الرجال کا احساس یہیں سے پیدا ہوا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۶۸ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہت سی مرویات کے بارے میں کہہ چکے تھے کہ یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی نہ کہی ہوگی، امام مسلم لکھتے ہیں:

فَدَعَا بِقَضَاءِ عَلِيٍّ فَجَعَلَ يَكْتُبُ مِنْهُ أَشْيَاءَ وَيَمُرُّ بِهِ الشَّيْءُ فَيَقُولُ وَاللَّهِ مَا قَضَى بِهَذَا عَلِيٌّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ ضَلَّ. (مقدمہ مسلم، باب حدثنا بن عمرو الضبی)

ترجمہ: آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے منگوائے، ان سے کچھ باتیں نقل بھی فرمائیں اور ایسی چیزیں بھی آپ کے سامنے سے گزریں کہ آپ نے فرمایا: یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی نہ کہی ہوگی، مگر یہ کہ آپ راہ سے اتر جائیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ (م ۲۷۹ھ) لکھتے ہیں: تابعین میں کئی ائمہ گزرے؛ جنہوں نے اسماء الرجال (راویان حدیث) میں کلام کیا، ان میں حسن بصری (۱۱۰ھ) اور طاؤس (۱۰۵ھ) نے معبد جہنی میں کلام کیا، سعید بن جبیر (۹۵ھ) نے طلق بن حبیب میں کلام کیا، ابراہیم نخعی (۹۵ھ) اور عامر الشعبی (۱۰۳ھ) نے حارث الاعور میں کلام کیا؛ اسی طرح ایوب سختیانی، عبداللہ بن عون، سلیمان تیمی، شعبہ بن حجاج، سفیان الثوری، مالک بن انس، اوزاعی، عبداللہ بن مبارک، یحیٰی بن سعید القطان، وکیع بن الجراح اور عبدالرحمن بن المہدی جیسے اہل علم نے بھی رجال میں کلام کیا ہے اور کمزور راویوں کی تضعیف کی ہے؛ انہیں اس بات پر اللہ بہتر جانتا ہے، مسلمانوں کے خیرخواہی کے جذبہ نے آمادہ کیا یہ نہ سمجھا جائے کہ ان کی غرض لوگوں پر طعن کرنا اور ان کی غیبت کرنا تھا، ہمارے نزدیک ان کی غرض ان راویوں کا ضعف بیان کرنا تھا؛ تاکہ وہ پہچانے جائیں، بعض وہ راوی جن کی تضعیف کی گئی بدعتی تھے، بعض ان میں سے متہم فی الحدیث تھے، بعض بھولنے والے تھے اور کثرت سے غلطی کرنے والے تھے؛ سو ان ائمہ نے چاہا کہ ان کے احوال بیان کردیے

جائیں اور اس سے دین کی خیر خواہی ملحوظ نظر تھی اور دین میں ثابت قدمی پیش نظر تھی، حقوق و اموال کے بارے میں شہادت دینے سے دین کے بارے میں شہادت دینے کی زیادہ ضرورت ہے۔ (کتاب العلل)

طلق بن حبیب میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کلام کیا ہے کہ وہ تقدیر کا قائل نہ تھا (الجواہر المضیہ) زید بن عیاش کے بارے میں کہا وہ مجہول ہے۔ (تہذیب التہذیب)

جابر جعفی (۱۲۸ھ) کے بارے میں کہا کہ میں نے اس سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں پایا (تہذیب التہذیب) سو یہ صحیح ہے کہ ائمہ کرام نے راویوں کی جانچ پڑتال کو تحفظ دین کی خاطر جائز کہا ہے، نہ اسے غیبت سمجھا گیا، نہ اکرام مومن کے خلاف، یہ صرف تحفظ دین کا جذبہ تھا جو ان سے راویوں کی جانچ پڑتال کراتا رہا اور اس سے دین کی پوری حفاظت ہوتی رہی۔

راویان حدیث سے متعلق الفاظ جرح کا بیان

دجال: سخت دھوکے باز ہے، دجل حق اور باطل کے ملانے کو کہتے ہیں۔ کذاب: بہت جھوٹا ہے (یا غلط بات کہنے والا ہے) وضاع: حدیثیں گھڑنے والا ہے۔ یضع الحدیث: حدیث گھڑتا ہے۔ متہم بالکذب: غلط بیانی سے متہم ہے۔ متروک: لائق ترک سمجھا گیا ہے۔ لیس بثقۃ: قابل بھروسہ نہیں ہے۔ سکتوا عنہ: اس کے بارے میں خاموش ہیں۔ ذاہب الحدیث: حدیث ضائع کرنے والا ہے۔ فیہ نظر: اس میں غور کی ضرورت ہے۔ ضعیف جدا: بہت ہی کمزور ہے۔ ضعفوا: اس کو کمزور ٹھہرایا ہے۔ واہ: فضول ہے، کمزور ہے۔ لیس بالقوی: روایت میں پختہ نہیں۔ ضعیف: روایت میں کمزور ہے۔ لیس بحجۃ: حجت کے درجہ میں نہیں۔ لیس بذاک: ٹھیک نہیں ہے۔ لین: یادداشت میں نرم ہے۔ سئی الحفظ: یادداشت اچھی نہیں۔ لا یحتج بہ: لائق حجت نہیں۔

راویان حدیث سے متعلق الفاظ تعدیل کا بیان

ثبت حجت: اُونچے درجہ پر فائز ہے؛ یہاں تک کہ دوسروں کے لیے سند ہے۔ ثبت حافظ: اونچے درجہ پر فائز ہے، خوب یاد رکھنے والا ہے۔ ثبت متقن: اونچے درجہ پر فائز ہے اور بہت مضبوط ہے۔ ثقہ ثقہ: اونچے درجہ پر فائز ہے؛ یہاں بہت ہی قابل اعتماد ہے۔ ثقہ: قابل وثوق اور قابل اعتماد ہے۔ ثبت: اکھڑنے والا نہیں اونچے مقام پر فائز ہے۔ صدوق: بہت سچا ہے۔ لا باس بہ: اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ محلہ الصدق: سچائی والا ہے۔ جید الحدیث: حدیث روایت کرنے میں بہت اچھا ہے۔ صالح الحدیث: روایت میں اچھا ہے۔

جرح کے مراتب اور اس سے متعلق الفاظ

جرح کا سب سے آسان (اور بہترین) درجہ یہ ہے کہ جو کسی راوی کے نرم رویے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کے لئے جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں ان کی مثال یہ ہے، "فلان لین الحدیث" یعنی "فلاں حدیث کے معاملے میں نرم ہے" یا "فیہ مقال" یعنی "اس شخص کے بارے میں بحث موجود ہے۔

جرح کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں واضح کر دیا جائے کہ اس کی احادیث کو شرعی احکام اخذ کرنے کے لئے

استعمال نہ کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر "لا یحتج بہ" یعنی "اس کی احادیث سے استدلال نہ کیا جائے" یا "ضعیف" یعنی "یہ کمزور شخص ہے" یا "لہ مناکیر" یعنی "اس کی احادیث منکر ہیں۔

جرح کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں واضح طور پر بتادیا جائے کہ وہ احادیث لکھتا ہی نہ تھا وغیرہ وغیرہ (یعنی وہ بہت ضعیف راوی ہے۔) مثال کے طور پر "لاتحل الروایۃ عنہ" یعنی "اس سے روایت کرنا تو جائز ہی نہیں" یا "ضعیف جدا" یعنی "وہ بہت ہی کمزور راوی ہے" یا "واہ بمرۃ" یعنی "بہت ہی کمزور راوی ہے۔

اس کے بعد جرح کا وہ درجہ آتا ہے جس میں راوی پر جھوٹ بولنے یا اسی طرز کا کوئی (اخلاقی) الزام موجود ہوتا ہے۔ مثلاً "فلان متھم بالکذب" یعنی "فلاں پر جھوٹ بولنے کا الزام موجود ہے" یا "متھم بالوضع" یعنی "اس پر احادیث گھڑنے کا الزام موجود ہے" یا "یسرق الحدیث" یعنی "وہ احادیث چوری کرتا تھا (یعنی دوسروں کی بیان کردہ احادیث اپنے نام سے بیان کرتا تھا)" یا "ساقط" یعنی "چھوڑا ہوا ہے" یا "متروک" یعنی "اسے ترک کردیا گیا ہے" یا "لیس بثقۃ" یعنی "وہ قابل اعتماد نہیں ہے"۔

جرح کے پانچویں درجے کے راویوں سے متعلق جھوٹ بولنے یا اسی طرز کا کوئی کام کرنے کے بارے میں واضح طور پر بتایا گیا ہوتا ہے مثلاً "کذاب" یعنی "جھوٹا"، "دجال" یعنی "دھوکے باز"، "وضاع" یعنی "حدیثیں گھڑنے والا"، "یکذب" یعنی "وہ جھوٹ بولتا ہے"، "یضع" یعنی "وہ حدیث گھڑتا ہے۔

جرح کا آخری اور بدترین درجہ وہ ہے جس میں جھوٹ وغیرہ کے متعلق مبالغہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً "فلان اکذب الناس" یعنی "فلاں تو انسانوں میں سب سے بڑا جھوٹا ہے" یا "الیہ المنتھی فی الکذب" یعنی "جھوٹ تو اس پر ختم ہے" یا "ھو رکن الکذب" یعنی "وہ پکا جھوٹا ہے۔

جرح کے مختلف مراتب کا حکم

مجروح راویوں میں سے پہلے دو درجات کے راویوں کے بارے میں بھی یہ واضح ہے کہ ان کی احادیث سے شرعی احکام تو اخذ نہیں کیے جائیں گے البتہ ان کی احادیث کو صحیح احادیث کو مضبوط کرنے کے لئے (بطور شاہد اور تابع) استعمال کرلیا جائے گا۔ اس میں دوسرے درجے کے راویوں کی نسبت پہلے درجے کے راویوں کی احادیث زیادہ مضبوط سمجھی جائیں گی۔

جہاں تک تیسرے، چوتھے، پانچویں اور چھٹے درجے کے راویوں کا تعلق ہے تو ان کی احادیث سے نہ تو احکام اخذ کیے جائیں گے، نہ ہی انہیں (بغیر کمزوری واضح کئے) روایت کیا جائے گا اور نہ ہی ان کا اعتبار کیا جائے گا۔

تعدیل کے مراتب اور اس سے متعلق الفاظ

تعدیل کا سب سے بلند درجہ وہ ہے جس میں کسی کے ثقہ ہونے کو مبالغے کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔ اس کے لئے عام طور پر وہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جو 'افعل' کے وزن پر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر "فلان الیہ المنتھی فی التثبت" یعنی "حدیث کا ثابت ہونا تو بس فلاں پر ختم ہے" یا "فلان اثبت الناس" یعنی "فلاں شخص کی احادیث لوگوں میں سب سے زیادہ ثابت شدہ ہیں۔

تعدیل کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی شخص کے ثقہ ہونے کی صفت کو تاکید کے ساتھ بیان کیا جائے۔اس کے لئے ایک صفت کو دو مرتبہ بھی بیان کیا جا سکتا ہے جیسے "ثقہ ثقہ "یعنی" وہ تو ثقہ ثقہ شخص ہے "یا" ثقہ ثبت "یعنی" وہ ثقہ ہے اور اس کی احادیث ثابت شدہ ہیں۔

تعدیل کے تیسرے درجے میں کسی شخص کے ثقہ ہونے کو تو بیان کی جاتا ہے لیکن اس کی تاکید نہیں کی جاتی مثلاً " ثقہ "یعنی "فلاں شخص ثقہ ہے "یا" حجۃ "یعنی" فلاں شخص حجت ہے۔

تعدیل کا چوتھا درجہ یہ ہے کہ کسی شخص کو عادل (یعنی اچھے کردار) کا تو قرار دیا جائے لیکن حدیث کے محفوظ رکھنے (ضبط) سے متعلق کوئی بات نہ کی جائے۔اس کی مثال ہے "صدوق "یعنی" وہ سچا ہے "یا" محلہ الصدق "یعنی" وہ سچائی کے مقام پر ہے "یا" لا باس بہ "یعنی" اس میں کوئی حرج نہیں "۔استثنائی طور پر ابن معین جب کسی شخص کے لئے "لا باس بہ " کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص ان کے نزدیک ثقہ (یعنی تیسرے درجے) کا ہے۔

تعدیل کا پانچواں درجہ یہ ہے کہ کسی شخص کی جرح یا تعدیل کا ذکر کرنے کی بجائے عام الفاظ میں اس کا تذکرہ کیا جائے جیسے "فلان شیخ "یعنی" فلاں حدیث کے معاملے میں بزرگ آدمی ہے "یا" روی عنہ الناس "یعنی" لوگ اس سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

تعدیل کے آخری درجے میں موجود شخص، جرح کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا جاتا ہے، "فلان صالح الحدیث "یعنی" فلاں حدیث کے معاملے میں صالح شخص ہے "یا" یکتب حدیثہ "یعنی" اس کی احادیث کو لکھا گیا ہے۔

تعدیل کے مختلف مراتب کا حکم

جو راوی تعدیل کے پہلے تین مراتب سے تعلق رکھتے ہوں، ان کی بیان کردہ احادیث کا حکم یہ ہے کہ ان سے شرعی احکام اخذ کیے جائیں گے۔ایسا ضرور ہے کہ ان راویوں کی احادیث درجے میں مختلف ہوں گی۔

جو راوی چوتھے اور پانچویں درجے سے تعلق رکھتے ہوں، ان کی احادیث سے شرعی احکام اخذ نہیں کیے جائیں گے البتہ ان کی احادیث ان راویوں کی کمزوری کو بیان کر کے روایت کی جائیں (کیونکہ ان کی احادیث حسن کے درجے کی ہوں گی۔) چوتھے درجے کے راویوں کی احادیث پانچویں درجے کے راویوں کی احادیث کی نسبت مضبوط سمجھی جائیں گی۔

چھٹے درجے سے تعلق رکھنے والے راویوں کی احادیث سے شرعی احکام اخذ نہیں کیے جائیں گے کیونکہ ان کے بارے میں واضح ہے کہ یہ لوگ حدیث کو محفوظ رکھنے (ضبط) میں کمزور واقع ہوئے ہیں۔

سنن ابن ماجہ کے مصنف کے حالات زندگی

نام ونسب

نام ونسب: محمد نام، ابوعبداللہ کنیت، الربعی القزوینی نسبت اور ابن ماجہ عرف ہے۔

شجرہ نسب یہ ہے: ابوعبداللہ بن محمد یزید الربعی مولاہم بالولاء القزوینی الشہیر بابن ماجہ۔ ،،ماجہ،، کے بارے میں سخت اختلاف ہے، بعض اس کو دادا کا نام سمجھتے ہیں جو صحیح نہیں، بعض کا قول ہے کہ یہ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ابن ماجہ کی ولادت

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت جیسا کہ خود ان کی زبانی ان کے شاگرد جعفر بن ادریس نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے ۲۰۹ھ میں واقع ہوئی جو ۸۲۴عیسوی کے مطابق ہے۔

امام ابن ماجہ اور طلب علم کا بیان

امام ابن ماجہ کے بچپن کا زمانہ علوم وفنون کے لیے باغ وبہار کا زمانہ تھا۔ اس وقت بنو عباس کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور دودمان عباسی کا گل سر سبد مامون عباسی سریر آرائے خلافت بغداد تھا۔ عہد مامونی خلافت عباسیہ کے اوج شباب کا زمانہ کہلاتا ہے اور حقیقت ہے کہ علوم وفنون کی جیسی آبیاری مامون نے اپنے دور میں کی مسلمان بادشاہوں میں سے کم ہی کسی نے کی ہوگی۔ مامون کی حکومت کا دائرہ حجاز وعراق سے لے کر شام، افریقہ، ایشیائے کوچک، ترکستان، خراسان، ایران، افغانستان اور سندھ تک پھیلا ہوا تھا اور ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک قصبہ مختلف علوم وفنون کے لیے ،،اتھارٹی،، کا درجہ رکھتا تھا۔ مامون خود بہت بڑا عالم اور علماء کا قدر شناس تھا۔ خاص طور پر شعروادب اور فقہ وحدیث میں اس کا بڑا نام تھا۔ علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ الکبری میں اس کے علم پر عبور کی بڑی تعریف کی ہے۔

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کی زندگی کے عام حالات بالکل پردہ خفاء میں ہیں اور خاص طور پر بچپن کے متعلق کے تو کچھ نہ معلوم ہوسکا۔ تاہم قیاس چاہتا ہے کہ عام دستور کے مطابق آپ نے لڑکپن ہی میں تعلیم کی ابتدا کی ہوگی اور شروع میں قرآن پاک پڑھا ہوگا، بعد کو سن تمیز پر پہنچ جانے اور سمجھدار ہوجانے پر حدیث کے سماع پر متوجہ ہوئے ہوں گے۔ اس لیے ہم آپ کی ابتدائی تعلیم کا زمانہ عہد مامون اور عہد معتصم ہی کو قرار دیتے ہیں۔

قزوین جس کی نسبت سے قزوینی کہلائے، ابن ماجہ کا مولد ومسکن تھا۔ جب امام موصوف نے آنکھ کھولی ہے تو علم حدیث کی

درسگاہ بن چکا تھا اور بڑے بڑے علماء یہاں مسند درس والافتاء پر جلوہ گر تھے۔ ظاہر ہے کہ امام موصوف نے علم حدیث کی تحصیل کا آغاز وطن مالوف ہی سے کیا ہوگا۔ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں قزوینی کے جن مشائخ سے احادیث روایت کی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

علی بن محمد ابوالحسن طنافسی، عمرو بن رافع ابو حجر بجلی، اسماعیل بن توبہ ابو سہل قزوینی، ہارون بن موسیٰ بن حیان تیمی، محمد بن ابی خالد ابوبکر قزوینی۔

طلب حدیث کیلئے سفر کا بیان

رحلت سے مراد وہ ،،مقدس سفر،، ہے جو علم دین کی تحصیل کے لیے کیا جائے۔ یہ وہ مبارک عہد تھا کہ اس میں علم نبوی کے لیے گھر چھوڑنا اور دور دراز علاقوں کا سفر اختیار کرنا مسلمانوں کا خصوصی شعار بن چکا تھا۔

امام ابن ماجہ نے بھی جب فن حدیث پر توجہ کی تو اسی قاعدہ کے بموجب سب سے پہلے اپنے شہر کے اساتذہ فن کے سامنے زانوئے شاگردی کیا اور اکیس بائیس سال کی عمر تک وطن عزیز ہی میں تحصیل علم میں معروف رہے۔ پھر جب یہاں سے فارغ ہولئے تو دوسرے ممالک کا سفر اختیار کیا۔ آپ کی ،،رحلت علمیہ،، کی صحیح تاریخ تو معلوم نہ ہوسکی مگر علامہ صفی الدین خزرجی نے خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال میں اسماعیل بن عبداللہ بن زرارہ ابوالحسن الرقی کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ ابن ماجہ نے ۲۳۰ھ کے بعد سفر کیا ہے۔

طلب حدیث کے لیے مدینہ، مکہ اور کوفہ کے سفر اختیار کیے۔ اور کوفہ کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ،،معدن العلم والفقہ،، کا لقب دیا ہے اور سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں کہا کرتے تھے۔،، مغازی کے لیے مدینہ، مناسک کے لیے مکہ اور فقہ کے لیے کوفہ ہے،،

امام ابن ماجہ نے جس زمانہ میں کوفہ کا سفر کیا ہے اس کی علمی رونق بدستور قائم تھی اور یہ محدثین اور حفاظ حدیث سے بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ ان میں سے جن حضرات کے سامنے آپ نے زانوئے شاگردی تہ کی وہ حسب ذیل ہیں:

حافظ ابوبکر بن ابی شیبہ، شیخ الاسلام اشج، حافظ کبیر عثمان بن ابی شیبہ، درۃ العراق حافظ محمد بن عبداللہ بن نمیر، محدث کوفہ ابو کریب، شیخ الکوفہ ہناد، حافظ ولید بن شجاع، حافظ ہارون۔

امام ابن ماجہ کی تالیفات کا بیان

تحصیل علم اور رحلات کے بعد ابن ماجہ نے تالیفات میں بے حد کام کیا اور انہوں نے الباقیات کے طور پر تین بڑی کتابیں چھوڑی ہیں۔

(۱) التفسیر۔ (۲) التاریخ۔ (۳) السنن (اس کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے اور علماء کرام نے درجہ کے لحاظ سے چھٹا نمبر رکھا ہے)

سنن ابن ماجہ میں پانچ ثلاثیات ہونے کا بیان

سنن ابن ماجہ میں پانچ ثلاثی احادیث ہیں، جو عالی سند کے اعتبار سے اس کتاب کا ایک بڑا اعزاز ہیں، یہ پانچوں روایات ایک ہی سند سے مروی ہیں، سنن ابی داود میں اور سنن ترمذی میں صرف ایک ایک روایت ثلاثی ہے اور علیحدہ علیحدہ سند سے ہے، صحیح مسلم اور سنن نسائی میں ایک بھی ثلاثی حدیث نہیں؛ البتہ صحیح بخاری میں بائیس ثلاثی روایات موجود ہیں، سنن ابن ماجہ میں ثلاثیات کی جو سند ہے اس میں کثیر بن سلیم راوی پر محدثین نے جرح کی ہے، امام دارمی (۲۵۵ھ) کی مسند میں ثلاثیات دیگر سب کتابوں سے زیادہ ہیں۔

سنن ابن ماجہ کے بعض خصائص کا بیان

امام ابن ماجہ نے اپنی کتاب کی ابتداء احادیث نبویہ کی فضیلت ومنقبت اور اتباع سنت اور فضائل صحابہ وغیرہ پر مشتمل مقدمہ سے فرمائی ہے جو کتاب کی بڑی اہم خوبی مانی جاتی ہے، اور ترتیبی وتعلیمی نقطۂ نظر سے ہر مسلمان کے لئے اس میں رہنمائی ہے۔

احادیث کی ترتیب بڑے اچھے طریقہ پر ہے، نیز اختصار بھی مدنظر ہے، اور ابواب کی کثرت کے ساتھ ان میں تکرار احادیث بھی نہیں ہے، یہ خوبی صحیح امام مسلم میں پائی جاتی ہے کہ احادیث ایک ہی باب میں اکٹھا کی جاتی ہیں لیکن تکرار متن وسند کے ساتھ، اور دوسرے ابواب میں ان کا اعادہ نہیں ہوتا۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے واضح کیا ہے کہ زوائد ابن ماجہ میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جو صحیح ہیں اور جسے صرف ابن ماجہ ہی نے روایت کیا ہے: بل هناك أحاديث نبهت عليها وهي صحيحة، وهي مما تفرد بها ابن ماجه.

سنن ابن ماجہ کے راوی ابوالحسن القطان نے (۴۴) حدیثیں اپنی سند سے روایت کی ہیں، ان میں سے بعض قول کسی لفظ کی تشریح یا کسی مسئلہ کی توجیہ پر مشتمل ہے، اس اضافہ کا سبب اپنی عالی سند کا تذکرہ ہوتا ہے یا مذکورہ فوائد، یہ تعداد سنن ابن ماجہ سے خارج ہو جائیں گی۔

سنن ابن ماجہ کی شروح وتخاریج

ابن ماجہ کے اب تک کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جن میں ہندوستان میں بڑے سائز پر حاشیہ کے ساتھ مطبوع نسخہ ہے، سندی کی شرح کے ساتھ والا نسخہ بھی مطبوع ہے، عصر حاضر میں محمد فواد عبدالباقی کی تحقیق وترقیم سے جو نسخہ متداول ہے اس کی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ "المعجم المفهرس لالفاظ الحديث النبوی" کی ترتیب میں اس کے ابواب وکتب پر اعتماد کیا گیا ہے، ذیل میں سنن ابن ماجہ سے متعلق ہونے والی خدمات ذکر کی جاتی ہیں۔

شرح الحافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ الحنفی یہ اوائل سنن ابن ماجہ کی احادیث کی مبسوط تخریج ہے جس میں شرح سے تعرض نہیں کیا گیا ہے۔

شرح ابن رجب الزبیری: اس سے علامہ ابوالحسن سندھی نے استفادہ کیا ہے۔

ما تمس إليه الحاجة على سنن ابن ماجہ تالیف سراج الدین عمر بن علی ابن الملقن (م 804ھ) یہ زوائد ابن ماجہ علی الخمسہ الصحیحین والسنن لابی داود والترمذی والنسائی جلدوں میں ہے۔

الدیباجہ شرح الشیخ کمال الدین محمد بن موسیٰ ابوالبقاء الدمیری مولف حیاۃ الحیوان الکبریٰ (پانچ جلدوں میں)

شرح ابن العجمی برہان الدین ابراہیم (ت) یہ شرح بہت مختصر ہے۔

مصباح الزجاجہ شرح ابن ماجہ تالیف: السیوطی (م 911ھ) یہ مختصر حاشیہ ہے اور اس کا اختصار شیخ علی عثمان نے نور مصباح الزجاجہ سے کیا ہے جو مصر میں شائع ہوا ہے۔

تحقیق محمد فواد عبدالباقی مطبوع مصر (دو جلدوں میں)

سنن ابن ماجہ بشرح ابی الحسن السندی وبحاشیہ تعلیقات مصباح الزجاجہ فی زوائد ابن ماجہ، تحقیق خلیل مامون شیحا، دارالمعرفۃ، بیروت۔

المجرد فی اسماء رجال سنن ابن ماجہ سوی من اخرج لہ منہم فی احد الصحیحین للامام الذہبی ط۔ دارالرایہ الریاض، تحقیق وتعلیق و استدراک الدکتور باسم فیصل الجوابرۃ،

اس کتاب میں رواۃ کا ذکر ہے، اور استدراک میں موصوف نے راویوں کا ذکر کتاب کے آخر میں کیا ہے، اور اس کی فہرست (فہرس اسماء المجرد فی اسماء رجال ابن ماجہ والمستدرک علیہ کے نام سے شائع کی، ط دارالرایہ، الریاض۔

اتحاف ذوی التشوق والحاجہ الی قراءۃ سنن ابن ماجہ: تالیف محمد الحفید بن عبدالصمد کنون الحسینی الادریسی (ط وزارۃ الاوقاف، رباط، مغرب، اب تک اس کے آٹھ حصے شائع ہو چکے ہیں، آٹھواں حصہ کتاب الفتن سے پہلے کی احادیث کی شرح پر ختم ہے۔

صحاح ستہ کے مجموعہ میں سنن ابن ماجہ کا مرتبہ ومقام

صحاح ستہ کی مشہور اصطلاح میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن نسائی اور سنن ترمذی تو بالاتفاق داخل ہیں، ان کو دواوین اسلام بھی کہا جاتا ہے، چھٹویں کتاب کی تعیین اور تحدید کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف رہا ہے۔

سب سے پہلے حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی رحمہ اللہ نے سنن ابن ماجہ کو دواوین اسلام میں چھٹویں کتاب کے طور پر اپنی دو کتابوں میں داخل کیا، پہلی کتاب "اطراف الکتب الستہ" ہے، اور دوسری "شروط الائمۃ الستہ"، اس طرح سے ابن ماجہ کا شمار اس مجموعہ میں پہلی مرتبہ ہوا۔

اس کے بعد حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے ان کی اتباع میں ابن ماجہ کو "اطراف السنن الاربعہ" میں داخل کیا۔

اس کے بعد امام مزی رحمہ اللہ نے اس کتاب کو "زیادات خلف الواسطی" اور "زیادات ابی مسعود الدمشقی" کے ساتھ ملا کر "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف" کا جزء بنا دیا، حافظ ابن عساکر نے ائمہ ستہ کے شیوخ پر مشتمل کتاب "المعجم المسند" میں ابن ماجہ کو چھٹویں امام کے طور پر متعارف کرایا ہے۔

اس کے بعد حافظ عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ نے "الاکمال فی اسماء الرجال" میں یہی ترتیب باقی رکھی، اور امام مزی رحمہ اللہ نے

اپنی کتاب "تہذیب الکمال" میں مذکورہ کتاب کی تہذیب وتدوین کر کے ابن ماجہ کو کتب ستہ یا دواوین اسلام کا مستقل جزء مشتہر کر دیا، اس طرح سے محدثین کے یہاں صحاح ستہ کے نام پر مشہور مجموعہ حدیث میں ابن ماجہ کا نام زبان زد عام وخاص ہو گیا۔

لیکن "تجرید الصحاح والسنن" کے مولف رزین بن معاویہ العبدری نے ابن ماجہ کی جگہ پر "موطا امام مالک" کو رکھا، اور ابن اثیر نے ان کی متابعت میں "جامع الاصول" میں ابن ماجہ کی جگہ "احادیث موطا" کا ذکر کیا۔

"موطا امام مالک" کو صحاح ستہ میں رکھنے کی وجہ بہت واضح ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کا علمی مقام، احادیث موطا کی صحت، اور علماء کا اس پر اعتماد، لیکن موطا میں آثار صحابہ واقوال تابعین کی کثرت ہے، اسی طریقہ سے اس میں امام مالک رحمہ اللہ بغیر سند کے بہت سی احادیث ذکر کرتے ہیں، جن کو اصطلاح میں "بلاغات مالک" کہا جاتا ہے جس میں امام مالک بلغني عن رسول الله ﷺ كذا، أو عن أبي بكر كذا کے صیغہ سے حدیث یا اثر ذکر کر دیتے ہیں، ایسے ہی مرسل احادیث ذکر فرماتے ہیں جس میں تابعی بغیر واسطہ ذکر کیے رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

موطا میں موجود علمی مواد مذکورہ پانچوں کتابوں پر معمولی اضافہ ہی ہوگا، لیکن ابن ماجہ میں زوائد کی کثرت ہے کما تقدم۔

بعض علماء نے موطا یا سنن ابن ماجہ کے بجائے سنن دارمی کو اس مجموعہ کی چھٹی کتاب کے طور پر شمار کیا ہے۔ حافظ مغلطائی، علائی، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے میں "سنن ابن ماجہ" پر "سنن دارمی" کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ سنن دارمی میں سنن ابن ماجہ کے مقابلہ میں ضعیف احادیث بہت کم ہیں، لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ابن طاہر مقدسی رحمہ اللہ نے سنن دارمی کو اس مجموعہ میں شاید اس واسطہ نہیں رکھا کہ امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی نے صحابہ اور تابعین کے بے شمار اقوال وفتاوی کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے، جبکہ ابن ماجہ نے اپنی کتاب میں مرفوع احادیث کو بڑے سلیقہ سے کثیر تعداد میں فقہی ابواب کے تحت ذکر کر کے تفقہ اور فتاوے کے باب میں ایک بڑا علمی اضافہ کیا ہے۔

اوپر کی تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ بذات خود امام ابن ماجہ فن حدیث کے قابل اعتماد اور معتبر ناقد اور متبحر عالم دین، اور سنت رسول اور اتباع سنت کے شیدائی تھے، فن تصنیف وتبویب اور تفقہ میں غایت درجہ مہارت تھی جس کی یہ کتاب شاہد عدل ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

صحاح ستہ کے مولفین کی شرائط کا بیان

صحاح ستہ کے مولفین میں سے کسی نے بھی اپنی تالیف کے بارے میں کوئی ایسی وضاحت نہیں کی ہے جس سے یہ پتہ چلے کہ فلاں مولف کی احادیث کی تخریج کے بارے میں شرط وقید ایسے اور ایسے ہے، لیکن اہل علم نے ان کتابوں پر غور وخوض کرنے کے بعد یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ ان کتابوں میں سے کس کا مقام ومرتبہ کیا ہے اور کس کی کیا شرط ہے۔

جن ائمہ نے اپنی کتاب کا نام الصحیح رکھا ہے تو اس نام سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں ایسی احادیث کو جگہ دی ہے جن پر صحیح کی شرطوں کا انطباق ہوتا ہے، یعنی ان احادیث کے رواۃ ثقہ وعادل اور پختہ حفظ کے مالک ہیں اور ایک راوی نے

دوسرے راوی سے ابتداء سے سند کی انتہاء تک سنا ہے، اسی کو سند کا اتصال کہتے ہیں اور حدیث شذوذ اور علت قادحہ سے پاک ہو، امام ابن مندہ نے طبقات رواۃ اور ان کی حدیثی خدمات کے مرحلہ وار تذکرے کے بعد جو عہد تابعین سے احمد بن حنبل اور ان کے اقران وتلامیذ پر مشتمل ہے فرمایا: پھر سابقہ جن علمائے متقدمین کا ذکر ہم نے کیا ہے، ان کا علم ان ائمہ کے پاس آیا ہے:

ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، - ابوزکریا یحیی بن معین، - علی بن المدینی، - ابوبکر بن ابی شیبہ، - عثمان بن ابی شیبہ، - ابوخیثمہ زہیر بن حرب، - محمد بن عبداللہ بن نمیر اور جو ان کے بعد کے علماء ہیں، ان سارے علماء امصار و بلدان کا علم مندرجہ ذیل علماء کے پاس پہنچا جو اہل معرفت واصحاب صحیح ہیں، اور وہ یہ ہیں: بخاری، مسلم، دارمی، ابوداود اور نسائی، اور اس طبقہ کے لوگ، اس طبقہ کی احادیث متفقہ طور پر مقبول ہیں اور ان کا علم دوسرے لوگوں پر حجت وسند ہے، پھر فرمایا:

اور دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جن کو اہل معرفت وتمیز کی ایک جماعت نے قبول کیا اور دوسروں نے ان کو رد کردیا، پھر ان کی مثالیں دیں اور فرمایا کہ ان سے بخاری نے روایت کی اور مسلم نے ان کو ترک کردیا یا مسلم نے ان سے روایت کی اور بخاری نے ان کی حدیث میں کلام کی بناء پر یا مذہب میں غلو کی بناء پر انہیں ترک کردیا، اور ان علماء کی اس منہج میں اتباع ابوداود، نسائی اور ان سارے لوگوں نے کی جنہوں نے اس طریقہ کو اختیار کیا، اور یہ چند رواۃ کو چھوڑ کر سب ابوداود اور نسائی کے مذہب پر مقبول الروایہ ہیں، اس کے بعد ابن مندہ نے رواۃ حدیث پر علی بن مدینی کا کلام نقل کیا جن پر امام زہری سے لے کر ان کے اپنے زمانے تک علم حدیث کی روایت میں دارومدار رہا ہے اور علی بن مدینی کے بارے میں فرمایا کہ علم حدیث میں ان کا شمار ان ائمہ میں ہوتا ہے جو مرجع اور سند کے حیثیت رکھتے ہیں۔

پھر فرمایا: ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ دین اور علم میں علی بن مدینی سے اعلی وافضل تھے، یحیی بن معین اور ابن ابی شیبہ اور اس طبقہ کے علماء علم حدیث میں آپ کے علم وفضل کے منکر نہیں تھے، اور ایسے ہی ان سے پہلے کے علماء جیسے سفیان بن عیینہ، یحیی بن سعید القطان اور عبدالرحمن بن مہدی اور ان کے بعد ان کے تلامذہ میں سے محمد بن اسماعیل البخاری، ابوحاتم الرازی اور ابو زرعہ الرازی اور ان کے اقران جن لوگوں نے علی بن مدینی سے اس علم کو حاصل کیا، پھر عرض کیا کہ علی بن مدینی نے جس طرح علماء کے طبقات کا تذکرہ کیا ہے میں بھی ایسے علماء کا ذکر کروں گا، جن کی طرف علماء نے حدیث کی نسبت کی ہے اور جن کا تفرد قابل حجت واستدلال مانا ہے، جو اپنے مخالفین پر حجت تھے، اور جو اپنے زمانہ میں ائمہ تھے اور جن سے ائمہ اربعہ جنہوں نے صحیح احادیث کی تخریج کی اور صحیح کو معلول سے ممیز کیا اور خطا کو صواب سے الگ کیا اور وہ بخاری، مسلم، ابوداود اور نسائی ہیں اور اس کے بعد وہ علماء جنہوں نے اس طریقہ کو اپنایا اور اس منہج کی اتباع کی گرچہ ان سے فہم میں کم درجہ کے تھے اور وہ درج ذیل علماء ہیں۔

عبداللہ بن عبدالرحمن سمرقندی (دارمی)، - ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی، - محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیساپوری، - احمد بن عمرو بن ابی عاصم النبیل رحمہم اللہ۔

میں نے ابوعلی حسین بن علی نیساپوری کو یہ کہتے ہوئے سنا: "ماتحت ادیم السماء کتاب اصح من کتاب مسلم بن الحجاج" آسمان کے نیچے مسلم بن حجاج کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی اور کتاب نہیں ہے۔

اور محمد بن یعقوب الاخرم سے سنا: کلا مایفوت البخاری ومسلما مماثبت من الحدیث، بخاری ومسلم سے کم ہی صحیح اور ثابت حدیثیں چھوٹی ہیں۔

اور محمد بن سعد الباوردی سے مصر میں یہ کہتے ہوئے سنا: کان من مذہب النسائی أن یخرج عن کل من لم یجمع علی ترکہ، نسائی کا مذہب یہ تھا کہ جو رواۃ اجماعی طور پر متروک الحدیث نہیں ہے ان سے روایت کی جائے۔

ابوداود کا بھی یہی مذہب تھا، وہ ضعیف سندوں کی تخریج اس واسطے کرتے تھے کہ ان کے نزدیک وہ آراء رجال سے زیادہ قوی ہوتی تھیں۔

امام محمد بن طاہر مقدسی (م ۵۰۷ ھ) فرماتے ہیں: جان لیں کہ بخاری ومسلم اور جن لوگوں کو ہم نے ان کے بعد ذکر کیا ہے (یعنی ابوداود، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ) میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ میری شرط اپنی کتاب میں ایسے اور ایسے رواۃ سے حدیث کی تخریج کی ہے، یہ تو صرف اس کو معلوم ہوگا جو ان کی کتابوں کو غور سے پڑھے گا تو ہر مولف کی شرط کا اس کو علم ہو جائے گا (شروط الائمہ)

امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی کتابوں کو الصحیح کا نام دیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے شروط صحت کا اہتمام کیا ہے، امام بخاری سے یہ قول منقول ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں صرف صحیح احادیث داخل کی ہیں اور جن صحیح احادیث کو چھوڑ دیا ہے وہ اس سے زیادہ ہیں (شروط الائمہ وتدریب الراوی)

ابن الصلاح نے مقدمہ علوم حدیث میں بخاری کا قول ذکر کیا ہے کہ میں نے اپنی جامع میں صرف صحیح احادیث داخل کی ہیں اور طوالت کے باعث بقیہ دوسری صحیح احادیث چھوڑ دی ہیں۔

امام مسلم فرماتے ہیں: میں نے اس کتاب یعنی صحیح مسلم میں احادیث صحیحہ کی تخریج کی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ جن احادیث کو میں نے اس کتاب میں داخل نہیں کیا ہے وہ ضعیف ہیں، میں نے یہ صحیح احادیث میں سے تخریج کی ہیں تاکہ میرے پاس یہ مجموعہ ان لوگوں کے لئے رہے جو مجھ سے ان احادیث کو لکھنا چاہیں اور ان کی صحت کے بارے میں ان کو کوئی شک وشبہ نہ ہو، میں نے یہ نہیں کہا کہ ان احادیث کے علاوہ بقیہ احادیث ضعیف ہیں (شروط الائمہ)

امام قرطبی نے صحیح مسلم کی شرح المفہم میں بخاری ومسلم کے اقوال سے استدلال کرکے یہ فرمایا کہ یہ ان دونوں کے نصوص اس بات پر ہیں کہ ان دونوں کی شرط صرف صحیح احادیث کی تخریج ہے۔

امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم میں تین ایسے طبقات رواۃ کا ذکر کیا ہے جن میں سے وہ سب سے پہلے طبقہ کی احادیث پر اعتماد کریں گے، پھر دوسرے طبقہ کی احادیث کو داخل کتاب کریں گے اور تیسرے طبقہ کی احادیث سے صرف نظر کریں گے۔

امام حازمی کی بیان کردہ صحیحین کی شرط کو سخاوی نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

"بخاری کی شرط یہ ہے کہ وہ ایسے ثقہ، متقن اور شیوخ حدیث کے ساتھ برابر رہنے والے رواۃ کی متصل سندوں سے حدیث کی تخریج کریں جنہوں نے اپنے شیوخ کے ساتھ سفر وحضر میں ایک طویل مدت گذاری ہو، کبھی کبھی اس سے کم درجہ کے رواۃ

جنہوں نے اپنے شیوخ کے ساتھ تھوڑی مدت گزاری ہے ان کی روایتوں کو بھی اپنی صحیح میں جگہ دی ہے، رہ گیا امام مسلم کا معاملہ تو انہوں نے دونوں طبقوں کی احادیث کو بالاستعاب اپنی صحیح میں جگہ دی ہے اور طول صحبت کی وجہ سے کبھی کبھی ایسے رواۃ کی احادیث کی بھی تخریج کرتے ہیں جو جرح سے نہ بچ سکیں، اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس راوی نے اپنے شیخ کے ساتھ طویل زمانہ گزارا ہے جیسے حماد بن سلمہ کی روایت ثابت البنانی سے اس لئے کہ حماد نے ان کے ساتھ طویل وقت گزارا ہے تو اس کی وجہ سے ثابت کی احادیث کا صحیفہ حماد کے اختلاط کے بعد بھی پہلی حالت کی طرح ان کو ازبر اور یاد تھا، اور امام مسلم کا اس طبقہ کے بارے میں رویہ امام بخاری کے دوسرے طبقہ کے ساتھ تعامل کی طرح ہے، پھر عرض کیا کہ اور یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ امام مسلم نے معاصرت کی موجودگی میں عنعنہ کی روایت کو کافی سمجھا اور امام بخاری نے کم از کم ایک بار راوی کی شیخ سے ملاقات کو شرط مانا اور یہ صحیحین میں تحری اور تثبت کی وجہ سے تھا۔

سنن اربعہ احادیث احکام کے باب میں صحیحین اور موطا کے بعد قابل اعتماد اہم مراجع حدیث ہیں، ان کی شروط کا خلاصہ حافظ ابن طاہر مقدسی نے یوں کیا ہے کہ یہ ائمہ ایسے رواۃ احادیث کی تخریج کرتے ہیں جن کے متروک ہونے پر اجماع نہیں ہے، ان کی کتاب میں وارد احادیث کی تین قسمیں ہیں۔

ایسی صحیح احادیث جو صحیحین یا دونوں میں سے کسی ایک میں موجود ہیں یا دونوں کی شرط پر پوری اترتی ہیں۔

ان ائمہ کی اپنی شرط پر یعنی ایسے رواۃ سے احادیث کی روایت جن کو اجماعی طور پر متروک نہیں قرار دیا گیا ہے بشرطیکہ حدیث متصل سند کے ساتھ صحیح ہو اور اس میں انقطاع اور ارسال نہ ہو۔

وہ احادیث جن کو ان ائمہ نے یہ بتانے کے لئے اپنی کتابوں میں داخل کیا ہے کہ یہ صحیح احادیث کے مخالف اور معارض ہیں۔
اور سنن ترمذی میں احادیث کی ایک چوتھی قسم بھی ہے اور وہ ایسی احادیث جن پر بعض فقہاء کا عمل رہا ہے (شروط الائمۃ الستۃ للمقدسی)

امام حازمی نے ائمہ کی ان شروط کو امام زہری کے تلامذہ کو پانچ طبقات میں تقسیم کر کے واضح کیا ہے کہ تلامذہ زہری کا پہلا طبقہ اہل اتقان کا ہے جو امام بخاری کا مقصود ہیں، اور دوسرا طبقہ پہلے سے کم تر اس واسطہ سے کہ طول زمانی اور ممارست حدیث میں پہلے سے کمزور ہیں اور یہ امام مسلم کی شرط کے راوی ہیں، اور تیسرے طبقہ میں وہ رواۃ ہیں جو رد و جرح سے نہ بچ سکیں، تو یہ رد و قبول کے مابین کا طبقہ ہے جو ابوداود اور نسائی کی شرط والے رواۃ ہیں۔

اور چوتھے طبقہ میں ایسے رواۃ ہیں جنہوں نے زہری کے ساتھ زیادہ زمانہ نہیں گزارا ہے اس لئے ان کی احادیث میں ممارست نہیں ہو پائی ہے تو یہ ترمذی کی شرط والے رواۃ ہیں، اور پانچواں طبقہ ان ضعیف اور مجہول راویوں پر مشتمل ہے جن کی احادیث کو اصحاب سنن نے اعتبار اور استشہاد کی غرض سے اپنی کتابوں میں داخل کیا ہے (شروط الائمۃ الخمسۃ)

مذاہب ائمہ ستہ کا بیان

امام بخاری رحمہ اللہ مذہب فقہی

امام بخاری رحمہ اللہ کے مسلک کے سلسلے میں پانچ اقوال ہیں۔

(۱) اکثر حضرات کا خیال ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد مطلق ہیں۔ امام بخاری کے قائم کردہ تراجم وابواب سے بھی یہی مترشح ہے کہ وہ کسی خاص فقہی مسلک کے پابند نہیں تھے۔

(۲) تاج الدین سبکی رحمہ اللہ نے الطبقات الشافعیہ میں، نواب صدیق حسن خاں قنوجی نے ابجد العلوم میں اور کئی شافعی محدثین نے امام بخاری رحمہ اللہ کو مسلکاً شافعی قرار دیا ہے۔

(۳) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری مجتہد منتسب الی الامام الشافعی ہیں، یعنی وہ امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد نہیں، بلکہ مجتہد ہیں، البتہ ان کا اجتہاد امام شافعی رحمہ اللہ کے اجتہاد کے موافق ہوا کرتا ہے۔ (الانصاف فی بیان سبب الاختلاف)

(۴) علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کے بہ قول امام بخاری رحمہ اللہ ظاہر حدیث کے مقلد ہیں۔

(۵) حافظ ابن قیم اور ابن ابی یعلیٰ کی رائے میں امام بخاری حنبلی ہیں۔ (الامام ابن ماجہ وکتابہ السنن)

امام مسلم رحمہ اللہ کا مذہب فقہی

امام مسلم رحمہ اللہ کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں: ایک جماعت کا خیال ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ شافعی ہیں (کشف الظنون) حافظ ابن قیم اور ابن ابی یعلی حنبلی کے بہ قول امام مسلم حنبلی ہیں۔ اس کی وجہ بہ ظاہر یہی ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ابواب قائم نہیں کیے، جس سے کہ ان کے رجحانات کا پتہ چلتا۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ کا مذہب فقہی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی رائے میں ابوداؤد، مجتہد منتسب الی احمد واسحاق بن راہویہ، اور تاج الدین سبکی رحمہ اللہ کے مطابق وہ شافعی المسلک ہیں، لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ ابوداؤد حنبلی ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔ میری تحقیق کے مطابق امام ابوداؤد بلاشبہ حنبلی ہیں اور جو بھی ان کی سنن پر گہری نگاہ ڈالے گا وہ اس کا انکار نہ کر سکے گا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کا مذہب فقہی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بہ قول، امام ترمذی مجتہد منتسب الی احمد واسحاق ہیں۔

امام نسائی رحمہ اللہ کا مذہب فقہی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے امام ابو عبدالرحمن نسائی کو شافعی قرار دیا ہے۔ (بستان المحدثین)

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کا مذہب فقہی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بہ قول ابن ماجہ مجتہد منتسب الی احمد واسحاق ہیں (الانصاف)

ائمہ ستہ کی عالی اسناد کا بیان

امام بخاری رحمہ اللہ کی عالی سند

امام بخاری رحمہ اللہ کی عالی سند ثلاثیات ہے۔ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ صحیح بخاری میں کل بائیس ثلاثیات ہیں، جو تین صحابہ حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ان ثلاثیات میں امام بخاری رحمہ اللہ کے پانچ اساتذہ ہیں، مکی بن ابراہیم، ابو عاصم النبیل، محمد بن عبداللہ الانصاری، خلاد بن یحییٰ اور عصام بن خالد۔ ان بائیس میں سے گیارہ روایات تنہا مکی بن ابراہیم کی ہیں، جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کی عالی سند

امام ترمذی رحمہ اللہ کی عالی سند ثلاثی ہے اور پوری ترمذی میں ایک ہی ثلاثی روایت ہے، جس میں امام ترمذی رحمہ اللہ کے استاذ اسماعیل بن موسیٰ الکوفی ہیں۔ ان کے شیخ عمر بن شاکر ہیں اور وہ صحابیِ رسول حضرت انس علیہ الرحمہ بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ (ترمذی)

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کی عالی سند

امام ابن ماجہ کی عالی سند ثلاثی ہے، ابن ماجہ میں پانچ ثلاثیات ہیں اور پانچوں ایک ہی سند عن جبارۃ بن مغلس عن کثیر بن سلیم عن انس بن مالک مروی ہیں۔ (روایات کے لیے دیکھیے: کتاب الاطعمۃ میں باب الوضوء عند الطعام، باب الشواء اور باب الضیافۃ، نیز کتاب الطب میں باب الحجامۃ اور کتاب الزہد میں باب صفۃ امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

امام مسلم رحمہ اللہ کی عالی سند

امام مسلم رحمہ اللہ کی عالی سند رباعی ہے۔ مسلم شریف میں ایک بھی ثلاثی روایت نہیں ہے۔ تاہم بہ کثرت ایسی روایات ہیں جن میں امام مسلم رحمہ اللہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف چار وسائط ہیں۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض روایات ایسی بھی ہیں جن میں امام مسلم رحمہ اللہ کے یہاں وسائط کم ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں زیادہ ہیں۔ مثلاً امام مسلم رحمہ اللہ کے یہاں اگر وہ روایت رباعی ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ کے یہاں وہ روایت خماسی ہے۔ اگر

امام مسلم رحمہ اللہ کے یہاں خماسی ہے تو امام بخاری رحمہ اللہ کے یہاں روایت سداسی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب عوالی مسلم ایسی کل چالیس روایات جمع کردی ہیں۔ یہ گویا امام مسلم رحمہ اللہ کے لیے ایک گونہ فضیلت کی چیز ہے۔
(مباحث فی الحدیث وعلومہ)

امام نسائی رحمہ اللہ اور ابوداؤد رحمہ اللہ کی عالی سندیں

امام نسائی رحمہ اللہ کی سب سے عالی سند رباعی ہے۔ اسی طرح امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی بھی عالی سند رباعی ہے۔ سنن داؤد میں کل رباعی روایات ہیں۔ اور ایک بھی ثلاثی روایت نہیں ہے۔
مصنفین صحاح ستہ کی اسانید عالیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مصنفین صحاح ستہ میں سے امام بخاری، امام ابن ماجہ، امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے بھی بعض تبع تابعین کو دیکھا اور ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ اس بنا پر اس علو اسناد میں وہ بھی امام شافعی اور امام احمد کے ساتھ شریک ہیں، حالاں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی وفات کے وقت امام بخاری رحمہ اللہ دس برس کے تھے۔ اور امام ابوداؤد کل دو سال کے اور امام ابن ماجہ تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، چنانچہ ان حضرات کی تصانیف میں ثلاثیات حسب ذیل ہیں:
(۱) صحیح بخاری۔ (۲) سنن ابن ماجہ۔ (۳) سنن ابی داؤد۔ (۴) جامع ترمذی۔
امام مسلم اور امام نسائی کو کسی تبع تابعی سے کوئی روایت نہ مل سکی، اس لیے ان دونوں حضرات کی سب سے عالی روایات رباعیات ہیں، جن کو ان کے اساتذہ نے تبع تابعین سے اور انھوں نے تابعین سے اور انھوں نے صحابہ سے سنا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں بھی رباعیات بکثرت موجود ہیں اور اس اعتبار سے امام ابن ماجہ کو دیگر ارباب صحاح ستہ پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے کہ امام بخاری کے بعد ان کی ثلاثیات کی تعداد سب سے زیادہ ہے، حالاں کہ وہ عمر میں امام مسلم سے پانچ سال اور امام ابوداؤد سے سات سال چھوٹے ہیں۔ (امام ابن ماجہ اور علم حدیث)

حدیث کی تصانیف کی اقسام

جو شخص خود کو اس قابل پائے کہ وہ حدیث کی خدمت کر سکے تو اس پر لازم ہے کہ وہ حدیث سے متعلق تصانیف لکھے۔ ان تصانیف کا مقصد متفرق احادیث کو اکٹھا کرنا، احادیث کے مشکل پہلوؤں کی وضاحت کرنا، غیر مرتب احادیث کو ترتیب دینا، حدیث کے طالب علموں کے استفادے کے لئے فہرستیں اور انڈیکس تیار کرنا (یا سافٹ ویئر بنانا) ہوسکتا ہے۔ تصنیف کرنے کے بعد کتاب کو شائع کرنے سے پہلے اس کی غلطیوں کی اصلاح ضروری ہے تاکہ تصنیف دوسروں کے لئے فائدہ مند ہو جائے۔
اہل علم نے احادیث سے متعلق بہت سی اقسام کی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے مشہور اقسام یہ ہیں۔

حدیث کی تصانیف میں الجوامع

یہ 'جامع' کی جمع ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں عقائد، عبادات، معاملات، سوانح حیات، مناقب، رقت قلب، فتنے، قیامت کی علامات وغیرہ وغیرہ ہر قسم کے موضوع پر احادیث اکٹھی کی گئی ہوں۔ اس کی مثال امام بخاری کی "الجامع الصحیح" ہے۔

حدیث کی تصانیف میں المسانید

یہ 'مُسند' کی جمع ہے۔اس قسم کی کتاب میں موضوع کی بجائے احادیث کو ان کے راوی صحابی کے نام سے ترتیب دیا جاتا ہے (یعنی ایک صحابی کی تمام روایات ایک جگہ اکٹھی کر دی جاتی ہیں۔)اس کی مثال امام احمد بن حنبل کی "مسند" ہے۔

حدیث کی تصانیف میں السنن

اس قسم کی کتابیں فقہ کے موضوعات کے مطابق لکھی جاتی ہیں تا کہ ہر موضوع سے متعلق احادیث ایک جگہ آ جائیں جن سے فقہاء استنباط کر سکیں۔سنن اور جامع میں فرق یہ ہے کہ سنن میں عقائد، سوانح حیات اور مناقب سے متعلق احادیث درج نہیں کی جاتیں بلکہ صرف احکام سے متعلق احادیث ہوتی ہیں۔اس کی مثال امام ابوداؤد کی "سنن" ہے۔

حدیث کی تصانیف میں المعاجم

یہ 'معجم' کی جمع ہے۔اس قسم کی کتابوں میں مصنف احادیث کو اپنے اساتذہ کی ترتیب سے اکٹھا کرتا ہے۔ان اساتذہ کے ناموں کو عموماً حروف تہجی سے ترتیب دیا جاتا ہے۔اس کی مثال امام طبرانی کی تین کتابیں "المعجم الکبیر، المعجم الاوسط اور المعجم الصغیر" ہیں۔

حدیث کی تصانیف میں العلل

اس قسم کی کتابیں ان احادیث پر مشتمل ہوتی ہیں جن میں کوئی علت (خامی) پائی جاتی ہو۔احادیث کے ساتھ ساتھ ان کی (سند یا متن کی) خامیوں کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔اس کی مثال امام ابن ابی حاتم کی "العلل" یا امام دارقطنی کی "العلل" ہے۔

حدیث کی تصانیف میں الاجزاء

یہ 'جز' کی جمع ہے۔یہ احادیث کی مختصر کتابیں ہوتی ہیں جن میں کسی ایک راوی یا کسی ایک موضوع سے متعلق احادیث اکٹھی کی جاتی ہیں۔اس کی مثال امام بخاری کی "جزء رفع الیدین فی الصلاۃ" ہے۔

حدیث کی تصانیف میں الاطراف

اس قسم کی کتابوں میں کسی ایک حدیث کو بنیاد بناتے ہوئے اس سے متعلق دیگر احادیث کو درج کیا جاتا ہے۔اس کے بعد تمام احادیث کی اسناد اور متون کو بیان کیا جاتا ہے۔اس کی مثال امام مزی کی "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف" ہے۔

حدیث کی تصانیف میں المستدرک

مستدرک اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں دوسری کتاب کے مصنف کی شرائط پر پوری اترنے والی وہ احادیث بیان کی جاتی ہیں جو دوسری کتاب میں بیان نہیں کی گئیں۔اس کی مثال ابوعبداللہ الحاکم کی "المستدرک علی الصحیحین" ہے۔(اس کتاب میں حاکم نے

وہ احادیث بیان کی ہیں جو ان کی تحقیق کے مطابق بخاری اور مسلم کی شرائط پر پورا اترتی ہیں لیکن انہوں نے ان احادیث کو اپنی کتابوں میں درج نہیں کیا۔ مستدرک کا مقصد نامکمل کتاب کو مکمل کرنا ہوتا ہے۔)

حدیث کی تصانیف میں المستخرج

مستخرج اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری کتاب میں بیان کردہ احادیث کی مزید اسناد بیان کی جاتی ہیں۔ یہ مزید اسناد اصل کتاب کے مصنف نے بیان نہیں کی ہوتیں۔ دیگر اسناد کے یہ سلسلے اصل کتاب کے مولف کے استاذ یا ان کے کسی استاذ سے جا کر مل جاتے ہیں۔ اس کی مثال ابونعیم الاصبہانی کی "المستخرج علی الصحیحین" ہے۔ ابونعیم نے اس کتاب میں بخاری و مسلم میں بیان کردہ احادیث کی مزید اسناد بیان کی ہیں تاکہ ان کی احادیث میں مزید قوت پیدا ہو جائے۔

محمد لیاقت علی رضوی بن محمد صادق

كِتَابُ السُّنَّةِ

یہ کتاب سنت کے بیان میں ہے

لفظ سنن کے مختلف لغوی معانی کا بیان

لفظ سنن ،سُنت ،کی جمع ہے اور ،سُنت ، سے مراد وہ طریقہ ہے جس پر انسان چلتا ہے اور اس کو لازم پکڑ لیتا ہے۔اسی معنی میں ،سنۃ الانبیاء ،یعنی ،،انبیاء کا طریقہ ،،کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔

ایک شاعر خالد الہذلی نے اپنے ماموں ابوذؤیب کے بارے میں کہا ہے۔جس رستے پر تو چل پڑے تو پھر اس پر گھبراہٹ محسوس نہ کر ،کیونکہ سب سے پہلا شخص جو کسی رستے سے راضی ہوتا ہے وہ وہی ہوتا ہو جو اُس پر چلنے والا ہو،،۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے: آل ہاشم کے وہ لوگ جو ،طف ،نامی مقام میں ہیں ،انہوں نے صبر کیا ہے اور ایک دوسرے کو تسلی دیتے ہوئے باعزت لوگوں کے لیے (صبر کا) ایک طریقہ چھوڑا ہے،،۔

لبید کا شعر ہے:وہ لوگ ایک ایسی قوم میں سے ہیں جن کے لیے ان کے آباء واجداد نے ایک طریقہ چھوڑا ہے اور ہر قوم کا ایک طریقہ اور اس کا کوئی امام ہوتا ہے۔

مفضل ،نے کہا ہے کہ ،سُنت ، سے مراد ،امت ، ہے اور اس نے دلیل کے طور پر یہ شعر پڑھا ہے۔لوگوں نے تمہاری بزرگی جیسی بزرگی کسی میں نہیں پائی اور پچھلی اقوام میں تمہاری قوم جیسی قوم نہیں دیکھی ،،۔

اس میں ،سُنت ،کا معنی ،قوم ، لینے میں کوئی دلیل نہیں ہے ،کیونکہ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ ،سنن ، سے مراد ،اہل سنن ،ہوں۔

امام خلیل کا کہنا ہے کہ ،سن الشی ،، کا معنی کسی شے کی صورت بنانا ہے اور ،حما مسنون ، کا لفظ بھی اسی سے ہے ،جس کا معنی ،صورت دیا گیا کیچڑ ، ہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ ،سن الماء والدرع ،اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ ان کو انڈیل دیا جائے اور ،حما مسنون ، کا اس سے ہونا ممکن ہے ،لیکن انڈیلنے کی مٹی کی طرف نسبت بعید ہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ ،مسنون ، سے مراد ،متغیر ، ہے۔بعض اہل لغت کا کہنا ہے:یہ لفظ ،سن الماء ، سے ہے ،یعنی جب کوئی شخص مسلسل پانی انڈیلتا رہے۔پس ،سن ،کا بنیادی معنی پانی اور پسینہ وغیرہ انڈیلنا ہے۔

زہیر کا شعر ہے۔ہم ان گھوڑوں کو دشمن کا سامنا کرنے کے لیے روزانہ تیار کرتے ہیں اور ان کے کھروں پر ان کا پسینہ بہایا جاتا ہے۔یعنی ان پر پسینہ بہایا جاتا ہے۔اس شعر میں رستے کو انڈ یلے ہوئے پانی سے تشبیہ دی گئی ہے ،کیونکہ انڈ یلے ہوئے پانی

میں پانی کا بہنا مسلسل ایک ہی نہج پر ہوتا ہے۔پس ،سُنّت، کا لفظ ،اسم مفعول، کے معنی میں ہے جیسا کہ ،غرفۃ ، کا لفظ ہے۔
ایک قول یہ بھی ہے کہ سُنّت کا لفظ ،سنت النصل، سے ہے ،یعنی میں نے چاقو کے پھل کو تیز کیا۔یعنی جب میں نے اس کو کسی سان پر تیز کیا ہو۔اور ،سُنّت، سے مراد اچھا طریقہ ہو گا کہ جس کا اہتمام کیا جائے ،جیسا کہ چاقو کے پھل کی پرواہ وغیرہ کی جاتی ہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ ،سُنّت، کا لفظ ،سن الابل، سے ماخوذ ہے ،یعنی اونٹوں کی اچھی طرح نگہبانی کرنا اور ،سنت، کا معنی یہ ہو گا کہ صاحب سُنّت کی حیثیت اپنی قوم کی نگرانی میں ایسی ہی ہو گی جیسا کہ ایک چرواہا اپنے اونٹوں کی نگہبانی کرتا ہے۔اور جس کام کو رسول اللہ نے جاری کیا اس کو ،سُنّت، کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ آپ نے اس کام کی اچھی طرح نگہبانی کی اور اس کو دوام بخشا۔

سنت کی لغوی تعریف کا بیان

علامہ ابن منظور الافریقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔سنت کا لغوی معنی راستہ یا طریقہ ہے۔سنت سے مراد طریقہ ہے چاہے اچھا ہو یا برا ہو اور حدیث میں ہے کہ جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اور جس نے اس طریقے پر عمل کیا تو اس جاری کرنے والے کے لیے بھی اس کا اجر ہے۔اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کیا مراد یہ ہے کہ جس نے اس برے طریقے پر عمل کیا تا کہ اس طریقے میں اس کی پیروی کی جائے۔اور ہر وہ شخص جو کہ پہلی مرتبہ کوئی کام کرتا ہے اور اس کے بعد آنے والوں نے اس پر عمل کیا تو کہا گیا ہے کہ اس نے اسے جاری کیا۔(لسان العرب:باب س۔ن۔ن)

علامہ زبیدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔کہ سنت سے مراد طریقہ ہے چاہے اچھا ہو یا برا ،جبکہ علامہ ازہری کا قول یہ ہے کہ سنت سے مراد پسندیدہ اور سیدھا رستہ ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ،اہل سنت، میں سے ہے ،یعنی سیدھے اور پسندیدہ رستے پر ہے۔(تاج العروس:باب س۔ن۔ن)

علامہ ابن الاثیر الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا اصل معنی طریقہ اور رستہ ہے مجوس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے الفاظ ہیں:،،ان کے بارے میں اہل کتاب کی سنت (طریقہ) جاری کرو،،یعنی ان سے بھی اہل کتاب کی طرح جزیہ وصول کرو۔(النھایۃ فی غریب الحدیث:باب السین مع النون)

امام راغب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ ہے کہ جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصد کرتے تھے۔(المفردات:باب س۔ن۔ن)

امام ابن فارس رحمہ اللہ لکھتے ہیں سنت کا معنی طریقہ ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔(معجم مقاییس اللغۃ:باب س۔ن۔ن)

سنت کے اصطلاحی مفہوم کا بیان

فقہاء،اصولیین،محدثین اور علمائے متکلمین نے سنت کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے۔ان علماء کا سنت کی تعریف میں یہ اختلاف ،اختلاف تضاد نہیں ہے بلکہ تنوع کا اختلاف ہے۔علماء کی ہر جماعت نے اپنے میدان،موضوع اور اس کے دائرہ

کار کے اعتبار سے سنت کی تعریف کی ہے اور ان میں ہر جماعت دوسری جماعت کی سنت کی تعریف کو بھی مانتی اور قبول کرتی ہے۔

فقہاء کے نزدیک سنت کی تعریف

علم الفقہ میں سنت کا لفظ فرض کے بالمقابل استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جب فقہاء کسی فعل کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ سنت ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ فرض نہیں ہے۔

الدکتور وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں۔ فقہاء کے نزدیک سنت سے مراد وہ چیز ہے جو کہ عبادات سے متعلق ہو اور واجب یعنی فرض نہ ہو۔ عام طور پر اس سنت یعنی جو فرض نہیں ہے کو مندوب بھی کہتے ہیں۔ (اصول الفقہ الاسلامی ص ۴۵۰)

محدثین کے ہاں سنت کی تعریف

محدثین کے نزدیک سنت اور حدیث قریباً مترادف ہیں۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، تقریرات اور پیدائشی واکتسابی اوصاف کا نام ہے۔ جبکہ ان چاروں چیزوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت حدیث کہلاتی ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول، فعل، تقریر یا صفت کو جب کوئی صحابی رسول اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے تو صحابی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس نسبت کو حدیث کہتے ہیں۔ سنت اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، تقریرات اور اوصاف کا نام ہے تو حدیث اس کی روایت ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو سنت اور حدیث میں کچھ فرق نہیں ہے۔

حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، تقریرات اور اوصاف کے حوالے سے جو کچھ بیان ہو رہا ہے وہ سنت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کی امہات الکتب میں سے اکثر کے نام سنن سے شروع ہوتے ہیں مثلاً سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ وغیرہ۔ سنت اور حدیث میں ایک فرق یہ ہے کہ حدیث کا لفظ سنت کی نسبت عام ہے کیونکہ حدیث کا مقصود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے متعلق جمیع حالات، واقعات، اقوال اور افعال وغیرہ کو جمع کرنا ہے، چاہے وہ بعثت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوں یا بعثت کے بعد ہوں۔ جبکہ سنت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال وافعال وتقریرات وغیرہ پر مشتمل ہوگی جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور شریعت صادر ہوں۔ اس پہلو سے غالب وصف کا اعتبار کرتے ہوئے احادیث کی کتب کو سنن کہا گیا ہے۔

ڈاکٹر حمزہ ملیباری لکھتے ہیں کہ اصطلاح میں سنت سے مراد ہر وہ قول یا فعل یا تقریر یا اکتسابی وصف ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد سے لے کر وفات تک کے دورانیے میں بطور شریعت صادر ہوا ہو۔ جبکہ حدیث نبوی سے مراد ہر وہ قول، فعل، تقریر، پیدائشی یا اکتسابی وصف ہے کہ جس کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو، چاہے یہ بعثت سے پہلے ہو یا بعد میں ہو، چاہے بطور شریعت صادر ہوا ہو یا شریعت نہ ہو۔ مجازاً اس کا اطلاق صحابہ اور تابعین کے اقوال، افعال، تقریرات اور اوصاف پر بھی ہو جاتا ہے۔

پس اس پہلو سے حدیث، سنت کی نسبت عام ہے کیونکہ سنت سے مراد صرف وہی امور ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

بطور شریعت صادر ہوئے ہوں۔ (علوم الحدیث فی ضوء تطبیقات المحدثین النقاد: ص ۱۶،۱۵)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر حدیث شریعت نہیں ہے مثلاً وہ احادیث جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے ماقبل کی زندگی کے حالات وافعال پر مشتمل ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدائشی اوصاف کو بیان کرنے والی ہیں وغیرہ۔ جن احادیث کا تعلق شریعت سے ہے وہ سنت ہیں۔ اسی لیے جب بھی شریعتِ اسلامیہ کے مصادر کی بات کی جاتی ہے تو قرآن وسنت کہا جاتا ہے نہ کہ قرآن و حدیث۔ دوسری اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول یا فعل سنت نہیں ہے بلکہ وہی اقوال وافعال سنن ہیں جو کہ بطور شریعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئے ہیں۔

علمائے اصول کے نزدیک سنت کی تعریف

اصولیین کے نزدیک سنت کی تعریف میں الدکتور عبد الکریم زیدان لکھتے ہیں کہ اصولیین کی اصطلاح میں قرآن کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی اقوال، افعال اور تقریرات صادر ہوئی ہیں وہ سنت ہیں۔ پس سنت اس اعتبار سے ادلۂ احکام میں سے ایک دلیل ہے اور مصادر شریعت میں سے ایک مصدر ہے۔ (الوجیز: ص ۱۶۱،۱۶۲)

اصولیین کا اصل موضوع یہ ہے کہ کیا چیز شریعت ہے اور کیا چیز شریعت نہیں ہے۔ اس لیے اصولیین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو سنت کی تعریف میں شامل نہیں کیا کیونکہ اصولیین کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدائشی یا اکتسابی اوصاف سے کوئی حکم شرعی مستنبط نہیں ہوتا جبکہ محدثین کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکتسابی اوصاف سے بھی کوئی شرعی حکم نکل سکتا ہے لہٰذا انہوں نے اکتسابی اوصاف کو بھی سنت کی تعریف میں داخل کر دیا ہے۔ فقہاء کے مختلف طبقات نے مختلف پہلوؤں سے سنت کے معنی ومفہوم پر روشنی ڈالی ہے اور ان معانی میں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، کوئی تضاد نہیں۔ فقہاء، محدثین اور اصولیین کے نزدیک سنت کا اطلاق صرف انہی امور پر ہوگا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور شریعت صادر ہوئے ہیں۔

سنّت اور حدیث میں فرق ہونے کا بیان

نکاح کرنا سنّت ہے، حدیث نہیں؛ قربانی کرنا سنّت ہے، حدیث نہیں؛ مسواک کرنا سنّت ہے، حدیث کوئی نہیں کہتا۔ سنت کا لفظ ایسے عمل متوارث پر بھی بولا جاتا ہے جس میں نسخ کا کوئی احتمال نہ ہو، حدیث کبھی ناسخ ہوتی ہے کبھی منسوخ؛ مگر سنت کبھی منسوخ نہیں ہوتی، سنت ہے ہی وہ جس میں توارث ہو اور تسلسلِ تعامل ہو، حدیث کبھی ضعیف بھی ہوتی ہے کبھی صحیح، یہ صحت وضعف کا فرق ایک علمی مرتبہ ہے، ایک علمی درجہ کی بات ہے، بخلاف سنت کے کہ اس میں ہمیشہ عمل نمایاں رہتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے مسلک کے لحاظ سے اپنی نسبت ہمیشہ سنت کی طرف کی ہے اور اہل سنت کہلاتے ہیں، حدیث کی طرف جن کی نسبت ہوئی اس سے ان کا محض ایک علمی تعارف ہوتا رہتا ہے اور اس سے مراد محدثین سمجھے گئے ہیں، مسلکاً یہ حضرات اہلسنت شمار ہوتے تھے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "سَيَأْتِيكُمْ عَنِّي أَحَادِيثُ مُخْتَلِفَةٌ، فَمَا جَاءَكُمْ مُوَافِقًا لِكِتَابِ اللَّهِ وَلِسُنَّتِي فَهُوَ مِنِّي، وَمَا جَاءَكُمْ مُخَالِفًا لِكِتَابِ اللَّهِ وَلِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں کہ میری طرف سے کچھ اختلافی احادیث آئینگی، ان میں سے جو "کتاب اللہ" اور "میری سنت" کے موافق ہونگی، وہ میری طرف سے ہونگی۔ اور جو "کتاب اللہ" اور "میری سنت" کے خلاف ہونگی وہ میری طرف سے نہیں ہونگی۔

((۱)سنن الدارقطني. كِتَابٌ فِي الْأَقْضِيَةِ وَالْأَحْكَامِ وَغَيْرِ ذَلِكَ. كتاب عمر رضي الله عنه إلى أبي موسى الأشعري، ۳۹۲۶(۴۴۲۷)؛ (۲)الكفاية في علم الرواية للخطيب: التَّوَثُّقُ فِي اسْتِفْتَاءِ الْجَمَاعَةِ، ۳۱۱(۵۰۰۳)؛ (۳)ذم الكلام وأهله لعبد الله الأنصاري الْبَابُ التَّاسِعُ، بَابٌ : ذِكْرُ إِعْلَامِ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ، ۵۸۹(۲۰۶)؛ (۴)الأباطيل والمناكير والمشاهير للجورقاني: كِتَابُ الْفِتَنِ، بَابٌ : الرُّجُوعُ إِلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ ۲۷۷(۲۹۰)

مذاہب اربعہ کے مطابق مفہوم سنت کا بیان

جمیع اہل سنت، کے نزدیک ،سنت، ، سے مراد رسول اللہ کے اقوال ،افعال وتقریرات ہیں۔معروف حنفی فقہاء علامہ کمال الدین ابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) اورعلامہ ابن امیر الحاج (متوفی ۸۷۱ھ) لکھتے ہیں۔

(السنة) و هي لغة (الطريقة المعتادة) محمودة كان او لا (و في الاصول قوله عليه السلام و فعله و تقريره) مما ليس من الامور الطبيعية(التقرير و التحبير : الباب الثالث السنة)

سنت ،کا لغوی معنی ایسا طریقہ ہے جس کے لوگ عادی ہوں چاہے وہ اچھا ہو یا برا۔۔۔اور اصول فقہ میں ،سنت ، سے مراد رسول اللہ کا وہ قول ،فعل اور تقریر ہے جو طبعی امور کے علاوہ ہیں۔

شافعی فقیہ امام زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) فرماتے ہیں۔

المراد هنا ما صدر من الرسول من الاقوال والافعال والتقرير و الهم وهذا الاخير لم يذكره الاصوليون(البحر المحيط : مباحث السنة)

یہاں یعنی اصول فقہ میں سنت سے مراد رسول اللہ کے اقوال ،افعال ،تقریرات اور کسی کام کو کرنے کا ارادہ ہیں۔اس آخری قسم کو،سنت، کی تعریف میں عموماً اصولیین نے بیان نہیں کیا ہے۔

مالکی فقیہ امام شاطبی (متوفی ۷۹۵ھ) لکھتے ہیں۔

واذا جمع ما تقدم تحصل منه في الاطلاق اربعة اوجه قوله عليه الصلاة والسلام و فعله و تقريره و كل ذلك اما متلقى بالوحي او بالاجتهاد بناء على صحة الاجتهاد في حقه وهذه الثلاثة والرابع ما جاء عن الصحابة او الخلفاء (الموافقات، ج ۲، جزء ۴، ص ۷)

سنت کے بارے میں ہم نے جو پیچھے بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ،سنت، سے مطلق طور پر مراد رسول اللہ کا قول ،فعل اور تقریر ہے اور یہ تینوں یا تو وحی کی بنیاد پر ہوں گے یا آپ کا اجتہاد ہوگا، بشرطیکہ آپ کے لیے اجتہاد کرنے کا قول صحیح ہو۔یہ ،سنت، کی تین صورتیں ہیں اور اس کی چوتھی صورت صحابہ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔

مذہب حنبلی فقیہ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں۔

الحدیث النبوی هو عند الاطلاق ینصرف علی ماحدث به عنه بعد النبوة من قوله و فعله وافراره فان سنته ثبت من هذه الوجوه الثلاثة (مجموع الفتاوی، جلد ۱۸، ص ۶-۷)

حدیث نبوی سے مراد آپ کا وہ قول، فعل اور تقریر ہے جو کہ آپ سے نبوت کے بعد صادر ہوا ہو۔ پس آپ کی سُنّت، ان تین صورتوں سے ثابت ہوتی ہے۔

فقہی مباحث میں جب اہل سُنّت کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد صحابہ، تابعین، تبع تابعین، حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ ہوتے ہیں۔

فقہاء احناف کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے مبارک افعال کا بیان

فقہائے احناف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی چھ اقسام بیان کی ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں جن کے مزید دلائل سب فقہائے احناف میں ہیں۔

فقہاء احناف کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے مبارک افعال کی پہلی قسم

فقہائے احناف کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی ایک قسم وہ ہے جو کہ ،غیر ارادی افعال، پر مشتمل ہے۔ غیر ارادی افعال کئی قسم کے ہوتے ہیں جن میں ایک کو فقہائے احناف نے ،زلہ، یعنی بھول چوک کا نام دیا ہے۔ ،زلہ، کے ،، وغیر ارادی افعال کی ایک دوسری قسم کے طور پر فقہائے احناف نے آپ کے ان افعال کو بھی بیان کیا ہے جو آپ سے نیند یا بے ہوشی کی حالت میں سرزد ہوئے ہوں۔ فقہائے احناف کے نزدیک اس قسم کے افعال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کسی بھی امتی کے لیے جائز نہیں ہے۔

فخر الاسلام امام بزدوی (متوفی ۴۸۳ھ) لکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی اقسام میں مباح، مستحب، واجب اور فرض شامل ہیں۔ آپ کے افعال کی ایک اور قسم ،زلہ، بھی ہے۔ ،زلہ، کا تعلق اس باب (یعنی اتباع) سے نہیں ہے کیونکہ ،زلہ، میں کسی بھی نبی و رسول کی اقتداء و پیروی درست نہیں ہے۔ (قرآن و سُنّت میں) اس قسم کے افعال کے تذکرہ کے ساتھ ہی خود فاعل یا اللہ کی طرف سے ایک بیان متصل بعد ہوتا ہے (جو کہ اس کے قابل اقتداء نہ ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہوتا ہے)۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ،،اور حضرت آدم نے نافرمانی کی،،۔ ایک اور جگہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ایک قبطی کے قتل ہونے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ،،حضرت موسیٰ نے کہا یہ تو شیطان کا کام ہے،،۔ ،زلہ، سے مراد وہ فعل ہے جس کے کرنے کا فاعل نے ارادہ نہ کیا ہو لیکن فاعل نے ایک دوسرے مباح فعل کا قصد کیا ہو اور اس مباح فعل کے ارتکاب نے فاعل کو ،زلہ، تک پہنچا دیا ہو،،۔ پس وہ شخص ایک مقصود بعینہ حرام فعل (یعنی ایسا حرام فعل کہ اس کے ارتکاب کا قصد کیا گیا ہو)

میں مشغول ہونے کی وجہ سے پھسل گیا۔ (اصول البزدوی، باب تعارض، ایضاً)

شمس الائمہ امام سرخسی (متوفی ۴۸۳ھ) فرماتے ہیں۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال جو کہ قصد وارادے سے ہوں، ان کی چار اقسام ہیں: مباح، مستحب، واجب اور فرض۔ ایک پانچویں قسم 'زلۃ' کی بھی ہے لیکن وہ اس باب (یعنی اتباع کے باب) میں داخل نہیں ہے، کیونکہ 'زلۃ' میں آپ کی اقتداء جائز نہیں ہے۔ اس باب میں ان افعال کے حکم کو بیان کیا جائے گا جن میں آپ کی اقتداء ہوگی۔ اسی لیے نیند یا بے ہوشی کے عالم میں آپ سے صادر ہونے والے افعال کا تذکرہ اس جگہ نہیں ہوگا، کیونکہ ان حالتوں میں آپ سے صادر ہونے والے افعال میں آپ کا قصد وارادہ شامل نہیں ہوتا ہے۔

لہٰذا ان حالتوں میں آپ سے صادر ہونے والے افعال حکم شرعی میں داخل نہ ہوں گے۔ جہاں تک 'زلۃ' کا معاملہ ہے تو اس میں عین فعل کا قصد نہیں ہوتا لیکن اصل فعل کی طرف قصد موجود ہوتا ہے۔ (اصول السرخسی، باب الکلام فی افعال النبی ﷺ)

علامہ علاؤ الدین بخاری (متوفی ۷۳۰ھ) لکھتے ہیں۔ بنیادی طور پر افعال کی دو ہی قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو ان افعال کی ہے جن کا صرف وجود ہو اور کوئی زائد صفت (مثلاً ارادہ وغیرہ) ان کے ساتھ متصل نہ ہو۔ جیسا کہ کسی سوتے ہوئے یا بھولے ہوئے آدمی کا فعل ہے۔ یہ افعال نہ تو حسن ہوں گے اور نہ ہی قبیح ہو سکتے ہیں۔ دوسری قسم میں وہ افعال شامل ہیں جن کے وجود کے ساتھ کوئی زائد صفت (مثلاً ارادہ وغیرہ) بھی شامل ہو، جیسا کہ مکلفین کے افعال ہیں۔ ان افعال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم 'حسن' کہلاتی ہے اور دوسری 'قبیح'۔ 'حسن' کی آگے مزید تین قسمیں ہیں، یعنی واجب، مندوب اور مباح۔ اور 'قبیح' کی دو قسمیں ہیں، یعنی حرام و مکروہ۔ اور ان تمام افعال کا صدور سوائے آخری قسم (یعنی قبیح) کے تمام مکلفین سے ممکن ہے، چاہے وہ انبیاء ہوں یا عام انسان۔ جہاں تک آخری قسم (یعنی قبیح) کا تعلق ہے تو انبیاء کے سوا تمام لوگوں سے اس کا وقوع ممکن ہے جبکہ انبیاء سے ان افعال کا صدور ممکن نہیں ہے جو کہ معصیت ہوں، کیونکہ عام مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے کہ انبیاء کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے معصوم ہوتے ہیں۔

ہمارے اصحاب (یعنی حنفیہ) کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء صغائر سے بھی پاک ہوتے ہیں اگرچہ وہ 'زلۃ' کا ارتکاب کر سکتے ہیں، جبکہ بعض اشعریہ کا عقیدہ اس کے برعکس ہے (یعنی ان کے نزدیک انبیاء 'زلۃ' کے علاوہ صغائر کے بھی مرتکب ہو سکتے ہیں)۔ پس یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اس باب میں افعال سے مراد آپ کے وہ افعال ہیں جو قصد وارادے سے واقع ہوں اور 'زلۃ' کی قبیل سے نہ ہوں، کیونکہ اس باب میں آپ کی اتباع کا مسئلہ زیر بحث ہے اور آپ کے جو افعال بھول چوک میں سے ہوں یا بے ہوشی و نیند کی حالت میں آپ سے صادر ہوئے ہوں تو ان میں آپ کی اقتداء درست نہیں ہے 'زلۃ' میں عین فعل کا ارادہ نہیں ہوتا لیکن اصل فعل کا قصد ضرور ہوتا ہے۔

ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ نے عصمت انبیاء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 'زلۃ' کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہ حق سے باطل اور اطاعت سے معصیت کی طرف پھسل گئے، بلکہ اس کا اصل معنی یہ ہے کہ وہ افضل سے مفضول اور زیادہ صحیح سے صحیح کی طرف مائل ہو گئے۔ (کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، باب افعال النبی ﷺ)

علامہ علاؤالدین بخاری (متوفی ۷۳۰ھ) کی اس مذکورہ بالا عبارت میں ایک قابل غور اہم نکتہ یہ ہے کہ انہوں نے مباح کو قبیح، کے بالمقابل حسن، کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ پس، مباح، اگرچہ حسن، ہوتا ہے لیکن اس پر کوئی اجر وثواب نہیں ہوتا ہے۔

علامہ صاحب اپنی کتاب میں مباح کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

و اما الثالث فهو المباح ذ ليس في ادائه ثواب، و لا في تركه عقاب، (کشف الاسرار، باب اقسام العزیمۃ)

تیسری قسم مباح ہے جس کی ادائیگی میں نہ تو کوئی ثواب ہے اور نہ ہی اس کے چھوڑنے پر کوئی سزا ہے،،۔

مذکورہ بالا بحث سے ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ، مباح، پر اگر اجر وثواب نہیں ہے تو اس کو، حسن، کس پہلو سے کہا گیا ہے؟ بعض اصولیین نے، مباح، کے، حسن، ہونے کی بحث کو مستقل طور پر بیان کیا ہے اور اس میں اس نکتے کی بھی وضاحت کی ہے۔

امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ کیا مباح، حسن، ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اگر تو، حسن، سے مراد یہ ہے کہ فاعل کو اس کو کرنے کی اجازت ہے تو اس اعتبار سے مباح، حسن، ہے۔ اور اگر، حسن، سے مراد یہ ہے کہ اس کے فاعل کی تعظیم کی جائے اور اس کا فاعل قابل تعریف ہو اور اسی طرح، قبیح، سے مراد یہ ہے کہ اس کے فاعل کی مذمت یا سزا کا اعتقاد ہو تو اس معنی میں مباح، حسن، نہیں ہے۔ (المستصفی، القطب الاول فی الثمرۃ وھی الحکم، مسئلۃ المباح لا یتضمن الامر بالمباح)

فقہاء احناف کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے مبارک افعال کی دوسری قسم

اس قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال شامل ہیں جو جبلی امور سے متعلق ہیں۔ فقہائے احناف کے نزدیک یہ افعال بالاتفاق مباح ہیں۔

علامہ علاؤالدین بخاری لکھتے ہیں۔ علماء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام افعال کی شرعی حیثیت کے بارے میں اختلاف کیا ہے جو بھول چوک یا سہو کے علاوہ ہیں مثلاً آپ کا ظہر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دینا یہاں تک کہ ذوالیدین نے کہا: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا نماز کم ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ اور ایسے طبعی افعال کے علاوہ ہیں جن سے کوئی بھی ذی روح مخلوق خالی نہیں ہوتی۔ مثلاً سانس لینا، کھڑا ہونا، بیٹھنا، کھانا، پینا وغیرہ۔ یہ تمام افعال آپ اور اُمت کے حق میں مباح ہیں اور ان کے مباح ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ (کشف الاسرار شرح اصول البزدوی، باب افعال النبی ﷺ)

علامہ ابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) اور ابن امیر حاج الحلبی (متوفی ۸۷۱ھ) لکھتے ہیں۔

(مسالة الاتفاق في افعاله الجبلية) اى الصادرة بمقتضى طبيعته فى اصل خلقته كالقيام و القعود و النوم و الاكل و الشرب (الباحة لنا و له) التقرير والتحبير: المقالة الثانية فى احوال الموضوع، مسالة الاتفاق فى افعاله الجبلية الصادرة بمقتضى طبيعته)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبلی افعال جو کہ آپ سے بتقاضائے طبیعت صادر ہوئے ہیں، جیسا کہ کھڑا ہونا، بیٹھنا، سونا، کھانا اور پینا وغیرہ، تو اس کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ یہ تمام افعال آپ اور امت کے حق میں مباح ہیں،،۔

نبی کریم ﷺ کے افعال مبارکہ سے متعلق پہلا نکتہ

اس بحث میں پہلا نکتہ تو یہ ہے کہ مباح کی تعریف احناف کے نزدیک بالاتفاق یہ ہے کہ جس کے کرنے پر کوئی ثواب نہ ہو اور نہ ہی اس کے ترک پر عذاب ہو۔

علامہ علاؤالدین بخاری فرماتے ہیں کہ تیسری قسم مباح ہے جس کی ادائیگی میں نہ تو کوئی ثواب ہے اور نہ ہی اس کے چھوڑنے پر کوئی سزا ہے۔ (کشف الاسرار، باب اقسام العزیمۃ)

نبی کریم ﷺ کے افعال مبارکہ سے متعلق دوسرا نکتہ

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ امام جصاص (متوفی ۳۷۰ھ) کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے افعال جو کہ امت کے حق میں 'مباح' ہیں، ان کے لیے لفظ 'سنت' بھی استعمال نہیں ہوسکتا ہے۔

امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ 'سنت' کے احکام تین قسم پر ہیں۔ فرض، واجب اور مندوب۔ اور مباح فعل پر لفظ 'سنت' کا اطلاق درست نہیں ہے، کیونکہ ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ 'سنت' کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام کریں یا کوئی حکم اس لیے دیں کہ اس میں آپ کی اقتداء کی جائے، اس پر عمل میں دوام اختیار کیا جائے اور اس پر عمل سے ثواب حاصل ہو، اور یہ تینوں باتیں مباح میں معدوم ہیں۔ (الفصول فی الاصول، باب القول فی سنن رسول اللہ ﷺ)

نبی کریم ﷺ کے افعال مبارکہ سے متعلق تیسرا نکتہ

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ بعض فقہائے احناف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبلی امور کی پیروی کو 'حسن' کہا ہے تو اس سے ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ان افعال کو 'مباح' بھی کہتے ہیں اور باعث اجر وثواب بھی سمجھتے ہیں۔ ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ فقہائے احناف کے نزدیک واجب اور مندوب کی طرح مباح بھی 'حسن' کی ایک قسم ہے۔ اور 'حسن' سے مراد بعض اوقات ایسے افعال بھی ہوتے ہیں جو کسی اخروی اجر وثواب کے وعدے کے بغیر بھی کسی اور پہلو سے 'حسن' ہوتے ہیں۔

علامہ ابن الہمام اور ابن امیر الحاج الحنفی لکھتے ہیں۔ 'سنت' دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ 'سنت الہدیٰ' جس کو قائم کرنا تکمیل دین کے لیے ہوتا ہے اور اس کے بلا عذر تارک، جبکہ وہ اس کے ترک پر مصر بھی ہو، کو گمراہ قرار دیا جائے گا اور وہ قابل مذمت ہوگا۔ جیسا کہ فرض نمازوں کے لیے اذان کی مثال ہیاور 'سنت' کی دوسری قسم 'سنت الزائدۃ' ہے۔ جیسا کہ آپ کا کھانا، بیٹھا اور لباس پہننا۔ فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ 'سنن الزوائد' کو اختیار کرنا 'حسن' ہے اور ان کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی ان کو چھوڑنا ناپسندیدہ یا برا نہیں ہے۔ (التقریر والتحبیر، المقالۃ الثانیۃ فی احوال الموضوع، تقسیم الطلبیۃ الحکم الی رخصۃ وعزیمۃ)

یہ وہی انداز ہے جو ہم نے عمامے کی بحث میں اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ہم سے یہ سوال کرے کہ عمامہ باندھنا چاہیے یا نہیں، تو ہم اسے یہی جواب دیں گے کہ باندھنا چاہیے، لیکن اس کا باندھنا دین کا موضوع نہیں ہے کہ جس کے چھوڑنے کو ناپسندیدگی یا بری نظروں سے دیکھا جائے۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں۔

کیا مباح، حسن، ہے یا نہیں، تو اس مسئلے میں راجح مسلک تفصیل ہے۔ اور وہ یہ کہ مباح اس اعتبار سے تو، حسن، ہے کہ اس کے فاعل کو اس کے کرنے کی اجازت ہے یا اس اعتبار سے بھی، حسن، ہو سکتا ہے کہ اس کی اپنے مقصود سے موافقت ہے۔ لیکن مباح اس اعتبار سے بالکل بھی، حسن نہیں ہے کہ اس کا فاعل قابل تعریف ہو۔ (اصول الفقہ الاسلامی، ج ۱، ص ۹۰)

نبی کریم ﷺ کے افعال مبارکہ سے متعلق چوتھا نکتہ

آخری نکتہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض وہ جبلی افعال جو قرآن کی کسی ایسی نص کا بیان بن رہے ہوں جس کا اصل حکم وجوب یا استحباب کے درجے میں ہو تو پھر یہ جبلی افعال کم از کم مستحب ضرور ہوں گے اور ان کی اتباع باعث اجر وثواب ہو گی۔

امام ابوبکر جصاص (متوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے افعال جو ہر شخص کو پیش آتے ہیں اور کوئی بھی عادتاً ان سے مستغنی نہیں ہو سکتا ہے، مثلاً کھانا، پینا، کھڑا ہونا، بیٹھنا اور سونا وغیرہ جیسا کہ آپ کے بارے میں مروی ہے کہ جب آپ اپنے گھر میں ہوتے تو اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے تھے اور اپنا کپڑا خود سی لیتے تھے۔

آپ کے ایسے افعال وجوب کے درجے کے نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آپ ان افعال سے علیحدہ نہیں رہ سکتے تھے اور ان افعال کو کرنے کی حاجت ہر کسی کو پیش آتی ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ مسئلہ بھی ہے کہ ان افعال میں ہر کسی کے لیے آپ کی اقتداء ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ ان افعال کا ہر حال میں کرنا محال ہے۔ جوتے کو گانٹھ لینے اور کپڑے کو سی لینے کے عمل کے ظاہری نقل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے ان افعال کو ہمارے حق میں واجب کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا تھا۔ یہ بھی امکان ہے کہ آپ سے اس قسم کے افعال تقرب الی اللہ کی نیت سے وارد ہوئے ہوں کیونکہ ان افعال کو کرتے وقت آپ نے تواضع، ترک تکبر، گھر والوں کے ساتھ مساوات کا ارادہ کیا تا کہ اس پر اللہ کی طرف سے اجر وثواب ہو اور آپ کی امت بھی آپ کی اس مسئلے میں اقتداء کرے۔ (الفصول فی الاصول، باب القول فیما یحصل بہ اعلی احکام افعالہ علیہ السلام)

فقہاء احناف کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے مبارک افعال کی تیسری قسم

یہ قسم سہو وجبلی افعال کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادی افعال پر مشتمل ہے۔ آپ کے ارادی افعال کی بھی فقہائے احناف نے دو قسمیں بنائی ہیں۔ پہلی قسم آپ کے ان افعال پر مشتمل ہے جن کی صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں واضح ہو، یعنی ان افعال کا آپ کے حق میں فرض، واجب، مستحب یا مباح ہونا معلوم ہو۔

امام سرخسی (متوفی ۴۸۳ھ) فرماتے ہیں:

وكان ابو الحسن الكرخي رحمه الله يقول: ان علم صفة فعله انه فعله واجبا او ندبا او مباحا فنه يتبع فيه بتلك الصفة (اصول السرخسي، باب افعال الرسول ﷺ)

ابوالحسن کرخی فرماتے تھے کہ اگر آپ کے کسی فعل کی صفت معلوم ہو جائے کہ آپ نے اس کو واجب، مندوب یا مباح سمجھ کر کیا ہے تو آپ کی اس فعل میں پیروی اسی صفت (یعنی وجوب، ندب یا اباحت) کے ساتھ کی جائے گی۔

علامہ علاؤ الدین بخاری (متوفی ۷۳۰ھ) لکھتے ہیں۔

ثم بعد ذلك ما ان علمت صفة ذلك الفعل في حقه عليه السلام او لم تعلم، فان علمت فالجمهور على ان امته مثله وذهب شرذمة الى ان حكم ما علمت صفته كحكم مالم تعلم صفته هكذا ذكر بعض الاصوليين ۔(كشف الاسرار، باب افعال النبي ﷺ)

پھر اس کے بعد یا تو اس فعل کی صفت (یعنی اس کا واجب، مندوب یا مباح ہونا) آپ کے حق میں معلوم ہوگا یا نہیں۔ اگر تو آپ کے حق میں اس فعل کی صفت معلوم ہے تو جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ آپ کی امت بھی (اس فعل پر عمل کرنے میں) آپ کی مانند ہو گی ور ایک چھوٹی جماعت کا کہنا یہ ہے کہ آپ کے جن افعال کی صفت معلوم ہو ان کا حکم بھی ان افعال جیسا ہی ہے جن کی صفت معلوم نہ ہو۔ بعض اصولیین نے اسی طرح اس کا ذکر کیا ہے۔

و الاتباع: ان يفعل مثل فعله، و في حكمه، فلذا فعله واجبا، فعلنا علي الوجوب، و ذا فعله ندبا، او مباحا، فعلناه كذلك، لنكون قد وفينا الاتباع حقه فكان الاتباع و التاسي: ان نفعل مثل ما فعله، على الوجه الذي فعله عليه (الفصول في الاصول، باب القول في افعال النبي ﷺ)

اتباع سے مراد یہ ہے کہ کوئی امتی ویسا ہی کام کرے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور اس کام کے حکم میں بھی آپ کی اتباع کرے۔ یعنی جب آپ نے ایک کام کو واجب سمجھ کر کیا ہے تو ہم بھی اس کو واجب سمجھ کر کریں اور اگر آپ نے کسی فعل کو مندوب یا مباح سمجھ کر کیا ہو تو ہم بھی اسے مندوب یا مباح سمجھ کر کریں، تا کہ ہم اتباع کا صحیح معنی میں حق ادا کرنے والے ہو جائیں پس اتباع اور پیروی سے مراد ہے کہ ہم وہ کام کریں جو آپ نے کیا ہے اور اس ارادہ و نیت کے ساتھ کریں جس ارادہ و نیت سے آپ نے کیا ہے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال جن کی صفت آپ کے حق میں معلوم ہو، ان افعال کی پیروی و اتباع اسی صفت کے ساتھ جائز ہے۔ یعنی اگر واجب کو واجب، مندوب کو مندوب اور مباح کو مباح سمجھ کر کیا جائے۔

امام ابوبکر جصاص (متوفی ۳۷۰ھ) کی مذکورہ بالا عبارت میں ایک اہم نکتہ جو بیان ہوا ہے وہ متابعت یا اتباع کی تعریف ہے۔ امام صاحب کے بقول آپ نے جس فعل کو مباح سمجھ کر ادا کیا تو امت کے لیے بھی یہ لازم ہے کہ اسے مباح سمجھ کر ادا کرے اور جس فعل کو آپ نے مستحب جانتے ہوئے ادا کیا تو امت بھی اس فعل کی ادائیگی کے وقت اس کے مستحب ہونے کا عقیدہ رکھے۔ اگر آپ نے کسی فعل کو مباح سمجھا اور امت نے اس کو مستحب بنا دیا یا آپ نے کسی فعل کو مستحب سمجھ کر ادا کیا اور امت نے اسے واجب بناتے ہوئے اس پر عمل شروع کر دیا تو یہ آپ کی اتباع یا متابعت تصور نہیں ہوگی۔

امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال جو آپ سے قصد و ارادے سے صادر ہوئے ہوں، تین

قسم پر ہیں، واجب، مندوب اور مباح، سوائے ان افعال کے جن کے بارے میں کوئی دلیل ہو کہ وہ ان صغائر میں سے ہیں جن کی معافی ہو چکی ہے۔ (الفصول فی الاصول، باب القول فی افعال النبی ﷺ)

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ امام جصاص (متوفی ۳۷۰ھ) اور تقریباً تمام اصولیین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادی افعال کی تین قسمیں بنائی ہیں اور فرض وواجب کو علیحدہ علیحدہ بیان نہیں کیا جبکہ امام سرخسی (متوفی ۴۸۳ھ) اور امام بزدوی (متوفی ۴۸۳ھ) نے فرض اور واجب کے فرق کو بیان کرتے ہوئے آپ کے ارادی افعال کی چار قسمیں بنائی ہیں۔

علامہ علاؤالدین بخاری (متوفی ۷۳۰ھ) لکھتے ہیں:

ثم الشیخ وشمس الائمۃ رحمہما اللہ قسما افعالہ علیہ السلام سوی الزلۃ وما لیس عن قصد علی اربعۃ اقسام فرض وواجب ومستحب ومباح و القاضی الامام وسائر الاصولیین قسموھا علی ثلاثۃ اقسام واجب، مستحب ومباح۔ (کشف الاسرار، باب افعال النبی ﷺ)

پھر امام بزدوی اور امام سرخسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان افعال کے علاوہ جو کہ بھول چوک میں سے ہیں یا قصداً نہیں ہیں، باقی افعال کو چار قسموں فرض، واجب، مستحب اور مباح میں تقسیم کیا ہے، جبکہ امام ابوبکر جصاص اور باقی اصولیین نے ان کو واجب، مستحب اور مباح میں تقسیم کیا ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے مبارک افعال کی چوتھی قسم

یہ قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارادی افعال پر مشتمل ہے جن کی صفت یعنی ان کا فرض، واجب، سنت یا مباح ہونا واضح نہ ہو، نہ آپ کے حق میں اور نہ ہی امت کے حق میں۔

امام سرخسی فرماتے ہیں۔

وکان ابو الحسن الکرخی رحمہ اللہ یقول: ان علم صفۃ فعلہ انہ فعلہ واجبا او ندبا او مباحا فنہ یتبع فیہ بتلک الصفۃ، وان لم یعلم فنہ یثبت فیہ صفۃ الباحۃ، ثم لا یکون الاتباع فیہ ثابتا لا بقیام الدلیل وکان الجصاص رحمہ اللہ یقول بقول الکرخی رحمہ اللہ لا انہ یقول: اذا لم یعلم فالاتباع لہ فی ذلک ثابت حتی یقوم الدلیل علی کونہ مخصوصا وھذا ھو الصحیح.(اصول السرخسی، باب الکلام فی افعال النبی ﷺ)

اور امام ابوالحسن کرخی فرماتے تھے کہ اگر آپ کے فعل کی صفت معلوم ہو کہ وہ واجب ہے یا مندوب یا مباح، تو اس فعل میں آپ کی اتباع اسی صفت کے ساتھ ہوگی اور اگر اس فعل کی صفت آپ کے حق میں معلوم نہ ہو تو آپ کا وہ فعل مباح متصور ہوگا اور اس فعل میں (امت کے لیے) آپ کی اتباع اسی وقت ثابت ہوگی جبکہ اس کی کوئی دلیل ہو۔ امام جصاص کا بھی وہی موقف ہے جو کہ امام کرخی کا ہے (یعنی آپ کے جن افعال کی صفت معلوم نہ ہو وہ مباح افعال متصور ہوں گے) لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ کے کسی فعل کی صفت معلوم نہ ہو (تو وہ مباح تو ہوگا) لیکن اس میں آپ کی اتباع ثابت ہے الا یہ کہ اس فعل کے آپ کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی دلیل ہو۔

علامہ علاؤ الدین بخاری (متوفی ۷۳۰ھ) لکھتے ہیں۔

اگر آپ کے کسی فعل کی صفت معلوم نہ ہو (کہ وہ واجب ہے یا مندوب یا مباح) اور اس فعل کا تعلق معاملات سے ہو تو بالاجماع وہ فعل مباح ہے۔ ابوالیسر نے اسی طرح کہا ہے۔ اور اگر وہ فعل (جس کی صفت معلوم نہ ہو) عبادات سے متعلق ہو تو اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ آپ کے ایسے افعال کے بارے میں توقف کیا جائے گا اور ان پر وجوب، ندب یا اباحت میں سے کوئی بھی حکم نہ لگایا جائے گا اور ہمارے لیے آپ کے ایسے افعال میں اتباع اس وقت تک ثابت نہ ہوگی جب تک کہ کوئی ایسی دلیل نہ ہو جو اس فعل کے وصف (یعنی وجوب، ندب یا اباحت) کو ظاہر کردے اور امت کی اس فعل میں آپ کے ساتھ شرکت کو بھی ثابت کرے۔ عام اشاعرہ اور شوافع کی ایک جماعت امام غزالی، ابوبکر دقاق اور ابوالقاسم بن کج رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی موقف ہے۔ جبکہ علماء کی ایک دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے لیے آپ کے ایسے افعال میں آپ کی اتباع واجب ہے اور ان افعال کا کرنا آپ پر بھی واجب ہے اور امت پر بھی۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے اور شوافع میں سے ابوالعباس، اصطخری، ابن ابی ہریرۃ اور ابن خیران رحمہم اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ حنابلہ اور معتزلہ کی ایک جماعت نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔ (کشف الاسرار، باب افعال النبی ﷺ)

امام جصاص (متوفی ۳۷۰ھ) احناف کے اس موقف کے دلائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ اگر تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے فعل (کہ جس کی صفت وجوب، ندب یا اباحت معلوم نہ ہو) کو مباح سمجھ کر عمل کر لیا تو تم اس اندیشے سے بے خوف نہیں ہو سکتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو مندوب یا واجب سمجھ کر کیا ہو اور تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہو۔ ایسے شخص کو یہ جواب دیا جائے گا: اگر آپ نے اس فعل (کہ جس کی صفت معلوم نہ ہو) کو مندوب یا واجب سمجھ کر کیا ہوتا تو آپ اپنے اس فعل کی اس صفت کو ضرور بیان کرتے، کیونکہ ہم اس کے محتاج ہیں۔ پس جب آپ نے اپنے کسی فعل کی صفت واضح نہیں کی تو ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ آپ نے ہمیں یہ فعل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اور آپ کا یہ فعل ہمارے حق میں مباح ہے۔

پس اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ آپ نے اگر اس فعل (کہ جس کی صفت واضح نہیں ہے) کو مباح سمجھ کر کیا تھا تو آپ اس کی اباحت کو ہی واضح کر دیتے (لیکن آپ نے اس کی اباحت کو واضح نہیں کیا) پس جس طرح آپ کے لیے یہ جائز تھا کہ آپ ایک مباح کام کریں اور اس کی اباحت کو بیان نہ کریں تو اسی طرح آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ آپ کسی کام کو مندوب یا واجب سمجھ کر کریں اور اس کے ندب یا وجوب کو بیان نہ کریں۔ ہم اس کو شخص کو یہ جواب دیں گے: یہ لازم نہیں ہے کہ ایسا ہی ہو۔ آپ کے لیے یہ تو جائز تھا کہ آپ تمام کے تمام مباحات کو بیان نہ کریں جبکہ ہمارے دین میں تمام مباحات سے واقفیت ضروری نہیں ہے، کیونکہ مباحات کے ارتکاب پر نہ تو کوئی ثواب ہے اور نہ ہی ان کے انکار پر کوئی سزا ہے۔ جہاں تک مندوب و واجب کا تعلق ہے تو اس کے بیان کو ترک کرنا آپ کے لیے جائز نہیں تھا کیونکہ ہم مندوب و واجب کی معرفت کے محتاج ہیں تا کہ مندوب کے کرنے سے ثواب ہو اور واجب کو ترک کرنے سے ہم محرمات میں نہ جا پڑیں۔ (الفصول فی الاصول، باب القول فی افعال النبی ﷺ)

جیسا کہ امام جصاص نے بیان کیا ہے۔ ایک اہم نکتہ اس بحث میں یہ ہے کہ آپ کے اس قسم کے تمام افعال کو بھی علمائے احناف نے واجب یا مستحب قرار نہیں دیا ہے بلکہ ان افعال میں بھی ایک قسم، مباح، ہے کہ جس کے ارتکاب پر کسی امتی کے لیے اجرو ثواب کا کوئی عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ قرآن کی وہ عمومی آیات کہ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلق اتباع کا تذکرہ ہے، ان سے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید آپ کی یہ اتباع آپ کے ہر ہر فعل میں امت کے حق میں واجب یا فرض ہے۔

امام سرخسی (متوفی ۴۸۳ھ) ان آیات کی وضاحت کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔

ففی قوله: (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) دليل على ان التاسي به في افعاله ليس بواجب، لانه لو كان واجبا لكان من حق الكلام ان يقول عليكم، ففي قوله،،لكم،، دليل على ان ذلك مباح لنا لا ان يكون لازما علينا والامر بالاتباع التصديق و الاقرار بما جاء به، فان الخطاب بذلك لاهل الكتاب وذلك بين في سياق الآية .

(اصول السرخسي، باب الكلام في افعال النبي ﷺ)

اللہ کے اس قول،، البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے،، میں اس بات پر دلیل ہے کہ آپ کے افعال میں آپ کی پیروی واجب نہیں ہے، کیونکہ اگر آپ کے افعال میں آپ کی پیروی واجب ہوتی تو پھر آیت مبارکہ میں ،لکم، کی بجائے ،علیکم، کے الفاظ ہوتے۔ پس اللہ تعالیٰ کے الفاظ ،لکم، میں اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے افعال کی اتباع امت کے حق میں مباح ہے نہ کہ لازم۔ اور ،فَاتَّبِعُوْنِیْ، میں اتباع سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کو لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق واقرار کرنا ہے (یعنی اتباع سے مراد آپ کی باتوں پر ایمان لانا ہے) کیونکہ آیت کے سیاق میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ ان آیات میں اصل خطاب اہل کتاب سے ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے مبارک افعال کی پانچویں قسم

فقہائے حنفیہ کے نزدیک پانچویں قسم آپ کے ان افعال پر مشتمل ہے جو قرآن کی کسی نص کا بیان ہوں۔ آپ کے ان افعال کا وہی حکم ہوگا جو کہ اصل یعنی مبیَّن کا ہوگا۔

امام جصاص فرماتے ہیں۔ آپ کا فعل کسی مجمل نص کا بیان بن رہا ہو اور اس مجمل نص کا حکم وجوب، ندب یا اباحت کا ہو تو جو حکم اس مجمل نص کا ہوگا وہی حکم آپ کے فعل کا بھی ہوگا۔ اگر اس مجمل نص کا حکم وجوب کا ہے تو اس نص کے بیان میں جو آپ کا فعل ہوگا وہ بھی واجب ہوگا۔ اور اگر وہ مجمل نص مندوب کے درجے میں ہو تو اس کے بیان میں آپ کا فعل بھی مندوب ہوگا اور اگر وہ مجمل نص مباح کا درجہ رکھتی ہو تو اس کے بیان میں آپ کا فعل بھی مباح ہوگا چنانچہ جب آپ کا فعل کسی مجمل نص کا بیان بن رہا ہو اور وہ واجب کے درجے میں ہو تو اس کی مثال فرض نمازوں کی رکعات ہیں جو کہ قرآن کی مجمل نص (اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ) کا بیان ہیں۔ اسی

طرح حج میں آپ کے افعال (وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ) کی مجمل نص کا بیان ہیں۔ اسی طرح ایک ایسی مجمل نص جو کہ مندوب کے حکم میں ہو اس کے بیان کی مثال (وَافْعَلُوا الْخَيْرَ) اور (اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ) ہے، کیونکہ تمام قسم کی بھلائیوں پر عمل واجب نہیں ہے اور اسی طرح تمام قسم کے احسانات جو کہ آپ نے کیے ہیں وہ بھی واجب نہیں ہیں، جیسا کہ نفلی صدقات اور نفلی نماز وغیرہ۔ (الفصول فی الاصول، باب القول فیما یحدل بہ علی احکام افعالہ علیہ السلام)

امام جصاص نے اس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ اگر کسی مجمل نص کا حکم وجوب کا ہے تو یہ لازم نہیں ہے کہ اس نص کے بیان میں آپ کے ہر ہر فعل کا حکم بھی وجوب کا ہی ہو، یعنی اس نص کے بیان میں بعض افعال کا حکم تو وجوب کا ہی ہوگا لیکن بعض افعال مندوب یا مباح بھی ہوں گے۔ جیسا (اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ) کا مجمل حکم تو وجوب کا ہے لیکن آپ نے اس کے بیان میں جو بھی افعال مثلاً رکوع، سجدہ، قومہ، جلسہ استراحت، تکبیرات، تسبیحات، قعدہ وتشہد وغیرہ کیے ہیں وہ سب واجب نہیں ہیں۔ یعنی نماز کے تمام افعال وجوب کا درجہ نہیں رکھتے ہیں۔ (الفصول فی الاصول، باب القول فیما یحدل بہ علی احکام افعالہ علیہ السلام)

فقہاء احناف کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے مبارک افعال کی چھٹی قسم

چھٹی قسم آپ کے ان افعال پر مشتمل ہے جو کہ آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ آپ کے ان افعال میں بھی بالاتفاق اتباع نہیں ہے۔

علامہ علاؤ الدین بخاری لکھتے ہیں۔ اور آپ کے افعال میں آپ کی اتباع کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ فعل آپ کی ذات سے مخصوص نہ ہو جیسا کہ چاشت اور تہجد کی نماز کا آپ کے حق میں واجب ہونا یا آپ کو چار سے زائد نکاح کی اجازت ہونا اور مال غنیمت کا کچھ حصہ اپنے لیے خاص کر لینا اور خمس، کا پانچواں حصہ وغیرہ۔ کیونکہ ان افعال میں آپ کے ساتھ امت کے شریک ہونے کی بالاتفاق کوئی دلیل نہیں ہے۔ (کشف الاسرار، باب افعال النبی ﷺ)

بَابُ: اتِّبَاعِ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب رسول اللہ ﷺ کی اتباع سنت کے بیان میں ہے

اتباع کے لغوی مفہوم کا بیان

اتباع کے لفظ کا مادہ، تبع، ہے۔ لسان العرب، میں ہے کہ معروف لغوی فراء نے اتباع کا معنی، ،ان یسیر الرجل و انت تسیر وراءہ بیان کیا ہے۔ یعنی کوئی شخص چلے اور تم اس کے پیچھے چلو تو یہ اس کی اتباع ہے۔ پس اتباع کے لغوی معنی پیروی کرنے اور پیچھے چلنے کے ہیں۔ اتباع، لغت میں پیروی یعنی پیچھے چلنے کو کہتے ہیں، اسی سے اتباع جنائز ہے، یعنی جنازہ کے پیچھے چلنا، یہاں اتباع سنت سے مراد عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات میں رسول اکرم ﷺ کی پیروی اور اقتداء ہے۔ (لساب العرب، بیروت)

اور سنت لغت میں طریقہ اور سیرت کو کہتے ہیں، اور یہاں بطور اصطلاح وہ عقیدہ، عمل اور اخلاق و عادات مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے قولاً، فعلاً، اور تقریراً مروی اور ثابت ہیں۔

اطاعت کے معنی ومفہوم کا بیان

اطاعت سے کیا مراد ہے؟ معروف لغوی ابن سیدہ نے اطاعت کی تعریف، لَانَ وَانْقَادَ، سے کی ہے، یعنی نرم و لچکدار ہونا اور تابع بننا۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ مزاحمت ترک کر کے کسی کی بات ماننا اور اس کا فرماں بردار ہونا اطاعت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں تو حضرت عبداللہ بن عمر نے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر کو بلوا کر کہا: أَطِعْ أَبَاكَ یعنی مزاحمت ترک کر کے اپنے اندر لچک پیدا کرو اور اپنے باپ کی بات مان لے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ہر قسم کی مزاحمت ترک کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننا ہے۔

قرآن میں اطاعت کا لفظ کفار اور اہل ایمان دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے، لیکن دونوں کے لیے اس کے معنی میں باریک فرق ہے۔ قرآن میں جب کفار، مشرکین، اہل کتاب اور منافقین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اس سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل مزاحمت ترک کر کے ان پر ایمان لانے میں ان کی بات ماننا ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح، حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو (فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ، الشعراء

:۱۰۸) کا حکم جاری کیا۔ان آیات میں اطاعت سے مراد نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے میں اس کی بات ماننا ہے، کیونکہ ایک شخص رسول کو رسول ماننا ہی نہ ہو تو اس سے اس چیز کا مطالبہ کرنا کہ وہ رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کرے، عبث ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کسی بھی رسول کی ایسی اطاعت کا منکر کافر ہے۔

سورہ آل عمران کی آیت (قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ، (آل عمران) میں اطاعت سے مراد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے مطالبے میں آپ ﷺ کی اطاعت ہے۔

امام سیوطی نے تفسیر جلالین، میں اس آیت کی تقدیر عبارت یوں بیان کی ہے۔

،قُلْ (لهم) اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (فيما يامركم به من التوحيد) فَاِنْ تَوَلَّوْا (أعرضوا عن الطاعة) فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۔

جمہور مفسرین امام ابن جریر طبری، امام رازی، امام قرطبی، امام بیضاوی، امام بغوی، امام ابن عطیہ، علامہ ابن جوزی، امام ابو حیان الاندلسی، علامہ آلوسی اور علامہ ابو بکر الجزائری رحمہم اللہ نے اپنی تفاسیر میں اس آیت کے شان نزول کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ آیت مبارکہ نجران کے عیسائی وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہ اللہ سے محبت کرنے کے دعوے دار تھے۔بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے یہ آیت مبارکہ ان یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے (نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ) کا دعویٰ کیا ہے۔(فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ) کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ان ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو صرف اللہ کی اطاعت کا دعویٰ کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے انکاری تھے۔

نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا اللہ کی اطاعت ہونے کا بیان

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۔(النساء، ۸۰)

جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا، اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

شان نزول: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی اس پر آج کل کے گستاخ بددینوں کی طرح اس زمانہ کے بعض منافقوں نے کہا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ ہم انہیں رب مان لیں جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو رب مانا اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرما کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تصدیق فرمادی کہ بیشک رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان، سورہ نساء، لاہور)

ظاہر و باطن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع بنانے کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے بندے اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تابعدار صحیح معنی میں میرا ہی اطاعت گزار ہے

آپ کا نافرمان میرا نافرمان ہے، اس لئے کہ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے جو فرماتے ہیں وہ وہی ہوتا ہے جو میری طرف سے وحی کیا جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری ماننے والا اللہ تعالیٰ کی ماننے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی بات نہ مانی جس نے امیر کی اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی یہ حدیث بخاری و مسلم میں ثابت ہے۔

پھر فرماتا ہے جو بھی منہ موڑ کر بیٹھ جائے تو اس کا گناہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر نہیں آپ کا ذمہ تو طرف پہنچا دینا ہے، جو نیک نصیب ہوں گے مان لیں گے نجات اور اجر حاصل کرلیں گے ہاں ان کی نیکیوں کا ثواب آپ کو بھی ہوگا کیونکہ دراصل اس راہ کا راہبر اس نیکی کے معلم آپ ہی ہیں۔ اور جو نہ مانے نہ عمل کرے تو نقصان اٹھائے گا بدنصیب ہوگا اپنے بوجھ سے آپ مرے گا اس کا گناہ آپ پر نہیں اس لئے کہ آپ نے سمجھانے بجھانے اور راہ حق دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ حدیث میں ہے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والا رشد و ہدایت والا ہے اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان اپنے ہی نفس کو ضرر و نقصان پہنچانے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورۂ نساء، بیروت)

نبی کریم ﷺ کے احکام کی اطاعت کرنے کا بیان

1- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

●● حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''میں تمہیں جس بات کا حکم دوں اسے حاصل کرلو اور جس سے منع کردوں اس سے باز آجاؤ''۔

نبی کریم ﷺ کے حاکم ہونے کا بیان

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔(النساء، ٦٥)

پس (اے حبیب ﷺ) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرمادیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کسی شخص سے نالیوں سے باغ میں پانی لینے کے بارے میں جھگڑا ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زبیر رضی اللہ عنہ تم پانی پلالو اس کے بعد پانی کو انصاری کے باغ میں جانے دو اس پر انصاری نے کہا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو آپ کے پھوپھی کے لڑکے ہیں یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہوسکتا ہے اور فرمایا زبیر تم پانی پلاؤ پھر پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

1 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

نے ایک ایسی صورت نکالی تھی کہ جس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو تکلیف نہ ہو اور انصاری کی کشادگی ہو جائے لیکن جب انصاری نے اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھا تو آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا حق دلوایا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جہاں تک میرا خیال ہے یہ (فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا، النسآء:65) اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔

مسند احمد کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ یہ انصاری رضی اللہ عنہ بدری تھے اور روایت میں ہے دونوں میں جھگڑا یہ تھا کہ پانی کی نہر سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کھجوروں کا باغ پڑتا تھا پھر اس انصاری کا انصاری کہتے تھے کہ پانی دونوں باغوں میں ایک ساتھ آئے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ دونوں دعویدار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت حاطب بن ابوبلتہ رضی اللہ عنہ تھے آپ کا فیصلہ ان میں یہ ہوا کہ پہلے اونچے والا پانی پلا لے پھر نیچے والا۔

دوسری اور روایت میں شان نزول یہ مروی ہے کہ دو شخص اپنا جھگڑا لے کر دربار محمد ﷺ میں آئے آپ نے فیصلہ کر دیا لیکن جس کے خلاف فیصلہ تھا اس نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیجئے آپ نے فرمایا بہت اچھا ان کے پاس چلے جاؤ جب یہاں آئے تو جس کے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے سارا ہی واقعہ کہہ سنایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے سے پوچھا کیا یہ سچ ہے؟ اس نے اقرار کیا آپ نے فرمایا اچھا تم دونوں یہاں ٹھہرو میں آتا ہوں اور فیصلہ کر دیتا ہوں تھوڑی دیر میں تلوار تانے آ گئے اور اس شخص کی جس نے کہا تھا کہ حضرت ہمیں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیجئے گردن اڑا دی۔ دوسرا شخص یہ دیکھتے ہی دوڑا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور اگر میں بھی جان بچا کر بھاگ کر نہ آتا تو میری بھی خیر نہ تھی۔

آپ ﷺ نے فرمایا میں عمر کو ایسا نہیں جانتا تھا کہ وہ اس جرات کے ساتھ ایک مومن کا خون بہا دے گا اس پر یہ آیت اتری اور اس کا خون برباد گیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بری کر دیا، لیکن یہ طریقہ لوگوں میں اس کے بعد بھی جاری نہ ہو جائے اس لئے اس کے بعد ہی یہ آیت اتری (وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ، النسآء:66) جو آگے آتی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نساء، بیروت)

رسول کریم ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا کفر ہے

اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور علو مرتبت کے اظہار کے ساتھ آپ کی اطاعت جو بے شمار آیات قرآنیہ سے ثابت ہے اس کی واضح تشریح بیان فرمائی ہے اس آیت میں قسم کھا کر حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک مؤمن یا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈے دل سے پوری طرح تسلیم نہ کرے کہ اس کے دل میں بھی اس فیصلہ سے کوئی تنگی نہ پائی جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رسول ﷺ خود امت کے حاکم اور ہر پیش آنے والے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے ذمہ دار ہیں، آپ کی حکومت اور آپ کا فیصلہ کسی کے حکم بنانے پر موقوف نہیں پھر اس آیت میں مسلمانوں کو حکم بنانے کی تلقین اس لئے فرمائی

منی ہے کہ حکومت کے مقرر کردہ حاکم اور اس کے فیصلہ پر تو بہت سے لوگوں کو اطمینان نہیں ہوا کرتا، جیسا اپنے مقررہ کردہ ثالث یا حکم پر ہوتا ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف حاکم نہیں بلکہ رسول ﷺ معصوم بھی ہیں رحمۃ للعالمین ﷺ بھی ہیں، امت کے شفیق و مہربان باپ بھی ہیں، اس لئے تعلیم یہ دی گئی کہ جب بھی کسی معاملہ میں یا کسی مسئلہ میں باہم، اختلاف کی نوبت آئے تو فریقین کا فرض ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنا کر اس کا فیصلہ کرائیں اور پھر آپ کے فیصلہ کو دل وجان سے تسلیم کر کے عمل کریں۔

اختلافات میں آپ کو حکم بنانا آپ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں

حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ارشاد قرآنی پر عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں، آپ کے بعد آپ کی شریعت مطہرہ کا فیصلہ خود آپ ہی کا فیصلہ ہے، اس لئے یہ حکم قیامت تک اس طرح جاری ہے کہ آپ کے زمانہ مبارک میں خود بلاواسطہ آپ سے رجوع کیا جائے اور آپ کے بعد آپ کی شریعت کی طرف رجوع کیا جائے جو درحقیقت آپ ہی کی طرف رجوع ہے۔

اول یہ کہ وہ شخص مسلمان نہیں جو اپنے ہر جھگڑے اور ہر مقدمہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر مطمئن نہ ہوا، یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے اس شخص کو قتل کر ڈالا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور پھر اس معاملہ کو حضرت عمر پر دعویٰ کر دیا کہ انہوں نے ایک مسلمان کو بلا وجہ قتل کر دیا جب یہ استغاثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوا تو بیساختہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا، ماکنت اظن ان عمر یجترو علی قتل رجل مومن (یعنی مجھے یہ گمان نہ تھا کہ عمر کسی مرد مومن کے قتل کی جرأت کریں گے) اس سے ثابت ہوا کہ حاکم اعلیٰ کے پاس اگر کسی ماتحت حاکم کے فیصلہ کی اپیل کی جائے تو اس کو اپنے حاکم ماتحت کی جانب داری کے بجائے انصاف کا فیصلہ کرنا چاہئے، جیسا اس واقعہ میں آیت نازل ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے فیصلہ پر اظہار ناراضی فرمایا پھر جب یہاں یہ آیت نازل ہوئی تو حقیقت کھل گئی، کہ اس آیت کی رو سے وہ شخص مومن ہی نہیں تھا۔

دوسرا مسئلہ اس آیت سے یہ نکلا کہ لفظ فیما شجر صرف معاملات اور حقوق کے ساتھ متعلق نہیں، عقائد اور نظریات اور دوسرے نظری مسائل کو بھی حاوی ہے۔ (تفسیر بحر محیط، سورہ نساء، بیروت)

اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو باہم جھگڑتے رہنے کے بجائے دونوں فریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور آپ کے بعد آپ کی شریعت کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کا حل تلاش کریں۔

نبی کریم ﷺ کی عطاء پر راضی ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو حکم دیا کہ یہ کپڑے اتار دو، اس شخص نے کہا کہ آپ اس کے متعلق مجھے قرآن کی کوئی آیت بتا سکتے ہیں؟ جس میں سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہو، حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہاں وہ آیت میں بتاتا ہوں، پھر یہی آیت وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ پڑھ کر سنادی، امام شافعی نے ایک مرتبہ

لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب قرآن سے دے سکتا ہوں، پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے، ایک شخص نے عرض کیا کہ محرم نے زنبور (تتیا) مار ڈالا تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام شافعی نے یہی آیت وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ تلاوت کر کے حدیث سے اس کا حکم بیان فرما دیا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حشر، بیروت)

راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی صحت کا بیان

علامہ قرطبی لکھتے ہیں عمرو بن حبیب محدث ایک روز خلیفہ ہارون الرشید کے ہاں تشریف فرما تھے۔ ایک مسئلہ پر بحث شروع ہوگئی۔ ایک شخص نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث پیش کی۔ دوسرے فریق نے اس حدیث کو صحیح ماننے سے انکار کر دیا اور کہا ہم ابو ہریرہ کی روایات کو نہیں مانتے کیونکہ یہ متہم ہے۔ عمرو بن حبیب کہتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ہارون بھی انہی کی طرف مائل ہے اور ان کی تائید کرنے لگا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت احادیث میں ثقہ اور سچے ہیں۔ ہارون نے خشمناک نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں وہاں سے اٹھ کر گھر چلا گیا۔ ابھی تھوڑی دیر میں گزری تھی کہ مجھے بتایا گیا کہ خلیفہ کا خاص ایلچی دروازے پر کھڑا ہے۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے کہا اجب امیر المومنین اجابۃ مقتول وتحنط وتکفن۔ فوراً امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو۔ تجھے قتل کیا جائے گا اس لیے کفن بھی پہن لو اور خوشبو بھی لگالو۔ میں نے یہ سنا تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کی میرے رب! تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے نبی کے صحابی کا دفاع کیا ہے۔ اس طرح تیرے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان کو بلند کیا ہے۔ الٰہی! مجھے ہارون کے شر سے بچانا۔ یہ دعا مانگی اور ہارون کی طرف روانہ ہوا۔ وہ زرنگار کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور اس کے سامنے نطع (چمڑے کا ٹکڑا) بچھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر بولا: اے عمرو! میری بات کو آج تک ایسی گستاخی سے کسی نے رد نہیں کیا جس طرح تو نے کیا۔ میں نے کہا امیر المومنین! میں نے صرف اس بات کی تردید کی ہے جس سے شانِ رسالت پر حرف آتا تھا اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لائی ہوئی شریعت کی توہین ہوتی تھی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ جھوٹ بولا کرتے تھے تو شریعت باطل ہو جائے گی۔ نماز، روزہ، طلاق، نکاح اور حدود کے بارے میں جتنے احکام ہیں سب مردود اور غیر مقبول ٹھہریں گے۔ میری یہ بات سن کر یوں معلوم ہوا کہ ہارون کو ہوش آ گیا۔ اس کا غصہ کافور ہو گیا اور مجھے کہنے لگا۔ احییتنی یا عمرو بن حبیب احیاک اللہ۔ اے عمرو بن حبیب! تو نے مجھے از سر نو زندہ کر دیا۔ اللہ تجھے سلامت رکھے۔ پھر دس ہزار دینار بطور انعام مجھے دینے کا حکم دیا۔

(تفسیر قرطبی، سورہ فتح، بیروت)

کثرت سوال واختلاف کے سبب ہلاکت کا بیان

2-حَدَّثَنَا اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ اَنْبَانَا جَرِيْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَرُوْنِىْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَائِهِمْ فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَىْءٍ فَخُذُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَيْتُكُمْ

2 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عَنْ شَيْءٍ فَانْتَهُوْا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''جس معاملے میں' میں تمہیں چھوڑ دوں' تم مجھے بھی رہنے دو' کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء سے سوالات کرنے اور اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاکت کا شکار ہو گئے' جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں' تو جہاں تک تم سے ہو سکے' تم اسے حاصل کر لو اور جب کسی چیز سے تمہیں منع کر دوں' تو تم باز آ جاؤ''۔

سوالات کے سبب کسی چیز کے حرام ہو جانے کے سبب وعید کا بیان

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمانوں میں سب سے بڑا گناہگار وہ آدمی ہے جس نے کسی ایسی چیز کا سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے سے وہ حرام ہو گئی ہو۔"

(صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف۔ جلد اول ،رقم الحدیث، 150)

یہ وعید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے بارے میں فرمائی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ازراہ سرکشی سوالات کرتے تھے یا ان کا سوال کرنا محض تصنع کی وجہ سے ہوتا تھا جیسا کہ بنی اسرائیل نے گائے کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا۔ ہاں جن لوگوں کا سوال کرنا واقعۃً علم حاصل کرنے یا کسی ضرورت کی بناء پر ہوتا تھا وہ اس میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان کو تو اپنے صحیح سوالات کی بنا پر ثواب ملتا تھا۔

برائی سے متعلق سوال کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت احوص بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے "برائی" کے بارے میں سوال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے برائی کے بارے میں مت پوچھو بلکہ بھلائی کے بارے میں سوال کرو۔ اور ان جملوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ادا فرمایا۔ خبردار! بدلوگوں میں بدترین برے عالم ہیں اور بھلے لوگوں میں سب سے بہتر بھلے علماء ہیں۔ (سنن دارمی، مشکوۃ شریف۔ جلد اول:، رقم الحدیث، 254)

صحابی کے سوال کا مقصد یا تو نفسِ برائی کے بارے میں دریافت کرنا تھا جیسا کہ ترجمہ سے معلوم ہوا یا وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ بدترین آدمی کون ہے اور جواب کو دیکھتے ہوئے یہی مقصد زیادہ واضح ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے سوال سے منع فرمایا اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ چونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سراپاءِ رحمت اور سراپاءِ خیر ہے اس لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محض بدی اور برائی کا سوال کیا جاتا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برائی اور بھلائی دونوں کے بارے میں جواب دے کر اسی طرف اشارہ فرمایا۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علماء کی ذات چونکہ عوام کے اندر ایک معیار اور نمونہ ہوتی ہے اور لوگ ان کے تابع و معتقد ہوتے ہیں لہٰذا عالم کی ہر صفت اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اثرات تک بھی پہنچتے ہیں، عالم اگر نیک اخلاق و عادات اور اچھے خصائل کا ہوتا ہے تو اس کے ماننے والے اور اس کی اتباع کرنے والے بھی نیک اخلاق و عادات کے مالک ہوتے ہیں اور

خدانخواستہ بداخلاق، بدکردار ہو جائے تو پھر اس کے جراثیم دوسرے تک پہنچتے ہیں اور اس کے ماننے والے بھی اسی کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے

3- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِىْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِىْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ

◄◄ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:''جس شخص نے میری اطاعت کی' اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی' اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی''۔

شرح

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قبول کرنے والا اور سرکشی اختیار کرنے والا کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ جس نے میری اطاعت نہیں کی اور میرے احکام وفرمان سے روگردانی کی وہ سرکش ہے جو جنت کا مستحق نہیں ہوگا بلکہ اپنی سرکشی اور نافرمانی کی بناء پر اللہ کے عذاب کا مستوجب گردانا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا مقاصد بعثت سے ہونے کا بیان

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا .(النساء، ۶۴)

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے، اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔

اطاعت رسول ﷺ ہی ضامن نجات ہے

مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ کے رسول کی تابعداری اس کی امت پر اللہ کی طرف سے فرض ہوتی ہے منصب رسالت یہی ہے کہ اس کے سبھی احکامات کو اللہ کے احکام سمجھا جائے، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں باذن اللہ سے یہ مراد ہے کہ اس کی توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے اس کی قدرت ومشیت پر موقوف ہے، جیسے اور آیت میں ہے (وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ، آل عمران۔152) یہاں بھی اذن سے مراد امر قدرت اور مشیت ہے یعنی اس نے تمہیں ان پر غلبہ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ عاصی اور خطا کاروں کو ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں

3 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیے اور خود رسول کریم ﷺ سے بھی عرض کرنا چاہیے کہ آپ ہمارے لئے دعائیں کیجئے جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ ان کی طرف رجوع کرے گا انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔

ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب میں جس میں مشہور قصے لکھے ہیں لکھا ہے کہ عتبی کا بیان ہے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت کے پاس بیٹھا ہوا تھا جبکہ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے قرآن کریم کی اس آیت کو سنا اور آپ کے پاس آیا ہوں تا کہ آپ کے سامنے اپنے گناہوں کا استغفار کروں اور آپ کی شفاعت طلب کروں پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

باخير من دفنت بالقاع اعظمه فطاب من طيبهن القاع والا كم

نفسي الفداء لقبر انت ساكنه فيه لعاف وفيه الجود والكرم

جن کا بدن مبارک میدانوں میں دفن کیا گیا ہے اور ان کی خوشبو سے وہ میدان ٹیلے مہک اٹھے ہیں اے ان تمام میں سے بہترین ہستی، میری جان اس قبر پر سے صدقے ہو جس کا ساکن تو ہے جس میں پارسائی سخاوت اور کرم ہے، پھر اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی خواب میں کیا دیکھتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں جا اس اعرابی کو خوش خبری سنا اللہ نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نساء، بیروت)

الفاظ حدیث میں کمی وبیشی نہ کرنے کا بیان

4- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِيّ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ عَنْ اَبِىْ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا سَمِعَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا لَّمْ يَعْدُهُ وَلَمْ يَقْصُرْ دُوْنَهُ،

●● ابو جعفر نامی راوی بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نبی کریم ﷺ کے حوالے سے کوئی بات سنتے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ اس سے کوئی تجاوز نہیں کرتے تھے اور اس میں کوئی کمی نہیں کرتے تھے۔ (یعنی اس کے الفاظ میں کوئی کمی وبیشی نہیں کرتے تھے)۔

متن حدیث کی حفاظت کرنے والے راوی کا بیان

محمد بن حمید رازی، جریر، عمارہ بن قعقاع، ہم سے روایت کی محمد بن حمید رازی نے انہوں نے جریر سے وہ عمار بن قعقاع سے نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی نے مجھ سے کہا اگر تم روایت کرو تو ابوزرعہ بن عمرو بن جریر سے روایت کیا کرو اس لئے کہ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی جس کے متعلق میں نے ان سے دو سال کے بعد پوچھا تو انہوں نے اس سے ایک حرف بھی کم نہ کیا یعنی اسی طرح بیان کر دی جس طرح پہلے بیان کی تھی۔ (جامع ترمذی جلد دوم، رقم الحدیث 1952)

4- اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عبدالجبار بن علاء، بن عبدالجبار، سفیان، عبدالملک بن عمیر، ہم سے روایت کی عبدالجبار بن علاء بن عبدالجبار نے وہ سفیان سے عبدالملک بن عمیر کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں جب حدیث بیان کرتا ہوں تو ایک حرف بھی نہیں چھوڑتا۔ (جامع ترمذی جلد دوم، رقم الحدیث 1954)

حدیث سے موضوع کے موافق متن ذکر کرنے کا بیان

علی بن حجر، عبداللہ بن مبارک، سیف بن سلیمان، مجاہد، ہم سے روایت کی علی بن حجر نے ان سے عبداللہ بن مبارک نے وہ سیف بن سلیمان سے اور وہ مجاہد رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ مجاہد نے فرمایا کہ اگر متن حدیث میں کمی کرنا چاہو تو کرسکتے ہو لیکن زیادتی نہ کرو۔ (جامع ترمذی جلد دوم، رقم الحدیث 1949)

ابوعمار حسین بن حریث، زید بن حباب ہم سے روایت کی ابوعمار حسین بن حریث نے ان سے زید بن حباب سے اور ایک شخص سے ان کا قول نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفیان ثوری ہمارے پاس آئے اور فرمایا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں نے تم بعینہ وہی الفاظ بیان کئے ہیں جو سنے تھے تب بھی میری بات کی تصدیق نہ کرو اور روایت بالمعنی ہی سمجھو۔ (جامع ترمذی جلد دوم، رقم الحدیث 1950)

دنیاوی دولت کے باعث دل ٹیڑھے ہوجانے کا بیان

5- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى بْنِ سُمَيْعٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْأَفْطَسُ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْجُرَشِيِّ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَذْكُرُ الْفَقْرَ وَنَتَخَوَّفُهُ فَقَالَ آلْفَقْرَ تَخَافُونَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتُصَبَّنَّ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا صَبًّا حَتَّى لَا يُزِيغَ قَلْبَ أَحَدِكُمْ إِزَاغَةً إِلَّا هِيهْ وَايْمُ اللَّهِ لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ صَدَقَ وَاللَّهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكَنَا وَاللَّهِ عَلَى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے' ہم اس وقت غربت کا ذکر کررہے تھے اور اس سے خوفزدہ ہو رہے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم لوگ غربت سے خوفزدہ ہو رہے ہو؟ اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے' تم پر دنیا کو بہا دیا جائے گا' یہاں تک کہ یہی چیز کسی شخص کے دل کو ٹیڑھا کرنے کا باعث بن جائے گی' اللہ کی قسم! میں نے تمہیں واضح راستے پر چھوڑ دیا ہے' جس کا رات اور دن برابر ہیں۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا ہے اللہ کی قسم! نبی کریم ﷺ نے ہمیں ایسے واضح راستے پر چھوڑا جس کے رات اور دن برابر ہیں۔

5 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کمزور وفقراء کی فضیلت کا بیان

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔تم لوگ مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کرو کیونکہ تمہیں رزق کا دیا جانا یا یہ فرمایا کہ تمہیں اپنے دشمن کے مقابلہ پر مدد کا ملنا انہی لوگوں کی برکت سے ہے جو تم میں کمزور ہیں۔(ابوداؤد،مشکوۃ شریف:جلد چہارم:رقم الحدیث،1170)

کمزور لوگوں سے مراد فقراء ومساکین اور نادار لوگ ہیں اور ان میں تلاش کرنے کا مطلب،ان لوگوں کی مدد واعانت اور خبر گیری کے ذریعہ ان کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کرنا ہے۔یا کمزور لوگوں سے مراد مظلوم ہیں کہ اگر چہ وہ دولتمند ہی کیوں نہ ہوں اور مطلب ظلم کے پنجہ سے نکلنے میں ان کی ہر طرح کی مدد کرنا ہے۔حاصل یہ کہ اس ارشاد گرامی ذریعہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ میری رضامندی وخوشنودی کے طلب گار ہو تو اپنی مدد واعانت اور حسن سلوک کے ذریعہ ان لوگوں کی خوشنودی حاصل کرو جو تم میں کمزور نادار ہیں۔اوتنصرون میں لفظ او تنویع کے لئے ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں او کے بجائے حرف واؤ ہے،تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں حرف او کے ذریعہ راوی کے شک کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو لفظ ترزقون فرمایا تھا یا لفظ تنصرون چنانچہ اوپر ترجمہ میں اس احتمال کو مدنظر رکھا گیا ہے۔"انہی لوگوں کی برکت سے ہے جو تم میں کمزور ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ جو کمزور و نادار نظر آتے ہیں اور ہر طرح کی دنیاوی طاقت وحیثیت سے خالی معلوم ہوتے ہیں،ان کا وجود پوری کائنات کے لئے خیر و برکت کا باعث اور ان کے ساتھ احسان وحسن سلوک تمام لوگوں کی بھلائی وبہتری کا ضامن ہوتا ہے کیونکہ ان لوگوں میں وہ بڑے بڑے اقطاب واوتاد بھی ہوتے ہیں جو اگر چہ دنیاداروں کی نظر میں اپنی اصل حیثیت کے ساتھ متعارف نہیں ہوتے مگر حقیقت میں سارے عالم کا نظم کائنات انہی کی وجہ سے استوار ہوتا ہے بلکہ بعض حالات میں مختلف علاقوں اور آبادیوں کا نظم وانصرام روحانی طور پر اللہ کی طرف سے ان کے سپرد ہوتا ہے ان لوگوں کا در وبست ان کے ہاتھ میں رہتا ہے۔

ابن ملک رحمہ اللہ نے اس حدیث کی وضاحت میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ (اگر مجھ کو پانا چاہتے ہو تو) مجھے اپنے کمزور نادار لوگوں میں تلاش کرو بایں طور کہ تمہارے اوپر ان کے حقوق عائد ہوتے ہیں،ان کی محافظت کرو اور ان کی دل جوئی میں مشغول رہو کیونکہ میں ان کے ساتھ بعض اوقات تو جسمانی طور پر ہوتا ہوں دل وجان سے تمام اوقات میں ہوتا ہوں لہذا جس شخص نے ان کا احترام کیا اس نے گویا میرا اکرام واحترام کیا اور جس شخص نے ان کو(خواہ جسمانی خواہ روحانی طور پر) تکلیف وایذاء پہنچائی اس نے گویا مجھ کو تکلیف وایذاء پہنچائی،اس کی تائید اس حدیث قدسی سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،حدیث (من عادی لی ولیا فقد بارزنی بالحرب) یعنی جس شخص نے میرے ولی کے ساتھ عداوت دشمنی اختیار کی وہ گویا مجھ سے لڑنے کے لئے میدان میں آ گیا۔

حضرت شیخ المشائخ سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ صبر کرنے والا مفلس بہت رہے یا شکر گزار دولتمند؟ تو انہوں نے فرمایا کہ شکر گزار فقیر دونوں سے بہتر ہے۔انہوں نے اس جواب کے ذریعہ

گویا فقر وافلاس کی فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا کہ فقر افلاس درحقیقت ایک نعمت ہے کہ اس پر شکر گزار ہونا چاہئے نہ کہ وہ کوئی مصیبت وبلا ہے جس پر صبر کیا جائے۔

ایک بزرگ رحمہ اللہ اپنے شیخ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے جب تک ہم سے فقر وافلاس کی فضیلت کا اقرار و اعتراف نہیں کرالیا اس وقت تک ہمیں بیعت نہیں کیا، چنانچہ فرمایا کہ اس طرح کہو الفقر افضل من الغنا، فقر وافلاس، غنا سے بہتر ہے جب ہم نے اس بات کو دہرایا تب انہوں نے ہمارا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہمیں مرید کیا۔ اس موقع پر اس بات کو بھی جان لینا چاہئے کہ اصلاح شریعت میں "فقیر" کا وہ مفہوم مراد نہیں ہوتا جو عام طور پر معروف ہے یعنی گداگر بھکاری اور منگتا، بلکہ اس لفظ سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کو عرف عام میں "غریب ومفلس" کہا جاتا ہے اور جو مال واسباب سے تہی دست ہوتا ہے اسلام کی مذہبی کتابوں اور احکام ومسائل میں ایسے شخص کے لئے عام طور پر دو لفظ استعمال ہوتے ہیں ایک تو "فقیر" دوسرے "مسکین"، چنانچہ بعض حضرات نے ان دونوں میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ "فقیر" کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو نصاب یعنی اس قدر مال و اسباب کا مالک نہ ہو جس کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ وفطرہ واجب ہوتا ہو، یا اس شخص کو فقیر کہا جاتا ہے جو بس ایک دن کی غذائی ضروریات کے بقدر مال واسباب رکھتا ہو اور اس سے زائد اس کے پاس اور کچھ نہ ہو جب کہ مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ نصاب کا مالک نہ ہو بلکہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو یہاں تک کہ وہ ایک دن کی غذائی ضروریات کے بقدر بھی مال واسباب نہ رکھتا ہو اور بعض حضرات نے اس کے برعکس کہا ہے۔ بہر حال عنوان میں جو لفظ "فقراء" استعمال کیا گیا ہے اس سے فقیر اور مسکین دونوں مراد ہیں۔

دنیاوی نعمتوں اور دولت کی کثرت ہونے کا بیان

حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کو سنا تھا (چنانچہ اس شخص نے بیان کیا کہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ایک دن ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں (یعنی مسجد نبوی یا مسجد قبا میں) بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ بھی وہاں آگئے اس وقت ان کے بدن پر صرف ایک چادر تھی اور اس چادر میں بھی چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو رو پڑے کہ ایک زمانہ وہ تھا جب مصعب اس قدر خوشحال اور آرام وراحت کی زندگی گزارتے تھے اور آج ان کی کیا ٹوٹی پھوٹی حالت ہے۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار تعجب وحسرت کے طور پر فرمایا۔ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ تم میں کوئی شخص صبح کو ایک جوڑا پہن کر نکلے گا اور پھر شام کو دوسرا جوڑا پہن کر نکلے گا تمہارے سامنے کھانے کا ایک بڑا پیالہ رکھا جائے گا اور دوسرا اٹھایا جائے گا اور تم اپنے گھروں پر اس طرح پردہ ڈالو گے جس طرح کعبہ پر پردہ ڈالا جاتا ہے (یعنی حضور نے اس ارشاد کے ذریعے آنے والے زمانہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ جب تم پر خوشحالی وترفہ کا دور آئے گا، اللہ تعالیٰ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں تمہارے قدموں میں ڈال دے گا، تمہارے گھروں میں مال واسباب کی فراوانی ہوگی تو تم دن میں کئی کئی مرتبہ جوڑے بدلو گے، صبح کا لباس الگ ہوگا، شام کا الگ، تمہارے دسترخوان انواع واقسام کے کھانوں اور لذیذ ومرغوب اشیاء سے بھرے ہوں گے، تمہارے مکان راحت وآسائش اور آراستگی وزیبائش کی چیزوں سے پررونق ہوں گے اور گویا تمہاری زندگی عیش وعشرت کا گہوارہ اور اسراف وتنعم کی آئینہ دار ہو

ہوگی۔ تو بتاؤ اس وقت تمہارے دل کی کیا حالت ہوگی اور تم کیا محسوس کرو گے؟ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اس دن جب کہ خوشحالی وترفہ کی نعمت سے بہرہ مند ہوں گے آج کے دن سے (جب کہ ہم فقر وافلاس کی گرفت میں ہیں) بہتر حال میں ہوں گے۔ کیونکہ اس وقت ہم عبادت کے لئے اپنی معاشی جدوجہد کی الجھنوں اور حصول رزق کی فکر سے آزاد وفارغ ہوں گے اور ہمیں محنت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی (یعنی جب اس وقت ہمیں معاشی واقتصادی طور پر خوشحالی حاصل ہوگی اور نوکر چاکر ہمارے سارے کام کاج کریں گے تو ہم ذہنی وجسمانی طور پر پوری طرح بے فکر وآزاد ہوں گے اور اس صورت میں طاعت وعبادت اور دینی خدمت میں پوری دل جمعی اور سکون کے ساتھ منہمک رہ سکیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ ایسا نہیں ہے کہ اس وقت تم بہتر ہوگے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم اس دن کی نسبت آج کے دن زیادہ بہتر ہو۔
(ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: رقم الحدیث، 1297)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے جمع الجوامع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن مصعب بن عمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت انہوں نے بکری کے چمڑے کا ایک تسمہ اپنی کمر کے گرد باندھ رکھا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو (حاضرین مجلس سے) فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے منور کر دیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس کے بدن پر ایک ایسا لباس دیکھا ہے جو دوسو درہم کے عوض خریدا گیا تھا، (یعنی یہ وہ شخص ہے جو اپنی پچھلی زندگی میں نہایت عیش وعشرت اور راحت وتنعم کی زندگی گزارتا تھا۔ لیکن اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت نے اس کو ایسی حالت پر پہنچا دیا ہے، جس میں تم اس کو اب دیکھ رہے ہو۔

اللہ کی بے انتہ رحمتیں ہوں اس جلیل القدر ہستی پر جس کا نام مصعب بن عمیر ہے، قریش الاصل ہیں بڑے اونچے درجے کے صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، مکہ سے ہجرت کی، گھربار چھوڑا، دنیا کی ساری نعمتوں اور راحتوں کو ٹھکرا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آگئے جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے یہ اپنے اسلام سے پہلے کے زمانے میں مکہ کے بڑے مالداروں میں شمار ہوتے تھے، نہایت خوش لباس وخوش طعام تھے، اچھے سے اچھا پہنتے اور اچھے سے اچھا کھاتے تھے، لیکن جب مسلمان ہوگئے تو سارے عیش وتنعم پر لات ماردی، اللہ اور اس کے رسول کے عشق میں ایسے رنگ گئے کہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے نفرت کرنے لگے، زہد اختیار کر لیا، یہاں تک کہ غزوہ احد کے موقع پر جام شہادت نوش کر کے واصل بحق ہوگئے، شہادت کے وقت ان کی عمر چالیس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔

حدیث سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رو پڑنا، ان کی خستہ حالی کے تئیں رحم وشفقت کے جذبات کے تحت تھا کہ یہ وہی شخص ہے جو کبھی اپنی قوم کی آنکھوں کا تارا تھا، عیش وراحت کی زندگی گزارتا تھا اور اب اس حالت کو پہنچ گیا ہے کہ بدن پر صرف ایک پیوند لگی چادر لپیٹے اپنا وقت گزار رہا ہے۔ لیکن یہ بات اس واقعہ کے منافی معلوم ہوتی ہے جس کا ذکر پیچھے بھی ایک روایت میں گزر چکا ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھردری چارپائی پر لیٹے ہوئے دیکھا جس کے بان کے نشانات آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے جسم مبارک پر پڑ گئے تھے تو اس وقت رو پڑے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشقت بھری زندگی کے ساتھ فارس وروم کے بادشاہوں کی زندگی کا موازنہ کیا۔ جو اللہ کے سرکش ونافرمان اور باغی بندے ہونے کے باوجود عیش وعشرت کی زندگی گزارتے تھے۔

اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تم ابھی تک سوچنے سمجھنے کے اس مقام سے نہیں بڑے ہو، بندہ اللہ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان بادشاہان دنیا کو بس دنیا کی نعمتیں ملیں اور ہمیں آخرت کی نعمتوں اور سعادتوں سے نوازا جائے؟ اولیٰ یہ ہے کہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کو فرط مسرت سے رونے پر محمول کیا جائے کہ اپنی امت کے لوگوں کو دنیا سے زہد اختیار کر کے عقبیٰ کی طرف متوجہ دیکھ کر مارے خوشی کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اگر اس رونے کو غم وحسرت ہی پر محمول کیا جائے تو اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ آپ کا غم دراصل اس بات پر تھا کہ میری امت کے جیسے لوگوں کو ضروریات زندگی کی ایسی چیزیں بھی میسر نہیں ہیں جو دنیا ہی کے لئے ضروری نہیں ہیں بلکہ طاعت وعبادت میں معاون ومددگار بھی ہوتی ہیں جیسے بقدر ضرورت لباس وغیرہ۔ اس تاویل کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کیف بکم اذا غدا الخ اور انتم الیوم خیر منکم الخ سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ غریب ومفلس شخص کہ جو ضروریات زندگی کی بقدر کفایت چیزوں کا مالک ہو، غنی ومالدار شخص سے بہتر ہے، چنانچہ غنی ومالدار شخص حصول مال وزر کی جدوجہد میں زیادہ مشغولیت کی وجہ سے طاعت وعبادت کے لئے اتنا زیادہ قلبی وجسمانی فراغ وسکون نہیں رکھتا جس قدر کہ وہ غریب ومفلس شخص رکھتا ہے۔

اس اعتبار سے یہ حدیث درحقیقت صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صبر واستقامت اختیار کرنے والا غریب ومفلس شخص شکرگزار مالدار سے زیادہ افضل ہوتا ہے۔ پس صحابہ جیسی ہستیوں کے تعلق سے کہ جو امت کے سب سے زیادہ مضبوط ایمان وعقیدہ اور کردار کے حامل تھے، مالداری کا یہ حال ہے تو غیر صحابہ کے تعلق سے اس کا کیا حال ہوگا، جو ان کی بہ نسبت ایمان وعقیدہ اور کردار وعمل میں کہیں زیادہ ضعیف ہیں۔

اس کی مؤید وہ حدیث بھی ہے، جس کو دیلمی نے فردوس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ماروبت الدنیا عن احد الا کانت خیرۃ لہ بلکہ ملا علی قاری نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ایک خاص بات یہ کہی ہے کہ عن احد (اس شخص) کا لفظ عام ہے کہ اس کے مفہوم میں مومن وغیر مومن سب شامل ہیں، لہٰذا دوزخ میں مالدار کافر کی بہ نسبت فقیر ومفلس کافر کا عذاب ہلکا ہوگا۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ جب اس دار فانی میں فقر وافلاس نے کافر کو یہ فائدہ پہنچایا تو اس مومن کو دار التمر ار (آخرت میں) کیسے فائدہ نہیں پہنچائے گا جو دنیا میں اپنے فقر وافلاس پر صابر رہا ہے۔

امت کے ایک گروہ کا حق پر ثابت قدم رہنے کا بیان

6- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ مَنْصُوْرِيْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى

6: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2192

تَقُوْمَ السَّاعَةُ،

حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: میری امت کا ایک گروہ حق پر ثابت قدم رہے گا اور ان کی مخالفت کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔

سواد اعظم کی اتباع کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سواد اعظم کی اتباع کرو جو اس سے الگ ہوا وہ دوزخ میں گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱ ص ۳۰ ،قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے پس ایک فرقہ جنتی ہے باقی ستر دوزخی ہیں اور نصرانی بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے پس ایک فرقہ جنتی ہے اور اکہتر دوزخ میں ہوں گے۔ اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی پس ایک فرقہ جنتی ہے جبکہ ۷۲ فرقے دوزخ میں ہوں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ ایک فرقہ کون سا ہوگا؟ فرمایا: وہ جماعت ہے۔

(سنن ابن ماجہ، ج ۲ ص ۲۸۷ ،قدیمی کتب خانہ کراچی)

سواد اعظم کون ہے

اس سے پہلی حدیث میں سواد اعظم سے مراد اہل سنت و جماعت ہے اور یہ حدیث اہل سنت و جماعت والوں کیلئے معیار عظمت ہے نیز اس حدیث سے اہل سنت و جماعت مراد لینا کسی دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ اہل سنت و جماعت کے سوا باقی بہتر فرقے بنٹے کرلئے جائیں تو وہ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں بنتے۔ امام المحدثین امام جلال الدین علیہ الرحمہ "اتمام الدرایہ" میں فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام احمد رضی اللہ عنہم اور تمام ائمہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ عقائد اور دوسرے مسائل میں بھی ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ امام ابو الحسن اشعری رضی اللہ عنہ اہل سنت کے امام ہیں اور طریقت میں سید الطائفہ حضرت جنید علیہ الرحمہ امام ہیں۔ (انجاح الحاجہ، ج ۲، ص ۲۸۳ ،قدیمی کتب خانہ کراچی)

اہل سنت و جماعت کی علامت

امام سخاوی علیہ الرحمہ نے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ پر کثرت سے درود بھیجنا اہل سنت ہونے کی علامت ہے (یعنی سنی ہونے کی)۔ (فضائل اعمال، ص ۶۷ ،مکتبہ رحمانیہ لاہور)

الحمد للہ! آج بھی اذانوں سے پہلے، نمازوں کے بعد، نماز جمعہ کے بعد کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنا، اسی طرح ہر محفل و جلسہ کے اختتام پر اپنے نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا اہل سنت و جماعت کا شعار ہے۔ اور اہل سنت کے اسی عمل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

اہل حق کو نقصان نہ ہو سکنے کا بیان

7- حَدَّثَنَا اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ قَالَ حَدَّثَنَا بْنُ عَلْقَمَةَ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ الْاَسْوَدِ وَكَثِيْرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ قَوَّامَةً عَلَى اَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهَا مَنْ خَالَفَهَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم (دین) پر قائم رہنے والا ہوگا، اس کی مخالفت کرنے والا اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

8- حَدَّثَنَا اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْجَرَّاحُ بْنُ مَلِيْحٍ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ زُرْعَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عِنَبَةَ الْخَوْلَانِيَّ وَكَانَ قَدْ صَلَّى الْقِبْلَتَيْنِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَزَالُ اللّٰهُ يَغْرِسُ فِيْ هٰذَا الدِّيْنِ غَرْسًا يَسْتَعْمِلُهُمْ فِيْ طَاعَتِهٖ،

حضرت ابو عنبہ خولانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تھی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ ہمیشہ اس دین میں نئے پودے اگا کر ان سے اپنی اطاعت کراتا رہے گا۔ (نئے پودے اُگانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نئے نئے لوگوں کو پیدا فرمائے گا، جو اس کی اطاعت وفرمانبرداری کریں گے)۔

9- حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ نَافِعٍ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ اَرْطَاةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَامَ مُعَاوِيَةُ خَطِيْبًا فَقَالَ اَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ اَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا وَطَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ ظَاهِرُوْنَ عَلَى النَّاسِ لَا يُبَالُوْنَ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ نَصَرَهُمْ .

حضرت شعیب کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور کہا: تمہارے علماء کہاں ہیں؟ تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: قیامت تک میری امت میں سے ایک گروہ لوگوں پر غالب رہے گا، کوئی اس کی مدد کرے یا نہ کرے اسے اس کی پرواہ نہ ہوگی۔

قیامت تک دین اسلام کے محفوظ رہنے کا بیان

10- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ بَشِيْرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ

7: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

8: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

9: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عَنْ اَبِیْ اَسْمَآءَ الرَّحَبِیِّ عَنْ ثَوْبَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ عَلَى الْحَقِّ مَنْصُوْرِیْنَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ نصرت الٰہی سے بہرہ ور ہو کر حق پر قائم رہے گا، مخالفین کی مخالفت اسے قیامت تک کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ (امر اللہ سے مراد وہ ہوا ہے جو سارے مومنوں کی روحوں کو قبض کرے گی)۔

صراط مستقیم کا بیان

11- حَدَّثَنَا اَبُوْسَعِيْدٍ (عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ) حَدَّثَنَا اَبُوْخَالِدٍ الْاَحْمَرُ قَالَ سَمِعْتُ مُجَالِدًا يَذْكُرُ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَّ خَطًّا وَّخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَخَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَّسَارِهٖ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ فِی الْخَطِّ الْاَوْسَطِ فَقَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس تھے، آپ نے ایک لکیر کھینچی اور دو لکیریں اس کے دائیں جانب اور دو بائیں جانب کھینچیں، پھر اپنا ہاتھ بیچ والی لکیر پر رکھا اور فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس آیت کی تلاوت کی: (وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ، سورہ انعام) یہی میرا سیدھا راستہ ہے پس تم اسی پر چلو، اور دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ یہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدھا راستہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا راستہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا کہ یہ قرآن جو میں نے تمہارے واسطے بھیجا، اور جو روییہ اور طریقہ اس میں تمہارے چلنے کو مقرر فرمایا ہے، یہی میری رضامندی اور میری طرف پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے، اسی پر چلو اور اس کے علاوہ دیگر راستے تم کو نجات کے راستہ سے بہکا دیں گے، کیونکہ وہ سب شیطان کے راستے ہیں، اور نبی اکرم ﷺ نے بھی بکمال رافت و رحمت یہ سب طریقے صاف طور پر ہر آدمی کے لئے واضح فرما دیے ہیں۔

بَابُ: تَعْظِيْمِ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّغْلِيْظِ عَلٰى مَنْ عَارَضَهٗ

یہ باب نبی کریم ﷺ کی حدیث کی تعظیم کرنے جبکہ معارضہ کرنیوالے کی شدید مذمت کے بیان میں ہے

احادیث کی تعلیم کا بیان

حدیث کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہونا اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا بہترین اور اعلیٰ ذریعہ ہے۔ اس وجہ سے جو شخص حدیث

10: اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 4927' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2229

11: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کو حاصل کر کے اسے لوگوں میں پھیلانے میں مشغول ہو، اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے اندر اعلیٰ اخلاق اور اچھی عادات پیدا کرے تاکہ لوگوں میں اس کی پہچان ایک سچے شخص کی ہو۔ اس شخص کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو حدیث پر عمل کرنے سے پہلے خود اس پر عمل کرنے والا ہو۔

محدث کی شخصیت میں کیا خصوصیات ہونی چاہئے؟

محدث کی نیت درست ہو اور وہ خلوص نیت سے کام کرے۔ اس کا دل دنیاوی مقاصد جیسے شہرت اور مرتبے کی خواہش سے خالی ہو۔ اس کا مقصد حدیث کی نشر و اشاعت ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیمات کی تبلیغ کے باعث وہ بہت بڑے اجر کا حق دار ہوگا۔ وہ حدیث کا علم ایسے استاذ سے حاصل کرے جو علم اور تجربے میں اس سے بہتر ہو۔

اگر اس سے کوئی ایسی حدیث کے بارے میں پوچھے جس کا اسے خود علم نہ ہو لیکن وہ جانتا ہو کہ کوئی دوسرا شخص اس حدیث کے بارے میں علم رکھتا ہے تو وہ اس سائل کو دوسرے محدث کی طرف بھیج دے۔

اگر کوئی اسے نیت کے درست نہ ہونے کے بارے میں خبردار کرے تو اسے چاہیے کہ وہ فوراً اپنی نیت کی اصلاح کرلے۔

اگر وہ اہلیت رکھتا ہو تو حدیث کی املاء اور تعلیم کے لئے مجلس منعقد کرے۔ یہ حدیث روایت کا سب سے بہترین طریقہ ہے۔

نوٹ: یہ تمام خصوصیات دین کی کسی بھی قسم کی خدمت کرنے والے کے لئے ضروری ہیں۔

حدیث کی تعلیم و املاء کی مجلس کے لئے کس چیز کا اہتمام بہتر ہے؟

محدث پاک صاف ہو اور اپنے بال اور داڑھی کو اچھی طرح کنگھی کر کے آئے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کی شخصیت باوقار اور اچھی ہو تاکہ لوگ اس سے گھن کھا کر دور نہ بھاگیں۔

محدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث کی تعظیم کے لئے باوقار انداز اختیار کرے۔

محدث تمام حاضرین مجلس کے ساتھ برابری کا سلوک کرے۔ وہ کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے۔

محدث مجلس کا آغاز و اختتام اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر درود بھیج کر کرے۔

محدث ایسے الفاظ سے اجتناب کرے جو حاضرین مجلس کے عقل و فہم سے بالاتر ہوں۔

محدث حدیث کی املاء کے اختتام پر حکایات اور دلچسپ باتیں سنائے تاکہ حاضرین بوریت کا شکار نہ ہوں۔

قدیم محدثین کے ہاں اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ تعلیم حدیث کی محافل ایسی ہوں کہ لوگ بات کو اچھی طرح سمجھ لیں، بوریت کا شکار نہ ہوں اور حدیث کی عظمت ان کے دلوں میں گھر کر جائے۔ اسی وجہ سے تعلیم حدیث کے یہ آداب مقرر کیے گئے۔ موجودہ دور میں بھی یہ آداب پوری طرح قابل عمل ہیں۔

حدیث کی تعلیم دینے کے لئے مناسب عمر کیا ہے؟

اس بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک پچاس یا چالیس سال کی عمر میں یہ کام شروع کرنا چاہیے۔ صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ کام اس وقت کرنا چاہیے جب انسان اس کام کے قابل ہو جائے۔ یہ کام کسی بھی عمر میں شروع کیا جا

سکتا ہے۔

احکام میں حلت وحرمت کا احادیث سے ثابت ہونے کا بیان

12- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا زَیْدُ بْنُ الْحُبَابِ عَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ صَالِحٍ حَدَّثَنِی الْحَسَنُ بْنُ جَابِرٍ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْكَرِبَ الْكِنْدِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُوْشِكُ الرَّجُلُ مُتَّكِئًا عَلٰی اَرِیْكَتِهٖ یُحَدَّثُ بِحَدِیْثٍ مِنْ حَدِیْثِیْ فَیَقُوْلُ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَمَا وَجَدْنَا فِیْهِ مِنْ حَلَالٍ اسْتَحْلَلْنَاهُ وَمَا وَجَدْنَا فِیْهِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ اَلَا وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۔

◄► حضرت مقدام بن معدیکرب کندی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ کوئی آدمی اپنے آراستہ تخت پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور اس سے میری کوئی حدیث بیان کی جائے تو وہ کہے ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کافی ہے، ہم اس میں جو چیز حلال پائیں گے اسی کو حلال سمجھیں گے اور جو چیز حرام پائیں گے اسی کو حرام جانیں گے، تو سن لو! جسے رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے وہ ویسے ہی ہے جیسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

شرح

کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کے تمام اختیارات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بعد صرف اور صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہیں۔ حضرت مقدام بن معدی کرب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سنو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسکی ایک مثل (مراد حدیث) دی گئی ہے، سنو! عنقریب ایک شخص تخت پر سیر ہو کر بیٹھا ہو گا وہ یہ کہے گا کہ اس قرآن کو لازم رکھو، اس میں جو تم حلال پاؤ اس کو حلال قرار دو اور اس میں جو حرام پاؤ اس کو حرام قرار دو اور بے شک جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام قرار دیا وہ ایسا ہے جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حرام قرار دیا، سنو! تمہارے لیے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ ہی ہر کچلیوں سے شکار کرنے والا درندہ اور نہ ہی راستے میں گری پڑی ذمی کی ملکیتی چیز جس سے اس کا مالک مستغنی نہ ہو۔

اس حدیث میں ہم دیکھتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پالتو گدھے کو حرام قرار دیا ہے اور پنجوں کے ناخنوں سے شکار کرنے والے درندے (شیر، گیدڑ اور بھیڑیا وغیرہ) کو حرام قرار دیا ہے جبکہ ان کی حرمت کا قرآن مجید میں تذکرہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اگر کسی چیز کی حلت پر اجماع امت ہو جائے تو وہ حلال ہے اور کسی چیز کی حرمت پر اجماع ہو جائے تو وہ حرام ہے۔ لیکن اجماع امت کو حلت وحرمت کا اختیار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی عطا فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی کچھ یوں روایت کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مارآہ المؤمنون حسناً فهو عندالله حسن

12 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2664

وماراہ المؤمنون قبیحا فہو عنداللہ قبیح

جسے مؤمنین اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہے اور جسے مسلمان قبیح جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی ناپسندیدہ ہے۔

اس طرح اجماع امت بھی حلت وحرمت پر اتھارٹی ہے لیکن اجماع سے کسی ایک خطے یا شہر یا ملک کے صاحبان دانش و بینش کا اتفاق مراد نہیں ہے بلکہ شرق وغرب کے تمام مسلمان کسی ایک زیر بحث چیز کی حلت یا حرمت کے حکم پر متفق ہونگے تو اسے اجماع امت قرار دیا جائے گا۔ محض چند علماء یا کسی ایک خطے یا شہر کے علماء کسی چیز کو پوری امت کیلئے حلال یا حرام نہیں قرار دے سکتے۔ اس بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے کے قابل ہو گئے ہیں کہ اشیاء کی حلت وحرمت کا فتویٰ دینا نہایت ہی اہم کام ہے اور اسکا اختیار صرف اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اجماع امت کو بحیثیت ادارہ حاصل ہے۔

نبی کریم ﷺ کے احکام کی اتباع کرنے کا بیان

13- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ فِي بَيْتِهِ اَنَا سَاَلْتُهُ عَنْ سَالِمٍ اَبِي النَّضْرِ ثُمَّ مَرَّ فِي الْحَدِيثِ قَالَ اَوْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي رَافِعٍ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيكَتِهِ يَاْتِيهِ الْاَمْرُ مِمَّا اَمَرْتُ بِهِ اَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ لَا اَدْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ ۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کو ہرگز اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے آراستہ تخت پر ٹیک لگائے ہو، اور اس کے پاس جن چیزوں کا میں نے حکم دیا ہے، یا جن چیزوں سے منع کیا ہے میں سے کوئی بات پہنچے تو وہ یہ کہے کہ میں نہیں جانتا، ہم نے تو اللہ کی کتاب میں جو چیز پائی اس کی پیروی کی۔

حلال کی تعریف

شریعت میں حلال وہ ہے جسے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت نے مباح قرار دیا ہو۔ یعنی جس کی حلت اللہ کی طرف سے ثابت ہو۔ (تعریفات الفقہیہ)

حرام کی تعریف

حرام کے لغوی معنی روکنے کے ہیں اور حریم اس احاطہ کو کہتے ہیں جو کنویں میں کسی چیز کو گرنے سے روکے۔ اور فقہ کی اصطلاح میں ان باتوں کو کہیں گے جن کے ارتکاب سے منع کر دیا گیا ہو۔ آمدی لکھتے ہیں: جو بحیثیت اپنے فعل ہونے کے کسی بھی طرح شرعاً مذمت کا باعث ہو۔ (آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام)

بدعت سیئہ کی ایجاد کے مردود ہونے کا بیان

14- حَدَّثَنَا اَبُو مَرْوَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْعُثْمَانِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرٰهِيمُ بْنُ سَعْدِ بْنِ اِبْرٰهِيمَ بْنِ عَبْدِ

13- اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4605 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2663

الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ ۔

حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو ہمارے اس دین میں ایسی چیز ایجاد کرے جس کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو تو وہ مردود ہوگی۔

شرح

مومن و مسلمان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اعتقاد و ایمان پختہ اور کامل ہو کہ قرآن وسنت نے جو راستہ بتا دیا ہے اس پر پورے یقین کے ساتھ چلنا اور شریعت نے جو حدود قائم کر دی ہیں ان کے اندر پورے اعتقاد کے ساتھ رہنا ہی عین فلاح وسعادت سمجھے، اپنی طرف سے ایسے راستے پیدا کرنا جو سراسر منشاء شریعت کے خلاف ہوں، یا ایسے طریقے اختیار کرنا جو قرآن وسنت کے صحیح راستے سے الگ ہوں نہ صرف یہ کہ ایمان واعتقاد کی سب سے بڑی کمزوری ہے بلکہ دعویٰ اسلام کے برخلاف بھی ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں ان لوگوں کو مردود قرار دیا جارہا ہے جو محض اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض کی بنا پر دین وشریعت میں نئے نئے طریقے رائج کرتے ہیں اور ایسی غلط باتوں کا انتساب شریعت کی طرف کرتے ہیں جن کا اسلام میں سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی آدمی اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتا ہے اور اپنی فہم کے مطابق اسلام میں ایسی نئی چیزیں پیدا کرتا ہے جس کا ثبوت نہ تو قرآن وسنت سے ظاہراً ہے اور نہ معناً اور نہ اس کی سند کسی اسلامی نظریہ سے مستنبط ہے تو اسے مردود قرار دیا جائے گا۔ ہاں حدیث کے الفاظ لیس منہ نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ایسی چیزیں پیدا کرنا، یا ایسے نظریے قائم کرنا جو کتاب سنت کی منشاء کے خلاف اور ان کے برعکس نہ ہوں ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور نہ ان پر کوئی نکیر قائم کی جاسکتی ہے۔

احادیث کی تعظیم کرنے کا بیان

15- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى النَّيْسَابُوْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَاَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ اَنْ يُّصَلِّيْنَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ ابْنٌ لَّهٗ اِنَّا لَنَمْنَعُهُنَّ فَغَضِبَ غَضَبًا شَدِيْدًا وَّقَالَ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُوْلُ اِنَّا لَنَمْنَعُهُنَّ ۔

حضرت سالم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: تم لوگ اللہ کی کنیزوں کو اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ مسجد میں نماز ادا کریں (راوی کہتے ہیں) ان کے صاحبزادے نے ان سے کہا ہم تو ان خواتین کو ضرور منع کریں گے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما شدید غصے میں آگئے اور بولے: میں تمہیں

14 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2697' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4467

15: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3359' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6065' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 3637' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1363' ورقم الحدیث: 3027' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 5431' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث 2480

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہم انہیں ضرور منع کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلوں میں حاکم ماننے کا بیان

16- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحِ بْنِ الْمُهَاجِرِ الْمِصْرِيُّ أَنْبَأَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شِرَاجِ الْحَرَّةِ الَّتِي يَسْقُونَ بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ سَرِّحِ الْمَاءَ يَمُرُّ فَأَبَى عَلَيْهِ فَاخْتَصَمَا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ فَغَضِبَ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْ كَانَ ابْنَ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا زُبَيْرُ اسْقِ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ قَالَ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللَّهِ إِنِّي لَأَحْسِبُ هَذِهِ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي ذَلِكَ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک انصاری نے زبیر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقام حرہ کی اس نالی کے بارے میں جھگڑا کیا جس سے لوگ کھجور کے باغات کی سینچائی کرتے تھے، انصاری نے زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: پانی چھوڑ دو تاکہ میرے کھیت میں چلا جائے، زبیر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا، ان دونوں نے اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زبیر! تم اپنا کھیت سینچ لو! پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو"۔ انصاری غضبناک ہو کر بولا: اللہ کے رسول! یہ اس وجہ سے کہ وہ آپ کے پھوپھی کے بیٹے ہیں؟ یہ سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زبیر! تم اپنا باغ سینچ لو، پھر پانی روکے رکھو یہاں تک کہ وہ مینڈوں تک پہنچ جائے"، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: زبیر نے کہا قسم اللہ کی! میرا خیال ہے کہ یہ آیت اسی سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (سورۃ النساء 65) قسم ہے آپ کے رب کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے سارے اختلافات اور جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں اس سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں، اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

حدیث پر عمل نہ کرنے والے سے ناراض ہونے کا بیان

17- حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ ثَابِتٍ الْجَحْدَرِيُّ وَأَبُو عَمْرٍو حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ أَنَّهُ كَانَ جَالِسًا إِلَى جَنْبِهِ ابْنُ أَخٍ لَهُ

16 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:873

17. اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث:2026' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث:3226

فَخَذَفَ فَنَهَاهُ وَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا فَقَالَ إِنَّهَا لَا تَصِيْدُ صَيْدًا وَّلَا تَنْكِىْ عَدُوًّا وَّإِنَّهَا تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ قَالَ فَعَادَ ابْنُ أَخِيْهِ فَخَذَفَ فَقَالَ أُحَدِّثُكَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا ثُمَّ عُدْتَ تَخْذِفُ لَا أُكَلِّمُكَ أَبَدًا ۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا ایک بھتیجا ان کے بغل میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے دو انگلیوں کے درمیان کنکری رکھ کر پھینکی، تو انہوں نے اسے منع کیا اور کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس کام سے روکا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ کنکری نہ تو کوئی شکار کرتی ہے، اور نہ ہی دشمن کو زخمی کرتی ہے، البتہ یہ دانت توڑ دیتی ہے اور آنکھ پھوڑ دیتی ہے۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ان کا بھتیجا دوبارہ کنکریاں پھینکنے لگا تو انہوں نے کہا: میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں کہ آپ ﷺ نے اس کام سے روکا ہے اور تم پھر اسے کرنے لگے، میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔

18- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنِي بُرْدُ بْنُ سِنَانٍ عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ قَبِيْصَةَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ الْأَنْصَارِيَّ النَّقِيْبَ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا مَعَ مُعَاوِيَةَ أَرْضَ الرُّوْمِ فَنَظَرَ إِلَى النَّاسِ وَهُمْ يَتَبَايَعُوْنَ كِسَرَ الذَّهَبِ بِالدَّنَانِيْرِ وَكِسَرَ الْفِضَّةِ بِالدَّرَاهِمِ فَقَالَ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَأْكُلُوْنَ الرِّبَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَبْتَاعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ لَا زِيَادَةَ بَيْنَهُمَا وَلَا نَظِرَةَ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ يَا أَبَا الْوَلِيْدِ لَا أَرَى الرِّبَا فِي هٰذَا إِلَّا مَا كَانَ مِنْ نَظِرَةٍ فَقَالَ عُبَادَةُ أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُحَدِّثُنِي عَنْ رَأْيِكَ لَئِنْ أَخْرَجَنِيَ اللّٰهُ لَا أُسَاكِنُكَ بِأَرْضٍ لَكَ عَلَيَّ فِيْهَا إِمْرَةٌ فَلَمَّا قَفَلَ لَحِقَ بِالْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مَا أَقْدَمَكَ يَا أَبَا الْوَلِيْدِ فَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ وَمَا قَالَ مِنْ مُسَاكَنَتِهِ فَقَالَ ارْجِعْ يَا أَبَا الْوَلِيْدِ إِلَى أَرْضِكَ فَقَبَّحَ اللّٰهُ أَرْضًا لَسْتَ فِيْهَا وَأَمْثَالُكَ وَكَتَبَ إِلَى مُعَاوِيَةَ لَا إِمْرَةَ لَكَ عَلَيْهِ وَاحْمِلِ النَّاسَ عَلَى مَا قَالَ فَإِنَّهُ هُوَ الْأَمْرُ

حضرت قبیصہ سے روایت ہے کہ عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہ نے (جو کہ عقبہ کی رات میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والے صحابی ہیں) معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سرزمین روم میں جہاد کیا، وہاں لوگوں کو دیکھا کہ وہ سونے کے ٹکڑوں کو دینار (اشرفی) کے بدلے اور چاندی کے ٹکڑوں کو درہم کے بدلے بیچتے ہیں، تو کہا: لوگو! تم سود کھاتے ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: "تم سونے کو سونے سے نہ بیچو مگر برابر برابر، نہ تو اس میں زیادتی ہو اور نہ ادھار"، تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ابوالولید! میری رائے میں تو یہ سود نہیں ہے، یعنی نقدا نقد میں تفاضل (کمی بیشی) جائز ہے، ہاں اگر ادھار ہے تو وہ سود ہے، عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ سے حدیث

18 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

رسول بیان کر رہا ہوں اور آپ اپنی رائے بیان کر رہے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں سے صحیح سالم نکال دیا تو میں کسی ایسی سرزمین میں نہیں رہ سکتا جہاں میرے اوپر آپ کی حکمرانی چلے، پھر جب وہ واپس لوٹے تو مدینہ چلے گئے، تو ان سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ابوالولید! مدینہ آنے کا سبب کیا ہے؟ تو انہوں نے ان سے پورا واقعہ بیان کیا، اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کے زیرانتظام علاقہ میں نہ رہنے کی جو بات کہی تھی اسے بھی بیان کیا، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "ابوالولید! آپ اپنی سرزمین کی طرف واپس لوٹ جائیں، اللہ اس سرزمین میں کوئی بھلائی نہ رکھے جس میں آپ اور آپ جیسے لوگ نہ ہوں"، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ عبادہ پر آپ کا حکم نہیں چلے گا، آپ لوگوں کو ترغیب دیں کہ وہ عبادہ کی بات پر چلیں کیونکہ شرعی حکم دراصل وہی ہے جو انہوں نے بیان کیا۔

حدیث میں تقویٰ وہدایت کی تعلیم ہونے کا بیان

19-حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ بْنُ الْخَلَّادِ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ اَنْبَاَنَا عَوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَظُنُّوْا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِىْ هُوَ اَهْنَاهُ وَاَهْدَاهُ وَاَتْقَاهُ .

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کروں تو تم رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہی خیال رکھو کہ آپ کی بات سب سے زیادہ عمدہ، اور ہدایت وتقوی میں سب سے بڑھی ہوئی ہے۔

20-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِى الْبَخْتَرِيِّ عَنْ اَبِىْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ قَالَ اِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا فَظُنُّوْا بِهِ الَّذِىْ هُوَ اَهْنَاهُ وَاَهْدَاهُ وَاَتْقَاهُ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث بیان کروں تو تم یہی گمان رکھو کہ آپ ﷺ کی بات سب سے زیادہ عمدہ، اور ہدایت وتقوی میں سب سے بڑھی ہوئی ہے۔

شرح

یعنی حدیثوں کو صحیح محمل پر رکھو اور مناسب موقع پر فٹ کرو، اور اس میں تعارض اور تناقض کا خیال نہ کرو، اور جو حدیث کا منطوق ہو اسی کو تقوی اور ہدایت جانو، اور اس کے خلاف کو مطلقا بہتر اور ہدایت نہ سمجھو۔

قرآن وحدیث کے احکام سے ہدایت حاصل ہونے کا بیان

21-حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفُضَيْلِ حَدَّثَنَا الْمَقْبُرِيُّ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنْ

19. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

20 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ لَا اَعْرِفَنَّ مَا يُحَدَّثُ اَحَدُكُمْ عَنِّي الْحَدِيْثَ وَهُوَ مُتَّكِئٌ عَلٰى اَرِيْكَتِهِ فَيَقُوْلُ اقْرَأْ قُرْاٰنًا مَا قِيْلَ مِنْ قَوْلٍ حَسَنٍ فَاَنَا قُلْتُهُ،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں یہ ہرگز نہ پاؤں کہ تم میں سے کسی سے میری حدیث بیان کی جارہی ہو اور وہ اپنے آراستہ تخت پر ٹیک لگائے یہ کہتا ہو: قرآن پڑھو، سنو! جو بھی اچھی بات کہی گئی ہے وہ میری ہی کہی ہوئی ہے۔

22- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادِ بْنِ اٰدَمَ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ح و حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ لِرَجُلٍ يَا ابْنَ اَخِیْ اِذَا حَدَّثْتُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا فَلَا تَضْرِبْ لَهُ الْاَمْثَالَ

قَالَ اَبُو الْحَسَنِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْكَرَابِيسِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ مِثْلَ حَدِيْثِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ،

حضرت ابوسلمہ (ابن عبدالرحمن بن عوف) سے روایت ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سے کہا: میرے بھتیجے! جب میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کروں تو تم اس پر مثالیں نہ بیان کیا کرو۔

ابوالحسن نامی راوی کہتے ہیں: ایک اور سند کے ساتھ عمرو بن مرہ کے حوالے سے وہی روایت منقول ہے' جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

حدیث کو سننے اور اسلوب روایت کا بیان

حدیث کو سننے، محفوظ رکھنے اور روایت کرنے کے طریق کار" سے مراد یہ ہے کہ ان شرائط کی وضاحت کر دی جائے جو اس شخص کے لئے لازم ہیں جو کسی استاذ سے حدیث سنے، اسے اپنے پاس محفوظ رکھے اور پھر اپنے بعد میں آنے والی نسلوں تک منتقل کر دے۔ ان میں سے بعض شرائط ایسی ہیں جن پر عمل کرنا لازم ہے جبکہ بعض پر عمل کرنا لازم تو نہیں لیکن بہتر ضرور ہے۔

حدیث کے " تحمل "یعنی "اخذ کرنے" کا معنی یہ ہے کہ طالب حدیث کس طریقے سے حدیث کو اپنے شیوخ (اساتذہ) سے حاصل کرے۔ "ضبط" یعنی "محفوظ رکھنے" کا مطلب یہ ہے کہ جو حدیث ایک طالب علم تک پہنچی ہے وہ اسے اس کی اصل حالت میں محفوظ رکھے تاکہ جب وہ اسے اگلی نسل تک منتقل کرے تو یہ بالکل (صحیح سالم اپنی اصل اور) قابل اطمینان حالت میں اگلی نسل تک منتقل ہو جائے۔

علوم حدیث کے ماہرین نے اس فن کو اہمیت دی ہے اور اس کے قواعد وضوابط اور شرائط مقرر کر دی ہیں۔ انہوں نے حدیث کو

21 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

22 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اخذ کرنے کے مختلف درجات مقرر کیے ہیں۔ یہ محنت اس وجہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث بالکل صحیح حالت میں ایک شخص سے دوسرے شخص تک منتقل ہو سکے تاکہ ہر مسلمان کو اس طریقے کے بارے میں اطمینان حاصل ہو سکے اور وہ یہ جان لے کہ یہی بالکل درست اور متعین طریق کار ہے جس سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث کو حاصل کر رہا ہے۔

نوٹ: حدیث کو اخذ کرنے اور آگے منتقل کرنے کے ان قواعد وضوابط کا تعلق اس دور سے ہے جب حدیث ابھی باقاعدہ کتابوں کی صورت میں مدون نہ ہو سکی تھی۔ یہ دور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے سے لے کر تقریباً اگلے دو سو سال پر مشتمل ہے۔

اگرچہ اس دور میں تحریر کا فن رواج پا چکا تھا اور قرآن مجید کو مرتب کیا جا چکا تھا لیکن دیگر کتب کو لکھ کر شائع کرنے کا رواج ابھی شروع نہ ہوا تھا۔ بعض صحابہ وتابعین نے احادیث لکھنے اور لکھوانے کا عمل شروع کیا اور اس دور میں بعض کتب جیسے موطاء امام مالک لکھی بھی گئیں اور ان کے نسخے ہاتھ سے نقل کر کے دنیا میں پھیلانے کے عمل کا آغاز بھی ہوا لیکن کاغذ کی کمیابی اور کاتبوں کی کمی کے باعث بہت سی دیگر احادیث ایسی باقی رہ گئی تھیں جنہیں باقاعدہ کتابوں کی صورت میں لکھا جائے۔

اس دور میں احادیث کو استاذ سے سن کر محفوظ کرنے اور پھر اگلی نسل میں منتقل کر دینے کے قوانین بنائے گئے تاکہ زبانی روایت میں غلطیوں کو کم سے کم سطح پر لایا جا سکے۔ جو راوی ان قوانین پر عمل پیرا نہ ہوتا، وہ محدثین کے نزدیک "ضعیف" قرار پاتا اور اس کی روایت کردہ احادیث قابل قبول نہ رہتیں۔

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں احادیث کے پورے ذخیرے کو مدون کر لیا گیا اور اس کے بعد ان کتب کی ہزاروں کاپیاں پوری دنیا میں پھیلا دی گئیں۔ اس کے بعد سے لے کر آج تک یہ کتب تواتر سے امت میں موجود ہیں اور ان کے بارے میں ہمیں سو فیصد اطمینان ہے کہ یہ وہی کتابیں ہیں جو ان کے مصنفین نے مرتب کی تھیں۔ اسی وجہ سے احادیث کو منتقل کرنے کے فن سے متعلق بحث کا تعلق ان کتابوں کی تدوین سے پہلے کے زمانے سے ہے۔

بعض کتب حدیث ایسی ہیں جو تواتر سے تو منتقل نہیں ہو سکی ہیں۔ ان کتابوں کے مخطوطوں کی سند آج سے لے کر ان کتابوں کے مصنفین تک بغیر کسی انقطاع کے موجود ہے اور ان اسناد میں موجود راویوں کے حالات زندگی پر تفصیلی لٹریچر بھی موجود ہے جس کی مدد سے ان کتابوں کے بارے میں ٹھیک ٹھیک رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ ان کتابوں کی نسبت اپنے مصنفین کی طرف درست ہے۔ آج بھی یہ بحث ان کتب کی روایت سے پوری طرح متعلق ہے۔

کیا حدیث کو حاصل کرنے کے لئے مسلمان اور بالغ ہونا ضروری ہے؟

صحیح نقطہ نظر کے مطابق حدیث کو محض حاصل کرنے کے لئے مسلمان اور بالغ ہونا ضروری نہیں ہے البتہ جیسا کہ ہم راوی کی شرائط میں بیان کر چکے ہیں کہ حدیث کو آگے منتقل کرنے کے لئے مسلمان اور بالغ ہونا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے مسلمان اور بالغ راویوں کی بیان کردہ ان احادیث کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے جو انہوں نے اسلام لانے یا بالغ ہونے سے پہلے کسی استاذ سے حاصل کی تھیں (بشرطیکہ وہ سوچنے سمجھنے کی عمر کو پہنچ چکے ہوں۔) لیکن ان احادیث کے بارے میں یہ فرق کرنا ضروری ہے کہ فلاں راوی نے

پاس دیث (اسلام لانے یا) بالغ ہونے سے پہلے حاصل کی تھیں۔
ایک نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ حدیث کو حاصل کرنے کے لئے بالغ ہونے کی شرط لازم ہے لیکن یہ نقطہ نظر صحیح نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے ان صحابہ کی بیان کردہ احادیث کو قبول کیا ہے جو عہد رسالت میں ابھی بچے تھے جیسے سیدنا حسن اور ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ان احادیث میں یہ فرق نہیں کیا جاتا کہ ان حضرات نے یہ حدیث بالغ ہونے سے پہلے حاصل کی تھی یا بعد میں۔

حدیث کو حاصل کرنے کا عمل کتنی عمر میں شروع کرنا بہتر ہے؟

اہل شام میں یہ رواج رہا ہے کہ ایک طالب علم حدیث کو حاصل کرنے کا عمل تیس سال کی عمر میں شروع کرے۔اہل کوفہ میں بیس سال اور اہل بصرہ میں دس سال کی عمر میں حدیث کی تعلیم شروع کرنے کو بہتر سمجھا جاتا رہا ہے۔
بعد کے ادوار میں جلد سے جلد حدیث کو سیکھنے کا عمل شروع کرنا ہی بہتر ہے۔بس یہ ضروری ہے کہ طالب علم حدیث کو صحیح طور پر حاصل کر کے سمجھ سکے کیونکہ اب تو احادیث کی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔
کیا کم عمری میں حدیث کو حاصل کرنے کے عمل کے صحیح ہونے کی کوئی کم از کم حد مقرر ہے؟
بعض اہل علم کا یہ موقف ہے کہ اس شخص کی بیان کردہ حدیث کو قابل اعتماد سمجھا جائے گا جو اس نے کم سے کم پانچ سال کی عمر میں سنی ہو۔حدیث کے ماہرین میں اسی بات پر عمل کیا جاتا رہا ہے۔
بعض دیگر اہل علم کا یہ نقطہ نظر بھی ہے کہ صرف اسی صورت میں کسی شخص کی حدیث کو قابل اعتماد سمجھا جائے جب اس نے وہ حدیث اس عمر میں سنی ہو جب وہ چیزوں میں فرق کرنے لگا ہو یعنی بات کو سمجھنے لگا ہو۔اس نقطہ نظر کو مسترد کر دیا گیا ہے کیونکہ بچہ اسی وقت چیزوں میں فرق کر سکتا ہے جب وہ اسے صحیح طور پر سن سکے۔اگر ایسا نہیں ہے تو وہ اسے صحیح طور پر سمجھ بھی نہیں سکتا۔

بَابُ: التَّوَقِّيْ فِي الْحَدِيْثِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب نبی کریم ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہوئے احتیاط کے بیان میں ہے

احادیث کو پڑھنے سننے کے آداب کا بیان

23- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ الْبَطِيْنُ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ قَالَ مَا اَخْطَاَنِي ابْنُ مَسْعُوْدٍ عَشِيَّةَ خَمِيْسٍ اِلَّا اَتَيْتُهُ فِيْهِ قَالَ فَمَا سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ بِشَيْءٍ قَطُّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ عَشِيَّةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَكَسَ قَالَ فَنَظَرْتُ اِلَيْهِ فَهُوَ قَائِمٌ مُحَلَّلَةً اَزْرَارُ قَمِيْصِهِ قَدِ اغْرَوْرَقَتْ عَيْنَاهُ وَانْتَفَخَتْ اَوْدَاجُهُ قَالَ اَوْ دُوْنَ ذٰلِكَ اَوْ فَوْقَ ذٰلِكَ اَوْ قَرِيْبًا مِّنْ ذٰلِكَ اَوْ شَبِيْهًا بِذٰلِكَ

23 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں: میں ہر جمعرات کے دن شام کے وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا' میں نے انہیں کبھی یہ بیان کرتے ہوئے نہیں سنا کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے'' ایک رات انہوں نے بیان کیا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سر کو جھکایا' راوی کہتے ہیں: میں نے ان کا جائزہ لیا' تو وہ کھڑے ہوئے تھے اور ان کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے ان کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور رگیں پھولی ہوئی تھیں' پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے) اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ یا اس کے قریب یا اس سے مشابہہ بات ارشاد فرمائی تھی۔

24- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ كَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اِذَا حَدَّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا فَفَرَغَ مِنْهُ قَالَ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کوئی حدیث بیان کرتے اور اسے بیان کر کے فارغ ہو جاتے تو ساتھ یہ بھی کہہ دیتے تھے ''یا جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا''۔

حدیث کو حاصل کرنے کے طریقے آٹھ ہیں

(۱) شیخ (یعنی استاذ) کے الفاظ میں سننا (سماع حدیث) (۲) شیخ کو پڑھ کر سنانا (قراءۃ علی الشیخ) (۳) اجازت (۴) مناولۃ (۵) کتابت (۶) اعلام (۷) وصیت (۸) وجادۃ

ہم ان میں سے ہر ایک سے متعلق مختصر بحث کریں گے۔ حدیث کو آگے منتقل کرتے ہوئے ان طریقوں کو جن مخصوص الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے، ہم ان کی بھی مختصر اوضاحت کریں گے۔

شیخ کے الفاظ میں سننا (سماع حدیث)

اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ احادیث پڑھ کر سنائے اور اس کے طالب علم احادیث کو سنیں۔ شیخ احادیث کو اپنی کتاب سے پڑھ کر بھی سنا سکتا ہے اور اپنی یادداشت کے سہارے بھی بیان کر سکتا ہے۔ طالب علم اس حدیث کو سن کر اپنے حافظے میں بھی محفوظ رکھ سکتے ہیں اور اپنی نوٹ بک میں بھی اسے لکھ سکتے ہیں۔

اہل علم کی اکثریت کے مطابق حدیث کو حاصل کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہی ہے۔ (چونکہ کسی شخص کے لئے حدیث کو آگے منتقل کرتے وقت یہ بتانا ضروری ہے کہ اس نے یہ حدیث کس طریقے سے اپنے استاذ سے حاصل کی ہے، اس وجہ سے کچھ اسٹینڈرڈ الفاظ کو مخصوص طریقوں کے لئے مقرر دیا گیا ہے۔) جس زمانے میں یہ الفاظ مقرر نہیں کیے گئے تھے، اس زمانے میں آگے حدیث بیان کرتے ہوئے ان میں سے کوئی لفظ بھی بول دیا جانا درست سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب یہ الفاظ مقرر کر دیے گئے، اس کے بعد انہی الفاظ میں حدیث کو بیان کرنا ضروری ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

24 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

سن کر حدیث حاصل کرنے کے لئے: سمعت (میں نے سنا ہے) یا حدثنی (انہوں نے مجھ سے حدیث بیان کی۔)
پڑھ کر سنانے کے لئے کہ استاذ نے حدیث پڑھ کر سنائی: اخبرنی (انہوں نے مجھے خبر پہنچائی۔)
اجازت کے لئے: انبانی (انہوں نے مجھے خبر پہنچائی۔)
سماع مذاکرہ کے لئے: قال لی (انہوں نے مجھ سے کہا) یا ذکرلی (انہوں نے مجھ سے ذکر کیا۔)
نوٹ: حدیث روایت کرنے میں اس بات کا اہتمام بھی کیا گیا ہے کہ ایک شخص یہ بھی بتائے کہ اس نے حدیث کو اپنے استاذ سے کس طریقے سے حاصل کیا۔ یہ طریق کار بتانا ہر حدیث روایت کرنے والے شخص کے لئے ضروری قرار دے دیا گیا۔ اس وجہ سے ہر طریقے کے لئے مخصوص اسٹینڈرڈ الفاظ کو ہر طریقے کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ سماع مذاکرہ کا معنی ہے کہ ایک محدث دوسرے محدث سے اپنی احادیث شیئر کرے تاکہ دونوں کے علم میں اضافہ ہو۔ سماع مذاکرہ میں سنی ہوئی احادیث کو بیان کرنے کے لئے 'قال لی' یا 'ذکر لی' کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ سماع مذاکرہ اور سماع حدیث میں فرق یہ ہے کہ سماع حدیث میں شیخ اور طالب علم حدیث کو سننے یا سنانے کی باقاعدہ تیاری کر کے آتے ہیں جبکہ سماع مذاکرہ میں ایسا نہیں ہوتا۔

شیخ کے سامنے حدیث پڑھ کر سنانا

اسے اکثر محدثین نے "عرض" کا نام بھی دیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ طالب علم حدیث پڑھے اور شیخ یا استاذ اس حدیث کو سنے۔ اس سے فرق نہیں پڑتا کہ ایک شاگرد خود پڑھ رہا ہے یا دوسرا پڑھ رہا ہے، شاگرد کسی کتاب سے پڑھ کر سنا رہا ہے یا اپنے حافظے کی مدد سے زبانی پڑھ رہا ہے، شیخ حدیث کو اپنے حافظے کی مدد سے ہی سن رہا ہے یا اس نے اپنے سامنے کتاب رکھی ہوئی ہے، پڑھنے والا شاگرد ثقہ ہے یا نہیں ہے۔

نوٹ: اس طریق کار کا مقصد یہ تھا کہ شاگردوں کی غلطیوں کی اصلاح ہو جائے۔ اس دور میں استاذ اور شاگرد دونوں ہی بالکل اسی طرح حافظ حدیث ہوا کرتے تھے جیسا کہ آج کل حافظ قرآن ہوتے ہیں۔ شاگرد پڑھتا جاتا تھا اور استاذ اس کی تائید کرتا رہتا تھا۔ اگر شاگرد کہیں غلطی کرتا تو استاذ اسے ٹوک کر اس کی تصحیح کر دیتا۔ اگر شاگرد حافظ نہ ہوتا، تو وہ کتاب سے احادیث پڑھ کر سناتا جاتا۔ اگر وہ غلط پڑھتا یا کتاب میں کوئی غلطی موجود ہوتی تو استاذ اس کی اصلاح کر دیا کرتا تھا۔

شیخ کے سامنے حدیث کو پڑھ کر روایت کرنا ایک بالکل درست طریق کار ہے اگرچہ بعض شدت پسند افراد نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اس طریق کار کے درجے سے متعلق تین نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ امام مالک، بخاری اور حجاز و کوفہ کے جلیل القدر علماء کی رائے کے مطابق یہ طریقہ، پہلے طریقے (یعنی شیخ سے سننے) کے برابر ہے۔ اہل مشرق (یعنی خراسان، ہندوستان وغیرہ) کے علماء کی اکثریت کے نقطہ نظر کے مطابق یہ پہلے طریقے سے ادنیٰ درجے کا طریقہ ہے۔ امام ابوحنیفہ، ابن ابی ذئب اور مالک سے ایک روایت کے مطابق یہ پہلے طریقے سے اعلیٰ درجے کا طریقہ ہے۔

اس طریقے کو بیان کرنے کے الفاظ کی تفصیل یہ ہے۔

سب سے محفوظ طریقہ یہ ہے کہ کہا جائے، "قرأت علی فلان" یعنی "میں نے فلاں کے سامنے اسے پڑھا ہے" یا "قری علیہ و

انا اسمع فاقر بہ "یعنی "ان شیخ کے سامنے اس حدیث کو پڑھ کر سنایا گیا۔ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا کہ انہوں نے اس حدیث کی توثیق کردی۔

یہ بھی درست ہے کہ اس طریقے کو پہلے طریقے (یعنی شیخ سے سننے) کے الفاظ میں بیان کردیا جائے لیکن ساتھ ہی قراءۃ (شیخ کے سامنے پڑھنے) کے الفاظ بول دیے جائیں جیسے "حدثنا قراءۃ علیہ "یعنی "انہوں نے ہم سے حدیث بیان کی جو ان کے سامنے پڑھی گئی۔ محدثین اکثر اوقات لفظ "اخبرنا "یعنی "انہوں نے ہمیں خبر دی" کہہ کر اس سے یہ طریقہ مراد لیتے ہیں۔

اجازت

اس کا مطلب ہے حدیث کسی کو روایت کرنے کی زبانی یا تحریری اجازت دینا۔ (ایسا اس صورت میں ہوتا ہے جب شیخ شاگرد کو باقاعدہ حدیث کی تعلیم دیے بغیر اسے اپنے آپ سے حدیث روایت کرنے کی اجازت دے دے۔)

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شیخ کسی شخص سے یہ کہے، "میں نے تمہیں اس بات کی اجازت دی کہ تم مجھ سے صحیح بخاری روایت کرو۔" اجازت کی بہت سی اقسام ہیں جن میں سے ہم پانچ کا ذکر کریں گے۔

شیخ کسی متعین طالب علم کو متعین حدیث کے بارے میں اجازت دے: مثلاً وہ کسی خاص شاگرد کو یہ کہے، "میں نے تمہیں اجازت دی کہ تم مجھ سے صحیح بخاری کی یہ حدیث روایت کرو۔" یہ اجازت کی سب سے اعلیٰ شکل ہے۔

شیخ کسی متعین شاگرد کو غیر متعین حدیث کے بارے میں اجازت دے: مثلاً "میں نے تمہیں اجازت دی کہ تم نے مجھ سے جو بھی حدیث سنی ہے، اسے روایت کردو۔

شیخ غیر متعین افراد کو غیر متعین حدیث کے بارے میں اجازت دے: مثلاً "میں سب کو یہ اجازت دیتا ہوں کہ وہ مجھ سے جو حدیث سنیں، روایت کردیں۔

شیخ غیر متعین افراد یا غیر متعین حدیث کے بارے میں اجازت دے: مثلاً "میں کتاب السنن کی اجازت دیتا ہوں" جبکہ کتاب السنن کئی ہوں۔ یا "میں محمد بن خالد کو اجازت دیتا ہوں" جبکہ اس نام کے متعدد افراد موجود ہوں۔

شیخ کسی غیر حاضر شخص کے لئے اجازت دے دے: وہ غیر حاضر شخص حقیقتاً دنیا میں موجود ہو مثلاً "میں نے فلاں اور اس کے بیٹے کو اجازت دی"۔ یہ بھی ممکن ہے وہ غیر حاضر شخص دنیا میں موجود ہی نہ ہو مثلاً "میں نے فلاں اور اس کی آنے والی نسل کو اجازت دی۔

اہل علم کی اکثریت کے نزدیک پہلی قسم کی اجازت دینا درست ہے اور اسی پر ان کا عمل رہا ہے۔ اہل علم کے ایک گروہ جس میں امام شافعی بھی ایک روایت کے مطابق شامل ہیں نے اس اجازت کو بھی غلط قرار دیا ہے۔

باقی قسم کی اجازتوں کے درست ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں شدید اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر قسم کی اجازت میں تساہل اور سستی تو بہرحال پائی ہی جاتی ہے۔

اجازت کے الفاظ کا بیان

سب سے بہتر تو یہ ہے کہ کہاں جائے، "اجاز لی فلان" یعنی "فلاں نے مجھے اس حدیث کو روایت کرنے کی اجازت دی ہے" سماع (یعنی پہلے طریقے) کے الفاظ کے ساتھ 'اجازت' کا لفظ لگا کر بھی اسے بیان کرنا درست ہے جیسے "حدثنا اجازۃ" یعنی "انہوں نے ہمیں حدیث بیان کرنے کی اجازت دی" یا "اخبرنا اجازۃ" یعنی "انہوں نے ہمیں خبر بیان کرنے کی اجازت دی۔

بعد کے دور کے اہل علم (متاخرین) نے اجازت کے لئے "انباء نا" کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا ہے اور اسے کتاب "الوجازۃ فی تجویز الاجازۃ" کے مصنف ابوالعباس الولید بن بکر العمری نے بھی اختیار کیا ہے۔

نوٹ: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث پر کسی شخص کی اجارہ داری تو نہیں ہے پھر اجازت لینے کو ضروری کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اجازت حدیث کو بیان کرنے کے لئے نہیں لی جا رہی بلکہ اس حدیث کو اس مخصوص استاذ سے منسوب کرنے کے لئے لی جا رہی ہے۔ ایک استاذ اگر کسی حدیث کو پبلک محفل میں بیان کرتا ہے تو اسے آگے روایت کرنے اور استاذ سے منسوب کرنے کے لئے کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔ لیکن وہ ان احادیث کو کسی ایک شخص کو بتا دیتا ہے تو اس صورت میں اسے آگے روایت کرنے کے لئے لازم ہے کہ شیخ کی اجازت لے لی جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عین ممکن ہے کہ حدیث کی سند یا متن میں کوئی ایسا مسئلہ پایا جاتا ہو جس کے باعث شیخ اسے روایت کرنا نہ چاہتا ہو اور شاگرد اس حدیث کو استاذ کی طرف منسوب کر کے عام کر دے۔

مناولۃ (دے دینا)

(شیخ اگر کسی شخص کو حدیث کی ہاتھ سے لکھی ہوئی کتاب پکڑا دے تو اسے مناولۃ کہا جاتا ہے۔) مناولۃ کی دو اقسام ہیں: اجازت کے ساتھ دینا اور اجازت کے بغیر دینا۔

اجازت کے ساتھ دینا: یہ اجازت کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ، اپنے شاگرد کو حدیث کی ڈائری دے کر کہے، "یہ احادیث میں نے فلاں سے روایت کی تھیں، تم اب انہیں مجھ سے روایت کر سکتے ہو۔" اس کے بعد وہ ڈائری شاگرد کی ملکیت ہو جائے یا شاگرد اس ڈائری کو نقل کر کے اسے شیخ کو واپس کر دے۔

اجازت کے بغیر دینا: اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ طالب علم کو ڈائری دے اور مختصر طور پر یہ کہہ دے کہ "یہ میری سنی ہوئی احادیث ہیں۔" (یعنی وہ اسے روایت کرنے کی اجازت نہ دے۔)

جہاں تک اجازت کے ساتھ مناولت کا تعلق ہے تو اس قسم کی مناولت کی بنیاد پر حدیث کو روایت کرنا درست ہے۔ اس کا درجہ البتہ شیخ سے سننے یا اسے سنانے سے بہرحال کم ہے۔ صحیح نقطہ نظر کے مطابق اجازت کے بغیر مناولت کی بنیاد پر حدیث روایت کرنا درست نہیں ہے۔

نوٹ: اس طریق کار کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس دور میں کتابیں آج کل کی کتب کی طرح نہیں ہوا کرتی تھیں۔ اس دور کی کتب زیادہ تر لوگوں کی ذاتی ڈائری کی حیثیت رکھتی تھیں۔ محدثین اپنی ڈائری میں احادیث درج کرتے اور اگر انہیں کسی کو تحریری صورت میں احادیث دینا مقصود ہوتیں تو اسے یہ ڈائری دے کر اجازت دے دیا کرتے تھے۔ ایسی ڈائریوں کے بہت سے مخطوطے دنیا بھر کی لائبریریوں اور عجائب گھروں میں اب تک موجود ہیں اور ان پر ماہرین حدیث تحقیق کرتے رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں سے سب سے قدیم مخطوطہ دوسری صدی ہجری کا ہے۔ ان مخطوطوں کی سافٹ کاپیاں بعض ویب سائٹس پر بھی دستیاب ہیں۔

مناولت کو بیان کرنے کے لئے الفاظ کا بیان

بہتر الفاظ یہ ہیں، "ناولنی" یعنی "انہوں نے کتاب مجھے دی" یا اگر اجازت بھی دی ہو تو "ناولنی واجاز لی" یعنی "انہوں نے مجھے کتاب دی اور اسے روایت کرنے کی اجازت بھی دی۔

پہلے دو طریقوں کے الفاظ کو "مناولۃ" کے الفاظ کے ساتھ ملا کر استعمال کرنا بھی درست ہے جیسے "حدثنی مناولۃ" یعنی "انہوں نے کتاب دے کر مجھ تک حدیث پہنچائی" یا "اخبرنا مناولۃ" یعنی "انہوں نے کتاب دے کر مجھے خبر پہنچائی۔

بعد کے دور کے اہل علم جیسے کتاب "الوجازۃ فی تجویز الاجازۃ" کے مصنف ابوالعباس ولید بن بکر المعمری نے اس کے لئے "انبانا" یعنی "انہوں نے مجھے خبر پہنچائی" کا لفظ مخصوص کر لیا ہے۔

کتابت

(کتابت لکھ کر احادیث کسی کو دینے کو کہتے ہیں) اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ کسی موجود یا غیر موجود شخص کے لئے احادیث اپنے ہاتھ سے لکھ دے یا کسی اور سے لکھوا کر اس شخص کو دے دے۔ اس کی بھی دو اقسام ہیں:

ایک تو یہ کہ شیخ احادیث کو لکھ کر بھجوانے کے ساتھ ساتھ اسے روایت کرنے کی اجازت بھی دے دے۔ جیسے وہ یہ کہے، "میں نے جو کچھ لکھ کر آپ کو دیا ہے، میں اس کی روایت کی اجازت دیتا ہوں۔

دوسری قسم یہ ہے کہ شیخ احادیث لکھ کر بھجوا تو دے لیکن اس کی روایت کی اجازت کو واضح الفاظ میں بیان نہ کرے۔

ان میں سے پہلی قسم کی کتابت کا حکم بالکل اسی مناولۃ کی طرح ہے جس کی روایت کی اجازت دے دی گئی ہو۔ ایسی احادیث کی روایت کرنا درست ہے۔ دوسری قسم کی کتابت کے بارے میں اہل علم کے ہاں اختلاف رائے ہے۔ ایک نقطہ نظر کے مطابق ایسی تحریر کی روایت منع ہے لیکن حدیث کے ماہرین کے صحیح نقطہ نظر کے مطابق اس کی روایت کرنا درست ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لکھ کر دینے کا مطلب ہی روایت کرنے کی اجازت دینا ہوتا ہے۔

نوٹ: مناولت اور کتابت میں فرق یہ ہے کہ مناولت میں کوئی شیخ اپنی پہلے سے لکھی ہوئی احادیث کسی شاگرد کو دے دے جبکہ کتابت میں خاص طور پر احادیث کسی شخص کے لئے لکھوائی جائیں۔ پرنٹنگ پریس اور انٹرنیٹ کے موجودہ دور میں یہ بات کچھ عجیب

معلوم ہوتی ہے لیکن اس دور میں چونکہ فن تحریر اس قدر ترقی یافتہ نہ تھا، اس وجہ سے یہ تمام معاملات پیش آیا کرتے تھے۔
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تحریر پر اعتماد کرتے ہوئے یہ طے کرلیا جائے گا کہ یہ احادیث اسی شخص سے روایت کی گئی ہیں جس نے یہ تحریر لکھی ہے۔ ایک نقطہ نظر تو یہ ہے کہ محض تحریر پر اعتماد نہ کیا جائے کیونکہ مختلف افراد کی تحریریں ملتی جلتی ہوا کرتی ہیں۔ یہ نقطہ نظر کمزور ہے۔ صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ تحریر سے اس کے لکھنے والے کی پہچان ہوتی ہے کیونکہ ہر شخص کی تحریر مختلف ہوتی ہے (اور تحریر پہچاننے کے ماہرین اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔)
نوٹ: موجودہ دور میں بھی ایسے ماہرین موجود ہیں۔ میرے استاذ محمد عزیر شمس صاحب نے ابن تیمیہ کی کتب کے مخطوطوں پر تفصیلی کام کیا ہے، جس کی وجہ سے وہ ان کی تحریر سے اس حد تک واقف ہو گئے ہیں کہ کسی بھی مخطوطے کو دیکھ کر بتا سکتے ہیں کہ یہ مخطوطہ ابن تیمیہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے یا نہیں۔

کتابت کو بیان کرنے کے لئے الفاظ کا بیان

تحریر میں یہ بات واضح کر دی گئی ہو جیسے لکھا ہو، "یہ تحریر فلاں شخص کے لئے ہے۔
روایت کرنے والا روایت کرتے ہوئے سماع کے الفاظ کے ساتھ ساتھ "کتابت" کے لفظ کا اضافہ کر دے، جیسے "حدثنی فلان کتابۃ "یعنی" فلاں نے لکھ کر مجھ سے حدیث بیان کی۔

اعلام

اعلام کی صورت یہ ہے کہ شیخ، اپنے شاگرد کو (پرائیویٹ مجلس میں) یہ بتائے کہ اس نے یہ حدیث یا حدیث کی یہ کتاب اپنے شیخ سے سن رکھی ہے۔ ایسی صورت میں شاگرد کے لئے اس حدیث کو روایت کرنے کے بارے میں اہل علم کے ہاں اختلاف رائے ہے۔
حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے ماہرین کی اکثریت کے نقطہ نظر کے مطابق ایسی حدیث کی روایت جائز ہے۔
بعض محدثین کے نقطہ نظر کے مطابق ایسی حدیث کو آگے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی نقطہ نظر صحیح ہے کیونکہ شیخ نے شاگرد کو یہ حدیث بتا تو دی ہے لیکن اس حدیث میں کوئی ایسی خامی موجود ہے جس کی وجہ سے شیخ نے اس حدیث کی روایت کی اجازت نہیں دی ہے۔ اگر اس حدیث میں یہ خامی موجود نہ ہوتی تو شیخ اس حدیث کو روایت کرنے کی اجازت دے دیتا۔
"اعلام" کو بیان کرنے کے لئے یہ الفاظ کہے جاتے ہیں، "اعلمنی شیخی بکذا" یعنی "میرے استاذ نے مجھے اس حدیث کے بارے میں مطلع کیا۔

وصیت

وصیت کی صورت یہ ہے کہ ایک شیخ مرتے ہوئے یا کسی طویل سفر پر جاتے ہوئے کسی شخص کو اپنی حدیث کی ڈائری دینے کی اجازت دے جائے۔

بعض اہل علم کے نزدیک اس ڈائری کی احادیث کو روایت کرنا جائز ہے۔ یہ نقطہ نظر درست نہیں۔ دیگر اہل علم اس ڈائری کی احادیث کو روایت کرنے کو درست نہیں سمجھتے کیونکہ شیخ نے ڈائری اس شخص کو دینے کی وصیت کی ہوتی ہے، روایت کرنے کی اجازت نہیں دی ہوتی۔ یہی نقطہ نظر درست ہے۔

وصیت کو ان الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے، "اوصی الی فلان بکذا" یعنی "انہوں نے فلاں کے لئے یہ وصیت کی" یا "حدثنی فلان وصیۃ" یعنی "فلاں استاذ نے وصیت کے ذریعے یہ حدیث مجھ تک منتقل کی۔

وجادہ

وجادہ، وجد کا مصدر ہے اور اس کا مطلب ہے کسی چیز کو پانا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک طالب علم کو شیخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا حدیث کا کوئی نسخہ مل جائے اور وہ طالب علم شیخ کی تحریر کو پہچانتا ہو۔ ایسی صورت میں اس نے حدیث کو نہ تو براہ راست سنا ہوتا ہے اور نہ ہی اسے حدیث کو شیخ سے روایت کرنے کی اجازت ملی ہوتی ہے۔

وجادہ کے ذریعے روایت، منقطع حدیث کی طرح ہوتی ہے لیکن اس میں ایک قسم کا اتصال پایا جاتا ہے۔ اس کو ادا کرنے کے لئے یہ الفاظ ادا کئے جاتے ہیں، "وجدت بخط فلان او قرات بخط فلان کذا" یعنی "مجھے فلاں کی تحریر ملی ہے یا میں نے فلاں کی تحریر پڑھی ہے اور اس میں یہ لکھا ہے۔ اس کے بعد وہ اسناد اور متن کو نارمل انداز میں بیان کرتا ہے۔

نوٹ: بیسویں صدی میں وجادہ کے ذریعے بہت سے قدیم مخطوطات دریافت ہوئے ہیں۔ مخطوطہ دور قدیم کی قلمی تحریر کو کہتے ہیں۔ مخطوطے عام طور پر آثار قدیمہ یا لوگوں کے نوادرات کے ذاتی ذخیرے سے دستیاب ہوا کرتے ہیں۔

ان مخطوطوں کے صحیح ہونے کو پرکھنے کے لئے ریڈیو کاربن ٹیسٹ کا استعمال کیا جاتا ہے تاکہ ان مخطوطوں کا صحیح دور معلوم کیا جا سکے۔ کاربن ٹیسٹ کے علاوہ مخطوطے کے متن میں بھی بعض شواہد پائے جاتے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ کس دور کا ہے۔

مثال کے طور پر مصنف کی تحریر کے اگر دوسرے نمونے بھی پائے جاتے ہوں تو اس مخطوطے کو ان سے ملا کر دیکھا جاتا ہے۔ یا پھر اس مخطوطے کے اقتباسات اگر اس دور کی دیگر تصانیف میں پائے جاتے ہوں تو اس مخطوطے کو ان اقتباسات سے ملا کر دیکھا جاتا ہے۔ ان طریقوں سے یقین کی حد تک یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ مخطوطہ اصلی ہے۔

اس کی ایک مثال صحیفہ ہمام بن منبہ ہے۔ ہمام بن منبہ رحمہ اللہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے اور انہوں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث سن کر انہیں ایک صحیفے میں لکھ لیا تھا۔ یہی احادیث بعد میں امام بخاری، مسلم اور احمد بن حنبل نے اپنی کتب میں درج کیں۔ ہمام بن منبہ کا صحیفہ بہت بعد میں دریافت ہوا۔ ڈاکٹر حمید اللہ جیسے لوگوں نے اس کی احادیث کا بخاری، مسلم اور احمد کی متعلقہ احادیث سے موازنہ کیا تو انہیں سوائے چھوٹی موٹی کتابت کی غلطی کے اور کوئی فرق نہ مل سکا۔

راوی حدیث کا بھول کے سبب احتراز کرنے کا بیان

25- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ

الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ قُلْنَا لِزَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ حَدِّثْنَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَبِرْنَا وَنَسِیْنَا وَالْحَدِیْثُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَدِیْدٌ .

عبدالرحمن بن ابولیلیٰ بیان کرتے ہیں: ہم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کوئی احادیث بیان کیجیے تو انہوں نے ارشاد فرمایا: ہم بوڑھے ہو گئے ہیں اور ہم بھول بھی جاتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے حدیث بیان کرنا مشکل ہے (یعنی اس میں الفاظ میں احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے)

26- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَیْرٍ حَدَّثَنَا اَبُو النَّضْرِ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِی السَّفَرِ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِیَّ یَقُوْلُ جَالَسْتُ ابْنَ عُمَرَ سَنَةً فَمَا سَمِعْتُهُ یُحَدِّثُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَیْئًا

امام شعبی بیان کرتے ہیں: میں ایک سال تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا میں نے انہیں کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کوئی چیز بیان کی ہو۔

حدیث کو تحریر کرنے کا حکم

صحابہ و تابعین میں حدیث کو تحریر کرنے کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض صحابہ جیسے سیدنا ابن عمر، ابن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اس کام کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بعض دیگر صحابہ و تابعین جیسے سیدنا عبداللہ بن عمرو، انس اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم کے نزدیک ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

بعد کے ادوار میں یہ اختلاف رائے ختم ہو گیا اور مسلمانوں کے تمام اہل علم نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ احادیث کو لکھ لینا چاہیے تاکہ ان کا یہ ذخیرہ ضائع نہ ہو جائے۔

احادیث لکھنے کے بارے میں اختلاف رائے کی وجوہات

صحابہ کے مابین اس اختلاف کی وجہ اس بارے میں مختلف احادیث تھیں۔ مثال کے طور پر:

مسلم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "مجھ سے سن کر قرآن کے سوا کوئی اور بات نہ لکھا کرو۔ جس نے قرآن کے علاوہ اب تک کچھ اور لکھا ہے، وہ اسے مٹا دے۔"

بخاری و مسلم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "ابوشاہ کو یہ باتیں لکھ کر دے دو۔"

اس کے علاوہ کچھ اور احادیث بھی موجود ہیں جن میں آپ نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو احادیث لکھنے کی اجازت دے دی۔

25: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

26 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 7267' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 5006' ورقم الحدیث: 5007

احادیث لکھنے سے منع کرنے اور اجازت دینے کی تطبیق

اہل علم نے دونوں قسم کی احادیث، جن میں حدیث لکھنے سے منع کیا گیا ہے یا حدیث لکھنے کی اجازت دی گئی ہے، کو اکٹھا کر کے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ لکھنے کی اجازت اس شخص کے لئے تھی جسے احادیث کے بھول جانے کا خدشہ تھا۔ جو شخص اچھی یادداشت کا مالک تھا، اسے لکھنے سے منع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ تحریر پر ہی تکیہ نہ کرنے لگ جائے۔

دیگر اہل علم کا یہ خیال ہے کہ شروع میں حدیث لکھنے سے اس وجہ سے منع فرمایا گیا کہ اس وقت قرآن کی تحریر کا کام جاری تھا اور یہ خدشہ تھا کہ قرآن اور حدیث خلط ملط نہ ہو جائیں۔ جب یہ خدشہ نہ رہا تو اس کے بعد حدیث لکھنے کی اجازت بھی دے دی گئی۔ اس وجہ سے حدیث لکھنے کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے۔

نوٹ: یہ دوسرا نقطہ نظر ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس معاشرے میں اہم باتوں کو لکھ لینے کا زیادہ رواج موجود نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قرآن مجید کی تدوین کا جو کام شروع کر رکھا تھا، وہ عربوں کے لئے ایک نئی چیز تھی۔ چونکہ یہ لوگ تحریر کرنے، کاغذات اور دیگر مواد کو الگ الگ کرنے اور اسے محفوظ کرنے کے بہت زیادہ عادی نہ تھے، اس وجہ سے یہ خطرہ تھا کہ اگر قرآن کے علاوہ کچھ اور بھی لکھا جائے گا تو یہ کہیں قرآن میں شامل نہ ہو جائے۔

جب قرآن مجید کی تدوین کا کام بڑی حد تک مکمل ہو گیا اور اس کی ایک باقاعدہ جلد تیار کر لی گئی تو یہ خطرہ نہ رہا کہ قرآن و حدیث خلط ملط ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے اب حدیث رسول کو لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔

حدیث کو تحریر کرنے والے کاتب کو ان امور کا خیال رکھنا چاہیے

وہ فن تحریر کا ماہر ہو یعنی حروف کی شکلوں اور نقاط کو اچھی طرح پہچانتا ہو تاکہ حدیث کو پڑھنے اور لکھنے میں غلطی نہ کر بیٹھے۔

اسے عبارت لکھنے کے رموز اور علامات (جیسے کامہ، فل اسٹاپ) سے اچھی طرح واقف ہونا چاہیے تاکہ وہ یہ جان سکے کہ ایک علامت سے پہلے اور بعد میں کیا لکھا ہوا ہے۔

وہ تحریر کے مشہور اور رائج قواعد کے مطابق تحریر لکھے کیونکہ اگر وہ اپنے ہی قواعد ایجاد کرے گا تو دوسرے لوگ اسے سمجھ نہ سکیں گے۔

جہاں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکر مبارک آئے، وہ وہاں آپ پر درود و سلام بھی لکھے اور اس کی تکرار سے اکتائے نہیں۔

اسی طرح جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر آئے وہاں وہ اس کی حمد و ثنا بیان کرے جیسے "عز و جل"۔ اسی طرح صحابہ اور علماء کا ذکر کرتے ہوئے 'رضی اللہ عنہ' اور 'رحمۃ اللہ علیہ' لکھنا نہ بھولے۔

بعض لوگ ان سب کو اختصار سے لکھتے ہیں جیسے 'صلی اللہ علیہ والہ وسلم' کی جگہ صرف 'ص' یا 'صلعم' لکھ دیتے ہیں۔ یہ ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔

احادیث کا اصل ماخذ سے موازنہ

حدیث کو لکھ لینے کے بعد کاتب کو چاہیے کہ وہ اس حدیث کا اپنے شیخ کی اصل کتاب سے موازنہ بھی کر لے اگرچہ اسے شیخ سے حدیث روایت کرنے کے لئے اجازت بھی مل چکی ہو۔ یہ تقابل اس طریقے سے ہونا چاہیے کہ لکھنے والا شخص اپنی اور شیخ کی تحریر کو آمنے سامنے رکھ کر موازنہ کرے۔ وہ اپنی تحریر پڑھ کر سنائے اور دوسرا ثقہ شخص شیخ کی کتاب کا اس سے موازنہ کرتا چلا جائے۔

نوٹ: ان تمام احتیاطی تدابیر کا تعلق اس بات سے ہے کہ حدیث کو روایت کرنے میں کوئی غلطی نہ ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے کیونکہ یہ معاملہ بہت ہی نازک ہے۔ اگرچہ یہ تمام احتیاطی تدابیر اس وقت ایجاد کی گئیں جب احادیث کی تدوین کا عمل جاری تھا۔ لیکن موجودہ دور میں بھی حدیث کی کسی کتاب سے حدیث نقل کرتے ہوئے یہی احتیاط ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے تاکہ غلطیوں کو کم سے کم کیا جاسکے۔

کتب حدیث میں استعمال ہونے والی بعض اصطلاحات

حدیث کو نقل کرنے کے طریقے کو بیان کرنے کے لئے حدیث کی اکثر کتابوں میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اس کی بعض صورتیں یہ ہیں: حدثنا' کو 'ثنا' یا صرف 'نا' لکھا جاتا ہے۔ 'اخبرنا' کو 'انا' یا 'ارنا' لکھا جاتا ہے۔

ایک سند کے بعد دوسری سند شروع کرتے ہوئے 'ح' لکھا جاتا ہے۔ بعض اوقات محض اختصار کے لئے لفظ 'قال' کو حذف کر دیا جاتا ہے اگرچہ یہ غلط ہے۔ مثال کے طور پر یوں لکھا جاتا ہے، "حدثنا عبداللہ بن یوسف اخبرنا مالک" یعنی "عبداللہ بن یوسف نے ہم سے یہ حدیث بیان کی، مالک نے ہمیں خبر دی"۔ اس کو اس طرح سے پڑھنا چاہیے "حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک" یعنی "عبداللہ بن یوسف نے ہم سے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ مالک نے انہیں خبر دی۔" اسی طرح بعض مواقع پر اختصار کے لئے لفظ "انہ" کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

احادیث میں کمی وبیشی کرنے کی ممانعت کا بیان

27- حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَاَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ اِنَّمَا كُنَّا نَحْفَظُ الْحَدِيثَ وَالْحَدِيثُ يُحْفَظُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا اِذَا رَكِبْتُمُ الصَّعْبَ وَالذَّلُولَ فَهَيْهَاتَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم لوگ احادیث یاد کیا کرتے تھے اور حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہی محفوظ کی جاتی ہے' لیکن جب تم لوگ اس میں افراط وتفریط کرنے لگے (یعنی غیر مستند روایات بھی بیان کرنے لگے) تو پھر اب مشکل ہو جائے گی۔

---

27 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 20

روایت حدیث کے طریق کار کی وضاحت

اس عنوان کا معنی یہ ہے کہ حدیث کو روایت کرنے کی کیفیت، آداب اور طریق کار کو بیان کیا جائے جس پر عمل کرنا ایک حدیث روایت کرنے والے کے لئے ضروری ہے۔ اس ضمن میں ضروری بحث گزر چکی ہے۔ مزید تفصیلات یہ ہیں۔

نوٹ: یہاں جو مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان کا تعلق اس دور سے ہے جب حدیث کی کتابیں مدون نہ ہوئی تھیں۔ انہیں بیان کرنے کے دو مقاصد ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس دور میں حدیث کی روایت میں کی گئی احتیاط کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اور دوسرے یہ کہ کتب حدیث میں موجود احادیث کو پرکھتے وقت یہ دیکھا جا سکے کہ کوئی حدیث ان شرائط پر پورا اترتی ہے یا نہیں؟

اگر راوی نے حدیث کو حفظ نہ کیا ہو تو کیا محض کتاب سے پڑھ کر اسے روایت کرنا درست ہے؟

اس بارے میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے۔ بعض اہل علم نے اس معاملے میں بہت سخت رویہ اختیار کیا ہے اور بعض نے بہت نرم۔ اس کے علاوہ اس میں معتدل نقطہ نظر بھی پایا جاتا ہے۔

بعض اہل علم جیسے امام ابوحنیفہ، مالک اور ابوبکر الصید لانی الشافعی نے اس ضمن میں سخت رویہ اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک صرف اسی راوی سے حدیث روایت کرنا درست ہے جس نے حدیث کو زبانی یاد کر رکھا ہو۔

بعض اہل علم جیسے ابن لہیعہ نے نرم رویہ اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک کسی نسخے سے بغیر اصل سے موازنہ کیے روایت کرنا درست ہے۔

اہل علم کی اکثریت نے اس معاملے میں اعتدال کا رویہ اختیار کیا ہے۔ ان کے نقطہ نظر کے مطابق اگر کسی شخص نے کتاب میں دیکھ کر روایت کرنے کی شرائط کو پورا کر رکھا ہو اور اس کی کتاب بعد میں گم ہو جائے اور اس شخص کا حافظہ اتنا مضبوط ہو کہ غالب گمان کے مطابق اس نے حدیث کو بغیر تغیر و تبدل کے محفوظ کر رکھا ہو (تو اس کی روایت کو درست سمجھا جائے گا۔)

نابینا شخص کی روایت حدیث کا حکم

اگر کوئی نابینا شخص جو حدیث کو محض سن کر حفظ نہیں کر سکتا، اگر حدیث کو لکھنے میں کسی ایسے شخص کی مدد لیتا ہے جو ثقہ ہو، سن کر ٹھیک ٹھیک حدیث کو لکھ کر محفوظ کر سکے اور اس کے بعد نابینا شخص کو صحیح صحیح حدیث پڑھ کر بھی سنا سکے تو اہل علم کی اکثریت کے نزدیک اس کی روایت قابل قبول ہے۔ یہی معاملہ اس آنکھوں والے شخص کا ہے جو پڑھنے لکھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

حدیث کی روایت بالمعنی اور اس کی شرائط

قدیم اہل علم میں حدیث کو بالمعنی روایت کرنے کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ فقہ، اصول فقہ اور حدیث کے بعض ماہرین جیسے ابوبکر رازی اور ابن سیرین نے اس طریقے سے منع کیا ہے لیکن انہی فقہ، اصول فقہ اور حدیث کے قدیم و جدید ماہرین کی اکثریت نے حدیث کے مفہوم کو روایت کرنے کو درست قرار دیا ہے۔ یہی نقطہ نظر ائمہ اربعہ یعنی ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ کا ہے۔ ان کی شرط یہ ہے کہ روایت بالمعنی اسی صورت میں جائز ہے اگر روایت کرنے والا حدیث کو اپنے

الفاظ میں بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

بعض دیگر اہل علم کا یہ نقطہ نظر ہے کہ روایت بالمعنی اسی صورت میں جائز ہے جب راوی حدیث کے الفاظ اوران کے معانی سے اچھی طرح واقف ہو اوراس کے ساتھ ساتھ لفظ میں معمولی تبدیلیوں سے معانی کے تبدیل ہوجانے کو اچھی طرح جانتا ہو۔

یہ تمام بحث ان احادیث کے بارے میں ہے جنہیں کسی کتاب میں تصنیف نہ کیا گیا ہو۔ جو احادیث کتب حدیث میں درج ہو چکی ہیں انہیں معنوی انداز میں روایت کرنا اب درست نہیں ہے۔ ان احادیث کے الفاظ کو بھی ہم معنی الفاظ سے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ روایت بالمعنی کا جواز اسی وجہ سے ہے کہ ایک راوی کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہ لفظ بلفظ کسی حدیث کو یاد رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ مفہوم کو یاد رکھ کر اسے روایت کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اگر حدیث لکھی جا چکی ہو تو پھر یہ مسئلہ باقی نہیں رہتا اس وجہ سے لکھی ہوئی حدیث کو بالمعنی روایت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جو شخص حدیث کو بالمعنی روایت کر رہا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ حدیث مکمل کرنے کے بعد یہ الفاظ کہے، "یا جیسا حضور نے فرمایا" یا "آپ نے اس سے ملتی جلتی بات ارشاد فرمائی"۔

نوٹ: روایت بالمعنی کا اصول درست ہے کیونکہ عملاً یہ بہت ہی مشکل کام ہے کہ کسی بات کو جن الفاظ میں سنا جائے، اسے انہی الفاظ میں کسی اور کے سامنے بیان کیا جائے۔ بات کے مفہوم کو اگر سننے والا اچھی طرح سمجھ لے تو اسے اپنے الفاظ میں آگے بیان کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ بلفظ روایت کی جانے والی احادیث کی تعداد بہت کم ہے۔

روایت بالمعنی میں بعض اوقات کسی راوی کی غلط فہمی کے باعث بات تبدیل ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے روایت کے ساتھ ساتھ درایت کے اصول بھی ایجاد کیے ہیں تا کہ راویوں کی غلط فہمی سے پیدا ہونے والے مسائل کا جائزہ لیا جا سکے۔

حدیث میں لحن اوراس کے اسباب

حدیث میں لحن، کا معنی ہے حدیث کو پڑھنے میں غلطی کرنا۔ اس کی دو بڑی وجوہات ہیں۔

عربی زبان اوراس کی گرامر سے عدم واقفیت: حدیث کے طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان اوراس کی گرامر کو اتنا سیکھ لے جس سے وہ حدیث کو پڑھنے میں غلطی سے محفوظ رہ سکے۔ خلیب بغدادی، حماد بن سلمۃ کا قول نقل کرتے ہیں کہ "جو شخص حدیث کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ عربی زبان سے واقف نہیں ہے تو وہ اس گدھے کی طرح ہے جس نے جو کی خالی بوری اٹھا رکھی ہے۔ (تدریب الراوی ج2 ص106)

کسی استاذ کے بغیر حدیث کی کتاب سے حدیث حاصل کرنے کی کوشش

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حدیث کو استاذ سے حاصل کرنے کے کئی طریقے ہیں اوران میں بعض طریقے، دیگر کی نسبت زیادہ بہتر ہیں۔ ان میں سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ حدیث کو استاذ کے الفاظ میں سنا جائے۔ حدیث کے طالب علم کے لئے لازم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث کو اہل علم اور محققین کی زبان سے سنے تا کہ وہ پڑھنے کی غلطیوں سے محفوظ رہ سکے۔

ایک طالب حدیث کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ محض کتابوں اور صحیفوں پر اعتماد کرتے ہوئے احادیث روایت کرنے لگ جائے کیونکہ لکھنے میں بھی غلطیاں موجود ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم اہل علم کہا کرتے تھے، "میری ذاتی ڈائری سے قرآن یا حدیث کو نقل نہ کیا کرو۔

احادیث بیان کرنے میں احتیاط کرنے کا بیان

28- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ قَرَظَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ بَعَثَنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِلَى الْكُوفَةِ وَشَيَّعَنَا فَمَشٰى مَعَنَا اِلٰى مَوْضِعٍ يُقَالُ لَهُ صِرَارٌ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ لِمَ مَشَيْتُ مَعَكُمْ قَالَ قُلْنَا لِحَقِّ صُحْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِحَقِّ الْاَنْصَارِ قَالَ لٰكِنِّيْ مَشَيْتُ مَعَكُمْ لِحَدِيْثٍ اَرَدْتُ اَنْ اُحَدِّثَكُمْ بِهٖ وَاَرَدْتُ اَنْ تَحْفَظُوْهُ لِمَمْشَايَ مَعَكُمْ اِنَّكُمْ تَقْدَمُوْنَ عَلٰى قَوْمٍ لِلْقُرْاٰنِ فِيْ صُدُوْرِهِمْ هَزِيْزٌ كَهَزِيْزِ الْمِرْجَلِ فَاِذَا رَاَوْكُمْ مَدُّوْا اِلَيْكُمْ اَعْنَاقَهُمْ وَقَالُوْا اَصْحٰبُ مُحَمَّدٍ فَاَقِلُّوا الرِّوَايَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا شَرِيْكُكُمْ

قرظہ بن کعب بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہمیں کوفہ بھیجا ہمیں الوداع کہنے کے لیے وہ ہمارے ساتھ چل کر آئے وہ ہمارے ساتھ چلتے ہوئے اس جگہ تک آئے جس کا نام "صرار" ہے انہوں نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ چل کر کیوں آیا ہوں؟ راوی کہتے ہیں: ہم نے کہا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کے حق اور انصار کے حق کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا ہے' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ اس لیے چل کر آیا ہوں' کیونکہ ایک حدیث ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ میں تمہارے سامنے بیان کر دوں' اور میں نے یہ بھی چاہا کہ میرے تمہارے ساتھ چلنے کی وجہ سے تم اسے یاد رکھو' تم لوگ ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جن کے سینوں میں قرآن یوں جوش مار رہا ہے' جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے' جب وہ لوگ تمہیں دیکھیں گے تو وہ تمہاری طرف مکمل طور پر متوجہ ہو جائیں گے اور وہ یہ کہیں گے: یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں' تو تم ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کم روایات بیان کرنا' میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔

29- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ صَحِبْتُ سَعْدَ بْنَ مَالِكٍ مِّنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَمَا سَمِعْتُهٗ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَدِيْثٍ وَّاحِدٍ

حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں: میں مدینہ منورہ سے مکہ تک حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا' میں نے انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کوئی ایک بھی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنا۔

---

28. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

29. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

طلب حدیث کے لئے سفر کرنے کا بیان

ہمارے اسلاف نے حدیث کو حاصل کرنے کے لئے جو محنت کی، اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔ انہوں نے حدیث کو جمع کر کے اسے محفوظ کرنے کے لئے جس قدر کاوشیں کی اور اپنا قیمتی وقت صرف کیا، اس کو بیان کرتے ہوئے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ایک شخص اپنے شہر کے اہل علم سے احادیث جمع کرنے کے بعد قریب اور دور کے شہروں کا سفر کرتا تاکہ وہ ان شہروں کے اساتذہ سے احادیث حاصل کر سکے۔ اس کام کے لئے وہ لوگ سفر کی مشقتیں برداشت کرتے اور اپنی زندگی کا عیش و آرام چھوڑ دیتے۔

خطیب بغدادی نے اس ضمن میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "الرحلۃ فی طلب الحدیث"۔ اس میں انہوں نے صحابہ، تابعین اور بعد کے ادوار کے اہل علم کے سفروں کی تفصیلات لکھی ہیں جو انہوں نے حدیث جمع کرنے کے لئے کئے۔ انہیں پڑھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ جو شخص عزیمت کی ان داستانوں کو پڑھنا چاہے، وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرے کیونکہ یہ کتاب طالبین علم کے عزائم کو تقویت دے گی، ان کی ہمت بڑھائے گی اور ان کی پریشانیوں کو دور کرے گی۔

نوٹ: ٹرانسپورٹ اور کمیونیکیشن کے اس دور میں اس دور کے سفر کی مشقتوں کا اندازہ لگانا مشکل ہے جب لوگ ہزاروں کلومیٹر کا سفر گھوڑوں اور اونٹوں پر کیا کرتے تھے جن پر ایک دن میں بمشکل تیس چالیس کلومیٹر کا فاصلہ طے ہوتا۔ راتوں کو جنگلوں اور صحراؤں میں پڑاؤ کرنا پڑتا۔ دوسرے شہر پہنچنے پر ایسے لگژری ہوٹل بھی دستیاب نہ ہوا کرتے تھے جہاں انسان آرام سے رہ سکے۔ تمدن کی یہ ترقیاں بہت بعد کے دور میں وقوع پذیر ہوئیں۔

موجودہ دور میں جب سفر بہت آسان ہے، علم کے طالبین کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے۔ موجودہ دور میں حدیث کے حصول کے لئے بلکہ دین کو سمجھنے کے لئے سفر کر کے اہل علم کے پاس جانا چاہیے۔

بَابُ: التَّغْلِيظِ فِيْ تَعَمُّدِ الْكَذِبِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب نبی کریم ﷺ کے حوالے سے جان بوجھ کر جھوٹی بات بیان کرنے کی شدید مذمت کے بیان میں ہے

حدیث میں جھوٹ ملانے کے سبب جہنم کی وعید کا بیان

30- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ وَاِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُوْسٰى قَالُوْا حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

30 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

◆◆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص جان بوجھ کر میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے وہ جہنم میں اپنی مخصوص جگہ پر پہنچنے کے لیے تیار رہے۔

روایت حدیث میں احتیاط

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جھوٹ کے قریب جانا تو ابعد الابعاد تھا وہ تو اس حدیث کی روایت میں بھی بڑی احتیاط کرتے تھے جو انہوں نے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سنی تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جو مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

ان کی آنکھوں کے سامنے تھا جس کا خوف انہیں بسا اوقات اصل حدیث کی روایت میں بھی محتاط کر دیتا تھا۔

انس رضی اللہ عنہ جو اصحاب مکثرین میں سے ہیں روایت حدیث میں اپنی احتیاط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مجھے تم سے بکثرت حدیثیں بیان کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان روکتا ہے کہ جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے (صحیح بخاری، ج1، ص:21 صحیح مسلم، ج1، ص:7)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم جناب زبیر رضی اللہ عنہ سے عرض کرتے ہیں کہ میں نہیں سنتا کہ آپ بھی "اتنی کثرت سے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرتے ہوں جیسا کہ فلاں اور فلاں بیان کرتا ہے، وہ فرمانے لگے: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا تو نہیں ہوا لیکن میں نے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:"جو مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے اس کا ٹھکانہ آگ ہے۔ (صحیح بخاری، ج1، ص:12)

معروف تابعی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں کہ (میں نے اس مسجد میں ایک سو بیس صحابہ کو پایا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی حدیث بیان کرنے کو تیار نہ ہوتا بلکہ ہر ایک کی خواہش ہوتی تھی کہ کوئی دوسرا بھائی بیان کرو۔ (سنن دارمی)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا کہ خود حدیث روایت کرنے میں احتیاط سے کام لیتے اسی طرح کسی دوسرے سے یعنی روایت لینے میں پوری احتیاط کرتے تھے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست کوئی حدیث سنتا تو اللہ مجھے اس حدیث سے جو نفع پہنچانا چاہتا پہنچا دیتا اور جب کوئی غیر مجھ سے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے قسم اٹھواتا اگر وہ قسم اٹھالیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا۔ (مسند احمد، ج1، ص:2)

31- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ وَاِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُوْسٰى قَالَا حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكْذِبُوْا عَلَيَّ فَاِنَّ الْكَذِبَ عَلَيَّ يُوْلِجُ النَّارَ

◆◆ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: میری طرف جھوٹی بات منسوب نہ کرو

31. اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 106' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2060' ورقم الحدیث: 3715

کیونکہ میری طرف جھوٹی بات منسوب کرنا جہنم میں داخل کر دے گا۔

شرح

آخر حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کو منسوب کرنے پر نہایت سخت الفاظ میں زجر و توبیخ فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ جو آدمی میری طرف کسی غلط بات کا انتساب کرتا ہے اور مجھ پر بہتان باندھتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ جہنم کی آگ میں جلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اس لئے کہ ایسا بد بخت جو دنیا کی سب سے بڑے صادق و مصدوق ہستی پر بہتان باندھتا ہے وہ اسی سزا کا مستحق ہے کہ اسے جہنم کے شعلوں کے حوالے کر دیا جائے۔

اس بارے میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے علماء متفقہ طور پر یہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کی طرف کسی ایسی بات یا ایسے عمل کی نسبت کرنا جو واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور ایسا کاذب انسان اللہ کے سخت عذاب میں گرفتار کیا جائے گا اور بعض علماء مثلاً امام محمد جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس جرم کو اتنا قابل نفرت اور سخت خیال کیا ہے کہ وہ ایسے آدمی کے بارے میں کفر کا حکم لگاتے ہیں۔ حدیث من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار "یعنی جو آدمی قصداً میری طرف جھوٹ بات کی نسبت کرے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بڑے پایہ اور اونچے درجہ کی حدیث ہے اور اس کا شمار متواترات میں ہوتا ہے بلکہ دوسری متواتر حدیثیں اس کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی ہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث کو صحابہ کی ایک بہت بڑی جماعت نقل کرتی ہے چنانچہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو باسٹھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

32- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ حَسِبْتُهُ قَالَ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

◄► حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے (راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے) حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں جان بوجھ کر (جھوٹی بات منسوب کرے) تو وہ جہنم میں اپنے ٹھکانہ تک پہنچنے کے لئے تیار رہے۔

33- حَدَّثَنَا أَبُو خَيْثَمَةَ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

◄► حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرتا ہے وہ جہنم میں اپنی مخصوص جگہ پر پہنچنے کے لئے تیار رہے۔

---

32 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

33 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح

مطلب یہ کہ اگر کوئی آدمی کسی ایسی حدیث کو لوگوں کے سامنے بیان کرے اور اس کی اشاعت کرے جو واقعۃً میری حدیث نہیں ہے اور پھر اس کو یہ معلوم بھی ہو کہ میں جو حدیث بیان کر رہا ہوں وہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نہیں ہے بلکہ وضع کی گئی ہے تو وہ آدمی جس نے یہ جھوٹی حدیث وضع کی ہے اس لئے جھوٹا ہے کہ اس نے ذات رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف غلط اور جھوٹ بات کی نسبت کی ہے تو یہ آدمی بھی جو اس حدیث کو بیان کر رہا ہے اس لئے جھوٹا اور کذاب ہے کہ وہ اشاعت کر کے اور یہ جان کر بھی کہ یہ غلط حدیث ہے دوسروں تک پہنچا کر اس آدمی کی مدد کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح جھوٹی حدیث بنانے والا اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوگا اسی طرح اس کو بیان کرنے والے سے بھی آخرت میں مواخذہ کیا جائے گا اور اسے سخت سزا دی جائے گی۔

34- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَقَوَّلَ عَلَیَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

●● حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "جو شخص میری طرف منسوب کر کے کوئی ایسی بات کہے' جو میں نے نہ کہی ہو تو وہ جہنم میں اپنی مخصوص جگہ پر پہنچنے کے لیے تیار رہے"۔

35- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَعْلَى التَّيْمِیُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلٰى هٰذَا الْمِنْبَرِ اِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَدِيْثِ عَنِّیْ فَمَنْ قَالَ عَلَیَّ فَلْيَقُلْ حَقًّا اَوْ صِدْقًا وَمَنْ تَقَوَّلَ عَلَیَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

●● حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو اس منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: "میرے حوالے سے بکثرت احادیث بیان کرنے سے بچنا کیونکہ جو شخص میری طرف منسوب کر کے کوئی بات کہے' وہ حق یا سچی بات کہے اور جو شخص میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے گا' جو میں نے نہ کہی ہو' تو وہ جہنم میں اپنی مخصوص جگہ پر پہنچنے کے لیے تیار رہے"۔

36- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ اَبِیْ صَخْرَةَ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ لِلزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ

34 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

35 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

36 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 107' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3651

تحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا اَسْمَعُ ابْنَ مَسْعُوْدٍ وَّفُلَانًا مَا لِي لَا اَسْمَعُكَ
وَّفُلَانًا قَالَ اَمَا اِنِّي لَمْ اُفَارِقْهُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلٰكِنِّي سَمِعْتُهُ كَلِمَةً يَقُوْلُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا
فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

عامر بن عبداللہ بن زبیر اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے اپنے والد حضرت زبیر سے کہا: جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرتے ہیں: اس طرح میں نے کبھی آپ کو کوئی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنا تو انہوں نے جواب دیا: میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے دُور نہیں رہا لیکن میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جو شخص کوئی جھوٹی بات مجھ سے منسوب کرتا ہے وہ جہنم میں اپنے ٹھکانے تک پہنچنے کے لیے تیار رہے۔''

37- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے وہ جہنم میں اپنے مخصوص مقام پر پہنچنے کے لیے تیار رہے۔

بَابُ: مَنْ حَدَّثَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا وَّهُوَ يَرٰى اَنَّهٗ كَذِبٌ

یہ باب اس شخص کے بیان میں ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کوئی حدیث بیان کرے اور وہ یہ جانتا ہو کہ وہ بات جھوٹ ہے

روایت حدیث اور جھوٹ سے بچنے کا بیان

38- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ هَاشِمٍ عَنِ ابْنِ اَبِي لَيْلٰى عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي لَيْلٰى عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَدَّثَ عَنِّي حَدِيْثًا وَّهُوَ يَرٰى اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''جو شخص میرے حوالے سے کوئی ایسی بات بیان کرے جس کے بارے میں وہ یہ جانتا ہو کہ وہ جھوٹی بات ہے تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہوگا''۔

39- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ

---

37 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

38 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

39 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث:1

جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَدَّثَ عَنِّیْ حَدِيْثًا وَّهُوَ يَرٰی اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص میرے حوالے سے کوئی حدیث بیان کرے اور وہ یہ جانتا ہو کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے (یا وہ بات جھوٹی ہے) تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہوگا۔

شرح

مطلب یہ کہ اگر کوئی آدمی کسی ایسی حدیث کو لوگوں کے سامنے بیان کرے اور اس کی اشاعت کرے جو واقعتہً میری حدیث نہیں ہے اور پھر اس کو یہ معلوم بھی ہو کہ میں جو حدیث بیان کر رہا ہوں وہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے بلکہ وضع کی گئی ہے تو وہ آدمی جس نے یہ جھوٹی حدیث وضع کی ہے اس لئے جھوٹا ہے کہ اس نے ذات رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط اور جھوٹ بات کی نسبت کی ہے تو یہ آدمی بھی جو اس حدیث کو بیان کر رہا ہے اس لئے جھوٹا اور کذاب ہے کہ وہ اشاعت کرکے اور یہ جان کر بھی کہ یہ غلط حدیث ہے دوسروں تک پہنچا کر اس آدمی کی مدد کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح جھوٹی حدیث بنانے والا اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوگا اسی طرح اس کو بیان کرنے والے سے بھی آخرت میں مواخذہ کیا جائے گا اور اسے سخت سزا دی جائے گی۔

40- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ عَلِیٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَوٰی عَنِّیْ حَدِيْثًا وَّهُوَ يَرٰی اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ ،حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ اَنْبَاَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوْسَى الْاَشْيَبُ عَنْ شُعْبَةَ مِثْلَ حَدِيْثِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ،

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص میرے حوالے سے کوئی حدیث بیان کرے اور وہ یہ بات جانتا ہو کہ یہ بات جھوٹ ہے' تو وہ شخص بھی ان جھوٹوں میں سے ایک ہوگا۔ یہ روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے۔

41- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ اَبِیْ ثَابِتٍ عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ اَبِیْ شَبِيْبٍ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَدَّثَ عَنِّیْ بِحَدِيْثٍ وَّهُوَ يَرٰی اَنَّهٗ كَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْكَاذِبِيْنَ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جو شخص میرے حوالے سے کوئی حدیث بیان کرے اور وہ یہ جانتا ہو کہ یہ بات جھوٹی ہے' تو وہ شخص بھی جھوٹوں میں سے ایک ہوگا۔

41 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 1' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2662

بَابُ: اِتِّبَاعِ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ

یہ باب ہدایت یافتہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اتباع کے بیان میں ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو اپنانے کا بیان

42- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ بَشِيْرِ بْنِ ذَكْوَانَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ اَبِي الْمُطَاعِ قَالَ سَمِعْتُ الْعِرْبَاضَ بْنَ سَارِيَةَ يَقُوْلُ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَظْتَنَا مَوْعِظَةَ مُوَدِّعٍ فَاعْهَدْ اِلَيْنَا بِعَهْدٍ فَقَالَ عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا وَسَتَرَوْنَ مِنْ بَعْدِي اخْتِلَافًا شَدِيْدًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَالْاُمُوْرَ الْمُحْدَثَاتِ فَاِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

◆◆ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلیغ وعظ کیا جس کے نتیجے میں دل لرز اٹھے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' تو عرض کی گئی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا وعظ کیا ہے' جو الوداعی محسوس ہوتا ہے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اہتمام کے ساتھ کوئی تلقین کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور (حاکم وقت) کی اطاعت وفرمانبرداری کرو اگر چہ وہ حکمران کوئی حبشی غلام ہو تم لوگ میرے بعد عنقریب شدید اختلافات دیکھو گے' تو تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقے کی پیروی لازم ہے تم اسے مضبوطی سے تھام لینا اور نئے پیدا ہونے والے امور سے بچنا کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کے لیے سنت کا لفظ

حصین بن المنذر ابوساسان کہتے ہیں کہ جب ولید کو حد مارنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو وہاں میں موجود تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ولید کو کوڑے لگائیں، انہوں نے اپنے بیٹے حضرت حسن سے کہا کہ وہ کوڑے لگائیں؛ انہوں نے عذر کیا تو پھر آپ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ ولید پر حد جاری کریں، حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کوڑے لگاتے جاتے تھے اور حضرت علی گنتے جاتے تھے جب چالیس ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بس! یہیں تک اور فرمایا: "جَلَدَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم اَرْبَعِيْنَ وَجَلَدَ اَبُوْ بَكْرٍ اَرْبَعِيْنَ وَعُمَرُ ثَمَانِيْنَ وَكُلٌّ سُنَّةٌ"۔ (مسلم، باب حد الخمر)

42 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (شراب پینے والے کی) سزا چالیس کوڑوں کا حکم دیا [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible] کوڑوں کا حکم دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی کوڑوں کا حکم دیا اور ان میں سے ہر ایک حکم [illegible]

اس روایت میں جہاں اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عہد خلافت تک [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible] خلفاء ثلاثہ کے ساتھ امور سلطنت میں برابر شریک رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کو [illegible] بات کی بھی پوری تائید ملتی ہے کہ لفظ سنت اس دور میں اکابر صحابہ کے عمل تک کو بھی شامل تھا۔

علامہ خلیل علائی لکھتے ہیں کہ ہمارے امام، شافعی نے [illegible] جس کو ہم نے عبداللہ بن محمد فاریابی سے [illegible] کہا میں نے محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ کو بیت المقدس میں سنا، کہہ رہے تھے، مجھ سے جو چاہو پوچھو، [illegible] کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے دے سکتا ہوں۔ فاریابی کہتے ہیں، میں نے (دل میں) کہا اس شخص میں بڑی جرأت ہے، میں نے پوچھا: اللہ تمہیں صالح کرے، اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو حالت احرام میں زنبور (ڈنبو) کو قتل کر دے؟ [illegible] جواب دینے لگے۔ جی ہاں، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے: وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا اور رسول تم کو جو دے اُس کو اختیار کرو، اور جس چیز سے روکے اُس سے رک جاؤ۔ اور جبکہ بیان کیا ہم سے سفیان بن عیینہ نے عبدالملک بن عمیر سے اُس نے ربعی سے، اُس نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی سے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما پیروی کرو ان دو میرے بعد والوں کی، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما۔ اور جبکہ بیان کیا ہم سے سفیان نے مسعر سے اُس نے قیس بن مسلم سے، اُس نے طارق بن شہاب سے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حالت احرام والے شخص کو اجازت دی کہ وہ زنبور (ڈنبو) کو مار لے۔ (الاصابہ، ص ۹۸)

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل کے لیے سنت کا لفظ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بھی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل پر لفظ سنت کا اطلاق فرمایا ہے، حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ: "فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔ (ترمذی، باب مَا جَاءَ فِي الْأَخْذِ بِالسُّنَّةِ وَاجْتِنَابِ الْبِدَعِ)

سو جو تم میں سے یہ زمانہ پائے اسے لازم ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو مضبوط پکڑے۔ امت میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل کے لیے سنت کا لفظ عام شائع و ذائع ہے اور امت اپنے قانونی ابواب میں ہمیشہ سے سند تسلیم کرتی آئی ہے۔

سنت کی نسبت دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک عمل کی اطلاع ملی، آپ نے اسے ان الفاظ میں [illegible]

منقول دیا: "إن ابن مسعود سن لكم سنة فاستنوا بها"۔ (مصنف عبدالرزاق)
بیشک ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تمہارے لیے ایک سنت قائم کی ہے، تم اس پر چلو۔ ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ایک عمل کے بارے میں فرمایا: "اِنَّ مُعَاذًا قَدْ سَنَّ لَكُمْ سُنَّةً كَذٰلِكَ فَافْعَلُوا" ۔ (ابو داؤد، باب كَيْفَ الْأَذَانُ)
بیشک معاذ نے تمہارے لیے ایک سنت قائم کردی ہے، اسی طرح تم اس پر عمل کرو۔ اس قسم کی روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح طور پر لفظ سنت دوسرے صحابہ کے لیے استعمال کیا ہے؛ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اکابر صحابہ کے عمل و فیصلے پر سنت کا لفظ بولتے تھے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو مضبوطی سے تھام لینے کا بیان

43- حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ بِشْرِ بْنِ مَنْصُوْرٍ وَّاِسْحٰقُ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ السَّوَّاقُ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ حَبِيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَمْرٍو السُّلَمِيِّ اَنَّهُ سَمِعَ الْعِرْبَاضَ بْنَ سَارِيَةَ يَقُوْلُ وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْعِظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذِهٖ لَمَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ اِلَيْنَا قَالَ قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيْغُ عَنْهَا بَعْدِيْ اِلَّا هَالِكٌ مَّنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرٰى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِمَا عَرَفْتُمْ مِنْ سُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَعَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ وَاِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَاِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْاَنِفِ حَيْثُمَا قِيْدَ انْقَادَ

◄► حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا وعظ کیا جس کے نتیجے میں ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور دل لرز اٹھے ہم نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو الوداعی وعظ محسوس ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیا تلقین کرتے ہیں:؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں ایسی سفیدی (یعنی واضح ہدایت) کو چھوڑ کر جارہا ہوں جس کی رات اس کے دن کی مانند ہے (یعنی وہ ہر اعتبار سے واضح ہے)
میرے بعد اس حوالے سے وہی شخص انحراف کرے گا' جو ہلاکت کا شکار ہونے والا ہوگا۔ تم لوگوں میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا' وہ عنقریب بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا' تو تم پر لازم ہے کہ تمہیں میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی جس سنت کا علم ہو (اسے اختیار کرو) اور اسے مضبوطی سے تھام لو اور تم پر (حاکم وقت) کی اطاعت لازم ہے اگر چہ وہ کوئی حبشی غلام ہو بے شک مومن کی مثال اس اونٹ کی مانند ہے' جس کو نکیل ڈال دی گئی ہو کہ اسے جہاں کہیں بھی لے جایا جاتا ہے وہ اس طرف چلا جاتا ہے۔

عقیدہ ختم نبوت اور خلافت ہونے کا بیان

بنی اسرائیل کی سیاست وقیادت کا فریضہ انبیاء انجام دیا کرتے تھے، جب کوئی نبی دنیا سے رخصت ہوجاتے تو ان کی جگہ

43 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4607' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2676' ورقم الحدیث: 2677

دوسرے نبی آجاتے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، میرے بعد تو خلفاء ہوں گے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۵٦۱)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت یا نبوت کی قائم مقامی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے، اس لحاظ سے نبوت کے بعد اسلام میں یہ سب سے بڑا درجہ ہے اس لئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی سنت اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کی اتباع کرنے کا حکم دیا فرمایا: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین ۔تم پر میری سنت اور میرے بعد میرے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کی اتباع ضروری ہے"، گویا وہ امور جن میں قرآن کریم کا کوئی حکم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ موجود نہ ہو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا قول اور عمل حجت ہوگا اور مسلمانوں پر اس کی اطاعت لازم ہوگی، حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو یہ درجہ اس لئے حاصل ہوا کہ ان کے اندر پیغمبرانہ اوصاف کی اثر پذیری کا عنصر زیادہ تھا، یہاں تک کہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر ان حضرات کا نام لے لے کر اس وصف کو نمایاں فرمایا، گویا یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد یہ حضرات ہی قائم مقامی کا شرف حاصل کریں گے، حدیث کی کتابوں میں بے شمار روایات موجود ہیں جن سے ان حضرات کے مناقب اور اوصاف بھی سامنے آتے ہیں اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ منصب خلافت کے لئے ان حضرات کے اسمائے گرامی صراحت کے ساتھ بیان نہیں فرمائے گئے مگر مختلف مواقع پر ان حضرات کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا گیا یا جو ذمہ داریاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں ان حضرات کو تفویض فرمائیں ان سے یہ بات سمجھ لی گئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی قیادت کا بار گراں ان حضرات کو اٹھانا ہے، یہاں تک کہ خلفاء کی ترتیب بھی مخفی نہیں رہی تھی، اگرچہ پوری طرح واضح بھی نہیں تھی۔

حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "ازالۃ الخفاء" میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ترتیب خلافت پر مستقل بحث فرمائی ہے اور اس سلسلے میں متعدد احادیث و آثار بھی نقل فرمائے ہیں، مثلاً قبیلہ بنو مصطلق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ میرے بعد زکوۃ کا مال حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا کریں، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے، ایک مرتبہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بالترتیب خطبہ دینے کا حکم فرمایا، مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر بناء مسجد میں پہلا پتھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بالترتیب پتھر رکھوائے، ان کے علاوہ بھی متعدد روایات ہیں جن سے یہ ترتیب نمایاں ہوتی ہے، ایک حدیث میں ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ارحم امتی بامتی ابوبکر واشدھم فی دین اللہ عمر واصدقھم حیاء عثمان واقضاھم علی ابن ابی طالب ۔

"میری امت میں سب سے زیادہ مہربان امت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، دین کے بارے میں سب سے زیادہ سخت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، حیاء میں سب سے بڑھ کر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور سب سے زیادہ انصاف پسند علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گذشتہ رات ایک نیک شخص کو خواب

میں دکھلایا گیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملایا گیا، عمر رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور عثمان رضی اللہ عنہ کو عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ، حدیث کے راوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک سے اٹھ کر ایک دوسرے سے کہا کہ نیک شخص تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، گویا خواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں حضرات یکے بعد دیگرے خلفائے اسلام ہوں گے۔

حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ! میں نے خواب دیکھا کہ گویا ایک ڈول آسمان سے نیچے کی طرف لٹکایا گیا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے اس ڈول کے دونوں بازو پکڑ کر تھوڑا سا پانی پیا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے ڈول کے دونوں بازو پکڑے اور اتنا پانی پیا کہ ان کی کوکھیں پھول گئیں، اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے، انہوں نے بھی ڈول کے دونوں حصے پکڑ کر اتنا پانی پیا کہ ان کی کوکھیں بھی پھول گئیں، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے پانی پینے کے لئے ڈول کے دونوں بازو تھامے تو ڈول ہل گیا اور کچھ پانی چھلک کر ان کے اوپر گر پڑا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا گویا آسمان سے ایک ترازو اتری، اس ترازو میں آپ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تولے گئے تو آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھاری نکلے، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ تولے گئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ سے بھاری نکلے، پھر عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ تولے گئے تو عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ سے بھاری نکلے، اس کے بعد یہ ترازو اٹھالی گئی۔ محدثین نے ترازو کے اٹھ جانے سے یہ مراد لیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد لوگ خلیفہ کے انتخاب میں اختلاف کا شکار ہوجائیں گے اور معیار فضیلت کو ملحوظ نہ رکھیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رحمت نازل ہو ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کہ انہوں نے اپنی بیٹی مجھے دی، ہجرت کے وقت مدینہ کے سفر کے لئے سواری کا انتظام کیا، غار میں میرے رفیق رہے اور بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا، اللہ کی رحمت نازل ہو عمر رضی اللہ عنہ پر کہ وہ حق بات کہتے ہیں اگرچہ کسی کو کڑوی معلوم ہو، اس حق گوئی کی وجہ سے دنیا میں ان کا کوئی دوست نہ رہا، اللہ کی رحمت نازل ہو عثمان رضی اللہ عنہ پر کہ فرشتے بھی ان کی (حیاء) سے شرماتے ہیں، اللہ کی رحمت نازل ہو علی رضی اللہ عنہ پر، اے اللہ! جدھر بھی علی رضی اللہ عنہ جائیں حق ان کے ساتھ کر۔

44- حَدَّثَنَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَكِيمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْمِسْمَعِيُّ حَدَّثَنَا ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً فَذَكَرَ نَحْوَهُ

◄► ''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ مبارک ہماری طرف کیا اور ہمیں ایک بلیغ وعظ کیا (اس کے بعد راوی نے حسب سابق حدیث ذکر کی ہے)''

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور حکومت کے خصائص کا بیان

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور حکومت کی بے شمار خصوصیات اور امتیازات ہیں، اگر ان پاک باز نفوس کی سیرت پر نظر ڈالی جائے، دوران کے عہد خلافت کے روشن کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو حسب ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

قانون الٰہی کی حکمرانی: یعنی امراء و حکام اور عوام سب قانون الٰہی کے تابع تھے، جس کا سرچشمہ کتاب وسنت ہیں۔

لوگوں کے درمیان برابری: یعنی مملکت کے تمام باشندے حدود و فرائض اور حلال وحرام کے احکام میں برابر تھے، ان میں کسی طرح کا کوئی فرق مراتب نہیں تھا۔

حقیقی مساوات، تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی تھے، رنگ، نسل، زبان، خاندان اور قبیلے وغیرہ کی بنیاد پر ان کے درمیان کسی طرح کی کوئی تفریق نہیں تھی، اگر فضیلت کا کوئی معیار تھا تو وہ تقویٰ تھا۔

اہل اور باصلاحیت لوگوں کو سرکاری ذمہ داریاں سپرد کی جاتی تھیں، جو شخص جس کام کے لئے موزوں ومناسب ہوتا اسے اسی کام میں لگایا جاتا تھا، تاکہ اقتدار اور مال دونوں امانتوں کا پوری طرح تحفظ ہو سکے۔

اہل علم اور اصحاب رائے سے مشورہ کرنے کا معمول تھا، خواہ معاملہ کسی کو گورنر بنانے کا ہو، یا فوجی کمانڈر متعین کرنے کا ہو، کتنا بھی غیر معمولی مسئلہ کیوں نہ ہو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم معاملہ فہم حضرات سے مشورہ ضرور کیا کرتے تھے۔

یہ رجحان عام تھا کہ صرف ان اوامر کی اطاعت کی جائے گی جو معروف کے دائرے میں ہوں، غیر شرعی احکامات کی پابندی نہیں ہوگی۔

یہ اجازت نہیں تھی کہ کوئی مسلمان حکومت کا منصب طلب کرے، کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے عہدہ طلب کرنے پر انکار فرما دیا تھا۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مقصدِ اقتدار نظام اسلامی کا قیام تھا، قرآن کریم میں ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ .

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار عطا کر دیں تو یہ لوگ نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، معروف کا حکم دیں اور منکر سے منع کریں اور معاملات کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اصول پر پورا معاشرہ کاربند تھا، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، عام آدمی ہو یا حکومت کے کسی منصب پر فائز کوئی شخص، اس معاشرے کا ہر فرد یہ بات اچھی طرح سمجھتا تھا کہ خیر کی اشاعت اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کی ذمہ داری میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا انتخاب مشورے سے ہوا، ان میں سے کسی کو بھی وراثت کے طور پر عہدہ خلافت حاصل نہیں ہوا، اور نہ کسی نے زور زبردستی سے اس منصب پر قبضہ کیا، جو لوگوں نے طے کر دیا اسی پر سب نے آمنا صدقنا کہا اور نئے خلیفہ

کے دست حق پر بیعت کی۔
بیت المال کا جس طرح اس زریں عہد میں تحفظ ہوا اس کی نظیر نہیں ملتی، کسی بھی خلیفہ نے مسلمانوں کی امانت کا کوئی پیسہ نہ ذاتی اغراض کے لئے حاصل کیا اور نہ غیر ضروری طور پر خرچ کیا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ عام مسلمانوں کا مال ہے جو اللہ نے بطور امانت ان کے سپرد کیا ہے۔
عام آدمی بھی یہ بات سمجھتا تھا کہ حکومت کا قیام کس لئے عمل میں آیا، اور اس کا مقصد کیا ہے، ہر شخص حاکم اور امیر کے اختیارات اور فرائض کی حدود سے اچھی طرح واقف تھا، کسی کو یہ مجال نہیں تھی کہ وہ اپنے اختیارات سے تجاوز کر کے کسی پر ظلم و زیادتی کرے۔
شریعت کا قانون پوری طرح رائج تھا، حاکم اور محکوم، ادنی اور اعلیٰ سب اسی قانون کے دائرے میں رہتے تھے، قانون شریعت کی بالادستی کے سامنے سب سرنگوں تھے، احکام شریعت کے نفاذ میں دوستی، رشتہ داری یا چاپلوسی رکاوٹ نہیں بنتی تھی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی رشتے دار، یا عزیز قریب کو لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی۔
اصطلاحی معنی میں جمہوریت نہیں تھی، مگر جمہوریت کی روح پورے معاشرہ کی رگوں میں دوڑ رہی تھی، ہر شخص اپنی اظہار رائے میں آزاد تھا، یہاں تک کہ لوگ عام مجمع میں بلا جھجک خلفاء پر تنقید سے بھی گریز نہیں کرتے تھے، خلفاء بالکل عام انسانوں کی طرح رہتے تھے، رعایا میں جو لوگ جب چاہتے ان سے مل کر اپنی شکایات رکھتے اور جہاں چاہتے انہیں روک کر کھڑے ہو جاتے۔
امراء و حکام اپنی رعایا سے کہا کرتے تھے کہ وہ ان کو غلطی پر ٹوکنے سے گریز نہ کریں، اور حق کے معاملے میں ان کے ساتھ پورا تعاون کریں۔
حاکم کسی کی محض اس لئے رعایت نہیں کرتا تھا کہ وہ ذی وجاہت آدمی ہے یا اس کا کسی اونچے گھرانے سے تعلق ہے۔
کسی بڑے سے بڑے حاکم کی بھی یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ حق کے بغیر کسی کا مال لے کر اس میں تصرف کرے، بلکہ بسا اوقات وہ اپنا حق بھی چھوڑ دیتے تھے، ہر حاکم اپنے ماتحت افراد کو یہ ہدایت دیتا تھا کہ وہ اللہ سے ڈریں اور اپنی نظر ہمیشہ اسی پر رکھیں، لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں، ان کے ظاہری حالات پر فیصلہ کریں، مخفی امور کی جستجو میں نہ پڑیں بلکہ انہیں اللہ کے حوالہ کر دیں، ان کو سخت ہدایت تھی کہ لوگوں پر ظلم نہ کریں، ان کی ذمہ داری اقامت صلاۃ اور مسلمانوں کی خصومات میں انصاف سے فیصلہ کرنا ہے۔
خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں تمام باشندگان مملکت امت واحدہ کی حیثیت رکھتے تھے، نہ کوئی خاندانی امتیاز تھا نہ رنگ و نسل کی تفریق تھی، معاشرے کی بنیاد اسلام کے اس اصول پر رکھی گئی تھی کہ سب مٹی سے پیدا کئے گئے اور سب کو مٹی میں جانا ہے، ہر مسلمان پہلے مسلمان ہے، ہر مسلمان کو یہ حق ہے کہ وہ اس حکومت کو اپنی حکومت قرار دے خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں ہو۔
مملکت اسلامیہ کی فضاؤں میں اخلاق حسنہ کی خوشبو رچی بسی تھی، اللہ کا خوف دلوں میں سمایا ہوا تھا، عدل و انصاف امانت دیانت اور صدق و مساوات کا دور دورہ تھا۔
نظم مملکت کے قیام اور اقتدار کے استحکام کے لئے لوگوں کی پیٹھ پر کوڑے برسانے کا رواج نہیں تھا، بلکہ برائیوں کے خاتمے

کے لئے اور عدل اجتماعی کے قیام اور اخلاق فاضلہ اور اعمال خیر کی اشاعت کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے پرامن ذریعہ سے ہر ممکن کوشش کی جاتی تھی۔

اس مملکت کے مقاصد میں یہ بات شامل تھی کہ امت کے تمام افراد کے مابین، معاشرتی حقوق میں مساوات قائم کی جائے، سب کے لئے یکساں قانون ہو، سب لوگ نیکی اور بھلائی پر ایک دوسرے کے معین ومددگار اور ظلم وتعدی اور معصیت سے گریزاں نظر آئیں، سب کے دلوں میں اللہ کے سامنے جواب دہ ہونے کا خوف سمایا ہوا ہو۔

غرضیکہ اس مملکت کے نظام میں حاکم اور محکوم کے درمیان بے مثال توازن قائم تھا، کیونکہ اس نظام میں حاکم کو محکوم پر مطلق العنانی کی اجازت نہیں دی جاتی تھی کہ محکوم غلام محض بن کر رہ جائے، اسی طرح کسی فرد کو بھی یہ اجازت نہیں تھی کہ قانون کی پابندی سے آزاد ہو کر بے لگام بن جائے، خود بھی بگڑے اور دوسروں کو بھی تباہ وبرباد کرے، اسلام نے فرد کے لئے کچھ بنیادی حقوق رکھے ہیں، ان حقوق کے دائرے سے باہر آ کر مملکت کے اختیارات کو چیلنج کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے، اسے چاہئے کہ معروف کے دائرے میں اور شریعت کی حدود میں رہ کر مملکت کے احکام کی اطاعت کرے۔

بَابُ: اجْتِنَابِ الْبِدَعِ وَالْجَدَلِ

یہ باب بدعت اور جھگڑے سے اجتناب کے بیان میں ہے

بدعت کے لغوی مفہوم کا بیان

کسی ایسے قول کو وارد کرنا جس کے کرنے والے اور کہنے والے نے صاحب شریعت کی اتباع نہ کی ہو اور نہ اس کو سابقہ شرعی مثالوں سے اور شرعی قواعد سے مستنبط نہ کیا ہو۔ اس کے متعلق حدیث میں ہے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے (المفردات ص، ۳۹، مکتبہ مرتضائیہ ایران)

ہر وہ بدعت جو ضلالت وگمراہی ہے اس سے مراد وہ بدعت ہے، جس کی شریعت میں اصل موجود نہ ہو۔ فقہاء نے بدعت کی کئی اقسام بیان کی ہیں۔ جن میں سے معروف دو اقسام ہیں۔ بدعت کی اقسام: (۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیئہ

بدعت حسنہ کا بیان

وہ بدعت جس کی شریعت میں اصل ہو اور یہ نیا کام یا نیا نیک عمل ہو تو ایسی بدعت کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ ایسی بدعت پر عمل مستحسن بھی ہوتا ہے کبھی واجب بھی ہوتا ہے۔ اس بدعت کا ثبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق کرنا کہ نماز تراویح کو جماعت کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ جب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے اس عمل کو دیکھا تو فرمایا: "نعم البدعة هذه" یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔ (صحیح بخاری ج۱، ص ۲۶۹ قدیمی کتب خانہ کراچی)

بخاری شریف کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس بدعت حسنہ پر اتفاق کیا ہے۔ وہ نماز تراویح با جماعت ہے۔

بدعت حسنہ کا ثبوت

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اون کے کپڑے پہنے ہوئے کچھ دیہاتی حاضر ہوئے، آپ نے ان کی بدحالی اور ان کی ضرورت کو دیکھا پھر آپ نے لوگوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دلائی، لوگوں نے کچھ دیر کی، جس سے آپ کے چہرہ انور پر کچھ احساس کے آثار ظاہر ہوئے، پھر ایک انصاری درہموں کی تھیلی لیکر آیا پھر دوسرا آیا اور پھر لانے والوں کا تانتا باندھ گیا حتی کہ نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مسلمانوں میں کسی نیک طریقہ کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہوگی۔ اور جس نے مسلمانوں میں کسی برے طریقے کی ابتداء کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۴۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

بدعت سیئہ کا بیان

ہر وہ بدعت جس کی قرآن وسنت، اجماع وقیاس میں کوئی اصل موجود نہ ہو، ایسی نئی بدعت کو بدعت سیئہ کہتے ہیں جسے شریعت نے گمراہ کہا ہے۔ ایسی بدعت پر عمل کرنا گمراہی ہے۔

اس مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نیا کام بدعت نہیں ہے بلکہ ہر وہ عمل جس کی قرآن وحدیث میں کوئی اصل موجود نہ ہو، وہ بدعت سیئہ ہے۔

بدعت کے مفاہیم واقسام کا بیان

بدعت کی پانچ اقسام ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم واجب ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو قواعد وجوب پر مشتمل ہو اور اس کی دلیل شریعت میں موجود ہو جیسے ضائع ہونے کے ڈر سے قرآن مجید اور شریعت کی تدوین۔ بے شک ہمارے بعد آنے والوں کے لیے تبلیغ کرنا اجماعاً واجب ہے اور اسے چھوڑ دینا اجماعاً حرام ہے۔ اس طرح کی چیزوں کے وجوب میں اختلاف کرنا درست نہیں ہے۔

دوسری قسم بدعت محرمہ ہے۔ یہ وہ بدعت ہے جس کی دلیل شریعت میں حرام کے قواعد کے مطابق ہو۔ جیسے ٹیکس اور ایسے نئے خلاف امور جو کہ قواعد شریعت کے منافی ہوں۔ جیسے جہلاء کو علماء پر فوقیت دینا اور شریعت کے کسی ایسے عہدے پر فائز کرنا جو وراثتی طریقے سے اس کے لیے درست نہ ہو اور اس منصب کو اس شخص کے لیے درست قرار دیا جائے جو کہ اس کے باپ کے لیے تھا اور وہ بذات خود اس منصب کا اہل نہ ہو۔

تیسری قسم بدعت مستحبہ ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو قواعد استحباب پر مشتمل ہو اور شریعت میں اس کی حمایت میں دلائل موجود ہوں جیسا کہ نماز تراویح اور امر صحابہ کے خلاف (مصلحت وخیر کے پیش نظر) حکمرانان وقت، قاضیوں اور اہم منصب داروں کی تصویروں کو آویزاں کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شمار مصالح اور شرعی مقاصد لوگوں کے دلوں میں حکمرانوں کی عظمت ڈالے بغیر

حاصل نہیں ہوتے تھے صحابہ کے زمانے میں صحابہ کے دین اور سابق الاسلام ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے پھر نظام درہم برہم ہو گیا اور وہ زمانہ گزر گیا اور نیا زمانہ آ گیا اس زمانہ میں لوگ تصویروں کے بغیر کسی کی عظمت نہیں کرتے تھے لہٰذا تصویروں کی حیثیت بھی تعظیم کی ہو گئی۔ یہاں تک کہ متعلقہ مصلحتیں حاصل ہو گئیں اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود تو جو کی روٹی اور نمک کھایا کرتے تھے لہٰذا اپنے ساتھیوں کے لئے آدھی بکری روزانہ مقرر کر رکھی تھی کیونکہ اگر دوسرے عاملین بھی اسی طریقہ پر عمل کرتے جس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود تھے تو وہ عوام الناس کی نظروں میں گر جاتے اور لوگ ان کا احترام نہ کرتے اور ان کی مخالفت پر اتر آتے لہٰذا یہ بات محسوس ہوئی کہ کسی دوسرے کو کسی اور شکل میں نظام کی حفاظت کے لیے تیار کیا جائے اور اسی طرح جب آپ شام گئے تو آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ پردہ کئے ہوئے اور پردہ لٹکائے ہوئے تھے اور ان کے پاس خوبصورت سواری اور اعلیٰ رعب دار کپڑے تھے اور آپ اس طرح پیش آتے جس طرح بادشاہ پیش آتے تھے پھر اس بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہم ایسے علاقے میں ہیں جہاں ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ لہٰذا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے احوال کو بہتر جانتے ہو کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے کہ نہیں اور اگر ضرورت ہے تو یہ بہتر ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسروں کے نظائر (Precedents) سے یہ دلیل ملتی ہے کہ ائمہ کے احوال اور امور سلطنت، زمانے، شہروں، صدیوں کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح انہیں حسن معاملات اور حسن سیاسیات میں تنوع کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ یہ احوال پرانے نہ ہو جائیں اور بعض اوقات یہ مصلحتیں واجب ہو جاتی ہیں۔

چوتھی قسم بدعت مکروہ کی ہے اور یہ وہ ہے جو شریعت اور اس کے قواعد میں سے دلائل کراہت پر مشتمل ہو جیسے بعض فضیلت والے اور بابرکت ایام کو عبادات کے لئے مخصوص کرنا۔ اس کی مثال وہ روایت ہے جسے امام مسلم اور دیگر نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے اور اسی رات کو قیام کے لئے مختص کرنے کو منع کیا ہے۔ اور اسی طرح اس باب میں محدود مندوبات کو زیادہ کرنا جیسے نمازوں کے بعد تینتیس بار تسبیح کرنا آیا ہے پھر ان کو سو بار کیا جائے، اور اسی طرح زکوۃ فطر کے لیے ایک صاع دینا آیا ہے پھر اسے دس صاعات بنا دیا جائے یہ اس وجہ سے ہے کہ ان امور میں زیادتی شارع پر جرات اور اس کی بے ادبی ہے۔ پس عظیم لوگوں کی شان یہ ہے کہ اگر انہیں کسی امر سے روکا جائے تو وہ رک جائیں کیونکہ اس حکم سے سرتابی سوئے ادب ہے۔ لہٰذا واجب میں زیادتی یا واجب پر زیادتی سخت منع ہے۔ کیونکہ اس طرح یہ اعتقاد پہنچتا ہے کہ واجب اور اس پر زیادتی دونوں واجب ہیں۔ جیسا کہ امام مالک نے شوال کے چھ (روزوں کو) ملانے سے منع کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ سمجھا جائے کہ یہ بھی رمضان میں سے ہیں اسی طرح امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوا، پھر اس نے فرض نماز ادا کی اور ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تا کہ دو رکعتیں (نفل) پڑھے۔ تو اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ تو اپنے فرض اور نفل میں فرق کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی وجہ سے ہم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے تو پھر اسے آقا علیہ السلام نے فرمایا اے ابن خطاب اللہ تعالیٰ نے تجھے درست پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ ہم سے

پہلے لوگوں نے نوافل کو فرائض کے ساتھ ملا دیا انہوں نے یہ یقین کرلیا کہ یہ تمام واجبات میں سے ہیں اور یہ شریعت میں تغیر ہے جو کہ اجماعاً حرام ہے۔

پانچویں قسم بدعت مباح ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی دلیل شریعت کے قواعد وضوابط میں اباحت کے اصولوں کے مطابق ہو جیسا کہ آٹا چھاننے کے لیے چھلنی کا استعمال کرنا اور آثار میں پہلی چیز جو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد کی وہ تھی اتخاذ المناخل للدقیق یعنی آٹا چھاننے کے لئے چھلنی کا استعمال کیونکہ زندگی میں لوگوں کی طبیعت میں نرمی ہونا اور اس کی اصلاح کرنا مباحات میں سے ہے اور اس کے تمام وسائل بھی مباح میں سے ہیں۔

(القرانی، انوار البروق فی انوار الفروق، 4:202-205 علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی 711ھ)

سنت سے بدعت کی طرف نکل جانے والوں کا بیان

امام عبدالرزاق، عبد بن حمدی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے لفظ آیت اولئک الذین اشتروا الضللة بالهدى سے مراد ہے کہ انہوں نے ہدایت پر گمراہی کو پسند کیا لفظ آیت فما ربحت تجارتهم (یعنی ان کی تجارت نفع مند نہ ہوئی یعنی اللہ کی قسم میں نے ان کو دیکھا کہ وہ ہدایت سے گمراہی کی طرف اور جماعت سے ایک فرقہ کی طرف اور امن سے خوف کی طرف اور سنت سے بدعت کی طرف نکل گئے۔ (تفسیر درمنثور، بقرہ، بیروت)

امام عبد بن حمید نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت ولا تلبسوا الحق بالباطل سے مراد ہے کہ اسلام کو یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ مت ملاؤ۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ اللہ کا دین اسلام ہے اور یہودیت اور نصرانیت بدعت ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں (اور) لفظ آیت وتكتموا الحق وانتم تعلمون سے مراد ہے کہ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات) کو چھپایا حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں جن کے بارے میں وہ (اپنی کتابیں) تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو اچھی باتوں کا حکم کریں گے اور ان کو برائی سے روکیں گے اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کریں گے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کریں گے۔ (تفسیر درمنثور، بقرہ، بیروت)

بدعتی راوی سے حدیث لینے کا بیان

محمد بن رافع نیشاپوری یحیی بن آدم نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابوبکر بن عیاش سے کہا کہ ایسے لوگ حدیث بیان کرنے کیلئے بیٹھ جاتے ہیں جو ان کے اہل نہیں ہوتے اور لوگ بھی ان کے پاس بیٹھنے لگتے ہیں۔ ابوبکر بن عیاش نے کہا کہ جو کوئی بھی بیٹھے گا لوگ بھی اس کے پاس بیٹھیں گے لیکن صاحب سنت کی موت کے بعد اس کا ذکر اللہ تعالیٰ لوگوں میں باقی رکھتا ہے جبکہ بدعتی کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ (جامع ترمذی، جلددوم، رقم الحدیث، 1933)

اہل سنت سے حدیث کی روایت لینے کا بیان

عاصم، ابن سیرین سے نقل کرتے ہیں کہ گزشتہ زمانے میں چونکہ لوگ سچے اور عادل ہوتے تھے اس لئے سندوں کے متعلق

نہیں پوچھا جاتا تھا لیکن جب فتنوں کا دور آیا تو محدثین نے سندوں کا اہتمام شروع کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود محدثین اہل سنت کی حدیث کو قبول کر لیتے ہیں اور اہل بدعت کی روایت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: رقم الحدیث، 1934)

بدعت کو مٹانے والے ائمہ دین کی تعریف کا بیان

حاکم نے مناقب شافعی میں ابوالولید حسان بن محمد الفقیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے اہل علم میں سے ایک ایک شیخ کو ابوالعباس بن سریج رحمۃ اللہ علیہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے قاضی خوش ہو جائے بیشک اللہ تعالیٰ نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سو سال کے آغاز پر مسلمانوں پر احسان فرمایا کہ انہوں نے ہر سنت کو غالب کیا اور ہر بدعت کو مٹایا اور دو سو سال کے آغاز پر شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ احسان فرمایا یہاں تک کہ انہوں نے سنت کو ظاہر کیا اور بدعت کو مٹایا اور تین سو سال کے آغاز پر اللہ تعالیٰ نے تیرے ذریعہ سے (ایمان والوں پر) احسان فرمایا۔ یہاں تک کہ تو نے ہر سنت کو قوی کر دیا اور ہر بدعت کو کمزور کر دیا۔ (تفسیر در منثور، بقرہ، بیروت)

قیامت کے دن اہل سنت کے چہرے چمکتے ہوں گے

ابن ابی حاتم اور ابونصر نے الابانہ میں اور خطیب نے اپنی تاریخ میں السنہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ کے بارے میں فرمایا کہ اہل سنت و جماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور بدعت والے گمراہ لوگوں کے چہرے کالے ہوں گے۔

خطیب نے رواۃ مالک والدیلمی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ سے مراد ہے اہل سنت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے کالے ہوں گے۔

ابونصر السجزی نے الابانہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (یہ آیت) یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ پڑھی اور فرمایا اہل جماعت اور اہل سنت والوں کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت اور اہل ہوا کے چہرے کالے ہوں گے۔ (تفسیر در منثور، آل عمران، بیروت)

نبی کریم ﷺ کی ہدایت کا بہترین ہدایت ہونے کا بیان

45- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَحْمَدُ بْنُ ثَابِتٍ الْجَحْدَرِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُولُ صَبَّحَكُمْ مَسَّاكُمْ وَيَقُولُ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرُنُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى وَيَقُولُ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْأُمُورِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكَانَ يَقُولُ مَنْ

45 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2002' ورقم الحدیث: 2003' ورقم الحدیث: 2004' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 1577

تَرَكَ مَالًا فَلِاَهْلِهٖ وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضَيَاعًا فَعَلَيَّ وَاِلَيَّ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد (امام باقر رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو جایا کرتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بلند ہو جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غضب شدید ہو جاتا تھا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی (حملہ آور) لشکر سے ڈرا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے وہ صبح یا شام تک (تم تک پہنچ جائے گا)

یہ بھی ارشاد فرماتے تھے مجھے اور قیامت کو ان دو کی طرح مبعوث کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دو انگلیوں یعنی شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی کو ملا کر یہ ارشاد فرماتے تھے۔ نے یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے۔

اما بعد! امور میں سب سے بہتر اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت ہے اور امور میں سب سے بُرا نو پیدا شدہ کام ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

یہ بات ارشاد فرماتے تھے جو شخص مال چھوڑ کر جائے وہ اس کے ورثاء کو ملے گا اور جو شخص قرض یا بال بچے چھوڑ جائے جن کے خرچ کا بندوبست نہ ہو تو وہ میرے ذمے ہے۔ (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) وہ میرے حوالے ہوں گے۔

اہل بدعت کیلئے ذلت ورسوائی کا بیان

امام ابوالشیخ نے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ بدعتی زمین میں ایسا نہیں ہے مگر وہ ذلت کا پائے گا جو اس کو ڈھانک لے گی۔ اور وہ اللہ کی کتاب میں ہے لوگوں نے پوچھا وہ کہاں ہے۔ فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا لفظ آیت ان الذین اتخذوا العجل (الآیہ) لوگوں نے کہا اے ابو محمد یہ تو بچھڑے والوں کے بارے میں خاص ہے فرمایا ہرگز نہیں تم پڑھو جو اس کے بعد ہے۔ لفظ آیت وکذلك نجزی المفترین اور یہ ہر افتراء باندھنے والے اور بدعتی کے لئے ہے قیامت کے دن تک۔ (تفسیر در منثور، اعراف، بیروت)

اہل بدعت کے دلوں کے سخت ہو جانے کا بیان

46- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُوْنٍ الْمَدَنِيُّ اَبُوْعُبَيْدٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِي الْاَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا هُمَا اثْنَتَانِ الْكَلَامُ وَالْهَدْيُ فَاَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَاَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ اَلَا وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ شَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ اَلَا لَا يَطُوْلَنَّ عَلَيْكُمُ الْاَمَدُ فَتَقْسُوَ قُلُوْبُكُمْ اَلَا اِنَّ مَا هُوَ اٰتٍ قَرِيْبٌ وَاِنَّمَا الْبَعِيْدُ مَا لَيْسَ بِاٰتٍ اَلَا اِنَّمَا الشَّقِيُّ مَنْ شَقِيَ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ وَالسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ اَلَا اِنَّ قِتَالَ الْمُؤْمِنِ كُفْرٌ وَسِبَابُهٗ فُسُوْقٌ وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثٍ اَلَا وَاِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَاِنَّ الْكَذِبَ لَا

46 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

يَصْلُحُ بِالْجِدِّ وَلَا بِالْهَزْلِ وَلَا يَعِدُ الرَّجُلُ صَبِيَّهُ ثُمَّ لَا يَفِي لَهُ فَإِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ يُقَالُ لِلصَّادِقِ صَدَقَ وَبَرَّ وَيُقَالُ لِلْكَاذِبِ كَذَبَ وَفَجَرَ أَلَا وَإِنَّ الْعَبْدَ يَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا

◄◄ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''یہ دو چیزیں ہیں کلام اور ہدایت' تو سب سے اچھا اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور سب سے بہترین ہدایت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے' یاد رکھنا' نئے پیدا ہونے والے امور سے بچنا' کیونکہ بے شک سب سے برا عمل وہ ہے' جو نیا پیدا ہوا ہو اور نئی پیدا ہونے والی ہر چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے' خبردار' تمہاری زندگی اتنی طویل نہ ہو جائے کہ تمہارے دل سخت ہو جائیں' خبردار' جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے' اور دور وہ چیز ہوتی ہے' جو نہیں آئے گی' خبردار' بدبخت شخص وہ ہوتا ہے' جو ماں کے پیٹ میں بدبخت ہو' اور نیک بخت وہ ہوتا ہے' جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے' خبردار' مومن کو قتل کرنا کفر ہے اور اسے برا کہنا فسق ہے' کسی بھی مسلمان کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے' وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے لاتعلق رہے' خبردار' جھوٹ سے بچنا' کیونکہ یہ سنجیدگی اور ہنسی مذاق کسی بھی صورت میں مناسب نہیں ہے (ایسا نہ ہو) کہ کوئی شخص اپنے بچے کے ساتھ کوئی وعدہ کرے' پھر اسے پورا نہ کرے' اس کی وجہ یہ ہے' جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے' اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے' اور سچائی نیکی کی طرف لے کر جاتی ہے' اور نیکی جنت کی طرف سے جاتی ہے' سچے شخص کے لیے یہ کہا جاتا ہے' اس نے سچ بولا ہے' اور نیکی کی ہے' جبکہ جھوٹے کے لیے کہا جاتا ہے' اس نے جھوٹ بولا ہے اور گناہ کیا ہے' خبردار' آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کذاب لکھا جاتا ہے۔

اہل بدعت کی غیبت حرام نہ ہونے کا بیان

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کی غیبت کرنا حرام نہیں۔ ایسا فاسق جس کے فسق پر لعنت کی گئی ہو اور ظالم حکمران اور بدعت والا جس پر بدعت کی وجہ سے لعنت کی گئی۔

(تفسیر در منثور، حجرات، بیروت)

محکم ومتشابہ آیات کا بیان

47- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدِ بْنِ خِدَاشٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ح و حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ ثَابِتٍ الْجَحْدَرِيُّ وَيَحْيَى بْنُ حَكِيمٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْآيَةَ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ إِلَى قَوْلِهِ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِيهِ فَهُمُ الَّذِينَ عَنَاهُمُ اللَّهُ فَاحْذَرُوهُمْ

47 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔ "وہی وہ ذات ہے' جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے' جس میں سے کچھ محکم آیات ہیں' جو اس چیز کی بنیاد ہے' اور دوسری متشابہات ہیں"۔ یہ آیت یہاں تک ہے "صرف عقلمند لوگ ہی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں" پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ان آیات کے بارے میں بحث مباحثہ کرتے ہیں' تو یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مراد لیا ہے' تو تم ان سے بچنا۔

محکم و متشابہ آیات کے احکام کا بیان

محکم کی تعریف امام راغب نے یہ کی ہے۔ **فالمحكم ما لا يعرض فيه شبهة من حديث اللفظ ولا من حيث المعنى** (مفردات)

محکم آیت وہ ہے جس کا مفہوم واضح اور بین ہو اس کے لفظ یا معنی کے اعتبار سے اس پر کسی قسم کا شبہ نہ وارد ہو سکتا ہو اور المتشابہ ما اشکل تفسیرہ اما من حیث اللفظ او من حیث المعنی یعنی جس کا معنی اور تفسیر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشکل ہو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ قرآن کی بعض آیات بالکل واضح اور ہر شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ اور یہی ساری کتاب کی اصل اور مرجع ہے۔ اور بعض آیتیں ایسی ہیں جن کا مفہوم واضح نہیں ہوتا اور ان میں مختلف تاویلات کی گنجائش ہوتی ہے۔ جن کے دل حق سے منحرف ہوتے ہیں وہ دوسرے سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے آیات متشابہات کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جو محکم آیات کے منافی ہوتی ہیں۔ اور اس طرح ان کے دلوں میں قرآن واسلام کے متعلق طرح طرح کے شکوک کرتے وقت محکم آیات کی پیروی کی جاتی اور ان کی روشنی میں ان کا مفہوم بتایا جاتا۔ لیکن کیونکہ نیت فاسد ہوتی ہے اس لئے وہ راہ راست کو چھوڑ کر پیچ در پیچ راہ اختیار کرتے ہیں۔

بعض علماء نے والراسخون کا عطف اللہ پر کیا ہے۔ اس قول کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کی حقیقی غرض اللہ تعالیٰ اور علمائے راسخین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ لیکن دوسرے علمانے الا اللہ پر وقف کیا ہے اور والراسخون الخ کو مستقل جملہ قرار دیا ہے۔ ان کے قول کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اور علمائے راسخین نہ جاننے کے باوجود ان آیات کی حقانیت اور منزل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب یہ شبہ وارد ہوتا ہے۔ کہ کیا قرآن کریم میں ایسی آیات بھی ہیں جن کا مفہوم کسی کو معلوم نہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر ان کے نازل کرنے کا کیا فائدہ جب ان کو کوئی سمجھ نہیں سکتا اور ان سے ہدایت نہیں حاصل کی جا سکتی۔ مفسرین نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ جو علماء الا اللہ پر وقف کرتے ہیں وہ متشابہات کا عام معنی مراد نہیں لیتے بلکہ ان کے نزدیک متشابہات سے مراد وہ امور ہیں۔ ما استاثرہ اللہ تعالیٰ بعلمہ کقیام الساعۃ والحروف المقطعۃ فی اوائل السور۔ جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کیا ہوا ہے جیسے قیامت کا وقت، سورتوں سے پہلے حروف مقطعات وغیرہ۔ اب یہاں یہ چیز کھٹکتی ہے کہ کیا ان امور کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی نہیں بتایا۔ تو اس کا نہایت واضح جواب یہ ہے۔

علامہ سید محمد آلوسی بغدادی نے دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ جن علما کے نزدیک متشابہات سے مراد وہ امور ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مختص فرمایا ہے۔ وہ علما بھی اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان امور کا علم بذریعہ وحی اپنے رسول صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کو دیا، یا اولیائے کاملین کے قلوب میں القا فرمایا ہے۔

کیونکہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام رفیع اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے اولیائے کاملین کے مرتبہ کو پہنچانتا ہے وہ اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ نفی علم محیط کی ہے اور اس علم کی جو انسان اپنی عقل وفکر سے حاصل کرتا ہے نہ اس علم کی جو اللہ اپنے نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ الہام عطا فرماتا ہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ آل عمران، بیروت)

محکم و متشابہ آیات کی تفسیر کا بیان

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۔ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۔ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ: وہی ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر کتاب یعنی قرآن اتارا۔

مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ: جس کی کچھ مضبوط آیات ہیں یعنی ایسی محکم آیات ہیں جن کو زبان داں شخص سن کر اشتباہ میں نہیں رہتا۔ نہ ظاہری الفاظ اس کے لیے شبہ آفریں ہوتے ہیں نہ مفہوم کلام نہ مقتضائے کلام خواہ غور کرنے کے بغیر ہی مفہوم اور مقتضاء سمجھ میں آجاتا ہو جیسے آیت: قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم اور آیت: وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ اور آیت: لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر یا غور و تامل کے بعد کلام کا مقتضاء سمجھ میں آجاتا ہو۔ شارع کی طرف سے بیان کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ جیسے آیت: السارق والسارقۃ۔۔۔ پر قدرے غور کرنے کے بعد خود ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ جیب تراش کو یہ آیت شامل ہے کیونکہ چوری کا معنی جیب تراشی میں موجود ہے بلکہ جیب تراشی کا مفہوم چوری کے مفہوم سے کچھ زائد ہی ہے (جیب تراش پرایا مال پوشیدہ طور پر لیتا ہے اور مالک مال کے پاس سے بہت ہی چھپ چھپا کر لیتا ہے اول چوری کا مفہوم ہے اور دوسرا جیب تراشی کا) لیکن کفن چور اس آیت کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ کفن نہ میت کی ملک ہوتا ہے کیونکہ مردہ دنیوی اعتبار سے مٹی کی طرح ہے اور میت کے وارثوں کی ملک بھی نہیں ہے کیونکہ وارث کفن کے علاوہ دوسرے مال کے مالک ہوتے ہیں۔

ایک اور آیت بھی اسی طرح کی ہے اللہ نے فرمایا ہے: وارجلکم الی الکعبین ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوؤ چونکہ اس آیت میں دھونے کی آخری حد مذکور ہے اس لیے ظاہر ہے کہ ارجلکم کا عطف وجوھکم یا ایدیکم پر ہوگا (ورنہ لازم آئے گا کہ ٹخنوں تک مسح کی حد مقرر کی جائے جو غلط ہے!) ایک اور آیت ہے: ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ غور کرنے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ تین حیض مراد ہیں طہر مراد ہونے کی صورت میں تین کا عدد پورا متحقق نہ ہوگا کیونکہ طلاق طہر میں ہی مشروع ہے اب اگر طلاق والے طہر کو بھی مدت عدت میں شمار کیا جائے گا تو تین طہر پورے نہ ہوں گے اور شمار نہ کیا جائے گا تو تین طہر سے زائد ہو جائیں گے اس لیے تین حیض مراد ہیں ایک اور آیت ہے: قواریرا من فضۃ غور کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ قواریر سے وہ ظروف مراد ہیں جو چاندی کے ہونگے مگر چمک اور صفائی میں شیشہ کی طرح ہوں گے۔ ہم نے محکم کے معنی کی یہ توضیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی روشنی میں کی ہے اس توضیح پر ظاہر نص مفسر محکم خفی مشکل سب ہی محکمات کے اقسام قرار پاتے ہیں۔

امام محمد بن جعفر بن زبیر نے کہا کہ محکم وہ بیان ہوتا ہے جس کا صرف ایک ہی معنی محتمل ہوتا ہے دوسرے معنی کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا کہ محکم وہ بیان ہے جس کا معنی معروف ہو اور اس کی دلیل بالکل واضح ہو۔ مؤخر الذکر دونوں تفسیروں کی مراد بھی وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔

هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ : آیات محکمہ اصول فرائض ہیں۔ قاموس میں ہے ام ماں کو کہتے ہیں ہر چیز کی ام اس کی اصل اور سہارا ہوتی ہے۔ ام القوم: سردار قوم۔ ہر شے کی ام وہ ہے جو مختلف اشیاء کا مجموعہ ہو۔

میں (مفسرؒ) کہتا ہوں اس جگہ لفظ کتاب بمعنی مکتوب ہے اور مکتوب سے مراد ہے فرض کردہ جیسے آیت: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ میں كُتِبَ کا معنی ہے فرض کیا گیا۔ اس صورت میں ام الکتاب میں اضافت بتقدیر لام ہوگی یعنی محکمات وہ ہیں جو فرائض مامورات و منہیات کی اصول ہیں یا الکتاب سے قرآن مراد ہے اس صورت میں ام الکتاب کی اضافت یا بتقدیر مِن ہوگی یا بتقدیر لام اول شق پر یہ معنی ہوں گے کہ محکمات احکام قرآن کے اصول ہیں انہی سے احکام اخذ کیے جاتے ہیں۔ شارع کے (مزید) بیان کی ضرورت نہیں رہتی۔ دوسری شق پر یہ معنی ہوں گے کہ محکمات قرآن کا مدار اور سہارا ہیں تمام آیات کی سردار ہیں دوسری آیات کی ان کو ضرورت نہیں بلکہ دوسری آیات کو انہی سے ملا کر مطلب نکالا جاتا ہے۔

آیات محکمات کا تعدد چاہتا تھا کہ امہات الکتاب (بصیغہ جمع) کہا جاتا لیکن تمام محکمات کا مجموعہ ایک ماں کی طرح ہے احکام کا استخراج مجموعہ محکمات سے ہوتا ہے ہر ایک سے نہیں اس لیے مفرد کا صیغہ استعمال کیا۔

وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ : اور کچھ دوسری آیات متشابہات ہیں جب تک شارع کی طرف سے محکم عبارت میں ان کا بیان نہ ہو کوئی لغت شناس اور واقف زبان غور اور تامل کرنے کے بعد بھی ان کی مراد نہیں سمجھ سکتا اب اگر شارع کی طرف سے مراد کا بیان اور وضاحت ہو جائے تو اصول فقہ کی اصطلاح میں ایسے متشابہ کو مجمل کہتے ہیں جیسے صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، عمرہ اور آیت ربوا وغیرہ اور اگر شارع کی طرف سے بیان و تعلیم نہ ہو تو ایسے متشابہ کو اصول فقہ کی اصطلاح میں متشابہ کہتے ہیں۔ اس قسم کا تشابہ انہی امور میں ہو سکتا ہے جن سے عمل کا تعلق نہ ہو ورنہ تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی جیسے سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہیں۔ یا آیت: يد الله فوق ايديهم اور آیت الرحمٰن على العرش استوىٰ ہے اس طرح کے متشابہات کا علم بعض اہل عرفان کو الہام اور تعلیم الٰہی کے ذریعہ سے بھی ہو جاتا ہے جس طرح حضرت آدم کو اللہ نے تمام اسماء کا علم عطا فرمایا تھا۔

مشکوٰۃ نبوت سے خوشہ چینی شرح صدر کے بعد ہی ممکن ہے اور ایسی خوشہ چینی کبھی کبھی ہوتی ہے اور اسی وقت ہوتی ہے جبکہ زبان اور لغت سے تعلیم و تعلم ممکن نہ ہو کیونکہ ان حقائق کے لیے کوئی لفظ موضوع ہی نہیں ہے اس لیے عوام کا علمی خزانہ ان سے خالی ہے جن امور و احکام سے اعمال تکلیفیہ کا تعلق ہے۔ ان کے متعلق تاخیر بیان جائز نہیں تا کہ تکلیف بالمحال لازم نہ آئے۔

ایک شبہ * آیت. الر كتاب احكمت اياته بتا رہی ہے کہ تمام آیات محکم ہیں لیکن دوسری آیت میں: كتابا متشابها آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن متشابہ ہے اور اس جگہ بعض آیات کو محکم اور بعض کو متشابہ قرار دیا ہے یہ اختلاف بیان کیوں ہے۔

ازالہ پورے قرآن کے محکم ہونے کا یہ معنی ہے کہ تمام قرآن فساد معنی اور ضعف عبارت سے محفوظ ہے ایسا محکم ہے کہ کوئی اس

پر نکتہ چینی نہیں کر سکتا۔ نہ مقابلہ کر سکتا ہے اور پورے قرآن کے متشابہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ حسن اور کمال میں سارا قرآن ایک جیسا ہے تمام آیات باہم حسن میں متشابہ ہیں اور اس جگہ تفریق وتقسیم سے مراد یہ ہے کہ بعض آیات کے معانی واضح ہیں (کہ مراد کا تعدد ممکن ہی نہیں) اور بعض کے خفی ہیں (کہ بغیر شارح کے بیان کے معلوم نہیں ہو سکتے)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ: پس جن لوگوں کے دلوں میں حق سے کجی ہے۔ ربیع نے کہا آیت میں اہل نجران کا عیسائی وفد مراد ہے۔ اہل وفد نے رسول اللہ سے کہا تھا کیا آپ عیسیٰ کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ نہیں کہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں کہتے۔ اہل وفد نے کہا بس ہمارے لیے یہی کافی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

کلبی نے کہا یہودی مراد ہیں جنہوں نے ابجد کے حساب سے اس امت کی مدت بقاء کا علم حاصل کرنا چاہا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف وغیرہ کا ایک یہودی گروہ خدمت گرامی میں حاضر ہوا حیی نے کہا ہم کو اطلاع ملی ہے کہ آپ پر الم نازل ہوئی ہے ہم آپ کو قسم دے کر دریافت کرتے ہیں کہ کیا اللہ نے آپ پر اس کو نازل فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! حیی بولا اگر یہ بات صحیح ہے تو میں اس کو آپ کی امت کی مدت زندگی خیال کرتا ہوں اور یہ کل مدت ۷۱ سال ہوگی کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی نازل ہوا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ المص (بھی نازل ہوا ہے) حیی بولا اب تو بہت مدت ہوگئی۔ ۱۶۱ سال ہو گئے کیا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں الر ہے بولا اس کی شمار بھی زیادہ ہے اس کی تعداد دوسو اکتیس ہے کیا اور بھی کچھ اترا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں المر ہے کہنے لگا یہ بھی بہت مدت ہے ۲۷۱ سال کی ہے آپ نے ہمارے لیے گڑ بڑ کر دی ہم نہیں سمجھتے کہ زیادہ مدت قائم کریں یا کم مدت ہم ایسی باتوں کو نہیں مانتے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابن جریج نے کہا آیت میں منافق مراد ہیں اور حسن کے نزدیک خوارج مراد ہیں امام احمد وغیرہ نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے ارشاد نبوی اسی طرح نقل کیا ہے۔ قتادہ جب یہ آیت پڑھتے تھے تو کہتے تھے اگر یہ لوگ حروریہ اور سابیہ گروہ نہیں تو میں نہیں جانتا کہ اور کون لوگ ہیں بعض لوگوں کے نزدیک تمام بدعتی مراد ہیں صحیح یہ ہے کہ لفظ عام ہے مذکورہ بالا تمام گروہ اس میں داخل ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے آیت: هو الذى انزل عليك الكتاب منه ايات محكمات هُنَّ ام الكتاب و اخر متشابهات اولوا الالباب تک تلاوت فرمائی اور فرمایا: اگر تم ایسے لوگ دیکھو کہ متشابہات قرآن کے پیچھے پڑے ہیں تو (سمجھ لینا کہ) یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے اور ان سے احتیاط رکھنا۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ اشعری کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ فرما رہے تھے مجھے اپنی امت کے متعلق صرف تین باتوں کا اندیشہ ہے ان تین باتوں میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بات یہ بیان فرمائی کہ بعض (لوگ) کتاب کھول کر متشابہات کی تاویلیں کرنے کے طلب گار ہوں گے حالانکہ ان کی تاویل سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا پکے علم والے تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارا اس (قرآن) پر ایمان ہے یہ سب ہمارے مالک کی طرف سے آیا ہے اور نصیحت پذیر صرف اہل دانش ہی ہوتے ہیں۔

يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ: یعنی ٹیڑھے دلوں والے قرآنی متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اہل بدعت اپنی نفسانی خواہش کے زیر اثر متشابہ کے اس معنی سے وابستگی اختیار کرتے ہیں جو ان کے مسلک کے موافق ہوتا ہے اور الفاظ میں اس معنی کا کچھ احتمال ہوتا ہے نہ محکم آیات واحادیث کی طرف رجوع کرتے ہیں نہ اس معنی پر کلام کو محمول کرتے ہیں جو دوسرے محکمات کے مطابق ہوتا ہے یا یہ مراد ہے کہ متشابہات پر ایمان رکھتے ہوئے اور ان کی مراد کو تسلیم کرتے ہوئے سکوت نہیں اختیار کرتے (بلکہ اپنی طرف سے تاویلیں کرتے ہیں) پس بقدر امکان متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانا واجب ہے تاکہ مجمل کی مراد واضح ہو جائے اور اس پر عمل کیا جا سکے۔ جیسے نماز زکوٰۃ اور سود وغیرہ یا متشابہات کی تاویل اور تعیین معنی کو چھوڑ کر خاموشی اختیار کر لی جائے اور اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ ان سے جو کچھ شارع کی مراد ہے وہ حق ہے ہم اس کو مانتے ہیں۔

جب اجماع امت اور احادیث متواترہ کی نصوص سے ثابت ہو چکا ہے کہ چودھویں کے چاند کی طرح قیامت کے دن اہل ایمان کو دیدار الٰہی ہوگا تو اس پر ایمان رکھنا اور یہ کہنا لازم ہے کہ آیت: وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ میں رویت اور نظر سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے ہاں محکم نص سے اگر معنی کی تعیین نہ ہوئی ہو جیسے: ید اللہ فوق ایدیہم اور الرحمٰن علی العرش استوی میں (دست خدا اور استواء بالائے عرش کے معنی کی تعیین کسی محکم آیت یا متواتر حدیث میں نہیں آئی ہے) تو ایسی آیات کے معنی میں سکوت اختیار کیا جائے لیکن ان پر ایمان رکھنا لازم ہے اور ظاہری معنی پر ایسے متشابہ الفاظ کو محمول نہ کیا جائے اور محکم آیت: لیس کمثلہ شیء کے معنی پر عمل کرتے ہوئے کہہ دیا جائے کہ اللہ ممکنات کی تمام صفات سے پاک ہے نیز مقطعات کی تفسیر میں خواہ مخواہ تکلیف نہ اٹھائی جائے۔ اس کی اجازت نہیں ہے۔

اِبْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ: یعنی وہ متشابہات کے پیچھے اس غرض سے پڑتے ہیں کہ مسلمانوں میں دین کی طرف سے فتنہ بپا کر دیں، شک ڈال دیں، اشتباہ پیدا کر دیں اور محکم کا متشابہ سے مقابلہ کر کے محکم کو توڑ دیں۔ منافقوں کا یہی وتیرہ ہوتا ہے چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ بعض یہودیوں نے جب اسلام کی شوکت اور بلندی دیکھی تو جل گئے اور یقین کر لیا کہ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی یہ امداد ان کے دین کی وجہ سے ہو رہی ہے لہٰذا دوغلے بن گئے ظاہر میں اسلام لے آئے اور متشابہات کی غلط توجیہات تفسیری کرنے لگے اور مذاہب باطلہ کی ایجاد کرنی شروع کر دی چنانچہ حروریہ اور معتزلہ اور رافضی وغیرہ بن گئے

وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ: اس کا عطف ابتغاء الفتنۃ پر ہے یعنی وہ اپنی خواہش کے موافق متشابہات کی تفسیر کرنے کے لیے ان کے پیچھے پڑتے ہیں۔ تفسیر متشابہات کی طلب کبھی مبنی بر جہالت ہوتی ہے جیسا کہ بعض متاخرین اہل بدعت نے کیا ہے البتہ متقدمین منافق اکثر مذکورہ بالا دونوں وجوہ کی وجہ سے ہی متشابہات کی تفسیر کے درپے ہوا کرتے تھے۔

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ: حالانکہ متشابہات کی اصلی مراد سے واقف سوائے خدا کے کوئی نہیں۔ یعنی عربی زبان کو جاننا متشابہات کی مراد جاننے کے لیے کافی نہیں۔ بغیر خدا کے واقف کیے ہوئے کوئی نہیں جان سکتا ہماری اس توضیح پر عمل متشابہات کا اللہ میں حصر اضافی ہوگا حقیقی نہ ہوگا (یعنی یہ مطلب نہ ہوگا کہ اللہ کے سوا کوئی انسان یا فرشتہ متشابہات کی مراد سے واقف ہی نہیں ہو سکتا بلکہ یہ مطلب ہوگا کہ خدا کی طرف سے واقف کیے بغیر محض عربی دانی اور قیاس آرائی کی وجہ سے کوئی شخص ان کی صحیح مراد سے واقف

نہیں ہوسکتا) لہٰذا آیت اس بات پر دلالت نہیں کر رہی ہے کہ رسول اللہ اور آپ کے بعض خصوصی کامل امتی بھی متشابہات کے معنی نہیں جانتے۔ جیسا کہ ایک اور آیت میں آیا ہے: لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی بھی اللہ کے سوا غیب نہیں جانتا۔ (یہ بھی حصر اضافی ہے یعنی بغیر خدا کی طرف سے واقف بنائے ہوئے کوئی بھی از خود غیب سے واقف نہیں) ہم نے حصر کو اضافی اس لیے قرار دیا کہ اللہ نے خود فرمادیا ہے۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ اس آیت کا تقاضا ہے کہ اللہ کی طرف سے قرآن کے محکم ومتشابہ کا بیان رسول اللہ کے لیے ہونا لازم اور ضروری ہے۔ رسول اللہ کے لیے قرآن کا کوئی حصہ بھی بغیر بیان کے نہ رہنا چاہیے ورنہ خطاب بیکار ہوگا اور خلاف وعدہ لازم آئے گا۔

صحیح بات وہی ہے جو ہم نے سورۂ بقرہ کے اوّل میں لکھ دی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان متشابہات ایک راز ہیں عام لوگوں کو ان کا علم عطا کرنا مقصود ہی نہیں ہے بلکہ ان کے لیے متشابہات کا علم ممکن ہی نہیں ہے۔ رسول اللہ اور آپ کے بعض کامل امتیوں کو ہی بتانا مقصود ہے اور اخص الخواص حضرات ہی علم لدنی کے ذریعہ سے ان سے واقف ہوتے ہیں اور علم لدنی کا حصول صرف بیکیف، ذاتی یا صفاتی معیت کے سبب سے ہوتا ہے (تحصیل اور کسب اور غور وفکر سے نہیں ہوتا)۔

وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ: اور جو لوگ علم میں پکے اور جمے ہوئے ہیں کہ ان کو کوئی شک وشبہ لاحق ہی نہیں ہوتا یہ لوگ اہل السنت والجماعت ہیں جنہوں نے مضبوطی کے ساتھ قرآن وحدیث کے محکمات کو پکڑ لیا ہے اور قرآن مجید کی تفسیر میں صحابہ اور تابعین کے اجماع کی پیروی کی ہے اور متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹا دیا ہے اور اپنی خواہشات اور نفسانی ملمع کاریوں کو ترک کر دیا ہے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ: الراسخون فی العلم سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو مسلمان ہوگئے تھے۔ میں کہتا ہوں اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں اہل تصوف کہتے ہیں کہ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو نفس اور عناصر کو فناء کر کے خواہشات سے بالکل الگ ہو چکے ہیں۔ تجلیات ذاتیہ میں ایسے ڈوبے ہوئے ہیں کہ کوئی شبہ ان کو لاحق ہی نہیں ہوسکتا وہ کہتے ہیں کہ اگر نقاب ہٹا بھی دیا جائے تو جتنا یقین ہم کو ہو چکا ہے اس سے زیادہ نہ ہوگا (یعنی ہمارے یقین میں اضافہ کی گنجائش ہی نہیں ہے ہمارا ایمان عین مشاہدہ ہے، ہم کو حق الیقین حاصل ہو چکا ہے)۔

طبرانی وغیرہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ سے راسخین فی العلم کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا: جو لوگ قسم کے پورے زبان کے سچے استقامت قلبی رکھنے والے اور شکم وشرمگاہ کو (حرام سے) بچانے والے ہیں وہ راسخین فی العلم میں سے ہیں میں کہتا ہوں یہ اوصاف صوفیہ کے ہیں۔

آیت کی ترکیب عبارت میں (حنفیہ (رح) اور شافعیہ (رح)) کا اختلاف ہے ایک گروہ قائل ہے کہ والراسخون میں واؤ عطف کا ہے اس وقت آیت کا معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کو اللہ جانتا ہے اور راسخ علماء بھی جانتے ہیں اس صورت میں آئندہ جملہ۔

يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ: حالیہ ہوگا یعنی علماء راسخین یہ کہتے ہوئے متشابہات کا علم رکھتے ہیں کہ پورا قرآن ہمارے رب کا بھیجا ہوا ہے ہم اس پر ایمان لائے۔ اسی کی نظیر ہے۔ آیت: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ . وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ

پھر فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ . وَالْاِيْمَانِ . (اس آیت میں بھی یقولون جملہ حالیہ ہے) یہ قول مجاہد اور ربیع کا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی فرمایا تھا کہ میں راسخین فی العلم میں سے ہوں (یعنی متشابہات کی تفسیر سے واقف ہوں) یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ مجاہد نے فرمایا: میں بھی متشابہ کے مرادی معنی جاننے والوں میں سے ہوں۔

اکثر علماء کا خیال ہے کہ والراسخون میں واؤ استیناف کلام کے لیے ہے گزشتہ کلام الا اللہ پر ختم ہو گیا یہاں سے نیا کلام شروع ہو یہ قول حضرت ابی بن کعب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا ہے طاؤس کی روایت میں اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف بھی کی گئی ہے حسن بصری اور اکثر تابعین بھی اسی کے قائل ہیں۔ کسائی فراء اور اخفش کے نزدیک بھی یہی قول پسندیدہ ہے اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی دوسری قراءت سے بھی ہوتی ہے جس میں: وما یعلم تاویلہ کی جگہ اِنْ تَاوِيْلُهٗ اِلَّا عِنْدَ اللّٰهِ وَالراسخون فی العلم یقولون . . آیا ہے (اس قراءت پر تو والراسخون کا عطف اللہ پر ہو سکنا ممکن ہی نہیں) نیز حضرت ابی بن کعب کی قراءت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں آیت اس طرح آئی ہے: و یقول الراخون فی العلم امنا بہ (اس قراءت پر بھی الراخون کا عطف اللہ پر نہیں ہوگا) اسی لیے عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا تھا کہ تفسیر قرآن کے علم میں رسوخ رکھنے والوں کے علم کی یہ آخری حد آگئی کہ انہوں نے آمنا بہ کہہ دیا۔

كُلٌّ: سب۔ یعنی محکم متشابہ ناسخ منسوخ اور جس کی مراد سے ہم واقف ہیں وہ اور جس کی مراد سے ہم واقف نہیں وہ سب۔

مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا: ہمارے رب کی طرف سے آیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ راسخین فی العلم کا حال ان لوگوں کے حال سے بالکل برعکس ہے جن کے دل خواہشات نفسانی کی وجہ سے ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور وہ اپنے ہی خیال کے پیرو ہیں جب کوئی علمی چمک ان کے سامنے آجاتی ہے اور نص شریعت ان کے خیالات کے مطابق ہو جاتی ہے تو اس روشنی میں وہ (چند قدم) چل لیتے ہیں اور اس کو مان لیتے ہیں لیکن اگر نص قرآنی کی تاویل ان کو نہ سوجھی اور اندھیرا چھا گیا اور نصوص شریعت ان کے خیالات کے مطابق نہ ہوئیں تو متحیر ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور نہیں مانتے۔

امام بغوی نے لکھا ہے کہ یہ قول ظاہر آیت کے بھی مناسب ہے اور قواعد عربی کے بھی زیادہ مطابق ہے بغوی کی مراد یہ ہے کہ واؤ کو عاطفہ قرار دینا اور الراخون سے استیناف کلام ہونا قیاس نحوی کے زیادہ مطابق ہے کیونکہ علماء نحو کا اجماع ہے کہ نفی سے استثناء اثبات ہوتا ہے اور الراخون میں الف لام استغراق کا ہے اب اگر واؤ کو عاطفہ کہا جائیگا تو یہ مطلب ہو جائیگا کہ متشابہات کو کوئی نہیں جانتا مگر اللہ اور تمام راسخین فی العلم یہ مطلب بدایۃ اور روایت دونوں کے خلاف ہے (نہ تمام راسخین کا عالم متشابہات ہونا روایۃً ثابت ہے نہ واقع میں ایسا ہے)۔

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ: اور صرف سالم عقلوں والے ہی مضمون قرآن سے نصیحت اندوز ہوتے ہیں کیونکہ سلامتی عقل کا یہی تقاضا ہے کہ جس کا علم نہ ہو سکے علم کو دانا بینا متکلم کے ہی سپرد کر دیا جائے (نہ جاننے کے باوجود جاننے کے مدعی بن کر) جہل مرکب کی دلدل میں پھنسنا اور وادی گمراہی میں سرگرداں رہنا خلاف دانش ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ میں علم کا آدھا حصہ

بھی نہیں جانتا۔ (تفسیر مظہری، سورۂ آل عمران، لاہور)

تفسیر ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ قرآن مجید ذو معنی کئی فنون والا اور اس کے ظاہری علوم اور باطنی علوم ہیں اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے نہ کوئی اس کی انتہاء کو پہنچ سکتا ہے جو اس میں نرمی سے داخل ہوا وہ نجات پا گیا اور جو شخص اس میں سختی سے داخل ہوا وہ گمراہ ہوا (اس میں) خبریں مثالیں حرام اور حلال ناسخ اور منسوخ محکم اور متشابہ کے اور ظاہر اور باطن کے بارے میں سو اس کا ظاہر اس کی تلاوت ہے اور اس کا باطن تاویل ہے علماء کی خدمت میں بیٹھو اور بیوقوفوں سے کنارہ کش ہو جاؤ اور بچو تم عالم کی لغزش سے بچو۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورۂ آل عمران، بیروت)

بحث وغلط تفسیر کرنے والوں سے پرہیز کرنے کا بیان

48- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ ح و حَدَّثَنَا حَوْثَرَةُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ دِينَارٍ عَنْ أَبِي غَالِبٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوا عَلَيْهِ إِلَّا أُوتُوا الْجَدَلَ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ الْآيَةَ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: کوئی بھی قوم ہدایت حاصل کر لینے کے بعد اس وقت تک گمراہی کا شکار نہیں ہوتی جب تک ان کے درمیان جھگڑا نہیں ہوتا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: "وہ لوگ یہ بات تمہارے سامنے صرف اس لیے بیان کرتے ہیں: تا کہ بحث کریں اور وہ لوگ بحث کرنے والے ہیں۔"

صبیغ عراقی پر تعزیر کا بیان

دارمی نے اپنی سند میں نصر المقدسی نے الحجۃ میں سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی جس کو صبیغ کہا جاتا تھا مدینہ منورہ آیا اور قرآن مجید کے متشابہات کے بارے میں پوچھنا شروع کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلا بھیجا اور اس کے لیے کھجور کی چھڑیاں تیار کر کے رکھ لیں (جب وہ آیا) تو اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں عبداللہ صبیغ ہوں پھر فرمایا میں اللہ کا بندہ عمر ہوں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھجور کی چھڑیوں میں سے ایک چھڑی اٹھائی اور اس کو مارا یہاں تک کہ اس کا سر خون آلود ہو گیا اس نے کہا اے امیر المؤمنین آپ کا (مارنا) کافی ہو گیا وہ بات چلی گئی جو میں اپنے سر میں پاتا تھا (یعنی میرے سر میں فتور تھا وہ چلا گیا)۔

دارمی نے نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ صبیغ عراقی نے مسلمانوں کے لشکروں میں قرآن میں سے کئی چیزوں کے بارے میں پوچھنا شروع کیا یہاں تک کہ مصر میں آ گیا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا جب وہ ان کے پاس آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھجور کی سبز ٹہنیاں منگوائیں اور اس کے ساتھ اس کو مارا یہاں تک

48 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3253

کہ اس کی پیٹھ کو زخمی کر دیا پھر اس کو چھوڑ دیا جب وہ صحیح ہو گیا پھر اس کو مارا پھر چھوڑ دیا یہاں تک کہ صحیح ہو گیا پھر اس کو بلایا تا کہ پھر ماریں تو صبیغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تو میرے قتل کا ارادہ کرتا ہے تو مجھے اچھی طرح سے قتل کر اور اگر تو میرے علاج کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کی قسم میں اب ٹھیک ہو گیا ہوں تو اس کو اس کے وطن کی طرف اجازت دے دی گئی اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ونعالٰی نے مسلمانوں میں سے کوئی آدمی اس کی مجلس میں نہ بیٹھے۔ (تفسیر درمنثور، سورہ آل عمران، بیروت)

اہل بدعت کی عبادات کے قبول نہ ہونے کا بیان

49- حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْعَسْكَرِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ اَبُوْهَاشِمِ بْنِ اَبِیْ خِدَاشٍ الْمَوْصِلِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِحْصَنٍ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ بْنِ اَبِیْ عَبْلَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الدَّيْلَمِیِّ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَّلَا صَلٰوةً وَّلَا صَدَقَةً وَّلَا حَجًّا وَّلَا عُمْرَةً وَّلَا جِهَادًا وَّلَا صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا يَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعَرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ کسی بدعتی شخص کے روزے' نماز' صدقے' حج' عمرے' جہاد' معاوضے' بدلے کو قبول نہیں کرتا اور ایسا شخص اسلام سے یوں نکل جاتا ہے' جس طرح آٹے میں سے بال نکل جاتا ہے"۔

اہل بدعت کیلئے سخت وعید کا بیان

حکیم ترمذی، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، طبرانی، ابونعیم نے، ابن مردویہ، ابونصر السجزی نے الابانہ میں اور بیہقی نے سنن میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے عائشہ لفظ آیت ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا سے مراد اہل بدعت اہل ہوا اور اہل ضلالہ (یعنی گمراہ لوگ) اس امت میں سے ہیں۔ ان کے لئے کوئی توبہ نہیں اے عائشہ ہر گنہگار کے لئے توبہ ہے سوائے اہل بدعت اور اہل ہوا کے ان کے لئے کوئی توبہ نہیں میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔ (تفسیر درمنثور، انعام، بیروت)

اہل بدعت کے اعمال قبول نہ ہونے کا بیان

50- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مَنْصُوْرٍ الْحَنَّاطُ عَنْ اَبِیْ زَيْدٍ عَنْ اَبِی الْمُغِيْرَةِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَى اللّٰهُ اَنْ يَّقْبَلَ عَمَلَ صَاحِبِ بِدْعَةٍ حَتّٰى يَدَعَ بِدْعَتَهٗ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ نے اس بات سے انکار کر دیا ہے' وہ کسی بدعتی کے عمل کو قبول کرے اس وقت تک جب تک وہ اپنی بدعت چھوڑ نہیں دیتا"۔

49 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

50 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

سوال میں بدعت ہونے کا بیان

امام الالکائی نے جعفر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ایک آدمی مالک بن انس کی طرف آیا اور اس نے کہا اے ابو عبداللہ ثم استویٰ کس طرح ہے؟ اس نے کہا میں نے مالک کبھی اس حال میں نہیں دیکھا کہ انہوں نے اپنے کلام میں اپنی ابجد کی طرح کی کوئی چیز پائی اور ان پر پسینہ قوم نے سر جھکا لئے راوی نے کہا جب مالک سے یہ کیفیت دور ہوئی تو فرمایا کیفیت سمجھ میں آنے والی نہیں ہے۔ اور اس سے استواغیر مجہول ہے۔ اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ تو گمراہ ہو جائے۔ آپ نے اسے یہ بتایا اور وہاں سے نکال دیا۔

امام بیہقی نے عبداللہ بن وھب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ہم مالک بن انس کے پاس تھے۔ ایک آدمی داخل ہوا اور اس نے کہا اے ابوعبیداللہ لفظ آیت الرحمٰن علی العرش استویٰ میں اس کا استواء کس طرح ہے؟ (یہ سن کر) مالک خاموش ہو گئے اور پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پھر اپنا سر اٹھایا اور فرمایا لفظ آیت الرحمٰن علی العرش استویٰ کہ رحمٰن عرش پر متمکن ہوا جیسا کہ اس کی ذات کو زیبا ہے۔ اس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اس سے کیف اٹھا لیا گیا اور تو بڑا بدعتی آدمی ہے۔ (پھر فرمایا) اس کو نکال دو۔ راوی نے کہا کہ اس کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ (تفسیر در منثور، اعراف، بیروت)

حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دینے کا بیان

51- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ وَهَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ فُدَيْكٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ وَرْدَانَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْكِذْبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهٗ قَصْرٌ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهٗ فِيْ وَسَطِهَا وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهٗ بُنِيَ لَهٗ فِيْ اَعْلَاهَا

●● حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جو شخص باطل جھوٹ چھوڑ دے' تو اس کے لئے جنت کے کنارے پر گھر بنایا جائے گا' جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے اس کے لئے جنت کے درمیان میں گھر بنایا جائے گا' جو شخص اپنے اخلاق اچھے کرلے اس کے لئے جنت کے بلند ترین حصے میں گھر بنایا جائے گا۔

اخلاق کی بلندیوں کا بیان

اخلاق کی بلندی یہ ہے کہ کہنے والا جو کچھ کہے اس پر خود عمل کرتا ہو کمزوروں کے ساتھ وہ رعایت و شرافت کا وہی طریقہ اختیار کرے جو کوئی شخص طاقتور کے ساتھ کرتا ہے اپنے لئے جو اس کے پاس معیار ہو وہی معیار دوسروں کے لئے بھی ہو مشکل حالات میں بھی وہ اپنے اصولوں سے نہ ہٹے حتیٰ کہ دوسروں کی طرف سے پریشان کرنے کے وقت یا کسی کی طرف سے پست کردار کا مظاہرہ

51: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1993

خوب ہی وہ اعلیٰ کردار پر قائم ہے رسول اللہ اس اعتبار سے اخلاق کے کمال درجہ پر تھے آپ نے کبھی اعلیٰ اخلاق کو نہیں چھوڑا کوئی مصیبت یا کوئی اختلاف یا ذاتیات آپ کو اخلاق سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔
ایک بوڑھی عورت کا قصہ مشہور ہے وہ ہر روز آپ پر کوڑا کرکٹ پھینکا کرتی تھی ایک دن حضور اس کے مکان کے پاس سے حسب معمول گزرے تو آپ پر کسی نے کوڑا نہ پھینکا تو آپ نے محلہ والوں سے دریافت کیا کہ فلاں مائی خیریت سے تو ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ تو بیمار ہے آپ یہ سنتے ہی صحابہ کرام کو ساتھ لے کر اس بڑھیا کی تیمارداری کے لئے اس کے گھر چلے گئے مائی نے دیکھا یہ وہی شخص ہے جس پر میں روزانہ کوڑا پھینکا کرتی تھی مگر وہ برا ماننے اور کچھ کہنے کے بجائے خاموشی اور شرافت سے برداشت کر کے چلا جاتا تھا اور آج وہی میری تیمارداری کے لئے آ گیا ہے یہ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئی اور یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ یہ عام انسان نہیں واقعی خدا کا پیغمبر ہے اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اس نے حضور سے معافی مانگی اور آپ پر ایمان لے آئی گویا یہ آپ کے اخلاق کا اثر تھا اسی طرح بے شمار واقعات ایسے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اخلاق انسان کی وہ صلاحیت ہے جس میں انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے اور اگر انسانیت میں سے اخلاق کی صفت نکال لی تو باقی صرف حیوانیت رہ جاتی ہے اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا: اکمل المؤمنین ایمانا احسنهم اخلاقا ۔
امام بخاری علیہ الرحمہ نے ادب المفرد میں حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہ کی زبانی رحمت عالم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ: میزان عمل میں کوئی چیز حسن اخلاق سے بھاری نہ ہوگی۔

بَاب : اجْتِنَابِ الرَّأْيِ وَالْقِيَاسِ

یہ باب رائے اور قیاس سے اجتناب کرنے کے بیان میں ہے

یہ باب ایسے قیاس کی مذمت کے بیان میں ہے جو نصوص شرعیہ کے خلاف ہو اور جو قیاس نصوص شرعیہ کی اصل سے قائم کردہ علل سے پر مبنی ہو وہ مذموم نہیں ہے۔ ہم یہاں اس قیاس سے متعلق بحث کر رہے ہیں۔

قیاس کی تعریف کا بیان

قیاس کا لغوی معنی ہے "اندازہ" دو چیزوں کے درمیان کوئی اندازہ کرنا، کہ وہ دونوں ایک جیسی ہیں۔ جبکہ اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ فرع کو اصل کے ساتھ اس کے حکم کی علت کے مشابہ کرنا قیاس کہلاتا ہے اور اسی طرح یہ بھی اسکی تعریف ہے کہ فرع میں اصل کی طرح حکم کو ثابت کرنا قیاس ہے۔

قیاس کا ثبوت قرآن وسنت کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار** ۔ (القرآن)

اعتبار کا مطلب

اعتبار کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز پر وہی حکم لگانا جو اس کی مثل چیز پر لگایا گیا ہے۔ (قمر الاقمار ص ۲۲۴، مکتبہ اکرمیہ پشاور) اس

آیت میں قیاس کرنے کا ثبوت ہے جس سے جمہور فقہاء نے استدلال کیا ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا تم کس طرح فیصلہ کرو گے۔انہوں نے کہا میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔آپ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔آپ نے فرمایا: اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کو توفیق دی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب حاکم اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے اور وہ صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں، اور جب وہ فیصلہ کرنے میں خطاء کرے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

(جامع ترمذی ج ۱ ص ۵۹،۵۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

ابن صباغ جو کہ امام شافعی کے بڑے تلامذہ میں سے ہیں نے اپنی کتاب الشامل میں قیس بن طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا گویا کہ وہ دیہاتی لگ رہا تھا اس نے کہا کہ اے اللہ کے نبی آپ کی کیا رائے ہے اس آدمی کے بارے میں جو وضو کرنے کے بعد اپنے ذکر کو ہاتھ لگالے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ذکر اس کے جسم کا ہی تو ایک ٹکڑا ہے اور یہی قیاس ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اس آدمی کے بارے میں جس نے کسی عورت سے شادی کی اور اس کے لئے کوئی مہر مقرر نہیں کیا اور وہ (اس کا خاوند) اس کو چھوڑ کر مر گیا صحبت کرنے سے پہلے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مہینے کی مہلت مانگی پھر ارشاد فرمایا میں اس کے بارے میں اپنے قیاس سے اجتہاد کر کے بتاؤں گا اگر وہ قیاس صحیح ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اگر غلط ہوا تو ابن ام عبد کی طرف سے ہوگا۔اور فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس عورت کے لئے مہر مثل ہے نہ اس میں کمی ہوگی اور نہ زیادتی ہوگی۔(اصول شاشی، بحث حجیت قیاس)

قیاس کی حجت کا بیان

قیاس ایک حکم کی وجہ کی بنیاد پر دوسرے حکم کو اخذ کرنے کو کہتے ہیں۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ دین نے نشے کے باعث شراب کو حرام کیا گیا ہے۔نشہ شراب کے حرام ہونے کی علت یعنی وجہ ہے۔اگر یہ نشہ کسی اور چیز میں بھی پایا جائے گا تو وہ بھی حرام قرار پائے گی۔اسی بنیاد پر اہل علم چرس، ہیروئن، افیون اور دیگر نشہ آور اشیاء کو حرام قرار دیتے ہیں۔

قیاس کی ایک دلچسپ مثال یہ ہے کہ اسلامی قانون میں اونٹ، گائے اور بکری پر زکوۃ عائد کی گئی ہے۔بھینس عرب میں موجود نہ تھی۔جب مسلمان دوسرے علاقوں میں پہنچے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ بھینس پر کس جانور پر قیاس کرتے ہوئے زکوۃ عائد کی جائے۔اہل علم نے گائے سے اس کی مشابہت کی بنیاد پر اس پر اسی شرح سے زکوۃ عائد کی جو گائے کے دین میں مقرر کی گئی ہے۔اسی طرح قیامت تک مال و دولت کی جو مزید شکلیں پیدا ہوتی رہیں گی، انہیں سابقہ اشیا پر قیاس کرتے ہوئے ان پر زکوۃ عائد کی جاتی رہے گی۔مثلاً جدید صنعتی پیداوار اور سروس انڈسٹری کے ٹرن اوور کے بارے میں بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ان پر وہی زکوۃ عائد کرنی چاہیے جو کہ زرعی پیداوار کی زکوۃ ہے۔

لا تقتلوا الصید وأنتم حُرُمٌ، ومن قتله منکم متعمداً، فجزاءٌ مثلُ ما قتل من النَّعَم، یحکمُ به ذوا عدلٍ منکم هدیاً بالغَ الکعبة .

احرام کی حالت میں شکار مت کرو۔ اور اگر جان بوجھ کر کوئی ایسا کر بیٹھے تو جو جانور اس نے مارا ہے، اسی کے ہم پلہ جانور اسے مویشیوں میں سے قربان کرنا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو اچھے کردار والے آدمی کریں گے اور یہ نذر کعبہ تک پہنچائی جائے گی۔ المائدہ (5:95)

ان کے معاملے میں ہم پلہ جانور قربان کرنے کا حکم ہے۔ ہم پلہ ہونے کا فیصلہ دو اچھے کردار کے افراد کو کرنا ہے۔ جب (حالت احرام میں) شکار کر کے کھانے کو حرام قرار دیا گیا تو لازم ہے کہ کفارہ ایسے مویشی سے ادا کیا جائے جو شکار کئے گئے جانور سے جسمانی طور پر مشابہت رکھتا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض افراد نے اس سے متعلق فیصلے کئے۔ انہوں نے لومڑی کو مارنے کے بدلے دنبہ، ہرن کے بدلے بکری، خرگوش کے بدلے ایک سال سے کم عمر بکری کا بچہ، اور گلہری کے بدلے چار ماہ سے کم عمر کا بکری کا بچہ قربان کرنے کا حکم دیا تھا۔

فقہی علوم کے ذخیرے سے پتہ چلتا ہے کہ ان صحابہ نے جانور کو ہم پلہ، جسم کی بنیاد پر قرار دیا ہے نہ کہ قیمت کی بنیاد پر۔ اگر وہ قیمت کی بنیاد پر فیصلہ کرتے تو احکام میں فرق واقع ہو جاتا کیونکہ زمانے اور ممالک کے لحاظ سے قیمتیں بدلتی رہتی ہیں جبکہ احکام کو ایک جیسا ہی ہونا چاہیے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گلہری اور چار ماہ کا بکری کا بچہ جسم میں بھی ایک جیسے تو نہیں، البتہ قریب ترین ضرور ہیں۔ اس لئے اس کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اسی طرح ہرن اور بکری میں ایک دوسرے کی مماثلت کے لحاظ سے فیصلہ کیا گیا البتہ ان کا فرق گلہری اور چار ماہ کے بکری کے بچے کی نسبت کم ہے۔

جسمانی مماثلت کا معاملہ چوپاؤں کے شکار میں ہے، پرندوں کے شکار میں نہیں۔ یہ کفارہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق دیا جائے گا اور وہ یہ ہے کہ شکار کو دیکھا جائے گا اور جو مویشی بھی جسمانی طور پر اس کے قریب ترین ہو، اسے کفارے کے طور پر قربان کیا جائے گا۔ اگر ان کے سائز میں کچھ فرق ہو تو قریب ترین مویشی کو قربان کیا جائے گا جیسا کہ لومڑی بکری سے کچھ بڑی ہوتی ہے، اس لئے اس کے بدلے کفارے کو بڑھا کر دنبہ قربان کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اسی طرح گلہری ایک سال کی بکری سے چھوٹی ہوتی ہے تو اس کے بدلے کفارے کو کم کر کے چار ماہ کی بکری کو قربان کرنے کا فیصلہ دیا گیا۔

جہاں تک پرندوں کا تعلق ہے، ان کی مختلف خلقت کی وجہ سے ان کے مثل کوئی مویشی نہیں ہو سکتا۔ حدیث اور قیاس کی بنیاد پر ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ اگر انسان کسی ایسے پرندے کو مار ڈالے جسے کھانا اس کے لئے جائز نہ ہو تو اس کی قیمت مالک کو ادا کرنا ضروری ہے۔ اہل علم کا اس معاملے میں اتفاق ہے کہ قیمت ادا کرنے میں قیمت کا تعین اسی جگہ اور وقت کے اعتبار سے کیا جائے گا، جہاں اور جب اس پرندے کو مارا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف زمانوں اور شہروں میں قیمتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک شہر میں کوئی پرندہ ایک درہم کا بک سکتا ہے اور دوسرے شہر میں اس کی قیمت ایک درہم سے کم بھی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اچھے کردار والے افراد ہی کی گواہی قبول کریں۔ اس سے یہ حکم بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جو

اچھے کردار کا نہ ہو، اس کی گواہی قبول نہ کی جائے۔ کسی کی شکل سے یا اس کی باتوں سے تو یہ معلوم نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اچھے کردار کا ہے یا نہیں، سچائی کی علامتیں تو اس کے عمل اور کردار میں ہوا کرتی ہیں۔ جب کسی شخص کا مجموعی طور پر کردار اچھا ہو تو اس کی گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ بعض امور میں اس میں کوئی کمی پائی جاتی ہو کیونکہ کوئی شخص بھی گناہوں سے مکمل طور پر پاک تو نہیں ہے۔ اگر کسی شخص کے اچھے اور برے اعمال دونوں موجود ہوں تو پھر اجتہاد کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے جس سے اس کے اچھے یا برے کردار کا مالک ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔ اس معاملے میں اجتہاد کرنے والوں میں اختلاف رائے بھی ہوسکتا ہے۔

اگر ایک آدمی کے اچھے اعمال ظاہر ہیں تو ہم اس کی گواہی کو قبول کریں گے۔ اگر کوئی دوسرا جج ہو اور وہ اس کے پوشیدہ گناہوں (یا جرائم) سے آگاہ ہے تو وہ اس کی شہادت کو رد بھی کرسکتا ہے۔ ایک ہی معاملے میں ایک جج نے گواہی قبول کرلی اور دوسرے نے نہ کی۔ یہ اختلاف رائے کی ایک مثال ہے لیکن ہر ایک نے اپنی ذمہ داری احسن انداز میں پوری کردی ہے۔

قیاس کے صحیح ہونے کی شرائط وامثلہ کا بیان

۱- وہ قیاس کسی نص کے مقابلے میں نہ ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے امام محمد علیہ الرحمہ سے سوال کیا کہ کسی شخص نے نماز میں قہقہہ لگایا تو کیا اسکا وضو ٹوٹ جائیگا یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اس کا وضو اور نماز دونوں ٹوٹ جائیں گے، اس پر سائل نے کہا کہ اگر کسی شخص نے حالت نماز میں کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگائی اور اسے گالی دی تو اس صورت میں اس کی صرف نماز ٹوٹتی ہے حالانکہ پاک دامن عورت پر تہمت لگانا تو اس قدر سخت گناہ ہے کہ اس پر حد لگائی جاتی ہے۔ اور قہقہہ لگانا اس سے کئی درجے کم گناہ ہے، تو سائل کے قیاس کو نص کے مقابلے میں آنے کی وجہ سے غیر معتبر قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ ایک اعرابی جن کی آنکھ میں کچھ خرابی تھی وہ نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا تھا ایک مرتبہ وہ کنوئیں میں گر گیا، تو وہ لوگ جو آپ ﷺ کے کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے ان کو ہنسی (قہقہہ) آگئی۔ جس وقت آپ فارغ ہوئے تو فرمایا: جس نے نماز میں قہقہہ لگایا ہے وہ نماز اور وضو دونوں کو لوٹائے۔ لہٰذا اس نص کی وجہ سے حالت نماز میں قہقہہ لگانے کی وجہ سے نماز کے ساتھ ساتھ اس کا وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

۲- وہ قیاس احکام نص میں سے کسی حکم میں تغیر کا سبب نہ بنے: اس کی مثال یہ ہے کہ وضو کو تیمم پر اگر کوئی شخص قیاس کر کے یہ کہے کہ جس طرح تیمم میں نیت شرط ہے اسی طرح وضو میں بھی نیت شرط ہونی چاہیے تو اس کا یہ قیاس درست نہ ہوگا کیونکہ وضو میں ف غسلوا وجوھکم ،الخ (پارہ ۶، مائدہ) کا حکم مطلق ہے اور اگر اس میں وضو کی شرط لازم کریں گے تو یہ مقید ہوجائے گا حالانکہ قانون یہ ہے کہ مطلق، مطلق رہتا ہے اور مقید، مقید رہتا ہے اور اس قیاس سے قید ثابت کرنا بھی درست نہیں ہے۔ ہذا یہ قیاس حکم نص میں تغیر کا سبب بن رہا ہے لہٰذا یہ فاسد ہوگا۔

۳- وہ علت جو ایک مسئلہ میں جاری کی جارہی ہو وہ ایسی نہ ہو کہ عقل اس کا ادراک نہ کرسکے: اس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص کو بھول کر کھا لیتا ہے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا

۴- حکم شرعی کے لئے علت کو پیدا کیا جائے نہ کہ حکم لغوی کیلئے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ قیاس میں امر شرعی کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے نہ کہ امر لغوی اور اگر امر لغوی ثابت کرنا مقصود ہو تو وہ فرع کی طرف متعدی نہ ہوگا۔ حالانکہ اس کا مقصود تو یہی ہوتا ہے۔

۵۔فرع کیلئے کتاب وسنت اوراجماع میں نص موجود نہ ہو۔اس کی دوصورتیں ہیں کہ اگر قیاس کے مقابلے میں نص موجود ہے یاتو وہ نص قیاس کے مخالف ہوگی اور یا اس کے موافق ہوگی اگر قیاس کے موافق ہے تو پھر قیاس سے حکم جاری کرنا ہی فضول ہے کیونکہ نص قیاس سے بے پرواہ کردیتی ہے۔اگر نص قیاس کے مخالف تو پھر بھی قیاس کو ترک کرکے نص پر عمل کیا جائے گا۔

قرب قیامت جہلاء کے فتاویٰ کا بیان

52- حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ وَعَبْدَةُ وَاَبُوْمُعَاوِيَةَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ ح و حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَمَالِكُ بْنُ اَنَسٍ وَحَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ وَشُعَيْبُ بْنُ اِسْحٰقَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ فَاِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ علم کو یوں نہیں اُٹھائے گا کہ لوگ اس سے بے بہرہ ہو جائیں بلکہ اللہ تعالیٰ علماء کو اُٹھا کر علم کو اُٹھا لے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جہلاء کو اپنا پیشوا بنا لیں گے جن سے مسائل دریافت کیے جائیں گے اور وہ علم نہ ہونے کے باوجود فتویٰ دیں گے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے''۔

علوم شرعیہ کے بغیر فتویٰ دینا گمراہی ہے

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

من افتریٰ: سے مراد عمر بن لحی اور وہ لوگ ہیں جو بعد کو اس کے طریقہ پر چلے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اے اہل مکہ کیا تم اس وقت حاضر اور موجود تھے جب اللہ نے تم کو اس تحریم کا حکم دیا تھا تمہارا ایمان نہ تو کسی نبی پر ہے نہ اللہ کی کسی کتاب پر پھر جاننے کا طریقہ سوائے دیکھنے اور سننے کے اور کوئی نہیں (لامحالہ تم کو اس وقت موجود ہونا چاہئے اور موجود نہ تھے تو علم کس طرح ہوا) جو شخص تحریم وتحلیل کے سلسلہ میں اللہ پر جھوٹی افترا بندی کرے اس سے بڑھ کر ظالم (بیجا کوش) اور کوئی نہیں ہو سکتا اس کی افترا بندی کی غرض صرف یہ (ہو سکتی) ہے کہ راہ مستقیم سے وہ لوگوں کو بہکا دے ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں کرتا۔

یہ حکم سب کو شامل ہے کہ اللہ کی ذات کے بارے میں یا اس کی صفات کے بارے میں یا اس کے افعال کے بارے میں یا اس کے شرعی احکام کے بارے میں علم کے بغیر بات کرنا منع ہے کسی شخص کے لئے بھی اس وقت تک کسی چیز کے بارے میں فتوی دینا جائز نہیں جب تک اسے معلوم نہ ہو کہ اس کے بارے میں اللہ تعالی کی شریعت کا حکم کیا ہے اور اس کے لئے اس کے

52 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 100 ورقم الحدیث: 7307 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6737 ورقم الحدیث 6738 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 2652

پاس اس ملکہ کا ہونا بھی ضروری ہے جس سے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے نصوص کے معنی و مفہوم کو بھی سمجھ سکے جب اس میں یہ ملکہ پیدا ہو جائے۔ تو پھر وہ فتویٰ دے سکتا ہے مفتی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ترجمانی کرتا اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو آگے پہنچاتا ہے لہٰذا اگر وہ کوئی بات علم کے بغیر کہتا ہے یا نظر اجتہاد اور دلائل پر غور کی روشنی میں حاصل ہونے والے ظن غالب کے بغیر کہتا ہے تو اس نے علم کے بغیر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی طرف بات منسوب کرنے کے جرم کا ارتکاب کی لہٰذا اسے سزا کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

غلط فتویٰ دینے کے سبب مفتی پر گناہ ہونے کا بیان

53- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي أَيُّوبَ حَدَّثَنِي أَبُو هَانِئٍ حُمَيْدُ بْنُ هَانِئٍ الْخَوْلَانِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أُفْتِيَ بِفُتْيَا غَيْرَ ثَبَتٍ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''جس شخص کو غیر مستند (یا غلط) فتویٰ دیا جائے' تو اس (پر عمل کرنے کا) گناہ اس شخص پر ہوگا' جس نے وہ فتویٰ دیا ہوگا''۔

شرح

علماء مسلمین کے ہاں پایا جانے والا اختلاف ایک بہت بڑا موضوع ہے اور علم کا ایک باقاعدہ باب۔ ایک چھوٹا سا مقالہ نہ تو اس کی تفصیل کر سکتا ہے اور نہ اس موضوع کا حق ادا کر سکتا ہے۔ تاہم میں یہاں چند اساسی مسائل کی جانب محض اشارہ کروں گا جن سے لاعلم رہتے ہوئے ایک طالب علم کو مسائل شریعت اور علوم دین میں نظر پیدا کرنا روا نہیں۔ بلکہ اگر یہ مسائل اس سے روپوش ہیں تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو طالب علم کے مقام پر باور ہی نہ کرے بلکہ اپنا شمار عوام الناس میں اور بے علم لوگوں میں کرے۔

پہلا مسئلہ

کچھ شرعی مسائل اور دینی قواعد ایسے ہیں جن میں اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں اور ان کو صرف اور صرف تسلیم کر لیا جانا ہی واجب ہے اور جو کہ (ایک اصطلاح کی رو سے) قطعیات کہلاتے ہیں۔ یعنی جو امور قطعی طور پر ثابت ہیں اور علماء اسلام کا ان پر اتفاق ہے مثلاً ارکان اسلام یا ارکان ایمان اور ان پر ایمان لانے کی فرضیت، پانچ نمازیں، نمازوں کی رکعات، زنا یا ربا یا شراب یا ناحق قتل وغیرہ ایسے امور کی حرمت۔ اسی طرح وہ قواعد شریعت بھی جن پر علماء مسلمین کا اتفاق ہے اور وہ احکام شریعت کے فہم استنباط میں مستعمل ہیں۔ مثلاً قاعدہ لاضرر ولاضرار یا مثلاً حدود کے شبہات کی بنا پر ٹل جانے کا قاعدہ، یا رفع حرج یا جلب تیسیر وغیرہ کا قاعدہ۔ پس واضح ہوا کہ قطعیات ان تینوں انواع کے اندر پائے جا سکتے ہیں۔

(۱) عقائد کے اندر بھی (۲) فروع (احکام) کے اندر بھی (۳) اور قواعد اصولیہ (فہم و استنباط وغیرہ کے قواعد) کے اندر بھی

53- اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3657

ان میں نہ تو اجتہاد کا کوئی گزر ہے اور نہ رائے کا اور نہ اختلاف کا۔ بلکہ یہ اس شرع عظیم الشان کے وہ اسس اور قواعد ہیں جو ہی ہیں۔ نہ زمان کے بدلنے کی ان پر کوئی تاثیر ہے اور نہ مکان کے بدلنے کی۔ جو شخص ان کے تسلیم کرنے میں ہی تردد کرے یا ان کے معاملے کو مشکوک ٹھہرائے وہ ملت اسلام سے شذوذ کا مرتکب ہوتا ہے اور شیرازہ اسلام کو بکھیر دینے کا۔ اس کا قول مردود باور ہوگا اور اس کا اختلاف کرنا باطل۔

البتہ شرع کے وہ مسائل جو قطعیات ؐ کے ماسوا ہیں اور جن کو کہ کچھ لوگ ظنیات کا نام دے لیے تو یہ ہیں اختلاف اور اجتہاد کا محل۔ ان میں ایک عالم کی سمجھ دوسرے کی سمجھ سے مختلف ہو اور آراء میں یہاں کوئی تنوع پایا جائے تو یہ روا ہے۔ خود شریعت نے ہی اس بات کی ترغیب دی ہے کہ ان امور کے اندر لوگ عقل و فکر سے کام لیں۔ ادراک و معانی سے لے کر استخراج احکام اور توجیہ علل بیہ مسائل شریعت کے سب پہلوؤں اور حکمتوں تک رسائی کی باقاعدہ دعوت دی گئی ہے۔ وہ لوگ جو اہل نظر ہیں اور اصحاب فکر ہیں اور ذوی العقول اور اولوالالباب ہیں ان کے آگے شریعت نے فکر و نظر کے سب در وا کر دیے ہیں کہ ان میں کا ہر شخص مقدور بھر کوشش کرے کہ وہ معاملے کی تہہ کو پہنچے۔ ہماری شریعت عقل کو آزاد کرانے آئی ہے ان تمام قیود سے جن کے اندر اس سے پہلے عقل قید کر کے رکھی گئی تھی۔ اور وہ پہلی قید جس سے اہل علم اور اصحاب فکر کو آزاد کرایا جمود اور تقلید ہے۔ چنانچہ شریعت نے ہر اس شخص کی مذمت کی جو اپنی عقل کو معطل کیے بیٹھا ہے اور اپنے ذہن کی مہار تقلید اور جمود کو سونپ چکا ہے لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الاعراف 179) وہ دل رکھتے ہیں مگر ان سے سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ وہ آنکھیں رکھتے ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ وہ کان رکھتے ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ یہ چوپایوں کی طرح ہیں۔ نہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ۔

آخر قرآن کے اتارے جانے اور اس کی آیات کو کھول کر بیان کر دیا جانے اور اس کی امثال کو واضح کر دیا جانے کا اس کے سوا کوئی اور مقصد بھی ہے کہ لوگ ان کے بارے میں سوچیں اور اپنی عقول کو استعمال کریں؟ خدا کا کلام اس موضوع پر کس قدر واضح ہے۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل 44)

اور ہم نے یہ ذکر تم پر نازل کیا کہ تم (نبی) لوگوں کیلئے وہ چیز واضح کر دو جو ان کی طرف نازل کی گئی اور تا کہ وہ (بھی) تفکر کریں۔

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ (البقرہ 219)

اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے احکام صاف صاف تمہارے لئے بیان فرما رہا ہے، تا کہ تم سوچ سمجھ سکو۔ (ترجمہ جوناگڑھی)

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (الحشر 21)

یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ غور و فکر کریں۔

قرآن نے تفکر پر بے انتہا زور دیا ہے اور جمود کی اور عقل کو معطل کر رکھنے کی بے حد مذمت کی ہے

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (الانعام 50)
فرمادیں کیا ایک اندھا اور ایک دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم تفکر نہیں کرتے؟۔

قرآن نے اس بات کی بھی مذمت کی ہے کہ آدمی دوسرے کی عقل پر سہارا کرنے میں اس حد تک چلا جائے کہ یہ اس کے قبول حق میں ہی مانع ہو جائے اور اس کی اپنی عقل وتفکیر بالکل معطل ہی ہو کر رہ جائے۔ یہی بات کفار کے راستے کھو دینے کا سب سے بڑا سبب تھی

وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ (الزخرف 23)

اسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے یہی جواب دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو (ایک راہ پر اور) اور ایک دین پر پایا اور ہم تو انہی کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں۔

دوسرا مسئلہ

فکر ونظر اور اجتہاد کا شریعت نے جو در وا کیا ہے اس کے لوازم میں یہ خود بخود آتا ہے کہ ذوی العقول اور اصحاب تفکیر اور اہل اجتہاد کے مابین کسی وقت اختلاف بھی ہو جائے کیونکہ مخلوق میں خدا کی جو سنتیں ہیں ان میں یہ بات معلوم ہے کہ خدا نے اپنی سب مخلوق کو قوتِ ادراک اور صلاحیت فہم اور حدود عقل میں ایک برابر نہیں رکھا تا آنکہ یہ سب کی سب ایک ہی عقل اور ایک ہی فہم بن جائے۔ فہموں کے اندر اختلاف آئے گا اور آراء میں تنوع لازماً پایا جائے گا کیونکہ عقول اور مدارک کا اپنا ہی معاملہ ایک سا نہیں۔ قوت وضعف کے معاملہ میں بھی اور وسعت ومحدودیت کے معاملہ بھی۔

نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (یوسف 76)
ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اختلاف اگر اس باب میں ہو تو شریعت اس پر تشنیع نہیں کرتی بلکہ اس کی گنجائش باقاعدہ طور پر باقی رکھتی ہے۔ تاہم شریعت نے اُمت کا اس معاملہ میں یہ لحاظ رکھا ہے کہ ان پر واضح کر دیا کہ اختلاف ہو جانے کی صورت میں طریق کار کیا اپنائیں اور تب ان کا طرزِ عمل کیا ہو تا کہ ان کا اختلاف کہیں انحراف نہ بن جائے اور آراء کا تنوع کہیں جادہ حق سے خروج تک نہ پہنچ جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (النساء 59)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے اولی الامر کی۔ پھر اگر نزاع کرو کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ کی طرف اور رسول کی طرف۔

چنانچہ اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ وہ مومنین جو اس بات سے متصف ہو چکے ہیں کہ وہ اللہ اور رسول کی اطاعت اور

ولی الامر کی اطاعت کے پابند ہوں ان کے مابین نزاع اور اختلاف آ جانا ایک ایسا امر ہے جس سے کوئی مفر نہیں اور یہ ضرر رساں بھی ہرگز نہیں جب تک کہ نزاع اور اختلاف کرنے والے اس حُکم پر متفق ہوں جس کی طرف تحاکم کے وہ ہر حال میں پابند ہوں گے اور جس کے دائرہ اختیار سے وہ کسی حال میں باہر نہ جائیں گے۔

کچھ ایسا ہی مدلول نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کا ہے۔ اذا اجتہد الحاکم فاصاب فلہ اجران واذا اجتہد فاخطا فلہ اجر (متفق علیہ) فیصلہ کرنے والا جب اجتہاد کرے اور درست فیصلہ کرے تو اس کیلئے دو اجر ہیں اور جب وہ اجتہاد کرے اور خطا کرلے تو اس کیلئے ایک اجر۔

کیونکہ ایک سے زیادہ اجتہاد کرنے والوں کا پایا جانا اور پھر یہ کہ اجتہاد میں درست نتیجے تک پہنچنے والے شخص اور اجتہاد میں غلطی کر لینے والے شخص کا پایا جانا اس کے سوا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا کہ مسائل شرع کے فہم میں اختلاف واقع ہو جانا ممکن ہے۔

اور پھر اگر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے والے صحیح آثار کا تتبع کریں تو بھی آپ اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں عملاً ایسا ہوا بھی اور آپ نے اس کی باقاعدہ تقریر فرمائی۔ چنانچہ صحابہ کا آنحضرت کے اوامر اور آنحضرت کے اقوال کے فہم میں اختلاف ہوا اور اس معاملہ میں ان کے افہام ایک دوسرے سے مغایر ہوئے مگر آپ نے کسی ایک پر بھی سرزنش نہ فرمائی۔ ایسے واقعات پر کسی وقت آپ سکوت اختیار فرماتے اور یا پھر کسی وقت فہم مراد کے معاملہ میں آپ ان کو مدد دیتے۔ اس معاملہ کی واضح ترین دلیلیں حدیث بنی قریظہ اور حدیث عدی بن حاتم ہیں۔ بنو قریظہ کے معاملہ میں آپ نے صحابہ کے (نماز کے وقت پر) اختلاف کی بابت خاموشی فرمائی (متفق علیہ) جبکہ عدی بن حاتم نے قرآن کی آیت (حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود جب تک کہ تمہارے لئے سفید دھاری سیاہ دھاری سے علیحدہ نہ ہو جائے) عدی بن حاتم نے یہاں ظاہر لفظ کو لیتے ہوئے دو دھاگے لئے ایک سفید اور ایک سیاہ اور اپنے تکیے کے نیچے رکھ لئے۔ اس پر آپ نے عدی کو صرف اتنا کہا تب تو تمہارا تکیہ بہت عریض ہوا بھئی یہ رات کی سیاہی ہے اور صبح کی سفیدی۔ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس باب میں جو تعقیب اور سرزنش وارد ہوئی اس کا محل وہ لوگ ہیں جو علم کے بغیر اجتہاد کرنے لگ جائیں اور بغیر بصیرت اور بلا ثبت و تحقیق فتوے دیں۔ جبکہ آپ سے مروی ہے کہ جن لوگوں نے (جہاد میں) ایک شخص کو جس کے سر پر زخم تھا غسل جنابت کرنے کا فتوی دیا اور اس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہوگئی تب آپ نے فرمایا انہوں نے اس کو مار ڈالا۔ خدا انہیں مارے۔ معلوم نہ تھا تو آخر پوچھ لیا ہوتا۔ جہالت کا مداوا یہی تو ہے کہ آدمی کسی سے دریافت کرلے۔

(ابن ماجہ، ابوداود، احمد، دارمی، دارقطنی)

پس وہ سب نصوص جو اختلاف کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں اس سے مراد وہ اختلاف ہے جو شرع کے حدود اور آداب سے تجاوز کر گیا ہو۔ یا وہ اختلاف جس سے مقصود حق تک رسائی نہ ہو بلکہ ہوائے نفس ہو اور یا پھر تعصب۔ اسی طرح ہر وہ اختلاف جو اس حَکم arbiter سے بغاوت پر مبنی ہو جس کی جانب رجوع کو شرع نے فرض کیا ہو۔ یا جس سے مقصود عقیدہ کے اساسیات میں اختلاف کرنا ہو۔

رہی رسول اللہ ﷺ کی وہ پیشین گوئی کہ آپ کی اُمت میں نزاع ہوگا تو وہ تفرقہ انقسام ہے۔اسی لئے آپ نے اس سے خبر دار فرمایا۔اسی طرح آپ کا تہتر فرقوں کی پیشین گوئی فرمانا ہے جو سب کے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک کے تو اس سے مراد وہ اختلاف ہے جو عقائد میں ہو اور ان امور میں ہو جو مسلمانوں کے ہاں مسلمہ اور متفق علیہ ہوں۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے مستغرق کا لفظ استعمال فرمایا نہ کہ مستخلف کا۔کیونکہ مطلق اختلاف تو صحابہ میں بھی واقع ہوا۔بعید نہیں بعض جاہلوں نے (تہتر فرقوں والی) اس حدیث کو ائمہ اسلام کے مذاہب پر بھی چسپاں کیا ہو خصوصاً آئمہ اربعہ کے مذاہب پر۔حالانکہ ایک ذرہ بھر سمجھ کا مالک شخص بھی جانتا ہے کہ ان آئمہ کا اختلاف ویسا ہی ہے جیسا اختلاف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں ہوا۔اس کا تفرقہ سے کوئی تعلق ہی نہیں اس کا تعلق ہے تو اس وسعت اور رخصت اور گنجائش سے ہے جو اُمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے رکھی گئی ہے۔

تیسرا مسئلہ

وہ علماء اسلام جن پر اُمت اعتماد کرتی ہے جو کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں پائے گئے ان کا اختلاف صرف اور صرف دلیل کی بنا پر ہوتا ہے اور یا پھر دلیل کا مفہوم اور مدلول متعین کرنے کی بنا پر۔یہ تصور درست نہیں کہ ان میں سے کوئی عمداً یا کسی دلیل کے بغیر نص کے خلاف چلا گیا ہو۔

ان علمائے اسلام میں سے بطور خاص مجھے ائمہ اربعہ کا ذکر کرنا ہے یعنی ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور احمد۔جس کا باعث ان کو اس معاملہ میں اُمت کے اندر یہ شہرت حاصل ہو جانا ہے اور جہان کے اندر ان کے مذاہب کا اس زبردست انداز میں پھیل جانا۔

چنانچہ ہر شخص جو علم رکھنے والا ہے اور ان ائمہ اعلام کے اقوال وفتاوی کا تتبع کرتا ہے اور ان کے استدلال کی حقیقت پر غور کرتا ہے اور ان کے اختیار کردہ علمی اصول وقواعد پر نظر رکھتا ہے وہ اس بات کی سچائی پر پہنچ کر رہتا ہے۔

جس کسی نے بھی ان میں سے ایک کو بھی مطعون ٹھہرایا ہے یا تو اس کا سبب اس کا اپنا تعصب ہوگا اور یا پھر ان ائمہ کی جلالت علمی کی بابت اس کی اپنی جہالت۔وجہ یہ کہ ایک محدود نظر شخص جب دیکھتا ہے کہ ان ائمہ نے اس قدر زیادہ اختلاف کر لیا ہے اور اس کی عقل میں یہ بات نہیں سماتی۔یوں اس بات کو قبول کرنا اس کے محدود فہم کے بس سے باہر ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی نظر اس اختلاف کے ظاہر پر جاتی ہے بغیر اس کے کہ وہ اس کی تہہ تک پہنچ پائے اور ان سب پہلوؤں کا احاطہ کر پائے جن پر ان ائمہ کے اقوال کی بنا رکھی گئی۔تب اسے صرف یہ سمجھ آتا ہے کہ یہ ائمہ علم نصوص سے تصادم اختیار کیے ہوئے ہیں۔

وہ ائمہ جن کو اُمت کے اندر قبول کیا گیا ہے اور جن کی امامت پر اُمت کے ہاں اتفاق پایا گیا..... یہ ائمہ کسی ایک مسئلہ میں بھی کسی دلیل کے بغیر جو ان پر ظاہر ہوئی ہو کبھی بات نہیں کرتے اگرچہ ایک مبتدی کو دیکھنے میں ایسا لگے کہ یہ ائمہ دلیل سے مفارقت کر گئے ہیں۔(مجموع الفتاوی ج20 ص250)۔

اب میں اس معاملہ میں ایک مثال پیش کروں گا۔مروی ہوا عبد الوارث بن سعید سے، کہا میں مکہ گیا۔ایک روایت میں ہے کہ میں کوفہ گیا جہاں میں نے (تین ائمہ) ابو حنیفہ، ابن ابی لیلی اور شبرمہ کو پایا میں نے ابو حنیفہ سے دریافت کیا کیا فرماتے ہیں آپ اس بابت اس شخص کے جو ایک بیع کرتا ہے اور اس پر ایک شرط مشروط کرتا ہے؟ (ابو حنیفہ نے) جواب دیا بیع باطل اور شرط بھی باطل۔پھر

میں ابن ابی لیلی کے پاس گیا اور ان سے وہی سوال کیا۔ (ابن ابی لیلی نے) جواب دیا بیع جائز ہے مگر شرط باطل۔ پھر میں ابن شبرمہ کے پاس گیا اور ان سے یہی دریافت کیا۔ (ابن شبرمہ نے) جواب دیا بیع جائز اور شرط بھی جائز۔ میں نے کہا سبحان اللہ! عراق کے تین فقیہ مجھے ایک ہی مسئلہ میں (تین) مختلف فتوے دیتے ہیں! تب میں ابوحنیفہ کے پاس آیا اور ان سے یہ (سب ماجرا) کہا۔ (ابوحنیفہ) بولے مجھے نہیں معلوم ان دونوں نے کیا کہا ہے البتہ مجھ سے بیان کیا عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور آگے اپنے دادا (عبداللہ بن عمر) سے ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نھی عن بیع وشرط کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع اور (اس پر) شرط سے پھر میں ابن ابی لیلی کے پاس آیا اور ان سے یہ سب بیان کیا۔ (ابن ابی لیلی) بولے مجھے نہیں معلوم ان دونوں نے کیا کہا مجھ سے البتہ بیان کیا ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے، آگے عائشہ سے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے امر فرمایا کہ میں بریرہ کو خرید لوں اور اس پر شرط (قبول) کرلوں مگر پھر اس کو آزاد کردوں لہٰذا بیع جائز ہوئی اور شرط باطل۔ پھر میں ابن شبرمہ کے پاس آیا اور ان سے یہ (کہانی) کہی۔ (ابن شبرمہ) کہنے لگے مجھے نہیں معلوم ان دونوں نے کیا کہا البتہ مجھ سے کہا مسعر بن کدام نے محارب بن دثار سے، آگے جابر بن عبداللہ سے، کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک اونٹ بیچی اور شرط رکھی کہ مدینہ تک میں اس پر بوجھ ڈھولوں لہٰذا بیع جائز ہوئی اور شرط بھی جائز ہوئی۔

طبرانی نے روایت کیا۔ ھیثمی نے مجمع الزوائد (ج4 ص84) میں اسے ذکر کیا اور کہا اس کے اندر عبداللہ بن عمر کے طریق میں مقال ہے۔ سیوطی نے اسے اپنی کتاب تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ (طبع حیدرآباد) میں بیان کیا اور کہا طبرانی نے الاوسط میں اس کو اس سند سے بیان کیا حدثنا عبداللہ بن ایوب القرزی ثنا محمد بن سلیمان الذھلی ثنا عبدالوارث بن سعید۔

جہاں تک اُمت اسلام کے معروف ائمہ کے مابین ہو جانے والے اختلاف کے اسباب کا تعلق ہے تو اس کی تفصیل جاننے کیلئے کئی ایک علمی تصانیف میسر ہیں۔ مختصراً یہ اسباب یہ ہیں۔

کوئی نص ایک امام کو نہ پہنچی ہو۔ اسناد کے معاملہ میں حدیث کے قبول کرنے میں ان کے مابین اختلاف ہو جانا اور قبول حدیث کے معاملہ میں ان کے اصول کے مابین کچھ اختلاف پایا جانا۔

کسی نص کو منسوخ ماننے کے معاملہ میں ان کے مابین اختلاف ہو جانا۔ نص سے جو مراد ہے اس کے فہم میں ان کے مابین اختلاف ہو جانا۔

علاوہ ازیں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ عربی لغت کے الفاظ جو معانی اور مدلولات رکھتے ہیں وہ بھی کسی وقت مختلف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ان میں معانی کا اشتراک پایا جاتا ہے۔ بعض اوقات ان کے استعمال کیے جانے کے پہلو مختلف ہوتے ہیں۔ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوامع الکلم بولتے تھے کسی وقت ان کی تفصیل فرمادیتے اور کسی وقت ان کو مجمل رہنے دیتے۔ ایسا ہی معاملہ قرآن کا بھی ہے۔ بسا اوقات قرآن اور سنت کچھ مسائل کی تفصیل سے خاموش رہتے ہیں اور ان کی تفصیل، مجتہدین کے اجتہاد پر چھوڑ دیتے ہیں جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں غور وفکر کے معاملہ میں گنجائش رکھی گئی ہے اور یہ کہ وہاں اجتہاد کرلیا جانا روا ہے۔

چوتھا مسئلہ

جاننا چاہیے کہ علم کو لینے اور آگے پہنچانے کے معاملہ میں سلف کے ہاں دو طریقے پائے گئے۔ ایک مدرسہ محدثین کرام کا اور دوسرا فقہا عظام کا۔

ابن القیم ان دونوں مدرسوں کی تعریف میں لکھتے ہیں علماء اُمت دو قسموں میں منقسم ہوتے ہیں۔

حدیث کے حفاظ اور اسناد کے بزرج مہر جو کہ اُمت کے قائد ہیں اور مخلوق کے امام اور اسلام کے پاسبان، جنہوں نے اُمت کے سب قلعے اور سب مورچے ہمیشہ کیلئے محفوظ بنا دیے اور اس کے علم وفکر کے تمام چشمے گدلے یا بدمزہ ہو جانے سے بچا لیے۔ یہاں تک کہ ان میں سے وہ ائمہ جن کیلئے خدا نے یہ رتبہ بلند لکھ رکھا تھا علم کے ان صاف شفاف چشموں سے یوں جام بھربھر کر پیتے رہے کہ آراء نے ذرہ بھر ان کا ذائقہ نہ بدلا تھا۔ ان کی رسائی اس خالص چشمے تک ہو جاتی رہی۔

(عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا) جو خدا کے خاص عباد کیلئے خاص کر رکھا گیا ہے کہ جہاں سے چاہیں اس کو جاری کر لیں اور جیسے چاہیں پئیں۔

فقہاء اسلام جن کے اقوال پر مخلوق کو دیے جانے والے سب فتاوی کا دارومدار ہے۔ جن کو کہ استنباط احکام کیلئے مختص کیا گیا اور جنہوں نے قواعد حلال وحرام کو ضبط میں لانے کیلئے زندگیاں صرف کر دیں۔ سوزمین میں ان کا وہ مقام ہے جو آسمان میں تاروں کا۔ ایک سرگردان اندھیرے میں انہی کی بدولت راہ پاتا ہے۔ مخلوق کی محتاجی ان کیلئے اس سے بڑھ کر ہے جتنی کہ کھانے اور پینے کیلئے مخلوق کی محتاجی۔ ان کی اطاعت مخلوق پر اس سے کہیں بڑھ کر ہے جتنی کہ ان پر ان کی اپنی ماؤں اور باپوں کی اطاعت، از روئے نص کتاب يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی۔ اطاعت کرو رسول اور اپنے میں سے اولی الامر کی کہا ابن عباس نے اولوالامر ہیں علماء۔ (اعلام الموقعین ص 1 ج 9)

کہنے کا مقصد یہ کہ محدثین کی شب وروز محنت جس میدان میں ہوئی وہ ہے روایتِ سنت، نقدِ اسانید اور معرفتِ رجال۔ یوں وہ اس قابل ہوئے کہ اسلام کی یہ اصل عظیم ان سب آلائشوں سے محفوظ بنا دیں جو حدیثیں گھڑنے والوں کی حیلہ سازیوں یا پھر کچھ صالحین کی غفلتوں اور کمزوریوں کے باعث ذخیرہ دین میں جگہ پا سکتی تھیں۔ ان کا اس عظیم الشان علم میں زندگیاں کھپا دینا اس بات کا سبب بنا کہ وہ استنباط اور فقہ وغیرہ میں کچھ بہت زیادہ علمی ترکہ نہ چھوڑ پائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کچھ شہرہ آفاق محدثین مانند ابن معین، ابن ابی حاتم، بخاری اور مسلم وغیرہ فقہ پر کچھ بہت زیادہ ترکہ چھوڑ کر نہیں گئے۔

جبکہ فقہاء کی محنت جس میدان میں ہوئی ہے وہ ہے نصوص کا مطالعہ، ان کے معانی کی تحقیق، احکام کی علتوں اور وسعتوں کا استخراج، نصوص کے مابین جمع وترجیح، معرفت ناسخ ومنسوخ، پھر اس کے علاوہ انہوں نے وہ اصول اور قواعد وضع کیے جن کے مطابق نصوص سمجھی جائیں گی اور احکام کا استخراج کیا جائے گا اور حلال وحرام کا تعین ہوگا۔ فقہاء نے اپنے آپ کو فتاوی کیلئے مختص کیا در س باب میں ایک ترکہ عظیم چھوڑا۔ قیاس کے باب میں علم کا حق ادا کیا اور اس کی کما حقہ تفریع کی یوں اس باب میں ایک وسیع تراث چھوڑی۔ اس عمل کے نتیجے میں ان کے ہاں پورے کے پورے مذاہب تشکیل پائے۔ ان کے مناہج متمیز ہوئے۔ گو چار مذاہب ان

میں سے بہت زیادہ شہرت پا گئے یوں کہ ان میں سے ہر ایک مذہب ایک پورا مدرسہ ہے جو اصول اور قواعد اور فروع پر مشتمل ایک پورا اور باقاعدہ منہج رکھتا ہے۔

فقہا کا اس میدان میں متخصص ہو جانا اور اسی میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دینا اس بات کا باعث ہوا کہ وہ علم روایت واسناد کے مردِ میدان نہ بن پائیں چنانچہ عمومی طور پر فقہاء نے روایت واسناد کے باب میں کچھ بہت علمی کام نہیں کیا۔ پس بہت کم آپ یہ پائیں گے کہ ایک امام نے روایت کے اندر بھی تبحر پیدا کیا ہو اور فقہ میں بھی، جس کی ایک مثال امام احمد بن حنبل ہیں رحمہ اللہ

جہاں تک امام ابوحنیفہ کا تعلق ہے تو آپ نے روایت کم کی ہے۔ اگرچہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام ابوحنیفہ حفظ حدیث کا اہتمام نہ کرتے تھے۔ فقہ کے اندر آپ نے جو جواہر چھوڑے ہیں وہ اللہ کے کلام اور رسول کی سنت میں آپ کے غور وفکر کا ہی تو نتیجہ ہے۔ یہ ضرور ہے کہ آپ علم استنباط کیلئے اس حد تک مختص ہوئے رہے کہ جو احادیث آپ تک پہنچیں آپ ان کو آگے باقاعدہ روایت کرنے کا وہ اہتمام نہیں کرتے رہے جیسا کہ محدثین کے ہاں رہا ہے، رہ گیا علم حدیث پر آپ کا نظر رکھنا تو جو بھی اس بات کا تتبع کرے گا کہ ابوحنیفہ دلیل لانے میں کس غایت درجہ کی عرق ریزی کرتے ہیں وہ آپ کی معرفت حدیث کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہے گا۔

پھر جبکہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ کوفہ اور بصرہ کے اندر امام ابوحنیفہ کے وقت میں ایک سو بیس صحابی پائے گئے اور پھر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے چھہتر محدثین اور فقہاء سے علم کی سماعت کی جن میں سے ایک تعداد کا حافظ مزی نے ذکر کیا ہے اور جن میں سے کچھ مشہور نام یہ ہیں طاووس، شعبی، عبداللہ بن دینار، عبدالرحمٰن بن ہرمز، عطاء، قتادہ، زہری، ہشام بن عروہ ودیگر.... اور پھر جبکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ خود ان کے شاگردوں میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو اپنے وقت کے بڑے محدثین اور حفاظ ہیں مثلاً عبداللہ بن لمبارک، ابو یوسف، زفر بن ہذیل ودیگر۔ یوں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب آثار ومرویات سے ہی پھوٹتا ہے اور یہ کہ اس مذہب کو بہت سے ندی نالے ایسے حاصل رہے ہیں کہ اسے بھی سنت کے گھاٹ سے ہی پینے کو ملا ہے۔

ابن ابی رزمہ روایت کرتے ہیں کہ جب کبھی کوفہ میں کسی محدث کا ورود ہوتا تو ابوحنیفہ اپنے تلامذہ سے کہتے معلوم کرو کیا اس کے پاس حدیث میں کوئی ایسی چیز ہے جو ہمارے پاس نہیں۔ (تبییض الصحیفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ للسیوطی)

ان حقائق کے ہوتے ہوئے کون یہ تصور کر سکتا ہے کہ ابوحنیفہ بس فقیہ ہیں، حدیث کا علم نہیں رکھتے۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ آدمی فقہ میں ایک عظیم امام ہو اور حدیث کا عالم نہ ہو۔ چنانچہ آپ بعض محدثین مانند ابوداؤد اور ابن حجر کو دیکھتے ہیں جب ابوحنیفہ کی سوانح عمری لکھتے ہیں تو اس حوالے سے کہ ان کے (علم حدیث وغیرہ کی) بابت کچھ کلام کیا گیا ہے! ابوحنیفہ کی امامت کی جانب اشارہ کر دینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں ابوحنیفہ امام ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں ابوحنیفہ امام ہیں اور ایک شہرہ رکھتے ہیں۔

پانچواں مسئلہ

ایک طالب علم کو یہ چیز جان لینا چاہیے کہ روایت حدیث کے ساتھ اسے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے فقہ اور اس اختلاف کا

علم جو صحابہ و تابعین اور ان ائمہ کے ہاں پایا گیا جن پر اُمت اعتماد کرتی ہے۔ یہ چیز اگر اسے حاصل نہیں تو وہ احکام شریعت کا کچھ بھی ادراک نہ کر پائے گا۔ کیونکہ ایک نص سے جو معنی ظاہر ہو رہا ہو فقہ بس وہی نہیں۔ فقہ استنباط میں ہے۔ مقاصد شریعت کے جاننے میں ہے۔ احکام کی علتوں کا علم پانے میں ہے۔ ناسخ اور منسوخ کا ان کی تمام انواع سمیت ادراک کرنے میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں، جیسا کہ چوتھے مسئلہ کے بیان میں گزر چکا، کہ بہت سے کبار محدثین اور علماء حفاظ فقہ کی نسبت سے بہت زیادہ شہرت نہیں رکھتے جبکہ حدیث کے علم اور روایت میں پوری اُمت ان کی حیثیت تسلیم کرتی ہے۔ انصاف پسند علماء کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ ہر اہل اختصاص کے اختصاص کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ امام شافعی کو لے لیجئے کس طرح مختلف لوگوں کے مختلف علوم پر اختصاص اور دسترس کو تسلیم کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں

جو شخص فقہ میں تبحر پانا چاہے وہ ابوحنیفہ کا محتاج ہے۔ ابوحنیفہ کیلئے فقہ کی گتھیاں ہی سلجھا دی گئی تھیں جو شخص شعر میں تبحر پانا چاہے وہ زہیر بن ابی سلمی کا محتاج رہے گا۔ جو مغازی (سیرت) میں تبحر پانا چاہے وہ محمد بن اسحاق کا محتاج رہے گا۔ جو شخص نحو میں تبحر پانے کا خواہشمند ہے وہ کسائی کا محتاج ہوگا اور جو تفسیر میں تبحر پیدا کرنا چاہے وہ مقاتل بن سلیمان کا محتاج رہے گا۔

(الانتقاء لابن عبدالبرص 31)

ابن الماجشون کہتے ہیں اہل علم کے ہاں یہ بات کہی جاتی رہی ہے کہ وہ شخص فقہ میں امام نہیں بن سکتا جو قرآن میں اور آثار میں امام نہیں۔ اور وہ شخص آثار میں امام نہیں ہو سکتا جو فقہ میں امام نہیں۔ مگر اب دیکھو لو کیونکر کچھ لوگوں کو وہم ہو گیا کہ محض روایت پر محنت کر لینا ہی احکام کا عارف ہو جانے کیلئے کافی ہے اور دیکھو کیسے انہوں نے فقہ اور اثر کو علیحدہ کر دیا۔

ایک طالب علم کیلئے ضروری ہے کہ حدیث اور روایت کے علم پر محنت کے ساتھ ساتھ فقہاء کے مذاہب اور ان کے اختلاف کا علم حاصل کرے تا آنکہ اس کے اندر استنباط کا ملکہ پیدا ہو۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: رُبّ حامل فقہ غیر فقیہ، وَرُبّ حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ یعنی کتنے ہی فقہ (نصوص حدیث) کو دوسروں تک پہنچانے والے خود غیر فقیہ ہوتے ہیں۔ کتنے ہی فقہ (نصوص حدیث) کو اپنے سے بڑھ کر فقہ کی اہلیت رکھنے والوں تک پہنچا لیتے ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں حدیث کو فقہ کہا ہے اور واضح کر دیا کہ محض اس کے حفظ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو حفظ کر رکھنے والا شخص فقیہ بھی ہے۔

لہذا لوگوں کے فہموں میں جو تفاوت پایا جاتا ہے اس کے باعث اہلسنت فقہ میں بھی لوگ متفاوت ہیں۔ فقہ دراصل فہم میں ہے۔ پس بعض ائمہ مجموعی طور پر بعض دوسرے ائمہ کی نسبت زیادہ فقہ رکھتے ہیں۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں کوئی ایک امام کسی دوسرے امام کی نسبت زیادہ فقہ رکھتا ہو۔

ابوحنیفہ فقیہ ترین ائمہ میں سے ایک ہیں اور بعید نہیں کہ وہ علی الاطلاق فقیہ ترین امام ہوں۔ عبداللہ بن المبارک کا ایک قول مروی ہے کہ اگر اثر (روایت) معلوم ہو چکا ہو اور اس پر فہم ورائے درکار ہو تو رائے یا مالک کی یا سفیان ثوری اور یا ابوحنیفہ کی۔ جبکہ ابوحنیفہ ان سب میں بہتر اور فہم وفطانت میں سب سے دقیق اور تفقہ میں سب سے گہرے ہیں۔ ان تینوں میں یہی افقہ

ہیں۔ (تاریخ بغداد ج3 ص343)

یہ بات کہ تفقہ کے باب میں فقہاء کا معاملہ ایک سانہیں بلکہ یہ درجہ بدرجہ متفاوت ہیں، اس پر ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔

مروی ہوا اسماعیل بن حماد، سے کہا مجھے اپنی بیوی کو طلاق دے دینے کے معاملے میں شک لاحق ہوا (آیا طلاق ہوئی ہے یا نہیں) تب میں نے شریک سے اس بارہ میں دریافت کیا شریک کہنے لگے اب طلاق دے لو اور رجوع پر گواہ ٹھہرا لو پھر میں نے سفیان ثوری سے دریافت کیا۔ وہ کہنے لگے جاؤ جا کر رجوع کر لو۔ یوں اگر تمہارے اس سے طلاق ہو بھی گئی ہے تو تمہارا اس سے رجوع بھی ہو گیا پھر میں نے زفر بن ہذیل سے دریافت کیا۔ وہ کہنے لگے بھئی جب تک تمہیں طلاق ہو جانے کا تیقن نہیں تب تک وہ تمہاری بیوی ہے اس کے بعد میں ابو حنیفہ کے پاس آیا (اور ان سے یہ سب ماجرا کہا)۔ ابو حنیفہ کہنے لگے جہاں تک سفیان کا تعلق ہے تو اس نے تمہیں ورع (احتیاط) پر مبنی فتوی دیا۔ جہاں تک زفر کا تعلق ہے تو اس نے تمہیں جو فتوی دیا وہ عین فقہ ہے۔ مگر جہاں تک شریک کا تعلق ہے تو اس کی بات تو ایسی ہے کہ تم کسی سے دریافت کرو کہ مجھے شک ہے کہ میرے اس کپڑے کو پیشاب لگا ہے یا نہیں لگا تو وہ تمہیں کہے تم ایسے کر لو کہ اس پر پیشاب کر لو اور پھر اسے دھولو!۔

چنانچہ ایک طالب علم پر لازم ہے کہ وہ استدلال کی مختلف جہتوں اور استنباط کے مختلف پہلوؤں سے شناسا ہونے پر خوب وقت صرف کرے اور اختلاف مذاہب میں نظر پیدا کرے۔ ایک طالب علم کیلئے درست نہیں کہ وہ استدلال کی بس ایک ہی جہت سے واقف ہو اور استنباط کے کسی ایک ہی پہلو پر کفایت کر بیٹھے۔ طالب علم کیلئے یہ بھی درست نہیں کہ اس کا سب سہارا بس ایک ہی عالم پر ہو (ایسے شخص پر زمانہ قدیم کے کسی اہل علم نے فقرہ چست کیا تھا) کہ وہ جو پائے علم جس کا کل سہارا بس ایک ہی عالم ہو اس شخص جیسا ہے جس کی کل ایک ہی بیوی ہو۔ وہ اگر حالت حیض میں چلی جائے تو یہ صاحب بیٹھے کے بیٹھے! (دیکھئے جامع بیان العلم ج1 ص130)

یہ ہے مقصود ائمہ علم کے ہاں رائج و معروف اس قول سے کہ وہ شخص جو اختلاف فقہاء سے آگاہ نہیں اس نے کچھ فقہ کی ابھی بو بھی نہیں پائی۔

چھٹا مسئلہ

علم رکھنے یا نہ رکھنے کے حوالے سے لوگوں کے تین طبقے ہیں جیسا کہ علی بن ابی طالب سے مروی ایک قول سے واضح ہے۔...

فرمایا یا عالم ربانی، یا وہ شخص جو بر سبیل نجات علم کی جستجو کرتا ہے

یا پھر بے علم سطح بین، ہر نئی آواز کے پیچھے چل پڑنے والے، جو علم کی روشنی میں اپنا راستہ ہی نہ دیکھ پائے اور اپنے راہ چلنے کیلئے کوئی بہت مضبوط بنیاد اختیار نہ کی۔

جہاں تک پہلے طبقے کی بات ہے بعض علماء ربانیین تو یہ اُمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ مجتہدین ہیں جو ہر زمان اور مکان میں پائے گئے۔ انہی کے سہارے دین قائم رہا ہے۔ یہی ہیں مسلمانوں کا ذریعہ احکام شریعت معلوم کرنے کے معاملہ میں اور حلال و حرام کو جاننے میں۔ پھر خاص طور پر فقہائے صحابہ۔ یہ نہ ہوں تو ہم جان ہی نہ سکیں کہ شرع کیا ہے اور کتاب وسنت کیا۔ اس امر کیلئے انہی کا واسطہ درکار ہے۔ یہ بہر حال ایک ایسا خاصہ ہے جو صرف اصحاب رسول ﷺ کو حاصل ہے نہ کہ کسی اور کو (اعلام الموقعین)

چنانچہ ہر وہ شخص جو شرع کا فہم پانا چاہتا ہے اور علم کتاب وسنت کا جویا ہے اسے چاہیے کہ اس مقصد تک انہی کو ذریعہ بنائے۔ یہ مجتہدین اُمت جس قدر دور صحابہ سے اقرب ہوں گے اسی قدر ان کا قرب صواب ہونا اغلب ہوگا۔

چنانچہ تابعین میں جو مجتہدین ہوئے لازمی بات ہے کہ وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے اقوال و مذاہب سے اپنے مابعد والوں سے کہیں بڑھ کر واقف ہوں۔ مجتہدین تابعین مذاہب صحابہ سے خروج یا تجاوز بھی نہ کرتے تھے۔ پھر اس طرح تبع تابعین کے دور کے مجتہدین، لازمی بات ہے کہ صحابہ اور تابعین دونوں کے مذاہب سے واقف ہوں علی ھذا القیاس اس تسلسل کے ساتھ ہم اپنے زمانے کے مجتہدین تک پہنچتے ہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ لازمی بات ہے یہ ان تمام سلف کے مذاہب سے واقف ہوں جن کے مذاہب کی علم شریعت میں وقعت واہمیت ہے۔

مثلاً دیکھیے ابوحنیفہ کیونکر اپنا منہج بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں، اگر میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں ایک چیز نہ پاؤں تو میں قول صحابہ کو لیتا ہوں، (اختلاف کی صورت میں) صحابہ میں سے جس کا قول چاہوں اختیار کروں اور جس کا چاہوں چھوڑ دوں مگر من جملہ ان کے قول سے خروج نہ کروں گا۔ (الانتقاء لابن عبدالبر ص 142)

ہر وہ شخص جو سلف کے مذہب خصوصاً سلف کے اجماع کے خلاف جاتا ہے یا کوئی ایسی بات نکال کر لاتا ہے جو سلف نے نہیں کی یا پھر سلف نے اس کی طرف اشارہ تو کیا مگر سلف کے ہاں اس کو شاذ سمجھا گیا، ایسے شخص کی بات تسلیم نہ کی جائے گی اور اس کی رائے بھی معتد بہ نہ ہوگی....

کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کا شریعت کے اندر حکم موجود نہ ہو۔ یا تو وہ مسئلہ شریعت کی عمومیات سے پایا جائے گا یا وہ شریعت کے اندر علی وجہ التفصیل ہوگا۔ کوئی مسئلہ آج اس دور میں نیا پیش آ جائے تو ہمیں اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کرنا کہ اس کے نظائر واشباہ پہ اس کا قیاس کریں اور فروع کو ان کے اصول کی جانب لوٹا دیں، یوں اس معاملہ میں بھی سلف ہی کے اجتہاد اور آراء سے مدد لیں....

امام محمد بن الحسن کہتے ہیں علم پایا جانا چار صورتوں میں ہے جو کتاب اللہ کے اندر واضح اور معلوم ہو اور جو اس قبیل سے ہو جو چیز سنت رسول اللہ میں آ گئی ہو یا اس قبیل سے ہو جس چیز پہ صحابہ نے اجماع کر رکھا ہو یا جو اس قبیل سے ہو پھر اسی طرح وہ چیز بھی جس میں صحابہ نے گو اختلاف کیا ہو مگر حق پھر بھی انہی کے اقوال کے اندر کہیں ہوگا نہ کہ منجملہ صحابہ کے اقوال سے کہیں باہر۔ پس اگر صحابہ کے ہی اقوال میں سے کوئی بات اختیار کی جائے تو وہ علم ہے اور ہم اسی پر آگے مسائل کو قیاس کر سکتے ہیں، یا جو اس قبیل سے ہو۔ جو چیز عام فقہائے اسلام کے ہاں مستحسن جانی گئی ہو، یا جو اس کی قبیل سے یا اس کی نظیر سے ہو..... (اعلام الموقعین ج2 ص26)

غرض علماء ربانیین دراصل وہ اہل ذکر ہیں جن سے دریافت کرنے کا کتاب اللہ میں حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون

دریافت کرو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے۔ یہی ہیں وہ اہل استنباط جن کی طرف معاملات کو لوٹا دینے کی کتاب اللہ میں بات کہی گئی ہے۔ فرمایا

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (النساء 83)

اور اگر پہنچا دیتے یہ اس (امر) کو رسول کی طرف اور اپنے میں سے اولی الامر کی طرف تو علم پا لیتے اس کا ان میں سے وہ لوگ جو اس کا استنباط کر لیتے ہوں۔

ہر مبتدی کا یہ کام نہیں کہ وہ استنباط کرے، جب تک کہ اس کے پاس استنباط کے سب اوزار اکٹھے نہ ہو جائیں اور جب تک کہ اس کو استنباط پر ملکہ حاصل ہو جائے۔ ابن قیم فرماتے ہیں

استنباط یہ ہے کہ ایک آدمی کسی ایسی بات کا استخراج کر لینے میں کامیاب ہو جائے جو دوسروں پر مخفی رہنے والی ہو۔ لغت میں استنباط جس چیز کیلئے مستعمل ہے وہ ہے کسی شخص کا کنویں کی تہہ سے یا چشمے کی کھوہ سے پانی نکال لانا۔ یہی بات حضرت علی بن ابی طالب کی اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ لوگوں کو خصوصی طور پر کوئی ایسی چیز دی ہے جو سب لوگوں کو عطا نہیں ہوئی؟ تو فرمایا نہیں اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور نفس کی تخلیق کی سوائے یہ کہ ایسا فہم ہو جو خدا اپنے کسی خاص بندے کو اپنی کتاب کی بابت عطا فرما دے چنانچہ یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ (حضرت علی کے الفاظ میں) یہ جو فہم ہے وہ کتاب اللہ کے لفظ کو یا اس کے عموم یا خصوص کو محض جان لینے سے بڑھ کر کوئی چیز ہے۔ کیونکہ جہاں تک کتاب اللہ کے لفظ کا یا اس کے لغوی معنی کا تعلق ہے تو اس میں تو وہ سب لوگ ہی برابر ہوں گے جو لسان عرب سے واقف ہوں۔ (اعلام الموقعین ج1 ص228)

دوسری صنف ہے وہ شخص جو بر سبیل نجات علم کی جستجو کرتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو درجہ استنباط کو نہیں پہنچتا سو یہ علما کے پیچھے چلتا ہے۔ ان کے اقوال اور فتاوی میں ہی نظر پیدا کرتا ہے، پھر وہ ان کی ادلہ میں سے ہی کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دیتا ہے بشرطیکہ وہ اہل ترجیح میں سے ہو (یعنی ترجیح ادلہ کی استطاعت رکھتا ہو) بصورت دیگر اہل علم میں سے ہی کسی کے مذہب کے پیچھے چلتا ہے کیونکہ یہ بہر حال نہیں ہو سکتا کہ وہ علم میں کسی خاص درجے کو پہنچ جانے تک اس معاملہ کو موخر رکھے۔ اس سے کوئی مفر نہیں کہ ایک طالب علم ان مشہور معتد بہ مذاہب میں سے، جن کو کہ اُمت کا اعتراف حاصل ہے، کسی ایک مذہب کا التزام کرے، اس طرح کہ شرح حنیف کا علم لینے کے عمل میں اس کیلئے وہ ایک ابتدائی بنیاد بن جائے۔ چنانچہ اسے چاہئے کہ وہ اس مذہب کے اصول اور فروع سے شناسائی پانے پر خوب محنت کرے۔ تقلید (یعنی دلیل کا ادراک کئے بغیر قول تسلیم کر لینا) سے احتراز کرے کیونکہ یہ کام عوام کا ہے۔ تعصب سے خبردار رہے کیونکہ یہ کام اہل بدعت واھواء کا ہے۔

طالب علم کیلئے یہ روا نہیں کہ وہ اقوال اہل علم میں بس رخصتیں اور آسانیاں اور شاذ اقوال ہی تلاش کرتا پھرے۔ انہی کیلئے دلیلیں ڈھونڈے اور یوں بغیر بصیرت اور علم، احکام شریعت کے اندر خبط کا مرتکب ہو۔ یہ ایک بہت خطرناک راہ ہو سکتی ہے خود اس کیلئے بھی اور اگر وہ لوگوں کو فتوی دیتا ہے تو لوگوں کیلئے بھی.....

طالب علم کیلئے یہ البتہ جائز ہے کہ جن مسائل کے بحث وتحقیق کیلئے تا حال اس کی ہمت اس کا ساتھ نہ دے سکی ہو یا جو مسائل اس پر واضح نہ ہو پائے ہوں ان مسائل کے اندر وہ تقلید کر لے یعنی سلف میں سے ایسے علماء کا قول اختیار کر لے جن پر اُمت اعتماد کرتی ہے یا پھر اس امام کا قول اختیار کر لے جس کے مذہب کا اس نے (علمی طور پر) التزام کر رکھا ہے.... یہاں تک کہ اس پر

دلیل واضح ہو جائے۔ اس سے بہر حال کوئی مفر نہیں۔ کیونکہ یہ اس کیلئے ممکن ہی نہیں کہ جب تک وہ کسی مسئلہ میں پوری تحقیق نہیں کر لیتا اور اس کے ذہن میں اس مسئلہ کے دلائل اور وجوہ استدلال واضح نہیں ہو جاتے اور اس مسئلہ کے اندر ترجیح ادلہ کی اگر ضرورت ہے تو جب تک وہ ترجیح نہیں دے لیتا تب تک وہ اس مسئلہ میں کوئی بھی عمل کرنے سے رکا ہی رہے، اور یہ کہ شریعت کے سب مسائل کے ساتھ وہ یہی اسلوب برتے.... میں نے اہل علم میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں دیکھا جو کچھ نہ کچھ مسائل میں تقلید نہ کر لیتا ہو، چاہے اسے اس بات کا اندازہ ہو پائے یا نہ۔ کیونکہ یہ کسی کے بس میں نہیں کہ اس نے ہر مسئلہ میں تلاش اور اجتہاد کر لیا ہو.....
اگر آپ اخبار سلف کا بھی تتبع کریں تو یہ پائیں گے کہ وہ بھی، ان مسائل میں جو ان پر مخفی رہ گئے ہوں، دوسروں کی تحقیق پر اعتماد کر لیتے اور اس معاملہ میں اپنے سے فقیہ تر شخص کا سہارا لیتے جو ان سے پہلے کسی دور میں گزر گیا ہو یا خود ان کے اپنے ہی دور میں پایا گیا ہو۔ ہاں جو چیز بچنے کی ہے وہ ہے تعصب جو کہ آدمی کو فکر ونظر سے نابینا کر دیتا ہے اور اتباع حق میں مانع ہوتا ہے.... (ملاحظہ فرمایئے امام ابن القیم کی گفتگو جس میں انہوں نے مفتیوں کے طبقات levels بیان فرمائے ہیں۔ (اعلام الموقعین ج4 ص270)
رہ گئے عوام تو وہ تقلید کریں گے ان اہل علم کی جو ان کے اپنے مابین پائے جائیں۔ ایک عامی کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی معین مذہب کا التزام کرے یا اس کی طرف ہی اپنی نسبت کرے۔ البتہ لوگوں کی عوامیت پر غور کریں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عوام ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ جو بالکل ہی بنجارے ہیں اور علم ودانش کا کوئی اوزار رکھتے ہی نہیں یعنی مطلق عامی اور یا پھر وہ جو (صلاحیت تو کچھ نہ کچھ رکھتے ہوں گے مگر) علم سے تہی دامن ہیں.... سو یہ ان اہل علم کی جو ان کو فتوی دیں، تقلید کریں گے....
علماء نے ذکر کیا ہے کہ فتوی دینے کیلئے جہاں ایسا مفتی مجتہد دستیاب نہ ہو جس کے علم اور زہد وورع پر آدمی کو اطمینان ہو سکے وہاں اس کیلئے جائز ہے کہ اپنی حد تک تو کسی نہ کسی کی تقلید کر لے البتہ جس قول کی وہ تقلید کر رہا ہے دوسروں کو اس کی بنیاد پر فتوی نہ دے۔

ان شاء اللہ یہی بات حق ہے۔ بصورت دیگر لوگ ان دو میں سے کسی ایک مشکل میں بہر حال پڑے رہیں گے۔
الف: یا تو حرج میں پڑے رہیں گے اور وہ اس صورت میں جب ہم ہر مسلمان کو مکلف کریں گے کہ وہ ایک مسئلہ کے ادلہ میں نظر سے بہرہ ور ہو اور اس کے شرعی حکم کے تعین کا اجتہاد کرے۔ تب لوگ احکام شریعت میں طرح طرح کا خبط ماریں گے کوئی ایک بات کو حلال کہہ رہا ہو گا تو کوئی حرام۔ ہر آدمی ہی فتوی دے رہا ہو گا اور بغیر علم اور بغیر بصیرت اجتہاد کرے گا۔ اختلاف فقہاء کا علم ان کی دسترس سے باہر ہے۔ عوام الناس یہ ادراک ہی نہ کر پائیں گے کہ فقہاء کے مسالک کسی مسئلہ میں مختلف ہوئے تو کیونکر اور اس اختلاف کے پیچھے جو عوامل کارفرما ہیں علمی طور پر ان کی کیا حیثیت ہے۔ ان کا کام نہیں کہ وہ اس بحر ناپیدا کنار میں غوطہ زن ہوں۔
ب: اور یا پھر یہ ہو گا کہ لوگ بہت سے احکام شریعت پر عملدرآمد کو ترک یا موخر کر بیٹھیں گے.... اس انتظار میں کہ ترجیح ادلہ کا عمل مکمل ہو جائے اور کسی مسئلہ کی بابت آثار وشواہد انسان پر پوری طرح واضح اور عین ہو جائیں.... اور اس انداز فکر کے نتیجہ میں نہ سلف نے اس معاملہ میں جو کوئی موقف اختیار کیا ہے یا علماء نے اس کی بابت جو بیان کیا ہے خود وہ کوئی اتنا کافی ہے اور نہ اس قدر اہم کہ آدمی اسی کو اختیار کر لے۔

ساتواں مسئلہ

علماء کے ہاں یہ بات معروف ہے کہ فتویٰ یا اجتہاد علم کا ایک ایسا درجہ ہے جو خدا کے فضل سے اُمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر ہر زمان اور مکان میں پایا جائے گا تا کہ دین کی حجت قائم رہے اور تا کہ مسلمانوں کا معاملہ استقامت پر رہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو احکام شریعت کو مفصل کر دیں اور حوادث (نئے پیش آمدہ امور) کا کتاب وسنت سے استنباط کرتے ہوئے فروع کو اصول کی جانب لوٹائیں۔

اگر آپ زمانہ ہائے اسلام کا تتبع کریں تو آپ ہر زمانہ میں ہی اس بات کا مصداق پائیں گے۔ بلکہ آپ یہ بھی پائیں گے کہ جن زمانوں میں اجتہاد کو اُمت کے اندر خوب ترقی اور عروج حاصل رہا وہی زمانے اسلام کے سنہری دور رہے جن میں کہ مسلمان اپنی قوت اور اپنی تہذیبی ترقی کے عروج پر پائے گئے۔ جبکہ وہ زمانے جن میں کاہلی غالب رہی اور اجتہاد معطل کیا گیا وہ زمانے انحطاط اور تاریکی اور علمی وتہذیبی پسماندگی کے رہے۔ اگر آپ خود اس بات کا جائزہ لینا چاہیں تو اپنی آنکھوں سے ان متون اور شروح اور حواشی کو دیکھ سکتے ہیں جو ان (آخری) زمانوں میں لکھے گئے۔

سوال یہ ہے کہ وہ کونسے اوزار ہیں جن کی بدولت ایک جویائے علم اس درجہ عظیم کا اہل ہو جائے؟ کب اس کیلئے جائز ہے کہ وہ اس منصب پہ فائز ہو؟ آیئے دیکھتے ہیں سلف اس بارہ میں کیا کہتے ہیں؟

(1) جہاں تک آثار (مرویات) کا علم ہونے کا تعلق ہے تو سلف کا قول ہے کہ ممکن طور پر وہ اس کے ایک بڑے حصہ پر عبور رکھتا ہو۔ سلف میں سے کسی نے اگر اس کی حد پانچ لاکھ احادیث کے لگ بھگ بیان کی ہے تو وہ بر سبیل دقت نہیں کی، بلکہ بر سبیل مثال کی ہے جس سے مقصود یہ کہ معاملہ کی نوعیت کا ذہنوں میں واضح ہو جانا آسان ہو۔

امام احمد سے دریافت کیا گیا آدمی نے ایک لاکھ احادیث حفظ کر لی ہوں تو وہ فقیہ مانا جائے گا؟ فرمایا نہیں۔ کہا تو کیا دو لاکھ؟ فرمایا؟ نہیں۔ کہا تو کیا تین لاکھ؟ فرمایا نہیں۔ شاید اس قول سے امام احمد رحمہ اللہ نے دو اہم باتوں کی جانب اشارہ کیا ہے ایک یہ کہ حفظ تنہا کافی نہیں کہ آدمی فقیہ ہو اور فتویٰ پر قدرت رکھے۔ اور دوسری یہ کہ فقیہ جو فتویٰ دینے چلا ہو اس پر واجب ہے کہ شدید محتاط ہو اور (حفظ حدیث کے) اس عظیم الشان لازم کو کچھ کم اہم نہ جانے۔

(2) جہاں تک رائے میں قوی ہونے کا تعلق ہے تو اس کو اہل فقہ کے مذاہب پر دسترس حاصل ہونی چاہیے اور فقہاء کی آراء پر مطلع ہونا چاہیے۔ علی بن شقیق کہتے ہیں میں سن رہا تھا کہ عبداللہ بن المبارک سے دریافت کیا گیا آدمی کیلئے کب یہ جائز ہو جاتا ہے کہ وہ فتویٰ دے لے؟ فرمایا جب وہ اثر (مرویات) کا عالم ہو اور رائے کے اندر صاحب نظر ہو۔

(جامع بیان العلم لابن عبدالبرج 1 ص 31)

(3) اس پر لازم ہے کہ وہ علوم شریعت کا المام رکھتا ہو اور شریعت کے ان قواعد کے اندر اس کو درک حاصل ہو جن پر شریعت اپنے احکام کے معاملہ میں بنا کرتی ہے اور جن کے بغیر شریعت کے احکام نہیں سمجھے جا سکتے۔

مثلاً امام شافعی کہتے ہیں کسی کیلئے جائز نہیں کہ وہ اللہ کے دین کے اندر فتویٰ دینے لگے، سوائے یہ کہ وہ ایک ایسا آدمی ہو جو

کتاب اللہ میں گہری نظر رکھتا ہو۔ اس کے ناسخ و منسوخ، اس کے محکم و متشابہ سب پر دسترس رکھتا ہو۔ پھر ایسی ہی نظر اس کو حدیث میں حاصل ہو۔ پھر یہ کہ اشعار عرب پہ نظر رکھتا ہو۔ لغت کا عالم ہو۔ پھر (جس مسئلہ میں فتوی دے رہا ہو اس میں) سنت اور قرآن کی سب مطلوبہ نصوص کو جان چکا ہو۔ پھر یہ کہ اعتدال رکھنے والا ہو۔ پھر یہ کہ خطہ ہائے اسلام کے اندر جو فقہی طرز عمل رائج ہے ان کے اختلافات سے واقف و مطلع ہو۔ پھر یہ کہ اس کو اس معاملہ میں ایک ذوق اور ایک قدرتی صلاحیت حاصل ہو۔ پس اگر یہ ہو تو اس کیلئے جائز ہے کہ وہ رائے ظاہر کرے اور حلال و حرام کے اندر فتوی دے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کیلئے روا نہیں کہ وہ فتوی دے۔

(الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی)

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں جو آدمی فتوی دینا اپنے لئے روا سمجھتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ قرآن کی (قراءتوں اور دلالتوں وغیرہ کے) سب وجوہ کا عالم ہو اور اسانید کا بھی باقاعدہ عالم ہو۔ (اعلام الموقعین ج1 ص36)

یحییٰ بن اکثم کہتے ہیں علوم میں سے کوئی بھی علم ایسا نہیں جس کا حاصل کرنا علماء پر اور طلبہ علم پر اور سب مسلمانوں پر اس سے واجب تر ہو جتنا کہ قرآن کے ناسخ و منسوخ کا علم۔

ابن سیرین حضرت حذیفہ سے روایت کرتے ہیں، کہا لوگوں کو فتوی دے دینے کیلئے تین ہی قسم کے آدمی کھڑے ہوتے ہیں ایک وہ جو قرآن کے ناسخ و منسوخ کا علم رکھتا ہے۔ دوسرا، کوئی امیر عہدے دار جسے کسی معاملہ کو نمٹانے کیلئے بہر حال کوئی فیصلہ صادر کرنا ہے اور تیسرا، احمق جو خواہ مخواہ ایک کام اپنے سر لیتا ہے۔ ابن سیرین کہا کرتے تھے جہاں تک پہلی دو صنفوں کا تعلق ہے تو ان میں میں آتا نہیں اور تیسری صنف میں شمار ہونے کی مجھے کوئی خواہش نہیں۔ (اعلام الموقعین ج1 ص36)

البتہ جب ہم قرآن کے ناسخ و منسوخ کا علم رکھنے کی بابت سلف کے ہاں سنتے ہیں تو اس سے ایک بہت وسیع چیز ان کے ہاں مقصود ہوتی ہے۔ ابن القیم فرماتے ہیں سلف کی مراد ناسخ و منسوخ سے کسی وقت ہوتی ہے ایک حکم کا کلیتاً ختم کر دیا جانا جو کہ (نسخ کے حوالے سے) متاخرین کی اصطلاح ہے اور کسی وقت ان کی مراد ہوتی ہے دلالت عام و مطلق و ظاہر وغیرہ جس کی (شریعت میں) کہیں تخصیص کر دی گئی ہو یا تقیید یا مطلق کا مقید پر محمول ہونا، یا اس کو کوئی (دقیق) تفسیر اور تبیین دی جانا یہاں تک کہ وہ لوگ استثناء یا شرط یا صفت کے آ جانے کو بھی نسخ بول دیتے تھے۔

ایک طالب علم کے یہ علم میں ہونا چاہیے کہ مرتبہ فتوی سب کے سب صحابہ کو بھی حاصل نہیں رہا حالانکہ جہاں تک لغت (اور ترجمہ) کا تعلق ہے تو سب کے سب صحابہ آج کے کسی بڑے سے بڑے فصیح سے بڑھ کر عربی میں فصیح تھے۔ پھر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہونا اور آیات تنزیل کا ان کے اپنے دور میں اور ان کے سامنے اترا ہونا اس پر مستزاد۔ پھر بھی فتوں کی نسبت سے ان میں سات آدمی ہی مشہور ہوئے۔ دوسرے فتوی دینے میں یا درمیانے رہے اور یا پھر بہت کم فتوی دینے والے لوگ۔ کل صحابہ جن کا فتوی دینا تاریخ میں مذکور ہوا ایک سو میں سے کچھ اوپر بنتے ہیں، جیسا کہ ابن القیم نے اپنی اعلام الموقعین کے اندر اس کی کچھ تفصیل دی ہے۔

پس ہر شخص جو اپنے آپ کو اس رتبہ کیلئے نامزد کرتا ہے اور احکام شریعت میں نظر اور حلال و حرام میں معروفت رکھنے پر عازم

ہے اور تقوی واجتہاد کیلئے آگے بڑھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ ان سب اوزاروں پہ دسترس پائے اور یہ سب اہلیتیں اپنے اندر پیدا کرے۔ اس کیلئے آستینیں چڑھا لے۔ عزیمت کو زندہ کرے اور حصول علم میں راتیں جاگے۔ خدا سے ہمیشہ دعا گو رہے کہ اسے یہ نور مل جائے۔

علم دراصل ایک نور ہے جسے خدا کسی شخص کے قلب میں بھر دیتا ہے جیسا کہ امام مالک کا قول ہے۔ علم کثرت مرویت کا نام نہیں۔ یہ تو ایک نور ہے جسے خدا کی جانب سے قلوب میں ڈال دیا جاتا ہے۔

دینی علوم کی تین اقسام کا بیان

54- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي رِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ وَّجَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ اَنْعُمٍ الْاِفْرِيقِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِلْمُ ثَلٰثَةٌ وَّمَا كَانَ سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ اٰيَةٌ مُّحْكَمَةٌ اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''علم تین طرح کا ہے' اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ اضافی ہے' محکم آیت' قائم سنت اور انصاف کے مطابق وراثت کی تقسیم (کا علم' حقیقی علم ہے)

آیات قرآنی کی پانچ اقسام کا بیان

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن مجید کے مطالب کو کھول کر بیان کرو اور اس کے غرائب کو تلاش کرو اور اس کے غرائب اس کے فرائض اور اس کی حدود ہیں کیونکہ قرآن پانچ قسموں پر نازل ہوا حلال و حرام محکم، متشابہ اور مثالیں سو تم حلال پر عمل کرو۔ اور حرام سے بچو۔ محکم کی تابعداری کرو اور متشابہ پر ایمان لاؤ اور مثالوں سے عبرت حاصل کرو۔

امام تفسیر ابن ابی حاتم رازی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ قرآن مجید ذو معنی کئی فنون والا اور اس کے ظاہری علوم اور باطنی علوم ہیں اس کے عجائبات ختم نہیں ہوتے نہ کوئی اس کی انتہاء کو پہنچ سکتا ہے جو اس میں نرمی سے داخل ہوا وہ نجات پا گیا اور جو شخص اس میں سختی سے داخل ہوا وہ گمراہ ہوا۔ اس میں خبریں مثالیں حرام اور حلال ناسخ اور منسوخ محکم اور متشابہ کے اور ظاہر اور باطن کے بارے میں سو اس کا ظاہر اس کی تلاوت ہے اور اس کا باطن تاویل ہے علماء کی خدمت میں بیٹھو اور بیوقوفوں سے کنارہ کش ہو جاؤ اور بچو تم عالم کی لغزش سے بچو۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ آل عمران، بیروت)

منصب قضاء کیلئے اہلیت کا بیان

55- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ حَمَّادٍ سَجَّادَةُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْاُمَوِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ

---

54 اخرجہ ابو داؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 2885

55 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حَسَّانَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ لَا تَقْضِيَنَّ وَلَا تَفْصِلَنَّ اِلَّا بِمَا تَعْلَمُ فَاِنْ اَشْكَلَ عَلَيْكَ اَمْرٌ فَقِفْ حَتّٰى تَبَيَّنَهُ اَوْ تَكْتُبَ اِلَىَّ فِيْهِ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے یمن بھیجا تو ارشاد فرمایا: ''تم اس وقت تک قاضی کے طور پر حکم نہ سنانا' اور اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا' جب تک تمہیں علم نہ ہو' اگر کوئی معاملہ تم پر مشتبہ ہو جائے' تو تم اس وقت تک رک جانا' جب تک وہ تمہارے لیے واضح نہیں ہو جاتا یا تم اس کے بارے میں مجھے خط نہیں لکھ دیتے''۔

فتویٰ دینے کی اہلیت کیلئے حکمران کے تجسس کا بیان

حاکم اسلام پر یہ ضروری ہے کہ اس کا تجسس کرے کون فتویٰ دینے کے قابل ہے اور کون نہیں ہے جو نااہل ہو اُسے اس کام سے روک دے کہ ایسوں کے فتوے سے طرح طرح کی خرابیاں واقع ہوتی ہیں جن کا اس زمانہ میں پوری طور پر مشاہدہ ہو رہا ہے۔ فتوے کے شرائط سے یہ بھی ہے کہ سائلین کی ترتیب کا لحاظ رکھے امیر و غریب کا خیال نہ کرے یہ نہ ہو کہ کوئی مالدار یا حکومت کا معزز آدمی ہو تو اُس کو پہلے جواب دے دے اور پیشتر سے جو غریب لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اُنھیں بٹھائے رکھے بلکہ جو پہلے آیا اُسے پہلے جواب دے اور جو پیچھے آیا اُسے پیچھے، چاہے وہ کوئی ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

مفتی کو یہ چاہیے کہ کتاب کو عزت و حرمت کے ساتھ لے کتاب کی بے حرمتی نہ کرے اور جو سوال اُس کے سامنے پیش ہو اُسے غور سے پڑھے پہلے سوال کو خوب اچھی طرح سمجھ لے اُس کے بعد جواب دے۔ بار ہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ سؤال میں پیچیدگیاں ہوتی ہیں جب تک مستفتی سے دریافت نہ کیا جائے سمجھ میں نہیں آتا ایسے سؤال کو مستفتی سے سمجھنے کی ضرورت ہے اُس کی ظاہر عبارت پر ہرگز جواب نہ دیا جائے۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ سوال میں بعض ضروری باتیں مستفتی ذکر نہیں کرتا اگرچہ اس کا ذکر نہ کرنا بددیانتی کی بنا پر نہ ہو بلکہ اُس نے اپنے نزدیک اُس کو ضروری نہیں سمجھا تھا مفتی پر ضروری ہے کہ ایسی ضروری باتیں سائل سے دریافت کرلے تاکہ جواب واقعہ کے مطابق ہو سکے اور جو کچھ سائل نے بیان کر دیا ہے مفتی اُس کو اپنے جواب میں ظاہر کردے تاکہ یہ شبہہ نہ ہو کہ جواب و سؤال میں مطابقت نہیں ہے۔

سؤال کا کاغذ ہاتھ میں لیا جائے اور جواب لکھ کر ہاتھ میں دیا جائے اُسے سائل کی طرف پھینکا نہ جائے کیوں کہ ایسے کاغذات میں اکثر اللہ عزوجل کا نام ہوتا ہے قرآن کی آیات ہوتی ہیں حدیثیں ہوتی ہیں ان کی تعظیم ضروری ہے اور یہ چیزیں نہ بھی ہوں تو فتویٰ خود تعظیم کی چیز ہے کہ اُس میں حکم شریعت تحریر ہے حکم شرع کا احترام ضروری ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب قضاء)

اور جواب کو ختم کرنے کے بعد واللہ تعالیٰ اعلم یا اس کے مثل دوسرے الفاظ تحریر کر دینا چاہیے۔ مفتی کے لیے یہ ضروری ہے کہ بردبار خوش خلق ہنس مکھ ہو نرمی کے ساتھ بات کرے غلطی ہو جائے تو واپس لے اپنی غلطی سے رجوع کرنے میں کبھی دریغ نہ کرے یہ نہ سمجھے کہ مجھے لوگ کیا کہیں گے کہ غلط فتویٰ دے کر رجوع نہ کرنا حیا سے ہو یا تکبر سے بہر حال حرام ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب قضاء)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایسے وقت میں فتوی نہ دے جب مزاج صحیح نہ ہو مثلاً غصہ یا غم یا خوشی کی حالت ہو یا بھوک پیاس ہو یا طبیعت ٹھیک نہ ہو تو فتوی نہ دے۔ اسی طرح پاخانہ پیشاب کی ضرورت کے وقت فتوی نہ دے ہاں اگر اُسے یقین ہے کہ اس وقت میں بھی صحیح جواب ہوگا تو فتوی دینا صحیح ہے۔ بہتر یہ ہے کہ فتوی پر سائل سے اجرت نہ لے مفت جواب لکھے اور وہاں والوں نے اگر اس کی ضروریات کا لحاظ کر کے گزارہ کے لائق مقرر کر رکھا ہو کہ عالم دین، دین کی خدمت میں مشغول رہے اور اُس کی ضروریات لوگ اپنے طور پر پورے کریں یہ درست ہے۔ (بحر الرائق، کتاب قضاء)

مفتی کو ہدیہ قبول کرنا اور دعوت خاص میں جانا جائز ہے۔ یعنی جب اُسے اطمینان ہو کہ ہدیہ یا دعوت کی وجہ سے فتوے میں کسی قسم کی رعایت نہ ہوگی بلکہ حکم شرع بلا کم و کاست ظاہر کریگا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے فتوی پوچھا گیا وہ سیدھے بیٹھ گئے اور چادر اوڑھ کر عمامہ باندھ کر فتوی دیا یعنی افتا کی عظمت کا لحاظ کیا جائے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب قضاء)

اس زمانہ میں کہ علم دین کی عظمت لوگوں کے دلوں میں بہت کم باقی ہے اہل علم کو اس قسم کی باتوں کی طرف توجہ کی بہت ضرورت ہے جن سے علم کی عظمت پیدا ہو اس طرح ہرگز تواضع نہ کی جائے کہ علم و اہل علم کی وقعت میں کمی پیدا ہو۔ سب سے بڑھ کر جو چیز تجربہ سے ثابت ہوئی وہ احتیاج ہے جب اہل دنیا کو یہ معلوم ہوا کہ ان کو ہماری طرف احتیاج ہے وہیں وقعت کا خاتمہ ہے۔

اسرائیلی روایات میں صحت وسقم کا بیان

56- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي الرِّجَالِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَمْرٍو الْاَوْزَاعِيِّ عَنْ عَبْدَةَ بْنِ اَبِي لُبَابَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَمْ يَزَلْ اَمْرُ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ مُعْتَدِلًا حَتّٰى نَشَاَ فِيْهِمُ الْمُوَلَّدُوْنَ اَبْنَاءُ سَبَايَا الْاُمَمِ فَقَالُوْا بِالرَّاْيِ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: "بنی اسرائیل کا معاملہ اس وقت تک ٹھیک رہا جب تک ان میں "مولد" لوگوں یعنی مختلف قوموں کے قیدیوں کی اولاد کی نشوونما نہیں ہوگی پھر ان لوگوں نے رائے کے ذریعے بات کرنا شروع کی تو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا"۔

اسرائیلی روایات سے متعلق حکم کا بیان

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ (۱) پہلی قسم وہ اسرائیلیات ہیں جن کی تصدیق دوسرے خارجی دلائل سے ہو چکی ہے مثلاً فرعون کا غرق ہونا وغیرہ، ایسی روایات اسی لیے قابل اعتبار ہیں کہ قرآن کریم یا صحیح احادیث نے ان کی تصدیق کر دی ہے۔

---

56 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

(۲) دوسری قسم وہ اسرائیلیات ہیں جن کا جھوٹ ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے، مثلاً یہ کہانی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخر عمر میں (معاذ اللہ) بت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے یہ روایت اس لیے قطعاً باطل ہے کہ قرآن کریم نے صراحتاً اس کی تردید فرمائی ہے۔

(۳) تیسری قسم ان اسرائیلیات کی ہے جن کے بارے میں خارجی دلائل سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ سچی ہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جھوٹ ہیں، مثلاً تورات کے احکام وغیرہ ایسی اسرائیلیات کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"لا تصدقوھا و لا تکذبوھا"

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۵۲ھ) حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ نہ تم ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب یہ اس وجہ سے ہے کہ جن باتوں کی وہ خبر دے رہے ہیں وہ سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال رکھتی ہیں، اگر فی الواقع وہ سچ ہوں اور تم ان کی تکذیب کر دو یا اگر وہ جھوٹ ہوں اور تم اس کی تصدیق کر دو تو دونوں اعتبار سے حرج اور تنگی میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے اس لیے ان کی بیان کردہ باتوں کو سن کر نہ تصدیق کی جائے نہ تکذیب؛ تا کہ فتنہ میں نہ پڑو۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

اس قسم کی روایات کو بیان کرنا تو جائز ہے؛ لیکن ان پر نہ کسی دینی مسئلہ کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے نہ ان کی تصدیق یا تکذیب کی جا سکتی ہے اور اس قسم کی روایات کو بیان کرنے کا کوئی خاص فائدہ بھی نہیں۔

مسند الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اختصار کے ساتھ مگر جامع بات لکھی ہے کہ تفسیر میں اسرائیلی روایتوں کو بیان کرنا دراصل یہ بھی ایک سازش ہے جبکہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ ان کی تکذیب کرو؛ لہٰذا اس قاعدہ کی بنیاد پر دو باتیں نہایت ضروری ہیں۔

(۱) جب حدیث میں قرآن کریم کے اشارہ کی تفصیل موجود ہو تو اسرائیلی روایات کو تفسیر میں نقل نہیں کرنا چاہئے۔

(۲) قرآن کریم میں جس واقعہ کی طرف اشارہ آیا ہو اس کی تفصیل ضرورت کے بقدر ہی بیان کرنی چاہئے تا کہ قرآن کریم کی گواہی سے اس کی تصدیق ہو کیونکہ یہ بھی قاعدہ ہے کہ ضروری بات بقدر ضرورت مانی جاتی ہے۔ (الفوز الکبیر مع شرح الخیر الکثیر)

بعض اسرائیلی متکلم فیہ روایات کا بیان

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد کو اس بات کا یقین دلانے کیلیے کہ حضرت یوسف کو ایک بھیڑیے نے ہی کھا لیا ہے، ایک بھیڑیے کو باندھ کر حضرت یوسف کے والد حضرت یعقوب کے پاس لے آئے اور کہا کہ ابا جان! یہی وہ بھیڑیا ہے جو ہماری بکریوں کے ریوڑ میں آتا رہتا ہے اور ان کو چیرتا پھاڑتا ہے، ہمارا خیال ہے کہ اسی نے ہمارے بھائی یوسف کا خون کیا ہے، حضرت یعقوب نے بھیڑیے سے کہا قریب آؤ قریب آؤ، وہ قریب آ گیا، اس سے کہا تم نے میرے بیٹے کو مار کر تکلیف پہنچائی اور مسلسل غم میں مبتلا کر دیا ہے، پھر حضرت یعقوب نے اللہ سے دعا کی کہ، یا اللہ! تو اس کو گویائی دے، اللہ نے اس کو بولنا سکھا دیا، بھیڑیے نے کہا، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنایا ہے، نہ میں نے اس کا گوشت کھایا نہ میں نے اس

کی ہڈی ادھیڑی ہے، نہ میں نے اس کا ایک بال اکھیڑا ہے، قسم خدا کی آپ کے لڑکے سے میرا کوئی سروکار نہیں، میں ایک پردیسی ہوں، مصر کے اطراف سے اپنے ایک بھائی کی تلاش میں آیا ہوا ہوں، میں اس کی جستجو میں تھا کہ آپ کے لڑکوں نے میرا بھیڑیا ذکر کر لیا، ہم لوگوں پر انبیاء اور رسولوں کا گوشت حرام کر دیا گیا ہے۔ (تفسیر ثعلبی)

"فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ" ۔ (طٰہٰ)

انہوں نے اسے پھینک دیا، وہ اچانک ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گئی۔

اس آیت کے سلسلہ میں وہب بن منبہ کی ایک روایت ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ نے جب عصا کو زمین پر ڈالا تو دیکھا کہ وہ ایک عظیم الجثہ اژدھا بن گیا، لوگ حیرت واستعجاب اور خوف زدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، اژدھا ادھر اُدھر رینگ رہا ہے، جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو، اژدھا رینگتا ہوا پہاڑ کی چٹانوں کے پاس پہنچ گیا تو بھوکے اونٹ کی طرح بیتابی کے ساتھ پوری چٹان نگل گیا، جب وہ اپنا منھ بڑے سے بڑے تناور درخت کی جڑوں پر لگا دیتا تھا تو اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دیتا تھا، اس کی دونوں آنکھیں دہکتے ہوئے انگاروں کی طرح تھیں؛ اس کے بال نیزوں کی طرح تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

"أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ" ۔ (البقرۃ)

کیا تم نے اس شخص (کے حال) پر غور کیا جس کو اللہ نے سلطنت کیا دے دی تھی کہ وہ اپنے پروردگار (کے وجود ہی) کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام سے بحث کرنے لگا؟

اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت میں نمرود کے بارے میں اس طرح لکھا ہوا ہے ایک مچھر نمرود کی ناک میں گھس گیا اور اس کی ناک میں چار سو سال تک بھنبھناتا رہا، اس مچھر کی اذیت کی وجہ سے نمرود انتہائی بے چین رہتا تھا اور مستقل عذاب میں مبتلا تھا اور جب تکلیف کی شدت اور بے چینی بڑھ جاتی تھی تو لوہے کی سلاخ سے یا ہتھوڑے سے اس کے سر کو ٹھونکا جاتا تھا جس سے مچھر کی اذیت کچھ ہلکی پڑتی تھی، اسی عذاب میں نمرود چار سو سال زندہ رہا پھر اسی اذیت کی وجہ سے مر گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

بَابٌ : فِي الْإِيمَانِ

یہ باب ایمان کے بیان میں ہے

ایمان کے لغوی معنی ومفہوم کا بیان

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں کہ ایمان عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ ا۔ م۔ ن (امن) سے مشتق ہے۔ لغت کی رو سے کسی خوف سے محفوظ ہو جانے، دل کے مطمئن ہو جانے اور انسان کے خیر و عافیت سے ہمکنار ہونے کو امن کہتے ہیں۔ ایمان کا لفظ بطور فعل لازم استعمال ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے امن پانا، اور جب یہ فعل متعدی کے طور پر آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے امن دینا۔

(1. ابن منظور، لسان العرب، 23:13، 2. زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس، 18، 23، 24)

کسی پر ایمان لانے سے مراد اس کی تصدیق کرنا اور اس پر یقین رکھنا ہے۔ گویا لفظ ایمان اپنے اصل معنی اور مفہوم کے اعتبار

سے امن، امانت اور بھروسے پر دلالت کرتا ہے۔

ایمان کے اجزاء کا بیان

محدثین کے نزدیک "ایمان" کے تین اجزاء ہیں: "تصدیق بالقلب" یعنی اللہ کی وحدانیت، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور دین کی حقانیت پر دل سے یقین رکھنا اور اس یقین واعتماد پر دل ودماغ کا مطمئن رہنا۔ "اقرار باللسان" یعنی اس دلی یقین واعتقاد کا زبان سے اظہار، اعتراف اور اقرار کرنا۔ "اعمال بالجوارح" یعنی دین وشریعت کے احکام وہدایات کی جسمانی بجا آوری کے ذریعہ اس دلی یقین واعتقاد کا عملی مظاہرہ کرنا۔ ان تینوں اجزاء سے مل کر "ایمان" کی تکمیل ہوتی ہے اور جو آدمی اس ایمان کا حامل ہوتا ہے اس کو "مومن ومسلمان" کہا جاتا ہے۔

ایمان اور اسلام

کیا ایمان اور اسلام میں کوئی فرق ہے یا یہ دونوں لفظ ایک ہی مفہوم کو ادا کرتے ہیں؟ ظاہری مفہوم ومصداق کے اعتبار سے تو یہ دونوں لفظ تقریبا ایک ہی مفہوم کے لئے استعمال ہوتے ہیں لیکن اس اعتبار سے ان دونوں کے درمیان فرق ہے کہ "ایمان" سے عام طور پر تصدیق قلبی اور احوال باطنی مراد ہوتے ہیں جب کہ "اسلام" سے اکثر وبیشتر ظاہری اطاعت وفرمانبرداری مراد لی جاتی ہے اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ "وحدانیت، رسالت اور شریعت کو ماننے اور تسلیم کرنے" کا جو باطنی تعلق دل ودماغ سے قائم ہوتا ہے اس کو "ایمان" سے تعبیر کرتے ہیں اور اس باطنی تعلق کا جو اظہار عمل جوارح کے ذریعہ ظاہری احوال سے ہوتا ہے اس کو "اسلام" سے تعبیر کرتے ہیں، ایک محقق کا قول ہے تصدیق قلبی جب پھوٹ کر جوارح "اعضاء" پر نمودار ہوجائے تو اس کا نام "اسلام" ہے اور اسلام جب دل میں اتر جائے تو "ایمان" کے نام موسوم ہوجاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حقیقت ایک ہے مواطن کے اعتبار سے اس کو کبھی "ایمان" کہا جاتا ہے اور کبھی "اسلام" اسی لئے ایمان اور اسلام ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں، نہ تو ایمان کے بغیر اسلام معتبر ہوگا اور نہ اسلام کے بغیر ایمان کی تکمیل ہوگی۔ مثلاً کوئی آدمی پانچوں وقت کی نماز بھی پڑھے، ہر سال زکوۃ بھی ادا کرے، استطاعت ہو تو حج بھی کرڈالے اور اسی طرح دوسرے نیک کام کرکے اپنی ظاہری زندگی کو "اسلام" کا مظہر بنائے ہوئے ہو مگر اس کا باطن "قلبی تصدیق وانقیاد" سے بالکل خالی ہو اور کفر وانکار سے بھرا ہوا ہو تو اس کے یہ سارے اعمال بیکار محض قرار پائیں گے اسی طرح اگر کوئی آدمی ایمان یعنی قلبی تصدیق وانقیاد تو رکھتا ہے مگر عملی زندگی میں اسلام کا مظہر ہونے کے بجائے سرکشی ونافرمانی کا پیکر اور کافرانہ ومشرکانہ اعمال کا مجسمہ بنا ہوا ہے تو اس کا ایمان فائدہ مند نہیں ہوگا۔ بعض اہل نظر نے "ایمان اور اسلام" کی مثال "شہادتین" سے دی ہے یعنی جیسے کلمہ شہادت میں دیکھا جائے تو شہادت وحدانیت الگ ہے اور شہادت رسالت الگ ہے۔ لیکن ان دونوں کا ارتباط واتحاد اس درجہ کا ہے کہ شہادت رسالت کے بغیر شہادت وحدانیت کارآمد نہیں اور شہادت وحدانیت کے بغیر شہادت رسالت کا اعتبار نہیں۔

ٹھیک اسی طرح "ایمان" اور "اسلام" کے درمیان دیکھا جائے تو بعض اعتبار سے فرق محسوس ہوتا ہے لیکن ان دونوں کا

تو وہ اس درجہ کا ہے کہ اعتقاد باطنی (یعنی ایمان) کے بغیر صرف اعمال ظاہرہ (اسلام) کھلا ہوا نفاق ہیں اور اعمال ظاہرہ کے بغیر اعتقاد باطن کفر کی ایک صورت ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں کے مجموعہ کا نام "دین" ہے۔ ایمان کا مدار "جاننے" پر نہیں "ماننے" پر ہے: ایمان کے بارے میں اس اہم حقیقت کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ تصدیق یعنی ماننے کا نام ایمان ہے نہ کہ محض علم یا معرفت یعنی جاننے کا۔ مطلب یہ کہ ایک آدمی جانتا ہے کہ "اللہ" ہے اور اکیلا ہے وہی پروردگار اور معبود ہے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے بندے اور اس کے رسول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس دین وشریعت اور تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، وہ مبنی بر حقیقت وصداقت ہے۔ مگر وہ آدمی دل سے ان باتوں کو نہیں مانتا، ان پر اعتقاد نہیں رکھتا، اس کا قلب ان باتوں کے اذعان وقبول سے خالی ہے تو اس آدمی میں "ایمان" کا وجود نہیں مانا جائے گا اس کو مومن نہیں کہا جائے گا۔ مومن تو وہی آدمی ہو سکتا ہے جو ان باتوں کو سچ اور حق بھی جانے اور دل سے مانے اور تسلیم بھی کرے۔ جب داعی حق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی دعوت پیش کی تو تمام اہل عرب بالخصوص اہل کتاب (یہود ونصاری) الوہیت کے بھی قائل تھے اور یہ بات بھی خوب جانتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے اور آخری رسول ہیں اور جو دین وشریعت پیش کر رہے ہیں وہ حق اور سچ ہے۔ مگر ان میں سے جو لوگ حسد وعناد رکھنے کے سبب ان حقائق کو مانتے اور تسلیم نہیں کرتے تھے ان کے دل ودماغ میں ایمان کا نور داخل نہیں ہو سکا اور وہ کافر کے کافر ہی رہے، ان حقائق کا "جاننا" ان کے کسی کام نہ آیا۔ بعض صورتوں میں "اقرار باللسان" کی قید ضروری ہے: جن حقائق کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کا زبان سے اقرار کرنا گو وجود ایمان کے لئے ضروری ہے لیکن بعض حالتوں میں یہ زبانی اقرار (اقرار باللسان) ضروری نہیں رہتا۔ مثلاً اگر کوئی آدمی گونگا ہے اور اس کے قلب میں تصدیق تو موجود ہے لیکن زبان سے کوئی لفظ ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو ایسے آدمی کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کا ایمان زبانی اقرار کے بغیر بھی معتبر مانا جائے گا، اسی طرح کوئی آدمی جانی خوف یا کسی واقعی مجبوری کی بنا پر زبان سے اپنے ایمان کا اقرار نہیں کر سکتا تو اس کا ایمان بھی زبانی اقرار کے بغیر معتبر ہوگا۔ "اعمال" کی حیثیت: وجود ایمان کی تکمیل کے لئے "اعمال" بھی لازمی شرط ہیں کیونکہ تصدیق قلب اور زبانی اقرار کی واقعیت وصداقت کا ثبوت "اعمال" ہی ہیں۔ یہی عملی ثبوت ظاہری زندگی میں اس فیصلہ کی بنیاد بنتا ہے کہ اس کو مومن ومسلمان کہا جائے اسی بنا پر یہ حکم ہے کہ اگر کوئی آدمی دعوائے ایمان واسلام کے باوجود ایسے اعمال کرتا ہے جو خالصتاً کفر کی علامت اور ایمان واسلام کے منافی ہیں، یا جن کو اختیار کرنے والے پر کافر ہونے کا یقین ہوتا ہے تو وہ آدمی کافر ہی شمار ہوگا اس کے اور ایمان واسلام کا دعویٰ غیر معتبر مانا جائے گا۔

بن دیکھے ایمان لانے والوں کی فضیلت کا بیان

امام بزار، ابو یعلی، الرهبی نے فضل العلم میں حاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ اہل ایمان میں سے افضل کس کا ایمان ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! فرشتوں کا۔ آپ نے فرمایا وہ اسی طرح سے ہے اور یہ حق ہے ان کے لئے کہ وہ ایمان لائیں کوئی چیز ان کو ایمان لانے سے نہیں روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مرتبہ عطا فرمایا جو ان کو مرتبہ عطا فرمانا تھا۔

صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! انبیاء کا ایمان افضل ہوگا؟ جن کو اللہ تعالیٰ نے رسالت اور نبوت کے ساتھ نوازا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ اسی طرح سے ہے اور یہ حق ہے ان کے لئے کہ وہ ایمان لائیں کوئی چیز ان کے ایمان لانے سے نہیں روکتی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مرتبہ عطا فرمایا جو ان کو مرتبہ فرمانا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! پھر شہید کا ایمان افضل ہوگا؟ جو انبیاء کے ساتھ شہید ہوئے۔ آپ نے فرمایا وہ اسی طرح سے ہے۔ اور یہ حق ہے اس کے لئے کہ وہ ایمان لائیں۔ اور کوئی چیز ان کو ایمان لانے سے نہیں روکتی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو انبیاء کرام کے ساتھ شہادت سے نوازا۔ بلکہ ان کے علاوہ اور لوگ ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا وہ کون لوگ ہیں یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا مردوں کی پشتوں میں وہ قوم میں جو میرے بعد آئیں گی مجھ پر ایمان لائیں گی حالانکہ مجھے نہیں دیکھا ہوگا اور میری تصدیق کریں گے حالانکہ مجھے نہیں دیکھا ہوگا۔ پائیں گے لٹکے ہوئے کاغذ کو یعنی اللہ کی کتاب کو سو عمل کریں گے جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہوگا۔ سو یہی لوگ اہل ایمان میں سے افضل ایمان لانے والے ہیں۔

حضرت حسن بن عروہ نے اپنے مشہور حزب میں بیہقی نے دلائل میں اصبہانی نے الترغیب میں۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مخلوق میں سے تمہارے نزدیک کس کا ایمان زیادہ اچھا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا فرشتوں کا۔ آپ نے فرمایا اور کیا ہے ان کے لیے وہ ایمان نہ لاتے حالانکہ وہ اپنے رب کے پاس ہیں صحابہ نے عرض کیا انبیاء کا (ایمان اچھا ہے) آپ نے فرمایا اور کیا ہے۔ ان کے لئے وہ ایمان نہ لاتے حالانکہ وحی ان پر نازل ہوتی ہے۔ صحابہ نے پھر عرض کیا کہ ہم (ایمان میں اچھے ہیں) آپ نے فرمایا اور کیا ہے تم کو کہ تم ایمان نہ لاتے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ خبردار! بلاشبہ میرے نزدیک ایمان میں سے سب اچھے وہ لوگ ہیں۔ جو تمہارے بعد ہوں گے پائیں گے صحیفہ (یعنی اللہ کی کتاب) کو اور ایمان لائیں گے جو کچھ اس میں ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا کچھ پانی ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک مشکیزہ لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اس پانی پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا اور اپنی انگلیوں کو کھول دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی طرح پانی ابلنے لگا آپ نے فرمایا اے بلال! لوگوں کو وضو کے لیے بلاؤ۔ سب صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان وضو کرنے لگے۔ اور ابن مسعود نے پینے کا ارادہ کیا جب سب نے وضو کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی پھر آپ لوگوں سے باتیں کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔ اور فرمایا اے لوگو! مخلوق میں سے ایمان کے اعتبار سے کون اچھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا فرشتے! آپ نے فرمایا کہ فرشتے کیوں ایمان نہ لاتے حالانکہ وہ اللہ کے حکم کو دیکھ رہے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا پھر انبیاء کا ایمان سب سے اچھا ہے۔ یارسول اللہ! آپ نے فرمایا انبیاء کیوں ایمان نہ لاتے حالانکہ وہ دیکھتے ہیں اس وحی کو جو آسمان سے اترتی ہے لوگوں نے پھر عرض کیا کہ آپ کے صحابہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صحابہ کیوں ایمان نہ لاتے حالانکہ وہ دیکھتے ہیں اس کو جس کو وہ دیکھتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیکن لوگوں میں ایمان کے اعتبار سے سب سے اچھے وہ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے جو مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ مجھے نہیں دیکھیں گے اور میری تصدیق کریں گے حالانکہ

مجھے نہیں دیکھیں گے وہ میرے بھائی ہیں۔

امام اسماعیل نے اپنی معجم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کس کا ایمان زیادہ پسندیدہ ہے؟ کہا گیا فرشتوں کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کس طرح وہ ایمان نہ لائیں گے حالانکہ وہ تو آسمان میں ہیں اور اللہ تعالیٰ سے وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے۔ پھر کہا گیا انبیاء کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کس طرح وہ ایمان نہ لائیں حالانکہ ان کے پاس وحی آتی ہے صحابہ نے عرض کیا پھر ہمارا ایمان (سب سے اچھا ہے) آپ نے فرمایا کس طرح حالانکہ تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور اس کے رسول تمہارے درمیان موجود ہے لیکن ایک قوم ہے جو میرے بعد آئے گی۔ مجھ پر ایمان لائے گی۔ حالانکہ مجھے نہیں دیکھے گی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ایمان سب سے زیادہ پسندیدہ ہے اور یہ لوگ میرے بھائی ہیں اور تم میرے اصحاب ہو۔

امام بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کون سی مخلوق کا ایمان زیادہ اچھا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا فرشتوں کا۔ آپ نے فرمایا فرشتے کیسے ایمان نہ لاتے؟ صحابہ نے پھر عرض کیا نبیوں کا آپ نے فرمایا نبیوں کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ وہ کیسے ایمان نہ لاتے؟ لیکن لوگوں میں سب سے اچھا ایمان ان کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے اور وحی پر مشتمل کتاب کو پائیں گے اس پر مسند ایمان لائیں گے۔ اور اس کی تابعداری کریں گے سو لوگوں میں سے یہی لوگ زیادہ اچھے ایمان والے ہیں۔ (تفسیر در منثور، سورہ بقرہ، بیروت)

ایمان کے ابواب کا بیان

57- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ الطَّنَافِسِيُّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِي صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّونَ اَوْ سَبْعُونَ بَابًا اَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيقِ وَاَرْفَعُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: ایمان کے ساٹھ سے زیادہ (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) ستر سے زیادہ دروازے ہیں' جن میں سب سے کمتر راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے اور اس میں سب سے بلند تر یہ اعتراف کرنا ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

ایمان کے شعبہ جات کی وضاحت کا بیان

اس حدیث میں ایمان کے شعبوں اور شاخوں کی تعداد بتائی گئی ہے یعنی وہ چیزیں مل کر کسی کو ایمان واسلام کا مکمل پیکر اور خوشنما مظہر بناتی ہیں۔ یہاں تو صرف ان شعبوں اور شاخوں کی تعداد بتلائی گئی ہے لیکن بعض احادیث میں ان کی تفصیل بھی منقول ہے اور

وہ اس طرح ہے: پہلی چیز تو بنیادی ہے یعنی اس حقیقت کا دل و دماغ میں اعتقاد و یقین اور زبان سے اقرار و اظہار کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس کی ذات و صفات برحق ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، بقاء اور دوام صرف اسی کی ذات کے لئے ہے جب کہ کائنات کی تمام چیزیں فنا ہو جانے والی ہیں، ایسے ہی اللہ کے رسولوں، اس کی کتابوں اور فرشتوں کے بارے میں اچھا اعتقاد اور حسن یقین رکھنا اور ان کو برحق جاننا، آخرت کا عقیدہ رکھنا کہ مرنے کے بعد قبر میں برے اور گنہگار لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اچھے نیک بندوں پر اس کا انعام و اکرام ہوتا ہے۔ قیامت آئے گی اور اس کے بعد حساب و کتاب کا مرحلہ ضرور آئے گا، اس وقت ہر ایک کے اعمال ترازو میں تولے جائیں گے جن کے زیادہ اعمال اچھے اور نیک ہوں گے ان کو پروانہ جنت دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، جن کے زیادہ اعمال برے ہوں گے، ان کی فرد جرم ان کے بائیں ہاتھ میں تھما دی جائے گی۔ تمام لوگ پل صراط پر سے گزریں گے۔ مومنین صالحین ذات باری تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ نیک اور اچھے لوگ بہشت میں پہنچائے جائیں گے اور گنہگاروں کو دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔ جس طرح جنتی (مومن) بندے جنت میں ہمیشہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام اور اس کی خوشنودی سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اسی طرح دوزخی لوگ (کفار) ہمیشہ ہمیشہ اللہ کے مسلط کئے ہوئے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ ایمان کے شعبوں اور شاخوں میں سے یہ بھی ہے کہ بندہ اللہ سے ہر وقت لو لگائے رہے اور اس سے محبت رکھے اگر کسی غیر اللہ سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے یا کسی سے دشمنی رکھے تو اللہ کے لئے رکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کامل محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و برتری اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو رواج دینا اور پھیلانا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے کی دلیل ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی علامت اس طرح رچ بس جائے کہ اس محبت کے مقابلہ میں دنیا کی کسی بھی چیز اور کسی بھی رشتہ کی محبت کوئی اہمیت نہ رکھے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی علامت اتباع شریعت ہے۔

اگر کوئی آدمی اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کی تعمیل کرتا ہے اور شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے لیکن جو آدمی اللہ اور رسول کے احکام و فرمان کی تابعداری نہ کرتا ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ نعوذ باللہ اس کا دل اللہ و رسول کی پاک محبت سے بالکل خالی ہے۔ یہ بھی ایمان کی ایک شاخ ہے کہ جو عمل کیا جائے خواہ وہ بدنی ہو یا مالی، قولی ہو یا فعلی اور یا اخلاقی وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے ہو، نام و نمود یا کسی دنیاوی غرض سے نہ ہو پس جہاں تک ہو سکے اعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ نفاق اور ریا کا اثر عمل کے حسن و کمال اور تاثیر کو ختم کر دے گا۔ مومن کا دل ہمہ وقت خوف اللہ اور خشیت الٰہی سے بھرا ہوا اور اس کے فضل و کرم اور رحمت کی امیدوں سے معمور رہنا چاہیے، اگر بتقاضائے بشریت کوئی بری بات یا گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر فوراً خلوص دل سے توبہ کے بعد آئندہ کے لئے گناہوں سے اجتناب کا عہد کرے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتا رہے اور اپنے اچھے عمل اور نیک کام میں اللہ کی رحمت اور اس کے انعام و اکرام کی آس لگائے رہے۔

درحقیقت یہ ایمان کا ایک بڑا تقاضہ ہے کہ جب کبھی کوئی گناہ جان بوجھ کر یا نادانستہ سرزد ہو جائے تو فوراً احساس ندامت و

شرمندگی کے ساتھ اللہ کے حضور اپنے گناہ سے توبہ کرے اور معافی و بخشش کا طلبگار رہو، اس لئے کہ ارتکاب گناہ کے بعد توبہ کرنا شرعاً ضروری اور لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکرادا کرتا رہے اگر اس نے اولاد عنایت فرمائی ہو تو فوراً عقیقہ کرے، اگر نکاح کیا ہو تو ولیمہ کرے، اگر قرآن مجید حفظ یا ناظرہ ختم کیا ہو تو خوشی و مسرت کا اظہار کرے، اللہ نے اگر مال دیا ہے تو زکوٰۃ ادا کرے۔ عیدالفطر کی تقریب میں صدقۃ الفطر دے اور بقر عید میں قربانی کرے۔ یہ بھی ایمان کا تقاضہ ہے کہ وعدہ کرے تو اسے پورا کرے، مصیبت پر صبر کرے، اطاعت و فرمانبرداری کے لئے ہر مشقت برداشت کرے، گناہوں سے بچتا رہے۔ تقدیر اور اللہ کی مرضی پر راضی رہے، اللہ پر توکل کرے، بڑوں اور بزرگوں کی تعظیم و احترام، چھوٹوں اور بچوں سے شفقت و محبت کا معاملہ کرے اور کبر و غرور، نخوت و تکبر کو چھوڑ کر کسر نفسی و تواضع اور حلم و بردباری اختیار کرے۔

"حسن اسلام" اور "تکمیل ایمان" کے مدارج میں سے یہ بھی ہے کہ برابر کلمہ توحید و شہادت کا ورد رکھے۔ قرآن شریف پڑھے اگر جاہل ہو تو عالم سے علم کی دولت حاصل کرے اگر عالم ہو تو جاہلوں کو تعلیم دے اپنے مقاصد میں کامیابی کے لئے اللہ سے مدد کا طلب گار رہو اور دعا مانگے اور اس کا ذکر کرتا رہے اپنے گناہوں سے استغفار کرے اور فحش باتوں سے بچتا رہے، ہر وقت ظاہری و باطنی گندگیوں سے پاک رہے۔ نمازوں کا پڑھنا خواہ فرض ہوں یا نفل اور وقت پر ادا کرنا، روزہ رکھنا، چاہے نفل ہو یا فرض، ستر کا چھپانا، صدقہ دینا خواہ نفلی ہو یا لازمی، غلاموں کو آزاد کرنا، سخاوت و ضیافت کرنا، اعتکاف میں بیٹھنا، شب قدر اور شب برأت میں عبادت کرنا، حج و عمرہ کرنا، طواف کرنا۔ دارالحرب یا ایسے ملک سے جہاں فسق و فجور، فحش و بے حیائی اور منکرات و بدعات کا زور ہو، دار الاسلام کی طرف ہجرت کر جانا، بدعتوں سے بچنا اپنے دین کو بری باتوں سے محفوظ رکھنا، نذروں کا پورا کرنا، کفاروں کا ادا کرنا، حرام کاری سے بچنے کے لئے نکاح کرنا۔

اہل و عیال کے حقوق پورے طور پر ادا کرنا، والدین کی خدمت کرنا اور ہر طرح ان کی مدد کرنا اور خبر گیری رکھنا، اپنی اولاد کی شریعت کے مطابق تربیت کرنا اپنے ماتحتوں سے حسن سلوک کرنا اپنے حاکموں، افسروں اور مسلمان سرداروں کی تابعداری کرنا بشرطیکہ وہ خلاف شرع چیزوں کا حکم نہ دیں۔ غلام اور باندی سے نرمی اور بھلائی سے پیش آنا، اگر صاحب اقتدار اور حاکم وجج ہو تو انصاف کرنا، لوگوں میں باہم صلح صفائی کرانا، اسلام سے بغاوت کرنے والوں اور دین سے پھرنے والوں سے قتل و قتال کرنا، اچھی باتوں کی تبلیغ کرنا، بری باتوں سے لوگوں کو روکنا، اللہ کی جانب سے مقرر کی ہوئی سزاؤں کا جاری کرنا، دین و اسلام میں غلط باتیں پیدا کرنے والوں اور اللہ و رسول ﷺ کا انکار کرنے والوں سے حسب قوت و استطاعت خواہ ہتھیار سے خواہ قلم و زبان سے جہاد کرنا، اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کرنا، امانت کا ادا کرنا، مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کرنا، وعدے کے مطابق قرض پورا کرنا، پڑوسی کی دیکھ بھال کرنا اور اس کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آنا، لوگوں کے ساتھ بہترین معاملہ کرنا، حلال طریقہ سے مال کمانا اور اس کی حفاظت کرنا، مال و دولت کو بہترین مصرف اور اچھی جگہ خرچ کرنا۔

فضول خرچی نہ کرنا، سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا، جب کسی کو چھینک آئے تو "یرحمک اللہ" کہنا، خلاف تہذیب کھیل کود اور برے تماشوں سے اجتناب کرنا، لوگوں کو تکلیف نہ پہنچانا اور راستوں سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹا دینا تاکہ راہ گیروں کو تکلیف و نقصان

نہ پہنچے، یہ سب ایمان کے شعبے اور اس کی شاخیں ہیں۔

راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کے ہٹانے کا یہ مطلب ہے کہ اگر راستے میں پتھر یا کانٹے پڑے ہوں جس سے راہ گیر کو تکلیف پہنچ سکتی ہو یا نجاست وغلاظت پڑی ہو یا ایسی کوئی بھی چیز پڑی ہو جس سے راستے پر چلنے والوں کو نقصان پہنچ سکتا ہو تو مومن کا یہ فرض ہے کہ انسانی و اخلاقی ہمدردی کے ناطے اس کو ہٹادے اور راستہ صاف کر دے۔ اور اسی طرح خود بھی ایسی کوئی چیز راستے میں نہ ڈالے جو راستہ چلنے والوں کے لئے تکلیف کا باعث ہو اور عارفین کی رمز شناس نگاہوں نے تو اس سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ انسان اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے صاف کر لے جو توجہ الی اللہ اور معرفت کے راستہ کی رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں اور اپنے قلب سے برائی و معصیت کے خیال تک کو کھرچ کر پھینک دے۔

بہر حال یہ تمام باتیں ایمان کے شعبے ہیں جن پر مومن کا عمل کرنا نہایت ضروری ہے اس لئے کہ ایمان کی تکمیل اور اسلام کا حسن ان ہی چیزوں سے پیدا ہوتا ہے اگر کوئی آدمی ان باتوں سے خالی ہے اور اس کی زندگی ان کی شعاعوں سے منور نہیں ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اس کے ایمان کی تکمیل نہیں ہوئی اس کو چاہیے کہ اللہ کی مدد اور اس کی توفیق چاہ کر ان اہم باتوں کو اختیار کرے۔

57م- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْخَالِدٍ الْاَحْمَرُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ ح و حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ سُهَيْلٍ جَمِيْعًا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے منقول ہے۔

حیاء ایمان کا شعبہ ہے

58- حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ اَبِیْ سَهْلٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَعِظُ اَخَاهُ فِی الْحَيَاءِ فَقَالَ اِنَّ الْحَيَاءَ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ

سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا جو اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ "اللہ سے حیاء کرو جیسا کہ حیاء کا حق ہے (یعنی جس طرح اللہ سے حیاء کرنی واجب ہے) اور جس حیاء کا وہ لائق ہے اس حیاء کا حق ادا کرو

58: اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 153' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2615

ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا جو حق ہے اس حق کو ادا کرو) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! ہم بلاشبہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتے ہیں (بایں طور کہ فی الجملہ اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرتے ہیں) اور تعریف اللہ کے لئے ہے (یعنی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائی ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حیاء کا حق یہ نہیں ہے جسے تم یہ کہتے ہو کہ ہم اللہ سے حیاء کرتے ہیں بلکہ (حیا کا حق تو یہ ہے کہ) جو شخص اللہ سے حیاء کرنے میں حیاء کا حق ادا کرے تو اسے چاہئے وہ سر کی اور جو کچھ سر کے ساتھ ہے اس کی محافظت کرے اور پیٹ کی اور جو کچھ پیٹ کے ساتھ ہے اس کی محافظت کرے اور اسے چاہئے کہ موت کو اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کو یاد رکھے اور جو شخص آخرت کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے وہ دنیا کی زینت و آرائش کو چھوڑ دیتا ہے لہٰذا جس شخص نے یہ (مذکورہ بالا ہدایت پر عمل) اس نے اللہ تعالیٰ سے حیاء کی اور حق حیاء ادا کیا" احمد و ترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 86)

سر کی محافظت کا مطلب یہ ہے کہ سر جسے اللہ نے شرف مکرمت سے نوازا ہے اللہ کے علاوہ کسی اور کے کام نہ آئے۔ سر کو جسے اللہ نے انسانی تقدس عطا فرمایا ہے انسان کے ہاتھوں تراشے گئے فانی بتوں اور خود انسانوں کے سامنے سجدہ ریز کر کے ذلیل نہ کیا جائے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اپنی دینداری کا سکہ جمانے کے لئے نماز نہ پڑھی جائے۔ سر کو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے جھکایا نہ جائے اور سر کو از راہ غرور و تکبر بلند نہ کیا جائے۔

"سر کے ساتھ" کی چیزوں سے مراد ہیں۔ زبان، آنکھ اور کان اور ان چیزوں کی محافظت کا مطلب یہ ہے کہ ان اعضاء کو گناہ سے بچایا جائے، جیسے زبان کو غیبت میں مبتلا نہ کیا جائے اور نہ جھوٹ بولا جائے آنکھ سے نامحرم اور گناہ کی چیزیں نہ دیکھی جائیں اور کان سے کسی کی غیبت اور جھوٹ مثلاً کہانی وغیرہ نہ سنی جائے۔ "پیٹ کی محافظت" کا مطلب یہ ہے کہ حرام اور مشتبہ چیزیں نہ کھائی جائیں۔

"پیٹ کے ساتھ" کی چیزوں سے جسم کے وہ حصے اور اعضاء مراد ہیں جو پیٹ سے ملے ہوئے ہیں، جیسے ستر، ہاتھ پاؤں اور دل وغیرہ، مطلب یہ ہے کہ جسم کے ان اعضاء اور حصوں کو بھی گناہ سے محفوظ رکھا جائے مثلاً ستر کو حرام کاری میں مبتلا نہ کیا جائے، گناہ و فواحش کی جگہ جیسے میلے، تماشے، ناچ گانے میں نہ جایا جائے کہ اس طرح پاؤں معصیت سے محفوظ رہیں گے ہاتھوں سے کسی کو کسی بھی طرح کی ایذاء نہ پہنچائی جائے۔ جیسے نہ کسی کو مارے پیٹے، نہ کسی کا مال چوری کر کے یا چھین کر لے اور نہ نامحرم کو ہاتھ لگائے، اسی طرح دل کو برے عقیدوں، گندے خیالات اور اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی یاد سے پاک رکھا جائے۔ آخر میں انسان کے جسم خاکی کے فانی ہونے کا احساس دلایا گیا ہے۔

چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اس بات کو کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ آخرت کا ایک نہ ایک دن اس دنیا سے تعلق ہو جائے گا اور یہ فانی جسم خواہ کتنا ہی حسین و جمیل اور باعظمت کیوں نہ ہو قبر کی آغوش میں سلا دیا جائے گا جہاں گوشت تو گوشت ہڈیاں تک بوسیدہ و خاک ہو جائیں گی۔ پھر اس کے بعد آیت (ومن اراد الآخرۃ) الخ فرما کر ایک ضابطہ بیان فرما دیا گیا ہے کہ جو شخص جانتا ہے کہ دنیا فانی ہے وہ دنیا اور دنیا کی لذات و خواہشات کو ترک کر دیتا ہے، نیز یہ کہ جو شخص آخرت کے ثواب اور وہاں کی ابدی نعمتوں اور سعادتوں کی

خواہش رکھتا ہے وہ دنیا کی ظاہری زیب وزینت چھوڑ دیتا ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں پورے کمال کے ساتھ کسی ایک شخص میں یہاں تک کہ اولیاء میں بھی جمع نہیں ہوسکتیں۔ اس حدیث کو لوگوں کے سامنے زیادہ سے زیادہ بیان کرنا، اس کی اشاعت کرنا اور اس کے مفہوم ومطالب سے عوام کو باخبر کرنا بڑی سعادت اور فضیلت کی بات ہے، چنانچہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو کثرت کے ساتھ ذکر و بیان کرنا مستحب ہے۔

رائی برابر ایمان یا تکبر کے سبب جنت و دوزخ میں جانے کا بیان

59- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الْأَعْمَشِ ح و حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ الرَّقِّيُّ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جنت میں ایسا شخص داخل نہیں ہوگا' جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو اور ایسا شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا' جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو۔

شرح

ایمان سے مراد اصل ایمان نہیں ہے بلکہ ایمان کے ثمرات مراد ہیں جن کو فضائل واخلاق سے تعبیر کیا جاتا ہے خواہ ان کا تعلق ظاہر سے ہو یا باطن سے اور جو نور ایمان اور ظہور ایقان سے صادر ہوتے ہیں جہاں تک اصلی ایمان کا تعلق ہے وہ چونکہ تصدیق قلبی کا نام ہے اس لئے اس میں نہ تو زیادتی ہوسکتی ہے اور نہ کمی، اس اعتبار سے اس کو اجزاء میں منقسم بھی نہیں کیا جاسکتا البتہ اس کے شعبے اور شاخیں بہت ہیں جو اصل ایمان کی حقیقت و ماہیت سے خارج ہیں جیسے نماز روزہ اور زکوۃ وغیرہ اور اسی طرح اسلام کے ظاہری دوسرے تمام احکام یا جیسے تواضع اور ترحم اور اسی طرح وہ تمام چیزیں جو باطنی اوصاف وخصائل کا درجہ رکھتی ہیں چنانچہ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ الایمان بضع وسبعون شعبة۔ ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ شاخوں اور اس کی اصل کے درمیان اتنا گہرا اور قریبی تعلق ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم کا درجہ رکھتی ہیں لیکن اس کے باوجود حقیقت و ماہیت کے اعتبار سے کوئی بھی شاخ اپنی اصل کا مترادف نہیں ہوسکتی اس طرح اصل ایمان ایک الگ چیز ہے اور اسلام کے تمام ظاہری احکام و باطنی اخلاق وخصائل جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں جن کو اصل ایمان کی حقیقت و ماہیت میں شامل نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد الحیاء شعبة من الایمان۔ مذکورہ بالا قول کی دلیل ہے کیونکہ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حیاء ایمان کے مفہوم میں داخل نہیں ہے۔

حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ اس کے نامہ اعمال میں

59- اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 39' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 1998' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث 4173

تکبر کا گناہ موجود رہے گا جب وہ تکبر اور دوسری بری خصلتوں کی آلائش سے پاک وصاف ہو جائے گا تو اس وقت جنت میں داخل کیا جائے گا اور یہ کہ پاکی وصفائی یا تو اس صورت میں حاصل ہوگی کہ اللہ اس کو عذاب میں مبتلا کرے گا اور وہ عذاب اس آلائش کو دھو دے گا یا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کو معاف کر دے گا اور معافی اس آلائش کو زائل کر دے گی، خطابی نے لکھا ہے کہ حدیث کے اس جزء کی دو تاویلیں ہیں ایک تو یہ کہ کبر سے کفر وشرک مراد ہے اور ظاہر ہے کہ کفر وشرک کے مرتکب پر جنت کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ بند رہیں گے۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ کبر سے مراد تو اس کے اپنے معنی ہی ہیں یعنی اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے برتر وبلند سمجھنا اور غرور گھمنڈ میں مبتلا ہونا البتہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ متکبر شخص اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ اللہ کی رحمت اس پر متوجہ نہ ہو چنانچہ جب حق تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرنا چاہے گا تو اس کے دل میں سے کبر کو نکال باہر کرے گا اور پھر اس کی کدورتوں سے پاک وصاف کر کے جنت میں داخل کر دے گا۔

غصہ اور تکبر کرنے کے مفاہیم کا بیان

غضب کے معنی ہیں غصہ ہونا اور حقیقت میں غضب یا غصہ اس طبعی کیفیت کو کہتے ہیں جو طبیعت ومزاج کے خلاف پیش آنے والی بات پر نفس کو برانگیختہ کرنا اور ناپسندیدہ چیز میں مغضوب علیہ کی طرف میلان کرتی ہے تا کہ اس سے انتقام لے سکے اور طبیعت کے خلاف پیش آنے والی صورت حال کو دور کر سکے اسی وجہ سے غصہ کی حالت میں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور رگیں پھول جاتی ہیں اسی طرح خوشی کی حالت میں بھی روح باہر کی طرف میلان کرتی ہے تا کہ اس چیز کے سامنے آ جائے جو خوشی کا باعث بنی ہے چنانچہ غصہ یا خوشی کی زیادتی کے وقت ہلاکت کا خوف اس لئے ہوتا ہے کہ اسے موقع پر روح پوری طرح بالکل نکل آنا چاہتی ہے اس کے برخلاف غم یا خوف کی حالت میں روح اندر کی طرف چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے چہرہ پر زردی چھا جاتی ہے اور جسم کو کمزوری لاحق ہو جاتی ہے اس حالت میں بھی ہلاکت کا خوف ہوتا ہے کیونکہ روح پوری طرح اندر کی طرف چلی جاتی ہے اور مطلق سرد ہو جاتی ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی طرف غضب وغصہ کی نسبت کرنا جیسا کہ ایک موقع پر فرمایا گیا ہے کہ من لم یسال اللہ یغضب علیہ۔ جو شخص اللہ کے سامنے دست دراز نہیں کرتا تو اللہ اس پر غصہ ہوتا ہے۔ مجاز ہے اور اللہ کے غصہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس بندے سے ناراض ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو کوئی بادشاہ غصہ کے وقت اپنی رعایا کے ساتھ کرتا ہے یعنی سزا دیتا ہے اور عذاب نازل کرتا ہے غضب کی ضد حلم ہے اور حلم دراصل نفس وطبیعت کے اس سکون واستقلال کو کہتے ہیں کہ جو محبوب ترین چیز کے قریب پہنچ جانے اور مقصود مراد کے بالکل سامنے ہونے کے وقت بھی انسان کو بے قرار نہیں ہونے دیتا جیسا کہ وفد عبدالقیس کے سردار حضرت منذر کے بارے میں یہ روایت منقول ہے کہ جب وہ اپنا وفد لے کر مدینہ پہنچے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس اضطراب بے قراری کا اظہار نہیں کیا جو ان کی قوم کے دوسرے لوگوں نے ظاہر کیا تھا اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حلم و وقار کی خوبیوں سے موصوف قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ غضب غصہ کوئی ایسی خصلت نہیں ہے جس کو بذات خود برا کہا جائے بلکہ اس میں برائی اس وقت آتی ہے جب اس کی وجہ سے راہ حق چھوٹ جائے اور احکام شریعت کی پابندی ترک ہو جائے چنانچہ جو غضب حق کی خاطر ہو اور حق کی راہ میں ہو اس کو محمود و مستحسن کہا جائے گا یہی وجہ ہے کہ راہ طریقت و سلوک میں ریاضت و مجاہدہ کا مقصد مطلق غضب و غصہ کو ختم کر دینا نہیں بلکہ اس کو قابو میں رکھنا اور حق کے تابع کرنا ہوتا ہے اور ویسے بھی قدرت نے غضب کو ایسی قوت بنایا ہے جو جسمانی نظام کو برقرار رکھنے کا ذریعہ اور بقاء حیات کا سبب ہے کیونکہ یہ قوت غضبیہ ایسی ہوتی ہے جو مضرات موذیات سے بچاتی ہے۔

چنانچہ نباتات و جمادات کو نیست و نابود کرنے پر ہر کوئی اسی لیے قادر ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان دونوں کو قوت غضبیہ سے محروم رکھا ہے اس کے برخلاف حکمت کاملہ الٰہی نے حیوان میں نہ صرف یہ کہ قوت غضبیہ پیدا کی ہے بلکہ ان کے بعض جسمانی حصوں کو گویا ایسے آلات و ہتھیار کے طور پر بنایا جن سے وہ اپنے نقصان و ایذاء سے اپنا دفاع کر سکیں جیسے سینگ اور دانت وغیرہ اور انسان میں اگرچہ اس طرح کی چیزیں پیدا نہیں کی ہیں لیکن اس کو وہ عقل و تدبیر دکھا دی ہے جس کے ذریعہ وہ ضرورت و حالت کے مطابق ایسے آلات و ہتھیار بنا سکتا ہے جو اس کو نقصان پہنچانے والے سے محفوظ رکھتے ہیں۔

مقام کبر، صغر اور تواضع کا بیان

"کبر" کے اصل معنی تو بڑائی کے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد وہ کبر ہے جو عجب یعنی خود بینی و خود ستائی کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے چنانچہ اپنے آپ کو اس طور پر بڑا سمجھنا اور بڑا ظاہر کرنا کہ جس کے سبب لوگوں پر اپنی فوقیت برتری جتانا مقصود ہو حق کو قبول کرنا اور حق کی فرمانبرداری سے انکار ہوتا ہو اور تمرد و سرکشی ظاہر ہوتی ہو تکبر اور استکبار کہلائے گا واضح رہے کہ کبر اور تکبر اس صورت میں مذموم ہیں کہ جب کہ وہ واقع کے خلاف ہوں یعنی اگر کوئی شخص اپنی ذات میں ایسے اوصاف و فضائل اور کمالات کا دعویٰ کرے جن سے حقیقت میں وہ خالی ہو اور مصنوعی طور پر اپنے آپ کو ان فضائل و کمالات سے متصف ظاہر کرتا ہو تو ایسا مذموم ہو گا اور اگر اس شخص کی ذات میں واقعتاً ایسے فضائل و کمالات ہوں جنکی بنا پر وہ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر و بلند سمجھے اور یہ اس کو ظاہر کرتا ہو تو یہ مذموم نہیں ہو گا نیز یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ تکبر کے مقابلہ میں تواضع ہے جو کبر اور صغر کے درمیان توسط اور راہ استدلال ہے چنانچہ کبر تو یہ ہے کہ کوئی شخص ان اوصاف و فضائل سے بھی زیادہ کا دعویٰ کرے جو وہ اپنے اندر رکھتا ہے اور صغر یہ ہے کہ اپنے اصل مقام سے بھی نیچے گر جائے۔

اور وہ جس چیز کے دعویٰ کا حق رکھتا ہے کہ اس کو بھی ترک کر دے ان دونوں کے درمیان تواضع ہے جو توسط اور اعتدال کا مقام ہے یعنی اپنے آپ کو نہ تو حد سے زیادہ بڑھایا جائے اور نہ حد سے نیچے گرایا جائے بلکہ بین بین رکھا جائے کیونکہ ہر چیز اور ہر حالت کی طرح اس معاملہ میں بھی اصل کمال توسط اور اعتدال ہی ہے اگرچہ مشائخ اور صوفیا قدس اللہ ارواحہم کا معمول یہ رہا ہے کہ جب وہ اپنے نفس میں تکبر کا غلبہ دیکھتے تو اس کو زائل کرنے میں انتہائی مبالغہ کرتے کہ تواضع کے بجائے صغر کا مقام اختیار کرنے کی کوشش کرتے تاکہ نفس آخر الامر تواضع کے مقام پر رک جائے۔

مرتکب کبیرہ کیلئے وعید اور بعد از سزا جنت میں جانے سے متعلق بحث کا بیان

مرتکب کبیرہ کے سلسلے میں آخرت سے متعلق وعید کی احادیث میں یہ آیا ہے کہ وہ ملعون ہے، یا اس کو جنت میں نہ داخل ہونے کی وعید ہے، یا جہنم میں داخل ہونے کی وعید ہے، اس سلسلے میں علماء کی آراء کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

1 "لا یدخل الجنۃ" وہ جنت میں نہ داخل ہوگا، یعنی نعمت وسرور اور انبساط کے اعتبار سے اونچے درجہ کی جنت میں نہ داخل ہوگا، یہ مطلب نہیں ہے کہ جنت کے کسی درجہ اور طبقہ میں داخل نہ ہوگا۔

2 یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرتکب کبیرہ اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگا جس وقت تک مرتکب کبیرہ کا ارتکاب نہ کرنے والے جنت میں داخل ہو رہے ہوں گے، اس لئے کہ وہ اپنے گناہوں کی باز پرس اور محاسبہ کے مرحلہ میں ہوگا، یا اپنے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں ہوگا، اور سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔

بعض لوگوں نے اس معنی کو ان لفظوں میں بیان کیا: "إن النفي هو الدخول المطلق الذي لا يكون معه عذاب، لا الدخول المقيد الذي يحصل لمن دخل النار ثم دخل الجنة"، یعنی: احادیث میں جنت میں اس مطلق دخول کی نفی ہے جس کے ساتھ عذاب نہ ہوگا، نہ کہ اس قید کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی نفی ہے جو جہنم میں داخل ہونے والے کو ہوگی کہ وہ جرم کی سزا بھگت کر جنت میں داخل ہوگا۔

3 ایک قول یہ بھی ہے کہ احادیث میں شرط اور استثناء موجود ہے یعنی اگر اللہ نے اس (مرتکب کبیرہ) کو عذاب دیا تو وہ جنت میں نہ داخل ہوگا، یا جنت میں نہ داخل ہوگا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے۔

بعض معاصی کے مرتکب کے بارے میں جہنم کی وعید والی احادیث کے بارے میں امام نووی فرماتے ہیں کہ کفر سے کمتر مرتکب کبائر کے لئے جہنم کی وعید سے متعلق ساری احادیث کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ یہ اس کی سزا ہے، کبھی وہ سزا کا مستحق ہوگا، اور کبھی اس سے سزا معاف کر دی جائے گی، پھر اگر اس کو (اس کے جرم کی پاداش میں) سزا ہوئی، تو وہ داخل جہنم ہوگا، لیکن اس میں ہمیشہ ہمیش نہیں رہے گا، بلکہ اللہ کے فضل وکرم سے وہ ضروری طور پر وہاں سے نکلے گا، توحید پر مرنے والا کوئی آدمی ہمیشہ اور ابدی طور پر جہنم میں نہیں رہے گا، یہ اہل سنت کے درمیان متفق علیہ اصول ہے۔

آخرت سے متعلق وارد احادیث وعد ووعید کے سلسلہ میں زیادہ راجح اور صحیح بات یہ ہے کہ ان کو ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے، اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ یہ اعمال وعدہ اور وعید کے اثبات وتحقق کے لئے سبب وعلت ہیں لیکن کسی متعین شخص پر ان وعدوں یا وعیدوں کا اطلاق نہیں ہوگا الا یہ کہ اس میں وہ ساری شروط وقیود پائی جا رہی ہوں، اور اس سلسلہ کی رکاوٹیں موجود نہ ہوں۔

اس لئے کہ اہل ایمان کے شرک سے اجتناب اور دوری کی صورت میں اعمال صالحہ پر دخول جنت کی بات بہت ساری احادیث میں وارد ہوئی ہیں، اور جن مطلق روایتوں میں کلمہ شہادت (لا الہ الا اللہ) یا شہادتین پر جنت میں داخل ہونے یا جہنم کے حرام ہونے کی بات ہے تو دوسری احادیث میں اس کی شروط وقیود آئی ہیں جن کی وجہ سے مطلق احادیث کو مقید احادیث پر رکھنا واجب اور ضروری ہے، مطلق احادیث (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) میں کلمہ توحید کو دخول جنت کا تقاضا کہا گیا ہے جس کے لئے شروط

وقیود کا ہونا اور موانع (رکاوٹوں) کا نہ ہونا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ امام حسن بصری سے جب یہ کہا گیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا: جنت میں داخل ہوگا تو آپ نے فرمایا: "جس نے کلمہ توحید کہا: اور اس کے حقوق وفرائض ادا کیے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

وہب بن منبہ سے سائل نے سوال کیا کہ کلمہ توحید (لا الہ الا اللہ) کیا جنت کی کنجی نہیں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، لیکن کنجی بغیر دندانے کے نہیں ہوتی، اگر تم دندانے والی کنجی لے کر آؤ گے تو جنت کا دروازہ تمہارے لئے کھل جائے گا ورنہ نہیں کھلے گا۔

اہل علم نے کلمہ گو (لا الہ الا اللہ کے قائل) میں سات شرطوں کے ضروری طور پر ہونے کا ذکر کیا ہے تا کہ وہ اس کلمہ سے فائدہ اٹھا سکے، وہ یہ ہیں: (علم، یقین، اخلاص، صدق، محبت، انقیاد، قبول)۔

حدیث: إن الله حرم علی النار من قال: لا إله إلا الله يبتغي وجه الله "اللہ کی رضا وخوشنودی کو چاہنے والے لا الہ الا اللہ کے قائل (کلمہ گو) پر اللہ تعالیٰ نے جہنم حرام کر دی ہے" کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"شارع وضاحت نے صرف زبانی اقرار سے اس کے حصول (یعنی جنت میں داخل ہونا اور جہنم میں نہ جانے) کی بات نہیں کہی ہے، اس لئے کہ یہ اعداء دین اسلام منافقین کلمہ توحید کو اپنی زبانوں سے دہراتے تھے، اور اس کے ساتھ وہ جہنم کے سب سے خراب درجہ کے مستحق ہیں، اس لئے زبانی اقرار اور دلی اقرار دونوں ضروری اور واجبی ہیں۔

اور دلی اقرار میں کلمہ کی معرفت اور اس کی تصدیق موجود ہے اور کلمہ میں سارے معبودان باطل کا انکار اور اللہ واحد کی الوہیت، اس کی عبادت کے اثبات کی معرفت موجود ہے، اور ماسوا اللہ سے الوہیت کی نفی کی حقیقت کی معرفت بھی موجود ہے کہ الوہیت وعبادت اللہ کے ساتھ خاص ہے اور دوسرے کے لئے اس کا ثبوت محال ہے۔

اس معنی ومفہوم کے علم ومعرفت اور یقین وحال کے ساتھ دل میں ثابت ومتحقق ہونے کے نتیجہ میں کلمہ گو پر جہنم حرام ہے، اور شارع نے اپنے ہر قول میں جو ثواب واجر متعین فرمایا ہے وہی پوری اور مکمل بات ہے۔

آگ کا صورتوں کو نہ کھانے کا بیان

60- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنْبَأَنَا مَعْمَرٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَلَصَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ مِنَ النَّارِ وَأَمِنُوا فَمَا مُجَادَلَةُ أَحَدِكُمْ لِصَاحِبِهِ فِي الْحَقِّ يَكُونُ لَهُ فِي الدُّنْيَا أَشَدُّ مُجَادَلَةً مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لِرَبِّهِمْ فِي إِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ أُدْخِلُوا النَّارَ قَالَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِخْوَانُنَا كَانُوا يُصَلُّونَ مَعَنَا وَيَصُومُونَ مَعَنَا وَيَحُجُّونَ مَعَنَا فَأَدْخَلْتَهُمُ النَّارَ فَيَقُولُ اذْهَبُوا فَأَخْرِجُوا مَنْ عَرَفْتُمْ مِنْهُمْ فَيَأْتُونَهُمْ فَيَعْرِفُونَهُمْ بِصُوَرِهِمْ لَا تَأْكُلُ النَّارُ صُوَرَهُمْ فَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ النَّارُ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ إِلَى

60 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 2225

كَمَا بَيْنَهُمْ فَيُخْرِجُونَهُمْ فَيَقُولُونَ رَبَّنَا اَخْرَجْنَا مَنْ اَمَرْتَنَا ثُمَّ يَقُوْلُ اَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ دِيْنَارٍ مِّنَ الْاِيْمَانِ ثُمَّ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ وَزْنُ نِصْفِ دِيْنَارٍ ثُمَّ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ قَالَ اَبُوْ سَعِيْدٍ فَمَنْ لَّمْ يُصَدِّقْ هٰذَا فَلْيَقْرَاْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ج وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا .

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:'' (قیامت کے دن) جب اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو جہنم سے نجات دیدے گا اور وہ امن میں آجائیں گے' تو دنیا میں آدمی کا جو حق ہوتا ہے اس کے بارے میں اپنے مخالف حریف سے اتنا شدید جھگڑا کوئی نہیں کرتا جس طرح جھگڑا وہ اہل ایمان اپنے پروردگار سے اپنے ان بھائیوں کے بارے میں کریں گے جنہیں جہنم میں داخل کیا گیا تھا''۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وہ لوگ کہیں گے' اے ہمارے پروردگار! یہ ہمارے بھائی ہیں جو ہمارے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور ہمارے ساتھ روزہ رکھا کرتے تھے ہمارے ساتھ حج کرتے تھے' تو نے انہیں جہنم میں داخل کردیا ہے' تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

''تم جاؤ اور ان میں سے جسے تم پہچان سکتے ہو اسے وہاں سے نکال لو' تو وہ لوگ وہاں آئیں گے ان کی صورتوں کی وجہ سے انہیں پہچان لیں گے چونکہ جہنم کی آگ ان کی صورتوں کو نہیں کھائے گی' ان میں سے کچھ وہ لوگ ہوں گے کہ آگ ان کے ٹخنوں تک ہوگی' وہ لوگ انہیں وہاں سے نکالیں گے اور کہیں گے' اے ہمارے پروردگار' جن کے بارے میں' تو نے ہمیں حکم دیا تھا' ہم نے انہیں نکال دیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اس شخص کو بھی نکال دو' جس کے دل میں دینار کے وزن کے برابر ایمان ہو' پھر اس شخص کو بھی نکال دو' جس کے دل میں نصف دینار کے وزن جتنا ایمان ہو' پھر اس شخص کو بھی نکال دو' جس کے دل میں رائی کے دانے جتنا ایمان ہو''۔ پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جو شخص اس بات کی تصدیق نہیں کرتا وہ یہ پڑھ لے۔'' بے شک اللہ تعالیٰ ذرے کے وزن جتنا بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا' اور اگر کوئی نیکی ہو' تو اسے کئی گنا بڑھا دیتا ہے' اور اپنی بارگاہ سے عظیم اجر عطا کرے گا''۔

شرح

صحیح بخاری میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عبداللہ نامی ایک آدمی جو حمار کے لقب سے مشہور تھا، اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا، اس آدمی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حد میں کوڑے لگوائے، ایک مرتبہ یہ صحابی رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے تو دوبارہ انہیں کوڑے لگائے گئے، ایک آدمی نے کہا: اللہ کی اس پر لعنت ہو، اسے کتنی بار شراب پینے کے جرم میں لایا گیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم اس پر لعنت نہ بھیجو، اللہ کی قسم! مجھے اس کے بارے میں یہی معلوم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس متعین آدمی پر جس نے بار بار شراب پی تھی، لعن طعن سے منع فرمایا، جبکہ پہلی حدیث میں شرابی پر لعنت بھیجی گئی ہے، اس لئے کہ مطلق لعنت سے مخصوص اور متعین آدمی پر لعنت لازم نہیں، جس کے ساتھ (لعنت نہ لاگو ہونے

کے) ایسے موانع ہوں، جو اس کو اس وعید سے دور رکھتے ہوں۔

قرآن کے علم سے پہلے ایمان سیکھنے کا بیان

61-حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ نَجِيحٍ وَكَانَ ثِقَةً عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِتْيَانٌ حَزَاوِرَةٌ فَتَعَلَّمْنَا الْإِيمَانَ قَبْلَ أَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ فَازْدَدْنَا بِهِ إِيمَانًا

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم نوجوان ہم عمر لوگ تھے تو ہم نے قرآن کا علم حاصل کرنے سے پہلے ایمان کو سیکھا پھر ہم نے قرآن کا علم حاصل کیا اس کے نتیجے میں ہمارے ایمان میں اضافہ ہو گیا۔

62-حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ نِزَارٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيبٌ الْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: میری امت کے دو گروہوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ ایک مرجہ اور دوسرا قدریہ۔

مرجہ اور قدریہ کا بیان

یہ فرقہ اعمال کی ضرورت کا قائل نہیں ارجاء کا معنی ہوتا ہے پیچھے کرنا یہ اعمال کی حیثیت کو بالکل پیچھے کر دیتے ہیں ان کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے تصدیق قلبی حاصل ہو تو بس کافی ہے ان کا کہنا ہے کہ جیسے کفر کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی مفید نہیں ایسے ہی ایمان یعنی تصدیق کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ مضر نہیں جس طرح ایک کافر عمر بھر حسنات کرتے رہنے سے ایک لمحہ کے لئے بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا جنت اس پر حرام ہے اسی طرح گناہوں میں غرق ہونے والا مومن ایک لمحہ کے لئے بھی جہنم میں نہیں جائے گا جہنم اس پر حرام ہے یہ مذہب بھی باطل اور سراسر گمراہی ہے کیونکہ قرآن وحدیث میں جا بجا مسلمانوں کو اعمال صالحہ کرنے کا اور اعمال سیئہ سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔

قدریہ

یہ جبریہ کے برعکس نظریات کا حامل فرقہ ہے یہ انسان کو قادر مطلق مانتا ہے اور تقدیر کا منکر ہے احادیث میں قدریہ کو اس امت کا مجوس کہا گیا ہے مجوس دو خداؤں کے قائل ہیں اور یہ ہر ایک کو قادر مطلق کہہ کر بے شمار خداؤں کے قائل ہیں یہ مذہب بھی باطل اور

61- اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

62 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2149

قرآن وحدیث کی صریح نصوص کے خلاف ہے قرآن وسنت اور عقل ومشاہدہ سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ انسان نہ تو مجبور محض ہے اور نہ ہی قادر مطلق ہے بلکہ کاسب ہے اور کسب کا اختیار اپنے اندر رکھتا ہے۔

جبرائیل اور تعلیمات اسلام کا بیان

63- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ كَهْمَسِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ شَعَرِ الرَّأْسِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ سَفَرٍ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ فَجَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَهُ إِلَى رُكْبَتِهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَحَجُّ الْبَيْتِ فَقَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا مِنْهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا الْإِيمَانُ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَكُتُبِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا مِنْهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ مَا الْإِحْسَانُ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ قَالَ فَمَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَمَا أَمَارَتُهَا قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا قَالَ وَكِيعٌ يَعْنِي تَلِدُ الْعَجَمُ الْعَرَبَ وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبِنَاءِ قَالَ ثُمَّ قَالَ فَلَقِيَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَقَالَ أَتَدْرِي مَنِ الرَّجُلُ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ ذَاكَ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ مَعَالِمَ دِينِكُمْ

●● حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک مرتبہ ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص وہاں آیا جس کے کپڑے انتہائی سفید تھے اور جس کے بال انتہائی سفید تھے اس پر سفر کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا ہم میں سے کوئی ایک بھی اس سے واقف بھی نہیں تھا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر بیٹھ گیا اس نے اپنے گھٹنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھٹنوں کے ساتھ ملا دیئے اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے زانوں پر رکھے وہ بولا اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اسلام سے مراد کیا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور بے شک میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔

وہ شخص بولا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک کہا ہے۔ ہمیں اس پر حیرانگی ہوئی کہ یہ خود ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر رہا ہے اور خود ہی اس کی تصدیق بھی کر رہا ہے پھر وہ بولا اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ایمان سے مراد کیا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

63 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 93' ورقم الحدیث: 94' ورقم الحدیث: 95' ورقم الحدیث: 96' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4695' ورقم الحدیث 4696' ورقم الحدیث 4697' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2010' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 5005

فرمایا: یہ کہ تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں، آخرت کے دن، اچھی یا بری تقدیر پر ایمان رکھو۔ وہ بولا آپ ﷺ نے سچ کہا ہے تو ہمیں اس پر حیرانگی ہوئی کہ یہ خود ہی نبی اکرم ﷺ سے سوال کر رہا ہے اور خود ہی آپ ﷺ کی تصدیق کر رہا ہے۔

پھر وہ بولا اے حضرت محمد ﷺ! احسان سے مراد کیا ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے دریافت کیا: قیامت کب آئے گی؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس بارے میں جس سے سوال کیا گیا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا اس نے دریافت کیا: اس کی نشانیاں کیا ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ کہ کنیز اپنے آقا کو جنم دے گی۔ وکیع نامی راوی کہتے ہیں: یعنی عجمی لوگ عربوں کو جنم دیں گے۔

(نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا) تم برہنہ پاؤں برہنہ جسم، بکریوں کے غریب چرواہوں کو دیکھو گے کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں بلند عمارات تعمیر کریں گے۔

راوی بیان کرتے ہیں: پھر تین دن کے بعد میری ملاقات نبی اکرم ﷺ سے ہوئی تو آپ ﷺ نے دریافت کیا: کیا تم جانتے تھے کہ وہ شخص کون تھا؟ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں:۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ جبرائیل علیہ السلام تھے وہ تمہارے پاس اس لیے آئے تھے تاکہ تمہیں تمہارے دین کی بنیادی معلومات سکھا دیں۔

64- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عُلَيَّةَ عَنْ اَبِىْ حَيَّانَ عَنْ اَبِىْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَلِقَائِهٖ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْاٰخِرِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِسْلَامُ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَتُؤَدِّىَ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِحْسَانُ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنَّكَ اِنْ لَّا تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰكِنْ سَاُحَدِّثُكَ عَنْ اَشْرَاطِهَا اِذَا وَلَدَتِ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا فَذٰلِكَ مِنْ اَشْرَاطِهَا وَاِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْغَنَمِ فِى الْبُنْيَانِ فَذٰلِكَ مِنْ اَشْرَاطِهَا فِىْ خَمْسٍ لَّا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ فَتَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَّمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ الْاٰيَةَ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ایک دن نبی اکرم ﷺ لوگوں کے ہمراہ تشریف فرما تھے اس دوران ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آیا اور اس نے (نبی اکرم ﷺ سے) دریافت کیا: یارسول اللہ! ایمان کیا ہے؟

64: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 50' ورقم الحدیث: 4777' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 97' ورقم الحدیث 98' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث 4044

آپ ﷺ نے جواب دیا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے رسولوں اس کی بارگاہ میں حاضری اور دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لاؤ اس شخص نے دریافت کیا: یارسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ فرض نماز قائم کرو فرض زکوٰۃ ادا کرو رمضان کے روزے رکھو اس شخص نے دریافت کیا: یارسول اللہ! احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو لیکن اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے دریافت کیا: یارسول اللہ! قیامت کب قائم ہوگی؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس بارے میں مسئول (جس سے سوال کیا گیا ہے یعنی نبی اکرم ﷺ) سائل (یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام) سے زیادہ علم نہیں رکھتا البتہ میں تمہیں اس کی نشانیاں بتادیتا ہوں جب باندیاں اپنے آقاؤں کو جنم دیں اور چرواہے بلند و بالا عمارتیں قائم کرنے لگیں۔
تو یہ بات قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہوگی۔ (نبی اکرم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:) پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کی: ''بے شک قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے وہی بارش نازل کرتا ہے رحموں میں جو کچھ ہے وہی جانتا ہے کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائے گا؟ اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کون سی جگہ مرے گا؟ بے شک اللہ تعالیٰ علم رکھنے والا خبر رکھنے والا ہے۔''

شرح حدیث جبرائیل کا بیان

یہ حدیث حدیث جبرائیل کہلاتی ہے کیونکہ یہ حدیث اس سوال و جواب (انٹرویو) پر مشتمل ہے جس کے ذریعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بڑی خوبی کے ساتھ اسلام و ایمان کی حقیقت اور دین کی اساسی باتوں کا تعارفی خاکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دنیا والوں کے سامنے پیش کرایا ہے۔ حدیث میں سب سے پہلے ایمان اور اسلام کی حقیقت بیان ہوئی ہے جس سے یمان اور اسلام کے درمیان یہ فرق بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ ایمان کا تعلق تو باطن یعنی تصدیق و اعتقاد سے ہے اور اسلام کا تعلق ظاہر یعنی اعمال اور جسمانی اطاعت و فرمانبرداری سے ہے۔

'اللہ کو ماننے" کا مطلب اس بات پر یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اس کی ذات اور اس کی صفات برحق ہیں، عبادت و پرستش کی سزاوار صرف اسی کی ذات ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی اس کا ہمسر و شریک نہیں۔ "فرشتوں کو ماننے" کا مطلب اس بات میں یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق "فرشتوں" کے نام سے موجود ہے یہ فرشتے لطیف اور نورانی اجسام ہیں۔ ان کا کام ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی تعمیل کرنا ہے۔

'کتابوں کو ماننے" کا مطلب اس بات پر یقین و اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں اور وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبروں پر جو کتابیں نازل فرمائی ہیں اور ان میں چار کتابیں نازل فرمائی ہیں اور جن کی تعداد ایک سو چار ہے۔ وہ سب کلام الٰہی اور احکام و فرامین الٰہی کا مجموعہ ہیں اور ان میں چار کتابیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید سب سے اعلیٰ و افضل ہیں اور پھر ان چاروں میں سب سے اعلیٰ و افضل "قرآن مجید" ہے۔

"رسولوں کا ماننے" کا مطلب اس بات پر یقین اور اعتقاد رکھنا ہے کہ اول الانبیاء حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کے سب سے سچے، سب سے پیارے اور سب سے افضل بندے ہیں جن کو اس نے اپنے احکام وہدایات دے کر مختلف زمانوں، مختلف قوموں میں مبعوث کیا اور انہوں نے ان خدائی احکام و ہدایات کے تحت دنیا والوں کو ابدی صداقت ونجات کا راستہ دکھانے اور نیکی وبھلائی پھیلانے کا اپنا فریضہ مکمل طور پر ادا کیا اور یہ کہ ان تمام نبیوں اور رسولوں کے سردار پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کسی خاص زمانہ، کسی خاص علاقہ اور کسی خاص قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے، بلکہ اللہ کا ابدی دین "اسلام" لے کر تمام دنیا اور پوری کائنات کی طرف مبعوث ہوئے اور تا قیامت ان ہی کی نبوت اور انہی کی شریعت جاری ونافذ رہے گی۔"

یوم آخرت یعنی قیامت کے دن" سے مراد وہ عرصہ ہے جو مرنے کے بعد سے قیامت قائم ہونے اور پھر جنت میں داخل ہونے تک پر مشتمل ہے۔ "قیامت کے دن کو ماننے" کا مطلب اس بات پر یقین واعتقاد رکھنا ہے کہ شریعت اور شارع نے مابعد الموت اور آخرت کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے یعنی موت کے بعد پیش آنے والے احوال مثلاً قبر اور برزخ کے احوال، نفخ صور، قیامت، حشر ونشر، حساب وکتاب اور پھر جزاء وسزا کا فیصلہ اور جنت ودوزخ یہ سب اٹل حقائق ہیں اور جن کا وقوع پذیر ہونا اور پیش آنا لازمی امر ہے۔ اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔

"تقدیر پر یقین رکھنے" کا مطلب اس حقیقت کو دل سے تسلیم کرنا ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب نوشتہ تقدیر کے مطابق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوتا ہے، آج جو بھی علم واضح ہوتا ہے خواہ وہ نیکی کا ہو یا بدی کا، خالق کائنات کے علم اور تقدیر میں وہ ازل سے موجود ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ مجبور ومضطر ہے۔ کاتب تقدیر نے انسان کو "مختار" بنایا ہے۔ یعنی اس کے سامنے نیکی وبدی کے دونوں راستے کھول کر اس کو اختیار دے دیا ہے کہ چاہے وہ نیکی کے راستہ پر چلے، چاہے بدی کے راستہ پر اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ نیکی کے راستہ پر چلو گے تو جزاء وانعام سے نوازے جاؤ گے جو اللہ کا فضل وکرم ہوگا اور اگر بدی کے راستہ پر چلو گے تو سزا اور عذاب کے حقدار بنو گے اور دوزخ میں ڈالے جاؤ گے جو عدل الٰہی کے عین مطابق ہوگا۔

"احسان سے مراد وہ جوہر (اخلاص) ہے جس سے ایمان واسلام کی ظاہری صورت یعنی عبادت الٰہی کا صحیح معیار اور حسن قائم ہوتا ہے اور عبادت کا یہی صحیح معیار اور حسن درحقیقت بندے کو معبود کا کامل تقرب اور عبدیت کا حقیقی مقام عطا کرتا ہے۔ بندہ اپنی عبادتوں کو اس جوہر سے کس طرح آراستہ ومزین کر سکتا ہے؟ اس کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم اپنے پروردگار کی عبادت کرو تو اس طرح کرو جس طرح کوئی نوکر یا غلام اپنے آقا اور مالک کی خدمت اس کو اپنے سامنے دیکھ کر کرتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ اگر شفیق آقا نظر کے سامنے ہو اور غلام اس کو دیکھ رہا ہو تو اس کے فرض کی انجام دہی کی کیفیت ہی دوسری ہوتی ہے اس وقت غلام نہ صرف یہ کہ پوری طرح چاق وچوبند مؤدب اور پابند ہوتا ہے بلکہ کام کرنے کا اس کا انداز بھی پوری طرح والہانہ اور مخلصانہ ہوتا ہے اس کے برخلاف اگر آقا نظر کے سامنے نہ ہو تو غلام اگرچہ مفوضہ خدمت انجام ضرور دیتا ہے مگر اس صورت میں نہ تو وہ اتنا چاق وچوبند، مؤدب اور پابند ہوتا ہے اور نہ اس کے کام کرنے کے انداز میں اس قدر والہانہ اور مخلصانہ کیفیت موجود ہوتی ہے۔ بس اسی

ہے کہ پیش نظر اگر بندہ عبادت کے وقت ایسی کیفیت وحالات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ تو یقینا خشوع وخضوع اور تضرع کی تمام تر کیفیات خود بخود اس کی عبادت میں پیدا ہو جائیں گی اور اس طرح اس کی عبادت حقیقی عبادت کا درجہ پا جائے گی اور اس عبادت کا بنیادی مقصد بھی حاصل ہوگا۔

عبادت کے اس مرتبہ کو "حقیقی احسان" کہا گیا ہے جس کو ارباب تصوف "مشاہدہ اور استغراق" سے تعبیر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عبادت کا یہ سب سے اونچا مرتبہ ومقام ہے جہاں تک رسائی اتنی آسان نہیں ہے اس لئے نسبتاً آسان طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم عبادت کرو تو یہ دھیان میں رکھو کہ جس ذات کی عبادت تم کر رہے ہو اس کے سامنے تم کھڑے ہو اور اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ سکتے مگر وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔ تمہاری ایک ایک بات پر اس کی نظر ہے اور تمہاری حرکات وسکنات میں سے کچھ بھی اس سے پوشیدہ نہیں، اس یقین واعتقاد سے بھی تمہاری عبادت میں خشوع وخضوع اور تضرع بڑی حد تک پیدا ہو جائے گا اور عبادت کا حق ادا ہوگا۔ حدیث میں عبادت کی اسی کیفیت کو "احسان" سے تعبیر کیا گیا ہے جو حقیقی احسان یعنی مشاہدہ واستغراق کا ثانوی درجہ ہے۔ حدیث میں ان چاروں فرائض کا بھی ذکر ہے جو ہر مسلمان ومومن پر اس تفصیل کے ساتھ عائد ہوتے ہیں کہ نماز اور روزہ تو وہ دو بدنی فرض عبادتیں ہیں جن کا تعلق ہر عاقل وبالغ مسلمان سے ہے جو بھی آدمی ایمان اور اسلام سے متصف ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اس پر فرض ہے کہ وہ پانچوں وقت کی نمازیں پابندی کے ساتھ ادا کرے اور جب رمضان آئے تو اس مہینے کے پورے روزے رکھے۔

باقی دو فرض عبادتیں یعنی زکوۃ اور حج وہ مالی عبادتیں ہیں جن کا تعلق صرف اس مومن ومسلمان سے ہے جو ان کے بقدر مالی استطاعت وحیثیت رکھتا ہو۔ مثلاً زکوۃ اس مسلمان پر فرض ہوگی جو صاحب نصاب ہو۔ اور حج اس مسلمان پر فرض ہوگا جو صاحب نصاب ہی نہیں بلکہ اپنی تمام ضروریات زندگی سے فراغت کے بعد اتنا سرمایہ رکھتا ہو کہ وہ بغیر کسی تنگی وپریشانی کے آمد ورفت اور سفر کے دوسرے تمام اخراجات برداشت کر سکتا ہو۔ علاوہ ازیں سفر حج کی پوری مدت کے لئے اہل وعیال اور لواحقین کے تمام ضروری اخراجات کے بقدر رقم یا سامان واسباب ان کو دے کر جا سکتا ہو۔ زادراہ اور فرضیت حج کی اس طرح کی دوسری شرائط پوری ہو جائیں تو باقی دشواریاں جیسے سفر کا طویل اور پر صعوبت ہونا، درمیان میں سمندر یا دریا کا حائل ہونا وغیرہ، حج کی فرضیت کو ساقط نہیں کر سکتیں۔

قیامت کی کچھ اہم نشانیاں بتائی گئی ہیں کہ جب یہ آثار ظاہر ہونے لگیں اور یہ علامتیں دیکھ لی جائیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس عالم کے خاتمہ کا وقت قریب آ گیا ہے اور یہ دنیا اپنے وجود کے آخری دور سے گزر رہی ہے۔ پہلی علامت یا نشانی تو یہ بتائی گئی ہے کہ "لونڈی اپنے آقا یا مالک کو جنے گی" اس کا ایک مطلب تو غلامی کے زمانہ اور رواج کے سیاق میں لیا جا سکتا ہے کہ لوگ کثرت سے باندیاں رکھیں گے اور ان باندیوں سے اولاد بھی بہت جنوائیں گے، پھر انہی اولاد میں سے جو لوگ بڑے ہو کر مال وجائیداد اور حکومت وحاقت کے مالک بنیں گے وہ لاعلمی میں اپنی انہی ماؤں کو جنہوں نے ان کو جنم دیا ہوگا، باندیوں کے طور پر خریدیں گے۔ اور اپنی خدمت میں رکھیں گے۔

اس جملے کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب معاشرے میں جنسی بے راہ روی عام ہوجائے، مرد وزن تمام اخلاقی اور انسانی پابندیوں کو توڑ کر بے محابہ ناجائز تعلقات پیدا کریں اور اس کے نتیجہ میں ایسے ناجائز بچے کثرت سے پیدا ہونے لگیں جن کو نہ اپنے باپ کی خبر ہو اور نہ اپنی ماں کو جانتے ہوں اور پھر وہی بچے بڑے ہوکر لاعلمی میں اپنی ماؤں کو ملازمہ اور نوکرانی بنائیں جنہوں نے ان کو جنا تھا تو سمجھو کہ قیامت قریب آگئی ہے۔ دوسری علامت "برہنہ پا، برہنہ جسم، مفلس وفقیر اور بکریاں چرانے والوں کا ایوان حکومت اور عالیشان مکانات ومحلات کا مالک ہونا" بتایا گیا ہے۔

اس کے مطلب یہ ہے کہ جب تم دیکھو کہ شریف النسل، عالی خاندان اور مہذب ومعزز لوگ انقلاب عالم کا شکار ہوکر غربت وافلاس اور بے روزگاری وپریشانی حالی کے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں، اپنی حیثیت ووقعت کھو چکے ہیں اور معاشرتی وسماجی سطح پر کسی اثر ورسوخ کے حامل نہیں رہ گئے ہیں اور ان کے مقابلے میں وہ لوگ کہ جو کل تک حسب ونسب، شرافت ونجابت، نسل وخاندان اور تہذیب وشائستگی کے اعتبار سے نہایت بے حیثیت وبے وقعت تھے، تعلیمی واخلاقی طور پر کم تر وپسماندہ سمجھے جاتے تھے۔ غیر منصفانہ سیاست وانقلاب کی بدولت حکومت واقتدار کے مالک بن بیٹھیں۔ دغا وفریب کے ذریعہ مال ودولت اور بڑی بڑی جائیدادوں پر قابض اور عالی شان مکانات ومحلات کے مکین ہوگئے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ طاقت وحکومت، مال ودولت اور پر عیش زندگی نے ان کو گھمنڈی شیخی خور بنا دیا ہے، حقیقی شرافت ونجابت رکھنے والے غریب ومفلس لوگوں کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کو ذلیل کرتے ہیں اور ان کی تباہی ورسوائی کے بد سے بدتر حالات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو سمجھنا کہ اب اس دنیا کے خاتمہ کا وقت قریب آگیا ہے۔

علامہ طیبی نے چند جملوں میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قیامت کی علامتیں بتانے والے حدیث کے یہ دونوں جملے دراصل انقلاب حالات سے کنایہ ہیں یعنی جب اتنا انقلاب رونما ہوجائے کہ اپنی اولاد اپنا آقا اور حاکم بن جائے۔ اور شرفاء کی جگہ کمتر وذلیل لے لیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب تمام عالم پر ایک عظیم انقلاب کا وقت قریب آگیا ہے جسے قیامت کہا جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اس حدیث میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ سلم کی اساس اور دین کی بنیادی باتوں کو بتایا گیا ہے یعنی "ایمان" کی تعریف بیان کی گئی ہے کہ یہ ان عقائد ونظریات سے تعبیر ہے جن کو جاننے اور ماننے کے بعد کوئی آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور مومن بنتا ہے "اسلام" کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس سے وہ عملی ذمہ داریاں (فرائض) مراد ہیں جو مومن پر عائد ہوتی ہیں اور ان عملی ذمہ داریوں یعنی فرائض کی انجام دہی ہی پیرو اسلام یعنی مسلمان بناتی ہے اس کے بعد احسان کی وضاحت کی گئی جس کو اخلاص سے (یا تصوف سے بھی) تعبیر کیا جاسکتا ہے یہ اس کیفیت کا نام ہے۔

جو صحیح عقائد ونظریات سے وابستگی اور شریعت کی اتباع وفرمانبرداری کے بعد توجہ الی اللہ کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے۔ اور بندے کو اپنے معبود کا تقرب عطا کرتی ہے۔ درحقیقت یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں، اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی خوشنودی اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک اللہ اور اللہ کے رسول کے جاری ونافذ کئے ہوئے احکام وہدایات پر پوری طرح عمل نہ کیا جائے اور "عمل" اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اس وقت تک "حسن قبول" کا درجہ نہیں پاسکتے جب تک اللہ کی

طرف کامل توجہ نہ ہو اور پورے داخلی وخارجی وجود پر خوف وخشیت الٰہی اور حضور قلب کی کیفیت طاری نہ ہو اور ان دونوں کا اس وقت تک کوئی اعتبار نہیں ہوگا جب تک فکر وعقیدہ صحیح نہ ہو۔

اور دل ودماغ ایمان ویقین سے روشن نہ ہوں۔ پس کامل مومن یا کامل مسلمان وہی آدمی مانا جائے گا جس کا دل ودماغ میں یعنی صحیح اسلامی عقائد ونظریات کا نور موجود ہو، پھر وہ ان فرائض کو پوری طرح ادا کرے اور ان احکام وہدایات کی کامل ایمان اطاعت کرے جو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ جاری ونافذ کئے اور پھر ریاضیت ومجاہد یعنی ذکر وشغل اور اوراد وظائف کے ذریعہ خلاص، توجہ الی اللہ اور رضاء مولیٰ کے حصول کی جدوجہد کرے جس سے ایمان واسلام میں حسن وکمال اور بلند قدری ملتی ہے۔

ایمان کی دل معرفت، زبان کے اقرار اور اعضائے جسم کا بیان

65- حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ اَبِیْ سَهْلٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِیْلَ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ صَالِحٍ اَبُو الصَّلْتِ الْهَرَوِیُّ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُوْسَی الرِّضٰی عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْاِیْمَانُ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ وَقَوْلٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ قَالَ اَبُو الصَّلْتِ لَوْ قُرِئَ هٰذَا الْاَسْنَادُ عَلٰی مَجْنُوْنٍ لَبَرَاَ

امام علی رضا رضی اللہ عنہ اپنے والد (امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ان کے والد (امام باقر رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے حوالے ان کے والد (امام حسین رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے امام علی رضی اللہ عنہ بن ابوطالب کے حوالے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''ایمان دل کی معرفت' زبان کے ذریعے اعتراف اور اعضائے جسم کے ذریعے عمل کا نام ہے''۔ شیخ ابوصلت کہتے ہیں: ''اگر اس سند کو کسی پاگل پر پڑھا جائے' تو وہ ٹھیک ہو جائے''۔

ایمان کی حقیقت

ایمان ایک نور ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے دل میں آجاتا ہے اور جب یہ نور دل میں آتا ہے تو کفر وعناد اور رسوم جاہلیت کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور آدمی ان تمام چیزوں کو جن کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے، نور بصیرت سے قطعی سچی سمجھتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لیکر آیا۔

آپ کے لائے ہوئے دین میں سب سے اہم تر یہ چھ باتیں ہیں جن کا ذکر حدیث پاک میں فرمایا ہے پورے دین کا خلاصہ انہیں چھ باتوں میں آجاتا ہے۔

( ) اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات میں یکتا سمجھے وہ اپنے وجود اور اپنی ذات وصفات میں

65 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ہر نقص اور عیب سے پاک ہے اور تمام کمالات سے متصف ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کے ارادے اور مشیت کی تابع ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں، کائنات کے سارے انتظامات وتصرفات اسی کے قبضے میں ہیں، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔

(۲) فرشتوں پر ایمان یہ ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل مخلوق ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے جو حکم ہو بجا لاتے ہیں اور جس کام پر اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے وہ ایک لمحے کیلئے بھی اس میں کوتاہی نہیں کرتے۔

(۳) رسولوں پر ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت اور انہیں اپنی رضامندی اور اپنی ناراضی کے کاموں سے آگاہ کرنے کیلئے کچھ برگزیدہ انسانوں کو چن لیا انہیں رسول اور نبی کہتے ہیں۔ بعض نبی مستقل شریعت لے کر آئے انہیں رسول کہتے ہیں اور بعض پچھلی شریعت کے تابع اور داعی کی حیثیت سے تشریف فرما ہوئے انہیں نبی کہتے ہیں۔ رسول کو نبی کہنا بھی درست ہے۔ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات رسولوں کے ذریعہ ہی پہونچتے ہیں۔ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے بعد قیامت تک کسی کو نبوت نہیں ملے گی بلکہ آپ ہی کا لایا ہوا دین قیامت تک رہے گا۔

(۴) کتابوں پر ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی معرفت بندوں کی ہدایت کیلئے بہت سے آسمانی ہدایت نامے عطا کیے ان میں، چار زیادہ مشہور ہیں۔

توریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی۔ زبور جو حضرت داود علیہ السلام پر نازل کی گئی۔ انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی اور سب سے آخری آسمانی کتاب قرآن مجید جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ یہ آخری ہدایت نامہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے پاس بھیجا گیا اب اسکی پیروی سارے انسانوں پر لازم ہے اور ساری انسانیت کی نجات اسی میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب سے روگردانی کرے گا وہ ناکام اور نامراد ہوگا۔

(۵) قیامت پر ایمان یہ ہے کہ ایک وقت آئیگا کہ ساری دنیا ختم ہو جائیگی زمین و آسمان فنا ہو جائینگے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کرے گا اور اس دنیا میں لوگوں نے جو اچھے یا برے اعمال کیے ہیں سب کا حساب و کتاب ہوگا۔ میزان عدالت قائم ہوگی اور ہر شخص کی نیکیاں اور بدیاں تولی جائیں گی۔ جس شخص کے نیک اعمال کا پلہ بھاری ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا پروانہ ملے گا اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کے مقام میں رہے گا جس کو جنت کہتے ہیں اور جس شخص کی برائیوں کا پلہ بھاری ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا پروانہ ملے گا اور وہ گرفتار ہو کر خدائی قید خانہ جس کا نام جہنم ہے میں سزا پائیگا اور کافر اور بے ایمان لوگ ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہیں گے۔ دنیا میں جس شخص نے کسی پر ظلم کیا ہوگا۔ اس سے رشوت لی ہوگی۔ اس کا مال ناحق کھایا ہوگا۔ اس کے ساتھ بدزبانی کی ہوگی یا اس کی بے آبروئی کی ہوگی

قیامت کے دن اس کا بھی حساب ہوگا اور مظلوم کو ظالم سے پورا پورا بدلہ دلایا جائیگا الغرض خدائے تعالیٰ کے انصاف کے دن کا نام قیامت ہے جس میں نیک و بد کو چھانٹ دیا جائیگا ہر شخص کو اپنی پوری زندگی کا حساب چکانا ہوگا اور کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔

(۶) اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانے،، کا مطلب یہ ہے کہ یہ کارگاہ عالم آپ سے آپ نہیں چل رہا ہے بلکہ ایک علیم وحکیم ہستی اس کو چلا رہی ہے۔ اس کائنات میں جو خوشگوار یا ناگوار واقعات پیش آتے ہیں۔ وہ سب اس کے ارادہ ومشیت اور قدرت وحکمت سے پیش آتے ہیں۔ کائنات کے ذرہ ذرہ کے تمام حالات اس علیم وخبیر کے علم میں ہیں اور کائنات کی تخلیق سے قبل اللہ تعالی نے ان تمام حالات کو، جو پیش آنے والے تھے، لوح محفوظ میں لکھ لیا تھا۔ بس اس کائنات میں جو کچھ بھی وقوع میں آرہا ہے وہ اسی علم ازلی کے مطابق آرہا ہے، نیز اسی کی قدرت اور اسی کی مشیت سے پیش آرہا ہے۔ الغرض کائنات کا جو نظام حق تعالیٰ شانہ نے ازل ہی سے تجویز کر رکھا تھا یہ کائنات اسی طے شدہ نظام کے مطابق چل رہا ہے۔

اپنے بھائی کیلئے وہی پسند کرنا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے

66- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ اَوْ قَالَ لِجَارِهٖ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کوئی بھی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے (راوی کو شک ہے شاید یہ لفظ ہے) اپنے پڑوسی کے لئے وہی (چیز کام صورت حال) پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

والدین اور اولاد حتیٰ کہ جان سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا بیان

67- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ، نبی اکرم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں' کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین' اولاد' (یہاں تک کہ) سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

شرح

محبت "ایک تو طبعی ہوتی ہے جیسے اولاد کو باپ کی یا باپ کو اولاد کی محبت۔ اس محبت کی بنیاد طبعی وابستگی و پسند اور فطری تقاضہ ہوتا ہے۔ اس میں عقلی یا خارجی ضرورت اور دباؤ کا دخل نہیں ہوتا۔

اس کے برخلاف ایک محبت عقلی ہوتی ہے جو کسی طبعی وفطری وابستگی اور تقاضے کے تحت نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی عقلی ضرورت و

66 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:13' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث:168' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:2515' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 5032' ورقم الحدیث:5054

67. اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:15' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث:167' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث.5028

مناسبت اور خارجی وابستگی کے تحت کی جاتی ہے۔ اس کی مثال مریض اور دوا ہے یعنی بیمار آدمی دوا کو اس لئے پسند نہیں کرتا کہ دوا ایسا اس کا طبعی اور فطری تقاضہ ہے بلکہ یہ دراصل عقل کا تقاضا ہوتا ہے کہ اگر بیماری کو ختم کرنا ہے اور صحت عزیز ہے تو دوا استعمال کرنی ہوگی خواہ اس دوا کی تلخی اور کڑواہٹ کا طبیعت پر کتنا ہی بار کیوں نہ ہو، اسی طرح اگر کسی آدمی کے جسم کا کوئی حصہ پھوڑے پھنسی سے فاسد مادہ سے بھر گیا ہو تو وہ آپریشن کے لئے اپنے آپ کو کسی ماہر جراح اور سرجن کے حوالہ اس لئے نہیں کرتا کہ اس کی نظر میں آلات جراحی کی چمک دمک اچھی لگتی ہے یا اس کی طبیعت اپنے جسم کے اس حصہ پر نشتر زنی کو پسند کرتی ہے، بلکہ یہ عقل ودانائی کا تقاضہ ہوتا ہے کہ اگر جسم کو فاسد مادہ سے صاف کرنا ہے تو خود کو اس جراح یا سرجن کے حوالے کر دینا ضروری ہے۔ کسی چیز کو عقلی طور پر چاہنے اور پسند کرنے کی وہ کیفیت جس کو "عقلی محبت" سے تعبیر کرتے ہیں۔

بعض حالات میں اتنی شدید، اتنی گہری اور اتنی اہم بن جاتی ہے کہ بڑی سے بڑی طبعی محبت اور بڑے سے بڑے فطری تقاضے پر بھی غالب آ جاتی ہے۔ پس یہ حدیث ذات رسالت سے جس محبت اور وابستگی کا مطالبہ کر رہی ہے وہ علماء ومحدثین کے نزدیک یہی "عقلی محبت" ہے لیکن کمال ایمان ویقین کی بنا پر یہ "عقلی محبت" اتنی پر اثر، اتنی بھرپور اور اس قدر جذباتی وابستگی کے ساتھ ہو کہ "طبعی محبت" پر غالب آ جائے۔ اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ہدایت اور کسی شرعی حکم کی تعمیل میں کوئی خونی رشتہ جیسے باپ کی محبت، اولاد کا پیار یا کوئی بھی اور طبعی تعلق رکاوٹ ڈالے تو اس ہدایت رسول اور شرعی حکم کو پورا کرنے کے لئے اس خون کے رشتے اور طبعی تقاضاء محبت کو بالکل نظر انداز کر دینا چاہیے، ایمانیات اور شریعت کے نقطہ نظر سے بہت بڑا مقام ہے اور یہ مقام اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے۔

جب ایمان واسلام اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی کرنے والا اپنے نفس کو احکام شریعت اور ذات رسالت میں فنا کر دے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد حیات نہ ہو۔ مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جاری ہوتا ہے کہ اہل ایمان جہاد کے لئے نکلیں، اس حکم کی تعمیل میں اہل ایمان، دشمنان دین سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں پہنچتے ہیں۔ جب دونوں طرف سے صف آرائی ہوتی ہے اور حریف فوجیں آمنے سامنے آتی ہیں تو کسی مسلمان کو اپنا لڑکا دشمن کی صف میں نظر آتا ہے اور کسی کو اپنا باپ۔

اب ایک طرف تو وہ طبعی محبت ہے، جو کیسے گوارا کرلے کہ اس کی تلوار اپنے باپ یا اپنی ہی اولاد کے خون سے رنگی جائے، دوسری طرف حکم رسول ہے کہ دشمن کا کوئی بھی فرد تلوار کی زد سے امان نہ پائے چاہے وہ اپنا باپ یا بیٹا کیوں نہ ہو، تاریخ کی ناقابل تردید صداقت گواہی دیتی ہے کہ ایسے نازک موقع پر اہل ایمان پل بھر کے لئے بھی ذہنی کشمکش میں مبتلا نہیں ہوتے، ان کو یہ فیصلہ کر لینے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی کہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ باپ کی محبت کوئی معنی رکھتی ہے نہ اولاد کی۔ اور پھر میدان جنگ میں باپ کی تلوار بے دریغ اپنی اولاد کا خون بہاتی نظر آتی ہے اور بیٹا اپنے باپ کو موقع نہیں دیتا کہ بچ کر نکل جائے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تکمیل ایمان کا مدار حب رسول پر ہے جس آدمی میں ذات رسالت سے اس درجہ کی محبت نہ ہو کہ اس کے مقابلہ پر دنیا کے بڑے سے بڑے رشتے، بڑے سے بڑے تعلق اور بڑی سے بڑی چیز کی محبت وچاہت بھی بے معنی ہو، وہ

کامل مسلمان نہیں ہوسکتا، اگرچہ زبان اور قول سے وہ اپنے ایمان واسلام کا کتنا ہی بڑا دعوی کرے۔

حضرت عمر فاروق کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے جب یہ حدیث سنی تو عرض کیا "یا رسول اللہ! دنیا میں صرف اپنی جان کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں" یعنی دنیا کے اور تمام رشتوں اور چیزوں سے زیادہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رکھتا ہوں مگر اپنی جان سے زیادہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میری جان ہے تم اب بھی کامل مومن نہیں ہوئے اس لئے کہ یہ مرتبہ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کہ میں تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا ہو جاؤں"۔ ان الفاظ نبوت نے جیسے آن واحد میں حضرت عمر فاروق کے دل و دماغ کی دنیا تبدیل کر دی ہو، وہ بے اختیار بولے۔ "یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری جان قربان آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو خوشخبری سنائی کہ اے عمر! اب تمہارا ایمان کامل ہوا اور تم پکے مومن ہو گئے۔" اور صرف عمر فاروق ہی نہیں، تمام صحابہ اسی کیفیت سے معمور اور حب رسول سے سرشار تھے، ان کی زندگیوں کا مقصد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ ابرو پر اپنی جانوں کو نچھاور کر دینا تھا، بلاشبہ دنیا کا کوئی مذہب اپنے راہنما اور پیروؤں کے باہمی تعلق اور محبت کی ایسی مثال پیش نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس بلاشک صحابہ کے لئے شمع کی سی تھی جس پر وہ پروانہ وار نچھاور ہونا ہی اپنی سعادت و خوش بختی تصور کیا کرتے تھے۔ اسلام کے اس دور کی شاندار تاریخ اپنے دامن میں بے شمار ایسے واقعات چھپائے ہوئے ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جذباتی وابستگی اور والہانہ محبت و تعلق کی شاندار غمازی کرتے ہیں۔

غزوہ احد کا واقعہ ہے۔ میدان جنگ میں جب معرکہ کارزار گرم ہوا اور حق کی مٹھی بھر جماعت پر باطل کے لشکر جرار نے پوری قوت اور طاقت سے حملہ کیا تو دیکھا گیا ہے کہ ایک انصاری عورت کے شوہر، باپ اور بھائی تینوں نے جام شہادت پیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر دیوانہ وار فدا ہو گئے، یہ دل دہلا دینے والی خبر اس عورت کو بھی پہنچائی گئی مگر اللہ پر ایمان کی پختگی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اثر کہ بجائے اس کے کہ وہ عورت اپنے لواحقین کی شہادت پر نالہ و شیون اور ماتم و فریاد کرتی اس نے سب سے پہلے سوال کیا: "خدارا مجھے یہ بتاؤ کہ میرے آقا اور سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میری جان قربان) تو بخیر ہیں؟"۔ "لوگوں نے کہا۔ ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلامت ہیں" مگر اس سے اس کی تسکین نہ ہوئی اور بے تابانہ کہنے لگی: "اچھا چلو! میں اپنی آنکھوں سے دیدار کرلوں تو یقین ہوگا" اور جب اس نے اپنی آنکھوں سے چہرہ انور کی زیارت کرلی تو بولی: کل مصیبۃ بعدک جلل۔ جب آپ زندہ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے۔

ایک مرتبہ ایک آدمی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے اہل وعیال اور مال سب سے زیادہ محبوب ہیں، مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک کہ یہاں آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈی نہیں کر لیتا۔ مگر اب تو یہی غم کھائے جاتا ہے کہ وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے، وہاں میری آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیسے کرسکیں گی۔ جب ہی یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ

اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۔ (النساء،۶۹) "جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا مانتے ہیں وہ (آخرت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام ہیں یعنی نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی صحبت بڑی غنیمت ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو یہ خوشخبری سنادی۔

عبداللہ بن زید بن عبدربہ جو صاحب اذان کے لقب سے مشہور تھے اپنے باغ میں کام کررہے تھے کہ اسی حالت میں ان کے صاحبزادہ نے آکر پریشانی والی خبر سنائی کہ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرماگئے۔ عشق نبوی سے سرشار اور محبت رسول سے سرمست، یہ صحابی اس جان گداز خبر کی تاب ضبط نہ لاسکے، بے تابانہ ہاتھ فضا میں بلند ہوئے اور زبان سے یہ حسرت ناک الفاظ نکلے: خداوندا اب مجھے بینائی کی دولت سے محروم کردے تاکہ یہ آنکھیں جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف و منور ہوا کرتی تھیں اب کسی دوسرے کو نہ دیکھ سکیں (ترجمہ السنۃ)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و تعلق کا وہی مقام حاصل تھا جو اس حدیث کا منشاء ہے اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ ایمان کی سلامتی اور اپنے اسلام میں مضبوطی پیدا کرنا چاہتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت سے اپنے دل کو معمور کرے۔

صحابی رسول ﷺ کی محبت اور زیارت رسول ﷺ کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ ایک صحابی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ! آپ مجھے میری جان اور میرے والدین سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ جب میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں تو آپ کو ہی یاد کرتا رہتا ہوں اور اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک حاضر ہوکر آپ کی زیارت نہ کرلوں۔ لیکن جب مجھے اپنی موت اور آپ کے وصال مبارک کا خیال آتا ہے تو سوچتا ہوں کہ آپ تو جنت میں انبیاء کرام کے ساتھ بلند ترین مقام پر جلوہ افروز ہوں گے اور جب میں جنت میں داخل ہوں گا تو خدشہ ہے کہ کہیں آپ کی زیارت سے محروم نہ ہوجاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کے جواب میں سکوت فرمایا، اس اثناء میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ آیت نازل ہوئی: اور جو کوئی اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے تو یہی لوگ (روز قیامت) اُن (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا ہے۔ (ابونعیم، حلیۃ الاولیاء، 4: 125)

صحابی رسول ﷺ کی محبت اور یاد مصطفیٰ ﷺ کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک اور روایت اسی موضوع پر اس طرح ہے۔ ایک صحابی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ سے اس قدر محبت کرتا ہوں کہ (ہر وقت) آپ کو ہی یاد کرتا رہتا ہوں۔ پس جب تک میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر آپ کی زیارت نہ کرلوں تو یوں محسوس کرتا ہوں کہ میری جان نکل جائے گی۔ اور جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اگر میں جنت میں چلا گیا تو آپ سے نچلے درجے میں ہوں گا، یہ خیال میرے لئے انتہائی تکلیف

ہوتا ہے کیونکہ میں جنت میں آپ کی دائمی معیت چاہتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت۔۔۔۔اور جو کوئی اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے۔ نازل فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بلا کر اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ) (طبرانی، المعجم الکبیر، 12:86، رقم: 12559)

صحابی رسول ﷺ کی محبت اور غم فراق کا بیان

حضرت شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ایک انصاری صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے اپنی جان، والدین، اہل وعیال اور مال سے زیادہ محبوب ہیں۔ اور جب تک میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت نہ کر لوں تو محسوس کرتا ہوں کہ میں اپنی جاں سے گزر جاؤں گا، اور (یہ بیان کرتے ہوئے) وہ انصاری صحابی زار وقطار رو پڑے۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ نالۂ غم کس لئے؟ تو وہ عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ! جب میں خیال کرتا ہوں کہ آپ وصال فرمائیں گے اور ہم بھی مرجائیں گے تو آپ انبیاء کرام کے ساتھ بلند درجات پر فائز ہوں گے، اور جب ہم جنت میں جائیں گے تو آپ سے نچلے درجات میں ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کوئی جواب نہ دیا، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر (یہ آیت مبارکہ) نازل فرمائی: اور جو کوئی اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے تو یہی لوگ (روزِ قیامت) اُن (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا ہے۔۔۔۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس صحابی کو بلایا اور) فرمایا: اے فلاں! تجھے (میری ابدی رفاقت کی) خوش خبری مبارک ہو۔

(سعید بن منصور، السنن، 4:1307، رقم: 4661)

امام ابن جریر نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ایک انصاری صحابی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں غمزدہ حالت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے دریافت فرمایا: اے فلاں! تم اتنے غمگین کیوں ہو؟ اس نے عرض کیا: یا نبی اللہ! مجھے آپ سے متعلق اپنی ایک فکر کھائے جا رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: ہم صبح وشام آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، آپ کے دیدار سے اپنے قلب وروح کو تسکین پہنچاتے ہیں، آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ کل (آخرت میں) آپ انبیاء کرام کے ساتھ بلند مقام پر فائز ہوں گے جبکہ ہماری آپ تک رسائی نہیں ہوگی۔ اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو کوئی جواب نہ دیا۔ جب جبرئیل علیہ السلام یہ آیت کریمہ لے کر حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری کو پیغام بھیجا اور اسے اس (دائمی رفاقت کی) بشارت دی۔ (طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، 5:163)

مسلمانوں کی باہمی محبت کے حکم کا بیان

68- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ وَّاَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِىْ

68 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 192' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2688' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث 3692

هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَوَ لَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم لوگ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہو گے جب تک تم مومن نہیں ہوتے۔ تم اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو گے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہیں رکھتے کیا میں تمہاری رہنمائی ایسی چیز کی طرف نہ کروں جب تم اسے کرو گے تو تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے گی تم لوگ سلام کو عام کرو۔

مسلمان کو گالی دینے کی ممانعت کا بیان

69- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ ح و حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُهٗ كُفْرٌ

ابووائل نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے: ''کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے (یعنی کسی بھی مسلمان کو) قتل کرنا کفر ہے۔''

شرح

گالی گلوچ معاشرہ کے لیے ایک بڑی خطرناک برائی ہے، بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ معمولی معمولی، ناگوار کاموں کی وجہ سے گالی گلوچ پر اتر آتے ہیں۔ گالی دینا ان کی بری عادت ہوتی ہے اور اسی عادت میں اتنی دور تک چلے جاتے ہیں کہ بعض اوقات انتہائی فحش گالیاں ان کی زبان سے اور منہ سے نکلتی ہیں، لیکن ان کو احساس تک نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عادت والا کام بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ ایسے لوگوں سے صادر ہوتا ہے، اس کے لیے کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ گالیاں ایسے لوگ اس لیے دیتے ہیں کہ اپنی انا کی تسکین کے ساتھ اپنے خیال میں دوسرے لوگوں کی مرمت اور علاج بھی اس گالی میں سمجھتے ہیں۔ اگر گالی دینے والے کو جواب نہ ملے تو گالی دینے والا اس کو اپنی برتری سمجھتا ہے اور اس کے نفس اور انا کو سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کو گالیاں ان کو تکلیف اور ایذا پہنچانے کے لیے دیتے ہیں۔ بعض لوگ دوسروں کو ایذا کی خاطر گالیاں تو نہیں دیتے، لیکن ان کی عادت کچھ ایسی بن گئی ہوتی ہے کہ گویا گالی ان کی غذا ہے، بات بات میں اور عام گپ شپ میں ہر ایک کو گالی دے کر پکارتے ہیں، یہ بھی بری عادت ہے۔ کیوں کہ اسلامی تعلیمات کا تعلق تو خوش اخلاقی کے ساتھ ہے۔ خوش اخلاقی کے کام تو بہت ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ انسان با اخلاق اور خوش اخلاق ہے، لیکن خوش اخلاقی کا سب سے بڑا تعلق منہ، زبان اور گفت گو کے

69 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 48 ورقم الحدیث: 6044 ورقم الحدیث 7076 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 218 ورقم الحدیث 219 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1983 ورقم الحدیث: 3635 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 4120 ورقم الحدیث 4121 ورقم الحدیث 4122,4123,4124

ہے چلتا ہے منہ پھٹ ہے یا نہیں؟ جب کبھی کوئی موقع بن جائے تو اس وقت پتہ چلتا ہے، مثلاً کسی بات پر غصہ آیا تو پھر گفت گو سے
پتہ چلتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ منہ اور زبان کو کنٹرول میں رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہر حالت میں حق اور سچ بات
نکلتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثاء اور خواص کو بھی اپنی زبان کنٹرول میں کرنی چاہیے، کبھی انسان مغلوب الحال ہو جاتا ہے،
یعنی عقل اور ہوش رہتی ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کبھی کوئی اپنے سے کم تر پر غصہ کی حالت میں اس کو برا بھلا کہتا ہے اگر اسی
وقت غصہ کرنے والے کے سامنے اس سے کوئی بڑا علم و فضل والا یا عہدے والا آ جائے تو فوراً اس کا غصہ کافور ہو جاتا ہے،
معلوم ہوا کہ عقل ہوشیار ہے۔ تمام آفات کا تعلق زبان کے ساتھ ہے۔ بڑے بڑے جرائم کی ابتدا زبانی تکرار اور معمولی گالی گلوچ
سے ہوتی ہے۔

صحیح عقائد و اعمال کا بیان

۷۰- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَارَقَ الدُّنْيَا عَلَى الْإِخْلَاصِ لِلَّهِ وَحْدَهُ وَعِبَادَتِهِ لَا شَرِيكَ لَهُ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ مَاتَ وَاللَّهُ عَنْهُ رَاضٍ
قَالَ أَنَسٌ وَهُوَ دِينُ اللَّهِ الَّذِي جَاءَتْ بِهِ الرُّسُلُ وَبَلَّغُوهُ عَنْ رَبِّهِمْ قَبْلَ هَرْجِ الْأَحَادِيثِ وَاخْتِلَافِ الْأَهْوَاءِ وَتَصْدِيقُ ذٰلِكَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فِي آخِرِ مَا نَزَلَ يَقُولُ اللَّهُ فَإِنْ تَابُوا قَالَ خَلْعُ الْأَوْثَانِ وَعِبَادَتِهَا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَقَالَ فِي آيَةٍ أُخْرٰى فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ

●● حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص اس عقیدے پر دنیا سے الگ ہو کہ وہ خالص طور پر صرف اللہ تعالیٰ کو معبود سمجھتا ہو' اس کی عبادت کرتا ہو کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراتا ہو' نماز قائم کرتا ہو' زکوٰۃ ادا کرتا ہو' تو وہ ایسی حالت میں مرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے' جسے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اور انہوں نے اپنے پروردگار کی طرف سے اسی کی تبلیغ کی تھی' اس سے پہلے کہ باتوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے اور نفسانی خواہشات میں اختلاف سامنے آنے لگے۔ اس کی تصدیق' اللہ کی کتاب سے بھی ہوتی ہے' جو سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اگر وہ توبہ کر لیں''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے' وہ بتوں اور ان کی عبادت سے لاتعلق ہو جائیں۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے) ''اور وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں''۔ ایک اور آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں' تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں''۔

۷۱م- حَدَّثَنَا أَبُو حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى الْعَبْسِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ عَنِ الرَّبِيعِ بْنِ

---

70 یہ روایت نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اَنَسٍ مِثْلَهُ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

توحید ورسالت کے اقرار اور احکام دین کے نفاذ کیلئے لوگوں سے جہاد کرنے کا بیان

71- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْاَزْهَرِ حَدَّثَنَا اَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا اَبُو جَعْفَرٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے' میں لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک وہ یہ گواہی نہیں دیتے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے' اور میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور وہ نماز قائم نہیں کرتے اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتے"۔

شرح

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب زکاۃ نہ دینے والوں کے خلاف جنگ کا ارادہ فرمایا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے مشہور حدیث: "أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله، فمن قالها فقد عصم مني ماله ونفسه إلا بحقه، وحسابه على الله" (متفق علیہ) سے استدلال کرتے ہوئے آپ پر اعتراض کیا، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ سمجھایا کہ کلمہ توحید کے حق نہ ادا کرنے پر ان سے قتال (جنگ) ممنوع نہیں ہے، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے کلمہ کہا تو اس کا مال اور اس کی جان میرے یہاں معصوم ومحفوظ ہے الا یہ کہ قتل کو واجب کرنے والا حق یعنی عدل وانصاف کا تقاضا موجود ہو، تو فرمایا کہ زکاۃ مال کا حق ہے، یعنی اس کی ادائیگی نہ کرنے والوں کے خلاف جنگ کی جائے گی، عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس فہم حدیث اور استدلال کو قبول کیا اور آپ کے ساتھ مل کر ان لوگوں کے خلاف جنگ کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری متفق علیہ حدیث میں مسلمانوں کے خون اور مال کی حرمت وعصمت کی مزید وضاحت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم ربانی ہے، جب تک کہ لوگ کلمہ توحید ورسالت (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کی گواہی نہ دیں، اور جب تک صلاۃ اور اس کی اقامت اور زکاۃ کی ادائیگی نہ کرلیں، اور جب فرائض ادا کرلیں گے، تو ان کے خون ومال کی عصمت وحرمت میرے یہاں متحقق ہو جائے گی، الا یہ کہ اسلام کا حق موجود ہو، یعنی قتل کو واجب کرنے کا سبب اور عدل وانصاف کا تقاضا موجود ہو، اور (عدل کا تقاضہ پورا ہونے اور حدود کے نفاذ کے بعد) ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ دنیاوی سزائیں صرف کلمہ توحید ورسالت کے اقرار سے معاف نہیں ہوسکتی، بلکہ اسلام کے کسی حق کے نہ بجالانے کی صورت میں بندہ سزا کا مستحق ہوگا، تو اسی طرح سے آخرت میں ان اعمال کے کرنے یا نہ کرنے پر عقوبت وسزا کے

71 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

استحقاق کا معاملہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ کلمہ توحید کے قائل پر جہنم کی حرمت، اور شفاعت کے ذریعہ جہنم سے باہر نکلنے کی بات کا مطلب یہ ہے کہ جس نے کلمہ اسلام کی شروط وقیود کو اس کے حقوق وواجبات ادا کر کے پورا کیا، اور اس کی راہ جنت کی رکاوٹیں بھی جاتی رہیں تو اس کے حق میں یہ وعدہ ثابت و متحقق ہوگا۔

آخرت کے احکام سے متعلق وارد احادیث وعید کے سلسلے میں بھی صحیح بات یہ ہے کہ ان کو ان کے ظاہر واطلاق پر رکھا جائے گا، اور ان کو کسی متعین شخص پر فٹ نہیں کیا جائے گا۔

عقیدہ توحید ورسالت کے ساتھ نماز زکوۃ کے احکام کا بیان

72- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْاَزْهَرِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ بَهْرَامَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُولُ اللّٰهِ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک وہ یہ گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور بے شک میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور وہ نماز قائم نہیں کرتے اور زکوۃ ادا نہیں کرتے۔

گروہ ارجاء اور قدریہ کا بیان

73- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيلَ الرَّازِيُّ اَنْبَاَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ اللَّيْثِيُّ حَدَّثَنَا نِزَارُ بْنُ حَيَّانَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اُمَّتِيْ لَيْسَ لَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ نَصِيبٌ اَهْلُ الْاِرْجَاءِ وَاَهْلُ الْقَدَرِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: میری امت کے دو گروہ ان لوگوں کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے ایک "ارجاء" کا عقیدہ رکھنے والے اور ایک قدریہ کا عقیدہ رکھنے والے۔

ارجاء کا معنی اور حقیقت

ارجاء کا لغت عرب میں معنی ہے " الأمل والخوف والتاخير وإعطاء الرجاء والإمهال " تاخیر اور مہلت دینا اور

72 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

73 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

خوف اور امید۔ علامہ عبدالکریم شہرستانی اپنی کتاب (الملل والنحل) میں فرماتے ہیں کہ ارجاء کے دو معنی ہیں۔

(۱) تاخیر کرنا جیسا کہ قول باری تعالیٰ "قالوا أرجہ وأخاہ" (انہوں نے کہا کہ موسیٰ اور ان کے بھائی کو مہلت دے) یعنی ان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں تاخیر سے کام لینا چاہئے اور ان کو مہلت دینا چاہئے۔

(۲) والثانی: إعطاء الرجاء۔ دوسرا معنی ہے امید دلانا (یعنی محض ایمان پر کلی نجات کی امید دلانا اور یہ کہنا کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ و معاصی کچھ مضر نہیں ہیں۔

اور بعض کے نزدیک ارجاء یہ بھی ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کا فیصلہ قیامت پر چھوڑ دیا جائے اور دنیا میں اس پر جنتی یا جہنمی ہونے کا حکم نہ لگایا جائے۔

اور بعض کے نزدیک ارجاء یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلے خلیفہ کے بجائے چوتھا خلیفہ قرار دیا جائے۔ (الملل والنحل، الفصل الخامس المرجئۃ)

ارجاء" کے معنی ومفہوم میں چونکہ "التاخیر" بھی شامل ہے، اس لئے جو حضرات ائمہ گناہگار کے بارے میں توقف اور خاموشی سے کام لیتے ہیں، اور دنیا میں اس کے جنتی اور جہنمی ہونے کا کوئی فیصلہ نہیں کرتے، بلکہ اس کا معاملہ آخرت پر چھوڑتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ اس کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے خواہ اس کو معاف کرے اور جنت میں داخل کردے، یا سزا بھگتنے کے لئے جہنم میں ڈال دے، یہ سب "مرجئہ" ہیں اور اسی معنی کے اعتبار سے امام اعظم رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ محدثین کو "مرجئہ" کہا گیا۔

علامہ ملا علی قاری نے (شرح فقہ اکبر) میں یہی بات لکھی ہے لم اعلم ان القونوی ذکر ان ابا حنیفۃ کان یسمی مرجئاً لتاخیرہ أمرَ صاحبِ الکبیرۃ إلی مشیئۃ اللہ، والإرجاء التاخیر۔

جاننا چاہئے کہ علامہ قونوی نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو بھی مرجئہ کہا جاتا تھا کیونکہ امام ابوحنیفہ مرتکب کبیرہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف رکھتے تھے، اور "ارجاء" کے معنی ومفہوم موخر کرنے کے ہیں۔

(منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر ص 67 للعلامۃ علی القاری)

اب سوال یہ ہے کہ کیا امام ابوحنیفہ کا یہ عقیدہ قرآن وحدیث کی تصریحات وتعلیمات کیخلاف ہے؟؟ یا صریح نصوص آیات و احادیث سے امام ابوحنیفہ کے اس عقیدہ کی تائید وتصدیق ہوتی ہے، اور تمام اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے۔

مرجئہ کے ارجاء کا بیان

یہ فرقہ اعمال کی ضرورت کا قائل نہیں ارجاء کا معنی ہوتا ہے پیچھے کرنا یہ اعمال کی حیثیت کو بالکل پیچھے کردیتے ہیں ان کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے تصدیق قلبی حاصل ہو تو بس کافی ہے ان کا کہنا ہے کہ جیسے کفر کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی مفید نہیں ایسے ہی ایمان یعنی تصدیق کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ مضر نہیں جس طرح ایک کافر عمر بھر حسنات کرتے رہنے سے ایک لمحہ کے لئے بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا جنت اس پر حرام ہے اسی طرح گناہوں میں غرق ہونے والا مومن ایک لمحہ کے لئے بھی جہنم میں نہیں جائے گا جہنم اس پر حرام ہے یہ مذہب بھی باطل اور سراسر گمراہی ہے کیونکہ قرآن وحدیث میں جابجا مسلمانوں کو اعمال صالحہ

کرنے کا اور اعمال سیئہ سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔
علامہ ملا علی قاری (شرح فقہ الاکبر ص 104) پر فرماتے ہیں کہ پھر "مرجئہ مذمومہ بدعتی فرقہ "قدریہ سے جدا ایک فرقہ ہے جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان کے آنے کے بعد انسان کے لیئے کوئی گناہ مضر نہیں ہے جیسا کہ کفر کے بعد کوئی نیکی مفید نہیں ہے اور ان (مرجئہ) کا نظریہ ہے کہ مسلمان جیسا بھی ہو کسی کبیرہ گناہ پر اس کو کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا، پس اس ارجاء (یعنی مرجئہ اہل بدعت کا ارجاء) اور اُس ارجاء (یعنی امام اعظم اور دیگر ائمہ کا ارجاء) میں کیا نسبت؟؟؟ فقہ اکبر کی عبارت ملاحظہ کریں

ولانقول ان المؤمن لايضره الذنوب ولانقول انه لايدخل النارفيها ولانقول انه يخلد فيها وان كان فاسقا بعد ان يخرج من الدنيا مؤمنا ولا نقول حسناتنا مقبولة وسيأتنا مغفورة كقول المرجئة (شرح كتاب الفقه الاكبر ص 100)

اور ہم یہ نہیں کہتے کہ مومن کے لیئے گناہ مضر نہیں، اور نہ ہم اس کے قائل ہیں کہ مومن جہنم میں بالکل داخل نہیں ہوگا، اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اگر چہ فاسق ہو جب کہ وہ دنیا سے ایمان کی حالت میں نکلا، اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری تمام نیکیاں مقبول ہیں اور تمام گناہ معاف ہیں جیسا مرجئہ کا عقیدہ ہے۔
علامہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ

ومن العجيب ان غسان كان يحكى عن ابى حنيفة رحمة الله عليه مثل مذهبه ويعده من المرجئة ولعله كذب كذالك عليه ولعمرى كان يقال لأبى حنيفة وأصحابه مرجئة السنة (الملل والنحل، الفصل الخامس الغسانية)

تعجب کی بات ہے کہ غسان (جو فرقہ غسانیہ کا پیشوا ہے) بھی اپنے مذہب کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ظاہر کرتا اور شمار کرتا تھا، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مرجئہ میں شمار کرتا تھا غالباً یہ جھوٹ ہے، مجھے زندگی عطا کرنے والے کی قسم کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے اصحاب کو تو "مرجئۃ السنۃ" کہا جاتا تھا۔

حافظ ابن عبدالبر المالکی فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ پر ارجاء کا الزام لگایا ہے، حالانکہ اہل علم میں تو ایسے لوگ کثرت سے موجود ہیں جن کو مرجئیہ کہا گیا ہے، لیکن جس طرح امام ابوحنیفہ کی امامت کی وجہ سے اس میں بڑا پہلو نمایاں کیا گیا ہے دوسروں کے بارے ایسا نہیں کیا گیا۔

اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض لوگ امام ابوحنیفہ سے حسد و بغض رکھتے تھے اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے تھے جن سے امام ابوحنیفہ کا دامن بالکل پاک تھا، اور ان کے بارے میں نامناسب اور بے بنیاد باتیں گھڑی جاتی تھیں حالانکہ علماء کی ایک بڑی جماعت نے امام ابوحنیفہ کی تعریف کی اور ان کی فضیلت کا اقرار کیا ہے۔ (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر)

قدریہ کے نظریے کا بیان

یہ جبریہ کے برعکس نظریات کا حامل فرقہ ہے یہ انسان کو قادر مطلق مانتا ہے اور تقدیر کا منکر ہے احادیث میں قدریہ کو اس امت

کا مجوس کہا گیا ہے مجوس دو خداؤں کے قائل ہیں اور یہ ہر ایک کو قادر مطلق کہہ کر بے شمار خداؤں کے قائل ہیں یہ مذہب بھی باطل اور قرآن وحدیث کی صریح نصوص کے خلاف ہے قرآن وسنت اور عقل ومشاہدہ سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ انسان نہ تو مجبور محض ہے اور نہ ہی قادر مطلق ہے بلکہ کاسب ہے اور کسب کا اختیار اپنے اندر رکھتا ہے۔ (عقیدہ طحاویہ مع شرح)

ایمان کے کم یا زیادہ ہونے کا بیان

74- حَدَّثَنَا اَبُوْعُثْمَانَ الْبُخَارِيُّ سَعِيْدُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَارِجَةَ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ يَعْنِي ابْنَ عَيَّاشٍ عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ بْنِ مُجَاهِدٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا الْاِيْمَانُ يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ

◄► مجاہد، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے۔

اہل ایمان کے درجات کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ، ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَيُخْرَجُوْنَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوْا . فَيُلْقَوْنَ فِيْ نَهْرِ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ جَانِبِ السَّيْلِ اَلَمْ تَرَ اَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً

(بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال)

جنتی، جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ حکم دیں گے کہ جس بندے کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اسے دوزخ سے نکالو! چنانچہ وہ آگ سے نکالے جائیں گے۔ جل کر کوئلے کی طرح سیاہ ہو چکے ہوں گے چنانچہ وہ نہر حیات میں ڈالے جائیں گے، پس وہ اس طرح اُگ آئیں گے جس طرح سیلاب کے قریب نیا زبو اُگتی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ کیسی خوبصورت رنگت میں زرد اور گھنی ہوتی ہے جس کی پھول پتیاں خمدار ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی، اللہ والوں اور ایمان کی محبت اور کفر سے نفرت، انسان، من کی پاکیزگی، روح کی بالیدگی اور ایمان کی تازگی عطا کرتی ہے۔ یہ تینوں خصائص اپنی جگہ بھرپور اہمیت کے حامل، انسانیت ساز اور بلندی درجات کا سبب ہیں اور انسان کو پستیوں سے اٹھا کر رفعتوں پہ فائز کر دیتے ہیں۔ یہ تینوں خصائص یکساں شکل میں نہیں ہوتے بلکہ طبع ومزاج کے مطابق کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ہوتے ہیں۔ کسی میں ان میں سے ایک وصف پایا جاتا ہے۔ کسی میں دو پائے جاتے ہیں اور کوئی تینوں اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔ اس سے یہ مسئلہ از خود حل ہو گیا کہ جس میں یہ اوصاف زیادہ مقدار اور زیادہ تعداد میں ہوں گے، وہ اس شخص سے افضل ہوگا

74: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

جس میں وہ اس شکل اور تعداد میں نہیں ہوں گے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ اہل ایمان درجات میں متفاوت اور ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، سب کا یکساں درجہ نہیں ہوتا۔

اس حدیث پاک میں اس حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ مومن خواہ کتنا ہی گناہگار ہو، وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اسے بڑی ہی بری اور انتہائی خستہ حالت میں آگ سے نکالا جائے گا۔ اس وقت ہڈیوں سمیت اس کا گوشت پوست جل کر کوئلے کی طرح سیاہ ہو چکا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا کہ اسے آب حیات میں غسل دیا جائے۔ غسل کے ساتھ ہی یکا یک اس کے جسم کی کایا پلٹ جائے گی۔ جلی ہوئی سیاہ ہڈیاں سفید ہو جائیں گی۔ ان پر تروتازہ، خوبصورت اور صحت مند گوشت اُگ آئے گا اور سرخ و سپید شفاف رنگت کے پیچھے تازہ خون گردش کرنے لگے گا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے حسن و جمال کا ایک مثالی پیکر بن جائے گا، جیسے کبھی آگ میں جھلسا ہوا ہی نہیں تھا۔

جب انسان کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے تو اس کے دل میں ایمان کا پودا لگ جاتا ہے۔ پھر اعمال صالحہ اس کی نشوونما اور آبیاری کرتے ہیں اور اسے رفتہ رفتہ تناور درخت بنا دیتے ہیں۔ وہ ایمان ذرے سے پہاڑ، قطرے سے سمندر، کرن سے آفتاب اور رائی سے چٹان بن جاتا ہے لیکن اگر اسے اعمال صالحہ کی نگہداشت نصیب نہ ہو، تو پھر وہ رائی کا رائی ہی رہتا ہے اور بڑھنے پھولنے کی بجائے، بے مدہ، کمزور اور خفیف ہو جاتا ہے۔ اس میں وزن پیدا نہیں ہوتا اور پھیلاؤ نہیں آتا۔ اسی قسم کے شخص کے ایمان کو رائی کے دانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اسے دوزخ میں ڈال کر سزا دی جائے گی پھر اس سے نکالا جائے گا۔ جس سے از خود یہ واضح ہو گیا کہ ایسے اشخاص بھی ہوں گے، جنہوں نے بے عمل رہنے کی بجائے، اعمال صالحہ بھی کئے ہوں گے اور اپنی فرمانبرداری کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے احکام کی تعمیل کی ہوگی۔ ایسے لوگوں کا ایمان مضبوط ہوگا اور وہ مراتب میں بے عمل لوگوں سے بڑھ جائیں گے اور دوزخ میں جانے کی بجائے، سرزمین رنگ و بو میں پہنچ جائیں گے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ ایمان داروں کے درجات متفاوت ہوتے ہیں، یعنی گناہگار اور فرمانبردار کا مرتبہ یکساں نہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَايَبْلُغُ الثُّدِيَ وَمِنْهَا مَادُوْنَ ذَالِكَ وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيْصٌ يَجُرُّ. قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَ ذَالِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: اَلدِّيْنُ. (بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال)

ہم سوئے ہوئے تھے۔ نیند کے دوران دیکھا کہ لوگ ہمارے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں۔ ان کے جسموں پر قمیصیں ہیں، کچھ قمیصیں سینوں تک پہنچ رہی ہیں اور کچھ اس سے بھی چھوٹی ہیں۔ ہمارے سامنے عمر بن خطاب پیش کئے گئے۔ ان کے جسم پر اتنی لمبی قمیص تھی کہ وہ اسے گھسیٹ رہے تھے۔ لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تاویل فرمائی ہے؟ بتایا: دین۔

اس حدیث پاک سے بھی اہل ایمان کے مراتب کا متفاوت ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا

کہ ان کے جسموں پر چھوٹی بڑی قمیصیں ہیں، کسی کی سینے تک پہنچ رہی ہے۔ کسی کی اس سے بھی چھوٹی ہے۔ لیکن فاروق اعظم کی قمیص کو بہت ہی لمبا پایا اور تعبیر یہ بیان فرمائی کہ اس سے دین مراد ہے اور دین، ایمان ہی کو کہتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ لوگوں کا ایمان کم وبیش اور متفاوت ہوتا ہے۔ یعنی اہل ایمان میں ایمان کے حوالے سے فرق، مراتب پایا جاتا ہے۔ کسی کا ایمان قوی، زیادہ اور مضبوط ہوتا ہے اور کسی کا نسبتاً کمزور، ہلکا اور کم ہوتا ہے۔

اعمال کے ساتھ ایمان میں کمی وبیشی ہوتی ہے اور اسے ایمان کامل کہتے ہیں۔ جتنا انسان، متقی، عبادت گزار، صالح وذاکر، نیک اور اطاعت شعار ہو، اتنا ہی اس کا ایمان کامل ہوتا ہے اور جتنا بدعمل، فاسق وفاجر، نافرمان وخودسر اور غافل وجاہل ہو، اتنا ہی اس کا ایمان ناقص ہوتا ہے۔ البتہ نفس ایمان ایک ہی حال پر قائم رہتا ہے۔ اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔

ایمان کی اقسام

مومن، خواہ گناہ گار ہو، یا نیکوکار، وہ مومن ہی ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ گناہوں کی دلدل میں پھنس کر، وہ گندا، کمزور، گھٹیا اور ناقص ہو جاتا ہے۔ فرشتوں کا منظور نظر نہیں رہتا اور بہت سی روحانی ونورانی برکات سے محروم ہو جاتا ہے لیکن رہتا مومن ہی ہے۔

قرآن پاک نے مومنوں کی اقسام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (فاطر: 32)

پھر ہم نے اس کتاب (قرآن) کا وارث ایسے لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا (یعنی امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو)، سو ان میں سے اپنی جان پر ظلم کرنے والے بھی ہیں، اور ان میں سے درمیان میں رہنے والے بھی ہیں، اور ان میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھ جانے والے بھی ہیں۔

اس آیت کریمہ میں گناہگاروں کو بھی کتاب کا وارث بتایا گیا ہے۔ جو ظاہر ہے ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا شخص بھی مومن ہوتا ہے اور اس سے ایمان کی نفی نہیں کی جا سکتی۔

لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ نیک اور بد، نیکوکار اور گناہ گار، یکساں مقام ومرتبے کے مالک نہیں ہوتے۔ خود قرآن پاک نے فرمایا ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ (فاطر: 21-19)

اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے۔ اور نہ تاریکیاں اور نہ نور (برابر ہو سکتے ہیں)۔ اور نہ سایہ اور نہ دھوپ۔

ایک دوسری آیت میں اسی بات کو دوسرے انداز میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ (المومن: 58)

اور اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے سو (اسی طرح) جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے (وہ) اور بدکار بھی (برابر) نہیں ہیں۔

ان قرآنی ہدایات کی روشنی میں، جب فاسق اور متقی، گناہ گار اور فرمانبردار مومن ہونے کے باوجود برابر نہیں ہو سکتے۔ تو ظاہر ہے ان کا ایمان بھی برابر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان دونوں کے ایمان میں جو باریک فرق ہے، اہل نظر نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا ہے اور اسے فوائد وخطرات اور نتائج سمیت، بہت اچھی طرح واضح کیا ہے۔

یہ مسئلہ بہت ہی نازک ہے۔ اس لئے کہ ایمان وکفر کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں۔ انسان یا کافر ہوتا ہے، یا مومن۔ تیسری قسم کوئی نہیں کہ وہ آدھا مومن اور آدھا کافر ہو۔ اسی لئے گناہ گار کے ایمان کو بھی ناقص نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ایمان تجزی کو قبول نہیں کرتا۔ نقصان ثابت کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اسے کافر بنا دیا جائے۔ حالانکہ وہ کافر نہیں۔ اسی لئے فاسق ومتقی کے مقام کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے، بڑی احتیاط سے قرآن وحدیث کے وزنی دلائل کی روشنی میں ایمان کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) نفس ایمان (۲) ایمان کامل

نفس ایمان

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَبِلِقَائِہٖ وَرُسُلِہٖ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ۔ (عمدۃ القاری، 1:104)

ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کی بارگاہ میں حاضری پر، اس کے رسولوں، فرشتوں اور کتابوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے۔ ان حقائق ثابتہ پر ایمان لانے سے انسان کے دل میں یقین کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اسے تصدیق قلبی کہتے ہیں۔ اسی کا نام ایمان ہے۔ اسے اصل ایمان یا نفس ایمان بھی کہتے ہیں۔ یہ جب دل میں پیدا ہو جائے اور اچھی طرح گڑ جائے تو پھر زائل نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی دشمن تلوار لے کر سر پر کھڑا ہو جائے اور حکم دے کہ زبان سے کہو کہ تمہارا خدا، رسول اور فرشتوں، کتابوں اور قیامت پر ایمان نہیں ہے اور وہ انسان اوپر سے زبان سے کہہ بھی دے تو پھر بھی تصدیق قلبی زائل نہیں ہوتی کیونکہ وہ دل کی کیفیت کا نام ہے اور دشمن کا اس پر کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ قرآن پاک نے واضح فرما دیا ہے۔

اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ۔ (النحل:106)

سوائے اس کے جسے انتہائی مجبور کر دیا گیا مگر اس کا دل (بدستور) ایمان سے مطمئن ہے۔

اسی طرح گناہ کرنے سے بھی، وہ تصدیق قلبی زائل نہیں ہوتی کیونکہ جب کوئی گناہگار، گناہ اور نافرمانی میں مصروف ہوتا ہے۔ اس وقت وہ تصدیق قلبی اس کے اندر موجود ہوتی ہے۔ جسے وہ ذہنی طور پر محسوس کرتا ہے۔ اس بری حالت میں بھی اس کے دل میں یہ کبھی خیال نہیں آتا کہ خدا نہیں یا قرآن پاک اس کا کلام نہیں ہے۔ فرشتوں کا کوئی وجود نہیں اور قیامت کا آنا محض ایک تصور ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اگر اس سے پوچھ لیا جائے تو وہ فوراً اقرار کرتا ہے کہ خدا ہے۔ میں جو اس کے احکام پر عمل نہیں کرتا تو یہ میری بدبختی اور کوتاہی ہے۔ ایک روز اس کی بارگاہ میں جانا ہے۔ ڈر بھی لگتا ہے۔ چلو، وہ غفور رحیم ہے۔ اس کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے بخش دے گا۔ میں اپنی اصلاح کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

غرضیکہ گناہ گار انسان اس قسم کے جذبات کا اظہار کرتا ہے اور یہ بالکل مشاہدے کی بلکہ تجربے کی چیز ہے۔ جس کا مطلب یہ

ہے کہ تصدیق قلبی جبر وکراہ سے زائل نہیں ہوتی۔ اس کے زائل ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ اس نے جس طرح دل سے ایمان قبول کیا ہوا ہے۔ اسی طرح دل کی گہرائی سے کلمہ کفر منہ سے نکالے، یا کوئی خلاف ایمان حرکت کرے۔

ایمان کامل

توحید ورسالت، روز حشر، جزا وسزا، انبیاء وملائکہ، ساوی کتب وصحائف اور دیگر امور دین کی حقانیت وصداقت تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔ اسے صرف ایمان یا نفس ایمان کہتے ہیں۔ اس سے انسان کسی شک وشبہ کے بغیر مومن بن جاتا ہے اور کسی بڑے سے بڑے متقی اور پرہیزگار کے لئے بھی جائز نہیں رہتا کہ اسے مومن اور ایمان دار تسلیم نہ کرے۔

لیکن یہی ایمان، ایمان کامل اس وقت بنتا ہے، جب مومن اپنے دامن کو گناہوں کی گندگی سے بچانے کی شعوری کوشش کرنے لگ جاتا ہے۔ اس کے دل میں عبادات کے لئے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اطاعت واتباع میں وہ لذت وحلاوت محسوس کرتا ہے جو اسے دنیا کے کسی کام میں نہیں آتی۔ نافرمانی، سرکشی، ظلم وعدوان، حسد وکینہ، عناد وعداوت، فسق وفجور، ہوس پرستی وفتنہ طرازی، حرص وہوا اور دیگر ناپسندیدہ حرکتوں اور دنیاداری کے کاموں سے اسے نفرت ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ خیر خواہی وفرمانبرداری، محبت والفت، شائستگی وشرافت، دیانت وامانت، عفت وطہارت، پارسائی وپرہیزگاری، نیازمندی وتواضع اور مخلوق خدا کو خوش کرنے اور اسے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی خواہش لے لیتی ہے۔

جب بندہ مومن، عبادت وتقویٰ کی ان حسین راہوں پر چل نکلتا ہے اور قرب وحضور کی لذتوں سے آشنا ہوتا ہے تو پھر اس کی زندگی میں ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے کہ اس کے دل کی پاکیزگی آخری حدوں کو چھو لیتی ہے اور وہ گناہوں سے اس طرح بچنے اور ڈرنے لگ جاتا ہے، جیسے کوئی سانپ اور موذی حشرات سے بچتا اور ڈرتا ہے۔ اس منزل پر وہ ایک عام مومن اور عام بندہ نہیں رہتا بلکہ بندہ خاص انسان مرتضیٰ اور مومن کامل بن جاتا ہے۔

مومن کامل کو یہ مرتبہ ہر قسم کے گناہوں سے دامن کشا رہنے پر حاصل ہوتا ہے۔ اگر وہ گناہوں کی وادیوں میں سرگرداں اور فسق وفجور میں مبتلا رہے اور مخلوق خدا اور امت نبی کو تکلیف دینے سے باز نہ آئے تو وہ صرف مومن رہ جاتا ہے، مومن کامل نہیں بنتا اور اس قابل فخر لقب سے محروم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَھُوَ مُؤْمِنٌ۔ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُھَا وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَنْتَھِبُ نُھْبَۃً یَرْفَعُ النَّاسُ اِلَیْہِ فِیْھَا اَبْصَارَھُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ۔ (بخاری، الصحیح، کتاب الحدود باب مایحذر من الحدود الزنا وشرب الخمر)

جب زانی، زنا کرتا ہے، چور، چوری میں مصروف ہوتا ہے اور شرابی شراب پی رہا ہوتا ہے اور ڈاکو دھڑلے کے ساتھ، لوٹ مار کر رہا ہوتا ہے، اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بدکاری کے دوران اس کے مومن کامل نہ رہنے اور ایمان سے خارج ہو جانے کی مثال بیان کرتے ہوئے ایک دوسری حدیث روایت فرمائی ہے کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ وَكَانَ كَالظُّلَّةِ فَإِذَا انْقَلَعَ مِنْهَا رَجَعَ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ (المستدرك على الصحيحين، كتاب الايمان)

جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان اس کے جسم سے نکل جاتا ہے اور سائبان کی طرح اس کے سر پر کھڑا ہو جاتا ہے، جب وہ فارغ ہو جاتا ہے تو پھر لوٹ آتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دوسری مثال دے کر اس کے ایمان سے خارج ہونے کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ کسی نے پوچھا:

كَيْفَ يُنْزَعُ مِنْهُ الْإِيمَانُ؟ قَالَ: هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ثُمَّ أَخْرَجَهَا. فَإِنْ تَابَ عَادَ إِلَيْهِ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ (بخاری، الصحیح، کتاب المحاربین، باب اثم الزنا وقول الله تعالیٰ)

اس سے ایمان کیسے نکال لیا جاتا ہے؟ حضرت ابن عباس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پہلے ایک دوسرے میں پھنسایا، پھر علیحدہ کیا اور فرمایا: اس طرح اس کے بعد فرمایا: اگر وہ توبہ کرلے تو ایمان پھر اس طرح لوٹ آتا ہے۔ یہ بیان کرتے ہوئے آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پھر ایک دوسرے میں پھنسا دیا۔

ان احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے ایمان کامل کے حصول کے لئے، اعمال خیر پر کاربند ہونا بہت ضروری ہے اور ارکان اسلام اس سلسلے کے بنیادی اعمال ہیں۔ چنانچہ نماز، روزہ اور حج زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کے بغیر، مومن کامل ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اس پوری تفصیل کا خلاصہ اور ماحصل یہ نکلا کہ انسان کا ایمان کامل اس وقت ہوتا ہے جب وہ ایمان لانے کے بعد زبان سے اس کا اقرار بھی کرتا ہے اور اعمال صالحہ کے ذریعے اپنے دعوے کی صداقت کا ثبوت بھی دیتا ہے۔ اس کے ایمان کے بے رنگ خاکے میں رنگ اس وقت بھرا جاتا ہے جب وہ اعمال صالحہ کے گلزار و گلشن بھی سجاتا ہے اور ذکر و فکر اور عبادات کی طرف بھی بطور خاص توجہ دیتا ہے۔ گویا کامل مومن بننے کے لئے فرمانبردار، اطاعت شعار اور احکام کا پابند ہونا ضروری ہے۔

75- حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ الْبُخَارِيُّ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عُثْمَانَ عَنِ الْحَارِثِ أَظُنُّهُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ الْإِيمَانُ يَزْدَادُ وَيَنْقُصُ

●● مجاہد حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں: "ایمان میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور کمی بھی ہوتی ہے"۔

ایمان میں اضافے کا سبب بننے والے اسباب کا بیان

اسی طرح جب کوئی انسان اپنے اعضاء و جوارح کے ساتھ دوسرے انسان کی نسبت زیادہ عمل سرانجام دے تو دوسرے کی نسبت

75 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اس کا ایمان بہر حال بہت زیادہ ہوگا، قرآن وسنت سے ایمان میں کمی بیشی ثابت ہے، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا (المدثر ۳۱)

اور ان (جہنم کے فرشتوں) کا شمار کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کیا ہے اور اس لیے کہ اہل کتاب یقین کریں اور مومنوں کا ایمان اور زیادہ ہو۔

ابن المنذر نے ابن جریج رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ آیت لیستیقن الذین اوتوا الکتب تا کہ جن کو کتاب دی گئی ہے وہ یقین کرلیں یعنی اہل کتاب بھی اپنی کتابوں میں انیس ہی کو پاتے ہیں آیت ویزداد الذین امنوا ایمانا اور ایمانداروں کا ایمان بڑھے سو وہ اس کے ساتھ ایمان لائے جو ان کی کتابوں میں ہے ان کی تعداد کے بارے میں بس اس کے ساتھ ان کے ایمان بھی بڑھ جائیں گے۔

عبدالرزاق وابن المنذر نے قتادہ رحمہ اللہ آیت لیستیقن الذین اوتوا الکتب کے بارے میں روایت کیا کہ اہل کتاب اس وقت یقین کرلیں گے جب جہنم کے داروغوں کی تعداد اس کے موافق ہے جو ان کی کتابوں میں ہے۔

عبد بن حمید نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ آیت لیستیقن الذین اوتوا الکتب کے بارے میں روایت کیا کہ اہل کتاب بھی جہنم کے داروغوں کے کی تعداد اتنی ہی لکھی ہوئی پاتے ہیں۔

عبد بن حمید وابن المنذر نے قتادہ رحمہ اللہ سے آیت لیستیقن الذین اوتوا الکتب ویزداد الذین امنوا ایمانا تا کہ جن کو کتاب دی گئی وہ یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان بڑھے کے بارے میں روایت کیا کہ قرآن نے ان کی کتابوں کو تصدیق کردی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی تورات اور انجیل وغیرہ کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد انیس ہے آیت ولیقول الذین فی قلوبھم مرض اور تا کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ کہیں یعنی جن کے دلوں میں نفاق ہے۔ واللہ اعلم۔

عبد بن حمید وابن المنذر نے قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ آیت وما یعلم جنود ربک الا ھو۔ اور آپ کے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا یعنی تیرے رب کے لشکروں کی کثرت تعداد کو کوئی نہیں جانتا۔

فرشتوں کی تعداد کسی کو معلوم نہیں

البیہقی فی الاسماء والصفات ابن جریج کے طریق سے ایک آدمی سے اور انہوں نے عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا کہ انہوں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے سوال کیا کہ کونسی مخلوق بڑی ہے؟ فرمایا فرشتے پھر پوچھا کس چیز سے ان کو پیدا فرمایا؟ تو فرمایا بازو اور سینے کے نور سے پھر اپنے بازوؤں کو پھیلا کر فرمایا کونوا الفی الفین ہو جاؤ تو ابن جریج رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ الفی الفین کیا ہیں؟ فرمایا وہ تعداد جس کو نہ شمار کیا جا سکے اس کی کثرت کی وجہ سے۔

الطبرانی نے الاوسط میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو معراج کی رات کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اور جبریل علیہ السلام آسمان دنیا کی طرف چڑھے تو میں ایک فرشتے کے پاس

پہلا جس کو اسماعیل کہا جاتا تھا اور وہ آسمان دنیا کا حاکم تھا اور اس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے تھے اور ان میں سے ہر فرشتے کے ساتھ ایک لاکھ کا لشکر تھا۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی آیت وما یعلم جنود ربک الا ھو۔ اور آپ کے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (تفسیر در منثور، سورہ مدثر، بیروت)

اور مزید فرمایا:

وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۔ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ

(التوبۃ: 124-125)

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافق (استہزا کرتے اور) پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے، تو جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے ان کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کافر کے کافر۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ (صحيح البخاري، الحيض، باب ترك الحائض الصوم)

میں نے دین اور عقل میں ناقص تم عورتوں سے زیادہ اچھے بھلے آدمی کی مت مارنے والا کسی کو نہیں پایا۔ معلوم ہوا کہ ایمان میں اضافہ اور کمی ہو سکتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایمان میں اضافے کا سبب کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمان میں اضافے کے کئی اسباب ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی اس کے اسماء وصفات کے ساتھ معرفت: انسان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات کے بارے میں جس قدر زیادہ معرفت حاصل ہوگی، اسی قدر بلاشک وشبہ اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اہل علم جنہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا وہ علم ہے جو دوسروں کو نہیں ہے تو اس اعتبار سے دوسروں کی نسبت ان کا ایمان زیادہ قوی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کونی وشرعی نشانیوں پر غور کرنا: انسان اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں پر، جو اس کی مخلوقات ہیں، جب بھی غور کرتا ہے تو اس کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۔ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاریات: 20-21)

اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفوس میں بھی ہیں، تو کیا تم دیکھتے نہیں؟ اس مضمون کے متعلق اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات پر غور وفکر کرنے سے انسان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

کثرت طاعات: انسان جب کثرت سے اللہ تعالیٰ کی طاعات بجا لاتا ہے تو اس سے اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے،

خواہ یہ طاعات قولی ہوں یا فعلی، ذکر ایمان کی کمیت وکیفیت میں اضافہ کرنے کا باعث ہے، اسی طرح نماز، روزہ اور حج سے بھی ایمان کی کمیت وکیفیت میں اضافہ ہوتا ہے۔اس کے برعکس ایمان کو نقصان پہنچانے والے اسباب حسب ذیل ہیں۔

جہالت: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارے میں جہالت ایمان میں کمی کا موجب ہے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے بارے میں انسان کی معرفت میں کمی ہوگی تو اس سے خود بخود اس کے ایمان میں بھی کمی واقع ہو جائے گی۔

غور وفکر نہ کرنا: اللہ تعالیٰ کی کونی وشرعی نشانیوں میں غور وفکر نہ کرنا بھی ایمان میں کمی کا سبب بنتا ہے یا کم از کم اس سے ایمان جامد ہو جاتا ہے اور نشو ونما نہیں کر پاتا۔

ترک طاعت: ترک طاعت بھی ایمان میں کمی کا سبب ہے۔اگر طاعت واجب ہو اور اس نے عذر کے بغیر اسے ترک کیا ہو تو یہ ایک ایسی کمی ہے، جس پر اسے نہ صرف ملامت کی جائے گی بلکہ سزا بھی دی جائے گی اور اگر اطاعت واجب نہ تھی یا واجب تو تھی مگر اس نے اسے کسی شرعی عذر کی وجہ سے ترک کیا تو یہ ایک ایسی کمی ہے کہ اس پر اسے ملامت نہیں کی جائے گی۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو عقل اور دین کے اعتبار سے ناقص قرار دیا اور دین کے اعتبار سے ناقص ہونے کا سبب یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ حالت حیض میں نماز نہیں پڑھتیں اور روزہ نہیں رکھتیں اور پھر اس حالت میں ترک صوم وصلوٰۃ کی وجہ سے وہ قابل ملامت بھی نہیں بلکہ انہیں حکم ہی یہی ہے کہ اس حالت میں وہ نماز اور روزے کو ترک کر دیں، چنانچہ جب وہ اپنے اس شرعی عذر کی وجہ سے ان کاموں کو سرانجام دینے سے قاصر ہیں جنہیں سرانجام دینے میں مردوں کو کوئی عذر نہیں تو اس وجہ سے وہ مردوں کے مقابلہ میں ناقص قرار پائیں۔

بَابُ: فِي الْقَدَرِ

یہ باب تقدیر کے بیان میں ہے

تقدیر کے لغوی واصطلاحی معانی کا بیان

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں کہ قدر کا لغوی مفہوم کچھ یوں ہے۔

الْقَدَرُ: الاسم، الْقَدْرُ المصدر. وهو ما يُقَدِّرُ الله من القضاء، ويحكم به من الامور.

(ابن منظور، لسان العرب، 5 74)

لفظ قدر اسم ہے، اور قدر مصدر ہے اور اس سے مراد وہ قضا (فیصلہ) جسے اللہ تعالیٰ مقدر کر دے (کہ وہ ہو کر رہے گا) اور اُمور میں سے جس چیز کا اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے (وہ قدر ہے)۔جب کہ قدر کا اِصطلاحی معنی یہ ہے۔

ان المقدر سرٌّ من سرّ الله، بل الإيمان بما جرت به المقادير من خير او شرّ، واجب على العباد ان يؤمنوا به، ثم لا يامن العبد ان يبحث عن القدر فيكذب بمقادير الله الجارية على العباد، فيضلّ عن طريق الحق. (آجری، کتاب الشریعۃ، 2.898)

قدر، اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے، بلکہ خیر وشر کی جو تقدیریں جاری ہوتی ہیں ان پر ایمان لانا بندوں پر

ہے، پھر ایسا ممکن نہیں کہ بندہ قدر کے بارے میں بحث کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان قدروں کے بارے میں جو واجب ہے، بندوں پر جاری ہوتی ہیں جھوٹ سے مامون رہے، پس پھر راہِ حق سے گمراہ ہو جائے۔

اسی مسئلے کا نام مسئلہ تقدیر یا مسئلہ قضاء وقدر ہے۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کے مجبور یا مختار ہونے کا مسئلہ صرف مذہبی موضوع بحث نہیں رہا بلکہ یہ دُنیا بھر کے فلاسفہ، مفکرین اور علماء کا محبوب ترین موضوع رہا ہے۔ نفسیات، جرمیات، عمرانیات اور دیگر مختلف فلسفوں میں اس مسئلہ پر سیر حاصل مباحث ملتے ہیں، جنہیں مسلم اور غیر مسلم مفکرین اور فلسفیوں نے اپنے علم اور فکر سے فروغ بخشا۔ پھر یہ زبان، ادب اور شاعری کا بھی موضوع رہی۔ اس بنا پر اس مسئلے میں مختلف قسم کی آراء ملتی ہیں۔ اسی لئے اس کے اثرات خواص سے لے کر عوام تک کے ذہنوں کو متاثر کرنے میں اہم کردار انجام دیتے ہیں۔

ایمانیات کے سلسلے کا ایک اہم ترین موضوع ایمان بالقدر ہے جو اَرکانِ ایمان میں سے آخری مگر انتہائی مہتم بالشان جزو ہے۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ اسی مسئلہ کی نسبت لوگوں کے ذہنوں میں طرح طرح کے شکوک وشبہات اور اَوہام و وساوس پائے جاتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موضوع پر کرید کرید کر گفتگو سے منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شیطان تم میں کسی ایک کے پاس آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تجھے کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ پوچھتا ہے کہ خدا کو کس نے پیدا کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس یہاں رُک جاؤ، شیطان کے شر سے خدا کی پناہ مانگو۔ اس سے آگے نہ سوچو۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ اس پیچیدہ اور نازک مسئلے میں خواہ مخواہ اُلجھ کر اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں کیونکہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ انسانی عقل و دانش اس نازک مسئلے کے حقیقی مضمرات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اس موضوع پر بحث وتمحیص میں حد سے آگے بڑھنے کا نتیجہ گمراہی ہو سکتا ہے۔

انسان کے اختیار وعدم اختیار کا بیان

اس ضمن میں حقیقت بالکل واضح ہے کہ انسان نہ تو کلیتًا اتنا مختار ہے کہ اس پر کوئی قدغن ہی نہ ہو اور نہ ہی ایسا مجبور ہے کہ وہ خود کو ہر ذمہ داری سے بَری قرار دے سکے۔ انسان کی حقیقی حیثیت بین القدر والجبر ہے جو ایک معتدل کیفیت سے عبارت ہے۔ فی الواقع اسے اختیار وارادے کی مکمل آزادی ہے لیکن اس کی آزادی میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔

منقول ہے کہ حضرت علی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے اس مسئلے کی بابت استفسار کیا۔ روایت کے الفاظ ہیں ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: مجھے قدر کے بارے میں بتلائیے، آپ نے فرمایا: یہ ایک تاریک راستہ ہے اس پر مت چلو، اس نے کہا مجھے قدر کے بارے میں بتلائیے۔ آپ نے فرمایا: یہ ایک گہرا سمندر ہے اس میں داخل نہ ہو، اس نے پھر کہا: مجھے قدر کے بارے میں بتلائیے۔ آپ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے جو اس نے تم پر مخفی رکھا ہے، پس اس کے بارے میں کھوج نہ لگا، اس نے پھر کہا: مجھے قدر کے بارے میں بتلائیے، آپ نے فرمایا: اے سائل! مجھے یہ بتاؤ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی منشا سے پیدا کیا ہے یا تمہاری منشے سے؟ اس نے کہا: بلکہ اس نے اپنی منشا سے پیدا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: بس وہ تم سے اسی طرح کام لے گا جس طرح

وہ چاہتا ہے۔(1. سیوطی، تاریخ الخلفاء، 1:182، 2. ہندی، کنز العمال، 1:181، رقم:1561)

بندوں کو افعال میں اختیار ہونے کا بیان

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔اور بندوں کو اپنے افعال کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔اس بنا پر اگر یہ افعال طاعت پر مبنی ہوں تو ان کا ثواب ملتا ہے اور اگر معصیت پر مبنی ہوں تو ان پر عذاب دیا جاتا ہے۔فرقہ جبریہ کا یہ کہنا غلط ہے کہ بندے کو اپنے افعال کا کچھ اختیار ہی نہیں۔اس کی حرکات وسکنات تو محض جمادات کی حرکات کے مشابہ ہیں، جنہیں اپنے افعال پر نہ قدرت حاصل ہوتی ہے اور نہ قصد واختیار، یہ باطل ہے، کیوں کہ ہم پکڑنے اور کانپنے کی حرکت میں ضرور فرق کرتے ہیں، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ پہلی حرکت بندے کے اختیار سے ہے نہ کہ دوسری حرکت، اگر بندے کو اپنے افعال کا اختیار ہی نہیں تو اس کا احکام الٰہی کا مکلف ٹھہرایا جانا اور اس کا ثواب وعذاب کا مستحق ہونا، نیز افعال کا اس کی طرف منسوب ہونا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔کیوں کہ ان افعال میں حرکت سے پہلے قصد اور اختیار ہوتا ہے۔اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس نے نماز پڑھی، اس نے لکھا جو اشیاء اس کی قدرت سے باہر ہیں ان کے متعلق انداز مختلف ہوتا ہے۔مثلاً کہا جاتا ہے کہ اس نے روزہ رکھا، لڑکا بڑا ہو گیا، یا اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ان افعال کی نسبت بندے کی طرف نہیں کی جاتی۔بلاشبہ اللہ تعالیٰ خالق ہیں اور بندہ اعمال کا کاسب ہے اور تحقیق اس کی اس طرح ہے کہ بندہ اس کام میں اپنی قدرت اور صلاحیت صرف کرتا ہے لہٰذا یہ کسب ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی کوشش کے بعد اس فعل کو موجود کر دیتا ہے، یہ خلق ہے ایک ہی فعل دو قدرتوں سے وجود میں آتا ہے لیکن دو مختلف جہتوں سے فعل اپنے وجود کے اعتبار سے خدا کا فعل ہے۔مگر اپنے کسب کے اعتبار سے بندے کا۔جس طرح زمین تخلیق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور ثبوت تصرف کے اعتبار سے بندے اس کے مالک ہیں۔(تفتازانی، شرح العقائد النسفیہ، 84-81، سفارینی، لوامع الانوار البہیہ، 1:292)

علامہ تفتازانی کی مذکورہ بالا بحث سے یہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اگرچہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے فعلِ خلق کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہے، لیکن عملی طور پر بندہ اپنے افعال میں کسب کا اختیار رکھتا ہے اور اسی اختیار کی بنیاد پر اپنے ہر عمل کا ذمہ دار اور اس پر جزا وسزا کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

تقدیر کے غالب آ جانے کا بیان

76-حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ ح و حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ الرَّقِّيُّ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ أَنَّهُ يُجْمَعُ خَلْقُ أَحَدِكُمْ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ إِلَيْهِ الْمَلَكَ فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَقُولُ اكْتُبْ عَمَلَهُ وَأَجَلَهُ وَرِزْقَهُ وَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ فَوَالَّذِي نَفْسِي

76: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3208' ورقم الحدیث: 3332,2594,7454' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6665' ورقم الحدیث 6666' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4708' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2137

بِيَدِهِ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا' آپ سچے ہیں اور آپ کی تصدیق کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: بے شک تم میں سے کسی ایک شخص کا مادہ تخلیق چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں (نطفے کی شکل میں) رہتا ہے اور پھر وہ اتنے عرصے تک خون کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے اور پھر وہ اتنے عرصے تک گوشت کے ٹکڑے کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے اور اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے اسے کہا جاتا ہے: اس کا عمل، اس کا رزق، اس کی زندگی کی مدت اور اس کا بدبخت یا نیک بخت ہونا لکھ لو۔ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:) اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! کوئی شخص عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کا لکھا ہوا اس پر غالب آجاتا ہے اور وہ اہل جہنم کا سا عمل کرتا ہے اور جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص اہل جہنم کا سا عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو تقدیر کا لکھا ہوا غالب آجاتا ہے اور وہ اہل جنت کا سا عمل کرتا ہے اور جنت میں چلا جاتا ہے۔

شرح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمل، اجل (عمر) رزق اور سعادت وشقاوت (خوش نصیبی، اور بد نصیبی) یہ سب تقدیر سے ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے حق میں پہلے ہی لکھ دیا ہے، اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اس لئے ہر آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت واطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق کر کے تقدیر کو اپنے حق میں مفید بنانے کی کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ)

یہود کے چار سوالات کے جوابات کا بیان

امام طیالسی نے، الفریابی، احمد، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابونعیم اور بیہقی دونوں نے دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہود کی ایک جماعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ اے ابوالقاسم ہمیں چند باتوں کے بارے میں بتایئے ہم ان کے بارے میں آپ سے سوال کریں گے۔ جن کے بارے میں نبی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے پوچھ لو جو تم چاہتے ہو لیکن مجھ کو اللہ کا ذمہ دے دو اور جو یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے ذمہ لیا تھا کہ اگر میں تم کو وہ باتیں بتادوں اور تم ان کو پہچان لو تو تم میری تابعداری کرو گے انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہم عہد کرتے ہیں۔ کہنے لگے چار باتیں ہیں جن کے بارے میں ہم آپ سے پوچھیں گے۔ ہم کو بتایئے کہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے کون سا کھانا اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اور ہم کو بتایئے کہ مرد اور عورت کے پانی کے ملنے سے کس طرح لڑکی اور لڑکا پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہم کو

بتائیے کہ یہ نبی امی کی نیند میں کیا کیفیت ہوتی ہیں۔اور فرشتوں میں سے کون اس کا دوست ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے وعدہ لیا اگر میں تم کو یہ باتیں بتلا دوں تو تم میری تابعداری کرو گے؟ تو انہوں نے وعدہ کرلیا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے تورات کو نازل فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) بیمار ہوئے اور ان کی بیماری لمبی ہوگئی تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس بیماری سے شفاء عطا فرمادی تو میں وہ کھانا اور پینا جو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اس کو (اپنے اوپر) حرام کرلوں گا۔اور ان کا پسندیدہ کھانا اونٹ کا گوشت تھا اور پسندیدہ پینا اس کا دودھ تھا انہوں نے کہا اے اللہ! ہاں (یہ بات ٹھیک ہے) آپ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ ہو جا۔پھر آپ نے فرمایا میں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں کیا تم جانتے ہو کہ مرد کا پانی سفید اور گاڑھا ہوتا ہے۔اور عورت کا پانی زرد اور پیلا ہوتا ہے سو ان دونوں پانیوں میں سے جس کا پانی غالب ہو جائے تو اللہ کے حکم سے بچہ اس کے ہم شکل ہوتا ہے اگر مرد کا پانی غالب ہو جائے تو اللہ کے حکم سے لڑکا پیدا ہوگا۔اور اگر عورت کا پانی غالب ہو جائے تو اللہ کے حکم سے لڑکی پیدا ہوگی۔انہوں نے کہا اے اللہ! ہاں۔(یہ بات بھی ٹھیک ہے) آپ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ ہو جا۔پھر آپ نے فرمایا میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو اتارا کیا تم جانتے ہو کہ اس نبی امی کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل نہیں سوتا کہنے لگے! ہاں۔(یہ بات بھی ٹھیک ہے) آپ نے فرمایا اے اللہ ان پر گواہ ہو جا۔کہنے لگے اب آپ ہم سے یہ بیان فرمائیں کہ فرشتوں میں سے آپ کا کون دوست ہے پس اس وقت ہم آپ کی تابعداری کریں گے یا ہم آپ سے جدائی اختیار کرلیں گے۔آپ نے فرمایا میرا دوست جبرئیل ہے اللہ تعالیٰ نے کبھی کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کا وہی (یعنی جبرئیل) دوست ہوتا ہے کہنے لگے پھر تو ہم آپ سے جدائی اختیار کرلیں گے اگر فرشتوں میں سے اس کے علاوہ آپ کا کوئی دوست ہوتا تو پھر ہم آپ کی تابعداری کرتے اور آپ کی تصدیق بھی کرتے۔آپ نے فرمایا کہ کس چیز نے تم کو اس بات سے منع کیا کہ تم لوگ میری تصدیق کرو؟ کہنے لگے کہ وہ ہمارا دشمن ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت من کان عدوا لجبریل سے لے کر کانھم لا یعلمون تک فباؤ و بغضب علی غضب سو اس وجہ سے وہ غصہ پر غصہ کے مستحق ہو گئے۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ بقرہ، بیروت)

اعمال کی قبولیت کیلئے تقدیر پر ایمان لانے کا بیان

77- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا سِنَانٍ عَنْ وَهْبِ بْنِ خَالِدِنِ الْحِمْصِيِّ عَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ وَقَعَ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنْ هٰذَا الْقَدَرِ خَشِيتُ اَنْ يُفْسِدَ عَلَيَّ دِينِي وَاَمْرِي فَاَتَيْتُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ اَبَا الْمُنْذِرِ اِنَّهُ قَدْ وَقَعَ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِنْ هٰذَا الْقَدَرِ فَخَشِيتُ عَلٰى دِينِي وَاَمْرِي فَحَدِّثْنِي مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَنْفَعَنِي بِهِ فَقَالَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوَاتِهِ وَاَهْلَ اَرْضِهِ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ لَكَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَلَوْ كَانَ لَكَ مِثْلُ جَبَلِ اُحُدٍ ذَهَبًا اَوْ مِثْلُ جَبَلِ اُحُدٍ تُنْفِقُهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا قُبِلَ مِنْكَ حَتّٰى

77 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4699

تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ فَتَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَاَنَّ مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ وَاَنَّكَ اِنْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا دَخَلْتَ النَّارَ وَلَا عَلَيْكَ اَنْ تَاْتِيَ اَخِي عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فَتَسْاَلَهُ فَاَتَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ فَسَاَلْتُهُ فَذَكَرَ مِثْلَ مَا قَالَ اُبَيٌّ وَقَالَ لِيْ وَلَا عَلَيْكَ اَنْ تَاْتِيَ حُذَيْفَةَ فَاَتَيْتُ حُذَيْفَةَ فَسَاَلْتُهُ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَا وَقَالَ ائْتِ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَاسْاَلْهُ فَاَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَسَاَلْتُهُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمَاوَاتِهِ وَاَهْلَ اَرْضِهِ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ لَكَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَلَوْ كَانَ لَكَ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا اَوْ مِثْلُ جَبَلِ اُحُدٍ ذَهَبًا تُنْفِقُهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا قَبِلَهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ كُلِّهِ فَتَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ وَاَنَّكَ اِنْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا دَخَلْتَ النَّارَ

ابن دیلمی بیان کرتے ہیں: تقدیر کے معاملے میں میرے ذہن میں کچھ الجھن پیدا ہوئی تو مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ میرے دین اور میرے معاملے کو خراب نہ کر دے' تو میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے عرض کی: اے ابوالمنذر! میرے دل میں تقدیر کے حوالے سے کچھ الجھن ہے' مجھے اپنے دین اور اپنے معاملے کے بارے میں اندیشہ ہوا تو آپ مجھے اس بارے میں کوئی ایسی چیز بتایئے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مجھے نفع عطا کرے' تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ آسمان میں رہنے والے سب لوگوں اور زمین میں رہنے والے سب لوگوں کو عذاب دے' تو وہ ایسی حالت میں انہیں عذاب دے گا کہ وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم کر دے' تو اس کی رحمت ان لوگوں کے حق میں ان کے اعمال سے زیادہ بہتر ہے' اگر تمہارے پاس اُحد پہاڑ جتنا یا اُحد پہاڑ کی مانند سونا ہو جسے تم اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو یہ تمہاری طرف سے اس وقت تک قبول نہیں ہوگا' جب تک تم تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے' تم یہ بات جان لو کہ جو چیز تمہیں لاحق ہوتی ہے وہ تم سے رہ نہیں سکتی اور جو تمہیں لاحق نہیں ہوتی ہے وہ تم تک پہنچ نہیں سکتی' اگر تم اس کے علاوہ کسی اور عقیدے پر مرتے ہو تو تم جہنم میں جاؤ گے' اگر تم میرے بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے بات کر لو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہوگا۔

(ابن دیلمی کہتے ہیں) میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے ان سے یہ سوال کیا' تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا' پھر انہوں نے مجھ سے فرمایا: اگر تم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ تو تم پر کوئی حرج نہیں ہوگا' تو میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا' میں نے ان سے بھی یہی سوال کیا' تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا: جو ان دونوں حضرات نے جواب دیا تھا' پھر انہوں نے فرمایا: تم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ان سے یہ پوچھو' میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آیا' میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے بیان کیا' میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے:

''اگر اللہ تعالیٰ آسمان میں رہنے والے اور زمین میں رہنے والے سب لوگوں کو عذاب دے' تو وہ ایسی حالت میں انہیں

عذاب دے گا کہ وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم کردے تو اس کی رحمت ان لوگوں کے لیے ان کے اپنے اعمال سے زیادہ بہتر ہے اگر تمہارے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) احد پہاڑ کی مانند سونا ہو اور تم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے اسے اس وقت تک قبول نہیں کرے گا، جب تک تم تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ بات جان نہیں لیتے کہ جو چیز تمہیں لاحق ہوتی ہے وہ تمہیں لاحق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اور جو چیز تمہیں لاحق نہیں ہوتی ہے وہ تم تک پہنچ نہیں سکتی اگر تم اس کے علاوہ کسی اور عقیدے پر مرتے ہو تو تم جہنم میں داخل ہوگے"۔

شرح

اس حدیث میں ایمان کے مزہ اور اس کی حلاوت وشیرینی کا ذکر ہے جو محسوس اشیاء کے مزہ کی طرح نہیں ہے، دنیاوی کھانے پینے کا ایک مزہ ہوتا ہے، دوسری چیز کھانے کے بعد پہلی چیز کا مزہ جاتا رہتا ہے، لیکن ایمان کی حلاوت تادیر باقی رہتی ہے، حتی کہ آدمی جبھی خلوص دل، حضور قلب اور خشوع وخضوع کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اس کی حلاوت اسے مدتوں محسوس ہوتی ہے، لیکن اس ایمانی حلاوت اور مزہ کا ادراک صرف اسی کو ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے بہرہ ور کیا ہو۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مقدر کر رکھا ہے، تقدیر کو اصابت سے تعبیر کیا، اس لئے کہ تقدیر کا لکھا ہو کر رہے گا، تو جو کچھ تقدیر تھی اللہ تعالیٰ نے اسے بندہ کے حق میں لکھ دی ہے وہ اس کو مل کر رہے گی، مقدر کو ٹالنے کے اسباب اختیار کرنے کے بعد بھی وہ مل کر رہے گا، انسان سے وہ خطا نہیں کرے گا۔

ایک معنی یہ بھی ہے کہ تم کو جو کچھ بھی پہنچ گیا ہے اس کے بارے میں یہ نہ سوچو کہ وہ تم سے خطا کرنے والی چیز ہے، تو یہ نہ کہو کہ اگر میں نے ایسے ایسے کیا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا، اس لئے کہ اس وقت تم جس حالت سے دوچار ہوئے اس کا ٹلنا ناممکن ہے، تو تمہارا ہر اندازہ اور ہر تدبیر اس تقدیر کے وقوع پذیر ہونے میں غیر موثر ہے، حدیث کی شرح دونوں معنوں میں صحیح ہے، پس اللہ تعالیٰ نے بندہ کے حق میں جو کچھ مقدر کر رکھا ہے وہ اس کو مل کر رہے گا، اس کا خطا کر جانا ناممکن ہے، اس بات پر ایمان کے نتیجہ میں مومن ایمان کا مزہ چکھے گا، اس لئے کہ اس ایمان کی موجودگی میں آدمی کو اس بات کا علم اور اس پر اطمینان ہوگا کہ مقدر کی بات لابدی اور ضروری طور پر واقع ہوگی، اس کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی اپنے بچوں کو لے کر کسی تفریح گاہ میں سیر وتفریح کے لئے جاتا ہے، اور اس کا بچہ وہاں گہرے پانی میں ڈوب کر مر جاتا ہے، تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ اگر وہ سیر کے لئے نہ نکلا ہوتا تو وہ بچہ نہ مرتا، اس لئے کہ جو کچھ ہوا یہ اللہ کی طرف سے مقدر تھا، اور تقدیر کے مطابق لازمی طور پر ہوا جس کو روکا نہیں جاسکتا تھا، تو جو کچھ ہونے والی چیز تھی اس نے خطا نہیں کی، ایسی صورت میں انسان کو اطمینان قلب حاصل ہوجاتا ہے اور وہ اس صورت حال پر اللہ کے فیصلہ پر صبر کرتا ہے بلکہ اس پر راضی ہوتا ہے، اور اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ جو کچھ ہوا اس سے فرار کی کوئی صورت نہیں تھی، اور دل میں ہر طرح کے اٹھتے خیالات اور اندازے سب شیطانی وساوس کے قبیل سے ہیں، پس آدمی کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ اگر میں نے ایسا کیا ہوتا تو ایسا اور ایسا ہوتا، کیونکہ

اور "شیطان کی دخل اندازی کا راستہ کھول دیتا ہے، اس معنی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے: (مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (22) لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ) یعنی: "نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے، نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے، یہ (کام) اللہ تعالیٰ پر (بالکل) آسان ہے، تاکہ تم اپنے سے فوت شدہ کسی چیز پر رنجیدہ نہ ہو جایا کرو، اور نہ عطا کردہ چیز پر اترا جاؤ، اور اترانے والے شیخی خوروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا" (سورۃ الحدید)

آدمی اگر تقدیر پر یقین کرے تو مصائب وحوادث پر اس کو اطمینان قلب ہوگا، اور وہ اس پر صبر کرے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوگا، اور اسے ایمان کی حلاوت کا احساس ہوگا۔

حدیث کا دوسرا حصہ 'وما أخطاك لم يكن يصيبك' پہلے فقرے ہی کے معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو تقدیر میں نہ ہونا لکھ دیا ہے، وہ کبھی واقع نہیں ہوسکتی، مثلاً اگر ایک آدمی نے کسی تجارت گاہ کا رخ کیا، لیکن وہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ بازار بند ہوگیا، تو اس کو کہا جائے گا کہ یہ تجارتی فائدہ جو تم کو نہ ملا، اسے تم کو ہرگز ہرگز نہ ملنا تھا چاہے تم اس کے لئے جتنا بھی جتن اور کوشش کرتے، یا ہم یہ کہیں کہ یہ تم کو حاصل ہونے والا نہ تھا اس لئے کہ معاملہ اللہ کے قضاء وقدر کے مطابق طے ہونا تھا، آدمی کو اس عقیدہ کا تجربہ کرکے یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا اس کے بعد اس کو ایمان کی حلاوت کا احساس ہوا یا نہیں۔

عقیدہ تقدیر کے باوجود اعمال کرتے رہنے کے حکم کا بیان

78- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح و حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِيَدِهِ عُودٌ فَنَكَتَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ قَالَ لَا اعْمَلُوا وَلَا تَتَّكِلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى

●● حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی جس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کو کرید رہے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

78 اخرجہ بخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 1362' ورقم الحدیث: 4945' ورقم الحدیث: 4945م ورقم الحدیث: 4946' ورقم الحدیث: 4949' ورقم الحدیث 4947' ورقم الحدیث 4948' ورقم الحدیث: 6217' ورقم الحدیث: 6605' ورقم الحدیث: 7552' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6673' ورقم الحدیث 6674' ورقم الحدیث: 6675' ورقم الحدیث: 6676' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4694' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 2136' ورقم الحدیث: 3344

اپنا سر مبارک اٹھایا اور ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر ایک شخص کا جنت یا جہنم میں مخصوص ٹھکانہ لکھا جا چکا ہے۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو کیا ہم اس پر اکتفا نہیں کریں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں تم عمل کرو اس پر اکتفا نہ کرو کیونکہ جس شخص کو جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کے لیے وہ چیز آسان کر دی جاتی ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔ ''پس وہ شخص جو (مال) دیتا ہے اور پرہیزگاری اختیار کرتا ہے اور اچھی بات کی تصدیق کرتا ہے ہم اس کے لیے آسانی کو آسان کر دیں گے اور جو شخص بخل اختیار کرتا ہے اور بے نیازی اختیار کرتا ہے اور اچھی بات کی تکذیب کرتا ہے تو ہم اس کے لیے تنگی کو آسان کر دیں گے۔''

شرح

اس میں ان شیطانی وسوسوں کا جواب ہے جو اکثر لوگوں کے ذہنوں میں آتے رہتے ہیں کہ جب جنتی اور جہنمی کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے تو اب عمل کیونکر کریں؟ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمل کرو، تقدیر پر بھروسہ کر کے بیٹھ نہ جاؤ، کیونکہ ہر شخص کو اسی عمل کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے''۔ اس لئے نیک عمل کرتے رہنا چاہیے کیونکہ یہی جنت میں جانے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے مستحق بننے کا ذریعہ ہے۔

پختہ یقین کرنے کا بیان

79- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَلِىُّ بْنُ مُحَمَّدِ نِ الطَّنَافِسِىُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيٰى بْنِ حَبَّانَ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ الْقَوِىُّ خَيْرٌ وَّاَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ وَفِىْ كُلٍّ خَيْرٌ اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ فَاِنْ اَصَابَكَ شَىْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ اَنِّىْ فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا وَلٰكِنْ قُلْ قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَآءَ فَعَلَ فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: کمزور مومن کے مقابلے میں ''طاقتور مومن زیادہ بہتر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ ویسے ان دونوں میں ہی بھلائی موجود ہے جو چیز تمہیں نفع دیتی ہے تم اس کا لالچ کرو اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور عاجز نہ ہو جاؤ۔ اگر تمہیں کوئی ناپسندیدہ صورتحال لاحق ہوتی ہے تو تم یہ نہ کہو کہ اگر میں ایسے ایسے کر لیتا (تو ایسا نہ ہوتا) بلکہ تم یہ کہو کہ یہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر مقرر کی تھی وہ جو چاہتا ہے ویسا ہی کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے۔ ''اگر'' کہنا شیطان کے کام کا دروازہ کھولتا ہے۔

شرح

یاد رکھیں کہ ہم تقدیر کے مکلف نہیں بلکہ احکام شرع کے پابند ہیں۔ کوئی شخص جرم کا ارتکاب اور نیکی کا انکار اس دلیل سے نہیں کر سکتا کہ میری تقدیر میں یہی تھا اس لئے کہ آپ کو شریعت نے نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کا واضح حکم دیا ہے۔ آپ اس شرعی حکم کو

79- اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 6716

جانتے ہیں۔ تقدیر کا تعلق علم غیب سے ہے جو آپ کے بس میں نہیں، پھر جو چیز آپ جانتے ہیں اور جس کا حکم بھی آپ کو دیا گیا ہے اور جس کی تعمیل یا انکار کا نتیجہ بھی آپ کے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔ اگر آپ اس کی تعمیل نہیں کرتے اور اس علم الٰہی کا جسے آپ جانتے ہی نہیں، بہانہ بنا کر آپ غلط راہ اختیار کر رہے ہیں کہ جی قسمت میں یہی لکھا تھا۔ آپ کو کیسے پتہ چل گیا کہ آپ کی قسمت میں یہی لکھا تھا؟ کیا آپ نے لوح محفوظ پر لکھا دیکھ لیا تھا؟ پس جس کا پتہ ہے اختیار ہے، کرنے کی قدرت ہے، جس کے انجام سے باخبر ہیں اس پر عمل نہ کرنا اور جسے جانتے ہی نہیں اس کا بہانہ بنا کر فرائض سے فرار اور جرائم کا ارتکاب کرنا، بیمار اور مجرمانہ ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

تقدیر کے پابند ہیں جمادات و نباتات مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

اس غلط سوچ نے ہمارے معاشرے کو جہنم زار بنا دیا ہے۔

عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے بہانہ تقدیر کا

غربت، پسماندگی، جہالت، بیروزگاری، ظلم، ڈاکے، قتل، اغوا، آبرو ریزیاں، تخریب کاریاں، رشوت اور لوٹ کھسوٹ کرنے والے تمام شیطان تقدیر کا غلط مفہوم نکال کر ہی اپنی کرتوتوں کا جواز نکالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی کسی کو ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا۔ نہ مظلوم کو دبا کر ظلم کے آگے گھٹنے ٹیکنے کا کہیں حکم دیا بلکہ مظلوموں کو ظالموں سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (الحج، 22:39)

جن سے لڑا جا رہا ہے ان کو اجازت دے دی گئی اس وجہ سے کہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قدرت رکھتا ہے۔

بعض لوگ اپنی برائیوں سے بھری زندگی کو دیکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان اپنے خصائل کی تشکیل کے حوالے سے بھی بے بس ہے لہٰذا ایسے انسان کو گناہ و ثواب اور خیر و شر کی کڑی آزمائش میں ڈالنا ظلم ہے۔ ان احباب کی خدمت میں عرض ہے کہ ہمیں عقل، فہم، دانش، شعور، حواس اور وحی کے ذریعے اچھے برے کا تمام علم دے دیا گیا۔ سیدھے راستہ کی نشاندہی بھی فرما دی اور اس پر چلنے کا انجام بھی۔ برا راستہ بھی بتا دیا اور اس کو اپنانے کا خطرناک نتیجہ بھی۔ ہمیں علم، شعور اور ارادہ و اختیار دے دیا کہ سمجھو اور جس راستے کو چاہو اختیار کر لو۔ یہ اختیار فرشتوں کو نہیں ملا، انسانوں کو ملا ہے۔ اس میں انسانوں کی عزت و عظمت ہے کہ وہ بے اختیار پتھر یا کسی مشین کا کل پرزہ نہیں۔ بااختیار، باشعور، مقتدر ہستی ہے لیکن اکثر انسانوں نے اللہ کی ان عطا شدہ نعمتوں کی ناقدری کی اور ان کا غلط استعمال کیا اور بجائے فائدے کے اپنی ہلاکت کا سامان کر لیا جیسے لوہے سے آپ نے ایک نہایت ضروری اور کارآمد مفید آلہ چھری بنائی۔ اب اس کا استعمال آپ کے اختیار میں ہے چاہیں تو گوشت، سبزیاں وغیرہ کاٹ کر زندگی کو سہولتوں سے متمتع کریں اور چاہیں تو اپنے یا کسی اور بے گناہ کے پیٹ میں گھونپ کر چراغ زندگی گل کر دیں۔ قصور نہ لوہا بنانے والے خدا کا ہے نہ چھری بنانے والے کا۔ قصور اس احمق کا ہے جس نے خالق کی نافرمانی کی۔ دوسرے انسانوں سے بہتر استعمال کا سبق نہ لیا اور کسی خیر خواہ کے مشورے پر بھی توجہ نہ دی۔ عقل و فہم اور شعور کا بھی خون کیا اور پند ناصح کو بھی درخور اعتناء نہ جانا۔ انسان اپنی ابتدائے آفرینش سے فریب نفس

کا شکار ہے۔ جان بوجھ کر غلط کاریاں کرتا ہے اور اپنے نفس کو دھوکہ دینے اور طفل تسلیوں کے طور پر اس قسم کی منفی سوچوں میں مگن رہتا ہے۔

پر تجسس ذہن وہ نہیں جو منفی سوچ سوچے، تجسس صحیح وہی ہے جو مثبت ہو۔ صبح سویرے اٹھتا، قضائے حاجت سے فارغ ہوتا، ناشتہ کرتا اور دفتر، دکان، کارخانے، سکول، کالج، کھیت، زمین، باغ، منڈی کی طرف وقت مقررہ پر روزی کمانے اور مستقبل سنوارنے کے لئے ہمت کرکے چل پڑتا ہے۔ اس وقت ایسی منفی سوچ نہیں سوچتا، کام سے فارغ ہوکر گھر پہنچتا، کھانا کھاتا اور وقت پر سوتا ہے۔ کبھی ان مصروفیات پر منفی سوچ کی گرد پڑنے نہیں دیتا۔ ہر کام وقت پر کرتا ہے لیکن جونہی دینی فرائض انجام دینے کی باری آئی، نفس ہزاروں وسوسے پیدا کرتا اور انسان کو احساس ذمہ داری سے عاری کرتا ہے۔ کبھی اپنی کوتاہیوں کو تقدیر کے پلڑے میں ڈالتا ہے کبھی ماحول کی آلودگی کے ذمے لگاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان مکالمہ کا بیان

80- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَيَعْقُوبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ سَمِعَ طَاوُسًا يَقُولُ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يُخْبِرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ احْتَجَّ اٰدَمُ وَمُوسٰى عَلَيْهِمَا السَّلَام فَقَالَ لَهُ مُوسٰى يَا اٰدَمُ اَنْتَ اَبُونَا خَيَّبْتَنَا وَاَخْرَجْتَنَا مِنَ الْجَنَّةِ بِذَنْبِكَ فَقَالَ لَهُ اٰدَمُ يَا مُوسٰى اِصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِكَلَامِهِ وَخَطَّ لَكَ التَّوْرَاةَ بِيَدِهِ اَتَلُومُنِي عَلٰى اَمْرٍ قَدَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَنِي بِاَرْبَعِينَ سَنَةً فَحَجَّ اٰدَمُ مُوسٰى فَحَجَّ اٰدَمُ مُوسٰى فَحَجَّ اٰدَمُ مُوسٰى ثَلٰثًا

⇔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان بحث چھڑ گئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے آدم! آپ ہمارے جدامجد ہیں آپ نے ہمیں رسوا کیا اور جنت میں سے نکلوا دیا حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے کہا: اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے کلام کے لئے منتخب کیا اور آپ کے لیے اپنے دست قدرت کے ذریعے (تورات کی الواح) تحریر کیں۔ کیا آپ ایک ایسے معاملے کے بارے میں مجھے ملامت کر رہے ہیں؟ جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے میری تقدیر میں لکھ دیا تھا (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) تو حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جیت گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جیت گئے (یہ بات آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی)

شرح

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بھول کو میری پیدائش سے بھی پہلے میرے لئے لوح محفوظ میں مقدر فرما دیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ضرور بروقت وقوع پذیر ہوگی، لہٰذا جب وقت مقدر آپہنچا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ امر مقدر اور اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف وہ عمل ممنوع سرزد نہ ہوتا چنانچہ تم مجھ پر یہ الزام تو ڈال رہے ہو اور تمہیں سبب ظاہری یعنی میرا

80: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6614' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6684' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4701.

کسب واختیار تو یاد رہا لیکن اصل چیز یعنی مقدر سے تم صرف نظر کر گئے۔حضرت آدم وموسیٰ علیہما السلام کا مناظرہ اس عالم دنیا میں نہیں ہوا جہاں اسباب سے قطع نظر درست نہیں ہے بلکہ یہ مناظرہ عالم بالا میں ان دونوں کی روحوں کے درمیان ہوا تھا۔اسی لئے یہاں یہ بات بطور خاص ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر کوئی عاصی وگناہ گار اس قسم کی دلیل کا سہارا لینے لگے تو وہ اس کے لئے کار آمد نہیں ہوگی، کیونکہ حضرت آدم کا معاملہ اس جہاں میں تھا جہاں وہ اسباب کے مکلف نہیں تھے اور پھر ان کی یہ خطاء بارگارہ الوہیت سے معاف بھی کر دی گئی تھی، البذا یہاں تو کسب واختیار اور ابواب کی بناء پر مواخذہ ہوگا کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ پر جو تختیاں اتری تھیں وہ زمردی تھیں اور ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ستر اونٹوں پر لادی جاتی تھیں، ان تختیوں میں ان کی قوم کے لئے اللہ کی جانب سے احکام ومسائل لکھے ہوئے تھے، ان تختیوں میں جو مضامین مذکور تھے وہ قدیم ہیں لہٰذا چالیس سال کی تحدید ان مضامین کے بارہ میں نہیں ہوگی بلکہ یہ کہا جائے گا کہ وہ مضامین جو ان تختیوں پر لکھے گئے تھے، ان کے لکھنے کی مدت آدم کی پیدائش سے چالیس سال قبل ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اور تقدیر کا بیان

امام الفریابی، عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا نے التوبہ میں ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ لفظ آیت فتلقی ادم من ربہ کلمت کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا اے میرے رب کیا آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیوں نہیں۔ پھر عرض کیا اے میرے رب کیا آپ نے میرے اندر اپنی روح میں سے نہیں پھونکا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیوں نہیں۔ پھر عرض کیا اے میرے رب کیا آپ کی رحمت آپ غضب سے سبقت نہیں لے گئی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیوں نہیں۔ پھر عرض کیا اے میرے رب ا آپ مجھے بتایئے اگر میں توبہ کرلوں اور اپنی اصلاح کرلوں تو کیا آپ مجھے جنت کی طرف (دوبارہ) لوٹا دیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں۔

امام طبرانی نے الاوسط میں اور ابن عساکر نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو وہ کھڑے ہوئے اور کعبہ شریف پر آئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔اللہ تعالیٰ نے (اس مقام پر) ان کو یہ دعا الہام فرمائی۔

اللّٰھم انك تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی، وتعلم حاجتی فاعطنی سؤالی، وتعلم ما فی نفسی فاغفرلی ذنبی، اللّٰھم انی اسئلك ایمانا یباشرنی قلبی، ویقیناً صادقا حتی اعلم انه لا یصیبنی الا ما کتبت لی، وارضنی بما قسمت لی۔

اے اللہ! تو میرے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے سو میری معذرت قبول فرما اور تو میری حاجت کو جانتا ہے سو مجھے عطا فرما جو میں نے سوال کیا اور تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے سو میرے گناہ بخش دے۔اے اللہ میں تجھ سے ایسے ایمان کا طالب ہوں جو میرے قلب میں جاگزیں ہو اور یقین صادق کا طلب گار ہوں حتیٰ کہ میں جان لوں کہ جو کچھ مجھے پہنچتا ہے وہ وہی ہے جو تو نے میری تقدیر میں لکھ دیا اور میں اس پر ہر طرح سے راضی ہوں جو تو نے میرے لئے تقسیم فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی۔اے آدم میں نے تیری توبہ قبول کر لی اور تیرے گناہ کو معاف کر دیا۔اور جو کوئی یہ دعا

کرے گا تو اس کے گناہ ضرور معاف کروں گا اور میں اس کی ضرورت اور معاملہ میں کفایت کروں گا اور اس سے شیطان کو روک دوں گا اور اس کے لئے ہر تاجر سے آگے تجارت کروں گا اور دنیا کو اس کی طرف متوجہ کروں گا۔ اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی۔ اگر چہ وہ انسان دنیا کا ارادہ نہیں کرے گا۔

جندی، طبرانی، اور ابن عساکر نے فضائل مکہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کرنے کا ارادہ فرمایا تو ان کی اجازت فرمائی اور انہوں نے بیت اللہ کے سات چکر لگائے اور بیت اللہ اس دن سرخ ٹیلہ کی مانند تھا۔ جب انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں تو پھر بیت اللہ کی طرف منہ کرکے کھڑے ہو گئے اور یہ دعا کی۔

اللّٰهم انك تعلم سريرتي وعلانيتي فاقبل معذرتي سؤالي وتعلم ما في نفس فاغفرلي ذنوبي اللّٰهم اني اسئلك ايمانا يباشر قلبي ويقيناً صادقا حتى اعلم انه لا يصيبني الا ما كتبت لي .

اے اللہ! بلاشبہ تو جانتا ہے میرے باطن اور ظاہر کو سو میری معذرت قبول فرمایئے اور مجھ کو عطا فرمایئے جو میں نے سوال کیا ہے۔ اور آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے سو میرے گناہوں کو بخش دیجئے اے اللہ میں آپ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جو میرے قلب میں جاگزیں ہو اور یقین صادق کا طلب گار ہوں حتی کہ میں یہ جان لوں کہ جو کچھ مجھ کو (تکلیف) پہنچی ہے وہ وہی ہے جو آپ نے میری تقدیر میں لکھ دی ہے اور میں ہر طرح سے راضی ہوں جو آپ نے میرے لئے تقسیم فرمادیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے تیرے گناہوں کو بخش دیا ہے اور تیری اولاد میں سے جو کوئی اس طرح دعا کرے گا تو اس کے گناہوں کو معاف کردوں گا اور اس کے غم اور پریشانیوں کو دور کروں گا اور اس کی آنکھوں کے درمیان فقر کو مٹا دوں گا اور ہر تاجر سے بلند میں اس کے لیے تجارت کروں گا اور ہر تاجر اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی اگر چہ وہ اس کا ارادہ نہ کرتا ہو گا۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو انہوں نے ایک ہفتہ اللہ کے گھر کا طواف کیا اور بیت اللہ کے سامنے دو رکعتیں پڑھیں پھر یہ دعا فرمائی۔

اللّٰهم انت تعليم سري وعلانيتي فاقبل معذرتي وتعلم حاجتي فاعطني سؤالي وتعلم ما عندي فاغفرلي ذنوبي واسئلك ايمانا يباهي قلبي ويقيناً صادقا حتى أعلم انه لا يصيبني الا ما كتب لي ورضي بقضائك .

اے اللہ تو جانتا ہے میرے باطن کو اور ظاہر کو سو میری معذرت قبول فرمایئے اور آپ میری حاجت کو جانتے ہیں اس لئے مجھے عطا فرمایئے جو میں نے سوال کیا ہے اور آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے پاس ہے سو میرے گناہوں کو بخش دیجئے میں آپ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جو قلب میں جاگزین ہو جائے اور یقین صادق کا طلبگار رہوں حتی کہ میں جان لوں کہ جو کچھ مجھ کو (تکلیف) پہنچتی ہے وہ وہی ہے جو آپ نے میرے مقدر میں لکھ دی ہے اور مجھے اپنے

فیصلے پر راضی کر دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی اے آدم تو نے مجھ سے ایسی دعا کی ہے جس کو میں نے تیرے لئے قبول کر لیا ہے۔ اور تیری اولاد میں سے جو بھی یہ دعا کرے گا تو اس کو قبول کروں گا اور اس کے گناہ معاف کر دوں گا اور اس کی پریشانی اور غم کو دور کر دوں گا اور ہر تاجر سے آپ کے اس کے لئے تجارت کروں گا اور دنیا کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی اگر چہ اس نے اس کا ارادہ نہ کیا ہوگا۔

امام وکیع عبد بن حمید، ابوالشیخ نے العظمہ میں ابونعیم نے الحلیہ میں عبید بن عمیر اللیثی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ آدم علیہ السلام نے (اللہ تعالیٰ سے) عرض کیا اے میرے رب کیا میں نے کوئی ایسا کام کیا ہے جو آپ نے میری تقدیر میں پہلے میرے متعلق لکھ دیا تھا کہ میں نے خود اپنی طرف سے یہ کام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے یہ کام تیری تقدیر میں پہلے لکھ دیا تھا عرض کیا یا میرے رب جس طرح تو نے یہ کام ہونا میرے متعلق لکھ دیا تھا اسی طرح اس کو معاف بھی فرما دیجئے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لفظ آیت فتلقی ادم من ربہ فتاب علیہ . انہ ھو التواب الرحیم (۳۷) (پھر آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے پھر اس کی توجہ قبول فرمائی بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے)۔

امام عبد بن حمید، ابن المنذر اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے لفظ آیت فتلقی ادم من ربہ کلمت فتاب علیہ کے بارے میں روایت کیا کہ ہم کو یہ بتایا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے (اللہ تعالیٰ سے) یہ عرض کیا اے میرے رب آپ مجھ کو بتایئے اگر میں توبہ کر لوں اور اپنی اصلاح کر لوں کیا تو مجھے جنت میں لوٹا دے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھ کو جنت میں لوٹا دوں گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھ کو جنت میں لوٹا دوں گا (اس پر آدم علیہ السلام نے یہ کلمات فرمائے) لفظ آیت قالا ربنا ظلمنا انفسنا، وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے استغفار کیا اور ان کی طرف توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی لیکن اللہ کے دشمن ابلیس نے اللہ کی قسم وہ اپنے گناہوں سے باز نہ آیا اور نہ توبہ کا سوال کیا جب وہ اس گناہ میں واقع ہوا لیکن اس نے قیامت کے دن تک مہلت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو ان میں سے وہ چیز دے دی جس کا اس نے سوال کیا تھا۔

حضرت ثعلبی نے عکرمہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لفظ آیت فتلقی ادم من ربہ کلمت کے بارے میں روایت کیا کہ وہ کلمات تھے لفظ آیت قالا ربنا ظلمنا انفسنا، وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر آپ ہم کو نہ بخشیں گے تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (تفسیر در منثور، سورہ بقرہ، بیروت)

چار چیزوں پر ایمان لانے کا بیان

81- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

81 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2145

وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَبِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْقَدَرِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوتا جب تک وہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کے ہمراہ مبعوث کیا ہے اور وہ موت پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لائے اور تقدیر پر ایمان لائے۔

شرح

موت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کو یقینی جانے کہ اس دنیا کی تمام زندگی عارضی اور فانی ہے جو اپنے وقت پر ختم ہو جائے گی۔ اور اس دنیا میں جو کچھ ہے سب ایک دن فنا کے گھاٹ اتر جائے گا یا اس سے یہ مراد ہے کہ اس بات پر صدق دل سے یقین و اعتقاد رکھا جائے کہ موت کا ایک دن مقرر ہے اور وہ خداوند کے حکم سے آتی ہے کوئی بیماری، حادثہ یا تکلیف موت کا حقیقی سبب نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں بادی النظر میں ظاہری اسباب ہوتے ہیں کسی انسان کی زندگی اور موت کلیۃً اللہ کے ہاتھ میں ہے جب تک اس کا حکم ہوتا ہے زندگی رہتی ہے اور جب وہ چاہتا ہے موت بھیج کر زندگی ختم کر دیتا ہے۔

ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بزار نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا کہ وہ خزانہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا وہ ایک سونے کی تختی تھی جس پر لکھا ہوا تھا مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے تو تھکاوٹ کیسے برداشت کرتا ہے اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو آگ کا ذکر کرتا ہے پھر ہنستا ہے اور مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کو یاد کرتا ہے پھر غافل ہو جاتا ہے اور اس تختی پر یہ بھی لکھا ہوا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ الاسراء، بیروت)

ازلی فیصلوں کا بیان

82- حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَعَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ حَدَّثَنَا طَلْحَةُ بْنُ یَحْیَی بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ عَنْ عَمَّتِهٖ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا قَالَتْ دُعِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی جَنَازَةِ غُلَامٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ طُوبٰی لِهٰذَا عُصْفُوْرٌ مِّنْ عَصَافِیْرِ الْجَنَّةِ لَمْ یَعْمَلِ السُّوْءَ وَلَمْ یُدْرِکْهُ قَالَ اَوَ غَیْرَ ذٰلِکَ یَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِیْ اَصْلَابِ اٰبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِیْ اَصْلَابِ اٰبَائِهِمْ۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک انصاری لڑکے کی نماز جنازہ کے لیے بلایا گیا میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے لیے مبارکباد ہے کیونکہ یہ جنت کی ایک چڑیا ہے اس نے کوئی برائی نہیں کی اور اسے برائی کرنے کا زمانہ ہی نصیب نہیں ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! کیا اس کے علاوہ بھی

82: اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6710 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4713 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 1946

ہے؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے اس کے اہل لوگ پیدا کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے لیے اس وقت پیدا کیا جب وہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کی پشت میں تھے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جہنم کے لیے اس کے اہل لوگ پیدا کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس جہنم کے لیے اس وقت پیدا کیا جب وہ اپنے آباؤ اجداد کی پشتوں میں تھے۔

شرح

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ میں داخل ہونا نیک و بدعمل پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ تقدیری معاملہ ہے اللہ نے ایک جماعت کے لئے ازل ہی سے جنت لکھ دی ہے اس لئے وہ جنت میں جائے گی خواہ وہ نیک اعمال کریں یا نہ کریں، اسی طرح ایک گروہ دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو دوزخ میں یقیناً جائے گا خواہ اس کے اعمال بد ہوں یا نہ ہوں۔ لہٰذا یہ لڑکا اگر دوزخ کے لئے پیدا کیا گیا تھا تو وہ دوزخ میں یقیناً جائے گا اگر چہ اس سے اب تک اعمال بد صادر نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف اکثر آیات واحادیث اور علماء کے متفق علیہ اقوال ایسے ہیں جن سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مسلمان بچہ اگر کمسنی کی حالت میں انتقال کر جائے تو وہ یقیناً جنتی ہے بلکہ کفار ومشرکین کے کمسن بچوں کے بارہ میں بھی صحیح یہی مسئلہ ہے کہ وہ بھی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ لہٰذا اب اس حدیث کی توجیح یہی کی جائے گی کہ چونکہ حضرت عائشہ نے اس کے جنتی ہونے پر اس عزم ویقین کے ساتھ حکم لگایا تھا کہ گویا انہیں غیب کا علم ہے اور اللہ کی مصلحت ومرضی کی راز دان ہیں، اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جزم ویقین پر یہ تنبیہ فرمائی کہ تم اپنے اس وثوق کی بنیاد پر گویا غیب دانی کا اقرار کر رہی ہو، جو کسی بندہ کے لئے مناسب نہیں ہے یا زیادہ صحیح توجیہ اس حدیث کی یہ ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس وقت تک ہوگا جب تک بچوں کے جنتی ہونے کا حکم وحی کے ذریعہ معلوم نہیں ہوا تھا۔

بغیر اعمال کے جنت میں جانے والوں کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا منشاء ان مومنین اور مشرک بچوں کے بارہ میں معلوم کرنا تھا جو حالت کمسنی میں اس دنیا سے کوچ کر گئے تھے اور جن سے کوئی عمل خیر یا عمل بد صادر نہیں ہوا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے بعد حضرت عائشہ کو تعجب ہوا کہ مسلمان بچے بغیر کسی عمل کے بہشت میں کس طرح داخل ہو جائیں گے تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واللہ اعلم بما کانوا عاملین (یعنی اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے) کہہ کر قضاء وقدر کی طرف اشارہ فرمادیا کہ وہ جو کچھ عمل کرنے والے تھے وہ نوشتہ تقدیر میں محفوظ ہو چکا ہے، گو اس وقت بالفعل ان سے عمل سرزد نہیں ہوئے ہیں لیکن جو کچھ عمل وہ زندگی کی حالت میں کرتے وہ اللہ کے علم میں ہوں گے اس لئے ان کے جنتی ہونے پر تعجب نہ کرو۔ مشرک بچوں کے بارے میں علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ یہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے باپوں کے تابع ہیں، آخرت کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور وہی جانتا ہے کہ وہاں ان کے ساتھ کیسا برتاؤ ہوگا اس لئے ان کے بارہ میں کوئی حکم یقین کے ساتھ نہیں لگایا جا سکتا۔

تقدیر کے متعلق سوال کرنا ممنوع ہے

امام ابن ابی حاتم اور بیہقی نے نوف البکالی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ عزیر علیہ السلام نے اپنے رب سے سرگوشی کرتے ہوئے پوچھا اے میرے رب! آپ نے مخلوق کو پیدا فرمایا (آیت) تضل بھا من تشاء وتھدی من تشاء (جس کو آپ چاہتے ہیں گمراہ کر دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا اے عزیر ان باتوں سے کنارہ کرانہوں نے پھر دہرایا تو ان سے کہا گیا تو ضرور ان باتوں سے کنارہ کرے گا ورنہ میں تجھ سے نبوت مٹا دوں گا بلاشبہ مجھ سے پوچھا نہیں جا سکتا ان کاموں کے بارے میں جو میں کرتا ہوں اور وہ لوگ پوچھے جائیں گے۔

امام بیہقی نے داود بن ابی ھند رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ عزیر علیہ السلام نے اپنے رب سے تقدیر کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا عنقریب تو مجھ سے میرے علم کے بارے میں بھی سوال کرے گا تیری سزا یہ ہوگی کہ میں تیرا نام نہیں لوں گا انبیاء میں۔

امام طبرانی نے میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے روایت کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر تورات اتاری تو عرض کیا اے اللہ بلاشبہ آپ عظیم رب ہیں اگر آپ چاہیں تو آپ کی اطاعت کی جائے تو اطاعت کی جائے گی اگر آپ چاہیں کہ نافرمانی نہ ہو تو نافرمانی نہیں کی جائے گی اور آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ کی اطاعت کی جائے اور آپ اس زمین میں نافرمانی کی جاتی ہے اے میرے رب یہ کیسے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ بلاشبہ مجھ سے نہیں پوچھا جا سکتا ان کاموں کے بارے میں جو میں کرتا ہوں اور وہ لوگ پوچھے جائیں گے تو موسیٰ علیہ السلام نے سوال کرنا بند کر دیا جب اللہ تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر تورات شریف کو نازل فرمایا جب کہ وہ بنی اسرائیل سے اٹھ چکی تھی یہاں تک کہ جس نے کہا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا اے اللہ آپ بڑے رب ہیں اگر آپ چاہیں کہ آپ کی اطاعت کی جائے تو آپ کی اطاعت کی جائے گی اور اگر آپ چاہیں کہ آپ کی نافرمانی نہ کی جائے تو آپ کی نافرمانی نہ کی جائے گی اور آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ کی اطاعت کی جائے حالانکہ آپ کی نافرمانی کی جاتی ہے اے میرے رب یہ کیسے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ بلاشبہ مجھ سے نہیں پوچھا جا سکتا ان کاموں کے بارے میں جو میں کرتا ہوں اور وہ لوگ پوچھے جائیں گے حضرت عزیر علیہ السلام نہ رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تو سورج کی دھوپ سے تھیلا بھر سکتا ہے؟ عرض کیا نہیں پھر فرمایا کیا تو ہوا کا پیمانہ بھر سکتا ہے عرض کیا نہیں پھر کہا کیا آپ کر سکتے ہیں کہ ترازو کو نور میں سے لے آئیں فرمایا نہیں (ایسا نہیں کروں گا) پھر فرمایا کیا تو نور کا قیراط لا سکتا ہے۔

عرض کیا نہیں فرمایا اسی طرح جو تو نے سوال کیا اس پر تو قدرت نہیں رکھتا بلاشبہ مجھ سے پوچھا نہیں جاتا ان کاموں سے جو میں کرتا ہوں اور لوگوں سے ان کے اعمال کی باز پرس ہوگی میں سزا مقرر نہیں کرتا مگر یہ کہ تیرا نام انبیاء میں سے مٹا دوں گا پھر ان میں تیرا تذکرہ نہیں کیا جائے گا پس ان کا نام انبیاء میں سے مٹا دیا گیا پس انبیائے کرام میں ان کا تذکرہ نہیں کیا جاتا حالانکہ وہ نبی ہیں جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے ہاں اپنا مرتبہ دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب حکمت تورات اور انجیل سکھائی وہ مادرزاد اندھے کو برص والی بیماری کو درست کر دیتے تھے اور مردوں کو زندہ کر دیتے عرض کیا اے

اللہ بلاشبہ آپ بڑے رب ہیں اگر آپ چاہیں کہ آپ کی اطاعت کی جائے تو آپ کی اطاعت کی جائے گی اور اگر آپ چاہیں کہ آپ کی نافرمانی نہ کی جائے تو آپ کی نافرمانی نہ کی جائے گی اور آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ آپ کی اطاعت کی جائے جب آپ کی نافرمانی کی جاتی ہے اے میرے رب یہ کیسے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ بلاشبہ مجھ سے سوال کہ اس بیں آپ کے بارے میں جو میں کرتا ہوں جبکہ لوگوں سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا اور تو میرا نہیں کیا جاسکتا ان کاموں کے بارے میں جو میں کرتا ہوں جبکہ لوگوں سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا اور تو میرا بندہ ہے میرا رسول ہے اور میرا کلمہ ہے جو میں نے تجھ کو مریم کے بطن میں ڈالا تھا اور تو میری طرف سے روح ہے میں نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا پھر میں نے تیرے لئے کہا ہو جا پس تو ہو گیا اگر تو ایسے سوال کرنے سے باز نہ آیا تو میں ضرور تیرے ساتھ وہی معاملہ کروں گا جیسے میں نے تیرے سامنے تیرے ساتھی کے ساتھ کیا بلاشبہ میں سوال نہیں کیا جاسکتا ان کاموں سے جو میں کرتا ہوں اور وہ لوگ سوال کئے جائیں گے عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تابعداری کرنے والوں کو جمع کیا اور فرمایا تقدیر اللہ کا بھید ہے تم اس (کی چھان بین) کے مکلف نہیں بنائے گئے۔ (تفسیر در منثور، سورہ الانبیاء، ۲۱، بیروت)

ہر چیز کی تخلیق تقدیر کے مطابق ہونے کا بیان

83- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَعَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِیُّ عَنْ زِيَادِ بْنِ اِسْمٰعِيْلَ الْمَخْزُوْمِیُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَآءَ مُشْرِكُو قُرَيْشٍ يُخَاصِمُوْنَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْقَدَرِ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: قریش کے مشرکین تقدیر کے بارے میں بحث کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "وہ دن کہ جب انہیں ان کے چہروں کے بل جہنم میں ڈالا جائے گا (اور یہ کہا جائے گا) جہنم کا ذائقہ چکھو لو۔ بے شک ہم نے ہر چیز کو تقدیر کے مطابق پیدا کیا ہے۔"

مخلوق کی تخلیق کا مناسب حال ہونے کا بیان

ابن ابی حاتم نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے (آیت) اعطی کل شیء خلقه کے بارے میں فرمایا ہر جانور کی تخلیق برابر فرمائی پھر اس کو طریقہ سکھایا جس کی وہ صلاحیت رکھتا تھا اور اس کو خاص طور پر سکھایا انسان کی پیدائش جانوروں کی پیدائش جیسی نہیں اور جانوروں کی پیدائش انسان کی پیدائش جیسی نہیں اور لیکن (آیت) وخلق کل شیء فقدرہ تقدیرا (الفرقان، آیت ۲)

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت) اعطی کل شیء خلقه سے مراد ہے کہ ہر مخلوق کو ہو چیز عطا کی گئی جو اس کی تخلیق کے مناسب تھی اور انسان کو جانور کی شکل میں بنایا اور جانور کو کتے کی شکل میں نہیں بنایا اور نہ کتے کو بکری کی شکل میں بنایا اور اس کو ہر وہ چیز عطا کی جو اس کو نکاح کی لئے ضرورت تھی اور ہر چیز کو اس کے مطابق تیار کیا اور اس میں سے

83 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 6694، اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2157، ورقم الحدیث: 3290

کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کا وہ ذرا بھی مالک ہو اپنے کام میں، خلق میں، رزق میں اور نکاح میں (آیت) ثم ھدی پھر اس کی راہنمائی کی ہر چیز کی طرف اس کے رزق کی طرف اور اس کی بیوی کی طرف۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی ،سورہ طٰہٰ ،۴۸، بیروت)

تقدیر سے متعلق بحث کرنے والے سے حساب لیا جانے کا بیان

84- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عُثْمَانَ مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى عَآئِشَةَ فَذَكَرَ لَهَا شَيْئًا مِّنَ الْقَدَرِ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَكَلَّمَ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْقَدَرِ سُئِلَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَّمْ يَتَكَلَّمْ فِيْهِ لَمْ يُسْاَلْ عَنْهُ .

حَدَّثَنَا قَالَ اَبُو الْحَسَنِ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَاهُ حَازِمُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عُثْمَانَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

•• یحییٰ بن عبداللہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ایک مرتبہ وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سامنے تقدیر سے متعلق کوئی بات ذکر کی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

''جو شخص تقدیر کے بارے میں کوئی بات کہے گا اس سے اس بارے میں قیامت کے دن حساب لیا جائے گا اور جو اس کے بارے میں کوئی کلام نہیں کرے گا اس سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جائے گا''۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

منکرین تقدیر قدریہ کا بیان

امام ابن منذر اور حاکم نے طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ہم ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمارے ساتھ ایک آدمی قدریہ فرقہ میں سے تھا میں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر نہیں ہے انہوں نے پوچھا کیا لوگوں میں ایسا بھی کوئی ہے؟ میں نے عرض کی اگر موجود ہوتو میں اس کے سر کو پکڑ کر اس پر یہ آیت تلاوت کرتا (آیت) وقضینا الی بنی اسرآئیل فی الکتب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا ۔(سورت بنی اسرائیل،۴)

تقدیر سے متعلق بحث کرنے کی ممانعت کا بیان

85- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ اَبِيْ هِنْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَصْحٰبِهٖ وَهُمْ يَخْتَصِمُوْنَ فِي الْقَدَرِ فَكَاَنَّمَا يُفْقَاُ فِيْ وَجْهِهٖ حَبُّ الرُّمَّانِ مِنَ الْغَضَبِ فَقَالَ بِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَوْ لِهٰذَا خُلِقْتُمْ تَضْرِبُوْنَ الْقُرْاٰنَ

84 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

85 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بِبَعْضِهِ بِبَعْضٍ بِهٰذَا أُهْلِكَتِ الْأُمَمُ قَبْلَكُمْ قَالَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو مَا غَبَطْتُ نَفْسِي بِمَجْلِسٍ تَخَلَّفْتُ فِيهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غَبَطْتُ نَفْسِي بِذٰلِكَ الْمَجْلِسِ وَتَخَلُّفِي عَنْهُ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے' وہ لوگ اس وقت تقدیر کے موضوع پر بحث کر رہے تھے' تو غضب کی شدت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی یہ کیفیت ہوئی کہ گویا اس پر انار نچوڑ دیا گیا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کیا تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے؟ یا تمہیں اس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟ تم لوگ قرآن کے ایک حصے کو دوسرے کے مقابلے میں رکھتے ہو' تم سے پہلے کی امتیں اسی وجہ سے ہلاکت کا شکار ہوگئیں"۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کبھی یہ آرزو نہیں کی کہ میں کسی ایسی محفل سے غیر حاضر ہوں' جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں' لیکن اس محفل کے بارے میں' میں نے یہ آرزو کی تھی کہ کاش میں اس میں موجود نہ ہوتا۔

شرح

صحابہ آپس میں تقدیر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے بعض صحابہ تو یہ کہہ رہے تھے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے نوشتہ تقدیر کے مطابق ہیں تو پھر ثواب وعذاب کا ترتب کیوں ہوتا ہے؟ جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے اور کچھ حضرات یہ کہہ رہے تھے کہ اس میں اللہ کی کیا مصلحت وحکمت ہے کہ بعض انسانوں کو تو جنت کے لئے پیدا کیا اور بعض انسانوں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے؟ کچھ صحابہ نے اس کا جواب دیا کہ یہ اس لئے ہے کہ انسانوں کو کچھ اختیارات بھی اعمال کے کرنے اور نہ کرنے کا دے دیا ہے، کچھ نے کہا یہ اختیار کس نے دیا؟ بہر حال اس قسم کی گفتگو ہو رہی تھی اور اپنی عقل ودانش کے بل بوتہ پر اللہ کے اس راز ومصلحت کے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اس بحث مباحثہ میں مشغول پایا تو غصہ وغضب سے چہرہ مقدس سرخ ہو گیا اس لئے صحابہ کو بتلا دیا گیا کہ یہ تقدیر کا مسئلہ اللہ کا ایک راز وبھید ہے جو کسی پر ظاہر نہیں کیا گیا ہے لہٰذا اس میں اپنی عقل لڑانا اور غور وتحقیق گمراہی کی راہ اختیار کرنا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس لئے دنیا میں نہیں بھیجا گیا ہوں کہ تقدیر کے بارہ میں بتاؤں اور تم اس میں بحث ومباحثہ کرو، میری بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ وتعالیٰ کے احکام تم لوگوں تک پہنچا دوں اور اطاعت فرمانبرداری کی راہ پر تمہیں لگاؤں۔ دین وشریعت کے فرائض واعمال کے کرنے کا تمہیں حکم دوں، لہٰذا ایک سچے ومخلص ہونے کے ناطے پر صرف اتنا ہی فرض ہے کہ تم ان احکام فرائض پر عمل کرو اور جن اعمال کے کرنے کا تمہیں حکم دوں اس کی بجا آوری میں لگے رہو، تم اس تقدیر کے مسئلہ میں مت پڑو بس اتنا ہی اعتقاد تمہارے لئے کافی ہے کہ یہ اللہ کا ایک راز ہے۔ جس کی حقیقت ومصلحت وہی جانتا ہے، اس کو اسی کی مرضی پر چھوڑ دو۔

غلبہ تقدیر کے سبب ذوالقرنین کے سینگوں کی تشہیر کا بیان

ابوالشیخ نے وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ذوالقرنین سب سے پہلے وہ آدمی تھے جنہوں نے سب سے پہلے پگڑی پہنی اور وہ اس طرح کہ ان کے سر میں دو سینگ تھے گھروں کی طرح جو حرکت کرتے رہتے تھے اس وجہ سے انہوں نے پگڑی

پہنچی وہ حمام میں داخل ہوئے تو اس کے ساتھ اس کا کاتب بھی داخل ہوا ذوالقرنین نے پگڑی کو رکھا اور اپنے کاتب سے کہا یہ ایسا معاملہ ہے جو تیرے علاوہ مخلوق میں سے کوئی نہیں جانتا اگر میں اس کے بارے میں کسی سے سن لیا تو میں تجھ کو قتل کر دوں گا کاتب حمام سے نکلا اس کو موت کی کیفیت طاری ہوگئی وہ ایک صحرا میں آیا اور اپنے منہ زمین پر رکھا پھر آواز لگائی غور سے سنو بادشاہ کے دو سینگ ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی اس بات سے دو بانس اگا دیئے ایک بکری چرانے والا ان کے پاس سے گزرا تو وہ اسے بہت اچھے لگے اس نے دونوں کو کاٹ کر بانسریاں بنالیں جب بھی وہ بانسری بجاتا تو ان سے یہ آواز نکلتی تھی بادشاہ کے دو سینگ ہیں یہ بات شہر تک پھیل گئی ذوالقرنین نے کاتب کی طرف پیغام بھیجا اور کہا تو مجھ سے سچی بات کہہ یا میں تجھ کو قتل کر دوں گا تو کاتب نے اپنا واقعہ بیان کیا تو ذوالقرنین نے کہا یہ وہ معاملہ ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس کو ظاہر کرے تو اس نے اپنے سر پر پگڑی کو اتار دیا۔ (تفسیر در منثور، سورہ کہف، ۸۳، بیروت)

عدویٰ، طیرہ اور ہامہ کی حقیقت نہ ہونے کا بیان

86- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِيْ حَيَّةَ اَبُوْ جَنَابٍ الْكَلْبِيُّ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ الْبَعِيْرَ يَكُوْنُ بِهِ الْجَرَبُ فَيُجْرِبُ الْاِبِلَ كُلَّهَا قَالَ ذٰلِكُمُ الْقَدَرُ فَمَنْ اَجْرَبَ الْاَوَّلَ

●● حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "عدویٰ' طیرہ اور ہامہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے"۔ ایک دیہاتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا' اس نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اونٹ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا رائے ہے' جسے کوئی خارش لاحق ہو' تو کیا وہ باقی سب اونٹوں کو خارش کا شکار نہیں کر دیتا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ تقدیر کا فیصلہ ہے' ورنہ پہلے کو کس نے خارش کا شکار کیا تھا"۔

چھوا چھوت کی بیماری کا بیان

چھوا چھوت کی بیماری کو عربی میں "عَدْوٰی" کہتے ہیں یعنی ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جائے، اور زمانہ جاہلیت میں عربوں کا عقیدہ تھا کہ کھجلی وغیرہ بعض امراض ایک دوسرے کو لگ جاتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا، اور فرمایا کہ یہ تقدیر سے ہے، جیسے پہلے اونٹ کو کسی کی کھجلی نہیں لگی، بلکہ یہ تقدیر الٰہی ہے، اسی طرح اور اونٹوں کی کھجلی بھی ہے۔

ہامہ اور طیرہ کے مفہوم کا بیان

"طِيَرَة": بدفالی اور بدشگونی کو کہتے ہیں جیسے عورتیں کہتی ہیں کہ یہ کپڑا میں نے کس منحوس کے قدم سے لگایا کہ تمام ہی نہیں ہوتا، یا گھر سے نکلے اور بلی سامنے آگئی، یا کسی نے چھینک دیا تو بیٹھ گئے، یا کوئی چڑیا آگے سے گزر گئی تو اب اگر جائیں گے تو کام نہ

86 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

٩٢ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا يَحْيَى بْنُ عِيسَى الْخَزَّازُ عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى بْنِ أَبِي الْمُسَاوِرِ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ لَمَّا قَدِمَ عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ الْكُوفَةَ أَتَيْنَاهُ فِي نَفَرٍ مِنْ فُقَهَاءِ أَهْلِ الْكُوفَةِ فَقُلْنَا لَهُ حَدِّثْنَا مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ أَسْلِمْ تَسْلَمْ قُلْتُ وَمَا الْإِسْلَامُ فَقَالَ تَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ وَتُؤْمِنُ بِالْأَقْدَارِ كُلِّهَا خَيْرِهَا وَشَرِّهَا حُلْوِهَا وَمُرِّهَا۔

علی بن محمد، یحییٰ بن عیسیٰ الخزاز، عبد الاعلیٰ بن ابی المساور، شعبی کہتے ہیں جب عدی بن حاتم کوفہ تشریف لائے تو ہم فقہاء کوفہ کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان فرمائیں انہوں نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا اے عدی اسلام قبول کرو محفوظ رہو گے میں نے عرض کیا اسلام کیا ہے آپ نے فرمایا اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں میں اس کا رسول ہوں اور تقدیر پر ایمان لا چاہے بھلی ہو یا بری شیریں ہو یا تلخ۔

٩٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ ثَنَا أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ يَزِيدَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ غُنَيْمِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقَلْبِ مَثَلُ الرِّيشَةِ تُقَلِّبُهَا الرِّيَاحُ بِفَلَاةٍ۔

محمد بن عبداللہ بن نمیر، اسباط بن محمد، اعمش، یزید الرقاشی، غنیم بن قیس، ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دل کی مثال اس پر کی مثل ہے۔ جسے جنگلوں میں ہوائیں ادھر ادھر اڑائی پھرتی ہوں۔

٩٤ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا يَعْلَى عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي جَارِيَةً أَعْزِلُ عَنْهَا قَالَ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا فَأَتَاهُ بَعْدَ ذَلِكَ فَقَالَ قَدْ حَمَلَتِ الْجَارِيَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قُدِّرَ لِنَفْسٍ شَيْءٌ إِلَّا هِيَ كَائِنَةٌ۔

علی بن محمد، یعلیٰ، اعمش، سالم بن ابی الجعد، جابر فرماتے ہیں ایک انصاری حضور کی خدمت اقدس میں آیا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ میری ایک کنیز ہے جس سے میں عزل کرتا ہوں آپ نے فرمایا جو مقدر میں ہے وہ تو آ کر رہے گا۔ اس کے بعد وہ دوسری بار حاضر ہوا۔ اور عرض کیا میری باندی حاملہ ہے آپ نے فرمایا انسان کی تقدیر میں جو شئے لکھ دی گئی ہے، وہ تو ہو کر رہتی ہے۔

٩٥ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِيسَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزِيدُ فِي الْعُمْرِ إِلَّا الْبِرُّ وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ

ابی الجعد، ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، نیکی کے علاوہ کوئی شئے عمر میں اضافہ نہیں کرتی اور دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر کو نہیں بدل سکتی اور انسان کو رزق سے محروم کرنے والی چیز

وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِخَطِيئَةٍ يَعْمَلُهَا۔

اس کی بد اعمالی ہے۔

٩٦ - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا عَطَاءُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَفَّافُ ثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ جُعْشُمٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ الْعَمَلُ فِيمَا جَفَّ بِهِ الْقَلَمُ وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ أَمْ فِي أَمْرٍ مُسْتَقْبَلٍ قَالَ بَلْ فِيمَا جَفَّ بِهِ الْقَلَمُ وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ۔

ہشام بن عمار، عطاء بن مسلم الخفاف، اعمش، مجاہد سراقہ بن جعشم فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ جن کاموں کے متعلق قلم چل چکا ہے تقدیر ان کے متعلق جاری ہو چکی ہے ان میں آئندہ عمل کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ آپ نے فرمایا ان قلم جاری ہو چکا ہے تقدیر لکھی جا چکی ہے اور ہر وہ کام جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لیے سہل کر دیا جاتا ہے۔

٩٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفَّى الْحِمْصِيُّ ثَنَا بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مَجُوسَ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْمُكَذِّبُونَ بِأَقْدَارِ اللَّهِ إِنْ مَرِضُوا فَلَا تَعُودُوهُمْ وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوهُمْ وَإِنْ لَقِيتُمُوهُمْ فَلَا

محمد بن المصفی الحمصی، بقیہ بن الولید، اوزاعی، ابن جریج ابوالزبیر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس امت کے آتش پرست اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والے ہیں۔ اگر بیمار ہو جائیں تو ان کی مزاج پرسی نہ کرو، مر جائیں تو جنازہ میں شریک نہ ہو۔ اور اگر ان سے تمہاری ملاقات ہو تو انہیں سلام نہ کرو۔

وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِخَطِيئَةٍ يَعْمَلُهَا.

اس کی بد اعمالی ہے۔

۹۶ - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ ثَنَا عَطَاءُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَفَّافُ ثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ جُعْشُمٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ الْعَمَلُ فِيمَا جَفَّ بِهِ الْقَلَمُ وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ أَمْ فِي أَمْرٍ مُسْتَقْبَلٍ قَالَ بَلْ فِيمَا جَفَّ بِهِ الْقَلَمُ وَجَرَتْ بِهِ الْمَقَادِيرُ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ.

ہشام بن عمار، عطاء بن مسلم الخفاف، اعمش، مجاہد، سراقہ بن جعشم فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ جن کاموں کے متعلق قلم چل چکا ہے تقدیر ان کے متعلق جاری ہو چکی ہے ان میں آئندہ عمل کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ آپ نے فرمایا ان قلم جاری ہو چکا ہے تقدیر لکھی جا چکی ہے اور ہر وہ کام جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لیے سہل کر دیا جاتا ہے۔

۹۷ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفَّى الْحِمْصِيُّ ثَنَا بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مَجُوسَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْمُكَذِّبُونَ بِأَقْدَارِ اللّٰهِ إِنْ مَرِضُوا فَلَا تَعُودُوهُمْ وَإِنْ مَاتُوا فَلَا تَشْهَدُوهُمْ وَإِنْ لَقِيتُمُوهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ.

محمد بن المصفی الحمصی، بقیہ بن الولید اوزاعی، ابن جریج، ابو الزبیر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس امت کے آتش پرست اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والے ہیں۔ اگر بیمار ہو جائیں تو ان کی مزاج پرسی نہ کرو۔ مر جائیں تو جنازہ میں شریک نہ ہو۔ اور اگر ان سے تمہاری ملاقات ہو تو تم انہیں سلام نہ کرو۔

أَبْوَابُ فَضَائِلِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

صحابہ کرام کے فضائل و محاسن کا بیان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

بَابُ فَضْلِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رض

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت

۹۸ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَنَا وَكِيعٌ ثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى كُلِّ خَلِيلٍ مِنْ خِلِّهِ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا إِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيلُ اللّٰهِ قَالَ وَكِيعٌ يَعْنِي نَفْسَهُ.

علی بن محمد، وکیع، اعمش، عبداللہ بن مرہ، ابو الاحوص عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں ہر دوست کی دوستی سے بے پرواہ اور مستغنی ہوں۔ اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا کیونکہ تمہارا یہ ساتھی تو اللہ کا دوست ہے۔ وکیع کہتے ہیں۔ ساتھی سے خود حضور نے اپنے آپ کو مراد لیا ہے۔

۹۹ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا ثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَفَعَنِي مَالٌ قَطُّ مَا نَفَعَنِي مَالُ أَبِي بَكْرٍ قَالَ

ابوبکر بن ابی شیبہ، علی بن محمد، ابو معاویہ، اعمش، ابو صالح، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مجھے کسی کے مال سے اتنا فائدہ نہیں ہوا۔ جتنا ابوبکر کے مال سے ہوا ہے۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں

حضرت ابوبکر صدیق کی کرامت اور کھانے میں عظیم برکت

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت کے تین مہمانوں کو اپنے گھر لائے اور خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے اور گفتگو میں مصروف رہے یہاں تک کہ رات کا کھانا آپ نے دسترخوان نبوت پر کھالیا اور بہت زیادہ رات گزر جانے کے بعد مکان پر واپس تشریف لائے۔ ان کی بیوی نے عرض کیا کہ آپ اپنے گھر پر مہمانوں کو بلا کر کہاں غائب رہے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا اب تک تم نے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا؟ بیوی صاحبہ نے کہا کہ میں نے کھانا پیش کیا مگر ان لوگوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔

یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پر بہت زیادہ خفا ہوئے اور وہ خوف و دہشت کی وجہ سے چھپ گئے اور آپ کے سامنے نہیں آئے پھر جب آپ کا غصہ فرو ہو گیا تو آپ مہمانوں کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھ گئے اور سب مہمانوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھانا کھالیا۔ ان مہمانوں کا بیان ہے۔ کہ جب ہم کھانے کے برتن میں سے لقمہ اٹھاتے تھے تو جتنا کھانا ہاتھ میں آتا تھا اس سے کہیں زیادہ کھانا برتن میں نیچے سے ابھر کر بڑھ جاتا تھا اور جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے تو کھانا بجائے کم ہونے کے برتن میں پہلے سے زیادہ ہو گیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے متعجب ہو کر اپنی بیوی صاحبہ سے فرمایا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ برتن میں کھانا پہلے سے کچھ زائد نظر آتا ہے۔ بیوی صاحبہ نے قسم کھا کر کہا: واقعی یہ کھانا تو پہلے سے تین گنا بڑھ گیا ہے۔ پھر آپ اس کھانے کو اٹھا کر بارگاہ رسالت میں لے گئے۔ جب صبح ہوئی تو ناگہاں مہمانوں کا ایک قافلہ دربار رسالت میں اترا جس میں بارہ قبیلوں کے بارہ سردار تھے اور ہر سردار کے ساتھ بہت سے دوسرے شتر سوار بھی تھے۔ ان سب لوگوں نے یہی کھانا کھایا اور قافلہ کے تمام سردار اور تمام مہمانوں کا گروہ اس کھانے کو شکم سیر کھا کر آسودہ ہو گیا لیکن پھر بھی اس برتن میں کھانا ختم نہیں ہوا۔ (بخاری شریف)

شکم مادر میں کیا ہے؟

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض وفات میں اپنی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری پیاری بیٹی! آج تک میرے پاس جو میرا مال تھا وہ آج وارثوں کا مال ہو چکا ہے اور میری اولاد میں تمہارے دونوں بھائی عبدالرحمٰن و محمد اور تمہاری دونوں بہنیں ہیں لہٰذا تم لوگ میرے مال کو قرآن مجید کے حکم کے مطابق تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے لینا۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابا جان! میری تو ایک ہی بہن بی بی اسماء ہیں۔ یہ میری دوسری بہن کون ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری بیوی بنت خارجہ جو حاملہ ہے اس کے شکم میں لڑکی ہے وہ تمہاری دوسری بہن ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ لڑکی پیدا ہوئی جن کا نام ام کلثوم رکھا گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

اس حدیث کے بارے میں حضرت علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا کہ اس حدیث سے امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دوکرامتیں ثابت ہوتی ہیں۔

اول: یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کو قبل وفات یہ علم ہو گیا تھا کہ میں اسی مرض میں دنیا سے رحلت کروں گا اس لئے بوقت وصیت آپ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ میرا مال آج میرے وارثوں کا مال ہو چکا ہے۔

دوم: یہ کہ حاملہ کے شکم میں لڑکا ہے یا لڑکی، اور ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں کا علم یقیناً غیب کا علم ہے جو بلاشبہ وبالیقین پیغمبر کے جانشین حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو عظیم الشان کرامتیں ہیں۔ (ازالۃ الخفاء مقصد، حجۃ اللہ)

حدیث مذکورہ بالا اور علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریر سے معلوم ہوا کہ مَا فِی الْاَرْحَامِ (جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے اس) کا علم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہو گیا تھا۔ لہٰذا یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قرآن مجید کی سورہ لقمان میں جو یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ آیا ہے یعنی خدا کے سوا کوئی اس بات کو نہیں جانتا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ بغیر خدا کے بتائے ہوئے کوئی اپنی عقل وفہم سے نہیں جان سکتا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ لیکن خداوند تعالیٰ کے بتا دینے سے دوسروں کو بھی اس کا علم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وحی کے ذریعے اور اولیائے امت کشف وکرامت کے طور پر خداوند قدوس کے بتا دینے سے یہ جان لیتے ہیں کہ ماں کے شکم میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ مگر اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی، ازلی وابدی اور قدیم ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام واولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا علم عطائی وفانی اور حادث ہے۔ اللہ اکبر! کہاں خداوند قدوس کا علم اور کہاں بندوں کا علم؟ دونوں میں بے انتہا فرق ہے۔

نگاہِ کرامت

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد جو قبائل عرب مرتد ہو کر اسلام سے پھر گئے تھے ان میں قبیلہ کندہ بھی تھا۔ چنانچہ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس قبیلہ والوں سے بھی جہاد فرمایا اور مجاہدین اسلام نے اس قبیلہ کے سردار اعظم یعنی اشعث بن قیس کو گرفتار کر لیا اور لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر اس کو دربار خلافت میں پیش کیا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے سامنے آتے ہی اشعث بن قیس نے بآواز بلند اپنے جرمِ ارتداد کا اقرار کر لیا اور پھر فوراً ہی توبہ کر کے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر اس کا قصور معاف کر دیا اور اپنی بہن حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا سے اس کا نکاح کر کے اس کو اپنی قسم قسم کی عنایتوں اور نوازشوں سے سرفراز کر دیا۔ تمام حاضرین دربار حیران رہ گئے کہ مرتدین کا سردار جس نے مرتد ہو کر امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سے بغاوت اور جنگ کی اور بہت سے مجاہدین اسلام کا خون ناحق کیا۔ ایسے خونخوار باغی اور اتنے بڑے خطرناک مجرم کو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس قدر کیوں نوازا؟ لیکن جب حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے صادق الاسلام ہو کر عراق کے جہادوں میں اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر ایسے ایسے مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے کہ عراق کی فتح کا سہرا انہیں کے سر رہا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ قادسیہ اور قلعہ مدائن وجلولاء ونہاوند کی

زمانوں میں انہوں نے سرفروشی وجانبازی کے جو حیرتناک مناظر پیش کئے انہیں دیکھ کر سب کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ واقعی امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نگاہ کرامت نے حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کی ذات میں چھپے ہوئے کمالات کے بن انمول جوہروں کو برسوں پہلے دیکھ لیا تھا وہ کسی اور کو نظر نہیں آئے تھے۔ یقیناً یہ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی کرامت ہے۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد)

ای ایک مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عام طور پر یہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے علم میں تین ہستیاں ایسی گزری ہیں جو فراست کے بلند ترین مقام پر پہنچی ہوئی تھیں۔

اول: امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ ان کی نگاہ کرامت کی نوری فراست نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کمالات کو تاڑ لیا اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلافت کے لیے منتخب فرمایا جس کو تمام دنیا کے مؤرخین اور دانشوروں نے بہترین قرار دیا۔

دوم: حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی بیوی حضرت صفوراء رضی اللہ عنہا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے روشن مستقبل کو اپنی فراست سے بھانپ لیا اور اپنے والد حضرت شعیب علیہ الصلوۃ والسلام سے عرض کیا کہ آپ اس جوان کو بطور اجیر کے اپنے گھر پر رکھ لیں۔ جبکہ انتہائی کسمپرسی کے عالم میں فرعون کے ظلم سے بچنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اکیلے ہجرت کر کے مصر سے مدین پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کو اپنے گھر پر رکھ لیا اور ان کی خوبیوں کو دیکھ کر اور ان کے کمالات سے متاثر ہو کر اپنی صاحبزادی حضرت بی بی صفوراء رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کر دیا اور اس کے بعد خداوند قدوس نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو نبوت ورسالت کے شرف سے سرفراز فرمادیا۔

سوم: عزیز مصر کہ انہوں نے اپنی بیوی حضرت زلیخا کو حکم دیا کہ اگر چہ حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام ہمارے زرخرید غلام بن کر ہمارے گھر میں آئے ہیں مگر خبردار! تم ان کے اعزاز واکرام کا خاص طور پر اہتمام وانتظام رکھنا کیونکہ عزیز مصر نے اپنی نگاہ فراست سے حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے شاندار مستقبل کو سمجھ لیا تھا کہ گویا آج غلام ہیں مگر یہ ایک دن مصر کے بادشاہ ہوں گے۔ (تاریخ الخلفاء، وازالۃ الخفاء مقصد)

کلمہ طیبہ سے قلعہ مسمار

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں قیصر روم سے جنگ کے لیے مجاہدین اسلام کی ایک فوج روانہ فرمائی اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس فوج کا سپہ سالار مقرر فرمایا۔ یہ اسلامی فوج قیصر روم کی لشکری طاقت کے مقابلہ میں صفر کے برابر تھی مگر جب اس فوج نے رومی قلعہ کا محاصرہ کیا اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا نعرہ مارا تو کلمہ طیبہ کی آواز سے قیصر روم کے قلعہ میں ایسا زلزلہ آ گیا کہ پورا قلعہ مسمار ہو کر اس کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور دم زدن میں قلعہ فتح ہو گیا۔ بلاشبہ یہ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہت ہی شاندار کرامت ہے کیونکہ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے جھنڈا باندھ کر اور فتح کی بشارت دے کر اس فوج کو جہاد کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد)

لڑائیوں میں انہوں نے سرفروشی و جانبازی کے جو حیرتناک مناظر پیش کئے انہیں دیکھ کر سب کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ واقعی امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نگاہ کرامت نے حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کی ذات میں چھپے ہوئے کمالات کے انمول جوہروں کو برسوں پہلے دیکھ لیا تھا جو کسی اور کو نظر نہیں آئے تھے۔ یقیناً یہ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی کرامت ہے۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد)

اسی لئے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عام طور پر یہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے علم میں تین ہستیاں ایسی گزری ہیں جو فراست کے بلند ترین مقام پر پہنچی ہوئی تھیں۔

اول: امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ ان کی نگاہ کرامت کی نوری فراست نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کمالات کو تاڑ لیا اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلافت کے لیے منتخب فرمایا جس کو تمام دنیا کے مؤرخین اور دانشوروں نے بہترین قرار دیا۔

دوم: حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی بیوی حضرت صفوراء رضی اللہ عنہا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے روشن مستقبل کو اپنی فراست سے بھانپ لیا اور اپنے والد حضرت شعیب علیہ الصلوۃ والسلام سے عرض کیا کہ آپ اس جوان کو بطور اجیر کے اپنے گھر پر رکھ لیں۔ جبکہ انتہائی کسمپرسی کے عالم میں فرعون کے ظلم سے بچنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اکیلے ہجرت کر کے مصر سے مدین پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کو اپنے گھر پر رکھ لیا اور ان کی خوبیوں کو دیکھ کر اور ان کے کمالات سے متاثر ہو کر اپنی صاحبزادی حضرت بی بی صفوراء رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کر دیا اور اس کے بعد خداوند قدوس نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو نبوت و رسالت کے شرف سے سرفراز فرما دیا۔

سوم: عزیز مصر کہ انہوں نے اپنی بیوی حضرت زلیخا کو حکم دیا کہ اگرچہ حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام ہمارے زرخرید غلام بن کر ہمارے گھر میں آئے ہیں مگر خبردار! تم ان کے اعزاز و اکرام کا خاص طور پر اہتمام و انتظام رکھنا کیونکہ عزیز مصر نے اپنی نگاہ فراست سے حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے شاندار مستقبل کو سمجھ لیا تھا کہ گویا آج غلام ہیں مگر یہ ایک دن مصر کے بادشاہ ہوں گے۔ (تاریخ الخلفاء، ص و ازالۃ الخفاء، مقصد)

کلمہ طیبہ سے قلعہ مسمار

امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں قیصر روم سے جنگ کے لیے مجاہدین اسلام کی ایک فوج روانہ فرمائی اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس فوج کا سپہ سالار مقرر فرمایا۔ یہ اسلامی فوج قیصر روم کی لشکری طاقت کے مقابلہ میں صفر کے برابر تھی مگر جب اس فوج نے رومی قلعہ کا محاصرہ کیا اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا نعرہ مارا تو کلمہ طیبہ کی آواز سے قیصر روم کے قلعہ میں ایسا زلزلہ آ گیا کہ پورا قلعہ مسمار ہو کر اس کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور دم زدن میں قلعہ فتح ہو گیا۔ بلاشبہ یہ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہت ہی شاندار کرامت ہے کیونکہ آپ نے اپنے دست مبارک سے جھنڈا باندھ کر اور فتح کی بشارت دے کر اس فوج کو جہاد کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد)

خون میں پیشاب کرنے والا

ایک شخص نے امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! رضی اللہ عنہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ میں خون میں پیشاب کر رہا ہوں۔ آپ نے انتہائی غیظ و غضب اور جلال میں تڑپ کر فرمایا کہ تو اپنی بیوی سے حیض کی حالت میں صحبت کرتا ہے لہٰذا اس گناہ سے توبہ کر اور خبردار! آئندہ ہرگز ہرگز کبھی بھی ایسا مت کرنا۔ وہ شخص اس اپنے چھپے ہوئے گناہ پر نادم و شرمندہ ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تائب ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

سلام سے دروازہ کھل گیا

جب حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقدس جنازہ لے کر لوگ حجرہ منورہ کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عرض کیا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا اَبُوْ بَکْرٍ یہ عرض کرتے ہی روضہ منورہ کا بند دروازہ یک دم خود بخود کھل گیا اور تمام حاضرین نے قبر انور سے یہ غیبی آواز سنی: اَدْخِلُوا الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (یعنی حبیب کو حبیب کے دربار میں داخل کر دو۔ (تفسیر کبیر)

کشفِ مستقبل

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اپنی وفات اقدس سے صرف چند دن پہلے رومیوں سے جنگ کے لئے ایک لشکر کی روانگی کا حکم فرمایا اور اپنی علالت ہی کے دوران اپنے دست مبارک سے جنگ کا جھنڈا باندھا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں یہ نشان اسلام دے کر انہیں اس لشکر کا سپہ سالار بنایا۔ ابھی یہ لشکر مقام جرف میں خیمہ زن تھا اور عساکر اسلامیہ کا اجتماع ہو ہی رہا تھا کہ وصال کی خبر پھیل گئی اور یہ لشکر مقام جرف سے مدینہ منورہ واپس آ گیا۔ وصال کے بعد ہی بہت سے قبائل عرب مرتد اور اسلام سے منحرف ہو کر کافر ہو گئے نیز مسیلمۃ الکذاب نے اپنی نبوت کا دعویٰ کر کے قبائل عرب میں ارتداد کی آگ بھڑکا دی اور بہت سے قبائل مرتد ہو گئے۔

اس انتشار کے دور میں امیر المؤمنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی سب سے پہلے یہ حکم فرمایا کہ جیش اسامہ یعنی اسلام کا وہ لشکر جس کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت روانہ فرمایا اور وہ واپس آ گیا ہے دوبارہ اس کو جہاد کے لیے روانہ کیا جائے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بارگاہ خلافت کے اس اعلان سے انتہائی متوحش ہو گئے اور کسی طرح بھی یہ معاملہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسی خطرناک صورتحال میں جبکہ بہت سے قبائل اسلام سے منحرف ہو کر مدینہ منورہ پر حملوں کی تیاریاں کر رہے ہیں اور جھوٹے مدعیان نبوت نے جزیرۃ العرب میں لوٹ مار اور بغاوت کی آگ بھڑکا رکھی ہے۔ اتنی بڑی اسلامی فوج کا جس میں بڑے بڑے نامور اور جنگ آزما صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود ہیں ملک سے باہر بھیج دینا اور مدینہ منورہ کو بالکل عساکر اسلامیہ سے خالی چھوڑ کر خطرات مول لینا کسی طرح بھی عقل سلیم کے نزدیک قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک منتخب جماعت جس کے ایک فرد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی ہیں، بارگاہ

خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے جانشین پیغمبر! ایسے مخدوش اور پر خطر ماحول میں جبکہ مدینہ منورہ کے چاروں طرف مرتدین نے شورش پھیلا رکھی ہے یہاں تک کہ مدینہ منورہ پر حملہ کے خطرات درپیش ہیں۔ آپ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانگی سے روک دیں تاکہ اس فوج کی مدد سے مرتدین کا مقابلہ کیا جائے اور ان کا قلع قمع کر دیا جائے۔

یہ سن کر آپ نے جوش غضب میں تڑپ کر فرمایا کہ خدا کی قسم! مجھے پرندے اچک لے جائیں یہ مجھے گوارا ہے لیکن میں اس فوج کو روانگی سے روک دوں، جس کو اپنے دست مبارک سے جھنڈا باندھ کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا یہ ہرگز ہرگز کسی حال میں بھی میرے نزدیک قابل قبول نہیں ہو سکتا میں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا اور اس میں ایک دن کی بھی تاخیر برداشت نہیں کروں گا۔ چنانچہ آپ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منع کرنے کے باوجود اس لشکر کو روانہ کر دیا۔ خدا کی شان کہ جب جوش جہاد میں بھرا ہوا عساکر اسلامیہ کا یہ سمندر موجیں مارتا ہوا روانہ ہوا تو اطراف و جوانب کے تمام قبائل میں شوکت اسلام کا سکہ بیٹھ گیا اور مرتد ہو جانے والے قبائل یا وہ قبیلے جو مرتد ہونے کا ارادہ رکھتے تھے، مسلمانوں کا یہ دل بادل لشکر دیکھ کر خوف و دہشت سے لرزہ براندام ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر خلیفہ وقت کے پاس بہت بڑی فوج ریزرو موجود نہ ہوتی تو وہ بھلا اتنا بڑا لشکر ملک کے باہر کس طرح بھیج سکتے تھے؟ اس خیال کے آتے ہی ان جنگجو قبائل نے جنہوں نے مرتد ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا پلان بنایا تھا خوف و دہشت سے سہم کر اپنا پروگرام ختم کر دیا بلکہ بہت سے پھر تائب ہو کر آغوش اسلام میں آ گئے اور مدینہ منورہ مرتدین کے حملوں سے محفوظ رہا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا لشکر مقام اُبْنٰی میں پہنچ کر رومیوں کے لشکر سے مصروف پیکار ہو گیا اور وہاں بہت ہی خوں ریز جنگ کے بعد لشکر اسلام فتح یاب ہو گیا۔

اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بے شمار مال غنیمت لے کر چالیس دن کے بعد فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور اب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انصار و مہاجرین پر اس راز کا انکشاف ہو گیا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ کرنا عین مصلحت کے مطابق تھا کیونکہ اس لشکر نے ایک طرف تو رومیوں کی عسکری طاقت کو تہس نہس کر دیا اور دوسری طرف مرتدین کے حوصلوں کو بھی پست کر دیا۔

یہ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک عظیم کرامت ہے کہ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات آپ پر قبل از وقت منکشف ہو گئے اور آپ نے اس فوج کشی کے مبارک اقدام کو اس وقت اپنی نگاہ کرامت سے نتیجہ خیز دیکھ لیا تھا جبکہ وہاں تک دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء، مدارج النبوۃ)

مدفن کے بارے میں غیبی آواز

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے؟ بعض لوگوں نے کہا کہ ان کو شہدائے کرام کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے اور بعض حضرات چاہتے تھے کہ آپ کی قبر شریف جنت البقیع میں بنائی جائے، لیکن میری دلی خواہش یہی تھی کہ آپ میرے اسی حجرہ میں سپرد خاک کیے جائیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی قبر منور ہے یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اچانک

مجھ پر نیند کا غلبہ ہوگیا اور خواب میں یہ آواز میں نے سنی کہ کوئی کہنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ ضُمُّوا الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (یعنی حبیب کو حبیب سے ملادو) خواب سے بیدار ہو کر میں نے لوگوں سے اس آواز کا ذکر کیا تو بہت سے لوگوں نے کہا کہ یہ آواز ہم لوگوں نے بھی سنی ہے اور مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اندر بہت سے لوگوں کے کانوں میں یہ آواز آئی ہے۔ اس کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ آپ کی قبر اطہر روضہ منورہ کے اندر بنائی جائے۔ اس طرح آپ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پہلوئے اقدس میں مدفون ہو کر اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے قرب خاص سے سرفراز ہو گئے۔ (شواہد النبوۃ)

دشمن خنزیر و بندر بن گئے

حضرت امام مستغفری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ثقات سے نقل کیا ہے کہ ہم لوگ تین آدمی ایک ساتھ یمن جا رہے تھے ہمارا ایک ساتھی جو کوفی تھا وہ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں بد زبانی کر رہا تھا، ہم لوگ اس کو بار بار منع کرتے تھے مگر وہ اپنی اس حرکت سے باز نہیں آتا تھا، جب ہم لوگ یمن کے قریب پہنچ گئے اور ہم نے اس کو نماز فجر کے لیے جگایا، تو وہ کہنے لگا کہ میں نے ابھی ابھی یہ خواب دیکھا ہے کہ رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میرے سرہانے تشریف فرما ہوئے اور مجھے فرمایا کہ اے فاسق! خداوند تعالیٰ نے تجھ کو ذلیل و خوار فرمادیا اور تو اسی منزل میں مسخ ہو جائے گا۔ اس کے بعد فوراً ہی اس کے دونوں پاؤں بندر جیسے ہو گئے اور تھوڑی دیر میں اس کی صورت بالکل ہی بندر جیسی ہو گئی۔ ہم لوگوں نے نماز فجر کے بعد اس کو پکڑ کر اونٹ کے پالان کے اوپر رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ غروب آفتاب کے وقت جب ہم ایک جنگل میں پہنچے تو چند بندر وہاں جمع تھے۔ جب اس نے بندروں کے غول کو دیکھا تو رسی تڑوا کر یہ اونٹ کے پالان سے کود پڑا اور بندروں کے غول میں شامل ہو گیا۔ ہم لوگ حیران ہو کر تھوڑی دیر وہاں ٹھہر گئے تاکہ ہم یہ دیکھ سکیں کہ بندروں کا غول اس کے ساتھ کس طرح پیش آتا ہے تو ہم نے یہ دیکھا کہ یہ بندروں کے پاس بیٹھا ہوا ہم لوگوں کی طرف بڑی حسرت سے دیکھتا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ گھڑی بھر کے بعد جب سب بندر وہاں سے دوسری طرف جانے لگے تو یہ بھی ان بندروں کے ساتھ چلا گیا۔ (شواہد النبوۃ)

اسی طرح حضرت امام مستغفری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرد صالح سے نقل کیا ہے کہ کوفہ کا ایک شخص جو حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہا کرتا تھا ہر چند ہم لوگوں نے اس کو منع کیا مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہا، تنگ آ کر ہم لوگوں نے اس کو کہہ دیا کہ تم ہمارے قافلہ سے الگ ہو کر سفر کرو۔ چنانچہ وہ ہم لوگوں سے الگ ہو گیا جب ہم لوگ منزل مقصود پر پہنچ گئے اور کام پورا کر کے وطن کی واپسی کا قصد کیا تو اس شخص کا غلام ہم لوگوں سے ملا، جب ہم نے اس سے کہا کہ کیا تم اور تمہارا مولیٰ ہمارے قافلہ کے ساتھ وطن جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟ یہ سن کر غلام نے کہا کہ میرے مولیٰ کا حال تو بہت ہی برا ہے، ذرا آپ لوگ میرے ساتھ چل کر اس کا حال دیکھ لیجئے۔

غلام ہم لوگوں کو ساتھ لے کر ایک مکان میں پہنچا وہ شخص اداس ہو کر ہم لوگوں سے کہنے لگا کہ مجھ پر تو بہت بڑی افتاد پڑ گئی۔ پھر اس نے اپنی آستین سے دونوں ہاتھوں کو نکال کر دکھایا تو ہم لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس کے دونوں ہاتھ خنزیر کے ہاتھوں کی

دہشت زدہ ہو گئے تھے۔ آخر ہم لوگوں نے اس پر ترس کھا کر اپنے قافلہ میں شامل کر لیا لیکن دوران سفر ایک جگہ چند خنزیروں کا ایک جھنڈ نظر آیا اور یہ شخص بالکل ہی ناگہاں مسخ ہو کر آدمی سے خنزیر بن گیا اور خنزیروں کے ساتھ مل کر دوڑنے بھاگنے لگا مجبوراً ہم لوگ اس کے غلام اور سامان کو اپنے ساتھ کوفہ تک لائے۔ (شواہد النبوۃ)

کسی کام کے انجام اور مستقبل کے حالات کو جان لینا، ہر شخص جانتا ہے کہ یقیناً یہ غیب کا علم ہے۔ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا کرامات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے کشف والہام کے طور پر ان غیبوں کا علم عطا فرما دیا تھا۔

انصاف کیجئے کہ جب خلیفہ پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے الہام وکشف کے ذریعہ علم غیب کی کرامت عطا فرمائی تو کیا اس نے اپنے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو اپنی مقدس وحی کے ذریعہ علم غیب کا معجزہ نہ عطا فرمایا ہوگا؟ کیا معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو علم غیب بتانے کی قدرت نہیں یا نعوذ باللہ! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں علم غیب حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں۔ بتائیے دنیا میں کون ایسا احمق ہے جو خدا عزوجل کی قدرت اور اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلاحیت سے انکار کر سکتا ہے جب خدا عزوجل کی قدرت مسلم اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلاحیت تسلیم ہے تو پھر بھلا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے علم غیب کا انکار کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟

شیخین کا دشمن کتا بن گیا

اسی طرح حضرت امام مستغفری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بزرگ سے ناقل ہیں کہ میں نے ملک شام میں ایک ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کی جس نے نماز کے بعد حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں بددعا کی۔ جب دوسرے سال میں نے اسی مسجد میں نماز پڑھی تو نماز کے بعد امام نے حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں بہترین دعا مانگی، میں نے مصلیوں سے پوچھا کہ تمہارا پرانا امام کیا ہوا؟ تو لوگوں نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ چل کر اس کو دیکھ لیجئے! میں جب ان لوگوں کے ساتھ ایک مکان میں پہنچا تو یہ دیکھ کر مجھ کو بڑی عبرت ہوئی کہ ایک کتا بیٹھا ہوا ہے اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ تم وہی امام ہو جو حضرات شیخین کے لئے بددعا کیا کرتا تھا؟ تو اس نے سر ہلا کر جواب دیا کہ ہاں۔ (شواہد النبوۃ)

اللہ اکبر! سبحان اللہ! کیا عظیم الشان ہے شان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی! بالخصوص یار غار رسول حضرت امیر المؤمنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی۔ کیا خوب کہا ہے کسی مداح صحابہ نے

بیچ میں شمع تھی اور چاروں طرف پروانے	ہر کوئی اس کے لئے جان جلانے والا
دعویٰ الفت احمد تو سبھی کرتے ہیں	کوئی نکلے تو ذرا رنج اٹھانے والا
کام الفت کے تھے وہ جن کو صحابہ نے کیا	کیا نہیں یاد تمہیں غار میں جانے والا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دوستی کا بیان

93- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ

93 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6126 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3655

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنِّیْ اَبْرَاُ اِلٰی كُلِّ خَلِیْلٍ مِنْ خُلَّتِهٖ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا اِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ قَالَ وَكِيْعٌ يَعْنِیْ نَفْسَهٗ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: خبردار میں ہر خلیل کی دوستی سے بری الذمہ ہوں اگر میں نے کسی کو خلیل بنانا ہوتا' تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن تمہارے آقا (یعنی نبی کریم ﷺ) اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ وکیع نامی راوی بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی مراد آپ ﷺ کی اپنی ذات تھی۔

شرح

امام احمد ابن حنبل کی روایت میں یوں ہے کہ ابوبکر میرے دینی بھائی ہیں اور میرے یار غار ہیں اور مسند ابولیلی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں: ابوبکر صاحبی ومونسی فی الغار سدوا کل خوخۃ فی المسجد غیر خوخۃ ابی بکر۔ "ابوبکر میرے غار کے رفیق اور مونس ہیں، مسجد کی جانب تمام کھڑکیاں یا روشن دان بند کردیے جائیں علاوہ ابوبکر کی کھڑکی یا روشن دان کے۔" اس روایت کو ابوحاتم نے بھی نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: سدوا الخ دراصل اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ میرے بعد خلافت کا پہلا استحقاق ابوبکر کا ہے ان کے علاوہ باقی تمام لوگوں کی آرزوئے خلافت کا دروازہ بند ہے۔

"اللہ نے اپنا خلیل بنالیا ہے" پہلی حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو اپنا خلیل بنایا ہے اور یہاں اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا خلیل بنایا، اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جو شخص محبت میں صادق و خالص ہوتا ہے وہ خود مرتبہ محبوبیت کو پہنچ جاتا ہے یحبہم ویحبونہ۔ "ہر کہ اور در عشق صادق آمدہ است بر سرش معشوق عاشق آمدہ است دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "حبیب اللہ" تھے اور "حبیب" اس محبت کو کہتے ہیں جو مرتبہ محبوبیت کو پہنچ جائے بعض حضرات خلت کو اعلی اخص قرار دیتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتبہ محبت اور خلت کا جامع کہتے ہیں۔ نیز امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت سے زیادہ کامل اور اتم ہے، بہرحال مذکورہ بالا حدیث اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل صحابہ ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اسلام کی مالی خدمات کا بیان

94- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَعَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَفَعَنِیْ مَالٌ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَكْرٍ فَبَكٰی اَبُوْ بَكْرٍ وَقَالَ هَلْ اَنَا وَمَالِیْ اِلَّا لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "کسی کے مال نے بھی مجھے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے مجھے نفع دیا ہے"۔ راوی بیان کرتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے' انہوں نے عرض کی: "میں اور میرا مال آپ ﷺ ہی کا ہے۔ یارسول اللہ (ﷺ)!

94 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ اور رسول ﷺ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حضرت ابوبکر نے اپنا یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں اور اللہ کے رسول کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ فان لہ عندنا یدا یکافہ اللہ الخ کے ذریعہ حضرت ابوبکر کے جس عطاء و امداد کے عظیم سلوک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے ان کا وہ عظیم مالی ایثار مراد ہے جو انہوں نے حضرت بلال کو کافروں سے خرید کر اللہ کے رسول کی خوشنودی کی راہ میں آزاد کردینے کی صورت میں کیا تھا۔ اور جس کی طرف قرآن کریم نے بھی اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔ (وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى 17 الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ، الیل 17-18)" اور اس (دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ) سے ایسا شخص دور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے اور جو اپنا مال اس غرض سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے کہ (گناہوں سے) پاک ہوجائے۔

"جتنا ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے" اس کی سب سے بڑی دلیل وہ واقعہ ہے کہ جب ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے اللہ کی راہ میں مالی امداد و تعاون کے لئے کہا تو ہر شخص نے اپنی اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق جو کچھ مناسب سمجھا لاکر دیا اور حضرت ابوبکر گھر کا سارا اثاثہ و سامان سمیٹ کر لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا، اپنی اور اپنے اہل و عیال کی بڑی سے بڑی ضرورت کا بھی کوئی سامان گھر میں نہیں رہنے دیا۔ یہاں تک کہ جب تمام مال و سامان اللہ کی راہ میں خرچ کردیا اور بدن کے کپڑوں تک کے لئے کچھ نہ رہا، تو کملی کو بدن پر اس طرح لپیٹ لیا کہ کانٹے لگا کر اس کا خرقہ سا بنالیا۔ اسی مناسبت سے حضرت ابوبکر کا ایک لقب "ذوالخلال" بھی ہے، خلال کانٹے کو کہتے ہیں۔

ریاض الصالحین میں یہ روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے تو (یہ سن کر) حضرت ابوبکر رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری جان اپنی ہے، نہ میرا مال اپنا ہے، میرے پاس جو کچھ بھی ہے سب آپ ہی کی ملکیت ہے۔۔ موافقات میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان شخص کا مال میرے لئے ابوبکر کے مال سے زیادہ نافع نہیں ہے، نیز حضرت ابوبکر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس ہزار درہم خرچ کئے۔

عروہ کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے اسلام قبول کیا تو اس وقت ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور وہ سب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فی سبیل اللہ خرچ کئے۔ عروہ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے وہ سات غلام خرید کر اللہ کی راہ میں آزاد کئے جو (قبولیت اسلام) کی وجہ سے اپنے آقاؤں اور مالکوں کی طرف سے سخت ظلم و تشدد کا شکار تھے۔ حضرت بلال اور حضرت عامر ابن فہیرہ ان ہی سات میں سے ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی سرداری کا بیان

95- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُمَارَةَ عَنْ فِرَاسٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ

95: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3666

الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ لَا تُخْبِرْهُمَا يَا عَلِيُّ مَا دَامَا حَيَّيْنِ

●● حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی ﷺ نے یہ فرمایا تھا: ''ابوبکر اور عمر انبیاء اور مرسلین کے علاوہ اہل جنت کے پہلے والے اور بعد والے تمام عمر رسیدہ لوگوں کے سردار ہیں''۔ ''اے علی! جب تک یہ دونوں زندہ ہیں' تم ان دونوں کو یہ بات نہ بتانا''۔

شرح

ظاہر ہے جنت میں تو کوئی بھی ادھیڑ عمر کا نہیں ہوگا سب "جوان" ہوں گے اس لئے "ادھیڑ عمر والوں" سے مراد وہ لوگ ہیں جو ادھیڑ عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوں گے۔ "اگلوں" سے مراد گزشتہ امتوں کے لوگ مراد ہیں جن میں اصحاب کہف، آل فرعون کے اہل ایمان اور حضرت خضر بھی شامل ہیں بشرطیکہ وہ قول صحیح ہو جس کے مطابق حضرت خضر، نبی نہیں ولی ہیں اور پچھلوں سے مراد اس امت کے لوگ ہیں جن میں تمام اولیاء اللہ اور شہداء بھی شامل ہیں۔ سوائے نبیوں اور رسولوں کے " کی قید سے حضرت عیسیٰ اور دوسرے نبیوں رسولوں کا بھی استثناء ہو گیا اور ان حضرات کے مطابق حضرت خضر بھی مستثنیٰ ہو گئے جن کا کہنا ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کیلئے اعلیٰ درجات کا بیان

96- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَّعَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْلَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى يَرَاهُمْ مَنْ اَسْفَلَ مِنْهُمْ كَمَا يُرَى الْكَوْكَبُ الطَّالِعُ فِي الْاُفُقِ مِنْ اٰفَاقِ السَّمَآءِ وَاِنَّ اَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ مِنْهُمْ وَاَنْعَمَا

●● حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلند درجات کے مالک لوگوں کو (جنت میں) نچلے درجے والے لوگ اس طرح دیکھیں گے' جس طرح تم آسمان کے افق میں طلوع ہونے والے ستارے کو دیکھتے ہو' ابوبکر اور عمر بھی ان (بلند درجات والوں میں شامل ہوں گے) اور یہ دونوں کتنے اچھے ہیں۔

اس حدیث سے شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کے درجات کی بلندی کا علم ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی پیروی کا بیان

97- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ح وَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ مَوْلًى لِرِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ

96. اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 3658

97. اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 3662' ورقم الحدیث: 3663' ورقم الحدیث: 3799

الْیَمَانِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَا اَدْرِیْ مَا قَدْرُ بَقَائِیْ فِیْکُمْ فَاقْتَدُوْا بِاللَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ وَاَشَارَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم، میں تم لوگوں کے درمیان اور کتنا عرصہ رہوں گا؟ میرے بعد ان دو لوگوں کی پیروی کرنا' نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرکے یہ بات فرمائی۔

شرح

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درسگاہ نبوت ﷺ میں حاضری کا مکلف ایک خاص حکم کے ذریعہ بنایا تھا کہ ہر وقت ایک متعدد جماعت اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں اسلام سیکھنے کیلئے حاضر رہے اس لئے کہ کب کوئی آسمانی حکم اور شریعت کا کوئی قانون عطا کیا جائے، لہٰذا ایک جماعت کی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری لازمی تھی اور ان کو بھی حکم تھا کہ جو حضرات خدمت رسالت ﷺ میں موجود نہیں ہیں ان تک ان نئے احکام اور آیات کو پہنچائیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا شیخین کی فضیلت کو بیان کرنا

98- حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ اٰدَمَ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَکِ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ حُسَیْنٍ عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ لَمَّا وُضِعَ عُمَرُ عَلٰی سَرِیْرِہٖ اکْتَنَفَہُ النَّاسُ یَدْعُوْنَ وَیُصَلُّوْنَ اَوْ قَالَ یُثْنُوْنَ وَیُصَلُّوْنَ عَلَیْہِ قَبْلَ اَنْ یُّرْفَعَ وَاَنَا فِیْہِمْ فَلَمْ یَرُعْنِیْ اِلَّا رَجُلٌ قَدْ زَحَمَنِیْ وَاَخَذَ بِمَنْکِبِیْ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فَتَرَحَّمَ عَلٰی عُمَرَ ثُمَّ قَالَ مَا خَلَّفْتَ اَحَدًا اَحَبَّ اِلَیَّ اَنْ اَلْقَی اللّٰہَ بِمِثْلِ عَمَلِہٖ مِنْکَ وَایْمُ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُ لَاَظُنُّ لَیَجْعَلَنَّکَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ مَعَ صَاحِبَیْکَ وَذٰلِکَ اَنِّیْ کُنْتُ اُکْثِرُ اَنْ اَسْمَعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ذَہَبْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَدَخَلْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَخَرَجْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ فَکُنْتُ اَظُنُّ لَیَجْعَلَنَّکَ اللّٰہُ مَعَ صَاحِبَیْکَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ (کی میت) کو تخت پر رکھا گیا لوگوں نے انہیں گھیر لیا وہ ان کا جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے ان کے لئے دعا کر رہے تھے۔ میں بھی ان میں موجود تھا میرا ذہن اس وقت متوجہ ہوا جب کسی شخص نے میرے کندھے کو پکڑا۔ وہ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے رحمت کی اور بولے: آپ نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جس کے بارے میں مجھے یہ پسند ہو کہ میں اس کے عمل کی طرح کا عمل لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے یہ امید ہے اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ رکھے گا کیونکہ مجھے یاد ہے' میں نے بکثرت نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد

98 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 3677' ورقم الحدیث: 3685' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6137' ورقم الحدیث 6138

فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "میں ابوبکر اور عمر گئے"؛ "میں ابوبکر اور عمر اندر آئے"؛ "میں ابوبکر اور عمر باہر گئے"۔

تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ رکھے گا۔

شرح

اس حدیث سے عمر رضی اللہ عنہ کی بڑی فضیلت معلوم ہوئی، اور معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان سے خاص محبت تھی، وہ ان کے جنازے کو گھیرے ہوئے تھے، اور ان کے لئے دعائے خیر کر رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کا بیان

جلیل القدر صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: آپ لوگوں میں جو شخص بھی کسی طریقے کو اپنانا چاہتا ہے، اسے چاہئے کہ وہ اُن کے طریقے کو اپنائے جو فوت ہو چکا ہے، (یعنی جو اُس وقت فوت شدہ صحابہ تھے) کیونکہ زندہ انسان کی فتنے سے بچنے کی کوئی گارنٹی نہیں، اور وہ لوگ نبی کریم ﷺ کے صحابہ ہی ہیں (جو اس دنیا سے چلے گئے ہیں اور انہی کی پیروی میں بھلائی ہے)۔ جو اس امت کے افضل ترین لوگ تھے، انتہائی نیک دل، راسخ علم والے، کم سے کم تکلف کرنے والے، وہ ایسے لوگ تھے جنہیں اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور اقامتِ دین کے لئے منتخب فرمایا، تو تم سب ان کی فضیلت کو پہچانو، اُن کے نقش قدم پر چلو، اور جتنا ممکن ہو ان کے اخلاق اور دین کو اپناؤ؛ کیونکہ وہ سیدھے راستے پر تھے۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور نبی کریم ﷺ کی معیت کا بیان

99- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مَيْمُوْنٍ الرَّقِّيُّ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ اُمَيَّةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ فَقَالَ هٰكَذَا نُبْعَثُ

◆◆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو آپ کے ایک جانب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسری جانب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہمیں (قیامت کے دن) اسی طرح مبعوث کیا جائے گا۔

اہل جنت کی سرداری کا بیان

100- حَدَّثَنَا اَبُوْ شُعَيْبٍ صَالِحُ بْنُ الْهَيْثَمِ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوْسِ بْنُ بَكْرِ بْنِ خُنَيْسٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِيْ جُحَيْفَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ

◆◆ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ جنت کے

99۔ اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3669

100۔ اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

(دنیا میں) پہلے آنے والے یا بعد میں آنے والے تمام عمر رسیدہ افراد کے سردار ہیں البتہ انبیاء اور مرسلین کا حکم مختلف ہے''۔

شرح افضل یار غار رفیق مزار جنتیوں کے سردار سید الصحابہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل ان کی خلیفہ اول خلیفہ بلا فصل ہونے کی خصوصیات بہت ارفع و اعلیٰ ہیں جن سے تاریخ وسیر کی کتب بھری پڑی ہیں۔ حقیقت تو یہی ہے کہ اگر آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کیے جائیں تو یہ صفحات یقیناً سمندر کے سامنے قطرہ اور سورج کے سامنے چراغ دکھانے کے مترادف قرار دیے جا سکتے ہیں فضائل پر کثیر روایات و واقعات کو دیکھنے کے بعد حقیقت میں یہ فیصلہ کرنا قطعی مشکل امر نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ ہی افضل البشر بعد الانبیاء والمرسلین ہیں۔ یہاں تک کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب آدمیوں سے بہتر کون ہے؟ تو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ابو بکر پھر عرض کیا گیا اس کے بعد کون؟ فرمایا حضرت عمر۔ (بخاری شریف راوی حضرت محمد بن حنفیہ)

ایک اور روایت پڑھتے جایئے جسے امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمٰن نے اپنے مضمون تفضیلۃ الشیخین میں نقل فرمایا۔ ابو عمر بن عبد اللہ حکم بن حجل سے اور دار قطنی اپنی سنن میں راوی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ جسے میں پاؤں گا شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ سے مجھے افضل بتاتا ہے (اور مجھے ان میں سے کسی پر فضیلت دیتا ہے) اسے مفتری (افتراء بہتان لگانے والے) کی حد ماروں گا کہ 180 اسی کوڑے ہیں۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ہمارا کردار

واقعہ معراج کی سب سے پہلے تصدیق فرما کر صدیق اکبر کا لقب پانے والے غلاموں کو آزاد کروا کر عتیق من النار کا مژدہ جانفزا سننے والے ایسی زبردست ہستی ایسا شاندار کردار اپنے مال سے اسلام کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والے ہجرت مدینہ میں ثانی اثنین کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے والے اصاحبہ میں صحابیت کا قطعی صحابی ہونا یعنی جو آپ رضی اللہ عنہ کو صحابی نہ مانے وہ اسلام سے خارج عشق رسول اللہ ﷺ میں سب سے آگے تمام غزوات میں پیش پیش تن من دھن سب کچھ محبوب ﷺ پر قربان فرمانے والے ناموس رسالت کے سب سے بڑے محافظ و پاسباں جھوٹے مدعیان نبوت کا خاتمہ فرمانے والے ارکان اسلام میں فرق نہ کرنے والے یعنی نماز و زکوۃ میں فرق کرنے والوں سے جہاد فرمانے والے مرتدین سے قتال فرمانے والے اور سب سے بڑھ کر اسلام کی کشتی کو ڈوبنے سے بچانے والے سنت رسول ﷺ کا احیاء فرمانے والے لشکر اسامہ بن زید کو روانہ فرما کر اسلام کو مضبوط و مستحکم فرمانے والے اور امت میں سب سے زیادہ بہادر۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے آپ کا نام لیا تو آپ نے فرمایا۔ سب سے زیادہ بہادر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا بیان

101- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ وَالْحُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ الْمَرْوَزِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ

حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ عَائِشَةُ قِيْلَ مِنَ الرِّجَالِ قَالَ اَبُوْهَا.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں عرض کی گئی: یارسول اللہ ﷺ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عائشہ۔ عرض کی گئی: مردوں میں سے کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کا والد۔

شرح

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات کوئی معمولی شخصیت نہیں جنہیں بھلادیا جائے۔ جناب ان کے تو اسلام ومسلمانوں پر اتنے احسانات ہیں جن کا کوئی شمار نہیں۔ خود حضور ﷺ ارشاد فرمارہے ہیں کہ دنیا میں مجھ پر جس نے بھی احسان کیا میں نے اس کا بدلہ دے دیا سوائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہ جن کے احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی ذات کل بروز قیامت اتارے گی۔ (تاریخ الخلفاء، علامہ جلال الدین سیوطی)

شیخین کے مناقب کا بیان

حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک چاندنی رات میں جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سرمبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کسی کی اتنی نیکیاں بھی ہیں جتنے آسمان پر ستارے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: ہاں وہ عمر ہیں (جن کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں) پھر میں نے عرض کیا کہ ابوبکر کی نیکیوں کا کیا حال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عمر کی تمام نیکیاں ابوبکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی کے برابر ہیں۔ (رزین، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: رقم الحدیث، 677)

ایک نیکی کے برابر ہیں" مطلب یہ کہ ابوبکر کی نیکیاں عمر کی نیکیوں سے کہیں زیادہ ہیں اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ عمر کی نیکیاں ابوبکر کی نیکیوں سے کہیں زیادہ ہیں تو بھی ابوبکر افضل ہیں کیونکہ ان کو کمال اخلاص اور شہود معرفت کا جو خصوصی مرتبہ حاصل ہے اس نے ان کی نیکیوں کو کیفیت وحیثیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ گرانقدر اور بلند مرتبہ بنادیا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے ابوبکر کو تم پر فضیلت وبرتری حاصل ہے وہ اس بناء پر نہیں ہے کہ ان کی نمازیں تمہاری نمازوں سے زیادہ ہیں اور ان کی روزے تمہارے روزوں سے زیادہ ہیں بلکہ اس جوہر کی بناء پر ہے جو ان کے دل میں رکھا گیا ہے۔

شیخین کیلئے جنت کی بشارت کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) فرمانے لگے: (دیکھو ابھی) تمہارے سامنے ایک شخص آئے گا جو جنتیوں میں سے ہے" پس (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہی تھا کہ) حضرت ابوبکر سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: (دیکھو ابھی) تمہارے سامنے ایک ایسا شخص آئے گا جو جنتیوں میں سے ہے" پس (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہی تھا کہ) حضرت عمر سامنے سے آتے نظر آئے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے

1: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3890

اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد پنجم: رقم الحدیث 676)

جنت کی بشارت مختلف احادیث میں متعدد صحابہ کے لئے آئی ہے، اس حدیث میں یہ بشارت چونکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے لئے ایک ساتھ مذکور ہے اس لئے اس حدیث کو یہاں نقل کیا گیا۔

نبوت کی خلافت کا بیان

حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے عرض کیا کہ میں خواب میں دیکھا کہ گویا ایک ترازو آسمان سے اتری اور (اس ترازو میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تولا گیا تو آپ کا وزن زیادہ رہا پھر ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ کو تولا گیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ رہا اور پھر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کو تولا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ رہا۔ اس کے بعد ترازو کو اٹھا لیا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے اس خواب سے غمگین ہو گئے۔

یعنی اس خواب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنجیدہ بنا دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ خلافت نبوت ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک عطا فرما دے گا۔" (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: رقم الحدیث 675)

غمگین ہو گئے "یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کو سن کر یہ تعبیر لی کہ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد فتنوں کا دور شروع ہو جائے گا، دینی و ملی امور میں انتشار و اضمحلال آ جائے گا اور عالم اسلام کی اس شان و شوکت کو نقصان پہنچانے کی کوششیں اپنا اثر دکھانے لگیں گے جو خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں اپنے عروج پر پہنچ چکی ہوں گی۔

"یہ خلافت نبوت ہے" یعنی ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت ہی حقیقی معنی میں خالص خلافت نبوت کہلانے کی مستحق ہوگی جس میں بادشاہت و ملوکیت کی ذرا بھی آمیزش نہیں ہوگی اور ان کی خلافت کا زمانہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر کامل و منتہی ہوگا عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کا جو دور آئے گا اس میں ملوکیت (بادشاہت) کی آمیزش در آئے گی۔ نبوت اور خلافت نبوت کے منہاج کے خلاف کچھ باتیں شامل ہو جائیں گی اور حکومت و ملت کے انتظامی ڈھانچے میں بعض بے قاعدگیاں راہ پا جائیں گی اور پھر خلافت اربعہ کے بعد تو پوری طرح ملوکیت قائم ہو جائے گی جس کو "گزندہ بادشاہت" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

رہی بات کہ "ترازو کے اٹھ جانے" سے مذکورہ تعبیر کس بناء پر سمجھی گئی تو اس کو اس سیاق میں دیکھنا چاہیے کہ ایک دوسرے کے ساتھ انہی چیزوں کو تولا جاتا ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے لگ بھگ ہوں، جو چیز آپس میں بعید و متباین (ان میل) ہوں ان کو ایک دوسرے کے ساتھ تولنا کوئی معنی نہیں رکھتا اس لئے ترازو کا اٹھا لیا جانا اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تولنے کا سلسلہ موقوف ہو جانا اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ جو چیزیں آپس میں ایک دوسرے کے لگ بھگ ہو سکتی ہیں اور جن کا تولا جانا مقصود ہو سکتا ہے وہ ختم ہو چکی ہیں اسی بنیاد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر لی کہ یہ خواب ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ کے بعد امر خلافت میں انحطاط کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ رہا سے یہ مطلب نکلا کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، اسی طرح

"عمر کا وزن زیادہ رہا" کا یہ مطلب ہوا کہ حضرت عمر حضرت عثمان سے افضل ہیں۔ خواب دیکھنے والے نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا تولا جانا نہیں دیکھا۔ یہ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا تفاضل کا مسئلہ سلف کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے کہ جیسا کہ بعض کتب کلامیہ مذکور بھی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے دو وزراء کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کے دو وزیر آسمان والوں میں سے اور دو وزیر زمین والوں میں سے نہ ہوں۔

پس آسمان والوں میں سے میرے دو وزیر تو "جبرائیل" اور "میکائیل" علیہما السلام ہیں اور زمین والوں میں سے میرے دو وزیر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: رقم الحدیث، 674)

آسمان والوں" سے مراد فرشتے ہیں، ان فرشتوں میں سے جو دو فرشتے نبی اور رسول کے وزیر مقرر ہوتے ہیں ان کا کام عالم ملکوت سے اس نبی اور رسول کی امداد واعانت کرنا ہوتا ہے۔ "زمین والوں" سے مراد اس نبی اور رسول کی امت کے لوگ اور اس کے رفقاء اور محبین ہیں، ان رفقاء ومحبین میں سے دو آدمی اس نبی اور رسول کے بہت قریب اور بہت زیادہ دانا دور اندیش اور باصلاحیت ہوتے ہیں ان کا وہی مقام ومرتبہ ہوتا ہے جو کسی بادشاہ کے وزیروں کا ان دونوں "وزیروں" کا کام اس عالم ناسوت میں اپنے نبی ورسول کی خدمت ونصرت کرنا ہوتا ہے اور جب کوئی مشورہ طلب مسئلہ پیش آتا ہے تو نبی ورسول ان سے مشورہ کرتا ہے۔ اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام (بلکہ تمام فرشتوں) سے افضل واعلی ہیں اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے افضل واعلی ہیں۔

جب کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام لوگوں میں سب سے افضل واعلی ہیں نیز "ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے الفاظ اس حقیقت کی دلیل ہیں کہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں کیونکہ ان الفاظ میں حرف واگرچہ مطلق جمع کے لئے ہے لیکن اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ یہ صاحب حکمت ودانائی کا کلام ہے اور ممکن نہیں کہ ان دونوں ناموں کے ذکر میں مذکورہ ترتیب (کہ پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام آیا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا) حکمت ومصلحت سے خالی ہو اور حکمت ومصلحت اس کے علاوہ کیا ہوسکتی ہے کہ جب دو ناموں کا ایک ساتھ ذکر کیا جاتا ہے تو پہلے وہی نام آتا ہے جو دوسرے سے افضل واعلی ہوتا ہے۔

شیخین اور نبی کریم ﷺ کی معیت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ حجرہ شریف سے نکل کر مسجد میں داخل ہوئے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میں سے ایک صاحب آپ کی دائیں طرف تھے اور ایک صاحب بائیں طرف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ہمیں اسی طرح اٹھایا

جائے گا، (یعنی ہم تینوں اپنی قبروں سے اسی طرح ایک ساتھ اٹھیں گے اور ہاتھ میں ہاتھ ڈالے میدان حشر تک پہنچیں گے) اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوۃ شریف۔ جلد پنجم۔ رقم الحدیث،672)

بَابُ: فَضْلِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

یہ باب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بیان میں ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مختصر احوال کا بیان

حضور نبی کریم ﷺ کے خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کے والد قریش کے قبیلہ بنی عدی کے سردار تھے۔ یہ قبیلہ ذہانت، بصیرت، بہادری اور خطابت میں سب سے ممتاز تھا، یہ تمام خصوصیات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ورثہ میں حاصل ہوئی تھیں۔ آپ جب جوان ہوئے تو پورے ملک میں آپ کی بے پناہ بہادری اور قوت کا زبردست چرچا تھا۔

اسلام قبول کرنے والے خوش نصیب مردوں کی اولین فہرست میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام گرامی چالیسویں نمبر پر ہے۔ اس وقت مسلمان خواتین کی تعداد گیارہ تھی۔ یہ وہ صبر آزما وقت تھا جب آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں پر کفار قریش نے ظلم وستم کا ایک روح فرسا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور مسلمانوں نہیں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ علی الاعلان نماز بھی ادا کر سکیں۔ ان سنگین حالات میں نبی کریم ﷺ دعا مانگا کرتے تھے اے اللہ! عمرو بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب سے جو تجھ کو پیارا ہو، اسلام کو عزت عطا فرما۔ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جن کی اہمیت کو خود نبی کریم ﷺ نے محسوس فرمایا اور اپنی دعا سے یہ واضح کر دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا اسلام کی عظمت وشوکت کا باعث ہو گا اور بعد کے واقعات نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور کافروں کا زور ٹوٹ گیا۔ خانہ کعبہ میں علی الاعلان نماز ادا کی جانے لگی۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد جو ایمان لانے میں پس وپیش کر رہی تھی، خوف دور ہو جانے کے باعث مشرف بہ اسلام ہو گئی۔ روایت کے مطابق جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ یا محمد ﷺ! تمام آسمان والے عمر رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے سے بے حد مسرور ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذہانت، بصیرت اور معاملہ فہمی کا یہ عالم تھا کہ اذان کا طریقہ، شراب پر پابندی، ازواج مطہرات کا پردہ اور بعض دیگر مسائل کے متعلق قرآن مجید کی جو آیات نازل ہوئیں وہ سب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشوروں کی تائید میں تھیں۔ یہاں تک کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور روئے زمین کے تمام زندہ لوگوں کے علوم ایک پلہ میں تو یقیناً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم ان سب کے علم سے زیادہ ہوگا۔ احادیث میں آپ کی بڑی جلیل فضیلتیں بیان ہوئی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: آسمان کا ہر فرشتہ عمر رضی اللہ عنہ کی توقیر کرتا ہے اور زمین کا ہر شیطان ان کے خوف سے لرزتا ہے۔ (ابن عساکر)

نیز حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے عمر رضی اللہ عنہ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے عمر رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا۔ (طبرانی)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اس شخص سے بری و بیزار ہوں جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر بدی کے ساتھ کرے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جتنے غزوات میں حصہ لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان میں شرکت کی۔ غزوہ بدر اور غزوہ حنین میں جب کفار و مشرکین آنحضرت ﷺ کو نقصان پہنچانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ہمراہ جانبازی اور دلیری سے مقابلہ کر کے دشمنوں کے عزائم کو ناکام بنادیا۔ غزوہ تبوک کی تیاری کے فنڈ میں آپ نے اپنا نصف اثاثہ بارگاہ رسالت میں حاضر کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اوصاف جمیلہ کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے چند روز قبل اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے معلوم کر کے مسجد میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ خلافت کے منصب پر فائز کرنے کی تجویز پیش کی۔ سب نے بارضا و رغبت اتفاق رائے سے تائید کی۔ چنانچہ خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ 22 جمادی الثانی 13 ہجری کو مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ کا دور خلافت دس برس، چھ ماہ اور اٹھارہ دن ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عامۃ الناس کی زندگی خوشحال بنانے کے لئے ایک ایسا عظیم الشان اقتصادی نظام نافذ کیا جس کی مثال انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اگر یہ نظام آج بھی من وعن اختیار کیا جائے تو بھوک، بیماری، غربت اور جہالت کے سیاہ بادل چشم زدن میں غائب ہوسکتے ہیں۔ آپ نے اقتصادی نظام کی عمارت سنت رسول اللہ ﷺ پر رکھی اور اعلان کیا کہ دجلہ سے نیل تک اگر ایک فرد بھی بھوکا، ننگا، مظلوم، یا تکلیف میں رہا تو قیامت کے دن مجھے اس کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔

آپ کو انسانی فلاح و بہبود کی دن رات فکر دامن گیر رہتی تھی۔ آپ راتوں کو گشت کر کے ان کے حالات اور تکالیف معلوم کرنے کی کوشش کرتے اور موقعہ پر ہی امداد و اعانت کرتے اور اپنی ذات کے لئے فرماتے ہیں: میرے لئے دو کپڑے لینا حلال ہیں ایک سردی اور دوسرا گرمی کے لئے۔ جب کہ حج و عمرہ کے لئے صرف ایک سواری درکار ہے۔ نیز میری اور میرے اہل خانہ کی خوراک وہی ہوگی۔ جو قریش کے کسی متوسط الحال فرد کی ہوتی ہے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا پورا دور خلافت اور بالخصوص ان کا سیاسی نظام مسلم حکمرانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ عہد فاروقی میں مکمل اسلامی نظام نافذ تھا۔ حکام کا فرض تھا کہ وہ گھر گھر ہر فرد کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کا فریضہ اسلامی ادا کریں اور خود عامۃ الناس کے معیار زندگی کو اختیار کریں۔ دوسری جانب رعایا کا فرض تھا کہ وہ دین کی حدود میں رہتے ہوئے امیر کی اطاعت کریں۔

جب بیت المقدس پر پہلی مرتبہ مسلم امہ کا فاتحانہ پرچم لہرایا۔ آپ کی عظیم سلطنت کی سرحد ایک جانب افریقہ کے صحراؤں اور دوسری جانب عراق، شام، فلسطین، مصر اور ایران وغیرہ تک پہنچ چکی تھی۔ اس قلیل مدت میں عظیم الشان فتوحات پر بنی نوع انسان کی

پوری تاریخ حیران ہے۔ بلاشبہ میدان جنگ میں ان فتوحات کا سہرا حضرت خالد بن ولید، حضرت ابوعبیدہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم جیسے نامور جرنیلوں کے سر ہے۔ لیکن تاریخ کا کہنا ہے کہ خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر محاذ کی تازہ صورتحال سے نہ صرف باخبر رہتے تھے بلکہ ہر مورچہ کی چھوٹی سے لے کر بڑی تمام جنگی حکمت عملی آپ کی ہدایت کے مطابق تشکیل دی جاتی تھی۔ یہی سبب تھا کہ اس وقت کے بڑے بڑے حکمران اور انکی افواج و عوام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام ہی سے سراسیمہ اور خوفزدہ ہو جاتے تھے۔

اسلامی تقویم سن ہجری حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہی کے عہد خلافت میں شروع کی گئی تھی۔ آپ کے دور میں تقریباً چار ہزار مساجد تعمیر ہوئیں۔ نئے پل، سڑکیں، مسافر خانے، نہریں اور کنویں وغیرہ تعمیر کیئے گئے۔ مدارس قائم کیے گئے۔ جہاں قرآن مجید، تفسیر، حدیث، فقہ اور زبان وادب کی تعلیم کا اعلیٰ انتظام تھا۔ نیز مسجد نبوی کی توسیع کا اعزاز بھی آپ کو حاصل ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے کارہائے نمایاں ہر دور کے حکمرانوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

26 ذی الحجہ 23 ہجری بدھ کے دن دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نماز فجر کی امامت شروع ہی کی تھی کہ کسی شخص نے خنجر سے آپ پر لگا تار وار کیے۔ زخم گہرے تھے اور خون جاری تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون تھا جس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا؟ صحابہ نے جواب دیا کہ یہ ایرانی غلام اور ابولولو فیروز تھا، امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الحمد للہ! میرا قاتل مسلمان نہیں ہے۔ اس طرح آپ کی شہر نبوی ﷺ میں شہادت کی دعا قبول ہوئی اور یکم محرم الحرام 24 ہجری کو خالق حقیقی سے جا ملے۔

بعد وفات باجازت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے روضہ اقدس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ وہ عمر جس کے اعداء پہ شیدا سقر اُس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامات اور قبر والوں سے گفتگو

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ایک نوجوان صالح کی قبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے فلاں! اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ یعنی جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ اے نوجوان! بتا تیرا قبر میں کیا حال ہے؟ اس نوجوان صالح نے قبر کے اندر سے آپ کا نام لے کر پکارا اور بآواز بلند دو مرتبہ جواب دیا کہ میرے رب نے یہ دونوں جنتیں مجھے عطا فرما دی ہیں۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، بحوالہ حاکم)

مدینہ کی آواز نہاوند تک

امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر نہاوند کی سرزمین میں جہاد کے لیے روانہ فرما دیا۔ آپ جہاد میں مصروف تھے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے ناگہاں یہ ارشاد فرمایا کہ یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلَ (یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف اپنی پیٹھ کر لو) حاضرین مسجد حیران رہ گئے کہ حضرت ساریہ

رضی اللہ عنہ تو سرزمین نہاوند میں معروف جہاد ہیں اور مدینہ منورہ سے سینکڑوں میل کی دوری پر ہیں۔ آج امیر المؤمنین نے انہیں کیونکر اور کیسے پکارا؟ لیکن نہاوند سے جب حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کا قاصد آیا تو اس نے یہ خبر دی کہ میدان جنگ میں جب کفار سے مقابلہ ہوا تو ہم کو شکست ہونے لگی اتنے میں ناگہاں ایک چیخنے والے کی آواز آئی جو چلا چلا کر یہ کہہ رہا تھا کہ اے ساریہ اتم پہاڑ کی طرف اپنی پیٹھ کرلو۔ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی آواز ہے، یہ کہا اور فوراً ہی انہوں نے اپنے لشکر کو پہاڑ کی طرف پشت کر کے صف بندی کا حکم دیا اور اس کے بعد جو ہمارے لشکر کی کفار سے ٹکر ہوئی تو ایک دم اچانک جنگ کا پانسہ ہی پلٹ گیا اور دم زدن میں اسلامی لشکر نے کفار کی فوجوں کو روند ڈالا اور عساکر اسلامیہ کے قاہرانہ حملوں کی تاب نہ لاکر کفار کا لشکر میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ نکلا اور افواج اسلام نے فتح مبین کا پرچم لہرا دیا۔ (مشکوٰۃ باب الکرامات، حجۃ اللہ وتاریخ الخلفاء)

حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کرامت سے چند باتیں معلوم ہوئیں جو طالب حق کے لیے روشنی کا مینارہ ہیں۔

یہ کہ حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کے سپہ سالار دونوں صاحب کرامت ہیں کیونکہ مدینہ منورہ سے سینکڑوں میل کی دوری پر آواز کو پہنچا دینا یہ امیر المؤمنین کی کرامت ہے اور سینکڑوں میل کی دوری سے کسی آواز کو سن لینا یہ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کی کرامت ہے۔ یہ کہ امیر المؤمنین نے مدینہ طیبہ سے سینکڑوں میل کی دوری پر نہاوند کے میدان جنگ اور اس کے احوال وکیفیات کو دیکھ لیا اور پھر عساکر اسلامیہ کی مشکلات کا حل بھی منبر پر کھڑے کھڑے لشکر کے سپہ سالار کو بتا دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے کان اور آنکھ اور ان کی سمع وبصر کی طاقتوں کو عام انسانوں کے کان وآنکھ اور ان کی قوتوں پر ہرگز ہرگز قیاس نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کے کان اور آنکھ کو عام انسانوں سے بہت ہی زیادہ طاقت عطا فرمائی ہے اور ان کی آنکھوں، کانوں اور دوسرے اعضاء کی طاقت اس قدر بے مثل اور بے مثال ہے اور ان سے ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام پاتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر کرامت کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

حدیث مذکور بالا سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حکومت ہوا پر بھی تھی اور ہوا بھی ان کے کنٹرول میں تھی اس لئے کہ آوازوں کو دوسروں کے کانوں تک پہنچانا درحقیقت ہوا کا کام ہے کہ ہوا کے تموج ہی سے آوازیں لوگوں کے کانوں کے پردوں سے ٹکرا کر سنائی دیا کرتی ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب چاہا اپنے قریب والوں کو اپنی آواز سنا دی اور جب چاہا تو سینکڑوں میل دور والوں کو بھی سنا دی، اس لئے کہ ہوا آپ کے زیر فرمان تھی، جہاں تک آپ نے چاہا ہوا سے آواز پہنچانے کا کام لے لیا۔

سبحان اللہ! سچ فرمایا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ (یعنی جو خدا کا بندہ فرماں بردار بن جاتا ہے تو خدا اس کا کارساز ومددگار بن جاتا ہے۔ اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ　　　　　که گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

یعنی تو خدا کے حکم سے سرتابی نہ کر، تا کہ تیرے حکم سے دنیا کی کوئی چیز روگردانی نہ کرے۔

دریا کے نام خط

روایت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ مصر کا دریائے نیل خشک ہو گیا۔ مصری باشندوں نے مصر کے گورنر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فریاد کی اور یہ کہا کہ مصر کی تمام تر پیداوار کا دارومدار اسی دریائے نیل کے پانی پر ہے۔ اے امیر! اب تک ہمارا یہ دستور رہا ہے کہ جب کبھی بھی یہ دریا سوکھ جاتا تھا تو ہم لوگ ایک خوبصورت کنواری لڑکی کو اس دریا میں زندہ دفن کر کے دریا کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے تو یہ دریا جاری ہو جایا کرتا تھا اب ہم کیا کریں؟ گورنر نے جواب دیا کہ ارحم الراحمین اور رحمۃ للعالمین کا رحمت بھرا دین ہمارا اسلام ہرگز ہرگز کبھی بھی اس بے رحمی اور ظالمانہ فعل کی اجازت نہیں دے سکتا لہٰذا تم لوگ انتظار کرو میں دربار خلافت میں خط لکھ کر دریافت کرتا ہوں وہاں سے جو حکم ملے گا ہم اسی پر عمل کریں گے چنانچہ ایک قاصد گورنر کا خط لے کر مدینہ منورہ دربار خلافت میں حاضر ہوا امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے گورنر کا خط پڑھ کر دریائے نیل کے نام ایک خط تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ اے دریائے نیل! اگر تو خود بخود جاری ہوا کرتا تھا تو ہم کو تیری کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوتا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہو جا۔

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس خط کو قاصد کے حوالہ فرمایا اور حکم دیا کہ میرے اس خط کو دریائے نیل میں دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ کے فرمان کے مطابق گورنر مصر نے اس خط کو دریائے نیل کی خشک ریت میں دفن کر دیا، خدا کی شان کہ جیسے ہی امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا خط دریا میں دفن کیا گیا فوراً ہی دریا جاری ہو گیا اور اس کے بعد پھر کبھی خشک نہیں ہوا۔

(حجۃ اللہ، ازالۃ الخفاء، مقصد)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جس طرح ہوا پر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی اسی طرح دریاؤں کے پانیوں پر بھی آپ کی حکمرانی کا پرچم لہرا رہا تھا اور دریاؤں کی روانی بھی آپ کی فرماں بردار و خدمت گزار تھی۔

چادر دیکھ کر آگ بجھ گئی

روایت میں ہے آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں ایک مرتبہ ناگہاں ایک پہاڑ کے غار سے ایک بہت ہی خطرناک آگ نمودار ہوئی جس نے آس پاس کی تمام چیزوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا، جب لوگوں نے دربار خلافت میں فریاد کی تو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو اپنی چادر مبارک عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم میری یہ چادر لے کر آگ کے پاس چلے جاؤ۔ چنانچہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اس مقدس چادر کو لے کر روانہ ہو گئے اور جیسے ہی آگ کے قریب پہنچے یکایک وہ آگ بجھنے اور پیچھے ہٹنے لگی یہاں تک کہ وہ غار کے اندر چلی گئی اور جب یہ چادر لے کر غار کے اندر داخل ہو گئے تو وہ آگ بالکل ہی بجھ گئی اور پھر کبھی بھی ظاہر نہیں ہوئی۔ (ازالۃ الخفاء مقصد)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ہوا اور پانی کی طرح آگ پر بھی امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی حکمرانی تھی اور آگ بھی آپ کے تابع فرمان تھی۔

مار۔سے زلزلہ ختم

امام الحرمین نے اپنی کتاب الشاملین تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں زلزلہ آ گیا اور زمین زوروں کے ساتھ کانپنے اور ہلنے لگی۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جلال میں بھر کر زمین پر ایک درہ مارا اور بلند آواز سے تڑپ کر فرمایا

قِرِّیْ اَلَمْ اَعْدِلْ عَلَیْكِ (اے زمین! ساکن ہو جا کیا میں نے تیرے اوپر عدل نہیں کیا ہے) آپ کا فرمان جلالت نشان سنتے ہی زمین ساکن ہوگئی اور زلزلہ ختم ہو گیا۔ (حجۃ اللہ ج ،ص ،ازالۃ الخفاء)

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت جس طرح ہوا، پانی، آگ پر تھی اسی طرح زمین پر بھی آپ کے فرمان شاہی کا سکہ چلتا تھا۔ مذکورہ بالا چاروں کرامتوں سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی حکومت ہوا، آگ، پانی اور مٹی سبھی پر ہے اور چونکہ یہ چاروں اربع عناصر کہلاتے ہیں یعنی انہیں چاروں سے تمام کائنات عالم کے مرکبات بنائے گئے ہیں، تو جب ان چاروں عناصر پر اولیاء کرام کی حکومت ثابت ہوگئی تو جو جو چیزیں ان چاروں عناصر سے مرکب ہوئی ہیں ظاہر ہے کہ ان پر بطریق اولیٰ اولیاء کرام کی حکومت ہوگی۔

دور سے پکار کا جواب

حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سرزمین روم میں مجاہدین اسلام کا ایک لشکر بھیجا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد بالکل ہی اچانک مدینہ منورہ میں نہایت ہی بلند آواز سے آپ نے دو مرتبہ یہ فرمایا: یَا لَبَّیْکَاہُ! یَا لَبَّیْکَاہُ! (یعنی اے شخص! میں تیری پکار پر حاضر ہوں) اہل مدینہ حیران رہ گئے اور ان کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کس فریاد کرنے والے کی پکار کا جواب دے رہے ہیں؟ لیکن جب کچھ دنوں کے بعد وہ لشکر مدینہ منورہ واپس آیا اور اس لشکر کا سپہ سالار اپنی فتوحات اور اپنے جنگی کارناموں کا ذکر کرنے لگا تو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان باتوں کو چھوڑ دو! پہلے یہ بتاؤ کہ جس مجاہد کو تم نے زبردستی دریا میں اتارا تھا اور اس نے یَا عُمَرَاہُ! یَا عُمَرَاہُ! (اے میرے عمر! میری خبر لیجئے) پکارا تھا اس کا کیا واقعہ تھا۔

سپہ سالار نے فاروقی جلال سے سہم کر کانپتے ہوئے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! رضی اللہ عنہ مجھے اپنی فوج کو دریا کے پار اتارنا تھا اس لئے میں نے پانی کی گہرائی کا اندازہ کرنے کے لیے اس کو دریا میں اترنے کا حکم دیا، چونکہ موسم بہت ہی سرد تھا اور زوردار ہوائیں چل رہی تھیں اس لئے اس کو سردی لگ گئی اور اس نے دو مرتبہ زور زور سے یَا عُمَرَاہُ! یَا عُمَرَاہُ! کہہ کر آپ کو پکارا، پھر یکایک اس کی روح پرواز کر گئی۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے ہرگز ہرگز اس کو ہلاک کرنے کے ارادہ سے دریا میں اترنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ جب اہل مدینہ نے سپہ سالار کی زبانی یہ قصہ سنا تو ان لوگوں کی سمجھ میں آ گیا کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے ایک دن جو دو مرتبہ یَا لَبَّیْکَاہُ! یَا لَبَّیْکَاہُ! فرمایا تھا در حقیقت یہ اسی مظلوم مجاہد کی فریاد و پکار کا جواب تھا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سپہ سالار کا بیان سن کر غیظ و غضب

میں بھر گئے اور فرمایا کہ سرد موسم اور ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں میں اس مجاہد کو دریا کی گہرائی میں اتارنا یہ قتل خطا کے حکم میں ہے، لہٰذا تم اپنے مال میں سے اس کے وارثوں کو اس کا خون بہا ادا کرو اور خبردار! خبردار! آئندہ کسی سپاہی سے ہرگز ہرگز کبھی کوئی ایسا کام نہ لینا جس میں اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو کیونکہ میرے نزدیک ایک مسلمان کا ہلاک ہو جانا بڑی سے بڑی ہلاکتوں سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہلاکت ہے۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد)

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس وفات پانے والے سپاہی کی فریاد اور پکار کو سینکڑوں میل کی دوری سے سن لیا اور اس کا جواب بھی دیا۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولیاء کرام دور کی آوازوں کو سن لیتے ہیں اور ان کا جواب بھی دیتے ہیں۔

دو غیبی شیر

روایت ہے کہ بادشاہ روم کا بھیجا ہوا ایک عجمی کافر مدینہ منورہ آیا اور لوگوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پتہ پوچھا، لوگوں نے بتا دیا کہ وہ دوپہر کو کھجور کے باغوں میں شہر سے کچھ دور قیلولہ فرماتے ہوئے تم کو ملیں گے۔ یہ عجمی کافر ڈھونڈتے ڈھونڈتے آپ کے پاس پہنچ گیا اور یہ دیکھا کہ آپ اپنا چمڑے کا درہ اپنے سر کے نیچے رکھ کر زمین پر گہری نیند سو رہے ہیں۔ عجمی کافر اس ارادے سے تلوار کو نیام سے نکال کر آگے بڑھا کہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے بھاگ جائے مگر وہ جیسے ہی آگے بڑھا بالکل ہی اچانک اس نے یہ دیکھا کہ دو شیر منہ پھاڑے ہوئے اس پر حملہ کرنے والے ہیں۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر وہ خوف و دہشت سے بلبلا کر چیخ پڑا اور اس کی چیخ کی آواز سے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے اور یہ دیکھا کہ عجمی کافر ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے تھر تھر کانپ رہا ہے۔ آپ نے اس کی چیخ اور دہشت کا سبب دریافت فرمایا تو اس نے سچ سچ سارا واقعہ بیان کر دیا اور پھر بلند آواز سے کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ نہایت ہی مشفقانہ برتاؤ فرما کر اس کے قصور کو معاف کر دیا۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد، تفسیر کبیر)

یہ روایت بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی حفاظت کے لیے غیب سے ایسا سامان فراہم فرما دیتا ہے کہ جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا اور یہی غیبی سامان اولیاء اللہ کی کرامت کہلاتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا

محال است چوں دوست دارد ترا کہ در دست دشمن گزارد ترا

یعنی اللہ تعالیٰ جب تم کو اپنا محبوب بندہ بنالے تو پھر یہ محال ہے کہ وہ تم کو تمہارے دشمن کے ہاتھ میں کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ دے بلکہ اس کی کبریائی ضرور دشمنوں سے حفاظت کے لیے اپنے محبوب بندوں کی غیبی طور پر امداد و نصرت کا سامان پیدا فرما دیتی ہے اور یہی نصرت ایمانی فضل ربانی بن کر اس طرح محبوبان الٰہی کی دشمنوں سے حفاظت کرتی ہے جس کو دیکھ کر بے اختیار یہ کہنا پڑتا ہے کہ دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

قبر میں بدن سلامت

ولید بن عبدالملک اموی کے دور حکومت میں جب روضہ منورہ کی دیوار گر پڑی اور بادشاہ کے حکم سے تعمیر جدید کے لیے

بنیاد کھودی گئی تو ناگہاں بنیاد میں ایک پاؤں نظر آیا، لوگ گھبرا گئے اور سب نے یہی خیال کیا کہ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا پائے اقدس ہے لیکن جب عروہ بن زبیر صحابی رضی اللہ عنہما نے دیکھا اور پہچانا پھر قسم کھا کر یہ فرمایا کہ یہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا مقدس پاؤں نہیں ہے بلکہ یہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدم شریف ہے تو لوگوں کی گھبراہٹ اور بے چینی میں قدرے سکون ہوا۔ (بخاری شریف)

بخاری شریف کی یہ روایت اس بات کی زبردست شہادت ہے کہ بعض اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے مقدس جسموں کو قبر کی مٹی برسوں گزر جانے کے بعد بھی نہیں کھا سکتی۔ بدن تو بدن ان کے کفن کو بھی مٹی میلا نہیں کرتی۔ جب اولیاء کرام کا حال ہے تو بھلا حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کیا حال ہوگا۔ پھر حضور سید الانبیاء خاتم النبیین، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے جسم اطہر کا کیا کہنا؟ جبکہ وہ اپنی قبر منور میں جسمانی لوازم حیات کے ساتھ زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ یعنی اللہ تعالیٰ کے نبی زندہ ہیں اور ان کو روزی بھی دی جاتی ہے۔

جو کہہ دیا وہ ہو گیا

ربیعہ بن امیہ بن خلف نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنا یہ خواب بیان کیا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ میں ایک ہرے بھرے میدان میں ہوں پھر میں اس سے نکل کر ایک ایسے چٹیل میدان میں آ گیا جس میں کہیں دور دور تک گھاس یا درخت کا نام و نشان بھی نہیں تھا اور جب میں نیند سے بیدار ہوا تو واقعی میں ایک بنجر میدان میں تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو ایمان لائے گا، پھر اس کے بعد کافر ہو جائے گا اور کفر ہی کی حالت میں مرے گا۔

اپنے خواب کی یہ تعبیر سن کر وہ کہنے لگا کہ میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے، میں نے یوں ہی جھوٹ موٹ آپ سے یہ کہہ دیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ تو نے خواب دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو مگر میں نے جو تعبیر دی ہے وہ اب پوری ہو کر رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مسلمان ہونے کے بعد اس نے شراب پی اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس کو درہ مار کر سزا دی اور اس کو شہر بدر کر کے خیبر بھیج دیا۔ وہ ظالم وہاں سے بھاگ کر روم کی سرزمین میں چلا گیا اور وہاں جا کر وہ مردود نصرانی ہو گیا اور مرتد ہو کر کفر ہی کی حالت میں مر گیا۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد)

لوگوں کی تقدیر میں کیا ہے؟

عبداللہ بن مسلمہ کہتے ہیں کہ ہمارے قبیلہ کا ایک وفد امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ خلافت میں آیا تو اس جماعت میں اشتر نام کا ایک شخص بھی تھا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اس کو سر سے پیر تک بار بار گرم گرم نگاہوں سے دیکھتے رہے پھر مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا یہ شخص تمہارے ہی قبیلہ کا ہے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں اس وقت آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا عزوجل اس کو غارت کرے اور اس کے شر و فساد سے اس امت کو محفوظ رکھے۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی اس دعا کے بیس برس بعد جب باغیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو یہی اشتر اس باغی گروہ کا ایک بہت بڑا لیڈر تھا۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام کے کفار سے جہاد کرنے کے لیے لشکر بھرتی فرمار ہے تھے۔ ناگہاں ایک ٹولی آپ کے سامنے آئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے انتہائی کراہت کے ساتھ ان لوگوں کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر دوبارہ یہ لوگ آپ کے روبرو آئے تو آپ نے منہ پھیر کر ان لوگوں کو اسلامی فوج میں بھرتی کرنے سے انکار فرمادیا۔ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل سے انتہائی حیران تھے لیکن آخر میں یہ راز کھلا کہ اس ٹولی میں اسود تجیبی تھا جس نے اس واقعہ سے بیس برس بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنی تلوار سے شہید کیا اور اس ٹولی میں عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی بھی تھا جس نے اس واقعہ سے تقریباً چھبیس برس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی تلوار سے شہید کر ڈالا۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد)

مذکورہ بالا کرامتوں میں آپ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف کے خاتمہ کے بارے میں برسوں پہلے یہ خبر دیدی کہ وہ کافر ہو کر مرے گا اور بیس برس پہلے آپ نے اشتر کے شر و فساد سے امت کے محفوظ رہنے کی دعا مانگی اور اسود تجیبی سے اس بناء پر منہ پھیر لیا اور اسلامی لشکر میں اس کو بھرتی کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ دونوں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے تھے اور چھبیس برس پہلے آپ نے عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی کو بنظر کراہت دیکھا اور اسلامی لشکر میں اس بناء پر بھرتی نہیں فرمایا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا۔

ان مستند روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کو خداوند قدوس کے بتادینے سے آدمیوں کی تقدیروں کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مثنوی شریف میں فرمایا ہے

لوح محفوظ است پیش اولیاء　　　　از چہ محفوظ است محفوظ از خطاء

یعنی لوح محفوظ اولیاء کرام کے پیش نظر رہتی ہے جس کو دیکھ کر وہ انسانوں کی تقدیروں میں کیا لکھا ہے؟ اس کو جان لیتے ہیں۔ لوح محفوظ کو اس لئے لوح محفوظ کہتے ہیں کہ وہ غلطیوں اور خطاؤں سے محفوظ ہے۔

دعا کی مقبولیت

ابو ہدبہ حمصی کا بیان ہے کہ جب امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ عراق کے لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے گورنر کو اس کے منہ پر کنکریاں مار کر اور ذلیل و رسوا کر کے شہر سے باہر نکال دیا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ کو اس خبر سے انتہائی رنج و قلق ہوا اور آپ بے انتہا غضبناک ہو کر مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تشریف لے گئے اور اسی غیظ و غضب کی حالت میں آپ رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کر دی لیکن چونکہ آپ فرط غضب سے مضطرب تھے اس لئے آپ رضی اللہ عنہ کو نماز میں سہو ہو گیا اور آپ اس رنج و غم سے اور بھی زیادہ بے تاب ہو گئے اور انتہائی رنج و غم کی حالت میں آپ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی کہ یا اللہ! عزوجل قبیلہ ثقیف کے لونڈے (حجاج بن یوسف ثقفی) کو ان لوگوں پر مسلط فرمادے جو زمانہ جاہلیت کا حکم چلا کر ان عراقیوں کے نیک و بد کسی کو بھی نہ بخشے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی یہ دعا قبول ہو گئی اور عبدالملک بن مروان اموی کے دور حکومت میں حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا گورنر بنا اور اس نے عراق کے باشندوں پر ظلم و ستم کا ایسا پہاڑ توڑا کہ عراق کی زمین بلبلا اٹھی۔ حجاج بن یوسف ثقفی اتنا بڑا ظالم تھا کہ اس نے جن لوگوں کو رسی میں باندھ کر اپنی تلوار سے قتل کیا ان مقتولوں کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے کچھ زائد ہی ہے

اور جو لوگ اس کے حکم سے قتل کیے گئے ان کی گنتی کا تو شمار ہی نہیں ہو سکا۔

حضرت ابن لہیعہ محدث نے فرمایا ہے کہ جس وقت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی تھی اس وقت حجاج بن یوسف ثقفی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو غیب کی باتوں کا بھی علم عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ روایت مذکورہ بالا میں آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ ابھی حجاج بن یوسف ثقفی پیدا بھی نہیں ہوا تھا لیکن امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ حجاج بن یوسف ثقفی نامی ایک بچہ پیدا ہوگا جو بڑا ہو کر گورنر بنے گا اور انتہائی ظالم ہوگا۔

ظاہر ہے کہ قبل از وقت ان باتوں کا معلوم ہو جانا یقیناً یہ غیب کا علم ہے۔ اب یہ مسئلہ آفتاب عالم تاب سے بھی زیادہ روشن ہو گیا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے تو پھر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے یقیناً علوم غیبیہ کا خزانہ عطا فرمایا ہے اور یہ حضرات بیشمار غیب کی باتوں کو خدا تعالیٰ کے بتا دینے سے جانتے ہیں اور دوسروں کو بھی بتاتے ہیں۔ چنانچہ اہل حق حضرات علماء اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو بے شمار علوم غیبیہ کے خزانے عطا فرمائے ہیں اور یہی عقیدہ حضرات تابعین وحضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی تھا۔ چنانچہ مواہب اللدنیہ شریف میں ہے کہ

قَدِ اشْتَهَرَ وَانْتَشَرَ اَمْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَصْحَابِهٖ بِالْاِطِّلَاعِ عَلَى الْغُيُوْبِ

جناب رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم غیوب پر مطلع ہیں یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عام طور پر مشہور اور زبان زد خاص وعام تھی۔ اسی طرح مواہب اللدنیہ کی شرح میں علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا ہے: وَاَصْحَابُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَازِمُوْنَ بِاِطِّلَاعِهٖ عَلَى الْغَيْبِ

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غیب کی باتوں پر مطلع ہیں ان دو بزرگوں کے علاوہ دوسرے بہت سے ائمہ کرام نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اس تصریح کو بیان فرمایا ہے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان

102- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ اَخْبَرَنِي الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَيُّ اَصْحَابِهٖ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ قَالَتْ اَبُوْ بَكْرٍ قُلْتُ ثُمَّ اَيُّهُمْ قَالَتْ عُمَرُ قُلْتُ ثُمَّ اَيُّهُمْ قَالَتْ اَبُوْ عُبَيْدَةَ،

◆◆ عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں نے دریافت کیا: پھر اس کے بعد کون تھا؟ انہوں نے جواب دیا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نے دریافت کیا: پھر اس کے بعد کون تھا؟

102: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3657

انہوں نے جواب دیا: حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ۔

شرح

محبت کے مختلف وجوہ واسباب ہوتے ہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ کی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت بیٹی ہونے کے اعتبار سے اور ان کے زہد وعبادت کی وجہ سے تھی، اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت زوجیت، دینی بصیرت، اور فہم وفراست کے سبب تھی، اور ابوبکر رضی اللہ عنہما سے محبت اسلام میں سبقت، دین کی بلندی علم کی زیادتی، شریعت کی حفاظت اور اسلام کی تائید کے سبب تھی، شیخین وعمر کے یہ کمالات ومناقب کسی پر پوشیدہ نہیں، اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے محبت اس لئے تھی کہ ان کے ہاتھ پر متعدد فتوحات اسلام ہوئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کا بیان

ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ پرانے وبوسیدہ کپڑوں میں ملبوس شکستہ وخستہ حال بیٹھے تھے اور ذکر وتسبیح میں مشغول تھے کہ ابومریم (ایک غلام) حاضر خدمت ہوئے اور متواضعانہ انداز میں دوزانوں بیٹھ کر عرض کیا یا امیر المومنین! میں آپ کے پاس اپنی ایک درخواست لے کر آیا ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درخواست کے متعلق پوچھا تو ابومریم کہنے لگے میری درخواست یہ ہے کہ آپ اپنے جسم سے یہ چادر اتار دیں کیونکہ یہ بہت پرانی اور بوسیدہ ہے۔

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چادر کا ایک کونا اپنی آنکھوں پر رکھا اور زاروقطار رونے لگے یہ منظر دیکھ کر ابومریم بہت شرمندہ ہوئے اور عرض کیا اے امیر المومنین! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میری اس بات سے آپ کو تکلیف ہوگی تو میں کبھی آپ کو چادر اتارنے کا نہ کہتا۔

اے ابومریم! اس چادر سے میری محبت روز بروز بڑھتی جاتی ہے کیونکہ یہ چادر مجھے میرے حبیب اور خلیل نے تحفہ دی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ گویا ہوئے۔

اے امیر المومنین! آپ کے خلیل کون ہیں؟ ابومریم نے بنظر استعجاب دریافت کیا۔ میرے خلیل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں بلاشبہ عمر رضی اللہ عنہ اللہ کے ساتھ تو مخلص تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ بھلائی کی۔ یہ فرما کر حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ رونے لگے حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے سینہ مبارک سے گونج دار آوازیں آنے لگیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام پر اہل آسمان کے خوش ہونے کا بیان

103- حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُحَمَّدِ نِ الطَّلْحِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ خِرَاشٍ الْحَوْشَبِيُّ عَنِ الْعَوَّامِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ نَزَلَ جِبْرِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَقَدِ اسْتَبْشَرَ اَهْلُ السَّمَآءِ بِاِسْلَامِ عُمَرَ

---

103 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

⟵⟶ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا' تو حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور انہوں نے عرض کی: اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کے رہنے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے پر بہت خوش ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ظلم وطغیان کے سیاہ بادلوں کی اس گھمبیر فضا میں ایک اور برق تاباں کا جلوہ نمودار ہوا جس کی چمک پہلے سے زیادہ خیرہ کن تھی، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے۔ انکے اسلام لانے کا واقعہ 6 سن نبوی کا ہے۔ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے صرف تین دن بعد مسلمان ہوئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے اسلام لانے کے لئے دعا کی تھی۔ چنانچہ امام ترمذی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اسی طرح طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الاسلامَ بِاَحَبِّ الرَّجُلَیْنِ اِلَیْکَ بعمر بن الخطاب اَوْ بِاَبِی جھل بن ھشام۔

اے اللہ! عمر بن الخطاب اور ابوجہل بن ہشام میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اسکے ذریعے سے اسلام کو قوت پہنچا۔ اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے۔ اللہ کے نزدیک ان دونوں میں زیادہ محبوب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے متعلق جملہ روایات پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کے انکے دل میں اسلام رفتہ رفتہ جاگزیں ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کا خلاصہ پیش کرنے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج اور جذبات و احساسات کی طرف بھی مختصراً" اشارہ کردیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی تندمزاجی اور سخت خوئی کے لئے مشہور تھے۔ مسلمانوں نے ایک طویل عرصے تک انکے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں متضاد قسم کے جذبات باہم دست وگریباں تھے، چنانچہ ایک طرف تو وہ آباؤ اجداد کی ایجاد کردہ رسموں کا بڑا احترام کرتے تھے اور بلانوشی اور لہوولعب کے دلدادہ تھے لیکن دوسری طرف وہ ایمان اور عقیدے کی راہ میں مسلمانوں کی پختگی اور مصائب کے سلسلے میں انکی قوت برداشت کو خوشگوار حیرت وپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پھر انکے اندر کسی بھی عقلمند آدمی کی طرح شکوک وشبہات کا ایک سلسلہ تھا جو رہ رہ کر ابھرتا تھا کہ اسلام جس چیز کی دعوت دے رہا ہے غالباً" وہی زیادہ برتر اور پاکیزہ ہے۔ اسلئے انکی کیفیت دم میں ماشہ دم میں تولہ کی سی تھی کہ ابھی بھڑکے اور ابھی ڈھیلے پڑ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق تمام روایات کا خلاصہ مع جمع وتطبیق یہ ہے کہ ایک دفعہ انہیں گھر سے باہر رات گزارنی پڑی۔ وہ حرم تشریف لائے اور خانہ کعبہ کے پردے میں گھس گئے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور سورۃ الحاقۃ کی تلاوت فرمارہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قران کی تلاوت سننے لگے اور اسکی تالیف پر حیران رہ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے جی میں کہا" خدا کی قسم یہ تو شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں" لیکن اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت

تلاوت فرمائی۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ، وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَا تُؤْمِنُوْنَ

یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے۔ یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔ (سورہ الحاقہ ۴۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنے جی میں کہا (اوہو) یہ تو کاہن ہے۔ لیکن اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَا تَذَكَّرُوْنَ، تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں، تم لوگ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

(سورۃ الحاقۃ 43-42)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے اس وقت میرے دل میں ایمان جاگزیں ہوگیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام کا بیج پڑا، لیکن ابھی انکے اندر جاہلی جذبات، تقلیدی عصبیت اور آباء اجداد کے دین کی عظمت کے احساس کا چھلکا اتنا مضبوط تھا کہ نہاں خانہ دل کے اندر چلنے والی حقیقت کے مغز پر غالب رہا، اس لئے وہ اس چھلکے کی تہہ میں چھپے ہوئے شعور کی پرواہ کئے بغیر اپنے اسلام دشمن عمل میں سرگرداں رہے۔ انکی طبیعت کی سختی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرط عداوت کا یہ حال تھا کہ ایک روز خود جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کرنے کی نیت سے تلوار لیکر نکل پڑے لیکن ابھی راستے ہی میں تھے کہ نعیم بن عبداللہ النحام عدوی سے یا بنی زہرہ یا بنی مخزوم کے کسی آدمی سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے تیور دیکھ کر پوچھا: عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچ سکو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: معلوم ہوتا ہے تم بھی اپنا پچھلا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہو۔ اس نے کہا عمر! ایک عجیب بات نہ بتا دوں! تمہارے بہن بہنوئی بھی تمہارا پچھلا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر عمر غصے سے بے قابو ہو گئے اور سیدھے بہن بہنوئی کا رخ کیا۔ وہاں انہیں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سورہ طٰہٰ پر مبنی ایک صحیفہ پڑھا رہے تھے اور قرآن پڑھانے کے لئے وہاں آنا جانا حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا معمول تھا۔ جب حضرت خباب نے حضرت عمر کی آہٹ سنی تو گھر کے اندر چھپ گئے۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن نے صحیفہ چھپا دیا؛ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کے قریب پہنچ کر حضرت خباب کی قراءت سن چکے تھے، چنانچہ پوچھا یہ کیسی دھیمی دھیمی سی آواز تھی جو تم لوگوں کے پاس میں نے سنی تھی؟ انہوں نے کہا کچھ بھی نہیں، بس ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: غالباً تم دونوں بے دین ہو چکے ہو؟ بہنوئی نے کہا: اچھا عمر! یہ بتاؤ! اگر حق تمہارے دین کے بجائے کسی اور دین میں ہو تو؟ حضرت عمر کا یہ سننا تھا کہ اپنے بہنوئی پر چڑھ بیٹھے اور انہیں بری طرح کچل دیا۔ انکی بہن نے لپک کر انہیں اپنے شوہر سے الگ کیا تو بہن کو ایسا چانٹا مارا کہ چہرہ خون آلود ہوگیا۔ ابن اسحق کی روایت ہے کہ ان کے سر میں چوٹ آئی۔ بہن نے جوش غضب میں کہا: عمر! اگر تیرے دین کے بجائے دوسرا دین ہی برحق ہو تو؟ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔

میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں شہادت دیتی ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول

ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مایوسی کے بادل چھا گئے اور انہیں اپنی بہن کے چہرے پر خون دیکھ کر شرم وندامت محسوس ہوئی، کہنے لگے: اچھا یہ کتاب جو تمہارے پاس ہے ذرا مجھے بھی پڑھنے کو دو۔ بہن نے کہا! "تم ناپاک ہو" اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اٹھو غسل کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر غسل کیا پھر کتاب لی اور "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھی۔ کہنے لگے یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں۔ اسکے بعد طٰہٰ سے اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۔

(سورۃ طٰہٰ (149-1)

تک قراءت کی کہنے لگے: "یہ تو بڑا عمدہ اور بڑا محترم کلام ہے۔ مجھے محمد کا پتہ بتاؤ! حضرت خباب رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ فقرے سن کر باہر آ گئے اور کہنے لگے: "عمر! خوش ہو جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعرات کی رات تمہارے متعلق جو دعا کی تھی کہ (اے اللہ! عمر بن ابن الخطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعے سے اسلام کو قوت پہنچا) یہ وہی ہے۔ اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کے پاس والے مکان میں تشریف فرما ہیں"۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار حمائل کی اور اس گھر کے پاس آ کر دروازے پر دستک دی۔ ایک آدمی نے اٹھ کر دروازے کی دراز سے جھانکا تو دیکھا حضرت عمر تلوار حمائل کیے موجود ہیں۔ لپک کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، اور سارے سمٹ کر یکجا ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا: عمر ہیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بس! عمر ہے دروازہ کھول دو۔ اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو ہم اسے خیر عطا کریں گے اور اگر کوئی برا ارادہ لیکر آیا ہے تو ہم اسی کی تلوار سے اسکا کام تمام کر دینگے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی نازل ہو چکی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ بیٹھک میں ملاقات ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے کپڑے اور تلوار کا پرتلا سمیٹ کر پکڑا اور سختی سے جھٹکتے ہوئے فرمایا: عمر! کیا تم اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک اللہ تعالیٰ تم پر بھی ویسی ہی ذلت ورسوائی اور عبرتناک سزا نازل نہ فرمادے، جیسی ولید بن مغیرہ پر نازل ہو چکی ہے؟ یا اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے۔ یا اللہ! اسلام کو عمر بن خطاب کے ذریعے قوت وعظمت عطا فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہوئے کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یقیناً "آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سن کر گھر کے اندر موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مسجد حرام والوں کو سنائی پڑی۔ (تاریخ عمر بن الخطاب ابن جوزی ص 11)

معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زور آوری کا یہ حال تھا کہ کوئی ون سے مقابلے کی جراءت نہ کرتا تھا۔ اسلئے ان کے مسلمان ہو جانے سے مشرکین میں کہرام مچ گیا اور انہیں بڑی ذلت ورسوائی محسوس ہوئی۔ دوسری طرف انکے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بڑی عزت وقوت، شرف واعزاز اور مسرت وشادمانی حاصل ہوئی۔ چنانچہ ابن اسحاق نے اپنی سند سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان روایت کیا ہے کہ جب میں مسلمان ہوا تو میں نے سوچا کہ مکے کا کون شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا اور سخت ترین دشمن ہے؟ پھر میں نے جی ہی جی میں کہا۔ یہ ابوجہل ہے۔ اسکے بعد میں نے اسکے گھر جا کر اسکا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر

دیکھ کر بولا: اھلا" وسھلا" (خوش آمدید، خوش آمدید) کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا: تمہیں بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا ہوں اور جو کچھ وہ لیکر آئے ہیں اسکی تصدیق کر چکا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (یہ سنتے ہی) اس نے میرے رخ پر دروازہ بند کر دیا اور بولا! اللہ تیرا برا کرے!! اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اسکا بھی برا کرے۔

امام ابن جوزی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو لوگ اسکے پیچھے پڑ جاتے، اسے زدو کوب کرتے اور وہ بھی انہیں مارتا۔ اسلئے جب میں مسلمان ہوا تو اپنے ماموں عاصی بن ہاشم کے پاس گیا اور اسے خبر دی۔ وہ گھر کے اندر گھس گیا، پھر قریش کے ایک بڑے آدمی کے پاس گیا۔ شاید ابو جہل کی طرف اشارہ ہے۔۔۔۔۔۔۔ اور اسے خبر دی وہ بھی گھر کے اندر گھس گیا۔ (تاریخ عمر بن الخطاب ابن جوزی ص 11)

ابن ہشام اور ابن جوزی کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو جمیل بن معمر جمحی کے پاس گئے یہ شخص کسی بھی بات کا ڈھول پیٹنے میں پورے قریش میں سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ حضرت عمر نے اسے بتایا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس نے سنتے ہی نہایت بلند آواز سے چیخ کر کہا ابن خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسکے پیچھے ہی بولے: یہ جھوٹ کہتا ہے میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ بہر حال لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے اور مار پیٹ شروع ہو گئی۔ لوگ حضرت عمر کو مار رہے تھے یہاں تک کہ سورج سر پر آ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھک کر بیٹھ گئے، لوگ سر پر سوار تھے۔ حضرت عمر نے کہا جو بن پڑے کر لو۔ خدا کی قسم اگر ہم لوگ تین سو کی تعداد میں ہوتے تو پھر مکے میں یا تم ہی رہتے یا ہم ہی رہتے۔

اسکے بعد مشرکین نے اس ارادے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پر ہلہ بول دیا کہ انہیں جان سے مار ڈالیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر خوف کی حالت میں گھر کے اندر تھے کہ اس دوران ابو عمرو عاص بن وائل سہمی آ گیا۔ وہ دھاری دار یمنی چادر کا جوڑا اور ریشمی گوٹے سے آراستہ کرتا زیب تن کئے ہوئے تھا۔ اسکا تعلق قبیلہ سہم سے تھا اور یہ قبیلہ جاہلیت میں ہمارا حلیف تھا۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت عمر نے کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں اس لئے آپ کی قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔ عاص نے کہا: یہ ممکن نہیں، عاص کی بات سن کر مجھے اطمینان ہو گیا۔ اسکے بعد عاص وہاں سے نکلا اور لوگوں سے ملا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ لوگوں کی بھیڑ سے وادی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ عاص نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ لوگوں نے کہا: یہی خطاب کا بیٹا مطلوب ہے جو بے دین ہو گیا ہے۔ عاص نے کہا اسکی طرف کوئی راہ نہیں۔ یہ سنتے ہی لوگ واپس چلے گئے۔ (تاریخ عمر بن الخطاب ابن جوزی ص 11)

ابن اسحٰق کی ایک روایت میں ہے کہ واللہ ایسا لگتا تھا گویا وہ لوگ ایک کپڑا تھے جسے اس کے اوپر سے جھٹک کر پھینک دیا گیا ہو۔ (تاریخ عمر بن الخطاب ابن جوزی ص 11)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر یہ کیفیت تو مشرکین کی ہوئی تھی۔ باقی رہے مسلمان تو انکے احوال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کس وجہ سے آپ کا لقب فاروق پڑا؟ تو انہوں نے کہا: مجھ سے تین دن پہلے حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

انکے اسلام لانے کا واقعہ بیان کر کے اخیر میں کہا پھر جب میں مسلمان ہو گیا تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم حق پہ نہیں ہیں خواہ زندہ رہیں خواہ مریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں۔۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ حق پر ہو خواہ زندہ رہو خواہ موت سے دوچار ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تب میں نے کہا پھر چھپنا کیسا؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم ضرور باہر نکلیں گے۔ چنانچہ ہم دو صفوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمراہ لے کر باہر آئے۔ ایک صف میں حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور ایک میں میں تھا۔ ہمارے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا، یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہو گئے، حضرت عمر رضی اللہ کا بیان ہے کہ قریش نے مجھے اور حمزہ کو دیکھا تو انکے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا لقب فاروق رکھ دیا۔

(تاریخ عمر بن الخطاب ابن جوزی ص 11)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو اسلام پردے سے باہر آیا۔ اسکی اعلانیہ دعوت دی گئی، ہم حلقے لگا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے، بیت اللہ کا طواف کیا، اور جس نے ہم پر سختی کی اس سے انتقام لیا۔ اور انکے بعض مظالم کا جواب دیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تب سے ہم برابر طاقتور اور باعزت رہے۔ (تاریخ عمر بن الخطاب ابن جوزی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نسبت رسول ﷺ کے آداب کا بیان

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت ہیں آپ کے سامنے ایک شکایت آئی کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر پر نصب پرنالے میں سے گرنے والے پانی کی وجہ سے گذرنے والوں کے کپڑوں پر پانی کے چھینٹے پڑتے ہیں اور کپڑے خراب ہو جاتے ہیں۔ امیر المومنین نے شکایت سننے کے بعد فیصلہ فرمایا؛ کہ پرنالہ اتار دیا جائے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم پر پرنالہ اُتار دیا گیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن کے مکان پر پرنالہ نصب تھا، وہ حضرت امیر المومنین کے پاس آئے اور کہا کہ جو پرنالہ آپ کے حکم سے اُتار دیا گیا ہے یہی وہ پرنالہ تھا جسے آقا ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے نصب کیا تھا۔ جب یہ بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سنی تو محبت رسول ﷺ عقل پر غالب آ گئی عقل کا فیصلہ درست تھا۔ لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا: اے عباس؛ (رضی اللہ عنہ) چونکہ وہ پرنالہ آقا ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے لگایا تھا۔ لہٰذا آج امیر المومنین کھڑا ہوتا ہے اور تم اس کے کندھوں پر چڑھ کر اپنے مبارک ہاتھوں سے پرنالہ اسی جگہ نصب کر دو۔ پھر نگاہ آسمان نے یہ نظارہ دیکھا کہ امیر المومنین کے کندھوں پر سوار ہو کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے وہی پرنالہ اسی جگہ نصب کر دیا جہاں آقا ﷺ نے نصب کیا تھا۔ (وفاء الوفاء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور مصافحہ حق کا بیان

104- حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الطَّلْحِيُّ أَنْبَأَنَا دَاوُدُ بْنُ عَطَاءٍ الْمَدِينِيُّ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلُ مَنْ يُصَافِحُهُ الْحَقُّ عُمَرُ وَأَوَّلُ مَنْ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَأَوَّلُ مَنْ يَأْخُذُ بِيَدِهِ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "حق (یعنی اللہ تعالیٰ) سب سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کرے گا اور سب سے پہلے عمر کو سلام کہے گا اور سب سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں جنت میں داخل کرے گا"۔

شرح

اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جنت میں داخل کرنے کا اعزاز بخشے گا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

متشابہات ہیں یعنی جن کے معنی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ان کی حقیقی مراد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے جیسے آیت (یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ، (الفتح 10) وغیرہ۔ لہٰذا جو لوگ نیک اور صالح ہوتے ہیں اور جن کے قلوب ایمان وایقان کی روشنی سے پوری طرح منور ہوتے ہیں وہ آیات محکمات کے معنی ومطالب کو سمجھتے بھی ہیں اور ان پر ایمان بھی لاتے ہیں اور آیات متشابہات پر پوری رسوخ وایقان کے ساتھ ایمان لا کر ان کے معنی ومطالب اور حقیقی مراد کا علم اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ وہی بہتر جاننے والا ہے۔ لیکن جن لوگوں کے قلوب میں کجی ہوتی ہے اور جن کے ذہن گمراہ ہوتے ہیں وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور ان میں اپنی طرف سے غلط تاویلیں کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس حدیث شریف کا یہی خلاصہ اور مطلب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے اسلام کی عزت کا بیان

105-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ أَبُو عُبَيْدٍ الْمَدِينِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الْمَاجِشُونِ قَالَ حَدَّثَنِي الزَّنْجِيُّ بْنُ خَالِدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّةً

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے اللہ! بطور خاص عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو عزت عطا کر"۔

شرح

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں جب قریش مکہ نے داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم اور حق کے نام لیواؤں کے خلاف ظالمانہ محاذ

---

104 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

105 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

قائم کر رکھا تھا۔ اور اہل اسلام کو تشدد آمیز کارروائیوں کے ذریعے مجبور و ہراساں کرتے تھے تو مکہ میں کوئی مسلمان علانیہ نماز نہیں پڑھ سکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں رہا کرتے تھے اور اسی مکان میں پوشیدہ طور پر اللہ کا نام لیا جاتا تھا، اللہ کی بندگی کی جاتی تھی اور اللہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی تدبیر میں لگا رہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ زعماء قریش میں دو آدمی یعنی ابوجہل اور عمر اس حیثیت کے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی اسلام قبول کر کے ہمارے ساتھ آ جائے تو اسلام جو آج قریش مکہ کے ظلم و ستم کی وجہ سے دار ارقم میں محدود ہو کر رہ گیا ہے اتنی طاقت پا جائے گا کہ مسلمانوں کو چھپ کر اللہ کا نام لینے اور اللہ کی عبادت کرنے پر مجبور نہیں ہونا پڑے گا، وہ علانیہ نماز پڑھنے لگیں گے اور کھلے طور اسلام کی دعوت پیش کر سکیں گے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ دعا کی یہ دعا کس طرح قبول ہوئی اور حضرت عمر کس طرح مشرف باسلام ہوئے اس کی تفصیل ہم بیان کر آئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت اسلام اور اہل مصر کی مشکل کشائی کا بیان

مستند کتابوں میں معتبر و ثقہ راویوں کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو وہاں کے عامل (گورنر) حضرت عمرو بن العاص مقرر ہوئے ان سے ایک دن مصریوں نے آ کر کہا کہ زمانہ قدیم سے دریائے نیل ہر سال ایک کنواری نوجوان لڑکی کی بھینٹ لیتا چلا آیا ہے، جب تک یہ بھینٹ نہیں دی جاتی پانی جاری نہیں ہوتا۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ہر سال چاند کی گیارہویں کی رات کو ایک نوجوان لڑکی کو اس کے والدین کی رضامندی کے ساتھ بیش بہا کپڑے اور عمدہ زیور پہنا کر اور خوب بناؤ سنگھار کر کے دریا میں ڈال دیتے ہیں، اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو دریا خشک ہونے لگتا ہے اور پھر شہروں اور دیہاتوں میں پانی کی کمی کے سبب قحط پڑ جاتا ہے، حضرت عمرو بن العاص نے مصریوں سے کہا کہ یہ ایک بے ہودہ رسم ہے چونکہ اسلام میں اس طرح کی لغویات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا چنانچہ اس سال یہ رسم نہیں کی گئی اور دریائے نیل تقریباً سوکھ گیا، پورے مصر میں قحط و خشک سالی کی سی کیفیت پیدا ہو جانے کے سبب اہل مصر ترک وطن پر مجبور ہونے لگے۔ حضرت عمرو بن العاص نے صورت حال کی تفصیلی رپورٹ حضرت عمر فاروق کی خدمت میں روانہ کی فاروق اعظم نے یہ رپورٹ دیکھی اور عمرو بن العاص کو لکھا کہ تم نے اس رسم پر عمل کرنے کی اجازت نہ دے کر بالکل ٹھیک کیا، واقعی اسلام اس طرح کی رسوم کی بیخ کنی کرتا ہے میں ایک پرچہ بھیج رہا ہوں تم اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا اس پرچہ میں لکھا تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بندہ اللہ عمر بن الخطاب امیر المؤمنین کی جانب سے دریائے نیل کے نام۔ بعد حمد و صلوٰۃ (اے دریائے نیل!) اگر تو اپنے اختیار اور اپنی قوت سے بہتا ہے تو مجھ کو تجھ سے کچھ نہیں کہنا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مرضی سے تو بہتا ہے تو میں اللہ واحد و قہار کے نام پر تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ جاری اور رواں ہو جا، عمرو بن العاص عامل مصر نے اس پرچہ کو دریائے نیل میں ڈال دیا اور صبح اٹھ کر لوگوں نے دیکھا کہ ایک ہی رات میں دریائے نیل سولہ ہاتھ اوپر آ گیا ہے اور پورے زور شور کے ساتھ رواں ہے اور پھر ہر سال چھ ہاتھ بڑھتا رہا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے باشندگان مصر کی اس قدیم رسم کا خاتمہ کر دیا اور اس دن سے اب تک دریائے نیل برابر جاری ہے۔

شیخین کی بہ ترتیب فضیلت کا بیان

106- حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَکِیعٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَلِیًّا یَقُولُ خَیْرُ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَبُوبَکْرٍ وَخَیْرُ النَّاسِ بَعْدَ اَبِی بَکْرٍ عُمَرُ

عبداللہ بن سلمہ کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ کے رسول ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

شرح

حضرت جابر کہتے ہیں کہ (ایک دن) سیدنا عمر فاروق نے سیدنا ابوبکر صدیق کو ان الفاظ میں مخاطب کیا، اے وہ ذات گرامی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب انسانوں سے بہتر ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیق نے (یہ سن کر) فرمایا: عمر! اگر تم میرے بارے میں یہ کہتے ہو (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر انسان ہوں) تو تم (خود اپنے بارے میں بھی) جان لو کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو عمر سے بہتر ہو" اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوۃ شریف۔ جلد پنجم: رقم الحدیث، 654)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی یا تو ان کے ایام خلافت پر محمول ہے یعنی وہ (عمر) اپنے زمانہ خلافت میں تمام انسانوں سے بہتر تھے اور اس حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بیان فرما دیا تھا! یا یہ کہ اس ارشاد گرامی میں "ابوبکر کے بعد کے الفاظ محذوف و مقدر ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا یہ فرمایا کہ: آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو ابوبکر کے بعد عمر سے بہتر ہو اور یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مقصد "عدالت" اور سیاست" کے باب میں حضرت عمر کی فضیلت و برتری کو ظاہر کرنا ہے غرض یہ کہ حدیث چونکہ ان احادیث کے بظاہر معارض نظر آتی ہے۔ جن سے حضرت ابوبکر کی فضیلت و برتری ثابت ہوتی ہے اس لئے ان حدیثوں کے درمیان تطبیق کی خاطر مذکورہ بالا توجیہات یا اسی طرح کی کوئی اور توجیہہ بیان کرنی پڑے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محل جنت میں ہونے کا بیان

107- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَارِثِ الْمِصْرِیُّ اَنْبَاَنَا اللَّیْثُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنِی عُقَیْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَخْبَرَنِی سَعِیدُ بْنُ الْمُسَیَّبِ اَنَّ اَبَا هُرَیْرَةَ قَالَ کُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُنِی فِی الْجَنَّةِ فَاِذَا اَنَا بِامْرَاَةٍ تَتَوَضَّاُ اِلٰی جَانِبِ قَصْرٍ فَقُلْتُ لِمَنْ هٰذَا الْقَصْرُ فَقَالَتْ لِعُمَرَ فَذَکَرْتُ غَیْرَتَهُ فَوَلَّیْتُ مُدْبِرًا قَالَ اَبُوهُرَیْرَةَ فَبَکٰی عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اَعَلَیْكَ

106 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

107 اخرجہ بخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 3242' ورقم الحدیث: 3680' ورقم الحدیث: 7023' ورقم الحدیث: 7025

بِاَبِيْ وَاُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغَارُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دن ہم نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں سویا ہوا تھا میں نے خود کو جنت میں دیکھا۔ وہاں ایک عورت محل کے ایک کنارے میں وضو کر رہی تھی۔ میں نے دریافت کیا: یہ کس کا محل ہے؟ فرشتوں نے بتایا: یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے تو مجھے تمہارا غصہ یاد آ گیا۔ میں وہیں سے واپس آ گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے، وہ بھی حاضرین میں موجود تھے۔ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ پر غصہ کروں گا۔

شرح

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (معراج کی رات میں) جب میں جنت میں داخل ہوا تو اچانک دیکھا کہ میرے سامنے رمیصا زوجہ ابوطلحہ موجود ہیں۔ پھر میں نے قدموں کی چاپ سنی اور پوچھا کہ یہ کون شخص ہے (جس کے چلنے پھرنے کی آواز آ رہی ہے) مجھے (جبرائیل یا کسی اور فرشتہ نے یا دروغہ جنت نے) بتایا کہ یہ بلال ہیں اس کے بعد (ایک جگہ پہنچ کر) میں نے ایک عالیشان محل دیکھا، جس کے ایک گوشہ میں (یا صحن میں) ایک نوجوان عورت (یعنی حور جنت) بیٹھی ہوئی تھی، میں نے پوچھا! یہ کس کا ہے؟ (اور ہمہ انواع کی یہ نعمتیں جو اس محل میں اور اس محل کے ارد گرد ہیں کس کے لئے ہیں) مجھ کو جنتیوں نے (یا اس محل پر متعین فرشتوں نے) بتایا کہ یہ (محل اپنے تمام ساز و سامان اور نعمتوں سمیت) عمر ابن خطاب کا ہے (یہ سن کر) میں نے چاہا کہ محل میں جاؤں اور اس کو اندر سے بھی دیکھوں لیکن پھر (اے عمر) مجھے غیرت کا خیال آ گیا (کہ تمہارے محل کے اندر داخل ہونا تمہاری غیرت وحمیت کے منافی ہو گا اس لئے میں اندر جانے سے اجتناب کیا) حضرت عمر نے (یہ سنا تو) عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کے داخل ہونے) سے غیرت کروں گا۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: رقم الحدیث، 646)

رمیصا" حضرت ابوطلحہ انصاری کی بیوی اور حضرت انس بن مالک کی والدہ ماجدہ ہیں، پہلے یہ مالک ابن نضر کے نکاح میں تھیں جن سے حضرت انس پیدا ہوئے مالک کے بعد ابوطلحہ نے ان سے عقد کر لیا تھا، ان کے اصل نام کے بارے میں اختلاف ہے ام سلیم بھی کہی جاتی تھیں اور رمیصاء بھی ایک مشہور نام غمیصاء بھی ہے، رمیصاء دراصل "رمص" سے ہے، جس کے معنی اس سفید چیپڑ (میل کچیل) کے ہیں جو آنکھ کے کونے میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور "غمیصاء" غمص سے ہے اس کے معنی ہیں: آنکھ سے چیپڑ بہنا۔ کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیرت کروں گا" یہ اعلیک اغار کا ترجمہ ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس جملہ میں قلب الفاظ ہے یعنی اصل جملہ یوں ہے: اغار منک نیز بعض روایات میں یہ ہے کہ حضرت عمر نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد سن کر) یہ بھی کہا: وہل رفعنی اللہ الا بک وہل ہک انی اللہ الا بک یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ جو بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے وہ محض آپ کے طفیل سے ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے ہدایت وراستی اور سرفرازی تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ پہنچایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق رکھ دیئے جانے کا بیان

108- حَدَّثَنَا اَبُوْ سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ مَكْحُوْلٍ عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ يَقُوْلُ بِهٖ

◄► حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر کی زبان پر رکھ دیا ہے وہ اس کے مطابق بات کرتا ہے۔

شرح

اور ابوداؤد کی روایت میں جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مروی ہے یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان پر حق رکھ دیا ہے۔ اسی لئے وہ حق بات کہتے ہیں۔ حق کے علاوہ اور کوئی بات ان کے منہ سے نہیں نکلتی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کی شہادت اسلام کے ان مصائب میں سے ہے جس کی تلافی نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے، جس دن سے وہ مسلمان ہوئے دین الٰہی کی شوکت وعزت بڑھتی گئی اور اپنے عہد خلافت میں تو وہ کام کئے جن کی نظیر کبھی چشم فلک نے بھی نہیں دیکھی اور جس دن سے رخصت ہوئے مسلمانوں کا اقبال بھی رخصت ہو گیا۔

مدینہ منورہ میں ایک فیروز نامی ایک پارسی (ایرانی) غلام تھے جس کی کنیت ابولولو تھی۔ اس نے ایک دن حضرت عُمر رضی اللہ عنہ سے آ کر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ مغیرہ بن شعبہ نے مجھ سے بہت بھاری محصول مقرر کیا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے تعداد پوچھی۔ اس نے کہا روزانہ دو درہم (قریبا سات آنے) حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو کونسا پیشہ کرتا ہے۔ بولا کہ بخاری، نقاشی، آہنگری۔ فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔

دوسرے دن حضرت عُمر رضی اللہ عنہ صبح کی نماز کے لیے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں۔ جب صفیں سیدھی ہو چکتی تو حضرت عُمر رضی اللہ عنہ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اس دن بھی حسب معمول صفیں درست ہو چکیں تو حضرت عُمر رضی اللہ عنہ امامت کے لئے بڑھے اور جونہی نماز شروع کی، فیروز نے دفعتہً گھات سے نکل کر چھ وار کئے۔ جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے فوراً عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

(27 ذوالحجہ 23 ھجری 644 عیسوی)

عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ سامنے بسمل پڑے تھے۔ فیروز نے

---

108 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 2962

اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اس نے خودکشی کر لی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ سب سے پہلے انھوں نے پوچھا کہ میرا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے کہا کہ فیروز فرمایا کہ الحمد للہ کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا زخم چنداں کاری نہیں ہے غالباً شفا ہو جائے۔ چنانچہ ایک طبیب بلایا اس نے عسید اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر نکل آئیں اس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے کہا کہ اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جائیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور اس کہو کہ عمر آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ عبد اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، وہ رو رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سلام کہا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن آج میں عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی۔ عبد اللہ واپس آئے۔ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر کی۔ بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کیا خبر لائے؟ انہوں نے فرمایا جو آپ چاہتے تھے۔ فرمایا کہ یہی سب سے بڑی آرزو تھی۔

اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا، وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے درخوست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کر جائیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے معاملے پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطان و پیچان ہیں۔

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ان چھ شخصوں میں جس کی نسبت کثرت رائے ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن وقاص، عبد الرحمٰن بن عوف رضوان اللہ عنہم تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قوم اور ملک کی بہبود کا جو خیال تھا اس کا اس اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہاں تک ان کی قوت اور حواس نے یاوری دی اس دھن میں صرف رہے۔ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو اس کو میں وصیت کرتا ہوں کی پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ (۱) مہاجرین (۲) انصار (۳) اعراب (۴) وہ اہل عرب جو اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ (۵) اہل ذمہ (یعنی عیسائی، یہودی، پارسی جو اسلام کہ رعایا تھے) پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی۔

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبد اللہ اپنے بیٹے کو بلا کر پوچھا کہ مجھ پر کتنا قرض ہے۔ معلوم ہوا کہ چھیاسی ہزار درہم۔ فرمایا کہ میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے۔ لیکن قریش کے علاوہ کسی اور کو تکلیف نہ دینا۔ (یہ صحیح بخاری کی روایت ہے) لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکان خرید لیا جس سے قرض ادا کیا گیا۔ (فتح الباری)

س کے بعد نزع کی حالت شروع ہو گئی، اسی حالت میں ایک نوجوان آپ کے پاس آیا جس کے ازار ٹخنوں سے نیچی تھی، آپ نے فرمایا کہ اے بھتیجے ذرا اپنے ازار ٹخنوں سے اوپر رکھا کرو۔ اس کپڑا بھی صاف رہتا ہے اور خدا کی اطاعت بھی ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین دن کے بعد فوت ہوئے اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے۔ نماز جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔
حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔ اور آفتاب عالم تاب خاک میں چھپ گیا۔

بَابُ: فَضْلِ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

یہ باب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بیان میں ہے

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مختصر احوال کا بیان

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے معزز قبیلے سے تھا۔ والد عفان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ سلسلہ نسب عبدالمناف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ حضرت عثمان ذوالنورین ص کی نانی نبی پاک ا کی پھوپھی تھیں۔
آپ رضی اللہ عنہ کا نام عثمان اور لقب ذوالنورین ہے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ رضی اللہ عنہ السابقون الاولون کی فہرست میں شامل تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا تھا۔ طبقات ابن سعد کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے چوتھے نمبر پر اسلام قبول کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور کلمہ حق پڑھنے کے جرم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے لوہے کی زنجیروں سے باندھ کر دھوپ میں ڈال دیا، کئی روز تک علیحدہ مکان میں بند رکھا گیا، چچا نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب تک تم نئے مذہب (اسلام) کو نہیں چھوڑو گے آزاد نہیں کروں گا۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ چچا! اللہ کی قسم میں مذہب اسلام کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا اور اس ایمان کی دولت سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گا۔
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اعلیٰ سیرت و کردار کے ساتھ ثروت و سخاوت میں بھی مشہور تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ہر نبی کا ساتھی و رفیق ہوتا ہے میرا ساتھی عثمان رضی اللہ عنہ ہوگا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دائرہ اسلام میں آنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ عرصہ بعد اپنی صاحب زادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ جب کفار مکہ کی اذیتوں سے تنگ آکر مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور حکم الٰہی کے مطابق ہجرت حبشہ کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی مع اپنی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حبشہ ہجرت فرما گئے، مگر جب یہ غلط افواہ پھیلی کہ کفار قریش مسلمان ہو گئے ہیں اور حالات سازگار ہو گئے ہیں تو دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی واپس آ گئے۔ جب ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہاں بھی آپ رضی

اللہ عنہ نے تجارت کی اور کامیاب تاجر ثابت ہوئے۔ ان دنوں مدینہ منورہ میں پانی کی قلت تھی جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نبی پاک کی اجازت سے پانی کا کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف فرمایا۔ غزوۂ بدر میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی علالت کے سبب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے نہ جا سکے۔ غزوۂ احد اور خندق میں شریک ہوئے۔ جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو آپ کی زوجیت میں دے دی۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین معروف ہوا۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت خانہ کعبہ کا ارادہ فرمایا تو حدیبیہ کے مقام پر یہ علم ہوا کہ قریش مکہ آمادہ جنگ ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ بھیجا۔ قریش مکہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روکے رکھا تو افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس موقع پر چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لیا جائے گا۔ یہ بیعت تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے معروف ہے۔ قریش مکہ کو جب صحیح صورت حال کا علم ہوا تو آمادۂ صلح ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔

غزوۂ تبوک میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالی اعانت کی اپیل فرمائی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار فوج کے ایک تہائی اخراجات کی ذمہ داری لے لی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہمراہ تھے۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت کے اہم رکن تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا وصیت نامہ آپ رضی اللہ عنہ نے ہی تحریر فرمایا۔

دینی معاملات پر آپ رضی اللہ عنہ کی رہنمائی کو پوری اہمیت دی جاتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صرف کاتب وحی ہی نہیں تھے بلکہ قرآن مجید آپ کے سینے میں محفوظ تھا۔ آیات قرآنی کے شان نزول سے خوب واقف تھے۔ بطور تاجر دیانت وامانت آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ نرم خو تھے اور فکر آخرت ہر دم پیش نظر رکھتے تھے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں تبلیغ واشاعت اسلام کے لیے فراخ دلی سے دولت صرف فرماتے۔

عام طور پر دن کو روزہ رکھتے، رات ریاضت وعبادت میں گزارتے۔ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے۔ یتیموں، بیواؤں اور مسکینوں کی مسلسل خبر گیری فرماتے۔ ابن عساکر نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس سے جب عثمان رضی اللہ عنہ گزرے تو میرے پاس فرشتہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس فرشتہ نے کہا کہ یہ شہید ہیں ان کو قوم شہید کر دے گی مجھے ان سے شرم آتی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آتے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لباس کو درست فرما لیتے اور فرماتے تھے کہ اس سے کس طرح شرم نہ کروں جس سے فرشتے بھی شرم کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عثمان رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ تجھے خلافت کی قمیص پہنائیں گے، جب منافق اسے

اتارنے کی کوشش کریں تو اسے مت اتارنا یہاں تک کہ تم مجھے آملو۔ چنانچہ جس روز آپ رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا تھا (کہ منافق خلافت کی قمیص اتارنے کی کوشش کریں گے تم نہ اتارنا) اس لیے میں اس پر قائم ہوں اور صبر کر رہا ہوں۔

35ھ میں ذی قعدہ کے پہلے عشرہ میں باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورین کے گھر کا محاصرہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے صبر اور استقامت کا دامن نہیں چھوڑا، محاصرہ کے دوران آپ رضی اللہ عنہ کا کھانا اور پانی بند کر دیا گیا تقریبا چالیس روز بھوکے پیاسے 82 سالہ مظلوم مدینہ حضرت عثمان ص کو جمعۃ المبارک 18 ذوالحجہ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ روزہ کی حالت میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کر دیا گیا۔ (اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کرامات

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب طبقات میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک شخص نے راستہ چلتے ہوئے ایک اجنبی عورت کو گھور گھور کر غلط نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے بعد یہ شخص امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس شخص کو دیکھ کر حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی پر جلال لہجہ میں فرمایا کہ تم لوگ ایسی حالت میں میرے سامنے آتے ہو کہ تمہاری آنکھوں میں زنا کے اثرات ہوتے ہیں۔ شخص مذکور نے (جل بھن کر) کہا کہ کیا رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے بعد آپ پر وحی اترنے لگی ہے؟ آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ میری آنکھوں میں زنا کے اثرات ہیں۔

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے اوپر وحی تو نہیں نازل ہوتی ہے لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے یہ بالکل ہی قول حق اور سچی بات ہے اور خداوند قدوس نے مجھے ایک ایسی فراست (نورانی بصیرت) عطا فرمائی ہے جس سے میں لوگوں کے دلوں کے حالات وخیالات کو معلوم کر لیا کرتا ہوں۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، ازالۃ الخفاء، مقصد)

آدمی جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کے قلب پر ایک سیاہ داغ اور بدنما دھبہ پڑ جاتا ہے اور چونکہ قلب پورے جسم کا بادشاہ ہے اس لئے قلب پر جب کوئی اثر پڑتا ہے تو پورا بدن اس سے متاثر ہو جاتا ہے تو خاصان خدا جن کی آنکھوں میں نور بصارت کے ساتھ ساتھ نور بصیرت بھی ہوا کرتا ہے وہ بدن کے ہر ہر حصہ میں ان اثرات کو اپنے نور فراست اور نگاہ کرامت سے دیکھ لیا کرتے ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ چونکہ اہل بصیرت اور صاحب باطن تھے اس لئے انہوں نے اپنی نگاہ کرامت سے شخص مذکور کی آنکھوں میں اس کے گناہ کے اثرات کو دیکھ لیا اور اس کی آنکھوں کو اس لئے زنا کار کہا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ زنا العینین النظر یعنی کسی اجنبی عورت کو بری نیت سے دیکھنا یہ آنکھوں کا زنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ہاتھ میں کینسر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی شریف کے منبر اقدس پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بالکل ہی اچانک ایک بدنصیب اور خبیث النفس انسان جس کا نام جہجاہ غفاری تھا کھڑا ہو گیا اور آپ کے

دست مبارک سے عصا چھین کر اس کو توڑ ڈالا۔ آپ نے اپنے حلم و حیا کی وجہ سے اس سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا لیکن خداوند قہار و جبار نے اس بے ادبی اور گستاخی پر اس مردود کو یہ سزا دی کہ اسکے ہاتھ میں کینسر کا مرض ہوگیا اور اس کا ہاتھ گل سڑ کر گر پڑا اور وہ یہ سزا پا کر ایک سال کے اندر ہی مر گیا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین جلد۲ ص ۸۶۲)

گستاخی کی سزا

حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ملک شام کی سرزمین میں تھا تو میں نے ایک شخص کو بار بار یہ صدا لگاتے ہوئے سنا کہ ہائے افسوس! میرے لئے جہنم ہے۔ میں اٹھ کر اس کے پاس گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس شخص کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوئے ہیں اور وہ دونوں آنکھوں سے اندھا ہے اور اپنے چہرے کے بل زمین پر اوندھا پڑا ہوا بار بار لگاتار یہی کہہ رہا ہے کہ ہائے افسوس! میرے لئے جہنم ہے۔ یہ منظر دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ اے شخص! تیرا کیا حال ہے؟ اور کیوں اور کس بناء پر تجھے اپنے جہنمی ہونے کا یقین ہے؟ یہ سن کر اس نے یہ کہا: اے شخص! میرا حال نہ پوچھ، میں ان بدنصیب لوگوں میں سے ہوں جو امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے ان کے مکان میں گھس پڑے تھے۔ میں جب تلوار لے کر ان کے قریب پہنچا تو ان کی بیوی صاحبہ نے مجھے ڈانٹ کر شور مچانا شروع کر دیا تو میں نے ان کی بیوی صاحبہ کو ایک تھپڑ مار دیا یہ دیکھ کر امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ تیرے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو کاٹ ڈالے اور تیری دونوں آنکھوں کو اندھی کر دے اور تجھ کو جہنم میں جھونک دے۔

اے شخص! میں امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے پُرجلال چہرے کو دیکھ کر اور ان کی اس قاہرانہ دعا کو سن کر کانپ اٹھا اور میرے بدن کا ایک ایک رونگٹا کھڑا ہوگیا اور میں خوف و دہشت سے کانپتے ہوئے وہاں سے بھاگ نکلا۔

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی چار دعاؤں میں سے تین دعاؤں کی زد میں تو آ چکا ہوں تم دیکھ رہے ہو کہ میرے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹ چکے اور دونوں آنکھیں اندھی ہو چکیں اب صرف چوتھی دعا یعنی میرا جہنم میں داخل ہونا باقی رہ گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ معاملہ بھی یقیناً ہو کر رہے گا چنانچہ اب میں اسی کا انتظار کر رہا ہوں اور اپنے جرم کو بار بار یاد کر کے نادم و شرمسار ہو رہا ہوں اور اپنے جہنمی ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد ۲)

مذکورہ بالا دونوں روایتوں اور کرامتوں سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ بہت بڑا ستار و غفار اور غفور و رحیم ہے، لیکن اگر کوئی بدنصیب اس کے محبوب بندوں کی شان میں کوئی گستاخی و بے ادبی کرتا ہے تو خداوند قدوس کی قہاری و جباری اس مردود کو ہرگز ہرگز معاف نہیں فرماتی بلکہ ضرور بالضرور دنیا و آخرت کے بڑے بڑے عذابوں میں گرفتار کر دیتی ہے اور وہ دونوں جہان میں قہر قہار و غضب جبار کا اس طرح سزاوار ہو جاتا ہے کہ دنیا میں لعنتوں کی مار اور پھٹکار اور آخرت میں عذاب نار کے سوا اس کو کچھ نہیں ملتا۔ رافضی اور وہابی جن کے دین و مذہب کی بنیاد ہی محبوبان خدا کی بے ادبی پر ہے ہم نے ان گستاخوں اور بے ادبوں میں سے کئی ایک کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ان لوگوں پر قہر الٰہی کی ایسی مار پڑی ہے کہ توبہ توبہ الامان۔ اور مرتے وقت ان لوگوں کا اتنا برا حال ہوا ہے کہ توبہ توبہ۔ نعوذ باللہ!

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اللہ والوں کی بے ادبی و گستاخی کی لعنت سے محفوظ رکھے اور اپنے محبوبوں کی تعظیم و توقیر اور ان کے ادب واحترام کی توفیق بخشے۔ امین

خواب میں پانی پی کر سیراب

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جن دنوں باغیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کرلیا اور ان کے گھر میں پانی کی ایک بوند تک کا جانا بند کردیا تھا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پیاس کی شدت سے تڑپتے رہتے تھے میں آپ رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو آپ اس دن روزہ دار تھے۔ مجھ کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن سلام! آج میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے دیدار پرانوار سے خواب میں مشرف ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے انتہائی مشفقانہ لہجے میں ارشاد فرمایا کہ اے عثمان! رضی اللہ عنہ ظالموں نے پانی بند کر کے تمہیں پیاس سے بے قرار کردیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! تو فوراً ہی آپ نے دریچی میں سے ایک ڈول میری طرف لٹکا دیا جو نہایت شیریں اور ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا تھا، میں اس کو پی کر سیراب ہوگیا۔

اور اب اس وقت بیداری کی حالت میں بھی اس پانی کی ٹھنڈک میں اپنی دونوں چھاتیوں اور دونوں کندھوں کے درمیان محسوس کرتا ہوں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے عثمان! اگر تمہاری خواہش ہو تو ان باغیوں کے مقابلہ میں تمہاری امداد و نصرت کروں۔ اور اگر تم چاہو تو ہمارے پاس آ کر روزہ افطار کرو۔ اے عبداللہ بن سلام! میں نے خوش ہو کر یہ عرض کردیا کہ یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم آپ کے دربار پرانوار میں حاضر ہو کر روزہ افطار کرنا یہ زندگی سے ہزاروں لاکھوں درجے زیادہ مجھے عزیز ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس کے بعد رخصت ہو کر چلا آیا اور اسی دن رات میں باغیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا۔ (البدایہ والنہایہ)

اپنے مدفن کی خبر

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع کے اس حصہ میں تشریف لے گئے جو حش کوکب کہلاتا ہے تو آپ نے وہاں کھڑے ہو کر ایک جگہ پر یہ فرمایا کہ عنقریب یہاں ایک مرد صالح دفن کیا جائے گا۔ چنانچہ اس کے بعد ہی آپ کی شہادت ہوگئی اور باغیوں نے آپ کے جنازہ مبارکہ کے ساتھ اس قدر ہلڑ بازی کی کہ آپ کو نہ روضہ منورہ کے قریب دفن کیا جاسکا نہ جنت البقیع کے اس حصہ میں مدفون کیے جاسکے جو کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا قبرستان تھا بلکہ سب سے دور الگ تھلگ حش کوکب میں آپ سپردِ خاک کئے گئے جہاں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہاں امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک بنے گی کیونکہ اس وقت تک وہاں کوئی قبر تھی ہی نہیں۔

(ازالۃ الخفاء، مقصد)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو ان باتوں کا بھی علم عطا فرمادیتا ہے کہ وہ کب اور کہاں وفات پائیں گے

اور کس جگہ انکی قبر بنے گی۔ چنانچہ سینکڑوں اولیاء کرام کے تذکروں میں لکھا ہوا ہے کہ ان اللہ والوں نے قبل از وقت لوگوں کو یہ بتادیا ہے کہ وہ کب؟ اور کہاں؟ اور کس جگہ وفات پاکر مدفون ہوں گے۔

ضروری انتباہ

اس موقع پر بعض کج فہم اور بدعقیدہ لوگ عوام کو بہکاتے رہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ م بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کو نہیں جانتا کہ وہ کونسی زمین میں مرے گا۔ لہٰذا اولیاء کرام کے سب قصے غلط ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیت حق اور برحق ہے اور ہر مؤمن کا اس پر ایمان ہے مگر اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے کوئی شخص اپنی عقل وفہم سے اس بات کو نہیں جان سکتا کہ وہ کب اور کہاں مرے گا۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بذریعہ وحی اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو بطریق کشف وکرامت ان چیزوں کا علم عطا فرمادے تو وہ بھی یہ جان لیتے ہیں کب اور کہاں ان کا انتقال ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس بات کو جانتا ہی ہے کہ کون کہاں مرے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے بتادینے سے خاصان خدا بھی اس بات کو جان لیتے ہیں کہ کون کہاں مرے گا۔ مگر کہاں اللہ تعالیٰ کا علم اور کہاں بندوں کا علم، اللہ تعالیٰ کا علم ازلی، ذاتی اور قدیم ہے اور بندوں کا علم عطائی اور حادث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی، ابدی اور غیر محدود ہے اور بندوں کا علم فانی اور محدود ہے۔

اب یہ مسئلہ نہایت ہی صفائی کے ساتھ واضح ہوگیا کہ قرآنی ارشاد کا مفاد کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کون کب اور کہاں مرے گا؟ اور اہل حق کا یہ عقیدہ کہ اولیاء کرام بھی جانتے ہیں کہ کون کب اور کہاں مرے گا؟ یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں اور ان دونوں باتوں میں ہرگز ہرگز کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ جہاں یہ کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کون کب اور کہاں مرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر خدا کے بتائے کوئی نہیں جانتا اور جہاں یہ کہا گیا کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام واولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم جانتے ہیں کہ کون کب اور کہاں مرے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام واولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم خدا عزوجل کے بتادینے سے جان لیتے ہیں۔ اب ناظرین کرام انصاف فرمائیں کہ ان دونوں باتوں میں کونسا تعارض اور ٹکراؤ ہے؟ دونوں ہی باتیں اپنی اپنی جگہ پر سوفیصدی صحیح اور درست ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شہادت کے بعد غیبی آواز

حضرت عدی بن حاتم صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ کوئی شخص بلند آواز سے یہ کہہ رہا تھا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو راحت اور خوشبو کی بشارت دو اور نہ ناراض ہونے والے رب کی ملاقات کی خوشخبری سناؤ اور خدا کے غفران ورضوان کی بھی بشارت دے دو۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اس آواز کو سن کر ادھر ادھر نظر دوڑانے لگا اور پیچھے مڑ کر بھی دیکھا مگر کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ (شواہد النبوۃ)

مدفن میں فرشتوں کا ہجوم

روایت ہے کہ باغیوں کی ہلڑ بازیوں کے سبب تین دن تک آپ کی مقدس لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ پھر چند جاں نثاروں نے رات کی تاریکی میں آپ کے جنازہ مبارکہ کو اٹھا کر جنت البقیع میں پہنچا دیا اور آپ کی مقدس قبر کھودنے لگے۔ اچانک ان لوگوں نے دیکھا کہ سواروں کی ایک بہت بڑی جماعت ان کے پیچھے پیچھے جنت البقیع میں داخل ہوئی ان سواروں کو دیکھ کر لوگوں پر ایسا خوف طاری ہوا کہ کچھ لوگوں نے جنازہ مبارکہ کو چھوڑ کر بھاگ جانے کا ارادہ کرلیا۔ یہ دیکھ کر سواروں نے با آواز بلند کہا کہ آپ لوگ ٹھہرے رہیں اور بالکل نہ ڈریں، ہم لوگ بھی ان کی تدفین میں شرکت کے لیے یہاں حاضر ہوئے ہیں۔ یہ آواز سن کر لوگوں کا خوف دور ہوگیا اور اطمینان و سکون کے ساتھ لوگوں نے آپ کو دفن کیا۔ قبرستان سے لوٹ کر ان صحابیوں رضی اللہ عنہم نے قسم کھا کر لوگوں سے کہا کہ یقیناً یہ فرشتوں کی جماعت تھی۔ (شواہد النبوۃ)

گستاخ درندہ کے منہ میں

منقول ہے کہ حجاج کا ایک قافلہ مدینہ منورہ پہنچا۔ تمام اہل قافلہ حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر زیارت کرنے اور فاتحہ خوانی کے لئے گئے لیکن ایک شخص جو آپ سے بغض و عناد رکھتا تھا توہین واہانت کے طور پر آپ کی زیارت کے لئے نہیں گیا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ وہ بہت دور ہے اس لئے میں نہیں جاؤں گا۔

یہ قافلہ جب اپنے وطن کو واپس آنے لگا تو قافلہ کے تمام افراد خیر و عافیت اور سلامتی کے ساتھ اپنے اپنے وطن پہنچ گئے لیکن وہ شخص جو آپ رضی اللہ عنہ کی قبر انور کی زیارت کے لیے نہیں گیا تھا اس کا یہ انجام ہوا کہ درمیان راہ میں بیچ قافلہ کے اندر ایک درندہ جانور دراتا اور غراتا ہوا آیا اور اس شخص کو اپنے دانتوں سے دبوچ کر اور پنجوں سے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

یہ منظر دیکھ کر تمام اہل قافلہ نے یک زبان ہو کر یہ کہا کہ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بے ادبی و بے حرمتی کا انجام ہے۔ (شواہد النبوۃ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان رفاقت کا بیان

109- حَدَّثَنَا اَبُوْ مَرْوَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْعُثْمَانِيُّ حَدَّثَنَا اَبِيْ عُثْمَانُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِكُلِّ نَبِيٍّ رَفِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَرَفِيْقِيْ فِيْهَا عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ

⇐⇐ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ”ہر نبی کا جنت میں ایک رفیق ہوگا اور وہاں میرا رفیق عثمان بن عفان ہوگا“۔

---

109 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح

جنت میں "یعنی فی الجنۃ" یہ جملہ معترضہ ہے جو مبتدا اور خبر کے درمیان واقع ہوا ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ یا تو خود حضرت طلحہ نے یا کسی اور راوی نے کسی قرینہ کی بنیاد پر ان الفاظ کے ذریعہ یہاں پر وضاحت کی کہ " میرے رفیق عثمان ہیں" سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ جنت میں میرے رفیق عثمان ہیں، بہرحال الفاظ حدیث سے یہ بات ہرگز مفہوم نہیں ہوتی کہ حضرت عثمان کے علاوہ اور کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا "رفیق" قرار نہیں دیا تھا اور اسی لئے اس حدیث کو اس روایت کے منافی نہیں کہا جا سکتا ہے جو طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نقل کی ہے اور جس کا بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی اپنے اصحاب میں سے کسی کو اپنا مقرب اور مخصوص دوست بنالیتا ہے، میرے اصحاب میں سے میرے مقرب اور مخصوص دوست ابوبکر اور عمر ہیں" ہاں یہ بات ضرور معلوم ہوئی کہ ہر نبی ایک ہی رفیق رکھتا تھا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد رفیق تھے۔ یہ حدیث غریب ہے" کہ یہ غرابت مضمون حدیث کے صحیح ہونے کے منافی نہیں ہے اسی لئے ترمذی نے وضاحت کی کہ اس کی اسناد میں ضعف ہے اور باعتبار اسناد کے اس کو "منقطع" کہا گیا ہے بہرحال ترمذی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ روایت ضعیف ہے لیکن فضائل کے باب میں ضعیف روایت کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لکل نبی خلیل فی امتہ وان خلیلی عثمان ابن عفان۔ "ہر نبی اپنی امت میں سے کسی کو اپنا مخصوص دوست بنالیتا ہے اور میرے مخصوص دوست عثمان ابن عفان ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی اور جبرائیل کے آنے کا بیان

110 - حَدَّثَنَا اَبُوْ مَرْوَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْعُثْمَانِیُّ حَدَّثَنَا اَبِیْ عُثْمَانُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی الزِّنَادِ عَنْ اَبِیْهِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِیَ عُثْمَانَ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا عُثْمَانُ هٰذَا جِبْرِيْلُ اَخْبَرَنِیْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ زَوَّجَكَ اُمَّ كُلْثُوْمٍ بِمِثْلِ صِدَاقِ رُقَيَّةَ عَلٰی مِثْلِ صُحْبَتِهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ مسجد کے دروازے کے قریب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے عثمان! جبرائیل علیہ السلام مجھے یہ بتا رہے ہیں' اللہ تعالیٰ نے تمہاری شادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ طے کر دی ہے اور اس کا مہر وہی ہوگا' جو رقیہ کا مہر تھا اس شرط پر (کہ تم نے ام کلثوم کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا ہے' جو رقیہ) کے ساتھ کیا تھا''۔

آزمائش کے وقت ہدایت پر گامزن رہنے کا بیان

111 - حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ

110 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بِيْرِيْنَ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِتْنَةً فَقَرَّبَهَا فَمَرَّ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ رَأْسُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدٰى فَوَثَبْتُ فَاَخَذْتُ بِضَبْعَىْ عُثْمَانَ ثُمَّ اسْتَقْبَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ هٰذَا قَالَ هٰذَا

◄► حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فتنے کا ذکر کیا اور یہ بتایا کہ یہ عنقریب رونما ہوگا' اسی دوران ایک صاحب وہاں سے گزرے انہوں نے اپنے سر پر کچھ لیا ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس دن یہ شخص ہدایت پر ہوگا''۔

(راوی کہتے ہیں) میں تیزی سے اٹھا اور میں نے جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دونوں بازو پکڑے لیے پھر میں واپس نبی کریم ﷺ کے پاس آیا میں نے گزارش کی: یہ والے صاحب؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''یہ'' (اس دن حق پر ہوگا)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص خلافت کا بیان

112- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْفَرَجُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ يَزِيْدَ الدِّمَشْقِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عُثْمَانُ اِنْ وَلَّاكَ اللّٰهُ هٰذَا الْاَمْرَ يَوْمًا فَاَرَادَكَ الْمُنَافِقُوْنَ اَنْ تَخْلَعَ قَمِيْصَكَ الَّذِىْ قَمَّصَكَ اللّٰهُ فَلَا تَخْلَعْهُ يَقُوْلُ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ

قَالَ النُّعْمَانُ فَقُلْتُ لِعَائِشَةَ مَا مَنَعَكِ اَنْ تُعْلِمِي النَّاسَ بِهٰذَا قَالَتْ اُنْسِيْتُهُ

◄► حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: اے عثمان! ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قمیص پہنائے اور لوگ اسے اتارنے کی کوشش کریں تو تم اسے نہ اتارنا' نبی کریم ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ نعمان نامی راوی کہتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: آپ نے لوگوں کو اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟ انہوں نے جواب دیا: میں یہ بھول گئی تھی۔

شرح

اس حدیث کا مطلب یہ تھا کہ اگر لوگ تمہاری خلافت وحکومت کے تئیں باغیانہ اور معاندانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے تم سے مطالبہ کریں کہ منصب خلافت چھوڑ دو تو ان لوگوں کے کہنے میں ہرگز نہ آنا اور محض ان کے مفسدانہ مطالبہ پر خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ سے نہ جانے دینا کیونکہ وہ لوگ باطل پر ہوں گے اور تم حق وراستی پر ہوگے، ان کا مقصد تمہاری خلافت کا خاتمہ کر کے ملت اسلامیہ میں افتراق وانتشار پھیلانا ہوگا، جب کہ تمہاری خلافت حق وصداقت کی سربلندی اور ملت کی شیرازہ بندی کی علامت ہوگی پس یہی وہ حدیث تھی جس نے حضرت عثمان کو خلافت کے باغیوں اور مفسدوں کے آگے گھٹنے ٹیکنے سے باز رکھا۔ انہوں نے ان

111 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

112 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 3705

ظالموں کے محاصرہ میں جام شہادت نوش کرنے کو ترجیح دی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں ہزار اصرار اور ہزار مطالبوں کے باوجود منصب خلافت سے دستبرداری اختیار نہیں کی۔

ایک طویل داستان ہے" ان الفاظ کے ذریعہ ترمذی نے ان پرفتن حادثات وواقعات کی طرف اشارہ کیا ہے جو حضرت عثمان کی خلافت کے آخری زمانے میں پیش آئے تھے اور جن سے اسلام کی شوکت اور مسلمانوں کا شیرازہ بندی کو بڑا نقصان پہنچا مصر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ گورنر (عبداللہ ابن ابی سرح) کے خلاف مصریوں کا شکایت لے کر حضرت عثمان کے پاس آنا، مصریوں کی شکایت اور صحابہ کے مشورہ پر حضرت عثمان کا عبداللہ ابن سرح کو معزول کر دینا اور محمد ابن ابی بکر کو نیا گورنر مقرر کر کے مصر روانہ کرنا، مروان کی سازش اور جعلسازی کے نتیجہ میں محمد ابن ابی بکر کا مصر نہ پہنچنا اور اثناء راہ سے واپس آ جانا، اس کے نتیجہ میں مصریوں اور ان کے ہمنواؤں کا مشتعل ہو کر حضرت عثمان کے مکان کا محاصرہ کرنا اور پھر ان کے ہاتھوں حضرت عثمان کا مظلومانہ طور پر شہید ہو جانا، وہ المناک اور لرزہ خیز واقعات ہیں جن پر وہ "درد" ناک طویل داستان" مشتمل ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا باغیوں سے خطاب کرنے کا بیان

حضرت ثمامہ ابن حزن قشیری بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت حضرت عثمان کے مکان پر موجود تھا (جب اس کو مفسدوں اور باغیوں کی ایک بڑی جماعت نے محاصرہ میں لے رکھا تھا اور اندر گھس کر حضرت عثمان کو قتل کر دینا چاہتے تھے) حضرت عثمان نے اوپر سے جھانک کر ان باغیوں کو مخاطب کیا اور فرمایا: میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر تم لوگوں سے پوچھتا ہوں، کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ میں تشریف لائے تھے تو اس وقت مدینہ میں رومہ کے کنویں کے علاوہ میٹھے پانی کا کنواں نہ تھا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا تھا کہ کون شخص ہے جو رومہ کے کنویں کو خریدے اور اپنے ڈول کو مسلمانوں کا ڈول بنا دے اس نیکی اور بہتر اجر کے بدلہ میں جو اس (کنویں کو خرید کر وقف کرنے والے) کو اس کنویں کے سبب جنت میں ملے گا۔ تو میں ہی تھا جس نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر) اپنے اصل اور خالص مال سے اس کنویں کو خریدا اور آج مجھ کو اس کنویں کا پانی پینے سے روک رہے ہو یہاں تک کہ میں سمندر کا (یعنی سمندر جیسا کھاری (پانی پینے پر مجبور ہو رہا ہوں، لوگوں نے (یہ سن کر) کہا ہاں اے اللہ! ہمیں اس کا علم ہے (کہ عثمان ہی نے اس کنویں کو خرید کر وقف کیا تھا) پھر حضرت عثمان نے فرمایا: میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب مسجد نبوی نمازیوں کی زیادتی کے سبب تنگ پڑنے لگی تھی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: کون شخص ہے جو فلاں شخص کی اولاد کی زمین خریدے اور اس کے ذریعہ مسجد کی توسیع کر دے اس نیکی اور بہتر اجر کے بدلہ میں جو اس (زمین کو خرید کر مسجد کی توسیع کے لئے وقف کرنے والے) کو اس زمین کے سبب جنت ملے گی، پس یہ میں تھا جس نے اس زمین کو اپنے اصل اور خالص مال سے خریدا اور آج تم مجھ کو اسی زمین پر (چہ جائیکہ اصل مسجد میں) دو رکعت نماز پڑھنے سے روکتے ہو، لوگوں نے (یہ سن کر) کہا: ہاں اے اللہ! ہمیں اس کا علم ہے پھر حضرت عثمان نے فرمایا: میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ میں ہی تھا جس نے جیش عسرۃ (یعنی غزوہ تبوک میں جانے والے لشکر) کی تیاری اپنے مال سے کرائی تھی (اور میری اس مالی خدمت پر آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے میرے حق میں جو قیمتی الفاظ ارشاد فرمائے تھے وہ میرے حسن حال اور حسن مال پر دلالت کرتے ہیں) لوگوں نے (یہ سن کر) کہا، ہاں اے اللہ! ہمیں معلوم ہے، پھر حضرت عثمان نے فرمایا: میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں، کیا تمہیں یہ معلوم ہے کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی پہاڑی پر شبیر پر کھڑے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور میں بھی تھا اور جب وہ پہاڑی (اپنے اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ با وجود دیکھ کر جوش مسرت سے) ہلنے لگی اور اس کے ہلنے سے پہاڑی پر پتھر نیچے کی سمت اور دامن کوہ میں گرنے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑی کو ٹھوکر ماری اور فرمایا: (اے شبیر! ٹھہر جا حرکت نہ کر، اس وقت تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو (حقیقی) شہید ہیں، لوگوں نے (یہ سن کر) کہا: ہاں، اے اللہ! ہمیں اس کا علم ہے اور پھر حضرت عثمان نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا: ان لوگوں نے میری باتوں کی تصدیق کی ہے رب کعبہ کی قسم میں یقیناً شہید ہوں، یہ الفاظ انہوں نے تین بار فرمائے۔

(ترمذی، نسائی، دار قطنی، مشکوۃ شریف جلد پنجم، رقم الحدیث، 683)

"بئر رومہ کا کنواں" یہ مدینہ کے اس بڑے کنویں کا نام ہے جو وادی عقیق میں مسجد قبلتین کے شمالی جانب واقع ہے۔ اس کنویں کا پانی نہایت شیریں، لطیف اور پاکیزہ ہے۔ اس مناسبت سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے مطابق اس کنویں کو خریدنے اور وقف کرنے کے سبب حضرت عثمان کا جنتی ہونا ثابت ہوا، اس کنویں کا ایک نام "بئر جنت یعنی جنتی کنواں" بھی مشہور ہے، اس زمانہ میں حضرت عثمان نے اس کنویں کو ایک لاکھ درہم کے عوض خریدا تھا۔

اور اپنے ڈول کو مسلمانوں کا ڈول بنادے" یہ "وقف کرنے" سے کنایہ ہے یعنی جو شخص اس کنویں کو خریدے اور اس کو اپنی ذاتی ملک قرار نہ دے بلکہ رفاہ عام کے لئے وقف کردے تاکہ جس طرح خود وہ شخص اس کنویں سے فائدہ اٹھائے اسی طرح دوسرے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں اس سے معلوم ہوا کہ سقایات (یعنی کنواں، تالاب اور حوض وغیرہ) وقف کرنا جائز ہے اور یہ کہ وقف کی ہوئی چیز وقف کرنے والے کی ملکیت سے نکل جاتی ہے۔ "ہاں، اے اللہ" ان الفاظ کے ذریعہ ان لوگوں نے حضرت عثمان کی تصدیق کی کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس کی صداقت میں ہمیں ذرہ برابر شبہ نہیں ہے پہلے اللھم (اے اللہ) کا لفظ اسم الہی سے ساتھ حصول برکت کے لئے بھی تھا اور اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لئے بھی۔ "فلاں شخص کی اولاد" سے مراد انصار سے تعلق رکھنے والے خاندان کے وہ افراد تھے جو مسجد نبوی کے قریب آباد تھے اور ان کی ملکیت میں ایسی زمین تھی جس کو مسجد نبوی میں شامل کر دینے سے مسجد شریف وسیع اور کشادہ ہو جاتی، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو متوجہ کیا کہ جو شخص ہمت و استطاعت رکھتا ہو وہ اس زمین کو خرید کر مسجد میں شامل کرنے کے لئے وقف کردے۔

اور حضرت عثمان غنی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق اس زمین کو بیس ہزار یا پچیس ہزار درہم کے عوض خرید کر مسجد نبوی میں شامل کرنے کے لئے وقف کر دیا، مسجد نبوی کی اصل تعمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پہلے سال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ملکر اپنے دست مبارک سے اس مسجد کی تعمیر کی اور پھر ہجرت کے ساتویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد میں اضافہ فرما کر مربع شکل میں کر دیا۔ اس وقت اس کی دیواریں اینٹ

کی تھیں اور چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنائی گئی تھی۔ اور اس کے ستون کھجور کے تنوں پر مشتمل تھے۔

حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں اس مسجد میں کوئی ترمیم وتوسیع نہ ہوئی، پھر ۱۷ھ میں حضرت عمر فاروق نے اس کی مرمت کرائی اور اضافہ بھی فرمایا۔ اس کے بعد ۲۹ھ میں حضرت عثمان نے اس کی از سر نو تعمیر کرائی اور اس کے وسعت وکشادگی کو بھی بڑھایا۔ انہوں نے اس کی دیواریں اور ستون منقش پتھروں اور چونے سے بنوائے اور چھت ساکھو کی لکڑی کی کروائی۔ حضرت عثمان کے بعد خلفاء اور بادشاہ اپنے اپنے دور میں اضافے اور مرمت کراتے رہے یہاں تک کہ ۱۲۶۵ھ میں سلطان عبدالمجید عثمانی نے نئے انداز پر اس مسجد کی پرشکوہ تعمیر کرائی۔ اور پھر اس تعمیر کی دوبارہ تجدید اور توسیع ۱۳۷۲ھ میں شاہ ابن سعود مرحوم کے حکم سے کی گئی۔

اور دو (حقیقی) شہید ہیں" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا پیشین گوئی فرمائی کہ اس وقت یہاں پہاڑی پر جو چار آدمی موجود ہیں ان میں میرے اور ابوبکر صدیق کے علاوہ باقی دو آدمیوں یعنی عمر اور عثمان کو شہادت حقیقی حاصل ہوگی۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات حقیقی معنی میں شہید ہوئے کہ ایک (حضرت عمر) نے تو قاتلانہ حملہ کے نتیجہ میں خنجر کے زخم سے شہادت پائی اور دوسرے (حضرت عثمان) کو باغیوں نے گھر میں گھس کر نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر کے جام شہادت پلایا۔ پس حدیث کے یہ الفاظ اس بات کے منافی نہیں ہیں کہ شہادت حکمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کو حاصل ہوئی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت اس زہر کے اثر عود کرنے سے ہوئی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافی عرصہ پہلے غزوہ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں ملا کر دیا تھا۔

اور حضرت ابوبکر کی موت اس سانپ کے زہر کے اثرات عود کرنے سے ہوئی تھی جس نے ان کو سفر ہجرت کے دوران غار ثور میں ڈس لیا تھا" اللہ اکبر کا نعرہ لگایا" یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر پہلے "اللہ اکبر" کہا اور پھر بعد میں مذکورہ الفاظ ارشاد فرمائے اور یہ "اللہ اکبر" کہنا اپنے باغیوں اور دشمنوں پر زیادہ سے زیادہ حجت قائم کرنے کی نیت سے بھی تھا اور اس امر پر اظہار تعجب کے لئے بھی کہ یہ لوگ ایک طرف تو میری باتوں کی تصدیق کر رہے ہیں اور خود زبان سے ان حقائق کو تسلیم کر رہے ہیں جن سے میری منقبت ظاہر ہوتی ہے اور دوسری طرف اپنی مفسدانہ اور باغیانہ کاروائیوں میں بدستور لگے ہوئے ہیں اور فتنہ وفساد پھیلانے اور مجھے ہلاک کردینے کے عزائم سے باز آنے پر تیار نہیں ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور عہد کو پورا کرنے کا بیان

113- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَّعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ اَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِي حَازِمٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ وَدِدْتُ اَنَّ عِنْدِيْ بَعْضَ اَصْحَابِيْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا نَدْعُوْ لَكَ اَبَا بَكْرٍ فَسَكَتَ قُلْنَا اَلَا نَدْعُوْ لَكَ عُمَرَ فَسَكَتَ قُلْنَا اَلَا نَدْعُوْ لَكَ عُثْمَانَ قَالَ نَعَمْ فَجَآءَ فَخَلَا بِهٖ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَلِّمُهٗ وَوَجْهُ عُثْمَانَ يَتَغَيَّرُ قَالَ قَيْسٌ فَحَدَّثَنِيْ اَبُوْ سَهْلَةَ مَوْلٰى عُثْمَانَ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ يَوْمَ

113: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

الدَّارِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ اِلَىَّ عَهْدًا فَاَنَا صَائِرٌ اِلَيْهِ وَقَالَ عَلِيٌّ فِيْ حَدِيْثِهٖ وَاَنَا صَابِرٌ عَلَيْهِ قَالَ قَيْسٌ فَكَانُوْا يَرَوْنَهٗ ذٰلِكَ الْيَوْمَ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' اپنی بیماری کے دوران نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میری یہ خواہش ہے' میرے پاس میرا کوئی ساتھی ہو' ہم نے عرض کی: یارسول اللہ (ﷺ)! کیا ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے پاس بلوالیں' تو نبی کریم ﷺ خاموش رہے' ہم نے عرض کی: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے پاس نہ بلوالیں' تو نبی کریم ﷺ خاموش رہے' ہم نے عرض کی: کیا ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے لیے نہ بلوالیں' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جی ہاں'' پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے' نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ تنہا ہو کر ان کے ساتھ بات چیت کرنے لگے اسی دوران حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ قیس نامی راوی یہ بیان کرتے ہیں: ابوسہلہ نامی راوی نے یہ بات مجھے بتائی ہے' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے غلام نے یہ بتایا تھا' جس دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تھا' اس دن انہوں نے یہ فرمایا تھا: ''بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا' تو میں اسے پورا کروں گا''۔

علی نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''میں اس پر صبر کروں گا'' قیس نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں' وہ عہد اسی دن کے بارے میں تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

خلیفہ سوم امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعمرو اور لقب ذوالنورین (دونوروالے) ہے۔ آپ قریشی ہیں اور آپ کا نسب نامہ یہ ہے: عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔ آپ کا خاندانی شجرہ عبد مناف پر رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔ آپ نے آغاز اسلام ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور آپ کو آپ کے چچا اور دوسرے خاندانی کافروں نے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے بے حد ستایا۔ آپ نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اس لئے آپ صاحب الہجرتین (دوہجرتوں والے) کہلاتے ہیں اور چونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں اس لئے آپ کا لقب ذوالنورین ہے۔ آپ جنگ بدر کے علاوہ دوسرے تمام اسلامی جہادوں میں کفار سے جنگ فرماتے رہے۔ جنگ بدر کے موقع پر ان کی زوجہ محترمہ جو رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی صاحبزادی تھیں، سخت علیل ہو گئیں تھیں اس لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ان کو جنگ بدر میں جانے سے منع فرما دیا لیکن ان کو مجاہدین بدر میں شمار فرما کر مال غنیمت میں سے مجاہدین کے برابر حصہ دیا اور اجر وثواب کی بشارت بھی دی۔ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ خلیفہ منتخب ہوئے اور بارہ برس تک تخت خلافت کو سرفراز فرماتے رہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی حکومت کی حدود میں بہت زیادہ توسیع ہوئی اور افریقہ وغیرہ بہت سے ممالک

مفتوح ہوکر خلافت راشدہ کے زیر نگیں ہوئے۔ بیاسی برس کی عمر میں مصر کے باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کرلیا اور بارہ ذوالحجہ یا اٹھارہ ذوالحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن ان باغیوں میں سے ایک بدنصیب نے آپ کو رات کے وقت اس حال میں شہید کر دیا۔ آپ قرآن پاک کی تلاوت فرمارہے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے خون کے چند قطرات قرآن شریف کی آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ پر پڑے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ (تاریخ الخلفاء وازالۃ الخفاء)

بَابُ: فَضْلِ عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

یہ باب حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بیان میں ہے

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے مختصر احوال کا بیان

امیر المؤمنین سیدنا علی ابن ابوطالب قریشی ہیں کنیت "ابوالحسن" بھی تھی اور "ابوتراب" بھی کم عمروں میں اسلام لانے والے سب سے پہلے شخص ہیں، قبول اسلام کے وقت عمر کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ قبول اسلام کے دن آپ کی عمر پندرہ سال تھی، بعض حضرات نے آٹھ سال اور بعض نے دس سال بیان کی ہے سیدنا علی غزوہ تبوک کے علاوہ اور سب غزووں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے ہیں غزوہ تبوک کے لئے جاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے اہل وعیال پر خلیفہ مقرر کر کے مدینہ چھوڑ کر گئے تھے اور ان سے فرمایا تھا کہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ میرے نزدیک تمہارا وہی درجہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ہارون علیہ السلام کا تھا، حضرت علی گہرے گندمی رنگ کے تھے آنکھیں بڑی بڑی تھیں، قد میانہ مائل بہ پستی تھا، پیٹ بڑا اور سر کے بال کسی قدر اڑے ہوئے تھے، داڑھی گھنی اور لمبی تھی، دہن کشادہ تھا اور سر اور داڑھی کے بال سفید ہوگئے تھے۔ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن جو حضرت عثمان کا یوم شہادت ہے، حضرت علی مسند آرائے خلافت ہوئے اور ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ جمعہ کے دن فجر کی نماز کے وقت مسجد میں ایک شقی، عبدالرحمن ابن ملجم نے تلوار سے قاتلانہ حملہ کیا جس کے صدمہ سے تین راتوں کے بعد واصل بحق ہوگئے اور مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے بعض مؤرخین نے تاریخ وفات ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ لکھی ہے اور قاتلانہ حملہ کا وقوع اس تاریخ سے دو دن پہلے کا بیان کیا ہے غسل دینے والوں میں دونوں صاحبزادوں حسن اور حضرت حسین کے علاوہ حضرت عبداللہ بن جعفر بھی شامل تھے، حضرت حسن نے نماز جنازہ پڑھائی اور منہ اندھیرے تدفین عمل میں آئی، حضرت علی کی عمر تریسٹھ سال کی اور بعض حضرات کے مطابق پینسٹھ سال کی اور ایک قول کے مطابق ستر سال کی ہوئی، ان کی خلافت چار سال نو ماہ رہی۔

قبر والوں سے سوال وجواب

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کے قبرستان

جنت البقیع میں گئے تو آپ نے قبروں کے سامنے کھڑے ہوکر با آواز بلند فرمایا کہ اے قبر والو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ! کیا تم لوگ اپنی خبریں ہمیں سناؤ گے یا ہم تم لوگوں کو تمہاری خبریں سنائیں؟ اس کے جواب میں قبروں کے اندر سے آواز آئی وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اے امیر المؤمنین! رضی اللہ عنہ آپ ہی ہمیں یہ سنایئے کہ ہماری موت کے بعد ہمارے گھروں میں کیا کیا معاملات ہوئے؟ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے قبر والو! تمہارے گھروں کی خبر یہ ہے کہ تمہاری بیویوں نے دوسرے لوگوں سے نکاح کرلیا اور تمہارے مال و دولت کو تمہارے وارثوں نے آپس میں تقسیم کرلیا اور تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم ہو کر در بدر پھر رہے ہیں اور تمہارے مضبوط اور اونچے اونچے محلوں میں تمہارے دشمن آرام اور چین کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں قبروں میں سے ایک مردہ کی یہ دردناک آواز آئی کہ اے امیر المؤمنین! رضی اللہ عنہ ہماری خبر یہ ہے کہ ہمارے کفن پرانے ہوکر پھٹ چکے ہیں اور جو کچھ ہم نے دنیا میں خرچ کیا تھا اس کو ہم نے یہاں پالیا ہے اور جو کچھ ہم دنیا میں چھوڑ آئے تھے اس میں ہمیں گھاٹا ہی گھاٹا اٹھانا پڑا ہے۔ (حجۃ اللہ علی العالمین)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو یہ طاقت وقدرت عطا فرماتا ہے کہ قبر والے ان کے سوالوں کا با آواز بلند اس طرح جواب دیتے ہیں کہ دوسرے حاضرین بھی سن لیتے ہیں۔ یہ قدرت وطاقت عام انسانوں کو حاصل نہیں ہے۔ لوگ اپنی آوازیں تو مردوں کو سنا سکتے ہیں اور مردے ان کی آوازوں کو سن بھی لیتے ہیں مگر قبر کے اندر سے مردوں کی آوازوں کو سن لینا یہ عام انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے، بلکہ یہ خاصانِ خدا کا خاص حصہ اور خاصہ ہے جس کو ان کی کرامت کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا اور اس روایت سے یہ بھی پتا چلا کہ قبر والوں کا یہ اقبالی بیان ہے کہ مرنے والے دنیا میں جو مال و دولت چھوڑ کر مر جاتے ہیں اس میں مرنے والوں کے لیے سراسر گھاٹا ہی گھاٹا ہے اور جس مال و دولت کو وہ مرنے سے پہلے خدا عز وجل کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وہی ان کے کام آنے والا ہے۔

فالج زدہ اچھا ہوگیا

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب طبقات میں ذکر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دونوں شاہزادگان حضرت امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ حرم کعبہ میں حاضر تھے کہ درمیانی رات میں ناگہاں یہ سنا کہ ایک شخص بہت ہی گڑگڑا کر اپنی حاجت کے لیے دعا مانگ رہا ہے اور زار زار رو رہا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ اس شخص کو میرے پاس لاؤ۔ وہ شخص اس حال میں حاضر خدمت ہوا کہ اس کے بدن کی ایک کروٹ فالج زدہ تھی اور وہ زمین پر گھسٹتا ہوا آپ کے سامنے آیا۔ آپ نے اس کا قصہ دریافت فرمایا تو اس نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! رضی اللہ عنہ میں بہت ہی بے باکی کے ساتھ قسم قسم کے گناہوں میں دن رات منہمک رہتا تھا اور میرا باپ جو بہت ہی صالح اور پابند شریعت مسلمان تھا، بار بار مجھ کو ٹوکتا اور گناہوں سے منع کرتا رہتا تھا میں نے ایک دن اپنے باپ کی نصیحت سے ناراض ہوکر اس کو مار دیا اور میری مار کھا کر میرا باپ رنج وغم میں ڈوبا ہوا حرم کعبہ آیا اور میرے لیے بددعا کرنے لگا۔ ابھی اس کی دعا ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ بالکل ہی اچانک میری ایک کروٹ پر فالج کا اثر ہوگیا اور میں زمین پر گھسٹ کر چلنے لگا۔ اس غیبی سزا سے مجھے بڑی عبرت حاصل ہوئی اور میں نے رو رو کر اپنے باپ

سے اپنے جرم کی معافی طلب کی اور میرے باپ نے اپنی شفقت پدری سے مجبور ہو کر مجھ پر رحم کھایا اور مجھے معاف کر دیا اور کہا کہ بیٹا چل! جہاں میں نے تیرے لیے بد دعا کی تھی اسی جگہ اب میں تیرے لئے صحت وسلامتی کی دعا مانگوں گا۔ چنانچہ میں اپنے باپ کو اونٹنی پر سوار کر کے مکہ معظمہ لا رہا تھا کہ راستے میں بالکل ناگہاں اونٹنی ایک مقام پر بدک کر بھاگنے لگی اور میرا باپ اس کی پیٹھ پر سے گر کر دو چٹانوں کے درمیان ہلاک ہو گیا اور اب میں اکیلا ہی حرم کعبہ میں آ کر دن رات روزو کر خدا تعالیٰ سے اپنی تندرستی کے لیے دعائیں مانگتا رہتا ہوں۔

امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے ساری سرگزشت سن کر فرمایا کہ اے شخص! اگر واقعی تیرا باپ تجھ سے خوش ہو گیا تھا تو اطمینان رکھ کہ خدا کریم بھی تجھ سے خوش ہو گیا ہے۔ اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ میں بحلف شرعی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا باپ مجھ سے خوش ہو گیا تھا۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی حالت زار پر رحم کھا کر اس کو تسلی دی اور چند رکعت نماز پڑھ کر اس کی تندرستی کے لئے دعا مانگی۔ پھر فرمایا کہ اے شخص! اٹھ کھڑا ہو جا! یہ سنتے ہی وہ بلا تکلف اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور چلنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اے شخص! اگر تو نے قسم کھا کر یہ نہ کہا ہوتا کہ تیرا باپ تجھ سے خوش ہو گیا تھا تو میں ہرگز تیرے لئے دعا نہ کرتا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین)

گرتی ہوئی دیوار تھم گئی

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دیوار کے سائے میں ایک مقدمہ کا فیصلہ فرمانے کے لیے بیٹھ گئے۔ درمیان مقدمہ میں لوگوں نے شور مچایا کہ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ یہاں سے اٹھ جائیے یہ دیوار گر رہی ہے۔ آپ نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ فرمایا کہ مقدمہ کی کارروائی جاری رکھو۔ اللہ تعالیٰ بہترین، حافظ وناصر ونگہبان ہے۔ چنانچہ اطمینان کے ساتھ آپ اس مقدمہ کا فیصلہ فرما کر جب وہاں سے چل دیئے تو فوراً ہی وہ دیوار گر گئی۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد)

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ خداوند قدوس اپنے اولیاء کرام کو ایسی ایسی روحانی طاقتیں عطا فرماتا ہے کہ ان کے اشاروں سے گرتی ہوئی دیواریں تو کیا چیز ہیں؟ بہتے ہوئے دریاؤں کی روانی بھی ٹھہر جاتی ہے۔ سچ ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

آپ کو جھوٹا کہنے والا اندھا ہو گیا

علی بن زاذان کا بیان ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کوئی بات ارشاد فرمائی تو ایک بدنصیب نے نہایت ہی بیباکی کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ آپ جھوٹے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے شخص! اگر میں سچا ہوں تو ضرور تو قہر الٰہی میں گرفتار ہو جائے گا۔ اس گستاخ نے کہہ دیا کہ آپ میرے لیے بد دعا کر دیجئے، مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ اس کے منہ سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ بالکل ہی اچانک وہ شخص دونوں آنکھوں سے اندھا ہو گیا اور ادھر ادھر ہاتھ پاؤں

مارے لگا۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد)

کون کہاں مرے گا؟ کہاں دفن ہوگا

حضرت اصبغ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر میں میدان کربلا کے اندر ٹھیک اس جگہ پہنچے جہاں آج حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر انور بنی ہوئی ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اس جگہ آئندہ زمانے میں ایک آلِ رسول (رضی اللہ عنہم) کا قافلہ ٹھہرے گا اور اس جگہ ان کے اونٹ بندھے ہوئے ہوں گے اور اسی میدان میں جوانانِ اہلِ بیت کی شہادت ہوگی اور اسی جگہ ان شہیدوں کا مدفن رہے گا اور ان لوگوں پر آسمان و زمین روئیں گے۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد، بحوالہ الریاض النضرۃ)

روایت بالا سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء اللہ کو بذریعہ کشف برسوں بعد ہونے والے واقعات اور لوگوں کے حالات یہاں تک کہ لوگوں کی موت اور مدفن کی کیفیات کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور یہ درحقیقت علمِ غیب ہے جو اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے سے اولیاء کرام کو حاصل ہوا کرتا ہے اور یہ اولیاء کرام کی کرامت ہوا کرتی ہے۔

فرشتوں نے چکی چلائی

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے ان کے مکان پر بھیجا تو میں نے وہاں یہ دیکھا کہ ان کے گھر میں چکی بغیر کسی چلانے والے کے خود بخود چل رہی ہے۔ جب میں نے بارگاہِ رسالت میں اس عجیب کرامت کا تذکرہ کیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے بھی ہیں جو زمین میں سیر کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کی یہ بھی ڈیوٹی فرما دی ہے کہ وہ میری آل کی امداد و اعانت کرتے رہیں۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد)

اس روایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی آلِ پاک کو بارگاہِ خداوندی میں اس قدر قرب اور مقبولیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو ان کی امداد و نصرت اور حاجت برآری کے لئے خاص طور پر مقرر فرما دیا ہے۔ یہ شرف حضرات اہلِ بیت کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی نسبتِ خاصہ کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ سبحان اللہ! سلطانِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی عزت و عظمت اور ان کے وقار و اقتدار کا کیا کہنا؟ کہ آپ کے گھر والوں کی چکی فرشتے چلایا کرتے تھے۔

میں کب وفات پاؤں گا؟

حضرت فضالہ بن ابی فضالہ رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ مقام ینبع میں بہت سخت بیمار ہو گئے تو میں اپنے والد کے ہمراہ ان کی عیادت کے لیے گیا۔ دورانِ گفتگو میرے والد نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! رضی اللہ عنہ آپ اس وقت ایسی جگہ علالت کی حالت میں مقیم ہیں اگر اس جگہ آپ کی وفات ہو گئی تو قبیلہ جہینہ کے

گنواروں کے سوا اور کون آپ کی تجہیز و تکفین کریگا؟ اس لئے میری گزارش ہے کہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے چلیں کیونکہ وہاں اگر یہ حادثہ رونما ہوا تو وہاں آپ کے جاں نثار مہاجرین و انصار اور دوسرے مقدس صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور یہ مقدس ہستیاں آپ کے کفن دفن کا انتظام کریں گی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اے ابو فضالہ! تم اطمینان رکھو کہ میں اپنی بیماری میں ہرگز ہرگز وفات نہیں پاؤں گا۔ سن لو اس وقت تک ہرگز ہرگز میری موت نہیں آسکتی جب تک کہ مجھے تلوار مار کر میری پیشانی اور داڑھی کو خون سے رنگین نہ کر دیا جائے۔ (ازالۃ الخفاء، مقصد)

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بد بخت عبد الرحمٰن بن ملجم مرادی خارجی نے آپ کی مقدس پیشانی پر تلوار چلا دی، جو آپ کی پیشانی کو کاٹتی ہوئی جبڑے تک پیوست ہوگئی۔ اس وقت آپکی زبان مبارک سے یہ جملہ ادا ہوا: فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ (یعنی کعبہ کے رب کی قسم! کہ میں کامیاب ہوگیا) اس زخم میں آپ شہادت کے شرف سے سرفراز ہو گئے اور آپ نے حضرت ابو فضالہ رضی اللہ عنہ سے مقام ینبع میں جو فرمایا تھا وہ حرف بحرف صحیح ہو کر رہا۔

درِ خیبر کا وزن

جنگ خیبر میں جب گھمسان کی جنگ ہونے لگی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ڈھال کٹ کر گر پڑی تو آپ نے جوش جہاد میں آگے بڑھ کر قلعہ خیبر کا پھاٹک اکھاڑ ڈالا اور اس کے ایک کواڑ کو ڈھال بنا کر اس پر دشمنوں کی تلواروں کو روکتے تھے۔ یہ کواڑ اتنا بھاری اور وزنی تھا کہ جنگ کے خاتمہ کے بعد چالیس آدمی ملکر بھی اس کو نہ اٹھا سکے۔ (زرقانی)

کیا فاتح خیبر کے اس کارنامہ کو انسانی طاقت کی کارگزاری کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ یہ انسانی طاقت کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ یہ روحانی طاقت کا ایک شاہکار ہے جو فقط اللہ والوں ہی کا حصہ ہے جس کو عرف عام میں کرامت کہا جاتا ہے۔

کٹا ہوا ہاتھ جوڑ دیا

روایت ہے کہ ایک حبشی غلام جو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتہائی مخلص محب تھا، شامت اعمال سے اس نے ایک مرتبہ چوری کر لی، لوگوں نے اس کو پکڑ کر دربار خلافت میں پیش کر دیا اور غلام نے اپنے جرم کا اقرار بھی کر لیا۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ جب وہ اپنے گھر کو روانہ ہوا تو راستہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ابن الکرا سے اس کی ملاقات ہوگئی۔ ابن الکرا نے پوچھا کہ تمہارا ہاتھ کس نے کاٹا؟ تو غلام نے کہا: امیر المؤمنین و یعسوب المسلمین، داماد رسول و زوج بتول نے۔ ابن الکرا نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمہارا ہاتھ کاٹ ڈالا پھر بھی تم اس قدر اعزاز و اکرام اور مدح و ثناء کے ساتھ انکا نام لیتے ہو؟ غلام نے کہا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے حق پر میرا ہاتھ کاٹا اور مجھے عذاب جہنم سے بچا لیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دونوں کی گفتگو سنی اور امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے اس غلام کو بلوا کر اس کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی کلائی پر رکھ کر رومال سے چھپا دیا پھر کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ اتنے میں ایک غیبی آواز آئی کہ رومال ہٹاؤ جب لوگوں نے رومال ہٹایا تو غلام کا کٹا ہوا ہاتھ اس طرح کلائی سے جڑ گیا تھا کہ کہیں کٹنے کا نشان بھی نہیں تھا۔ (تفسیر کبیر)

شوہر، عورت کا بیٹا نکلا

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاشانہ خلافت سے کچھ دور ایک مسجد کے پہلو میں دو میاں بیوی رات بھر جھگڑا کرتے رہے۔ صبح کو امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے دونوں کو بلا کر جھگڑے کا سبب دریافت فرمایا، شوہر نے عرض کیا، اے امیر المؤمنین! رضی اللہ عنہ میں کیا کروں؟ نکاح کے بعد مجھے اس عورت سے بے انتہا نفرت ہوگئی، یہ دیکھ کر بیوی مجھ سے جھگڑا کرنے لگی، پھر بات بڑھ گئی اور رات بھر لڑائی ہوتی رہی۔ آپ نے تمام حاضرین دربار کو باہر نکال دیا اور عورت سے فرمایا کہ دیکھ میں تجھ سے جو سوال کروں اس کا سچ سچ جواب دینا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عورت! تیرا نام یہ ہے؟ تیرے باپ کا نام یہ ہے؟ عورت نے کہا کہ بالکل ٹھیک آپ نے بتایا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے عورت تو یاد کر کہ تو زنا کاری سے حاملہ ہوگئی تھی اور ایک مدت تک تو اور تیری ماں اس حمل کو چھپاتی رہی۔ جب درد زہ شروع ہوا تو تیری ماں تجھے اس گھر سے باہر لے گئی اور جب بچہ پیدا ہوا تو اس کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر تو نے میدان میں ڈال دیا۔ اتفاق سے ایک کتا اس بچے کے پاس آیا۔ تیری ماں نے اس کتے کو پتھر مارا لیکن وہ پتھر بچے کو لگا اور اس کا سر پھٹ گیا تیری ماں کو بچے پر رحم آ گیا اور اس نے بچے کے زخم پر پٹی باندھ دی۔ پھر تم دونوں وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ اس کے بعد اس بچے کی تم دونوں کو کچھ بھی خبر نہیں ملی۔ کیا یہ واقعہ سچ ہے؟ عورت نے کہا کہ ہاں! اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ یہ پورا واقعہ حرف بحرف صحیح ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے مرد! تو اپنا سر کھول کر اس کو دکھا دے۔ مرد نے سر کھولا تو اس زخم کا نشان موجود تھا۔ اس کے بعد امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے

عورت! یہ مرد تیرا شوہر نہیں ہے بلکہ تیرا بیٹا ہے، تم دونوں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم دونوں کو حرام کاری سے بچا لیا، اب تو اپنے اس بیٹے کو لے کر اپنے گھر چلی جا۔ (شواہد النبوۃ)

مذکورہ بالا دونوں مستند کرامتوں کو بغور پڑھیے اور ایمان رکھیے کہ خداوند قدوس کے اولیاء کرام عام انسانوں کی طرح نہیں ہوا کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے ان محبوب بندوں کو ایسی ایسی روحانی طاقتوں کا بادشاہ بلکہ شہنشاہ بنا دیتا ہے کہ ان بزرگوں کے تصرفات اور ان کی روحانی طاقتوں اور قدرتوں کی منزل بلند تک کسی بڑے سے بڑے فلسفی کی عقل وفہم کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔

خدا کی قسم! میں حیران ہوں کہ کتنے بڑے جاہل یا متجاہل ہیں وہ لوگ جو اولیاء کرام کو بالکل اپنے ہی جیسا سمجھ کر ان کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرتے ہیں اور اولیاء کرام کے تصرفات کا چلا چلا کر انکار کرتے پھرتے ہیں تعجب ہے کہ ایسے ایسے واقعات جو نور ہدایت کے چاند تارے ہیں ان منکروں کی نگاہ سے آج تک اوجھل ہی ہیں مگر اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، جو دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو بند کر لے اس کو چاند ستارے تو کیا سورج کی روشنی بھی نظر نہیں آ سکتی۔ در حقیقت اولیاء کرام کے منکرین کا یہی حال ہے۔

ذرا دیر میں قرآن کریم ختم کر لیتے

یہ کرامت روایات صحیحہ سے ثابت کہ آپ گھوڑے پر سوار ہوتے وقت ایک پاؤں رکاب میں رکھتے اور قرآن مجید شروع کرتے اور دوسرا پاؤں رکاب میں رکھ کر گھوڑے کی زین پر بیٹھنے تک اتنی دیر میں ایک قرآن مجید ختم کر لیا کرتے تھے۔ (شواہد النبوۃ)

اشارہ سے دریا کی طغیانی ختم

ایک مرتبہ نہر فرات میں ایسی خوفناک طغیانی آ گئی کہ سیلاب میں تمام کھیتیاں غرقاب ہو گئیں لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے دربار گوہر بار میں فریاد کی۔ آپ فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا جبہ مبارکہ وعمامہ مقدسہ وچادر مبارکہ زیب تن فرما کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور آدمیوں کی ایک جماعت جس میں حضرت امام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے، آپ کے ساتھ چل پڑے۔ آپ نے پل پر پہنچ کر اپنے عصاء سے نہر فرات کی طرف اشارہ کیا تو نہر کا پانی ایک گز کم ہو گیا۔ پھر دوسری مرتبہ اشارہ فرمایا تو مزید ایک گز کم ہو گیا جب تیسری بار اشارہ کیا تو تین گز پانی اتر گیا اور سیلاب ختم ہو گیا۔ لوگوں نے شور مچایا کہ امیر المؤمنین! رضی اللہ عنہ بس کیجئے یہی کافی ہے۔ (شواہد النبوۃ)

جاسوس اندھا ہو گیا

ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ کے پاس رہ کر جاسوسی کیا کرتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کی خفیہ خبریں آپ کے مخالفین کو پہنچایا کرتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جب اس سے دریافت فرمایا تو وہ شخص قسمیں کھانے لگا اور اپنی برأت ظاہر کرنے لگا۔ آپ نے جلال میں آ کر فرمایا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تیری آنکھوں کی روشنی چھین لے۔ ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ یہ شخص اندھا ہو گیا اور لوگ اس کو لاٹھی پکڑا کر چلانے لگے۔ (شواہد النبوۃ)

تمہاری موت کس طرح ہو گی؟

ایک شخص آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کو اس کے حالات بتا کر یہ بتایا کہ تم کو فلاں کھجور کے درخت پر پھانسی دی جائے گی۔ چنانچہ اس شخص کے بارے میں جو کچھ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا وہ حرف بحرف درست نکلا اور آپ کی پیش گوئی پوری ہو کر رہی۔ (شواہد النبوۃ)

پتھر اٹھایا تو چشمہ اُبل پڑا

مقام صفین کو جاتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کا لشکر ایک ایسے میدان سے گزرا جہاں پانی نایاب تھا، پورا لشکر پیاس کی شدت سے بے تاب ہو گیا۔ وہاں کے گرجا گھر میں ایک راہب رہتا تھا۔ اس نے بتایا کہ یہاں سے دو کوس کے فاصلے پر پانی مل سکے گا۔ کچھ لوگوں نے اجازت طلب کی تا کہ وہاں سے جا کر پانی پئیں، یہ سنکر آپ اپنے خچر پر سوار ہو گئے اور ایک جگہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس جگہ تم لوگ زمین کو کھودو۔ چنانچہ لوگوں نے زمین کی کھدائی شروع کر دی تو ایک پتھر ظاہر ہوا۔ لوگوں نے اس پتھر کو نکالنے کی انتہائی کوشش کی لیکن تمام آلات بے کار ہو گئے اور وہ پتھر نہ نکل سکا۔ یہ دیکھ کر آپ کو جلال آ گیا اور آپ نے اپنی سواری سے اتر کر آستین چڑھائی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو اس پتھر کی دراز میں ڈال کر زور لگایا تو وہ پتھر نکل پڑا اور اس کے نیچے سے ایک نہایت ہی صاف شفاف اور شیریں پانی کا چشمہ ظاہر ہو گیا اور تمام لشکر اس پانی سے سیراب ہو گیا۔ لوگوں نے اپنے جانوروں کو بھی پلایا اور لشکر کی تمام مشکوں کو بھی بھر لیا، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس پتھر کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ گرجا گھر کا عیسائی راہب آپ کی یہ کرامت

دیکھ کر سامنے آیا اور آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ فرشتہ ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے پوچھا کیا آپ نبی ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا: پھر آپ کون ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں پیغمبر مرسل حضرت محمد بن عبداللہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا صحابی ہوں اور مجھ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے چند باتوں کی وصیت بھی فرمائی ہے۔ یہ سن کر وہ عیسائی راہب کلمہ شریف پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے اتنی مدت تک اسلام کیوں قبول نہیں کیا تھا؟ راہب نے کہا کہ ہماری کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اس گرجا گھر کے قریب جو ایک چشمہ پوشیدہ ہے اور اس چشمہ کو وہی شخص ظاہر کریگا جو یا تو نبی ہوگا یا نبی کا صحابی ہوگا۔ چنانچہ میں اور مجھ سے پہلے بہت سے راہب اس گرجا گھر میں اسی انتظار میں مقیم رہے۔ اب آج آپ نے یہ چشمہ ظاہر کر دیا تو میری مراد بر آئی۔ اس لئے میں نے آپ کے دین کو قبول کر لیا۔ راہب کی تقریر سن کر آپ رو پڑے اور اس قدر روئے کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا: الحمد للہ! عزوجل کہ ان لوگوں کی کتابوں میں بھی میرا ذکر ہے۔ یہ راہب مسلمان ہو کر آپ کے خادموں میں شامل ہو گیا اور آپ کے لشکر میں داخل ہو کر شامیوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گیا اور آپ نے اس کو اپنے دست مبارک سے دفن کیا اور اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ (شواہد النبوۃ)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت علامت ایمان ہونے کا بیان

114- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَّاَبُوْمُعَاوِيَةَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ عَهِدَ اِلَيَّ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ لَا يُحِبُّنِيْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا يُبْغِضُنِيْ اِلَّا مُنَافِقٌ

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے مجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ صرف مومن ہی مجھ سے محبت رکھے گا اور صرف منافق ہی مجھ سے بغض رکھے گا۔

شرح

محبت سے مراد وہ محبت ہے جو شرعی تقاضوں کے ہم آہنگ واقع کے مطابق اور نقصان وزیادتی کے بغیر ہو پس جس طرح وہ لوگ کہ جو حضرت علی کے حقیقی مقام ومرتبہ کو گھٹاتے ہیں جیسے خارجیہ کے لوگ حب علی کی محرومی کے سبب اس حدیث میں مذکورہ "مؤمن" کا مصداق نہیں بن سکتے اسی طرح وہ لوگ بھی کہ جو حضرت علی کی محبت میں غیر شرعی اور غیر حقیقی غلو کرتے ہیں اور اس غلو کے نتیجہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے بغض وعداوت رکھتے ہیں جیسے روافض کے بعض طبقے، اس حدیث میں مذکور "مؤمن" کا مصداق ہرگز نہیں ہو سکتے۔ بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض وعداوت نفاق کی نشانی ہے ایک اور روایت میں جو حضرت علی ہی سے منقول ہے یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من احبني واحب

114 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 237 'اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3736 'اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 5033 'ورقم الحدیث 5037

هذين وأباهما وأمهما كان معي في درجتي يوم القيامة . " جس شخص نے مجھ سے اور ان دونوں (حسن وحسین) سے اور ان دونوں کے باپ اور ان دونوں کی ماں سے محبت رکھی، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا۔ (احمد، ترمذی)

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور اہل بیت نبوی سے محبت کا عین تقاضہ یہ ہے کہ ان سب صحابہ سے محبت و عقیدت رکھنی چاہیے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی اور اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم محبت و تعلق رکھتے ہیں تھے جس طرح حضرت علی کی محبت ایمان کی علامت ہے اسی طرح تمام صحابہ کی محبت ایمان کی علامت ہے اور جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے اسی طرح دوسرے کسی صحابی سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔

ابن عساکر نے حضرت جابر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ ابوبکر وعمر کی محبت جزو ایمان ہے اور ان سے بغض کفر ہے انصار کی محبت جزو ایمان ہے اور ان سے بغض کفر ہے اہل عرب کی محبت جزو ایمان ہے اور ان سے بغض کفر ہے اور جس شخص نے میرے صحابہ کو سب وشتم کیا اس پر اللہ کی لعنت ہو اور جس شخص نے صحابہ کو (دوسروں کے سب وشتم سے بچایا اس کو قیامت کے دن کی ہولناکیوں اور سختیوں سے) میں بچاؤں گا۔ (ابن عساکر)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے نسبت کا بیان

115- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرٰهِيْمَ قَالَ سَمِعْتُ اِبْرٰهِيْمَ بْنَ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لِعَلِيٍّ اَلَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى

◄► مصعب بن سعد اپنے والد (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہاری میرے ساتھ وہی نسبت ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی۔

شرح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی زندگی کے آخری غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو حضرت علی کو اپنے اہل وعیال کی خبر گیری وحفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا، اس پر منافقوں نے حضرت علی کو طعنہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بے قدر جان کر مدینہ میں چھوڑ گئے ہیں، حضرت علی نے منافقوں کا یہ طعنہ سنا تو بڑی غیرت محسوس کی اور فوراً ہتھیار باندھ کر نکل کر کھڑے ہوئے اور " جرف پہنچ گئے جو مدینہ سے تقریباً تین میل شمال میں واقعہ ایک جگہ ہے اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھے، انہوں نے حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! منافقین میرے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہہ رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جھوٹے ہیں میں نے تو تمہیں مدینہ میں اپنے اہل وعیال پر بھی میرا خلیفہ بن کر رہو اور پھر اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ علی! کیا تم اس

115 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3706 'اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6168

سے خوش نہیں ہو کہ تمہارا مجھ سے وہی تعلق ہے جو ہارون علیہ السلام کا موسیٰ سے تھا کہ جب موسیٰ چلا دینے کوہ طور پر گئے تھے تو اپنی قوم میں ہارون کو اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑ گئے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے کے حکم کا بیان

116- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُو الْحُسَيْنِ اَخْبَرَنِي حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّتِهِ الَّتِي حَجَّ فَنَزَلَ فِي بَعْضِ الطَّرِيْقِ فَاَمَرَ الصَّلٰوةَ جَامِعَةً فَاَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ اَلَسْتُ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ اَلَسْتُ اَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ قَالُوْا بَلٰى قَالَ فَهٰذَا وَلِيُّ مَنْ اَنَا مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ اَللّٰهُمَّ عَادِ مَنْ عَادَاهُ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے جو حج کیا تھا ہم اس میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ آئے' نبی کریم ﷺ نے راستے میں ایک جگہ پر پڑاؤ کیا' پھر نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اکٹھا کرنے کا حکم دیا' پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ارشاد فرمایا: ''کیا میں تمام اہل ایمان کے نزدیک ان کی جان سے زیادہ قریب نہیں ہوں' لوگوں نے عرض کی: ''جی ہاں'' نبی کریم ﷺ نے دریافت کیا۔

''کیا میں ہر مومن کے نزدیک اس کی اپنی جان سے زیادہ قریب نہیں ہوں''۔ لوگوں نے عرض کی: جی ہاں' تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کا میں محبوب ہوں' یہ بھی اس کا محبوب ہے' اے اللہ جو اس سے محبت کرتا ہے' تو اس سے محبت رکھ' اور جو اس سے دشمنی رکھتا ہے' تو اس سے دشمنی رکھ''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا محبوب الٰہی ہونے کا بیان

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (بھنا یا پکا ہوا) پرندہ رکھا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی: اے اللہ! تیری مخلوق میں جو بہت زیادہ تجھ کو محبوب ہو اس کو میرے پاس بھیج دے تاکہ وہ میرے ساتھ اس پرندہ کا گوشت کھائے۔ پس حضرت علی آئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھایا، اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوٰۃ شریف، جلد پنجم: رقم الحدیث، 709)

شارحین نے حدیث کا یہ مطلب بعض تخصیصات وقیود کے ساتھ بیان کیا ہے مثلاً یہ کہ سیدنا علی اللہ کے محبوب ترین بندے تھے، سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے محبوب ترین بندوں میں سے ایک تھے یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زادوں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین رشتہ داروں میں اللہ کے محبوب ترین بندے سیدنا علی تھے اور یا یہ مراد ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک اور احسان کا ترجیحی بنیاد پر سب سے زیادہ استحقاق رکھنے والوں میں اللہ کے نزدیک اس کے محبوب ترین بندے سیدنا علی تھے۔ ان تحقیقات اور قیود سے شارحین کا مقصد غالباً یہ ہے کہ الفاظ حدیث سے یہ مطلب اخذ کیا جا سکے کہ سیدنا علی، حضرت

116 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ابوبکر اور حضرت عمر سے بھی زیادہ محبوبیت رکھتے تھے، حالانکہ حقیقت میں ان تخصیصات وقیود کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اول تو یہ یقینی بات ہے کہ حدیث میں "مخلوق" سے علی العموم تمام مخلوق مراد نہیں ہے۔

اگر علی العموم تمام مخلوق مراد لی جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ سیدنا علی کا مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھا ہوا تھا جو نہ صرف یہ کہ علی الطلاق محبوب ترین بندے ہیں بلکہ سید المحبوبین اور افضل الخلوقین بھی ہیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سیدنا علی کو کیا کسی کو بھی فضیلت نصیب نہیں ہوسکتی، دوسرے یہ کہ اگر کسی خاص نسبت اور کسی مخصوص حیثیت کے اعتبار سے سیدنا علی کا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے بھی محبوب تر بندہ ہونا ثابت ہو تو بجمیع وجوہ مراد نہ ہونے کے سبب اس کو ابوبکر وعمر پر علی کی جزوی فضیلت کہیں گے اور یہ جزوی فضیلت ان دونوں کی اس کلی فضیلت کے منافی ہرگز نہیں ہوگی جو کثرت اجر اور ثواب کی بنا پر اور بجمیع وجوہ ان کو حاصل ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سردی وگرمی نہ لگنے کا بیان

117- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ لَیْلٰی حَدَّثَنَا الْحَکَمُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ کَانَ اَبُوْ لَیْلٰی یَسْمُرُ مَعَ عَلِیٍّ فَکَانَ یَلْبَسُ ثِیَابَ الصَّیْفِ فِی الشِّتَاءِ وَثِیَابَ الشِّتَاءِ فِی الصَّیْفِ فَقُلْنَا لَوْ سَاَلْتَهٗ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ اِلَیَّ وَاَنَا اَرْمَدُ الْعَیْنِ یَوْمَ خَیْبَرَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَرْمَدُ الْعَیْنِ فَتَفَلَ فِیْ عَیْنِیْ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ قَالَ فَمَا وَجَدْتُ حَرًّا وَّلَا بَرْدًا بَعْدَ یَوْمِئِذٍ وَّقَالَ لَاَبْعَثَنَّ رَجُلًا یُّحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ لَیْسَ بِفَرَّارٍ فَتَشَرَّفَ لَهُ النَّاسُ فَبَعَثَ اِلٰی عَلِیٍّ فَاَعْطَاهَا اِیَّاهُ

◄► عبدالرحمن بن ابولیلیٰ بیان کرتے ہیں۔ (میرے والد) حضرت ابولیلیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رات کے وقت دیر تک گفتگو کرتے رہتے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سردی کے موسم میں گرمیوں والے کپڑے پہنتے تھے اور گرمی کے موسم میں سردیوں والے کپڑے پہنتے تھے' ہم نے اپنے والد سے کہا: اگر آپ ان سے اس بارے میں دریافت کریں (تو مناسب ہوگا ان کے دریافت کرنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے) بتایا:

غزوہ خیبر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا' مجھے اس وقت آشوب چشم کی شکایت تھی' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آشوب چشم کی شکایت ہے' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن میری آنکھوں میں ڈالا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی:

''اے اللہ! اس سے گرمی اور سردی کو پرے کر دے''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں اس کے بعد مجھے کبھی گرمی یا سردی محسوس نہیں ہوئی' (اس دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: ''میں ایسے شخص کو بھیجوں گا' جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت رکھتے ہیں وہ فرار اختیار نہیں کرے گا''۔ لوگ

117 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

مکمل طور پر نبی کریم ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور انہیں (لڑنے کا جھنڈا) عطا کیا۔

فاتح خیبر ہونے کے شرف وسعادت کا بیان

حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن فرمایا: کل میں یہ جھنڈا (کہ جو کمانداری کی علامت ہے) ایسے شخص کو عطا کروں گا کہ جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا اور وہ شخص اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اس کو دوست رکھتے ہیں" چنانچہ تمام صحابہ نے اس انتظار اور شوق میں پوری رات جاگ کر گزاری کہ دیکھئے کل صبح یہ سرفرازی کس کے حصہ میں آتی ہے اور جب) صبح ہوئی تو ہر شخص اس آرزو کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ جھنڈا اسی کو ملے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (تمام صحابہ پر نظر ڈال کر فرمایا کہ " علی ابن ابی طالب کہاں ہیں" دراصل حضرت علی آشوب چشم میں مبتلا ہو گئے تھے اور اس وجہ سے اس وقت وہاں حاضر نہیں تھے) صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آنکھوں نے ان کو پریشان کر رکھا ہے (اور اس عذر کی بنا پر وہ یہاں موجود نہیں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو بھیج کر ان کو بلوالو، چنانچہ حضرت علی کو بلا کر لایا گیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈالا اور وہ آنکھیں ایک دم اس طرح اچھی ہو گئیں جیسے ان میں کوئی تکلیف اور خرابی تھی نہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا۔ حضرت علی (اس سرفرازی سے بہت خوش ہوئے اور) بولے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ان لوگوں (دشمنوں سے) اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہو جائیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اور نرمی و بردباری کے ساتھ چل کر ان (دشمنوں) علاقہ میں پہنچو، پھر (سب سے پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو اللہ کے وہ حقوق بتاؤ جو اسلام میں ان پر عائد ہوتے ہیں (اور پھر اگر وہ دعوت اسلام کو ٹھکرا دیں تو ان سے جزیہ طلب کرو، اگر وہ جزیہ پر صلح کرنے سے انکار کر دیں تو پھر آخر میں ان کے خلاف اعلان جنگ کرو اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ دے کر اسلامی نظام کی سیاسی اطاعت قبول کرنے پر تیار نہ ہو جائیں) پس (اے علی) اللہ کی قسم، یہ بات کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے، تمہیں ملنے والے سرخ اور چوپائیوں سے کہیں بہتر ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: رقم الحدیث، 704)

خیبر "ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے ساٹھ میل دور ملک شام کی سمت واقع ہے، یہ غزوہ ۷ھ میں پیش آیا تھا۔ "پس" (اے علی) اللہ کی قسم" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی جو راہ نمائی فرمائی تھی کہ کفار کو اپنے اسلام کی دعوت دیں تو اسی کی تاکید کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے کے جملے قسم کھا کر ارشاد فرمائے، اس پر تاکید راہنمائی کی وجہ یہ احساس تھا کہ جنگ وقتال کی صورت میں اگرچہ مال غنیمت مثلاً اعلیٰ وعمدہ اونٹ اور چوپائے وغیرہ حاصل ہوتے ہیں لیکن اگر کفار کو نرمی و بردباری کے ساتھ اسلام کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ دعوت اکثر بارآور ہو جاتی ہے اور مخالفین اسلام کی بڑی تعداد جنگ وجدل کے بغیر مسلمان ہو جاتی ہے جو اسلام کا اصل منشاء ومقصد ہے علامہ ابن ہمام نے اسی بنیاد پر بڑی پیاری بات کہی ہے کہ: ایک مؤمن کا پیدا کرنا ہزار کفار کو

معدوم کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما اہل جنت کے سردار ہیں

118- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعَلَّى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي ذِئْبٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَبُوْهُمَا خَيْرٌ مِّنْهُمَا

◄► حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں اور ان کے ماں باپ ان دونوں سے بہتر ہیں''۔

شرح

بعض حضرات کا یہ قول زیادہ صحیح ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ حسن اور حسین تمام اہل جنت کے سردار ہیں کیونکہ تمام اہل جنت جوان ہوں گے۔ لیکن انبیاء اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم مستثنیٰ ہیں یعنی ان سے یہ دونوں افضل نہیں ہوں گے۔" بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ یہاں شباب یعنی "جوان" کا لفظ "جوان العمر" کے مفہوم میں نہیں ہے بلکہ فتوت یعنی جوانمردی اور کریم کے معنی میں ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ دونوں تمام جوان مردوں کے سردار ہیں علاوہ انبیاء اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے یا یہ کہ جنت کے "جوانوں" سے مراد تمام اہل جنت ہیں اور ان کو " شباب " کے لفظ سے تعبیر کرنا۔ اظہار محبت وشفقت کے تحت ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ باپ جب اپنے بیٹے کا ذکر کرتا ہے تو اس کا لڑکا، بچہ، وغیرہ کے الفاظ ہی سے تعبیر کرتا ہے خواہ وہ کتنا ہی مسن اور عمر رسیدہ ہو۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان قرابت کا بیان

119- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ وَاِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُوسٰى قَالُوْا حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلِيٌّ مِّنِّي وَاَنَا مِنْهُ وَلَا يُؤَدِّي عَنِّي اِلَّا عَلِيٌّ

◄► حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور میری طرف سے صرف علی (میرے ذمے والے کام) ادا کرے گا۔

شرح

رسول اکرم ﷺ نے یہ الفاظ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے بطور عذر، اور علی رضی اللہ عنہ کی تکریم کے لئے اس وقت فرمائے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر حج تھے، اور سورہ براءت میں مشرکین سے کئے گئے معاہدہ کے توڑنے کے اعلان کی ضرورت پڑی، چونکہ دستور

118 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

119: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 3719

عرب کے مطابق سردار یا سردار کا قریبی رشتہ دار ہی یہ اعلان کر سکتا تھا لہٰذا علی رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی، رضی اللہ عنہم۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد کا بیان

امام طبرانی نے الاوسط میں اور ابن مردویہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک سائل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا ہوا اس حال میں کہ وہ نفل نماز میں رکوع کر رہے تھے انہوں نے (نماز میں ہی) اپنی انگوٹھی اتاری اور سائل کو دیدی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ان کو یہ بات بتائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی لفظ آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم رکعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب پر (ان آیات کو) پڑھ کر پھر فرمایا جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے۔ اے اللہ تو اس کا دوست بن جس کا میں دوست ہوں اور تو اس کا دشمن بن جو علی کو دشمن رکھے۔

امام ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ یہ آیت لفظ آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کے گھر میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے نکلے اور مسجد میں داخل ہو گئے آپ مسجد میں تشریف لائے اور کوئی ان میں رکوع کرنے والا تھا، کوئی سجدہ کرنے والا تھا، اور کوئی کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والا تھا۔ اچانک ایک سائل کو دیکھا پوچھا اے سائل کیا تجھے کسی نے کوئی چیز عطا کی؟ اس نے کہا نہیں مگر اس رکوع کرنے والے نے یعنی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھ کو انگوٹھی دے دی۔

امام ابن ابی حاتم، ابوالشیخ اور ابن عساکر نے سلمہ بن سہل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے انگوٹھی صدقہ کی اس حال میں کہ وہ رکوع کرنے والے تھے۔ تو یہ آیت لفظ آیت انما ولیکم اللہ نازل ہوئی۔

امام ابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ یہ آیت لفظ آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ علی بن ابی طالب کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے رکوع کرنے کی حالت میں صدقہ کیا ابن جریر نے سدی اور عقبہ بن حکیم سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

امام ابن مردویہ سے کے طریق سے اور ابو صالح سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور اہل کتاب میں سے ایک جماعت جوان کے ساتھ تھی ظہر کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے گھر دور ہیں اور ہم کوئی جگہ نہیں پاتے جہاں ہمارے ساتھ کوئی بیٹھے یا ہمارے ساتھ میل جول رکھے۔ سوائے اس مسجد کے جب ہماری قوم نے دیکھا کہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کی اور ان کا دین ہم نے چھوڑ دیا تو وہ دشمن ہو گئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ ہم ان سے نہیں ملیں گے اور نہ وہ ہمارے ساتھ مل کر کھانا کھائیں گے۔ یہ چیزیں ہمارے لئے بڑی تکلیف دہ ہیں۔ اس درمیان کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس بات کی شکایت کر رہے تھے اچانک یہ آیت لفظ آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم رکعون نازل ہوئی۔ ظہر کی نماز کے لئے آذان دی گئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور (سائل سے) فرمایا تجھے کسی نے کچھ دیا ہے؟ اس نے کہا ہاں پوچھ کس نے؟ اس نے کہا یہ آدمی جو قیام کی حالت میں ہے پھر آپ نے پوچھا کس حالت میں اس نے دی؟ اس

نے کہا رکوع کی حالت میں۔ آپ نے فرمایا اور وہ علی ابن ابی طالب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ اکبر کہا اور آپ یہ آیت تلاوت فرمار ہے تھے لفظ آیت ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا فان حزب اللہ هم الغلبون (المائدہ) (تفسیر در منثور، مائدہ، بیروت)

امام ابونعیم نے عبدالملک بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت لفظ آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم رکعون کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ علی کے بارے میں نازل ہوئی فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ہیں۔

شان صحابہ واہل بیت میں غلو کرنے کی ممانعت کا بیان

120- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى اَنْبَاَنَا الْعَلَاءُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ الْمِنْهَالِ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَاَخُوْ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَرُ لَا يَقُوْلُهَا بَعْدِيْ اِلَّا كَذَّابٌ صَلَّيْتُ قَبْلَ النَّاسِ بِسَبْعِ سِنِيْنَ

عباس بن عبداللہ بیان کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کے رسول ﷺ کا بھائی ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں' یہ بات میرے بعد صرف وہی شخص کہے گا' جو جھوٹا ہوگا میں نے دیگر لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھنا شروع کی تھی''۔

شرح

مشہور تابعی حضرت علقمہ رحمہ اللہ کی روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایک دن خطبہ دیا، حمد وثنا کے بعد فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر وعمر پر فضیلت دیتے ہیں، اگر مجھے اس سے پہلے اس بات کی خبر ملتی تو میں ایسے لوگوں کو سزا دیتا، لیکن معلومات سے پہلے سزا دینا پسند نہیں کرتا۔

لہٰذا جس شخص نے بھی آج میرے اس خطبہ کے بعد اس قسم کی گفتگو کی تو وہ بہتان باندھنے والا شمار ہوگا، اور اسے وہی سزا دی جائے گی جو بہتان باندھنے والے کو دی جاتی ہے۔ یاد رکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں رضی اللہ عنہما، ان کے بعد ہم نے ایسے کام کیئے ہیں اللہ جو چاہے گا ان میں فیصلہ کرے گا۔

زید بن وھب روایت کرتے ہیں کہ سُوید بن غَفَلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی امارت کے زمانے میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے امیر المؤمنین! میرا ابھی کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزر ہوا ہے جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا جو مقام ومنزلت ہے اس کے خلاف باتیں کرر ہے تھے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً اٹھے اور منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو پھاڑ کر اس سے پورا نکالا ہے اور جس نے انسان کو پیدا کیا ہے، ان دونوں سے وہی محبت کرے گا جو

120 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

مؤمن ہوگا اور ان سے بغض وہی رکھے گا جو بدبخت اور دین سے دور ہونے والا ہوگا۔ ان دونوں کی محبت اللہ تعالیٰ کا قرب اور ان دونوں سے بغض دین سے دوری ہے، ان لوگوں کو کیا ہو گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بھائیوں، آپ کے دو وزیروں، آپ کے دو ساتھیوں، قریش کے دو سرداروں، اور مسلمانوں کے دو باپوں کے بارے میں باتیں کرتے ہیں؟! میں ہر اس شخص سے برأت کا اظہار کرتا ہوں جو ان دونوں کے حق میں گستاخی کرتا ہے اور اسے سزا بھی دوں گا۔

جس کا میں محبوب ہوں علی بھی اس کے محبوب ہیں

121- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ ابْنِ سَابِطٍ وَّهُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَدِمَ مُعَاوِيَةُ فِي بَعْضِ حَجَّاتِهٖ فَدَخَلَ عَلَيْهِ سَعْدٌ فَذَكَرُوْا عَلِيًّا فَنَالَ مِنْهُ فَغَضِبَ سَعْدٌ وَّقَالَ تَقُوْلُ هٰذَا لِرَجُلٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ الْيَوْمَ رَجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

◆◆ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حج کرنے کے لیے آئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان سے ملنے کے لیے گئے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کر دیا' تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان پر کچھ تنقید کی' اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور وہ بولے: ''تم ان صاحب کے بارے میں یہ باتیں کہہ رہے ہو جبکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جس کا میں محبوب ہوں علی بھی اس کا محبوب ہے''۔

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے بھی سنا ہے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا): ''تم میرے لیے وہی حیثیت رکھتے ہو جو حضرت ہارون کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نسبت تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا''۔

اور میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''آج میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا' جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے''۔

شرح

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں۔ حدیث (من کنت مولاہ) کے کئی طریق جید ہیں۔ اور البانی نے السلسلۃ الصحیحۃ، رقم الحدیث، (1750) میں اس کی تصحیح کرنے کے بعد اس حدیث کو ضعیف کہنے والوں کا مناقشہ کیا ہے۔

امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے نہایہ میں کہا ہے کہ حدیث میں مولیٰ کا ذکر کئی بار ہوا ہے، یہ ایک ایسا اسم ہے جو بہت سے معانی پر واقع ہوتا ہے، اس کے معانی میں الرب، المالك، السيد، المنعم (نعمتیں کرنے والا)، المعتق آزاد کرنیوالا)، الناصر (مدد کرنے والا)، المحب (محبت کرنیوالا)، التابع (پیروی کرنے والا)، الجار (پڑوسی)، ابن العم (چچا کا بیٹا)، حلیف، العقید (فوجی افسر)، الصھر (داماد) العبد (غلام)، العتق (آزاد کیا گیا)، المنعم علیه (جس پر نعمتیں کی

121 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

جائیں)۔

ان معانی میں سے اکثر تو حدیث میں وارد ہیں جن کا اضافت کے اعتبار سے معنی کیا جاتا ہے، تو جس نے بھی کوئی کام کیا وہ کام اس کے سپرد ہوا تو اس کا مولا اور ولی ہے، اور حدیث مذکورہ کو ان مذکورہ اسماء میں سے اکثر پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے اسلام کی ولاء مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: (یہ اس سبب کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا مولیٰ ومددگار ہے اور کافروں کا کوئی بھی مولیٰ (مددگار نہیں)۔

ورطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ حدیث میں مذکور ولایہ کو اس امامت پر محمول کرنا صحیح نہیں جو مسلمانوں کے امور میں تصرف ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں مستقل طور پر تصرف کرنے والے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں ان کے علاوہ کوئی اور نہیں تو اس لیے اسے محبت اور ولاء اسلام اور اس کے معانی پر محمول کرنا ضروری ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولایت سے متعلق احادیث کا بیان

حدیث، 1 شعبہ، سلمہ بن کہیل سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو طفیل سے سنا کہ ابو سریحہ۔ یا زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (شعبہ کو راوی کے متعلق شک ہے) کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں، اُس کا علی مولا ہے۔ شعبہ نے اس حدیث کو میمون ابو عبداللہ سے، اُنہوں نے زید بن ارقم سے اور انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ (ترمذی، الجامع الصحیح، 679، ابواب المناقب، رقم، 2،3713)

ترمذی نے اسے حسن صحیح غریب کہا ہے، اور شعبہ نے یہ حدیث میمون ابو عبداللہ کے طریق سے زید بن ارقم سے بھی روایت کی ہے۔

رقم حدیث، 2

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم لوگ علی کے متعلق کیا چاہتے ہو؟ تم لوگ علی کے متعلق کیا چاہتے ہو؟ تم لوگ علی کے متعلق کیا چاہتے ہو؟ پھر فرمایا، بیشک علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مؤمن کا ولی ہے۔

(ترمذی، جامع صحیح، 78،6، ابواب المناقب، رقم، 3712،2 نسائی خصائص امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، 77، 92، رقم، 65، 86،3 نسائی، السنن الکبری، 132،5، رقم، 8484،4۔ احمد بن حنبل کی المسند (438-437،4)

میں بیان کردہ روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں، وقد تغیر وجھہ، فقال، دعوا علیا، دعوا علیا، ان علیا منی وانا منہ، وھو ولی کل مؤمن بعدی (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علی (کی مخالفت کرنا) چھوڑ دو، علی (کی مخالفت کرنا) چھوڑ دو، بیشک علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے)۔

رقم الحدیث، 3

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس کا

ہیں ولی ہوں اُس کا علی ولی ہے۔ اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (حضرت علی رضی اللہ عنہ کو) یہ فرماتے ہوئے سنا تم میری جگہ پر اسی طرح ہو جیسے ہارون، موسیٰ کی جگہ پر تھے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (غزوۂ خیبر کے موقع پر) یہ بھی فرماتے ہوئے سنا: میں آج اس شخص کو علم عطا کروں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

1۔ابن ماجہ نے یہ صحیح حدیث السنن (1:90، المقدمہ، رقم:121) میں روایت کی ہے۔ 2۔نسائی نے یہ حدیث خصائص امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (ص 32، 33، رقم:91) میں زرا مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔ 3۔ابن ابی عاصم، کتاب السنہ، 608، رقم 13864۔ مزی تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف، 3:302، رقم 3901

رقم الحدیث، :4

براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج ادا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستے میں ایک جگہ قیام فرمایا اور نماز باجماعت (قائم کرنے) کا حکم دیا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا میں مؤمنین کی جانوں سے قریب تر نہیں ہوں؟ اُنہوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں ہر مومن کی جان سے قریب تر نہیں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس یہ اُس کا ولی ہے جس کا میں مولا ہوں۔ اے اللہ! جو اسے دوست رکھے اُسے تو دوست رکھ (اور) جو اس سے عداوت رکھے اُس سے تو عداوت رکھ۔

(1۔ابن ماجہ، السنن، 1:88، المقدمہ، رقم:1162۔ ابن ابی عاصم نے کتاب السنہ (ص 603، رقم 1362) میں مختصراً ذکر کی ہے۔ 3۔ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، 4:168، 4۔حسام الدین ہندی، کنز العمال، 11:602، رقم:32904، 5۔ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 45:167، 168 یہ حدیث صحیح ہے۔)

رقم الحدیث، :5

براء بن عازب سے روایت ہے ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر پر تھے، (راستے میں) ہم نے غدیر خم میں قیام کیا۔ وہاں ندا دی گئی کہ نماز کھڑی ہوگئی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو درختوں کے نیچے صفائی کی گئی، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ ظہر ادا کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں مومنوں کی جانوں سے بھی قریب تر ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں ہر مومن کی جان سے بھی قریب تر ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! راوی کہتا ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے۔ اے اللہ! اُسے تو دوست رکھ جو اِسے (علی کو) دوست رکھے اور اُس سے عداوت رکھ جو اِس سے عداوت رکھے۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور اُن سے کہا: اے ابن ابی طالب! مبارک ہو، آپ صبح و شام (یعنی ہمیشہ کے لئے) ہر مومن و مومنہ کے مولا بن گئے۔

(1۔احمد بن حنبل نے المسند (4 281) میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث دو مختلف اسناد سے بیان کی ہے۔ 2۔ابن ابی شیبہ، المصنف، 12:78، رقم 12167، 3۔محب طبری، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ: 1254۔ محب طبری، الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، 3: 126، 127)

5۔مناوی نے فیض القدیر (6.217) میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول من کنت مولاہ فعلی مولاہ سنا تو (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے) کہا: اے ابوطالب کے بیٹے! آپ صبح و شام (یعنی ہمیشہ کے

لئے) ہر مؤمن اور مؤمنہ کے مولا قرار پائے۔

8۔امام احمد بن حنبل نے اپنی کتاب فضائل الصحابہ(2:610،رقم:1042) میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وعادمن عاداہ وانصر من نصرہ، واحب من احبہ۔ قال شعبۃ: او قال: وابغض من ابغضہ((اے اللہ!) جو (علی) سے عداوت رکھے اُس سے تو عداوت رکھ جو (علی) کی مدد کرے اُس کی تو مدد فرما، جو اس سے محبت کرے تو اس سے محبت کر۔ شعبہ کا کہنا ہے کہ اِس کی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو (علی) سے بغض رکھے تو (بھی) اُس سے بغض رکھ)۔

10۔ذہبی نے سیر اعلام النبلاء،(2:623،624) میں کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ھنیئاً لک یاعلی (اے علی! آپ کو مبارک ہو) کے الفاظ کہے۔

،رقم الحدیث، :6

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا میں ولی ہوں، اُس کا علی ولی ہے۔

(.1احمد بن حنبل، المسند، 5:361، .2احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ،2:563، رقم:947، .3ابن ابی عاصم، کتاب السنۃ:601،603، رقم:1351،1366، .4حاکم، المستدرک، 2:131، رقم:2589، .5ابن ابی شیبہ، المصنف، 12:57، رقم:12114، .6طبرانی، المعجم الکبیر، 5:166، رقم:4968، .7طبرانی، المعجم الاوسط، 3:100،101، رقم:2204، .8ہیثمی، مجمع الزوائد، 9:108، .9ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 45:143، .10ابن عساکر نے یہ حدیث تاریخ دمشق الکبیر (45:142) میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کی ہے۔)

12۔یہی حدیث ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ حسام الدین ہندی نے کنز العمال (15:168،169، رقم:36511) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اسے ابن راہویہ اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

،رقم الحدیث، :7

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو غدیر خم پر قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائبان لگانے کا حکم دیا اور وہ لگا دیئے گئے پھر فرمایا: مجھے لگتا ہے کہ عنقریب مجھے (وصال کا) بلاوا آنے کو ہے، جسے میں قبول کرلوں گا۔ تحقیق میں تمہارے درمیان دو اہم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جو ایک دوسرے سے بڑھ کر اہمیت کی حامل ہیں: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری آل۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میرے بعد تم ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو اور وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی، یہاں تک کہ حوض (کوثر) پر میرے سامنے آئیں گی۔ پھر فرمایا: بے شک اللہ میرا مولا ہے اور میں ہر مؤمن کا مولا ہوں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: جس کا میں مولا ہوں، اُس کا یہ ولی ہے، اے اللہ! جو اسے (علی کو) دوست رکھے اُسے تو دوست رکھ اور جو اِس سے عداوت رکھے اُس سے تو عداوت رکھ۔

(.1حاکم، المستدرک، 3:109، رقم:4576، .2نسائی، السنن الکبری، 5:45،130، رقم:8148،8464، .3ابن ابی عاصم نے السنہ (ص:644، رقم 1555) میں اسے مختصراً ذکر کیا ہے۔، .4طبرانی، المعجم الکبیر، 5:166، رقم:4969)

5۔ نسائی نے خصائص امیر المؤمنین علی بن ابی طالب (ص: 84، 85، رقم: 76) میں یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے۔
6۔ ابو محاسن نے المعتصر من المختصر من مشکل الآثار (2:301) میں نقل کی ہے۔

،رقم الحدیث،:8

ابن واثلہ سے روایت کہ اُنہوں نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے درمیان پانچ بڑے گھنے درختوں کے قریب پڑاؤ کیا اور لوگوں نے درختوں کے نیچے صفائی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر آرام فرمایا۔ نماز ادا فرمائی، پھر خطاب فرمانے کیلئے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی اور وعظ ونصیحت فرمائی، پھر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم ان کی پیروی کرو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگے اور وہ (دو چیزیں) اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت اولاد ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: کیا تمہیں علم نہیں کہ میں مؤمنین کی جانوں سے قریب تر ہوں؟ ایسا تین مرتبہ فرمایا۔ سب نے کہا: ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے۔

(.1 حاکم، المستدرک، 3:109، 110، رقم: 4577،.2 ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، 4:168،.3 ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 45:164،.4 حسام الدین ہندی، کنز العمال، 1:381، رقم: 1657)

،رقم الحدیث،:9

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ غدیر خم پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائبان لگانے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن تھکاوٹ محسوس کر رہے تھے اور وہ دن بہت گرم تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی بھیجے ہر نبی نے اپنے سے پہلے نبی سے نصف زندگی پائی، اور مجھے لگتا ہے کہ عنقریب مجھے (وصال کا) بلاوا آنے کو ہے جسے میں قبول کرلوں گا۔ میں تمہارے اندر دو چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اُس کے ہوتے ہوئے تم ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، وہ کتاب اللہ ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا: اے لوگو! کون ہے جو تمہاری جانوں سے زیادہ قریب ہے؟ سب نے کہا: اللہ اور اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ (پھر) فرمایا: کیا میں تمہاری جانوں سے قریب تر نہیں ہوں؟ اُنہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے۔

(.1 حاکم، المستدرک، 3 533، رقم 6272،.2 طبرانی، المعجم الکبیر، 5:171، 172، رقم: 4986،.3 حسام الدین ہندی، کنز العمال، 11: 602، رقم 32904)

یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور امام ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

،رقم الحدیث،.10

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تین خصلتیں

ایسی بتائی ہیں کہ اگر میں اُن میں سے ایک کا بھی حامل ہوتا تو وہ مجھے سُرخ اُونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) ارشاد فرمایا: علی میری جگہ پر اسی طرح ہیں جیسے ہارون موسیٰ کی جگہ پر تھے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور فرمایا: میں آج اس شخص کو علم عطا کروں گا جو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (اس موقع پر) یہ فرماتے ہوئے بھی سنا: جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے۔

(.1 نسائی، خصائص امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: 33، 34، 88، رقم: 10، 80، 2۔ شاشی نے المسند (1: 165، 166، رقم: 106) میں یہ روایت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے لی ہے۔)

3۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق الکبیر (45: 88) میں عامر بن سعد اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث بیان کی ہیں۔

4۔ حسام الدین ہندی نے کنز العمال (15: 163، رقم: 36496) میں عامر بن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ روایت چند الفاظ کے اضافے کے ساتھ ذکر کی۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔

، رقم الحدیث، :11

سفیان بن عیینہ (مناقب علی رضی اللہ عنہ کے ضمن میں) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چار خوبیاں ایسی ہیں کہ اگر میں ان میں سے کسی ایک کا بھی حامل ہوتا تو اسے فلاں فلاں چیز حتی کہ سرخ اُونٹوں سے زیادہ محبوب رکھتا۔ وہ چار خوبیاں یہ تھیں: (پہلی خوبی اُنہیں غزوۂ خیبر کے موقع پر) جھنڈے کا عطا ہونا ہے۔ (دُوسری خوبی) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کے متعلق یہ فرمانا کہ (تیرا اور میرا تعلق ایسے ہے) جیسے ہارون اور موسیٰ کا (تعلق ہے)۔ (تیسری خوبی) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کے متعلق یہ فرمانا کہ جس کا میں مولا ہوں (اُس کا علی مولا ہے)۔ (راویِ حدیث) سفیان بن عیینہ کو چوتھی خوبی بھول گئی۔

(.1 ابن ابی عاصم، کتاب السنہ: 607، رقم: 1385، .2 احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، 2: 643، رقم: 1093، .3 ضیاء مقدسی، الاحادیث المختارہ، 3: 151، رقم: 948)

4۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق الکبیر (45: 89-91) میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں چاروں خوبیاں بالتفصیل لکھی ہیں۔ احمد بن حنبل کی بیان کردہ روایت کی اسناد حسن ہیں۔

، رقم الحدیث، :12

عبد الرحمن بن سابط (مناقب علی کے ضمن میں) روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تین ایسی خصلتیں بیان فرماتے ہوئے سنا کہ اگر اُن میں سے ایک بھی مجھے عطا ہوتی تو وہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں (اُس کا علی مولا ہے)، اور علی میری جگہ ایسا ہے جیسے موسیٰ کی جگہ ہارون، اور میں اُسے علم عطا کروں گا (جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حبیب ہے اور اللہ اور اُس

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے حبیب ہیں)۔

(1. ابن ابی عاصم، کتاب السنۃ، 608، رقم: 1386، 2. ابن ابی شیبہ، المصنف، 12: 61، رقم: 12127، 3. ضیاء مقدسی، الاحادیث المختارہ، 3: 207، رقم 1008، 4. ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 45: 88، 89)

ضیاء مقدسی نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

رقم الحدیث، :13

رفاعہ بن ایاس ضبی اپنے والد سے اور وہ اس کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کی طرف ملاقات کا پیغام بھیجا۔ پس طلحہ اُن کے پاس آئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے، اے اللہ! جو علی کو دوست رکھے تو اُسے دوست رکھ، جو اُس سے عداوت رکھے تو اُس سے عداوت رکھ؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تو پھر میرے ساتھ کیوں جنگ کرتے ہو؟ طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے یہ بات یاد نہیں تھی۔ راوی نے کہا: (اُس کے بعد) طلحہ رضی اللہ عنہ واپس لوٹ گئے۔

(1. حاکم، المستدرک، 3: 371، رقم: 5594، 2. بیہقی، الاعتقاد: 373، 3. ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 27: 76، 4. ہیثمی نے مجمع الزوائد (9: 107) میں لکھا ہے کہ یہ حدیث بزار نے نذیر سے روایت کی ہے۔، 5. حسام الدین ہندی، کنز العمال، 11: 332، رقم: 31662)

رقم الحدیث، :14

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن کے غزوہ میں شرکت کی جس میں مجھے آپ سے کچھ شکوہ ہوا۔ جب میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (جنگ سے) واپس آیا تو میں نے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نامناسب انداز سے کیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بریدہ! کیا میں مومنین کی جانوں سے قریب تر نہیں ہوں؟ تو میں نے کہا: کیوں نہیں، یارسول اللہ! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے۔

(1. احمد بن حنبل، المسند، 5: 347، 2. احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، 2: 584، 585، رقم: 989، 3. نسائی، السنن الکبری، 5: 130، رقم: 8465، 4. نسائی، خصائص امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: 86، رقم: 78، 5. حاکم، المستدرک، 3: 110، رقم: 4578، 6. ابن ابی شیبہ، المصنف، 12: 84، رقم: 12181، 7. ابن ابی عاصم، الآحاد والمثانی، 4: 325، 326، 8. شاشی، المسند، 1: 127، 9. طبرانی، المعجم الاوسط، 1: 229، رقم: 348، 10. مبارکپوری، تحفۃ الاحوذی، 10: 147، 11. ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، 4: 23، 12. ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 45: 142، 146، 148، 13. محب طبری، الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، 3: 128)

رقم الحدیث، :15

حضرت میمون ابو عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک وادی۔۔۔ جسے وادِ خم کہا جاتا تھا۔۔۔ میں اُترے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا حکم دیا اور سخت گرمی میں

جماعت کروائی۔ پھر ہمیں خطبہ دیا درآنحالیکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورج کی گرمی سے بچانے کے لئے درخت پر کپڑا لٹکا کر سایہ کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے یا (اس بات کی) گواہی نہیں دیتے کہ میں ہر مؤمن کی جان سے قریب تر ہوں؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے، اے اللہ تو اُس سے عداوت رکھ جو اِس سے عداوت رکھے اور اُسے دوست رکھ جو اِسے دوست رکھے۔

(1. احمد بن حنبل، المسند، 4: 372، 2. بیہقی، السنن الکبریٰ، 5: 131، 3. طبرانی نے یہ حدیث المعجم الکبیر (5: 195، رقم 5068) میں ایک اور سند سے روایت کی ہے۔، 4. ہیثمی، مجمع الزوائد، 9: 104، 5. حسام الدین ہندی، کنز العمال، 13: 157، رقم 36485، 6. ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 45: 166)

رقم الحدیث، :16

عطیہ عوفی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے زید بن ارقم سے پوچھا: میرا ایک داماد ہے جو غدیر خم کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں آپ کی روایت سے حدیث بیان کرتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے آپ سے (براہِ راست) سنوں۔ زید بن ارقم نے کہا: آپ اہلِ عراق ہیں تمہاری عادتیں تمہیں سلامت رہیں۔ پس میں نے کہا کہ میری طرف سے تمہیں کوئی اذیت نہیں پہنچے گی۔ (اس پر) انہوں نے کہا: ہم جحفہ کے مقام پر تھے کہ ظہر کے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بازو تھامے ہوئے باہر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! کیا تمہیں علم نہیں کہ میں مؤمنین کی جانوں سے بھی قریب تر ہوں؟ تو انہوں نے کہا: کیوں نہیں! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے۔ عطیہ نے کہا: میں نے مزید پوچھا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: اے اللہ! جو علی کو دوست رکھے اُسے تو دوست رکھ اور جو اِس (علی) سے عداوت رکھے اُس سے تو عداوت رکھ؟ زید بن ارقم نے کہا: میں نے جو کچھ سنا تھا وہ تمہیں بیان کر دیا ہے۔

(1. احمد بن حنبل، المسند، 4: 368، 2. احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، 2: 586، رقم: 992)

3۔ نسائی نے یہ حدیث حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے خصائص امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (ص: 97، رقم: 92) میں الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ روایت کی ہے۔ اس کے بارے میں ہیثمی نے مجمع الزوائد (9: 107) میں کہا ہے کہ اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

میمون ابو عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے یہ حدیث مبارکہ بیان کی۔ حسام الدین ہندی نے یہ حدیث کنز العمال (13: 104، 105، رقم: 36342) میں بیان کی ہے۔

رقم الحدیث، :17

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم جحفہ میں غدیر خم کے مقام پر تھے، جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اُس کا علی مولا ہے۔

(1 بن ابی شیبہ، المصنف، 12: 59، رقم: 121212، ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 45: 169، 170، 172)

3۔ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (7:570، 571) میں اسے عبداللہ بن محمد بن عاقل سے روایت کرتے ہوئے متن حدیث کو متواتر قرار دیا ہے۔ روایت میں ہے کہ علی بن حسین، محمد بن حنیفہ، ابوجعفر اور عبداللہ بن محمد بن عاقل رضی اللہ عنہم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر پر تھے۔

رقم الحدیث، :18

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام خم پر ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ اللہ تمہارا رب ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ اللہ اور اس کا رسول تمہاری جانوں سے بھی قریب تر ہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اُس کا یہ (علی) مولا ہے۔

(1. ابن ابی عاصم، کتاب السنۃ: 603، رقم: 1360، 2. ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر، 45: 161، 162)

3۔ حسام الدین ہندی نے یہ حدیث کنز العمال (13: 140، رقم: 36441) میں نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اسے ابن راہویہ، ابن جریر، ابن ابی عاصم اور محاملی نے امالی میں روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

رقم الحدیث، :19

حضرت حذیفہ بن اُسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! مجھے لطیف و خبیر ذات نے خبر دی ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو اپنے سے پہلے نبی کی نصف عمر عطا فرمائی اور مجھے گمان ہے کہ مجھے (عنقریب) بلاوا آئے گا اور میں اُسے قبول کر لوں گا، اور مجھ سے (میری ذمہ داریوں کے متعلق) پوچھا جائے گا اور تم سے بھی (میرے متعلق) پوچھا جائے گا، (اس بابت) تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے ہمیں انتہائی جدوجہد کے ساتھ دین پہنچایا اور بھلائی کی باتیں ارشاد فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جنت و دوزخ حق ہیں اور موت اور موت کے بعد کی زندگی حق ہے، اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں، اور اللہ تعالیٰ اہل قبور کو دوبارہ اٹھائے گا؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم ان سب کی گواہی دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ بن جا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! بیشک اللہ میرا مولیٰ ہے اور میں تمام مؤمنین کا مولا ہوں اور میں ان کی جانوں سے قریب تر ہوں۔ جس کا میں مولا ہوں یہ اُس کا یہ (علی) مولا ہے۔ اے اللہ! جو اسے دوست رکھے تو اُسے دوست رکھ، جو اِس سے عداوت رکھے تو اُس سے عداوت رکھ۔ اے لوگو! میں تم سے پہلے جانے والا ہوں اور تم مجھے حوض پر ملو گے، یہ حوض بصرہ اور صنعاء کے درمیانی فاصلے سے بھی زیادہ چوڑا ہے۔ اس میں ستاروں کے برابر چاندی کے پیالے ہیں، جب تم میرے پاس آ ؤ گے میں تم سے دو انتہائی اہم چیزوں کے متعلق پوچھوں گا، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ تم میرے پیچھے ان دونوں سے کیا سلوک کرتے ہو! پہلی اہم چیز اللہ کی کتاب ہے، جو ایک حیثیت سے اللہ سے

تعلق رکھتی ہے اور دوسری حیثیت سے بندوں سے تعلق رکھتی ہے۔تم اسے مضبوطی سے تھام لوتو گمراہ ہوگے نہ (حق سے) منحرف، اور (دوسری اہم چیز) میری عترت یعنی اہلِ بیت ہیں (اُن کا دامن تھام لینا)۔ مجھے لطیف وخبیر ذات نے خبر دی ہے کہ بیشک یہ دونوں حق سے نہیں ہٹیں گی یہاں تک کہ مجھے حوض پر ملیں گی۔

(.1 طبرانی، المعجم الکبیر،3:180،181، رقم:3052.، 2.طبرانی، المعجم الکبیر،3:67، رقم:2683.،3.طبرانی، المعجم الکبیر،5:166،167، رقم:4971.،4.ہیثمی، مجمع الزوائد،9:164،165.،5.حسام الدین ہندی، کنز العمال،1:188،189، رقم:957،958)

رقم الحدیث،:20

حضرت جریر سے روایت ہے کہ ہم حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جسے غدیرِ خم کہتے ہیں۔نماز باجماعت ہونے کی ندا آئی تو سارے مہاجرین وانصار جمع ہوگئے۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور خطاب فرمایا: اے لوگو! تم کس چیز کی گواہی دیتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر کس کی؟ انہوں نے کہا: بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا ولی کون ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر فرمایا: تمہارا ولی اور کون ہے؟ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا اور (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے) دونوں بازو تھام کر فرمایا: اللہ اور اُس کا رسول جس کے مولا ہیں اُس کا یہ (علی) مولا ہے، اے اللہ! جو علی کو دوست رکھے تو اُسے دوست رکھ (اور) جو اِس (علی) سے عداوت رکھے تو اُس سے عداوت رکھ، اے اللہ! جو اِسے محبوب رکھے تو اُسے محبوب رکھ اور جو اِس سے بغض رکھے تو اُس سے بغض رکھ۔

(.1 طبرانی، المعجم الکبیر،2:357، رقم:2505.،2.ہیثمی، مجمع الزوائد،9.106.،3.حسام الدین ہندی، کنز العمال،13:138،139، رقم:36437.،4.ابن عساکر، تاریخ دمشق الکبیر،45 179)

بَابُ: فَضْلِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

یہ باب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بیان میں ہے

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے مختصر احوال کا بیان

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ،

نام،نسب،خاندان

زبیر نام، ابوعبداللہ کنیت، حواری رسول اللہ ﷺ لقب، والد کا نام عوام اور والدہ کا نام صفیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی الاسدی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب قصی بن کلاب پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے اور چونکہ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سرورِ کائنات کی

وآلہ وسلم کی پھوپی تھیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھی حقیقی بھتیجے تھے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے داماد ہونے کے سبب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساڑھو بھی تھے اور اس طرح ذات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کو متعدد نسبتیں حاصل تھیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اٹھائیس سال قبل پیدا ہوئے، بچپن کے حالات بہت کم معلوم ہیں، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ابتداہی سے ان کی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ جوان ہو کر ایک عالی حوصلہ، بہادر، الوالعزم مرد ثابت ہوں، چنانچہ وہ بچپن میں عموماً انہیں مارا پیٹا کرتیں اور سخت سے سخت محنت ومشقت کے کام کا عادی بناتی تھیں، ایک دفعہ نوفل بن خویلد جو اپنے بھائی عوام کے مرنے کے بعد ان کے ولی تھے، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پر نہایت خفا ہوئے کہ کیا تم اس بچے کو اس طرح مارتے مارتے مار ڈالوگی، اور بنو ہاشم سے کہا کہ تم لوگ صفیہ رضی اللہ عنہا کو سمجھاتے کیوں نہیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل رجز میں اس خفگی کا جواب دیا۔ (ابن سعد واصابہ تذکرہ زبیر رضی اللہ عنہ)

من قال انی ابغضہ فقد کذب انما اضربہ لکی یلب

جس نے یہ کہا کہ میں اس سے بغض رکھتی ہوں، اس نے جھوٹ کہا: میں اس کو اس لیے مارتی ہوں کہ عقل مند ہو۔

ویھزم الجیش یاتی باسلب الخ

اور فوج کو شکست دے اور مال غنیمت حاصل کرے

اس تربیت کا یہ اثر تھا کہ وہ بچپن ہی میں بڑے بڑے مردوں کا مقابلہ کرنے لگے تھے، ایک دفعہ مکہ میں ایک جوان آدمی سے مقابلہ پیش آیا، انہوں نے ایسا ہاتھ مارا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا، لوگ اسے لاد کر شکایۃً حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس لائے، تو انہوں نے معذرت وعفو خواہی کے بجائے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ تم نے زبیر رضی اللہ عنہ کو کیسا پایا، بہادر یا بزدل۔ (اصابہ، تذکرہ زبیر رضی اللہ عنہ)

اسلام

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ صرف سولہ برس کے تھے کہ نور ایمان نے ان کے خانہ دل کو منور کر دیا (مستدرک حاکم) بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پانچویں یا چھٹے مسلمان تھے، لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، تاہم سابقین اسلام میں وہ ممتاز اور نمایاں تقدم کا شرف رکھتے ہیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اگرچہ کمسن تھے، لیکن استقامت اور جان نثاری میں کسی سے پیچھے نہ تھے، قبول اسلام کے بعد ایک دفعہ کسی نے مشہور کر دیا، کہ مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کر لیا ہے، یہ سن کر جذبہ جانثاری سے اس قدر بیخود ہوئے کہ اسی وقت ننگی تلوار کھینچ کر مجمع کو چیرتے ہوئے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو پوچھا زبیر رضی اللہ عنہ! یہ کیا ہے؟ عرض کیا مجھے معلوم ہوا تھا کہ (خدانخواستہ) حضور گرفتار کر لیے گئے ہیں، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نہایت خوش ہوئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی، اہل سیر کا بیان ہے کہ یہ پہلی تلوار تھی جو راہ فدویت و جاں نثاری میں ایک بچے کے ہاتھ سے برہنہ ہوئی۔ (اسد الغابہ تذکرہ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ)

ہجرت

عام بلاکشان اسلام کی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مشرکین مکہ کے پنجہ ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے، ان کے چچا نے ہر ممکن طریقہ سے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو اتر جاتا، بالآخر اس نے برہم ہو کر اور بھی سختی شروع کی، یہاں تک کہ چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیتا، اور اس قدر دھونی دیتا کہ دم گھٹنے لگتا؛ لیکن وہ ہمیشہ یہی کہے جاتے کچھ بھی کرو اب میں کافر نہیں ہوسکتا۔ (اصابہ، تذکرہ زبیر رضی اللہ عنہ)

غرض مظالم و شدائد سے اس قدر تنگ آئے کہ وطن چھوڑ کر حبش کی راہ لی، پھر کچھ دنوں کے بعد وہاں سے واپس آئے، تو خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کا قصد کیا، اس لیے انہوں نے بھی مدینہ کی مبارک سرزمین کو وطن بنایا۔

مواخات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا اسلامی بھائی قرار دیا تھا، لیکن جب مدینہ پہنچنے کے بعد انصار و مہاجرین میں تعلقات پیدا کرنے کے لیے ایک دوسری مواخات منعقد ہوئی تو اس دفعہ حضرت سلمہ بن سلامہ انصاری رضی اللہ عنہ سے رشتہ اخوت قائم کیا گیا، جو مدینہ کے ایک معزز بزرگ اور بیعت عقبہ میں شریک تھے۔

غزوات

غزوات میں ممتاز حیثیت سے شریک رہے، سب سے پہلے غزوہ بدر پیش آیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس معرکہ میں نہایت جانبازی و دلیری کے ساتھ حصہ لیا، جس طرف نکل جاتے تھے غنیم کی صفیں تہ و بالا کر دیتے، ایک مشرک نے ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر مبارزت چاہی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بڑھ کر اس سے لپٹ گئے، اور دونوں قلا بازیاں کھاتے ہوئے نیچے آئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں میں جو سب سے پہلے زمین پر رکے گا وہ مقتول ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ مشرک پہلے زمین پر گر کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوا، (کنز العمال:) اسی طرح عبیدہ بن سعید سے مقابلہ پیش آیا جو سر سے پاؤں تک زرہ پہنے ہوئے تھا، صرف دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تاک کر اس زور سے آنکھ میں نیزہ مارا کہ اس پار نکل گیا، اس کی لاش پر بیٹھ کر بمشکل نیزہ نکالا، پھل ٹیڑھا ہو گیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور یادگار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے اس نیزہ کو لے لیا، اس کے بعد پھر خلفاء میں تبرکاً منتقل ہوتا رہا، یہاں تک خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے وارث حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور ان کی شہادت تک ان کے پاس موجود تھا۔

وہ جس بے جگری کے ساتھ بدر میں لڑے اس کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی تلوار میں دندانے پڑ گئے تھے، تمام

جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، خصوصاً ایک زخم اس قدر کاری تھا کہ وہاں پر ہمیشہ کے لیے گڑھا پڑ گیا تھا، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ان میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔ (بخاری باب غزوہ بدر)

معرکہ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آج ملائکہ بھی اسی وضع میں آئے ہیں، (کنز العمال) غرض مسلمانوں کی شجاعت وثابت قدمی نے میدان مارلیا حق غالب رہا اور باطل کو شکست ہوئی۔

غزوہ احد

۳ھ میں معرکہ احد کا واقعہ ہوا، اثنائے جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تلوار کھینچ کر فرمایا کون اس کا حق ادا کرے گا؟ تمام جان نثاروں نے بیتابی کے ساتھ اپنے ہاتھ پھیلائے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے تین دفعہ اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن یہ فخر حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ انصاری کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔ (زرقانی)

جنگ احد میں جب تیراندازوں کی بے احتیاطی سے فتح شکست سے مبدل ہوگئی اور مشرکین کے اچانک حملے سے غازیان دین کے پاؤں متزلزل ہو گئے، یہاں تک کہ شمع نبوت کے گرد صرف چودہ صحابہ رضی اللہ عنہ پروانہ وار ثابت قدم رہ گئے تھے تو اس وقت بھی یہ جان نثار حواری جان نثاری کا فرض ادا کر رہا تھا۔

غزوہ خندق

۵ھ میں یہودیوں کی مفسدہ پردازی سے تمام عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے قریب خندق کھود کر اس طوفان کا مقابلہ کیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس حصہ پر معمور تھے جہاں عورتیں تھیں۔ (مسند)

بنوقریظہ اور مسلمانوں میں باہم معاہدہ تھا، لیکن عام سیلاب میں وہ بھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کے لیے کسی کو بھیجنا چاہا اور تین بار فرمایا" کون اس قوم کی خبر لائے گا؟" حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ہر مرتبہ بڑھ کر عرض کیا کہ "میں" نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا" ہر نبی کے لیے حواری ہوتے ہیں، میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے، (بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خندق) اس نازک وقت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس طرح بے خطر تنہا آمدورفت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اس جانبازی سے اس قدر متاثر تھے کہ فرمایا: فداک ابی وامی، یعنی میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ (مسند)

کفار بہت دنوں تک خندق کا محاصرہ کیے رہے، لیکن پھر کچھ تو ارضی وسماوی مصائب اور کچھ مسلمانوں کے غیر معمولی ثبات واستقلال سے پریشان ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

غزوہ خیبر

غزوہ خندق کے بعد غزوہ بنوقریظہ اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے پھر خیبر کی مہم میں غیر معمولی شجاعت دکھائی، مرحب

یہودی خیبر کا رئیس تھا وہ مقتول ہوا تو اس کا بھائی یاسر غضبناک ہو کر "ھل من مبارز" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے میدان میں آیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا وہ اس قدر تنومند اور قوی ہیکل تھا کہ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! میرا لخت جگر آج شہید ہوگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں! زبیر رضی اللہ عنہ اس کو مارے گا، چنانچہ درحقیقت تھوڑی دیر ردوبدل کے بعد وہ واصل جہنم ہوا۔ (سیرت ابن ہشام)

غرض خیبر فتح ہوا اور اس کے بعد فتح مکہ کی تیاریاں شروع ہوئیں، مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے تمام کیفیت لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ قریش مکہ کے پاس روانہ کی، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوگئی اور ایک جماعت اس عورت کو گرفتاری پر مامور ہوئی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی اس میں شریک تھے، وہ گرفتار ہو کر آئی اور خط پڑھا گیا، تو ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا سر ندامت سے جھک گیا، رحمۃ للعالمین نے ان کی عفو خواہی پر جب معاف فرمادیا، اور یہ آیت نازل ہوئی۔ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ" (الممتحنة:)

فتح مکہ

۸ رمضان ۸ھ میں دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کا قصد کیا اور شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ اس سرزمین میں داخل ہوئے جہاں سے آٹھ سال قبل طرح طرح کے مصائب و شدائد برداشت کرنے کے بعد بے بسی کی حالت میں نکلنے پر مجبور ہوئے تھے، اس عظیم الشان فوج کے متعدد دستے بنائے گئے تھے، سب سے چھوٹا اور آخری دستہ وہ تھا جس میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کے علمبردار تھے۔ (بخاری باب غزوۃ الفتح)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ میں داخل ہوئے اور ہر طرف سکون و اطمینان ہو گیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑوں پر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر ان کے چہروں سے گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا میں نے گھوڑے کے لیے دو حصے اور سوار کے لیے ایک حصہ مقرر کیا ہے، جو ان حصوں میں کمی کریگا خدا اس کو نقصان پہنچائیگا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث)

مختلف غزوات

فتح مکہ کے بعد واپسی کے وقت غزوہ حنین پیش آیا کفار کمین گاہوں میں چھپے ہوئے مسلمانوں کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو ایک شخص نے اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا "لات وعزیٰ کی قسم یہ طویل القامت سوار یقیناً زبیر رضی اللہ عنہ ہے، تیار ہو جاو، اس کا حملہ نہایت خطرناک ہوتا ہے" یہ حملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک حملہ کر دیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نہایت پھرتی اور تیز دستی کے ساتھ اس آفت ناگہانی کو روکا اور اس قدر شجاعت و جانبازی سے لڑے کہ یہ گھاٹی کفار سے بالکل صاف ہوگئی۔

اس کے بعد جنگ طائف اور تبوک کی فوج کشی میں شریک ہوئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کا قصد

کیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس میں بھی امر کاب تھے۔

حج سے واپس آنے کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے، بعض روایات کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفہ اول کی بیعت میں پس و پیش تھا، تاہم وہ زیادہ دنوں تک اس پر قائم نہیں رہے۔

جنگ یرموک کا حیرت انگیز کارنامہ

سوا دو برس کی خلافت کے بعد خلیفہ اول کا وصال ہو گیا اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسند حکومت پر قدم رکھا، خلیفہ اول کے عہد میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام عرب میں جوش پھیلا کر اس کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا دل گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے افسردہ ہو چکا تھا، تاہم ایک مرد میدان و جانباز بہادر کے لیے اس جوش و ولولہ کے وقت عزلت نشین رہنا سخت ننگ تھا، خلیفہ وقت سے اجازت لے کر شامی رزم گاہ میں شریک ہوئے، اس وقت یرموک کے میدان میں ملک شام کی قسمت کا آخری فیصلہ ہو رہا تھا، اثنائے جنگ میں لوگوں نے کہا اگر آپ حملہ کر کے غنیم کے قلب میں گھس جائیں تو ہم آپ کا ساتھ دیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا تم لوگ میرا ساتھ نہیں دے سکتے، لوگوں نے عہد کیا تو اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے تنہا اس پار سے اُس پار نکل گیا اور کوئی رفاقت نہ کر سکا، پھر واپس لوٹے تو رومیوں نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور نرغہ کر کے سخت زخمی کیا گردن پر دو زخم اس قدر کاری تھے کہ اچھے ہونے کے بعد بھی گڑھے باقی رہ گئے، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بدر کے زخم کے بعد یہ دوسرا زخم کا گڑھا تھا جس میں بچپن میں ہم انگلیں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔ (بخاری کتاب المغازی)

فسطاط کی فتح

فتح شام کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مصر پر حملہ ہوا انہوں نے چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ کی مضبوطی نیز فوج کی قلت دیکھ کر دربار خلافت سے اعانت طلب کی، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک، ہزار ہزار سوار کے برابر ہے، افسروں میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان کا جو رتبہ تھا اُس کے لحاظ سے عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیئے، انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کیے، اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر برسانے شروع کر دیئے، اس پر پورے سات مہینے گذر گئے، اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دن تنگ آ کر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں، یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ رضی اللہ عنہ نے ان کا ساتھ دیا، فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کیے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی، عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے، بدحواس ہو کر بھاگے ادھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج

اندر گھس آئی، مقوقس حاکم مصر نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دے دی گئی۔ (فتوح البلدان)

اسکندریہ کی تسخیر

فسطاط فتح کر کے اسلامی فوج نے اسکندریہ کا رخ کیا اور مدتوں قلعہ کا محاصرہ کیے پڑی رہی، لیکن جس قدر زیادہ دن گذرتے جاتے تھے، اسی قدر دربار خلافت سے اس کے جلد فتح کرنے کا تقاضا بڑھتا جاتا تھا، غرض ایک روز عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آخری اور قطعی حملہ کا ارادہ کرلیا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ کو فوج کا ہراول بنا کر اس زور سے یورش کی کہ ایک ہی حملہ میں شہر فتح ہوگیا۔

مفتوحہ ممالک کی تقسیم کا مطالبہ

مصر کامل طور پر مسخر ہوگیا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سپہ سالار فوج سے اراضی مفتوحہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور فرمایا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کو مجاہدین پر تقسیم فرمادیا تھا، اسی طرح تمام ممالک مفتوحہ کو تقسیم کردینا چاہیے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم میں امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا گیا تو انہوں نے لکھا کہ اس کو اسی طرح رہنے دینا چاہیے تاکہ آئندہ نسلیں بھی اس سے مستفید ہوتی رہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں بھی اس کی مصلحت آگئی اور خاموش ہو رہے۔ (مسند ابن حنبل)

۱۳ھ میں حضرت عمر کے عہد خلافت کی ابتدا میں، شام کے علاقہ یرموک میں اسلامی اور رومی فوجوں میں سخت جنگ ہوئی جس میں ۷۰ ہزار رومی مارے گئے۔ زبیر بن عوام، ابوعبیدہ بن جراح کی قیادت میں شریک جنگ تھے۔ ابن کثیر کہتے ہیں، اس جنگ میں سب سے زیادہ صاحب فضیلت حضرت زبیر ہی تھے۔ کچھ اصحاب رسول نے زبیر سے کہا: چلو ہم مل کر کافروں پر حملہ کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا: اگر میں نے حملہ کیا اور تم نے ساتھ نہ دیا تو جھوٹے پڑ جاؤ گے۔ سب نے کہا: ایسا نہیں ہوگا۔ حضرت زبیر نے ایسے زور کی یلغار کی کہ سب کو پیچھے چھوڑ کر اکیلے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ جب وہ پلٹے تو رومیوں نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور ان کے کندھوں پر تلوار کے دو وار کیے جن سے دو نئے گھاؤ آ گئے، جنگ بدر کے زخم کا نشان ان کے بیچ تھا۔ (بخاری)

۱۸ھ میں حضرت عمر نے عمرو بن عاص کو مصر میں پیش قدمی کرنے کی اجازت دی۔ فرما اور بلبیس کے شہر فتح کرنے کے بعد وہ بابلیوں پہنچے تو مدینہ سے ہزار سپاہیوں کی کمک آئی۔ زبیر بن عوام، عبادہ بن صامت، مقداد بن اسود اور مسلمہ بن مخلد جیسے صحابہ اس میں شامل تھے۔ سیدنا عمر نے سیدنا زبیر کو قائد جیش مقرر کرتے ہوئے سوال کیا تھا، کیا تم مصر کی گورنری لینا چاہتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا، میں عمرو بن عاص کا ساتھ دوں گا۔ چنانچہ مصر پہنچتے انھوں نے ہی عین شمس کے معرکے میں حصہ لیا پھر قلعۂ بابلیون کے محاصرہ میں شامل ہوگئے۔ حضرت زبیر ہی تھے جنھوں نے ربیع الاول ۲۰ھ میں قلعہ کی بیرونی خندق پھلانگ کر دیوار سے سیڑھی لگائی اور کچھ سپاہیوں کو لے کر اندر اتر گئے۔ انھوں نے دروازہ کھولا تو ماہ سے جاری محاصرہ ختم ہوا اور قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ حضرت عمرو نے اہل مصر سے معاہدۂ امن کیا تو سیدنا زبیر نے گواہ کے طور پر دستخط کیے۔ ھ میں جنگ نہاوند ہوئی۔ ایرانی اپنے بڑے بڑے شہر اھواز، اصطخر اور مدائن چھن جانے سے رنجیدہ تھے۔ انھوں نے فیرزان کی قیادت میں ڈیڑھ لاکھ فوج اکٹھی کرلی تو حضرت

عمر نے مقابلے کے لیے خود ایران جانے کا ارادہ کیا۔ اس موقع پر عثمان، طلحہ، علی، زبیر اور عبدالرحمان بن عوف نے مشورہ دیا کہ امیر المومنین کا خود قیادت کرنا مناسب نہ ہوگا چنانچہ نعمان بن مقرن کو اس مہم پر روانہ کیا گیا۔

جب خلیفۂ دوم حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ ہوا اور جان بر ہونے کی امید نہ رہی تو انھوں نے اصحاب عشرۂ مبشرہ میں سے افراد کی مجلس تشکیل دے کر ان میں سے ایک کو اپنا جانشین بنانے کی وصیت کی۔ زبیر بن عوام ان میں شامل تھے لیکن جب عبدالرحمان بن عوف نے انتخاب کو تین افراد پر موقوف کرنے کی تجویز پیش کی تو وہ حضرت علی کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ (بخاری)

۳۱ھ میں حضرت عثمان کو دوسری بار نکسیر پھوٹی اور وہ حج پر نہ جا سکے۔ ایک قریشی صحابی ان کے پاس آئے اور مشورہ دیا کہ اپنا جانشین مقرر کر دیں۔ انھوں نے باقی مسلمانوں سے مشورہ کر کے ایک نام بھی تجویز کیا جس پر حضرت عثمان نے خاموش رضامندی ظاہر کی۔ ایک روایت کے مطابق وہ تجویز کردہ زبیر بن عوام اور دوسری کے مطابق عبدالرحمان بن عوف تھے۔ (بخاری)

بلوائیوں نے حضرت عثمان کو گھر میں محصور کر کے مدینہ میں شورش برپا کی تو حضرت زبیر سورۂ انفال کی آیت: (واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة۔ اس فتنہ سے بچ کر رہو جو تم میں سے محض ظلم کرنے والوں تک محدود نہ رہے گا) تلاوت کرتے اور کہتے، میں یہ آیت ایک عرصہ تلاوت کرتا اور سوچتا رہا، میں اس کا مصداق نہیں ہوں لیکن اب ہم پر اس کا اطلاق ہونے لگا ہے۔ اہل کوفہ زبیر کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، وہ ان کی حمایت حاصل کرنے آئے تو انھوں نے ڈانٹ کر واپس بھیج دیا۔ حضرت عثمان کا آخری جمعہ و تھا جب باغیوں نے مسجد نبوی میں سنگ باری کی، نمازی زخمی ہو گئے اور سیدنا عثمان بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت زبیر نے اس موقع پر حضرت علی اور حضرت طلحہ کے ساتھ گھر جا کر ان کی عیادت کی۔ انھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ پر حضرت عثمان کے گھر کی حفاظت کی ذمہ داری ڈال رکھی تھی۔ حضرت عثمان نے اپنی وصیت سیدنا زبیر ہی کو لکھوائی۔ حضرت زبیر ان چند صحابہ میں سے تھے جنھوں نے حضرت عثمان کے جنازے اور تدفین میں شرکت کی۔

جنگ جمل اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی حق پسندی

حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو بھی خطوط لکھ کر شرکت کی ترغیب دی؛ لیکن وہاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پہنچ کر پہلے ہی ان کو اپنا طرفدار بنالیا اور تقریباً نو ہزار کی عظیم الشان جمعیت مقام ذی قار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے مل کر بصرہ کی طرف بڑھی، حضرت طلحہ و زبیر کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو مرتب و منظم کر کے آگے بڑھا دیا، دسویں جمادی الآخر ۳۶ھ جمعرات کے دن دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی، کیسا عبرت انگیز نظارہ تھا، چند دن پیشتر جو لوگ بھائی بھائی تھے، آج باہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو کر نگاہ غیظ و غضب سے اپنے مقابل کو گھور رہے ہیں! لیکن ذاتی مخاصمت وعداوت سے نہیں بلکہ حق وصداقت کے جوش میں، یہی وجہ ہے کہ ایک ہی قبیلہ کے کچھ آدمی اس طرح ہیں تو کچھ اس طرف، چونکہ دونوں جماعتوں کے سربراہ کاروں کو اصلاح مدنظر تھی، اس لیے پہلے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ تنہا گھوڑا آگے بڑھا کر بیچ میدان میں آئے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا "ابوعبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب کہ ہم اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گذرے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس کو دوست

رکھتے ہو؟ تم نے عرض کیا تھی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرو اس وقت تم سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اسی سے ناحق لڑو گے، (مستدرک حاکم:) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں! اب مجھے بھی یاد آیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تو صرف ایک بات یاد دلا کر پھر اپنی جگہ چلے گئے، لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قلب حق پرست میں ایک خاص سخت تلاطم برپا ہو گیا تمام عزائم اور ارادے فسخ ہو گئے، ام المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے میں برسر غلط تھا، علی رضی اللہ عنہ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ یاد دلا دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر اب کیا ارادہ ہے؟ بولے "اب میں اس جھگڑے سے کنارہ کش ہوتا ہوں" حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے صاحب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا آپ لوگوں کو دو گروہوں کے درمیان پھنسا کر خود علی رضی اللہ عنہ کے خوف سے بھاگنا چاہتے ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں قسم کھاتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ سے نہیں لڑوں گا" عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا قسم کا کفارہ ممکن ہے اور اپنے غلام مکحول کو بلا کر آزاد کر دیا، لیکن حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اچاٹ ہو چکا تھا، کہنے لگے جان پدر علی رضی اللہ عنہ نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جوش فرو ہو گیا، بے شک ہم حق پر نہیں ہیں آؤ تم بھی میرا ساتھ دو، حضرت عبداللہ نے انکار کر دیا تو تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے؛ تاکہ وہاں سے اپنا اسباب وسامان لے کر حجاز کی طرف نکل جائیں، احنف بن قیس نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جاتے دیکھا تو کہا دیکھو یہ کسی وجہ سے واپس جا رہے ہیں، کوئی جا کر خبر لائے، عمرو بن جرموز نے کہا میں جاتا ہوں اور ہتھیار سج کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا وہ اس وقت اپنے غلاموں کو اسباب وسامان کے ساتھ روانگی کا حکم دے کر بصرہ کی آبادی سے دور نکل آئے تھے، ابن جرموز نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

ابن جرموز: ابو عبداللہ آپ نے قوم کو کس حال میں چھوڑا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ: سب باہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔ ابن جرموز: آپ کہاں جا رہے ہیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ: میں اپنی غلطی پر متنبہ ہو گیا، اس لیے اس جھگڑے سے کنارہ کش ہو کر کسی طرف نکل جانے کا قصد ہے۔

ابن جرموز نے کہا چلیے مجھے بھی اسی طرف کچھ دور تک جانا ہے، غرض دونوں ساتھ چلے، ظہر کی نماز کا وقت آیا تو زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے ٹھہرے، ابن جرموز نے کہا میں بھی شریک ہوں گا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہیں امان دیتا ہوں، کیا تم بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھو گے، اس نے کہاں ہاں اس عہد و پیمان کے بعد دونوں اپنے گھوڑے سے اترے اور معبود حقیقی کے سامنے سر نیاز جھکانے کو کھڑے ہو گئے۔

شہادت

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے ہی سجدہ میں گئے کہ عمرو بن جرموز نے غداری کر کے تلوار کا وار کیا اور حواری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سر تن سے جدا ہو کر خاک وخون میں تڑپنے لگا، افسوس! جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں کبھی اپنی جان کی پروانہ کی اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے بارہا مصائب وشدائد کے پہاڑ ہٹائے تھے وہ آج خود ایک کلمہ خوان اور پیرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شقاوت اور بے رحمی کا شکار ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ابن جرموز حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار اور زرہ وغیرہ لے کر بارگاہ مرتضوی رضی اللہ عنہ میں حاضر ہوا، اور فخر کے ساتھ اپنا کارنامہ بیان کیا، جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تلوار پر ایک حسرت کی نظر ڈال کر فرمایا اس نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں اے ابن صفیہ کے قاتل تجھے بشارت ہو کہ جہنم تیری منتظر ہے۔ (مسند جلد) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے چونسٹھ برس کی عمر پائی اور شہید ہو کر وادی السباع میں سپرد خاک ہوئے، نور اللہ مرقدہ وحسن مثواہ۔

اخلاق وعادات

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا دامن اخلاقی زرو جواہر سے مالا مال تھا، تقوی، پارسائی، حق پسندی، بے نیازی، سخاوت اور ایثار آپ کا خاص شیوہ تھا، رقت قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی واقعہ پر دل کانپ اٹھتا تھا۔

خشیت الٰہی

جب یہ آیت نازل ہوئی "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ، ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ (الزمر)

تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ کیا قیامت کے روز ہمارے جھگڑے پھر دہرائے جائیں گے؟ ارشاد ہوا ہاں ایک ایک ذرہ کا حساب ہو کر حقدار کو اس کا حق دلایا جائے گا، یہ سن کر ان کا دل کانپ اٹھا کہنے لگے، اللہ اکبر! کیسا سخت موقع ہوگا۔

تقوی و پرہیزگاری حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب ہے، وہ خود اس کا خیال رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے، ایک دفعہ وہ اپنے غلام ابراہیم کی دادی ام عطاء کے پاس گئے دیکھا کہ یہاں ایام تشریق کے بعد بھی قربانی کا گوشت موجود ہے، کہنے لگے، ام عطاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے، انہوں نے عرض کیا کہ میں کیا کروں لوگوں نے اس قدر ہدیئے بھیج دیئے کہ ختم ہی نہیں ہوتے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جب دعوت اصلاح کا علم بلند کیا تو ایک شخص نے آکر کہا اگر حکم دیجئے تو علی رضی اللہ عنہ کی گردن اڑادوں "بولے تم تنہا اس عظیم الشان فوج کا کیسے مقابلہ کرو گے؟ اس نے کہا میں علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں جا کر مل جاوں گا اور کسی وقت موقع پاکر دھوکے سے قتل کر ڈالوں گا، فرمایا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایمان قتل ناگہانی کی زنجیر ہے، اس لیے کوئی مومن کسی کو اچانک نہ مارے۔ (مسند)

قلت روایت کا سبب

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور ہر وقت کے حاضر رہنے والوں میں تھے، لیکن کمال اتقاء کے باعث بہت کم حدیثیں روایت کرتے تھے، ایک دفعہ آپ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پدر بزرگوار کیا سبب ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی باتیں بیان نہیں کرتے جتنی اور لوگ بیان کرتے ہیں، فرمایا جان پدر! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور معیت میں دوسروں سے میرا حصہ کم نہیں ہے، میں جب سے اسلام لایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا

نہیں ہوا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اس تنبیہ نے مجھے محتاط بنا دیا ہے: من كذب علي متعمدا فليتبوا مقعده من النار

یعنی جس نے قصداً میری طرف غلط بات منسوب کی اسے چاہیے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنا لے۔

(ابوداود کتاب العلم باب فی التشدید فی الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومسند، وصحیح بخاری)

مساوات پسندی

مساوات اسلامی کا اس قدر خیال تھا کہ دو مسلمان لاشوں میں بھی کسی تفریق یا امتیاز کو جائز نہیں سمجھتے تھے، جنگ احد میں آپ کیا موں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ نے بھائی کی تجہیز وتکفین کے لیے دو کپڑے لا کر دیئے، لیکن ماموں کے پہلو میں ایک انصاری کی لاش بھی بے گور وکفن پڑی تھی، دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک کے لیے دو دو کپڑے ہوں اور دوسرا بے کفن رہے، غرض تقسیم کرنے کے لیے دونوں ٹکڑوں کو ناپا، اتفاق سے چھوٹا بڑا نکلا قرعہ ڈال کر تقسیم کیا کہ اس میں بھی کسی طرح کی ترجیح نہ پائی جائے۔ (مسند)

استقلال

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ خطرات کی مطلق پروانہ کرتے اور موت کا خوف کبھی ان کے عزم وارادہ میں حائل نہ ہوتا، اسکندریہ کے محاصرہ نے طول کھینچا تو چاہا کہ سیڑھی لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں، لوگوں نے کہا قلعہ میں سخت طاعون ہے، فرمایا "ہم طعن وطاعون ہی کے لیے آئے ہیں" یعنی موت سے ڈرنا کیا ہے غرض سیڑھیاں لگائی گئیں اور جان بازی کے ساتھ چڑھ گئے۔

امانت

حواری رسول کی امانت، دیانت اور انتظامی قابلیت کا عام شہرہ تھا، یہاں تک کہ لوگ عموماً اپنی وفات کے وقت ان کو اپنے آل واولاد اور مال ومتاع کے محافظ بنانے کی تمنا ظاہر کرتے تھے، مطیع بن الاسود نے ان کو وصی بنانا چاہا، انہوں نے انکار کیا تو لجاجت کے ساتھ کہنے لگے "میں آپ کو خدا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرابت داری کا واسطہ دلاتا ہوں، میں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ دین کے ایک رکن ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، مقداد، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی ان کو اپنا وصی بنایا تھا، چنانچہ یہ دیانتداری کے ساتھ ان کے مال ومتاع کی حفاظت کر کے ان کے اہل وعیال پر صرف کرتے تھے۔ (اصابہ)

فیاضی

فیاضی، سخاوت اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بھی پیش پیش رہتے تھے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہزار غلام تھے، روزانہ اجرت پر کام کر کے ایک بیش قرار رقم لاتے تھے، لیکن انہوں نے اس میں سے ایک حبہ بھی کبھی اپنی ذات یا اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا پسند نہ کیا بلکہ جو کچھ آیا اسی وقت صدقہ کر دیا۔ (ایضاً جلد) غرض ایک پیغمبر کے حواری میں جو خوبیاں ہو سکتی

ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی ذات والاصفات میں ایک ایک کرکے وہ سب موجود تھیں۔

ذریعہ معاش اور تمول

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، اور عجیب بات ہے کہ انہوں نے جس کام میں ہاتھ لگایا، کبھی گھاٹا نہیں ہوا۔ (استیعاب)

تجارت کے علاوہ مالِ غنیمت سے بھی گراں قدر رقم حاصل کی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے تمول کا صرف اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کے تمام مال کا تخمینہ پانچ کروڑ دولاکھ درہم (یا دینار) کیا گیا تھا، لیکن یہ سب نقد نہیں؛ بلکہ جائیداد غیر منقولہ کی صورت میں تھا، اطراف مدینہ میں ایک جھاڑی تھی، اس کے علاوہ مختلف مقامات میں مکانات تھے، چنانچہ خاص مدینہ میں گیارہ، بصرہ میں دو اور مصر و کوفہ میں ایک ایک مکان تھا۔ (بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی مالہ)

قرض اور اس کی ادائیگی

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس قدر تمول کے باوجود بائیس لاکھ کے مقروض تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ عموماً اپنا مال ان کے پاس جمع کرتے تھے، لیکن یہ احتیاط کے خیال سے سب سے کہہ دیتے تھے کہ امانت نہیں؛ بلکہ قرض کی حیثیت سے لیتا ہوں، ہوتے ہوتے اسی طرح بائیس لاکھ کے مقروض ہوگئے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ کا حواری ہونے کا بیان

122- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ قُرَيْظَةَ مَنْ يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ فَقَالَ الزُّبَيْرُ أَنَا فَقَالَ مَنْ يَأْتِينَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ فَقَالَ الزُّبَيْرُ أَنَا ثَلَاثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَإِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ جنگ قریظہ کے موقع کی بات ہے، دشمن کی خبر کون مجھ تک لائے گا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں! آپ نے پھر فرمایا: دشمن کی خبر کون مجھ تک پہنچائے گا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرا حواری' زبیر ہے۔

شرح

یہ واقعہ غزوہ احزاب کا ہے جو سن (۵) ہجری میں واقع ہوا، جب کفار قریش قبائل عرب اور خیبر کے یہودی سرداروں کے ساتھ دس ہزار کی تعداد میں مدینہ پر چڑھ آئے، نبی اکرم ﷺ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے خندق کھدوائی، اس لئے اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے، مسلمان بڑی کس مپرسی کے عالم میں تھے، اور یہود بنی قریظہ نے بھی معاہدہ توڑ کر کفار مکہ کا

122 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2846' ورقم الحدیث: 4113' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6194' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 3745

ساتھ دیا، ایک دن بہت سردی تھی، نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ چاہا کہ کوئی اس متحدہ فوج کی خبر لائے جن میں بنی قریظہ بھی شریک تھے، لیکن سب خاموش رہے، اور اس مہم پر زبیر رضی اللہ عنہ گئے، اور ان کو سردی بھی نہ لگی، اور خبر لائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حملہ آوروں پر بارش اور ٹھنڈی ہوا بھیج دی ہے جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے، ہانڈیاں الٹ گئیں، اور لوگ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں، زبیر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے۔

حزب کی جمع ہے جس کے معنی "گروہ" کے ہیں اس موقع پر چونکہ مختلف اسلام دشمن گروہ یعنی قریش اور غیر قریش کے قبائل اور مدینہ کے وہ یہودی جن کا تعلق بنو قریظہ اور جلاوطن بنو نضیر سے تھا، متحد اور جمع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے آئے تھے اس لئے اس غزوہ کو "غزوہ احزاب" کہا جاتا ہے اس غزوہ میں دشمن کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی اور مجاہدین اسلام کل تین ہزار نفر دشمن دراصل مرکز اسلام کو تاخت وتاراج کر دینے کے منصوبے کے تحت حملہ آور ہوا تھا اور اس کا ٹڈی دل لشکر تقریباً ایک مہینہ تک مدینہ کو گھیرے پڑا رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مجاہدین اسلام کی مدد سے دفاعی کارروائی کے طور پر مدینہ شہر کے گرد خندق کھودی تھی اور اس مناسبت سے اس غزوہ کو "غزوہ خندق" بھی کہا جاتا ہے۔ وہ بڑے سخت دن تھے اور اہل اسلام نہایت پریشانیوں اور دشواریوں میں گھر کر رہ گئے تھے۔ باقاعدہ صف آرائی اور جنگ کی نوبت نہیں آئی، تاہم سنگ باری اور تیر اندازی کے واقعات پیش آتے رہتے تھے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا لشکر نازل کیا اور ایسی آندھی بھیجی کہ دشمن کے خیمے اکھڑ گئے، چولہوں پر سے دیگچیاں اوندھی ہو گئیں جابجا ڈیروں میں آگ گل ہو گئی اور ہیبت ناک اندھیرا چھا گیا اور دشمن کا لشکر خوف ودہشت کے مارے راتوں رات بھاگ کھڑا ہوا۔ ان دنوں چونکہ یہودیوں اور منافقوں کے سبب مدینہ شہر کے اندر اور دشمن کے محاصرہ کے سبب باہر تک ہر طرف ایسی خطرناک صورت حال تھی کہ جنگی مصالح ومفاد سے متعلق معلومات فراہم کرنا اور دشمنوں کے بارے میں خبریں منگانا سخت دشوار مرحلہ تھا، اس لئے جب حضرت زبیر نے تمام خطرات اور دشواریوں کے باوجود اس خدمت کے لئے خود کو پیش کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زبردست تحسین فرمائی اور ان کو اپنا حواری ہونے کا اعزاز عطا فرمایا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے منفرد اعزاز کا بیان

123- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ لَقَدْ جَمَعَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَوَيْهِ يَوْمَ اُحُدٍ

◄◄ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: غزوہ احد کے دن نبی کریم ﷺ نے میرے لئے اپنے ماں باپ کو اکٹھا کیا تھا (یعنی یہ فرمایا تھا: میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں)

شرح

بنو قریظہ کے یہودیوں نے غزوہ احزاب کے موقع پر ایسی عہد شکنی اور بدمعاملگی کا ارتکاب کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

123 اخرجه البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 3720 اخرجه مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6195 ورقم الحدیث 6196 اخرجه الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 3743

وسلم نے ان کی سرکوبی ضروری سمجھا اور غزوہ احزاب سے فارغ ہوتے ہی ان کی طرف متوجہ ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ روز تک (ایک تاریخی روایت کے مطابق پچیس روز) ان کا محاصرہ کیے رکھا اور آخر کار ان کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ پس اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ کون بہادر ہے جو بنوقریظہ کے بارے میں جنگی معلومات فراہم کر کے میرے پاس لائے یا یہ کہ غزوہ احزاب میں بھی بنوقریظہ دشمن کے ساتھ ملے ہوئے تھے اور مسلمانوں کے خلاف جنگی کاروائیوں میں شامل تھے ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر بنوقریظہ کے بارے میں ضروری معلومات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو درکار ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہو۔ "میرے ماں باپ تم پر صدقے۔" یہ بارگاہ رسالت کی طرف سے حضرت زبیر کی قدر ومنزلت کی توثیق کرنا اور ان کے اس کارنامہ پر ان کو زبردست اعزاز عطا کرنا تھا جو انہوں نے نہایت جرأت و بہادری کے ساتھ انجام دیا تھا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کوئی بھی شخص یہ الفاظ اسی ہستی کے حق میں استعمال کرتا ہے جس کو وہ نہایت معزز ومکرم سمجھتا ہے اور اس کی تعظیم کرتا ہے اس اعتبار سے حضرت زبیر کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اپنے ماں باپ دونوں مجھ پر جمع کئے (یعنی یوں فرمایا کہ: میرے ماں باپ تم پر صدقے) ایک مرتبہ تو جنگ احد کے موقع پر اور دوسری مرتبہ بنوقریظہ کے خلاف کاروائی کے موقع پر ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت زبیر نے اپنے بیٹے حضرت عروہ سے کہا: برخوردار! میرے بدن کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں (جنگوں کے دوران) زخمی نہ ہوا ہو۔

زخمی ہونے کے باوجود اللہ ورسول ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا بیان

124- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَهَدِيَّةُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ يَا عُرْوَةُ كَانَ اَبَوَاكَ مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ اَبُوْبَكْرٍ وَّالزُّبَيْرُ

ہشام بن عروہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے فرمایا: اے عروہ! تمہارے دادا اور نانا ان لوگوں میں سے ہیں' جن کے بارے میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "یہ وہ لوگ ہیں' جنہیں زخم لاحق ہوئے اور اس کے بعد بھی انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بلانے پر لبیک کہا"۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔

شرح

پوری آیت یوں ہے: (اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ، سورۃ آل عمران 172)، جن لوگوں نے زخمی ہونے کے بعد اللہ اور رسول ﷺ کا کہنا مانا، جو لوگ ان میں نیک وصالح اور پرہیزگار رہوئے ان کو بڑا ثواب ہے۔

اس آیت کا شان نزول امام بغوی نے یوں ذکر کیا ہے کہ جب ابوسفیان اور کفار مکہ جنگ احد سے واپس لوٹے، اور مقام روحا

124 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

میں پہنچے تو اپنے لوٹنے پر نادم وشرمندہ ہوئے اور ملامت کی، اور کہنے لگے کہ ہم نے محمد ﷺ کو نہ قتل کیا، نہ ان کی عورتوں کو قید کیا، پھر ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ دوبارہ واپس چل کر مسلمانوں کا کام تمام کر دیا جائے، جب یہ خبر نبی اکرم ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے اپنی طاقت کے اظہار کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اکٹھا کی، اور ابوسفیان اور کفار مکہ کے تعاقب میں روانہ ہونا چاہا، اور اعلان کر دیا کہ ہمارے ساتھ غزوہ احد کے شرکاء کے علاوہ اور کوئی نہ نکلے، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو ساتھ چلنے کی اجازت دے دی، نبی کریم ﷺ، ابوبکر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، حذیفہ بن الیمان، اور ابوعبیدہ بن جراح وغیرہم کی معیت میں ستر آدمیوں کو لے کر روانہ ہوئے، اور حمراء الأسد (مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ایک مقام) پر پہنچے، اس کے بعد بغوی رحمہ اللہ نے یہی روایت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے، غرض وہاں معبد خزاعی نامی ایک آدمی تھا جو نبی کریم ﷺ سے محبت رکھتا تھا، اور وہاں کے بعض لوگ ایمان لا چکے تھے تو معبد نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم کو آپ کے اصحاب کے زخمی ہونے کا بہت رنج ہوا، غرض وہ وہاں سے ابوسفیان کے پاس آیا، اور ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شجاعت کی خبر دی، ابوسفیان اور ان کے ساتھی اس خبر کو سن کر ٹھنڈے ہو گئے، اور مکہ واپس لوٹ گئے، غرض اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں یہ آیت نازل فرمائی۔

(تفسیر بغوی، سورہ آل عمران، بیروت)

بَابُ: فَضْلِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

یہ باب حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بیان میں ہے

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے مختصر احوال کا بیان

غزوہ احد کے دن حضرت طلحہ نے کمال جانثاری کا ثبوت دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے خود کو سپر بنا لیا تھا، وہ تلواروں کو اپنے ہاتھ پر روک روک کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گزند سے بچاتے تھے۔ چنانچہ نہ صرف یہ کہ ان کا ہاتھ زندگی بھر کے لئے شل اور بے کار ہو کر رہ گیا تھا بلکہ ان کے پورے جسم پر اسی زخم لگے تھے اور عضو مخصوص بھی زخمی ہو گیا تھا صحابہ کرام جب بھی غزوہ احد کے دن کا تذکرہ کرتے تو کہا کرتے تھے کہ وہ دن تو درحقیقت طلحہ کی جانثاری اور فداکاری سے بھرپور دن تھا۔ حضرت طلحہ عبید اللہ کے بیٹے اور قریشی ہیں، کنیت ابومحمد (یا ایک قول کے مطابق ابوعمرو) تھی، قدیم الاسلام ہیں غزوہ بدر کے علاوہ اور تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں غزوہ بدر میں اس وجہ سے شریک نہیں ہو سکے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کام سے کہیں گئے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہ کا رنگ گندمی تھا اور بال کثرت سے تھے، بڑے وجیہ اور خوبصورت آدمی تھے ۶۴ سال کی عمر میں جنگ جمل کے موقع پر ۲۰ جمادی الثانی ۳۶ھ پنجشنبہ کے دن شہید ہوئے اور بصرہ میں دفن کیے گئے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی چلتی پھرتی شہادت کا بیان

125- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَّعَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَوْدِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الصَّلْتُ الْاَزْدِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْ نَضْرَةَ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ طَلْحَةَ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شَهِيْدٌ يَمْشِيْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ ایک شہید ہے جو زمین پر چل رہا ہے (یعنی یہ آگے جا کر شہید ہوگا)

شرح

حضرت جابر کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ بن عبیداللہ کی طرف (محبت بھری نظروں سے) دیکھا اور فرمایا: جس شخص کی خواہش ہو کہ اس انسان کو دیکھے جو زمین پر چلتا پھرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ مردہ ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس انسان (طلحہ) کو دیکھے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایسے شہید کا دیدار کرنا چاہے جو زمین پر چلتا پھرتا ہے تو وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھے۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: رقم الحدیث، 754)

حقیقت میں وہ مردہ ہے" یہ قضی نحبہ کا ترجمہ ہے۔ اصل میں تو نحب کے معنی ہیں: منت ماننا، نذر کرنا، عہد کرنا۔ لیکن اس کے ایک معنی موت اور اجل کے بھی آتے ہیں چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت! (مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ، الاحزاب:23) مفسرین نے قضی نحبہ کی تفسیر میں دونوں معنی مراد لئے ہیں۔ اس لحاظ سے اس حدیث میں بھی قضی نحبہ کو اگرچہ دونوں معنی پر محمول کیا جا سکتا ہے لیکن دوسرے معنی (موت کے مفہوم میں) مراد لینا زیادہ صحیح اور زیادہ موزوں ہے جیسا کہ دوسری روایت شہید یمشی علی وجہ الارض سے بھی ہے۔ بہرصورت اس ارشاد گرامی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد لوگوں کو یہ بتانا تھا کہ طلحہ وہ شخص ہے جس نے اللہ کی راہ میں اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے سرفروشی اور فداکاری کا جو عہد کیا تھا اس کو پورا کر دیا اور میدان جنگ میں اس نے جان سپاری کے ذریعہ درحقیقت موت کا مزہ چکھ لیا یہ اور بات ہے کہ وہ ابھی زندہ نظر آتا ہے، یہ معلوم ہی ہے کہ جنگ احد کے دن حضرت طلحہ نے خود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنا لیا تھا اور اس کے نتیجہ میں ان کے جسم کو کوئی حصہ کوئی عضو زخمی ہونے سے نہیں بچا تھا۔ بعض حضرات نے لکھا ہے اس حدیث میں حضرت طلحہ کے تعلق سے جو کچھ فرمایا گیا اس میں "درحقیقت اس اختیاری موت" کی طرف اشارہ ہے جو اہل سلوک اور ارباب فناہ کو حاصل ہوتی ہے یا مردہ ہونے" سے ذات باری تعالیٰ کی طرف انجذاب اور ذکر الٰہی اور مشاہدہ ملکوت میں پوری طرح مستغرق ہونے کے سبب عالم شہادت سے غائب ہونا ہے جو دراصل (اختیاری موت) کا نتیجہ ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "مردہ" کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہو کہ مآل کار حضرت طلحہ کو شہادت کی موت اور حسن خاتمہ کی سعادت نصیب ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت طلحہ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

125 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:3739

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور وعدہ سچ کر دکھانے کا بیان

126- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْاَزْهَرِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنِي اِسْحٰقُ بْنُ يَحْيٰى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ مُوْسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِىْ سُفْيَانَ قَالَ نَظَرَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى طَلْحَةَ فَقَالَ هٰذَا مِمَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ

حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور یہ ارشاد فرمایا یہ ان لوگوں میں سے ایک ہے جنہوں نے اپنی نذر کو پورا کیا۔

شرح

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۔(الاحزاب،۲۳)

اہل ایمان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنا وہ عہد سچ کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا سو ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کر لی اور بعض وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے کچھ بھی تبدیلی نہیں کی۔

ابی حاتم والترمذی وحسنہ وابو یعلی ابن جریر والطبرانی وابن مردویہ نے طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب نے ایک دیہاتی سے کہا کہ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کر کہ من قضی نحبہ سے کون لوگ مراد ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کرنے کی جرأت نہ کرتے اور آپ کی تعظیم کرتے تھے اور آپ سے ڈرتے تھے۔ اس دیہاتی نے آپ سے پوچھا کہ تو آپ نے اس سے اعراض فرمایا پھر اس نے پوچھا تو آپ نے اس سے اعراض فرمایا پھر میں مسجد کے دروازے سے چلا تو آپ نے فرمایا وہ سوال کرنے والا کہاں ہے دیہاتی نے کہا کہ میں سائل ہوں آپ نے فرمایا یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں فرمایا من قضی نحبہ ۔ (تفسیر در منثور، سورہ احزاب، بیروت)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی نذر کا بیان

127- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا اِسْحٰقُ عَنْ مُوْسَى بْنِ طَلْحَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ مُعَاوِيَةَ فَقَالَ اَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ طَلْحَةُ مِمَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ

موسیٰ بن طلحہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا: میں گواہی دے کر یہ بات کہتا ہوں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے طلحہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ایک ہے جنہوں نے اپنی نذر کو پورا کیا ہے۔

---

126 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 3199 'ورقم الحدیث:3740

جانثاری کی نذر پوری کرنے والے

ابن جریر وابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویہ نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) احد سے واپس لوٹے تو منبر پر چڑھ کر اللہ کی حمد اور اس کی ثنا بیان فرمائی پھر یہ آیت پڑھی آیت من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ تو آپ کی طرف ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ اس آیت سے کون لوگ مراد ہیں پھر میں یعنی حضرت طلحہ آیا تو فرمایا اے سوال کرنے والے! یہ ان لوگوں میں سے ہے۔

الترمذی وابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ طلحہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اپنی نذر کو پورا کر دیا۔

ابن الحاکم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ آیت طلحہ رضی اللہ عنہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا اے طلحہ تو ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اپنی نذر کو پورا کر دیا۔

سعید بن منصور وابو یعلی وابن المنذر وابو نعیم وابن مردویہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس شخص کو یہ بات خوش لگے کہ وہ ایسے آدمی کی زمین پر چلتا ہوا دیکھے کہ جس نے اپنی نذر کو پورا کر دیا تو اس کو چاہیے کہ طلحہ کو دیکھ لے۔ (تفسیر درمنثور، سورہ احزاب، بیروت)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ رسالت ﷺ میں جانثاری کا بیان

128- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْمَعِيلَ عَنْ قَيْسٍ قَالَ رَأَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ شَلَّاءَ وَقَى بِهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ

قیس بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے شل ہاتھ کو دیکھا ہے جس کے ذریعے انہوں نے غزوۂ اُحد کے موقع پر نبی کریم ﷺ کا بچاؤ کیا تھا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم کے سلامت رہنے کا بیان

قیس بن حازم فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو ان کے کسی رشتہ دار نے خواب میں دیکھا تو انہوں نے فرمایا تم لوگوں نے مجھے ایسی جگہ دفن کر دیا ہے جہاں پانی مجھے تکلیف پہنچاتا ہے میری جگہ یہاں سے تبدیل کرو۔

رشتے داروں نے قبر کھودی تو ان کا جسم نرم ونازک چڑے کی طرح تھا اور داڑھی کے چند بالوں کے علاوہ جسم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ (مصنف عبدالرزاق)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کیلئے جنت کی بشارت کا بیان

حضرت زبیر کہتے ہیں کہ جنگ احد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر دو زرہیں تھیں (دوران جنگ ایک موقع پر)

128 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:4063، ورقم الحدیث:3724

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چٹان چڑھنا چاہا (تا کہ دشمن کے لشکر کا جائزہ لیں اور مجاہدین اسلام کو بلندی پر سے دکھائی دیں) لیکن (دونوں زرہوں کے بوجھ کی وجہ سے) اوپر چڑھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ طلحہ نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چٹان پر چڑھنے کی کوشش کرتے اور پھر کامیاب نہ ہوتے دیکھا تو فوراً) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے بیٹھ گئے تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اوپر چڑھ کر چٹان پر پہنچ گئے اور میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: طلحہ نے (جنت کو واجب کر لیا۔"

(ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم، رقم الحدیث، 752)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: خذوا حذرکم (اے ایمان والو! اپنی احتیاط رکھو) کی زیادہ سے زیادہ تعمیل کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں اس دن پہن رکھی تھیں کیونکہ زرہ اور سپر جیسی چیزیں سامان جنگ میں سے ہیں اور میدان جنگ میں دشمن کے حملوں سے بچاؤ کے لئے لازمی ذریعہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دشمن کے مقابلہ پر ہتھیاروں کا استعمال اور تحفظ کے مادی ذرائع اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر دو زرہیں پہن کر گویا امت کو بتایا کہ دشمن کے مقابلہ پر اپنے بچاؤ کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرنی چاہئے۔ "طلحہ نے (جنت کو) واجب کر لیا۔ "جنت" کا لفظ بعض روایتوں میں صریح آیا ہے اس جملہ کا مطلب یہ تھا کہ طلحہ نے اپنے اس ایک عمل کے ذریعہ یا اپنے ان مجاہدانہ کارناموں کے ذریعہ جو انہوں نے اس جنگ میں انجام دیئے ہیں اپنے لئے جنت کا استحقاق اور وجوب پیدا کر لیا ہے، بلاشبہ اس جنگ میں حضرت ابوطلحہ کی جانثاری وفداکاری اسی طرح کی تھی کہ آنحضرت ان کو اس بشارت سے نوازتے۔ انہوں نے جان کی بازی لگا کر اپنے جسم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنا لیا تھا اور آنحضرت کی طرف آنے والے تمام تیر اپنے بدن پر روک رہے تھے، ان کا پورا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، ان کا ہاتھ تو زندگی بھر معطل اور شل رہا۔ اسی ۸۰ سے اوپر زخم ان کے بدن پر شمار کئے گئے تھے یہاں تک کہ ان کا عضو مخصوص بھی زخمی ہونے سے نہیں بچا تھا۔ بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب بھی غزوہ احد کا ذکر کرتے تو کہا کرتے تھے کہ جنگ کا وہ پورا دن طلحہ کی سرفروشی اور فداکاری کا دن تھا۔

بَابُ: فَضْلِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

یہ باب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ہے

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مختصر احوال کا بیان

حضرت سعد کی کنیت ابو اسحاق ہے اور زہری وقرشی کر کے مشہور ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں یعنی آغاز دعوت اسلام ہی میں سترہ سال کی عمر میں مشرف با اسلام ہو گئے تھے۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں تیسرا مسلمان ہوں مجھ سے پہلے صرف دو آدمی اسلام لائے تھے اور اللہ کی راہ میں اسلام کی طرف سے سب سے پہلے تیر چلانے والا میں ہوں۔ حضرت سعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں اور مستجاب الدعوات "مانے جاتے تھے۔ ان کی حیثیت عوام وخواص میں اس قدر مشہور تھی کہ لوگ ان کی بدعا سے ڈرتے تھے اور ان کی نیک دعاؤں کے طلب گار رہا کرتے تھے۔ دراصل ان کو یہ مقام اس بنا پر حاصل ہوا تھا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی: اے اللہ! سعد کی دعائیں قبول فرما۔ حضرت زبیر کے علاوہ صرف حضرت سعد ہی وہ خوش نصیب ہستی ہیں جن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماں باپ کو جمع کیا، یعنی الگ الگ موقعوں پر ان دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: میرے ماں باپ تم پر صدقے، یہ عظیم اعزاز ان دونوں کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں ہوا۔

حضرت سعد کا رنگ گندمی تھا اور ان کے بدن پر بہت بال تھے ۵۵ھ میں اس محل میں ان کا انتقال ہوا جو انہوں نے مدینہ شہر کے قریب وادی عقیق میں بنوایا تھا، جنازہ مدینہ منورہ لایا گیا اور اس وقت کے حاکم مدینہ ابن الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی اس وقت حضرت سعد کی عمر کچھ اوپر ستر سال کی تھی اور عشرہ مبشرہ میں سب کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ حضرت عمر نے ان کو کوفہ کا حکم مقرر کیا تھا، پھر بعد میں حضرت عثمان نے بھی اس منصب پر ان کو دوبارہ کوفہ بھیجا تھا۔ صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت کو ان سے احادیث کی سماعت اور روایت کا شرف حاصل ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک نامور سپہ سالار اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا تھا۔ نام سعد اور کنیت ابو اسحاق ہے۔ آپ رسول اکرم کی والدہ کے چچازاد بھائی تھے اور ابتدا میں ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ آپ نہ صرف تمام غزوات میں شریک رہے بلکہ اسلام اور کفر کے تقریباً ہر معرکہ میں شامل ہوئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب ایران کے حملے کرنے کا خطرہ محسوس ہوا تو حضرت عمر نے آپ کو سپہ سالار اعظم کا عہدہ سونپ دیا اور اس طرح آپ نے ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ ایرانی لشکر پر چڑھائی کر دی اور قادسیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔

یہاں 16ء میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت سعد خود عملی حصہ نہ لے سکے۔ کیونکہ وہ بیمار تھے۔ لیکن اپنی فوج کو برابر احکامات اور جنگی نقل و حرکت کے بارے میں ہدایات جاری کرتے رہے۔ بالآخر سردار رستم کے مارے جانے کے بعد یہ جنگ ختم ہوئی اور ایرانی شکست کھا کر بھاگے۔

اس سال آپ کے بھتیجے ہاشم نے ایرانیوں کو کلولاء کے مقام پر شکست فاش سے دوچار کیا۔ اور اس کے قریب ہی کوفے کی بنیاد رکھ دی۔ حضرت سعد نے کوفے آ کر فوجی چھاؤنی قائم کر دی۔ یہ مسلمانوں کی پہلی چھاؤنی تھی۔ جب حضرت عمر بستر علالت پر تھے انہوں نے نئے خلیفہ کا چناؤ کرنے کیلئے جن چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منتخب کیا تھا ان میں سے ایک آپ بھی تھے۔ آپ کا انتقال تقریباً ستر سال کی عمر میں ہوا۔ آپ کو مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، تذکرہ سعد)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے اعزاز کا بیان

129- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرٰهِيْمَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ اَبَوَيْهِ لِاَحَدٍ غَيْرَ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ فَاِنَّهُ قَالَ لَهُ يَوْمَ اُحُدٍ ارْمِ سَعْدُ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ

129 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 2905' ورقم الحدیث: 6184' ورقم الحدیث: 4058' ورقم الحدیث 4059' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم حدیث 6183' ورقم الحدیث 6184' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3755

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے لیے اپنے ماں باپ کو جمع کیا ہو (یعنی کسی اور کے بارے میں یہ فرمایا ہو: میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں) نبی کریم ﷺ نے غزوہ احد کے دن حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا اے سعد رضی اللہ عنہ! تیر اندازی کرو میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔

شرح

سعد بن مالک سے مراد سعد بن ابی وقاص ہیں، دراصل ابی وقاص کا نام مالک ابن وہب تھا اور اس اعتبار سے سعد بن ابی وقاص کو سعد بن مالک بھی کہا جاتا تھا۔" اوپر کی حدیث میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ماں باپ کو جمع کرنا، حضرت زبیر کے حق میں بھی منقول ہے جبکہ یہاں حضرت علی یہ فرمار ہے ہیں کہ سعد بن مالک کے علاوہ اور کسی کے لئے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماں باپ کو جمع نہیں کیا۔ لہٰذا اوپر کی حضرت زبیر کی روایت اور حضرت علی کی اس روایت دونوں کے درمیان مطابقت کی خاطر یہ کہا جائے گا کہ دراصل حضرت علی کو معلوم نہیں تھا کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کے حق میں بھی یہ جملہ ارشاد فرمایا یا کہ حضرت علی کی مراد یہ تھی کہ خود میں نے کسی واسطہ کے بغیر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جملہ سعد کے علاوہ اور کسی کے حق میں نہیں سنا پس ان کا یہ کہنا اس بات کے منافی نہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ حضرت زبیر کے حق میں بھی فرمایا ہو اور اس کا علم حضرت علی کو بالواسطہ طور پر ہوا ہو۔

130- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ ح وَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمٰعِيلَ وَاِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ اَبِي وَقَّاصٍ يَقُولُ لَقَدْ جَمَعَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ اَبَوَيْهِ فَقَالَ ارْمِ سَعْدُ فِدَاكَ اَبِي وَاُمِّي

سعید بن مسیب کہتے ہیں میں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے، غزوہ احد کے دن نبی کریم ﷺ نے میرے لئے اپنے ماں باپ کو اکٹھا کیا تھا (یعنی یہ فرمایا تھا: میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں) آپ نے فرمایا تھا: اے سعد! تم تیر اندازی کرو میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔

اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیر چلانے والے

131- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيسَ وَخَالِي يَعْلٰى وَوَكِيعٌ عَنْ اِسْمٰعِيلَ عَنْ

130- اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3725 ورقم الحدیث: 4055 ورقم الحدیث: 4056 ورقم الحدیث 4057 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 6185 ورقم الحدیث: 6186 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2830 ورقم الحدیث: 3754

131 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3728 ورقم الحدیث: 5412 ورقم الحدیث: 6453 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 7359 ورقم الحدیث 7360 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2365 ورقم الحدیث: 2366

قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ يَقُوْلُ اِنِّيْ لَاَوَّلُ الْعَرَبِ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

قیس بیان کرتے ہیں' میں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے: میں پہلا عرب شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیراندازی کی تھی۔

شرح

یعنی میں وہ شخص ہوں جس نے اسلام میں سب سے پہلے اللہ کے دشمنوں پر تیر چلایا مجھ سے پہلے کسی نے اللہ کی راہ میں تیر نہیں چلایا تھا۔ یہ اھ کا واقعہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الحارث کی سرکردگی میں ساٹھ سواروں کا ایک چھوٹا سا لشکر ابوسفیان بن حرب اور اس کے ساتھ مشرکین کے مقابلہ پر روانہ فرمایا تھا، جنگ کی نوبت نہیں آئی، صرف اتنا ہوا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے ان دشمنان اسلام کی طرف ایک تیر پھینکا اور یہ سب سے پہلا تیر تھا جو اہل اسلام کی طرف سے دشمنان اسلام پر چلایا گیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا بیان

132- حَدَّثَنَا مَسْرُوْقُ بْنُ الْمَرْزُبَانِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِيْ زَائِدَةَ عَنْ هَاشِمِ بْنِ هَاشِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ قَالَ سَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ مَا اَسْلَمَ اَحَدٌ فِي الْيَوْمِ الَّذِيْ اَسْلَمْتُ فِيْهِ وَلَقَدْ مَكَثْتُ سَبْعَةَ اَيَّامٍ وَّاِنِّيْ لَثُلُثُ الْاِسْلَامِ

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں' میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے: جس دن میں نے اسلام قبول کیا اس دن کسی نے نہیں قبول کیا تھا میں سات دن اسی حالت میں رہا اور میں اسلام قبول کرنے والا تیسرا شخص تھا۔

شرح

حضرت سعد کا مطلب یہ تھا سب سے پہلے دن تین آدمیوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا ان میں سے دو تو حضرت خدیجہ اور ابوبکر تھے اور تیسرا آدمی میں خود تھا اس طرح اگرچہ حضرت خدیجہ اور حضرت ابوبکر نے مجھ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن ہم تینوں کے اسلام قبول کرنے کا دن بہرحال ایک ہی تھا، پھر میرے قبول اسلام کے بعد سات دنوں تک کسی شخص نے اسلام قبول نہیں کیا۔ میرے بعد جو لوگ مسلمان ہوئے وہ سب ان سات دنوں کے بعد ہی ہوئے یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت سعد کی مراد یہ تھی کہ آزاد اور بالغ لوگوں میں ہم تین آدمیوں کے علاوہ اور کوئی شخص ان سات دنوں میں مسلمان نہیں ہوا۔ یا یہ کہ حضرت سعد کو شاید اور لوگوں کے اسلام کی خبر نہ ہوئی ہوگی۔ اس وضاحت سے نہ تو یہ اشکال پیدا ہوگا کہ جب حضرت علی (جو قبول اسلام کے وقت نابالغ تھے اور حضرت زید بن حارثہ (غلام کے بارے میں ثابت ہے کہ ان دونوں نے بھی پہلے ہی دن اسلام قبول کر لیا تھا تو حضرت سعد نے یہ بات کہی اور نہ حضرت عمار کی اس روایت سے حضرت سعد کی اس روایت کا تناقض لازم آئے گا جس میں انہوں

132 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3727' و رقم الحدیث: 3858

نے (یعنی عمار نے کہا: جب میں نے (پہلی مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو اس وقت پانچ غلاموں، دو عورتوں اور ایک ابوبکر کے علاوہ اور کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمان نہیں تھا۔

اس "جواں مرد" نے جب ابوبکر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا تو اس وقت اس کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔ ان کے کچھ حالات پیچھے گزر چکے ہیں، انہوں نے اپنے زمانہ اسلام کے ہر اہم معاملہ اور واقعہ میں سرگرم حصہ لیا تھا اور دین کی سربلندی کے لئے بڑی بڑی قربانیاں پیش کیں آخر میں جب ملت انتشار و تنازعہ کی صورت حال سے دوچار تھی اور خلافت و اقتدار کے مسئلہ پر مختلف گروہوں کی محاذ آرئیاں ہو رہی تھیں تو انہوں نے تمام معاملات سے کامل یکسوائی اختیار کر لی تھی اور خود کو گھر کے اندر محصور کر کے ایک قبر تک محدود کر لیا تھا اور اپنے گھر کے لوگوں کو ہدایت دیدی تھی کہ باہر کی کوئی خبر مجھ تک نہ پہنچائی جائے تا آنکہ امت کسی ایک امام پر متفق و متحد ہو جائے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بعض احوال کا بیان

حضرت سعد بن ابی وقاص میں گوشہ نشینی کا رجحان تھا فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون کو عورتوں سے منقطع ہونے سے روک دیا تھا۔ اگر آپ نے انھیں اجازت دی ہوتی تو ہم بھی خصی ہو جاتے۔ خصی ہونا اب مطلقا حرام ہے۔ زمانۂ فتنہ میں جب مسلمانوں میں باہم جنگ و جدال ہوا، ان میں یہ رجحان عود کر آیا اور وہ ابوذر، سعید بن زید اور سلمہ بن اکوع کی طرح کنارہ کر گئے۔ حضرت سعد نے نماز کے لیے مسجد نبوی ﷺ میں آنا بھی چھوڑ دیا جہاں ادا کی ہوئی نماز ایک ہزار نمازوں کا ثواب رکھتی ہے اور ذوالحلیفہ جانے والے راستے پر مدینہ سے ۸ میل دور حمراء الاسد میں واقع اپنے گھر سے چپک گئے۔ انھوں نے اہل خانہ سے کہا: لوگوں کے حالات انھیں نہ بتائے جائیں حتیٰ کہ امت ایک امام پر جمع ہو جائے۔ اسی مزاج کا نتیجہ تھا کہ حضرت سعد نزاعی اور گروہی سیاست سے دور رہے۔

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد متحارب مسلمانوں کے درمیان ہونے والی دوسری جنگ، جنگ صفین بھی کسی نتیجہ کے بغیر ختم ہوگئی تو فریقین میں مصالحت کی کوششیں شروع ہوئیں۔ حضرت علی کی جانب سے ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاویہ کی طرف سے عمرو بن عاص کو حکم بنایا گیا۔ رمضان ۳۷ھ میں ان دونوں کی ملاقات طے تھی۔ حضرت علی نے ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن عباس کے ساتھ شریح بن ہانی کی قیادت میں ۴۰۰ سواروں کا ایک دستہ بھیجا۔ حضرت معاویہ نے بھی عمرو بن عاص کے ساتھ ۴۰۰ سوار بھیجے۔ یہ کوفہ و شام کے بیچ واقع مقام دومۃ الجندل پہنچے۔ صحابہ و تابعین میں سے عبداللہ بن عمر، عبدالرحمان بن ابوبکر، عبداللہ بن زبیر، مغیرہ بن شعبہ، عبدالرحمان بن حارث، عبدالرحمان بن عبد یغوث اور ابوجہم بن حذیفہ بھی وہاں موجود تھے۔ یہ کوشش بھی بے ثمر ثابت ہوئی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے، اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص بھی آئے اور کم زور موقف اپنانے پر ابوموسیٰ کو ڈانٹا تاہم درست بات یہی ہے کہ وہ مدینہ سے باہر بنوسلیم کے چشمے پر اپنے اونٹوں کے باڑے میں تھے۔ ان کے بیٹے عمر انھیں لینے پہنچے، حضرت سعد نے انھیں دیکھ کر کہا: میں آنے والے سوار کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ عمر نے اصرار کیا، ابا جان! لوگ اقتدار کی جنگ میں مشغول ہیں اور آپ اپنے اونٹوں اور اپنی بھیڑ بکریوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ دونوں اطراف کے ثالث اور قریش کے اہم

افراد جمع ہیں۔ آپ بھی چلیں کیونکہ کہ اس وقت غیر متنازع صحابہ رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے آپ خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔

حضرت سعد نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر کہا: خاموش ہو جا! اللہ اس بندے کو پسند کرتا ہے جو پرہیزگار، بے نیاز ہو اور بچ بچا کر رہے۔ یہی سوچ حضرت سعد پر غالب رہی، انھوں نے مشورہ چاہنے والے حسین بن خارجہ کو بھی ایسا سمجھا دیا: بکریوں کا ریوڑ لے کر اسے چرانے میں میں مشغول ہو جاؤ حتی کہ معاملات واضح ہو جائیں۔ ان کے برعکس ان کا بیٹا عمر (ابن سعد) امارت کا فریفتہ رہا حتی کہ اس فوج کا کمانڈر بن گیا جس نے حضرت حسین کو شہید کیا۔

حضرت سعد سے پوچھا جاتا، (علی و عائشہ کے مابین) جنگ میں آپ کے شامل ہونے میں کیا رکاوٹ ہے؟ تو کہتے مجھے ایسی تلوار لا دو جو کافر و مومن میں تمیز کر سکے۔ ان کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ نے کہا: چچا! یہاں ایک لاکھ تلواریں (یعنی افراد) موجود ہیں جو آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ حق دار سمجھتی ہیں۔ حضرت سعد نے جواب دیا، مجھے لاکھوں کے بجائے ایک ہی تلوار درکار ہے جس سے میں کسی مومن پر وار کروں تو ایذا پہنچائے نہ کاٹ کرے اور جب کافر پر آزماؤں تو خوب چلے۔ حضرت معاویہ نے ان سے شکوہ کیا تم علی کو برا بھلا کیوں نہیں کہتے تو انھوں نے جواب دیا، میں اس شخص سے کیسے قتال کر سکتا تھا جسے خطاب کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تو پسند نہیں کرتا کہ میرے لیے ایسا ہو جائے جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے۔ ہاں اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ معاویہ نے پوچھا، تم نے یہ فرمان کس سے سنا ہے؟ انھوں نے کہا، فلاں فلاں سے اور ام المومنین ام سلمہ سے۔ معاویہ نے کہا: اگر میں نے یہ ارشاد سنا ہوتا تو علی سے ہرگز قتال نہ کرتا۔

حضرت سعد نے مزید کہا: یہ علی ہی تھے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع پر فرمایا تھا، کل میں پرچم اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا جسے اللہ اور اس کا رسول ﷺ پسند کرتے ہیں۔ معاویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر اور محمد بن مسلمہ کو خط بھیجے کہ خلیفۂ سوم عثمان کا خون بہا لینے میں ان کی مدد کریں۔ انھوں نے خیال ظاہر کیا کہ وہ حضرت عثمان کا ساتھ چھوڑ دینے کا کفارہ اسی طرح ادا کر سکیں گے۔ ان تینوں نے انکار کر دیا۔

سیدنا علی کی شہادت کے بعد اقتدار معاویہ کو منتقل ہوا تو حضرت سعد ان سے ملنے آئے اور کہا: بادشاہ سلامت! السلام علیک۔ معاویہ نے مسکرا کر کہا: ابواسحاق! کیا حرج تھا، اگر آپ امیر المومنین کہہ دیتے؟ حضرت سعد نے کہا، آپ مسکرا کر یہ بات کر رہے ہیں؟ بخدا! میں ہرگز پسند نہ کروں گا کہ اس منصب کی ذمہ داری اٹھاؤں جس پر آپ فائز ہو گئے ہیں۔ حضرت سعد نے ماہ رمضان معاویہ کے ہاں گزارا۔ اس دوران میں انہوں نے نماز قصر سے ادا کی اور روزہ نہ رکھا۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے معاویہ کی بیعت بھی کی۔

ایک بار حضرت سعد بن ابی وقاص، خالد بن ولید اور کچھ دوسرے صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئے۔ ام المومنین میمونہ نے کہیں سے آیا ہوا بھنا ہوا گوشت پیش کیا۔ آپ ﷺ نے کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ وہ پکاریں، رسول اللہ ﷺ کو بتا دو، یہ گوہ کا گوشت ہے۔ آپ ﷺ نے ہاتھ کھینچ لیا تو صحابہ نے بھی کھانا چھوڑ دیا۔ خالد بن ولید نے پوچھا، یا رسول اللہ! کیا یہ حرام

ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، کھاؤ، یہ حلال ہے۔ (میں اس لیے نہیں کھاتا کیونکہ) یہ میری قوم (قریش) کی سرزمین (مکہ) میں نہیں ہوتی اور ہماری خوراک میں شامل نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابورافع حضرت سعد کے پڑوسی تھے۔ انھوں نے حضرت سعد سے کہا: میرے گھر کے دونوں کمرے خرید لو۔ حضرت سعد نے کہا: میں ہزار درہم سے زیادہ نہیں دے سکتا، وہ بھی قسطوں میں دوں گا۔ ابورافع نے کہا: مجھے اس کے سو دینار مل رہے ہیں۔ اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد، پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے۔ نہ سنا ہوتا تو ہزار دینار میں ہرگز نہ دیتا۔

اسی روایت سے احناف نے حق شفعہ کا مسئلہ اخذ کیا ہے۔ حضرت سعد وتر ایک رکعت پڑھتے تھے۔ عہد فاروقی میں جب حضرت سعد بن ابی وقاص کوفہ کے گورنر تھے، عبداللہ بن عمران سے ملنے گئے۔ انھوں نے موزوں پر مسح کرتے دیکھ کر اعتراض کیا تو حضرت سعد نے روایت بیان کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح علی الخفین کیا ہے۔ عبداللہ نے اپنے والد عمر سے حضرت سعد کی اس روایت کی تصدیق چاہی تو انھوں نے کہا: جب سعد تم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی روایت بیان کریں تو کسی اور سے ہرگز نہ پوچھنا۔ اس درجہ ثقاہت رکھنے کے باوجود حضرت سعد حدیث بیان کرنے سے کتراتے تھے، کہتے تھے، مجھے اندیشہ ہے، ایک حدیث میں بیان کروں گا اور سو تم بنا لو گے۔ سائب بن یزید کہتے ہیں، میں طلحہ بن عبیداللہ، سعد، مقداد اور عبدالرحمان بن عوف کی صحبت میں رہا اور کبھی انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے نہیں سنا۔ ہاں طلحہ سے میں نے جنگ احد کے حالات سنے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت سعد سے مروی احادیث کی تعداد ۵ ہے جب کہ صحیح مسلم میں ۱۸ احادیث ان سے روایت کی گئی ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خولہ بنت حکیم سے حدیث روایت کی۔ ان سے روایت کرنے والوں کے نام یہ ہیں، عائشہ ام المومنین، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن سمرہ، احنف بن قیس، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، شریح بن ہانی، ابوصالح ذکوان، مجاہد، ابوعثمان نہدی، قیس بن ابو حازم، ابراہیم بن سعد، عامر بن سعد، عمر بن سعد، محمد بن سعد، مصعب بن سعد، عائشہ بنت سعد، ابراہیم بن عبدالرحمان، ایمن حبشی، بسر (بشر) بن سعید، حارث بن مالک، حسین بن عبدالرحمان، راشد بن سعد، زیاد بن جبیر، ابوعیاش، سائب بن یزید، سلیمان بن ابوعبداللہ، شریح بن عبید، عبداللہ بن ثعلبہ، عبدالرحمان بن سائب، عبیداللہ بن ابونہیک، علقمہ بن قیس، عمرو بن میمون، غنیم بن قیس، قاسم بن ربیعہ، ابوبکر بن خالد، مالک بن اوس، مجاہد بن جبیر اور موسیٰ بن طلحہ۔

۵۰ھ میں حضرت حسن کو زہر دیا گیا، حضرت حسین حجرۂ عائشہ میں ان کی تدفین کرنا چاہتے تھے۔ عائشہ نے اجازت بھی دے دی لیکن بنوامیہ نے شور مچایا، عثمان کو تو بقیع میں دفنایا گیا اور حسن کو آنحضرت ﷺ کے پہلو میں جگہ دے دی جائے۔ فتنہ بڑھنے کا اندیشہ تھا اس لیے حضرت سعد، ابوہریرہ، جابر اور عبداللہ بن عمر نے مشورہ دیا کہ اس بات پر تلوار زنی اور خون ریزی نہ کی جائے۔ ارقم بن ابی ارقم کی نماز جنازہ حضرت سعد نے پڑھائی۔ انھوں نے سعید بن زید کو غسل دیا۔

حضرت سعد کے بیٹے عامر سے رسول اکرم ﷺ کے اس قول کے بارے میں پوچھا گیا جو آپ ﷺ نے حضرت سعد کے بارے میں فرمایا تھا، تم زندہ رہے تو توقع ہے کہ کئی قومیں تم سے فائدہ اٹھائیں گی اور کچھ کو تم سے ضرر پہنچے گا انھوں نے جواب

دیا، حضرت سعد عراق کے گورنر بنائے گئے تو انھوں نے مرتدین کی ایک قوم کو قتل کیا۔ یہ ان کا ضرر ہوا اور انھوں نے بے شمار لوگوں کو مسیلمہ کذاب کی پیروی سے رجوع کرنے کی دعوت دی۔ انھوں نے توبہ کی اور حضرت سعد کی نصیحت سے نفع اٹھایا۔ ابوامامہ باہلی بیان کرتے ہیں، ایک مجلس میں ہم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ذکر آخرت سے ہم پر رقت طاری ہو گئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص دھاڑیں مار کر رونے لگے اور روتے روتے کہا: کاش! میں مر گیا ہوتا۔ آپ ﷺ نے انھیں ڈانٹا اور کہا، سعد! تو میرے پاس بیٹھ کر موت کی تمنا کر رہا ہے؟ پھر فرمایا، اگر تو جنت کی مخلوق ہے تو تیری عمر جتنی لمبی ہوگی یا تیرے اعمال جتنے اچھے ہوں گے تمہارے لیے اتنا ہی بہتر ہوگا۔

حضرت سعد خود بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے دعا فرمائی، اے اللہ! سعد کی دعا قبول کرنا جب تجھے پکارے۔ دوسری روایت یوں ہے، اللہ! سعد کے تیر کو سیدھا نشانے پر لگنے والا بنا دے اور اس کی دعا قبول کر۔ اسے اپنے بندوں کا محبوب بنا دے۔ ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ بندے کی دعا قبول نہیں کرتا حتی کہ اس کی خوراک پاک صاف نہ ہو۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا، یارسول اللہ! دعا کیجیے کہ میرا کھانا پاک ہو جائے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تو حضرت سعد خوش بو بوٹی سنبلہ سے بھی بچنے لگے جو ان کے کھیت میں ادھر ادھر سے آ جاتی اور اسے اس کے مالک پاس لوٹا کر آتے۔ ایک شخص نے حضرت علی کو گالیاں دیں تو حضرت سعد نے اسے روکا، وہ منع نہ ہوا تو اسے بددعا دی۔ ایک اور شخص علی، طلحہ اور زبیر کو سب وشتم کر رہا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اسے منع کیا۔ وہ باز نہ آیا تو دوگانہ ادا کر کے دعا کی، اے اللہ! اس نے ان بندوں کو گالیاں دی ہیں جو نیکیاں کر کے تیرے پاس آ چکے ہیں، اسے دوسروں کے لیے عبرت اور مثال بنا دے۔ عامر بن حضرت سعد روایت کرتے ہیں، ایک بختی اونٹنی بھاگتی ہوئی آئی اور اسے کچل دیا۔ ایک دن ایک غلام حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس دوڑتا ہوا آیا، اس کی ایڑیاں خون سے تر تھیں۔ حضرت سعد نے پوچھا، تمہیں کس نے زخمی کیا؟ اس نے بتایا، آپ کے بیٹے عمر نے۔ انھوں نے بددعا دی، اللہ! اسے مار ڈال اور اس کی خون ریزی کر۔ حضرت سعد کی بددعا قبول ہوئی، عمر کو حاکم کوفہ مختار نے مروا دیا کیونکہ وہ سیدنا حسین کے قاتلوں میں شامل تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص اپنے بیٹوں کو وہ دعائیہ کلمات سکھاتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد پڑھتے تھے، کہتے، آپ ﷺ نے ہمیں بھی ان کی تعلیم دی۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخل سے، تیری پناہ میں آتا ہوں بزدلی سے، پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے پست ترین عمر میں ڈال دیا جائے، میں پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنے یعنی فتنۂ دجال سے اور پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے۔ بیٹا اگر مال کی حسب ہو تو بھی قناعت سے کام لینا اس لیے کہ قناعت سے محروم انسان کو مال بھی فائدہ نہیں دیتا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ۵۵ھ (یا ۵۱ھ یا ۵۶ھ) میں مدینہ سے ۱۰ میل دور واقع وادی عقیق میں فوت ہوئے۔ ان کی عمر (۷۴ یا ۸۳) برس ہوئی، عشرۂ مبشرہ، سابقون الاولون اور مہاجرین میں سے وہ سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ مصعب بن سعد کہتے ہیں، میرے والد فوت ہوئے تو ان کا سر میری گود میں تھا۔ میں رونے لگا تو کہا: اللہ مجھے ہرگز عذاب نہ دے گا۔ تم بھی خالص اللہ کے لیے عمل کرو۔ حضرت سعد نے وصیت کی، انھیں اسی پھٹے پرانے جبے کا کفن دیا جائے جسے جنگ بدر میں پہن کر انھوں نے

شرکین کا مقابلہ کیا تھا۔ اسے انھوں نے اسی مقصد کے لیے چھپا رکھا تھا۔ انھوں نے مزید کہا: میرے لیے بغلی قبر (لحد) کھودنا اور اس پر کچی اینٹیں کھڑی کر دینا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کی گئی تھی۔ حضرت سعد کی میت مدینہ لائی گئی، گورنر مدینہ مروان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ سیدہ عائشہ نے حکم دیا، حضرت سعد بن ابی وقاص کے جنازہ کو مسجد نبوی ﷺ میں سے گزارا جائے تا کہ وہ ان کی نماز جنازہ ادا کر سکیں۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو انھوں نے جواب دیا، لوگ کتنی جلد باتیں بھول جاتے ہیں، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضا (اور ان کے بھائی) کی نماز جنازہ مسجد میں ادا نہ فرمائی تھی؟ چنانچہ میت ازواج مطہرات کے حجروں کے آگے رکھی گئی اور انھوں نے الگ نماز جنازہ ادا کی۔ حضرت سعد کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ حضرت سعد کی میراث کی کل مالیت اڑھائی لاکھ درہم تھی۔ اس کی زکوۃ کے ہزار درہم وہ مروان کو بھجوا چکے تھے۔ حضرت عمر نے عراق (کوفہ) کی امارت سے معزول کرتے ہوئے ان کا مال تقسیم کرا دیا تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کا قد چھوٹا، جسم بھاری، کندھے چوڑے، انگلیاں موٹی اور ناک چپٹی تھی۔ ان کے جسم پر بہت بال تھے۔ سر اور ڈاڑھی کے بالوں پر خضاب لگاتے تھے۔ اونی کپڑے اور سونے کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ تسبیح کرتے تو گنتی کنکریوں پر کرتے۔ حضرت سعد کی مختلف اوقات میں کل ۱۰ ازواج رہیں جن سے ان کے بیٹے اور بیٹیاں ہوئیں۔ ازواج کے نام اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) شہاب بن عبداللہ کی بیٹی سے جن کا نام معلوم نہیں، بڑے بیٹے اسحاق (اکبر) جن سے حضرت سعد کنیت کرتے تھے اور ام حکم (کبریٰ) نے جنم لیا۔ (۲) ماویہ (بشری) بنت قیس سے پیدا ہونے والی اولاد: عمر، اسے مختار نے قتل کر دیا۔ محمد، انھیں حجاج نے مروا دیا۔ حفصہ، ام قاسم اور ام کلثوم۔ (۳) ام عامر بنت عمرو، ان سے عامر، اسحاق (صغر) اسماعیل اور ام عمران پیدا ہوئے۔ (۴) بنو تغلب کی سلمیٰ سے عبداللہ (اکبر) ہوئے۔ (۵) خولہ بنت عمرو سے مصعب کی پیدائش ہوئی۔ (۶) ام ہلال بنت ربیع سے ہونے والی اولاد: عبداللہ (اصغر)، عبدالرحمان بجیر اور حمیدہ۔ (۷) ام حکیم بنت قارظ سے عمیر (اکبر) اور حمنہ پیدا ہوئے۔ (۸) سلمیٰ بنت خصفہ (حفص) سے عمیر (اصغر)، عمرو، عمران، ام عمرو، ام ایوب اور ام اسحاق کی ولادت ہوئی۔ (۹) طیبہ بنت عامر سے صالح ہوئے۔ (۱۰) ام حجیر سے پیدا ہونے والی اولاد: عثمان اور رملہ۔ زبد بنت حارث سے جو جنگ میں قید ہو کر آئیں، جنم لینے والی اولاد: ابراہیم، موسیٰ، ام حکم (صغریٰ)، ام عمرو، ہندہ، ام زبیر اور ام موسیٰ۔ ان کے علاوہ جنگ سے ملنے والی باندیوں سے عمرہ اور عائشہ ہوئیں۔ حضرت سعد کہتے تھے، جب میں نے جنگ بدر میں حصہ لیا، میرے چہرے پر ایک بال تھا جسے میں چھو سکتا تھا۔ اب اللہ نے میری ڈاڑھی وافر کر دی ہے۔ یعنی پہلے ایک ہی بیٹی تھی، اب بہت سی اولاد ہو گئی ہے۔ مشہور شافعی فقیہ عمر بن براہیم حضرت سعد بن ابی وقاص کی نسل میں سے تھے۔ ان کی تاریخ وفات ھ ہے۔

السیرۃ النبویہ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، الجامع المسند الصحیح (بخاری، شرکۃ دار لارقم)، المسند الصحیح المختصر من السنن (مسلم، شرکۃ دار الارقم)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، معجم الصحابہ (بغوی)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (ابن اثیر)، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مزی)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، البدایہ والنہایہ (ابن کثیر)، فتح الباری (ابن حجر)، الاصابہ فی تمییز الصحابہ (ابن حجر)

بَابُ: فَضَائِلِ الْعَشَرَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

یہ باب عشرہ مبشرہ کی فضیلت کے بیان میں ہے

عشرہ مبشرہ کے فضائل کا بیان

عشرہ مبشرہ" ان دس جلیل القدر صحابہ کی جماعت کو کہتے ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی بشارت عطا فرمائی تھی اور وہ ہیں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت سعید بن زید، یہ سب حضرات قریشی ہیں اور ان کے لئے جو فضیلت، مناقب اور احادیث منقول ہیں وہ اوروں کے حق میں منقول نہیں ہیں یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ جنت کی یہ خصوصی بشارت صرف انہی دس صحابہ کے حق میں منقول نہیں ہے بلکہ اہل بیت نبوت یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ازواج مطہرات کے حق میں بھی اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے صحابہ کے حق میں بھی منقول ہے۔ صرف ان دس صحابہ کے ذکر کے لئے اس علیحدہ باب کے قائم کرنے کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ کسی ایک حدیث میں یا الگ الگ حدیثوں میں مختلف خصوصی حیثیتوں سے ان کا جو ذکر آیا ہے وہ یکجا ہو جائے تاہم اس باب میں اس طرف اشارہ ضرور پایا جاتا ہے کہ صحابہ کی اس مبارک جماعت (عشرہ مبشرہ) کو اس ترتیب کے ساتھ تمام صحابہ پر فضیلت و برتری حاصل ہے کہ پہلے خلفاء اربعہ سب سے افضل ہیں اور پھر باقی حضرات دیگر تمام صحابہ سے افضل ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنت کی خوشخبری دینے کا بیان

133- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْمُثَنَّى اَبُوْ الْمُثَنَّى النَّخَعِيُّ عَنْ جَدِّهِ رِيَاحِ بْنِ الْحَارِثِ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَاشِرَ عَشَرَةٍ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدٌ فِي الْجَنَّةِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ فِي الْجَنَّةِ فَقِيْلَ لَهُ مَنِ التَّاسِعُ قَالَ اَنَا

حضرت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ دس آدمیوں میں سے دسویں تھے پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ابوبکر جنتی ہے عمر جنتی ہے عثمان جنتی ہے علی جنتی ہے طلحہ جنتی ہے زبیر جنتی ہے سعد جنتی ہے اور عبدالرحمن جنتی ہے۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا نواں آدمی کون ہے انہوں نے جواب دیا "میں"

شرح

اس حدیث میں خلفائے اربعہ کے نام ترتیب کے ساتھ ذکر کیے گئے اور اہل سنت و جماعت کا موقف خلافت سے متعلق اس

133 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4650

حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

حضرت سعید بن زید جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ایک ہیں، حضرت عمر فاروق کے بہنوئی تھے، حضرت عمر کی بہن حضرت فاطمہ ان سے منسوب تھی اور یہی وہ فاطمہ ہیں جو حضرت عمر کے قبول اسلام کا ذریعہ بنی تھی۔ حضرت سعید ۵۱ میں بعمر ستر سال واصل بحق ہوئے اور بقیع میں دفن کیے گئے۔ حدیث میں مذکورہ یہ دس جلیل القدر صحابہ جنت کی بشارت کے ساتھ جو بہت زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں۔ تو اس کی مختلف وجوہات میں سے ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ ان سب حضرات کے حق میں جنت کی بشارت ایک ساتھ ایک حدیث میں بیان فرمائی گئی ہے، ورنہ یہ بات نہیں ہے کہ جنت کی اس طرح مخصوص بشارت ان کے علاوہ اور کسی کے لیے منقول نہیں ہے، اوروں کو بھی اس بشارت سے نوازا گیا ہے۔

134- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ ظَالِمٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اَشْهَدُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّىْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اثْبُتْ حِرَاءُ فَمَا عَلَيْكَ اِلَّا نَبِيٌّ اَوْ صِدِّيْقٌ اَوْ شَهِيْدٌ وَّعَدَّهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَّطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَسَعْدٌ وَّابْنُ عَوْفٍ وَّسَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ

◄► حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں گواہی دے کر یہ بات بیان کرتا ہوں کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے "حرا" اپنی جگہ پر رہو تم پر ایک نبی، ایک صدیق اور ایک شہید موجود ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ان کی گنتی کروائی۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعید بن زید (جنتی ہیں)

بَابُ: فَضْلِ اَبِىْ عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ

یہ باب حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بیان میں ہے

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے مختصر احوال کا بیان

حضرت ابوعبیدہ کا اصل نام عامر بن عبداللہ بن جراح ہے فہری قرشی کہلاتے ہیں، آپ حضرت عثمان بن مظعون کے ساتھ دائرہ اسلام وایمان میں داخل ہوئے تھے، پہلے حبشہ کو ہجرت کی پھر دوسری بار ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے، آپ تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک ہوئے ہیں اور غزوہ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان جنگ میں ثابت قدم رہے۔ جب اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے اور خود کی کڑیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک میں پیوست ہوگئیں تو حضرت ابوعبیدہ ہی نے ان کڑیوں کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا اور اس کی وجہ سے ان کے سامنے کے دو دانت گر پڑے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ دراز قد خوب رو اور ہلکے بدن کے تھے۔ ۱۸ھ میں طاعون عمواس میں مبتلا ہو کر اردن میں

134 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4648، اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3757

واصل بحق ہوئے اور بیسان کے مقام پر دفن کیے گئے اس وقت آپ کی عمر اٹھاون سال کی تھی اور نماز جنازہ حضرت معاذ بن جبل نے پڑھائی۔

علامہ واقدی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ کا اصل نام عامر اور ان کے والد کا نام عبداللہ تھا۔جابر بن عبد العزیٰ کی پوتی امیمہ بنت غنم ان کی والدہ تھیں۔جراح بن ہلال دادا اور فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ان کے جد امجد تھے جن کے نام پر ان کا قبیلہ بنو فہر کہلایا، یہ قریش ہی کی ایک شاخ تھی۔وہ اپنی کنیت ابوعبیدہ اور دادا جراح کی نسبت سے زیادہ مشہور ہوئے۔مصعب زبیری کے اس اصرار کو کہ جراح ان کے دادا نہیں بلکہ والد تھے عام مورخین نے نہیں مانا۔آمد اسلام کے بعد ان کے والد عبداللہ نے دشمنان اسلام کا بھرپور ساتھ دیا اور جنگ بدر میں اہل ایمان کے خلاف لڑتے ہوئے اپنے ہی بیٹے ابوعبیدہ کے ہاتھوں قتل ہوئے جب کہ والدہ امیمہ نے اسلام قبول کر لیا اور صحابیات میں شامل ہوئیں۔واقدی کا کہنا ہے،ان کے والد آمد اسلام سے قبل ہی وفات پا چکے تھے۔

حضرت ابوعبیدہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہم سن تھے۔قبول اسلام کے وقت ان کی عمر ۲۸ برس تھی۔سیدنا ابوبکر اسلام کی طرف سبقت کرنے والے پہلے مرد تھے۔اپنے ایمان لانے کے دوسرے ہی روز انھوں نے ابوعبیدہ کو دین ہدایت قبول کرنے کی دعوت دی تو انھوں نے فوراً لبیک کہا۔عثمان بن مظعون اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بھی اسی وقت نعمت اسلام سے سرفراز ہوئے۔تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں منتقل نہ ہوئے تھے۔حضرت ابوبکر ہی اپنے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والے افراد،ابوعبیدہ،عبدالرحمان بن عوف،عثمان بن مظعون اور ارقم بن ابی ارقم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے۔اس بارے میں واقدی کا بیان مختلف ہے،وہ کہتے ہیں،عثمان بن مظعون،عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب،عبدالرحمان بن عوف،ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ابوعبیدہ بن جراح خود چل کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔آپ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور احکام شرعیہ سے آگاہ فرمایا تو یہ سب بیک وقت مسلمان ہوئے۔(تہذیب الکمال)

ابوعبیدہ کا شمار السابقون الاولون (سورۂ توبہ:۱۰۰) میں ہوتا ہے۔مکہ کے ابتدائی اسلامی دور میں انھیں بھی مشرکوں کی ایذائیں سہنا پڑیں۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حبشہ کو ہجرت کرنے والے مہاجرین کے دوسرے گروپ میں شامل ہوئے پھر ہجرت مدینہ سے قبل مکہ لوٹ آئے (ابن ہشام،ابن سعد)

ابن عقبہ اور چند دوسرے اہل تاریخ کا کہنا ہے،ابوعبیدہ حبشہ نہ گئے بلکہ مکہ ہی میں رہ کر کفار کی اذیتیں برداشت کیں۔ہجرت مدینہ کا موقع آیا تو ابوعبیدہ بن جراح باقی اہل ایمان کے ساتھ مدینہ پہنچے اور کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام کیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کو باہم بھائی بھائی قرار دیا تو ابوطلحہ انصاری ابوعبیدہ کے انصاری بھائی قرار پائے۔دوسری روایتوں کے مطابق آپ نے ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم،بنو اشہل کے سعد بن معاذ (ابن اسحاق) یا محمد بن مسلمہ (تاریخ دمشق) سے ان کی مواخات قائم فرمائی۔

ابوعبیدہ ان ۱۰ جلیل القدر صحابہ میں سے ایک تھے جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔انس بن مالک کی روایت ہے،نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے۔ہماری اس امت کے امین

ابوعبیدہ بن جراح ہیں۔۔ایک بار نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی، ابوالقاسم ! اپنے صحابہ میں سے کسی امانت دار شخص کو ہمارے ساتھ بھیج دیں (تاکہ وہ کچھ مالی جھگڑے نمٹانے میں ہماری مدد کرے)۔آپ نے فرمایا، (شام کے وقت آئیں) میں آپ کی طرف ایک امانت دار شخص کو بھیجوں گا جو سچا اور پکا امین ہے۔

حضرت عمر بیان کرتے ہیں، میں مقررہ وقت سے پہلے مسجد میں پہنچ گیا۔ مجھے کبھی کوئی منصب پانے کی اتنی تمنا نہ ہوئی تھی جتنی اس دن تھی کیونکہ میں آپ کی بیان کردہ صفات کا حامل بننا چاہتا تھا۔ظہر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں دیکھنے لگے۔میں آپ کے آگے آگے ہونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن) آپ نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا (اور فرمایا، ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے باہمی اختلافات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔میں نے سوچا یہ فضیلت تو ابوعبیدہ لے گئے)۔اسی طرح اہل یمن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر درخواست کی، ہمارے ساتھ ایسا آدمی بھیجیں جو ہمیں سنت و اسلام سکھائے۔تب بھی آپ نے ابوعبیدہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، یہ اس امت کے امین ہیں۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح بڑے دلیر اور قوی تھے۔تمام غزوات میں وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔جنگ بدر میں انھوں نے بڑی جواں مردی دکھائی، تب ان کی عمر ۴۱ برس تھی۔کفار قریش ان سے خوف زدہ تھے اور جنگ میں ان سے بچنے کی کوشش کرتے رہے۔حضرت ابوعبیدہ بھی ایک شخص پر وار کرنے سے پرہیز کرتے رہے لیکن وہ بار بار ان کے سامنے آ جاتا۔یہ ان کا باپ عبداللہ بن جراح تھا۔جب اس نے جنگ میں ابوعبیدہ کی حرکت مسدود کر دی تو انھوں نے تلوار چلا کر اس کا سر قلم کر دیا۔

جنگ احد کی ابتدا میں اہل ایمان کو ہزیمت اٹھانا پڑی اور ان میں سے بیشتر تتر بتر ہو گئے۔مشرکین آپ پر حملہ کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ان میں سے ایک چلا رہا تھا، مجھے محمد ﷺ کے بارے میں بتاؤ، مجھے محمد ﷺ کی پہچان کراؤ۔ابوعبیدہ ان ۱۰ افراد کار صحابہ میں شامل تھے جنھوں نے آپ کا دفاع کیا۔ان جاں نثاروں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا اور آپ کی طرف آنے والے تیروں کو اپنے سینوں پر روکنے کے لیے تیار ہو گئے۔اس جنگ میں آپ کا ایک دانت شہید ہوا اور جبین مبارکہ پر زخم آیا۔کفار نے آپ کے چہرے پر تیراندازی کی جس سے زرہ کے دو حلقے رخسار مبارک میں دھنس گئے۔

حضرت ابوبکر بیان کرتے ہیں، یہ دیکھ کر میں آپ کی طرف لپکا ہی تھا کہ ایک شخص مشرق کی جانب سے اڑتا ہوا آیا۔یہ ابوعبیدہ بن جراح تھے جو مجھ سے پہلے آپ تک پہنچ گئے۔انھوں نے کہا: ابوبکر ! میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک سے یہ کڑے مجھے نکالنے دیں۔پھر اس ڈر سے کہ اس کوشش میں آپ مزید زخم نہ آ جائے انھوں نے اپنے دانت ان میں سے ایک کڑے پر جمائے اور اسے زور سے کھینچ باہر کیا۔اس تگ و دو میں وہ پیٹھ کے بل جا پڑے اور ان کا اگلا دانت ٹوٹ گیا۔اب انھوں نے دوسرے کڑے کو لیا اور اسے بھی زور لگا کر کھینچ لیا۔اس بار ان کا دوسرا دانت بھی جاتا رہا۔سیدنا ابوبکر ان کا ایثار دیکھ کر دنگ رہ گئے اور کہا: ابوعبیدہ بوڑوں (ٹوٹے ہوئے دانت والوں) میں سے بہترین ہیں۔

ربیع الثانی ٦ ھ میں آپ نے محمد بن مسلمہ کو ۱۰ افراد دے کر مدینہ سے ۲۴ میل دور بنو ثعلبہ اور بنو عوال کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ ان قبائل کے تیراندازوں نے پورا دستہ شہید کر ڈالا، صرف محمد بن مسلمہ بچ پائے۔وہ زخموں سے چور چور پڑے تھے کہ ایک رہ

عزرتے مسلمان نے اٹھا کر مدینہ پہنچایا۔ نبی اکرم ﷺ نے حملہ آوروں کی خبر لینے کے لیے فوراً ابوعبیدہ کو بھیجا لیکن وہ منتشر ہو چکے تھے۔ پھر آپ نے ابوعبیدہ کو ۴۰ اشخاص کے ہم راہ ذوالقصہ بھیجا جہاں بنومحارب، بنوثعلبہ اور بنوانمار مدینہ پر غارت گری کے ارادہ سے جمع تھے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے علی الصباح ان پر چھاپا مارا تو یہ پہاڑوں میں منتشر ہونے پر مجبور ہو گئے۔ محض ایک شخص ان کے ہاتھ آیا، اس نے اسلام قبول کر لیا اور چھوٹ گیا۔

۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی، ابوعبیدہ معاہدۂ صلح کی دستاویز پر بطور گواہ دستخط کرنے والے کبار صحابہ میں سے ایک تھے۔

جمادی الثانیہ ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص کو ۳۰۰ افراد کا دستہ دے کر شام کے پہاڑی علاقوں بلی وعذرہ کی طرف بھیجا۔ وہاں بنو قضاعہ کے لوگ مسلمانوں پر حملہ کی نیت سے جمع تھے۔ عمرو کی سپاہ چھپتے چھپاتے پہنچی تو دیکھا کہ ایک بڑا لشکر جمع ہے چنانچہ انھوں نے کمک طلب کر لی۔ آپ نے مدینہ میں رضا کار مانگے تو ۲۰۰ صحابہ جانے پر تیار ہو گئے، حضرت ابوبکر و عمر نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے ابوعبیدہ کو امیر جیش مقرر کیا اور انھیں نصیحت فرمائی، عمرو اور تم آپس میں مت جھگڑنا۔ وہاں پہنچ کر ابوعبیدہ نے مشترکہ لشکر کی کمان لینا چاہی تو عمرو نہ مانے حالانکہ مغیرہ بن شعبہ نے ان سے کہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ کو ہمارا امیر مقرر کیا ہے۔ ابوعبیدہ نے فرمان نبوی پر عمل کرتے ہوئے کہا: اگر تو میری بات نہیں مانتا تو میں تیری اطاعت کر لیتا ہوں اس طرح انھوں نے عمرو کی متابعت قبول کر لی۔ دشمن کی فوج مشکل سے گھنٹا بھر لڑی اور منتشر ہو گئی۔ اس جنگ کا نام سریۂ ذات سلاسل ہے کیونکہ اس جگہ پر سلسل نامی کنواں تھا۔ دوسری وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ غنیم نے اپنے سپاہیوں کو فرار سے روکنے کے لیے زنجیروں (سلسلوں) سے باندھ رکھا تھا۔

رجب ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن جراح کو ساحل سمندر پر آباد قبیلۂ جہینہ کی مہم پر روانہ کیا۔ ۳۰۰ مہاجرین وانصار کا سریہ (دستۂ سپاہ) جس میں سیدنا عمر بن خطاب بھی تھے، ان کے ہم راہ تھا۔ لشکر کا زاد راہ راستے ہی میں ختم ہو گیا تو حضرت ابوعبیدہ نے تمام سپاہیوں کا بچا کھچا توشہ اکٹھا کیا۔ مشکل سے کھجوروں کی دو تھیلیاں جمع ہوئیں۔ وہ ہر شخص کو ایک ایک کھجور دیتے رہے جسے چوس کر وہ پانی پی لیتا۔ کھجوریں بھی ختم ہوئیں تو اہل سپاہ درختوں کے پتے توڑ توڑ کر پھانکتے اور پانی نوش کرتے۔ اس طرح اس دستے کا نام ہی جیش الخبط (پتے جھاڑنے والی فوج) پڑ گیا۔ آخر کار انھیں ساحل سمندر پر ایک ٹیلے جتنا بڑا مچھلی نما جانور عنبر ملا۔ ابوعبیدہ نے اپنے سپاہیوں سے کہا: یہ مردار ہے، اسے نہ کھاؤ پھر خود ہی کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج اللہ کی راہ میں کھانے سے ناچار ہو گئی ہے۔ اس فوج نے اگلے ۱۸ دن عنبر ہی سے اپنا پیٹ بھرا، انھوں نے اس کا تیل نکالا اور گوشت سکھا کر کھایا۔ بارگاہ رسالت میں واپس پہنچے تو سوال ہوا، اتنی دیر کیوں لگی؟ بتایا، ہم قریش کے قافلوں کا پیچھا کر رہے تھے۔ جب عنبر کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا، یہ رزق تھا جو تمھیں اللہ کی طرف سے عطا ہوا، کیا اس میں سے کچھ بچا ہے؟ اس جنگ کو سریۂ سیف البحر (ساحل سمندر والی جنگ) یا سریۂ ابوعبیدہ کہا جاتا ہے۔

رمضان ۸ھ میں ابوعبیدہ بن جراح غزوۂ فتح مکہ میں شریک ہوئے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پیادہ دستے کی کمان سپرد فرمائی جو شہر میں داخلہ کے وقت آپ کے آگے آگے چل رہا تھا۔ ۸ھ میں آپ نے ان کو تبلیغ اسلام کے لیے نصاریٰ کے

ایک وفد نے ساتھ نجران بھیجا۔ یہی وہ موقع تھا جب آپ نے انھیں امین امت کے لقب سے نوازا۔ ۹ھ ہی میں وہ جزیہ کی وصولی کے لیے بحرین گئے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علا بن حضرمی کو عامل مقرر کر رکھا تھا۔ سیدنا ابوعبیدہ فجر کی نماز کے وقت واپس پہنچے تو انصار جمع ہو گئے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا، تم نے سن لیا ہے، ابوعبیدہ کچھ لے کر آیا ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے تمہاری محتاجی کا کوئی اندیشہ نہیں۔ میں تو ڈرتا ہوں کہ تم پر پہلی امتوں کی طرح دنیا کشادہ کر دی جائے گی پھر تم اس کے پیچھے بھاگ کر دیسے ہی ہلاک ہو جاؤ گے جیسے پہلی قومیں ہوئی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اہل ایمان خلیفۂ اول کا انتخاب کرنے کے لیے سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ اس موقع پر حضرت ابوعبیدہ بن جراح بھی موجود تھے۔ تب انصار و مہاجرین میں نزاع پیدا ہوا۔ انصار مدینہ نے اپنی قربانیوں کا حوالہ دے کر خلافت پر اپنا حق جتایا جب کہ مہاجرین نے اپنی سبقت و ہجرت کو استحقاق کے طور پر پیش کیا۔ حضرات ابوبکر و عمر انصار کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے، ایک موقع پر شور و شغب بڑھ گیا تو ابوعبیدہ نے اٹھ کر کہا: اے گروہ انصار! تم نے سب سے پہلے دست اعانت بڑھایا تھا، اب افتراق و اختلاف میں پہل نہ کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں قریش کا حق حکم رانی ثابت ہو گیا تو حضرت ابوبکر نے اہل ایمان سے درخواست کی کہ عمر بن خطاب یا ابوعبیدہ بن جراح میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ ادھر سیدنا عمر نے ابوعبیدہ سے کہا، اپنا ہاتھ بڑھاؤ، میں تمہاری بیعت کر لیتا ہوں۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن رکھا ہے، ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ ہے۔ ابوعبیدہ نے جواب دیا، میں اس شخص سے کس طرح آگے بڑھ سکتا ہوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز کی امامت کے لیے مامور فرمایا اور آپ کی وفات تک اس کے علاوہ کسی نے نماز نہ پڑھائی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کی تدفین کا مرحلہ آیا تو دو آدمیوں کے نام سامنے آئے۔ سیدنا ابوعبیدہ جو اہل مکہ کی طرز پر سیدھی قبر کھودتے تھے اور زید بن سہل جو مدینہ میں مروجہ لحد بنانے میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب نے دونوں کو بلایا اور کہا: جو پہلے مل گیا اسی سے تربت مبارک کھدوالی جائے گی۔ اتفاق سے ابوطلحہ (زید) پہلے آ گئے اور انھوں نے یہ فریضہ انجام دیا۔

حضرت ابوعبیدہ خلیفۂ اول کے بہترین خیر خواہ اور معاون ثابت ہوئے۔ اپنی خلافت کے اگلے روز سیدنا ابوبکر کندھے پر کپڑے کے تھان رکھ کر بیچنے نکلے۔ راستے میں سیدنا عمر ملے اور کہا، آپ کے کندھوں پر مسلمانوں کی سرداری کا بار آن پڑا ہے۔ یہ کام اس کے ساتھ نہیں نبھ سکتا۔ چلیے، ناظم بیت المال ابوعبیدہ سے مل کر بات کرتے ہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا: ہم آپ کے لیے ایک عام مہاجر کی آمدنی کے بقدر وظیفہ معین کر دیتے ہیں۔ اس طرح سیدنا ابوبکر کے لیے ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا۔ ھ کے آغاز میں حضرت ابوبکر نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو ہزار کا لشکر دے کر شام کے جہاد پر روانہ کیا اور حمص فتح کرنے کا حکم دیا۔ خلیفۂ اول کچھ دور پیدل ان کے ساتھ گئے۔ ابوعبیدہ یرموک سے گزرے، انھوں نے ایک پرانے شہر بصریٰ کا محاصرہ کیا۔ جزیہ وصول کرنے کی شرط پر صلح کی اور دمشق کی طرف بڑھے۔ وہاں قیصر روم سے مقابلہ درپیش تھا۔ پہلے اجنادین کی جنگ ہوئی جس میں ابوعبیدہ اور خالد بن ولید دونوں شریک ہوئے۔ رومیوں کو اس میں شکست فاش ہوئی۔ ۱۴ھ میں اسلامی افواج نے دمشق کا محاصرہ کیا

اسی محاصرے کے دوران میں ۲۲ جمادی الثانی کو حضرت ابوبکر کی وفات ہوگئی۔ ابتدائے عہد فاروقی (۱۴ھ) میں جب کہ محاصرہ جاری تھا، خالد بن ولید کمند کے ذریعے فصیل پھلانگ کر شہر میں داخل ہوئے اور اندر سے دروازہ کھول دیا۔ ابوعبیدہ بن جراح نے جو تیار فوج لے کر باہر کھڑے تھے اچانک شہر پر دھاوا بول دیا۔ رومیوں نے شکست ہوتے دیکھی تو باقی دروازے بھی کھول دیے اور اطاعت تسلیم کر لی۔

رجب ۱۳ھ میں زمام خلافت سنبھالتے ہی سیدنا عمر بن خطاب نے حضرت خالد بن ولید کو کمانڈر ان چیف کے عہدے سے معزول کر دیا۔ حضرت ابوعبیدہ شام کے سالار اعظم مقرر ہوئے۔ انھی کی سربراہی میں یرموک فتح ہوا اور بے شمار فتوحات ہوئیں، ان کی اعلیٰ کارکردگی سے ثابت ہو گیا کہ وہ بحیثیت جرنیل خالد سے کسی طرح کم نہیں۔ ابوعبیدہ نے یزید بن ابوسفیان کو فلسطین، شرحبیل بن حسنہ کو اردن، خالد بن ولید کو دمشق اور حبیب بن مسلمہ کو حمص کے کمانڈر مقرر کر رکھا تھا، اسی لیے انھیں امیر الامرا (کمانڈر ان چیف) بھی کہا جاتا ہے۔ ابوعبیدہ نے فحل میں جمع ہونے والی رومی فوج کو شکست سے دوچار کیا۔ مرج الروم فتح کرنے کے بعد حمص کا رخ کیا۔ سخت سردی کے باوجود ابوعبیدہ نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ رومی ایک گرم ملک سے آئے ہوئے حملہ آوروں کو جاڑے کی مار دینا چاہتے تھے اس لیے قلعہ بند ہو گئے۔ ان کی توقع کے برعکس اسلامی فوج پورا موسم سرما ٹھنڈ میں پڑی محاصرے پر ڈٹی رہی تو وہ مایوس ہو گئے۔ اس لیے بہار کا موسم شروع ہوتے ہی جزیہ ادا کرنے کی شرط قبول کر کے صلح کر لی۔ یہاں سے فارغ ہو کر ابوعبیدہ لاذقیہ گئے اور ایک مختصر جنگ کے بعد اسے فتح کیا۔ انھوں نے ایرانی پایۂ سلطنت پر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن حضرت عمر نے اجازت نہ دی۔ ابوعبیدہ حمص واپس آ گئے اور یرموک کا معرکہ پیش آنے تک وہیں رہے۔ ادھر رومی شکست پر شکست کھا کر انطاکیہ آئے اور شاہ روم ہرقل سے فریاد کی، مسلسل پیش قدمی کرنے والے عربوں کو روکا جائے۔ شاہ نے جملہ اطراف سلطنت سے فوجیں طلب کر لیں تو ابوعبیدہ باہمی مشورے سے دمشق روانہ ہوئے۔ حمص خالی کرتے ہوئے انھوں نے وصول کردہ جزیے کی تمام رقم شہریوں کو واپس کر دی کیونکہ طے شدہ شرائط کے علی الرغم وہ مقبوضہ شہر کو بے حفاظت چھوڑ کر جا رہے تھے۔ جب اسلامی دریائے یرموک پر صف آرا ہو گئیں اور جنگ شروع ہو گئی تب مدینہ سے کمک پہنچی۔ ہرقل کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، وہ شام کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر قسطنطنیہ روانہ ہو گیا۔ ابوعبیدہ نے حذیفہ بن یمان کے ہاتھ نامۂ فتح مدینہ ارسال کیا۔ یرموک کے بعد قنسرین، حلب اور انطاکیہ فتح ہوئے اور ابوعبیدہ بن جراح بیت المقدس پہنچ گئے جہاں عمرو بن عاص محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ بیت المقدس کے پادری نے اصرار کیا، خلیفۂ مسلمین خود آئیں تو کنجیاں ان کے حوالے کی جائیں گی تو عمر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ یہ ان کا شام و فلسطین کی طرف یہ پہلا سفر تھا۔ جابیہ میں یزید بن ابوسفیان، ابوعبیدہ بن جراح اور خالد بن ولید نے ان کا استقبال کیا۔ تینوں جرنیل ریشمی قبائیں پہنے ہوئے تھے، عمر ان کو دیکھتے ہی بھڑک اٹھے اور پتھر لے کر مارنے کو دوڑے۔ انھوں نے لجاجت سے کہا، یہ جنگی لباس ہے تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ ۱۷ھ میں عیسائیوں نے حمص پر دوبارہ حملہ کیا لیکن منہ کی کھائی۔ یہ آخری معرکہ تھا جو ابوعبیدہ کو پیش آیا۔ جابیہ اور سرغ کے شہر بھی انھی کے ہاتھوں فتح ہوئے۔

۱۸ھ میں ملت اسلامیہ میں قحط پھیلا تو حضرت عمر نے تمام گورنروں کو غلہ اکٹھا کر کے مدینہ بھیجنے کا حکم دیا۔ ابوعبیدہ نے سب

سے پہلے ان کی آواز پر لبیک کہا اور غلے سے لدے ہوئے ہزار اونٹ لے کر خود مدینہ پہنچے۔ سیدنا عمر نے اس غلے کو مدینہ کے نواحی قبائل میں تقسیم کرایا اور ابوعبیدہ کو ہزار درہم ادا کرنے کا حکم دیا۔ وہ یہ رقم لینا نہیں چاہتے تھے لیکن امیر المومنین کے اصرار پر لینا پڑے۔ ۱۸ھ ہی میں (ابن کثیر)، (طبری) میں حضرت عمر تیسری بار شام پہنچے تو مہاجرین وانصار کا ایک دستہ ان کے ہم راہ تھا۔ سرغ پہنچے تو ابوعبیدہ اور دوسرے کمانڈروں یزید بن ابوسفیان اور شرحبیل بن حسنہ نے ان کا استقبال کیا اور شام میں طاعون پھیلنے کی خبر دی۔ یہ وہ وقت تھا کہ پورا خطہ خلافت اسلامیہ کے زیر نگیں آ چکا تھا۔ عمر نے اپنے رفقا سے مشورہ کیا، اکثریت نے رائے دی کہ مدینہ واپس چلے جائیں لیکن ابوعبیدہ نے کہا: کیا آپ تقدیر الٰہی سے بھاگ رہے ہیں؟ حضرت عمر نے کہا: ابوعبیدہ، کاش تمہارے علاوہ کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی۔ ہم تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی ہی کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ تم بتاؤ! اگر تمہارے پاس کچھ اونٹ ہوں اور تم کسی ایسی وادی میں جا اترو جس کے دو کنارے ہوں، ایک سرسبز وشاداب اور دوسرا بے آب وگیاہ۔ کیا سرسبز حصے میں جانور چرانا قضائے الٰہی کے موافق نہ ہوگا؟ عبدالرحمان بن عوف نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو فرماتے سنا ہے، جب ایک شہر میں کوئی وبا پھیل جائے اور تم وہاں موجود نہ ہو تو وہاں نہ جاؤ۔ اور اگر وبا اس جگہ پھوٹے جہاں تم ہو تو وہاں سے نہ بھاگو۔ ابوعبیدہ اس کے باوجود اپنی رائے پر قائم رہے تو سیدنا عمر مدینہ چلے آئے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے ان کو خط لکھا، مجھے تم سے انتہائی ضروری کام آن پڑا ہے۔ اگر یہ خط رات کو ملے تو صبح ہونے سے پہلے ہی چل پڑنا اور اگر دن چڑھے موصول ہو تو میری طرف سے تاکید ہے کہ روانہ ہونے کے لیے شام کا انتظار نہ کرنا۔ ابوعبیدہ نے خط پڑھتے ہی کہہ دیا، امیر المومنین اس شخص کو بچانا چاہتے ہیں جو بچنے والا نہیں۔ انھوں نے جواب تحریر کیا، مجھے آپ کے کام کا پتا چل گیا ہے۔ اسلامی فوج کا ایک حصہ میری کمان میں ہے، میں اپنے سپاہیوں پر آنے والی آفت سے اپنا دامن نہیں چھڑا سکتا۔ میں ان سے جدا نہ ہوں گا یہاں تک کہ میرے اور ان کے بارے میں اللہ کا فیصلہ آ جائے لہٰذا مجھے اپنے حکم کی تعمیل سے بری الذمہ کر دیں۔ یہ ان کی پہلی اور آخری نافرمانی تھی حالانکہ وہ ہر طرح کے حالات میں امیر المومنین کی اطاعت کر چکے تھے۔ سیدنا عمر کو جواب ملا تو رونے لگ گئے، آنسو ان کی آنکھوں سے ٹپک رہے تھے۔ ان کا گریہ دیکھ کر پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے پوچھا، کیا ابوعبیدہ رحلت کر گئے ہیں؟ سیدنا عمر نے کہا: نہیں لیکن موت ان کے قریب آ چکی ہے۔ اب انھوں نے ایک اور خط بھیجا، تم نے لوگوں کو نشیبی اور مرطوب سرزمین میں ڈال رکھا ہے۔ انہیں اونچائی والے علاقے کی طرف لے جاؤ جہاں آب وہوا خوش گوار ہو۔ ابوعبیدہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے کہا: لشکر لے کر یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ تب تک سیدنا ابوموسیٰ کی اہلیہ طاعون کا شکار ہو چکی تھیں۔ انھوں نے قصد سفر کیا تھا کہ ابوعبیدہ بھی اس موذی مرض کا نشانہ بن گئے۔ ابن اثیر کہتے ہیں، ابوموسیٰ اس سال شام میں نہیں بلکہ بصرہ میں تھے۔ ابوعبیدہ کی تکلیف شدید ہوئی تو کھڑے ہو کر خطبہ دیا، لوگو! یہ درد تمہارے رب کی رحمت، تمہارے نبی ﷺ کی دعا اور تم سے پہلے گزرنے والے نیک لوگوں کی موت ہے۔ دم آخریں اپنے فوجیوں کو وصیت کی، نماز پڑھو، رمضان کے روزے رکھو، صدقہ وخیرات کرو، حج وعمرہ ادا کرو اور اپنے حکم رانوں سے خیر خواہی کرو۔ تمہیں دنیا ہلاکت میں ڈالنے نہ پائے۔

پھر حضرت معاذ بن جبل کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور انھیں نماز کی امامت کرنے کو کہا۔ سیدنا معاذ ہی نے تجہیز وتکفین کی۔ ان کی

جائے تدفین معین طور پر معلوم نہیں۔ اہل تاریخ کے اختلاف کے مطابق ان کی آخری آرام گاہ اردن کے نواحی قصبہ فحل میں، فلسطین کے قریہ بیسان میں یا رملہ سے بیت المقدس کی طرف ساڑھے تیرہ میل کی دوری پر واقع عمواس میں ہے۔ یہ وہی قصبہ ہے جہاں طاعون کی وبا پھوٹی تھی۔ حضرت ابوعبیدہ کی وفات کے بعد ان کا لشکر جابیہ پہنچا تو وبا کا زور ٹوٹا اور باقی مسلمانوں کی جانیں بچ پائیں ۳۶ ہزار سپاہیوں میں سے صرف ۶ ہزار زندہ رہے۔ عام روایتوں میں طاعون سے مرنے والوں کی تعداد ۲۵ ہزار بتائی جاتی ہے۔

ابوعبیدہ آخری وقت تک اپنی رائے پر قائم رہے۔ وفات سے کچھ دیر پہلے کہا: اللہ عمر بن خطاب کو معاف فرمائے کہ سرغ سے واپس چلے گئے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے، طاعون سے مرنے والا شہید ہے، پیٹ کی تکلیف سے مرنے والا شہید ہے، ڈوب کر مرنے والا شہید ہے، جل کر مرنے والا شہید ہے، دیوار تلے دب کر مرنے والا شہید ہے، جو عورت حالت حمل میں مرجائے شہید ہے، ذات الجنب سے مرنے والی عورت شہید ہے۔ (کنزالعمال)

ابوعبیدہ بن جراح کی عمر ۵۸ برس ہوئی۔ سن وفات ۱۸ھ ہے۔ ان کی وفات کے بعد معاذ بن جبل نے ان کی جگہ سنبھالی، وہ بھی طاعون کا شکار ہوئے تو یزید بن ابوسفیان جانشین بنے۔ یزید بھی طاعون کے ہاتھوں لقمۂ اجل بنے تو ان کے بھائی معاویہ امیر شام بن گئے۔ حضرت عمر نے ان کی تقرری کی تصدیق کر دی تو ان کی طویل گورنری کا آغاز ہوا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح انتظامی و فوجی ذمہ داریاں نبھانے کے ساتھ اپنے زیر اثر مسلمانوں کی تعلیم و تربیت سے ہرگز غافل نہ رہے۔ ان کی ترغیب سے بعض مفتوحہ شہروں میں درس و تدریس کے حلقے قائم ہوئے۔ یہاں صحابہ کرام قرآن پاک کی تعلیم دیتے اور فقہی مسائل حل کرتے تھے۔ سیدنا ابوعبیدہ کی نمایاں خصوصیات تقویٰ، سادگی و انکسار، زہد و تواضع، شجاعت و ہمت، ایثار و رحم دلی او رخوش خلقی و زندہ دلی ہیں۔ وہ اطاعت الٰہی، حب رسول اور اتباع سنت میں پیش پیش تھے۔ انھوں نے اپنے زمانۂ امارت میں اسلامی مساوات، اخوت و رواداری، رعایا پروری اور خیر کوشی کا خاص خیال رکھا۔

ابوعبیدہ بن جراح اپنی فوج میں راؤنڈ کرتے اور کہتے، سن رکھو! اجلے کپڑے پہننے والے بہت سے لوگ دین کے میلے ہوتے ہیں۔ سن لو! عزت نفس کا خیال کرنے والے بے شمار لوگ کل کو رسوا ہوں گے۔ پرانے گناہوں کو نئی نیکیاں کر کے ختم کر ڈالو۔ ایک بار حضرت عمر فاروق شام پہنچے تو مقامی کمانڈروں نے ان کا استقبال کیا۔ انھوں نے پوچھا میرا بھائی ابوعبیدہ کہاں ہے؟ ابوعبیدہ آئے تو عمر ان کی جائے قیام پر پہنچے۔ انھوں نے دیکھا کہ وہاں تلوار، ڈھال اور کجاوے کے علاوہ کچھ نہیں، پوچھا، تم نے کوئی اور سامان نہیں رکھا؟ ابوعبیدہ نے کہا: امیر المومنین! اس قدر سامان ہی ہمیں راحت پہنچانے کے لیے کافی ہے۔ حضرت عمر نے کہا: دنیا (کے مال و دولت) نے سب کو بدل ڈالا ہے مگر ابوعبیدہ! تو نہیں بدلا۔

حضرت ابوعبیدہ لمبے، دبلے، چھریرے اور روشن رو تھے۔ ان کی ڈاڑھی لمبی اور ہلکی تھی، کندھے کچھ جھکے ہوئے تھے۔ سر اور ڈاڑھی کے بالوں پر مہندی یا وسمہ لگاتے۔ بالوں کی دو لٹیں (چوٹیاں) بنا کر رکھتے۔ عام زندگی میں نرم خو، منکسر المزاج اور شرمیلے تھے لیکن جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو گرجتے ہوئے شیر بن جاتے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح کی زوجہ ہند بنت جابر سے ان کے دو بیٹے یزید اور عمیر پیدا ہوئے۔ آگے ان کے بیٹے بے اولاد رہے اس لیے ان کی نسل منقطع ہو گئی۔

سیدہ عائشہ سے سوال کیا گیا، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود خلیفہ مقرر فرماتے تو کون ہوتا؟ انھوں نے کہا سیدنا ابو بکر۔ پوچھا گیا، ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد کون ہو سکتا تھا؟ فرمایا، عمر۔ پھر سوال ہوا، عمر کے بعد کس کی باری آتی؟ تو حضرت عائشہ نے جواب دیا، ابو عبیدہ بن جراح۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابو بکر اچھے آدمی ہیں، عمر عمدہ آدمی ہیں، ابو عبیدہ بن جراح اچھے آدمی ہیں، اسید بن حضیر حمدہ شخص ہیں، ثابت بن قیس اچھے آدمی ہیں، معاذ بن جبل اچھے انسان ہیں، معاذ بن عمرو بن جموح اچھے آدمی ہیں۔ ایک بار حضرت عمر بن خطاب نے (جو کسی حویلی میں بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے، باتوں باتوں میں) اہل مجلس سے کہا، اپنی اپنی آرزوئیں بیان کرو۔ ایک شخص نے کہا: میری تمنا ہے، یہ گھر درہموں سے بھرا ہو اور میں ان سب کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دوں۔ دوسرے نے کہا: میرا دل چاہتا ہے، یہ مکان سونے سے معمور ہو اور میں سارا سونا اللہ کی راہ میں لٹا دوں۔ ان کے اصرار پر تیسرے مسلمان نے اپنی یہ آرزو بتائی، یہ حویلی جواہرات سے لب ریز ہو اور میں انھیں راہ خدا میں انفاق کر دوں۔

سیدنا عمر نے تب بھی کہا: اپنی تمنائیں بتاؤ تو حاضرین نے کہا: یہ خواہشات رکھنے کے بعد ہم کیا تمنا کریں گے؟ اب انھوں نے خود اپنی دلی خواہش کا اظہار اس طرح کیا، میں تمنا کرتا ہوں، یہ گھر ابو عبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل اور حذیفہ بن یمان جیسے لوگوں سے بھرا ہوا ہو اور میں ان کو اطاعت الٰہی کی تکمیل کرنے کے لیے عامل مقرر کر دوں۔ سیدنا عمر نے اپنی وفات سے قبل کہا: اگر ابو عبیدہ بن جراح زندہ ہوتے تو کوئی مشورہ کیے بغیر میں انھیں اپنا جانشین مقرر کر دیتا۔ اگر میرا رب مجھ سے باز پرس کرتا تو کہتا، میں نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے، یہ (ابو عبیدہ) اس امت کے امین ہیں۔ خلیفۂ ثانی نے ایک بار ۴سو دینار تھیلی میں ڈال کر اپنے غلام کو دیے اور کہا: ابو عبیدہ کے پاس لے جاؤ اور کچھ دیر ٹھہر کر دیکھنا، وہ اس رقم کا کیا کرتے ہیں؟ ابو عبیدہ نے اسی وقت اپنی باندی کو بلایا اور پانچ سات کر کے سب دینار تقسیم کرا دیے۔ پھر حضرت عمر نے اتنی ہی رقم معاذ بن جبل کی طرف بھیجی۔ انھوں نے بھی اپنی کنیز کو بلا کر کہا، جاؤ! اتنی اتنی رقم فلاں فلاں کو دے آؤ۔ اتنی دیر میں ان کی اہلیہ بولیں، بخدا! ہم بھی مسکین ہیں، کچھ ہم کو بھی دے دو۔ ۲ دینار بچے تھے، انھوں نے ان کو تھما دیے۔ سیدنا عمر بہت خوش ہوئے اور کہا، یہ سب بھائی بند ہیں۔ سیدنا ابو بکر صدیق اور ابو عبیدہ بن جراح دونوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ قریش کے زیرک ترین آدمی ہیں۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں، قریش کے تین اشخاص بہت خوب صورت، بہترین اخلاق والے اور انتہائی حیادار ہیں۔ اگر تم سے بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں اور اگر تم ان سے گفت گو کرو تو تمھیں نہ جھٹلائیں۔ یہ ابو بکر، عثمان اور ابو عبیدہ ہیں۔

سیدنا ابو عبیدہ نے حدیث براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یا حضرت عمر سے روایت کی۔ حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام اسلم، جابر بن عبداللہ، سمرہ بن جندب، ابو امامہ باہلی، عبداللہ بن سراقہ، عبدالرحمان بن غنم، عرباض بن ساریہ، عیاض بن غطیف، غضیف بن حارث، قیس بن ابی حازم، میسرہ بن مسروق، ناشرہ بن سمی اور ابو ثعلبہ خشنی نے ان سے روایت کی۔

(السیرۃ النبویہ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، التاریخ الصغیر (امام بخاری)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مزی)، البدایہ والنہایہ (ابن کثیر)، تاریخ

الاسلام (ذہبی)، الاصابہ فی تمییز الصحابہ (ابن حجر)

اہل نجران کی طرف بعثت کا بیان

135- حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِیعٌ عَنْ سُفْیَانَ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ جَمِیعًا عَنْ اَبِی اِسْحٰقَ عَنْ صِلَةَ بْنِ زُفَرَ عَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَهْلِ نَجْرَانَ سَاَبْعَثُ مَعَكُمْ رَجُلًا اَمِینًا حَقَّ اَمِینٍ قَالَ فَتَشَرَّفَ لَهُ النَّاسُ فَبَعَثَ اَبَا عُبَیْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' اہل نجران نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: آپ ہمارے ساتھ ایک امین شخص کو بھیج دیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ ایک ایسے امین شخص کو بھیجوں گا جو واقعی امین ہوگا لوگوں نے سر اٹھا کر دیکھنا شروع کیا تو نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

شرح

نجران" یمن میں ایک جگہ کا نام ہے جس کو ۱۰ھ میں فتح کیا گیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ " نجران" حجاز اور شام کے درمیان واقع ایک جگہ کا نام ہے۔تمنا اور انتظار کرنے لگے "اس تمنا اور اظہار کا تعلق جاہ طلبی کے جذبہ اور حصول منصب کی خواہش سے ہرگز نہیں تھا بلکہ اس تمنا واشتیاق کی بنیاد صفت امانت سے متصف قرار پانے کی طلب وخواہش تھی۔

امین الامت کا خطاب ملنے کا بیان

136- حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا یَحْیَى بْنُ اٰدَمَ حَدَّثَنَا اِسْرَآئِیلُ عَنْ اَبِی اِسْحٰقَ عَنْ صِلَةَ بْنِ زُفَرَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَبِی عُبَیْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ هٰذَا اَمِینُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا۔ ''یہ اس امت کا امین ہے''۔

شرح

اگرچہ تمام ہی صحابہ وصف امانت کے حامل تھے لیکن صرف حضرت ابوعبیدہ کو اس امت کا امین اس اعتبار سے فرمایا گیا کہ یا تو ان میں یہ وصف دوسرے صحابہ کی بہ نسبت زیادہ غالب تھا یا یہ کہ خود ان کے دوسرے اوصاف کی بہ نسبت یہ وصف ان پر زیادہ غالب تھا۔ بہر حال حضرت ابوعبیدہ اپنے ذاتی محاسن وکمالات کی بنا پر بڑے شان والے صحابی ہیں اور ان کے مناقب وفضائل میں اور بھی بہت سی روایتیں منقول ہیں۔ان کے جو مختلف پند ونصائح مختلف کتابوں میں مذکور ہیں ان میں سے ایک یہ نصیحت نہایت قیمتی ہے۔

135 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 3745' ورقم الحدیث:4380' ورقم الحدیث:7254' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 6204' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 3796

136 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بادروا السیأت القدیمات بالحسنات الحادثات والارب ممیض لنفسہ مدلس لدینہ والارب مکرم لنفسہ وہولہا مہین: "پچھلے گناہوں پر (خمیازہ بھگتنے سے پہلے) نئی نیکیاں، بڑھالو اور یادرکھو ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی پوشاک تو اجلی رکھتے ہیں لیکن اپنا دین میلا رکھتے ہیں اور یہ بھی یادرکھو کہ بعض لوگ اپنے آپ کو عزت دار محسوس کرتے ہیں حالانکہ انجام کے اعتبار سے وہ خود کو ذلت وخواری میں ڈالنے والے ہیں۔

بَابُ: فَضْلِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

یہ باب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بیان میں ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

نام ،نسب: عبداللہ نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، والد کا نام مسعود اور والدہ کا نام ام عبد تھا، شجرہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد مسعود ایام جاہلیت میں عبد بن حارث کے حلیف تھے۔ (اسدالغابہ: تذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

ابتدائی حالات

ایام جاہلیت میں زمانہ طفولیت عموماً بھیڑ بکریوں کے چرانے میں بسر ہوتا تھا یہاں تک کہ شرفاء وامراء کے بچے بھی اس سے مستثنی نہ تھے، گویا یہ ایک درس گاہ تھی جہاں سادگی، جفاکشی وفاشعاری اور راستبازی کا عملی سبق دیا جاتا تھا۔

مکہ میں جب دعوت توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو حضرت عبداللہ اسی درسگاہ میں تعلیم پا رہے تھے اور عقبہ بن معیط کی بکریاں ان کے سپرد تھیں۔ (تذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

اسلام

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مونس وہمدم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس طرف سے گذرے جہاں یہ بکریاں چرا رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا صاحبزادے تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ، بولے میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا؛ کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے بچے نہ دیے ہوں عرض کیا ہاں اور ایک بکری پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی یہاں تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہو گیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو علیحدہ لے جا کر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں آدمیوں نے یکے بادیگرے خوب سیر ہو کر نوش فرمایا، (اسدالغابہ جلد تذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن سے فرمایا خشک ہو جا اور وہ پھر اپنی اصلی حالت پر عود کر آیا۔

اس کرشمہ قدرت نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دل پر بے حد اثر کیا، حاضر ہو کر عرض کیا مجھے اس موثر کلام کی تعلیم دیجئے،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے ان کے سر پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا، تم تعلیم یافتہ بچے ہو، غرض اس روز سے وہ معلم دین مبین کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے اور بلا واسطہ خود مہبط وحی والہام سے ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی جن میں کوئی ان کا شریک و سہیم نہ تھا۔ (مسند ابن حنبل)

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمت بابرکت میں حاضر رہنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خادم خاص بنالیا۔

جوشِ ایمان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں ایمان لائے تھے جب کہ مومنین کی جماعت صرف چند اصحاب پر مشتمل تھی اور مکہ کی سرزمین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نے علانیہ بلند آہنگی کے ساتھ تلاوت قرآن کی جرأت نہیں کی تھی؛ چنانچہ ایک روز مسلمانوں نے باہم مجتمع ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کی اور سب نے بالاتفاق کہا: خدا کی قسم قریش نے اب تک بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے نہیں سنا؛ لیکن پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس پر خطر فرض کو کون انجام دے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کیا، لوگوں نے کہا کہ تمہارا خطرہ میں پڑنا مناسب نہیں، اس کام کے لیے تو ایک ایسا شخص درکار ہے جس کا خاندان وسیع ہو اور وہ اس کی حمایت میں مشرکین کے دستِ ستم سے محفوظ رہے، لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جوشِ ایمان سے برانگیختہ ہو کر کہا: مجھے چھوڑ دو خدا میرا محافظ ہے۔

غرض دوسرے روز چاشت کے وقت جب کہ تمام مشرکین قریش اپنی انجمن میں حاضر تھے، اس وارفتہ اسلام نے ایک طرف کھڑے ہو کر سازِ توحید پر مضراب لگائی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد علم القرآن کا سحر آفرین راگ چھیڑا، مشرکین نے تعجب اور غور سے سنکر پوچھا، ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟ کسی نے کہا کہ محمد پر جو کتاب اتری ہے اس کو پڑھتا ہے، یہ سننا تھا کہ تمام مجمع غیظ وغضب سے مشتعل ہو کر ٹوٹ پڑا اور اس قدر مارا کہ چہرہ ورم کر آیا، لیکن جس طرح پانی کے چند چھینٹے آگ کو اور زیادہ مشتعل کر دیتے ہیں، اسی طرح حضرت عبداللہ کا شعلۂ ایمان اس ظلم وتعدی سے بھڑک اٹھا، مشرکین مارتے گئے لیکن ان کی زبان بند نہ ہوئی۔

حضرت عبداللہ جب اس فرض کو انجام دے کر خستگی وشکستہ حالی کے ساتھ اپنے احباب میں واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ ہم اسی ڈر سے تم کو جانے نہ دیتے تھے، بولے، خدا کی قسم! دشمنان خدا آج سے زیادہ میری نظر میں کبھی ذلیل نہ تھے، اگر تم چاہو تو کل میں پھر اسی طرح ان کے مجمع میں جا کر قرآن کریم کی تلاوت کروں، لوگوں نے کہا بس جانے دو، اس قدر کافی ہے کہ جس کا سننا وہ ناپسند کرتے تھے اس کو تم نے بلند آہنگی کے ساتھ ان کے کانوں تک پہنچا دیا۔ (اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

ہجرت

حضرت عبداللہ کے جوش وغیرت ایمان نے رفتہ رفتہ تمام مشرکین قریش کو دشمن بنا دیا، یہاں تک کہ ان کی مسلسل وپیہم ایذا رسانیوں سے تنگ آکر دو دفعہ سرزمین حبش کی صحرانوردی پر مجبور ہوئے، پھر تیسری دفعہ دائمی ہجرت کا ارادہ کر کے یثرب کی راہ لی

اور یہاں پہنچ کر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان دونوں میں بھائی چارہ کرادیا اور مستقل سکونت کے لیے حضرت عبداللہ کو مسجد نبوی کے متصل ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔
(طبقات ابن سعد قسم اول جلد تذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

غزوات

حضرت عبداللہ تمام مشہور واہم جنگوں میں جانبازی وپامردی کے ساتھ سرگرم پیکار تھے، غزوہ بدر میں دو انصاری نوجوانوں نے سرخیل کفار ابوجہل بن ہشام کو تہ تیغ کیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ابوجہل کی خبر لاتا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گئے ابھی کچھ کچھ جان باقی تھی، اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا کہ ابوجہل تو ہی ہے۔ (بخاری:)

غزوہ احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، مکہ سے واپس آتے ہوئے راہ میں غزوہ حنین پیش آیا، اس جنگ میں مشرکین اس طرح یکا یک ٹوٹ پڑے کہ مسلمان بدحواسی کے ساتھ منتشر ہوگئے اور دس ہزار کی جماعت میں صرف اسی اصحاب ثابت قدمی کے ساتھ شمع نبوت کے اردگرد پروانہ وار اپنی فدویت کے جوہر دکھاتے رہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان ہی جان نثاروں میں تھے، فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے سخت حملہ کیا تو ہم لوگ تقریباً اسی قدم تک پسپا ہوئے؛ لیکن پھر جم کر کھڑے ہوگئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رہوار کو آگے بڑھاتے تھے؛ لیکن وہ پیچھے کی طرف ہٹتا تھا اسی حالت میں آپ ایک دفعہ زین سے جھکے میں نے پکار کر کہا: آپ سربلند رہیں خدا نے آپ کو رفعت عطا فرمائی ہے، فرمایا مجھے ایک مٹھی خاک اٹھا دو، میں نے خاک اٹھا کر دی تو آپ نے مشرکین کے منہ کی جانب پھینک دی، جس سے ان کی آنکھیں غبار آلود ہوگئیں، پھر ارشاد ہوا مہاجرین وانصار کہاں ہیں؟ میں نے ارشارہ سے بتایا تو حکم ہوا کہ انہیں آواز دے کر بلاؤ میں نے چیخ کر پکارا تو یکا یک سب کے سب پلٹ پڑے، اس وقت ان کی تلواریں نور ایمان سے اس طرح چمک رہی تھیں جس طرح شعلہ دہکتا ہے، غرض بگڑا ہوا کھیل پھر بن گیا، مشرکین مغلوب ہوکر بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ (احمد)

جنگ یرموک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک عزلت نشین رہے، لیکن عہد فاروقی میں جن عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ چھڑ گیا تھا اس نے بالآخر ان کی رگ شجاعت میں بھی ہیجان پیدا کیا، ھ میں گوشہ خلوت سے نکل کر رزمگاہ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے اور میدان یرموک کی فیصلہ کن جنگ میں سرگرم پیکار ہوکر خوب داد شجاعت دی۔ (اسد الغابہ)

عہدہ قضاء

۲۰ھ میں کوفہ کے قاضی مقرر کیے گئے، عہدہ قضاء کے علاوہ خزانہ کی افسری مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور والی کوفہ کی وزارت کے فرائض بھی ان کے متعلق تھے، چنانچہ فرمان تقرری کے الفاظ یہ ہیں

میں نے تم پر عمار بن یاسر کو امیر اور لین مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے، ابن مسعود کو بیت المال کی افسری بھی دی ہے، یہ

دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ذی عزت اصحاب میں سے ہیں جو کہ معرکہ بدر میں شریک تھے اس لیے ان کو سمعوا وطاعوا
اور اتباع کرو، حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہارے لیے ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

(ابن سعد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کامل دس سال تک نہایت مستعدی وخوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے، اس طویل عرصہ میں بساط سیاست پر گوناگوں انقلاب ہوئے، خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ نے وفات پائی، خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھا اور خاص کوفہ کی عنان حکومت اہل کوفہ کی شکایت واحتجاج پر یکے بعد دیگرے مختلف والیوں کے ہاتھ میں آئی؛ لیکن وہ حسن احتیاط اور انصاف کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے تھے اس کے لحاظ سے کسی کو ان سے شکایت پیدا نہ ہوئی۔

فطری رحم دلی، نرمی اور تلطف کے باعث عفو، درگذر اور چشم پوشی ان کا مخصوص شیوہ تھا؛ لیکن اسی کے ساتھ وہ اس راز سے بھی واقف تھے کہ بارگاہ عدالت میں جب کسی مجرم پر کوئی جرم ثابت ہو جائے تو اس کے ساتھ نرمی و درگذر سے پیش آنا، درحقیقت نظام حکومت ارکان و اساطین کو متزلزل کر دینا ہے، اس بنا پر وہ اثبات جرم کے بعد اپنی طبعی نرمی وشفقت کے باوجود قانون معدلت کے اجراء میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص نے اپنے برادرزادہ کو شراب خواری کے جرم میں پیش کیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تحقیقات کے بعد حد جاری کرنے کا حکم دے دیا، لیکن جب درے پڑنے لگے تو اس کا دل رحم وشفقت سے بھر آیا اور منت وسماجت کے ساتھ سفارش کرنے لگا، انہوں نے غضبناک ہو کر فرمایا تو نہایت ظالم چچا ہے، اس کو حد شرعی کا مستحق ثابت کر کے چھوڑ دینے کی سفارش کرتا ہے، جواب ممکن نہیں، اسلام میں سب سے پہلے ایک عورت پر حد جاری کی گئی جس نے چوری کی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا اور فرمایا کہ تم لوگوں کو اعراض وچشم پوشی سے کام لینا چاہئے، کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ خدا تمہیں بخشدے۔

بعض اوقات ایک ہی جرم مجرموں کے اختلاف حیثیات کے لحاظ سے ان کو مختلف سزاوں کا مستوجب قرار دیتا ہے، حضرت عبداللہ اس نکتہ سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے، ایک دفعہ ان کو اطلاع دی گئی کہ مسیلمہ کذاب کے متبعین میں سے کچھ لوگ اب تک موجود ہیں جو اس کو رسول خدا کہتے ہیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے چند سپاہی بھیج کر ان کو گرفتار کرا دیا اور سب کی توبہ قبول کر کے چھوڑ دیا؛ لیکن ان کے سرگروہ ابن نواحہ کے لیے قتل کی سزا تجویز کی، لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو بولے کہ ابن نواحہ اور ابن اثال دو شخص مسیلمہ کذاب کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفیر بن کر گئے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم مسیلمہ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کرا دیتا، اس بنا پر جبکہ وہ اب تک اس کے اس باطل عقیدہ سے باز نہیں آیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا پورا کرنا ضروری تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری عہد خلافت میں جب کوفہ سازش فتنہ پردازی اور بدامنی کا مرکز ہو گیا تو عہدہ قضاء کے لحاظ سے قدرۃ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی غیر معمولی دشواریاں پیش آئیں، ایک دفعہ عقبہ بن ولید کے دور امارت میں

ایک ساحر کا مقدمہ پیش ہوا جو امیر کوفہ کے سامنے اپنی بازیگری کے کرشمے دکھار ہا تھا، لیکن فیصلہ صادر ہونے سے پہلے ہی جندب نامی ایک شخص نے اس کو قتل کر ڈالا؛ چونکہ یہ صریحاً معاملات حکومت میں مداخلت بیجا تھی، اس لیے انہوں نے قاتل کی گرفتاری کا حکم دے کر دربار خلافت کو مفصل واقعہ سے مطلع کیا، وہاں سے حکم آیا کہ معمولی تنبیہ وتعزیر کے بعد اس کو چھوڑ دو اور لوگوں کو سمجھاؤ کہ پھر آئندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہونے پائے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اہل کوفہ کو جمع کر کے فرمایا: صاحبو! صرف شک وشبہ پر کوئی کام نہ کرو اور عدالت کو اپنے ہاتھ میں نہ لے لو، مجرموں اور خطا کاروں کو سزا دینا ہمارا فرض ہے، تم کو اس میں مداخلت کی ضرورت نہیں۔ (تاریخ طبری)

اسی سال ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب خواری کا الزام لگایا گیا اور ایک جماعت نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ وہ تخلیہ میں شراب پیتا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ جاسوسی میرا فرض نہیں ہے، اگر ایک شخص چھپ کر کوئی کام کرتا ہے تو میں اس کی پردہ داری کے درپے نہیں ہو سکتا، ولید نے یہ جواب سنا تو ناراض ہو کر ان کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا مفسدین کو ایسا ہی جواب دینا مناسب تھا؟ میں چھپ کر کون کام کرتا ہوں، یہ تو اس شخص کے لیے کہا جا سکتا ہے جو مشکوک ہو، غرض اسی سوال وجواب میں بات بڑھ گئی اور دونوں ایک دوسرے سے کشیدہ خاطر اٹھے۔ (تاریخ طبری)

خزانہ کی افسری

حضرت عبداللہ منصب قضاء کے ساتھ خزانہ کی افسری پر بھی مامور تھے، کوفہ عظمت وسعت وکثرت محاصل کے لحاظ سے اس کا بیت المال نہایت اہمیت رکھتا تھا، اس سے لاکھوں روپے کے وظائف جاری تھے، فوجی مرکز ہونے کے باعث ہزاروں سپاہیوں کی تنخواہیں مقرر تھیں اور خراسان، ترکستان اور آرمینیہ پر وقتاً فوقتاً جو فوج کشی ہوتی رہتی تھی، اس کے مصارف ادا کئے جاتے تھے، اس بنا پر دوسرے اہم مشاغل کے ساتھ اس شعبہ کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک حبہ بھی ادھر کا اُدھر نہ ہونے پائے درحقیقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی انتظامی قابلیت، بیدار مغزی اور حساب فہمی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے۔

ذاتی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ زہد وبے نیازی کے اقلیم کے بادشاہ تھے، دنیا کی بڑی سے بڑی نعمتوں کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیتے تھے، لیکن قومی سرمایہ کے تحفظ میں اس قدر سخت تھے کہ اعزہ احباب، افسر اور والی ملک کے ساتھ بھی کسی قسم کی رعایت ملحوظ نہ رکھتے تھے، ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ والی کوفہ نے بیت المال سے قرض لیا، اور ناداری کے باعث عرصہ تک ادا نہ کر سکے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مہتمم بیت المال کی حیثیت سے نہایت سختی کے ساتھ ان سے تقاضا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک روز تلخ کلامی کی نوبت پیش آئی، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جھلا کر چھڑی زمین پر پھینک دی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا "اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے" چونکہ وہ نہایت مستجاب الدعوات مشہور تھے، اس لیے حضرت عبداللہ نے خوف زدہ ہو کر کہا دیکھو میرے لیے بددعا نہ کرنا، بولے "خدا کی قسم! اگر خوف خدا نہ ہوتا تو میں تمہارے لیے سخت بددعا کرتا" حضرت عبداللہ نے ان کی برافروختگی کا یہ انداز دیکھا تو تیزی کے ساتھ کاشانہ امارت سے باہر نکل آئے۔

اس واقعہ کی رپورٹ دربار خلافت میں پہنچی تو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سخت ناراضی ظاہر فرمائی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی بنا کر بھیجا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی گو اس ناراضی سے مستثنیٰ نہ تھے تاہم وہ ایک عرصہ تک اپنے عہدہ پر برقرار رہے۔ (تاریخ طبری)

معزولی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر عہد حکومت میں جب سازش و مفسدہ پردازی کا بازار گرم ہوا تو مخفی ریشہ دوانیوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی زیادہ دنوں تک اپنے عہدہ پر برقرار رہنے نہ دیا، اور یکایک معزول کر دیئے گئے، معزولی کی خبر نے کوفہ کی علمی دنیا کو ماتم کدہ بنا دیا، احباب معتقدین، تلامذہ اور اعیان شہر کی ایک بڑی جماعت نے مجتمع ہو کر اس فرمان عزل پر سخت ناراضی ظاہر کی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مصر ہوئے کہ آپ کوفہ سے تشریف نہ لے جائیں اگر اس کی پاداش میں کوئی مصیبت پیش آئے گی تو ہم سب اپنی جانیں قربان کرنے کو حاضر ہیں، بولیا میر المومنین کی اطاعت مجھ پر فرض ہے میں نہیں چاہتا کہ فتنہ وفساد جو عنقریب برپا ہونے والا ہے اس کی ابتداء میری ذات سے ہو، غرض وہ عمرہ کی نیت کر کے ایک جماعت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ (اصابۃ تذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی تجہیز وتکفین

جب مقام ربذہ میں پہنچے تو وسطِ راہ میں ایک عورت کو سرگرداں و پریشان دیکھ کر پوچھا خیر ہے، کہا ایک مرد مسلمان کی تجہیز وتکفین کیجئے پوچھا کون؟ کہا ابوذر رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ "فدیتہ بابی وامی" کہہ کر مع اپنے ساتھیوں کے اتر پڑے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ اور نہایت زاہد و متقشف صحابی تھے وہ دار الخلافت کی روز افزوں تمدنی زندگی سے اس قدر بیزار ہوئے کہ ربذہ کے سنسان جنگل میں اٹھ آئے اور بالآخر اسی سرزمین نے ان کے لیے اپنا آغوشِ شوق پھیلا دیا، یہ لوگ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے ان کا دم واپسیں تھا، اپنی تجہیز وتکفین کے متعلق ضروری ہدایات دے کر واصل بحق ہوئے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر کی وصیت کے مطابق ان کی تجہیز وتکفین کر کے نماز جنازہ پڑھا کر سپردِ خاک کیا۔

(مسند احمد بن حنبل)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مکہ پہنچ کر امیر المومنین کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع دی اور عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے کہ زندگی کے بقیہ ایام عزلت نشینی وعبادت الٰہی میں بسر ہوں۔

علالت

۳۲ھ میں جب کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا سن مبارک ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکا تھا ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا، خدا مجھے آپ کی آخری زیارت سے محروم نہ رکھے، میں نے گزشتہ شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک بلند منبر پر تشریف فرما ہیں اور آپ سامنے حاضر ہیں، اسی حالت میں ارشاد ہوتا ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ!

میرے بعد تمہیں بہت تکلیف پہنچائی گئی، آؤ میرے پاس چلے آؤ، فرمایا خدا کی قسم تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ بولا، ہاں، فرمایا تم میرے جنازہ میں شریک ہو کر مدینہ سے کہیں جاؤ گے۔

یہ خواب درحقیقت واقعہ ہو کر پیش آیا، چند ہی دنوں کے بعد اس طرح بیمار ہوئے کہ لوگوں کو ان کی زندگی سے مایوسی ہوگئی، امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے چونکہ ایک گونہ شکر رنجی تھی اور انہوں نے دو برس سے ان کا مقررہ وظیفہ مطلقاً بند کر دیا تھا، اس لیے وہ اس آخری لحہ حیات میں عفو خواہی و عیادت کے لیے تشریف لائے اور اس طرح گفتگو شروع کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کو کس مرض کی شکایت ہے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ: اپنے گناہوں کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: آپ کیا چاہتے ہیں؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ: خدا کی رحمت۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ: آپ کے لیے طبیب بلاؤں ؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مجھے طبیب ہی نے بیمار ڈالا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کا وظیفہ جاری کر دوں؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کی صاحبزادیوں کے کام آئے گا۔ حضرت عبداللہ کیا آپ کو میری لڑکیوں کے محتاج ودست نگر ہو جانے کا خوف ہے؟

میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ ہر رات سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں؛ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ☐ فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ مست نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا سوال و جواب سے بعض اصحاب سیر کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس آخری وقت میں بھی دونوں ایک دوسرے سے صاف نہ ہوئے؛ لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ باہمی عفو خواہی کے صیقل نے دونوں کے آئینہ قلب کو بالکل شفاف کر دیا تھا، محمد بن سعد نیا س واقعہ کی صحت پر خاص طور سے زور دیا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول)

وفات

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو جب سفر آخرت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنے مال واسباب اور اولاد نیز خود اپنی تجہیز و تکفین کے متعلق مختلف وصیتیں فرمائیں اور ساٹھ برس سے کچھ زیادہ عمر پا کر ۳۲ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا: مستند و صحیح روایت کے مطابق امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنازے کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

علم و فضل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہیں جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کیے گئے ہیں، تم نے پہلے پڑھا ہے کہ وہ ایام جاہلیت میں عقبہ بن معیط کی بکریاں چراتے تھے، لیکن خدا کی قدرت معلم ربانی کی نگاہ انتخاب نے گلہ بانی کی درسگاہ سے نکال کر اپنے حلقہ تلمذ میں داخل کر لیا اور علم و فضل کے آسمان پر مہر منیر بنا کر چمکایا۔

علم کا شوق

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابتداء ہی سے علم کے شائق تھے، قبول اسلام کے ساتھ ہی انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے تعلیم دیجئے بشارت ملی۔ تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔

اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب و روز سرچشمہ علم سے مستفیض ہوتے، خلوت، جلوت، سفر، حضر، غرض ہر موقع پر ساقی معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، لیکن طلب صادق کی پیاس نہ بجھتی؛ یہاں تک کہ آپ جب داخل حرم نہ ہوتے تو اپنی والدہ حضرت ام عبد رضی اللہ عنہ کو بھیجتے کہ وہ خانگی زندگی کے معلومات بہم پہنچائیں۔ (مسند اعظم)

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وصحبت کا اثر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام خاص میں شامل تھے، مسواک اٹھا کر رکھنا، جوتہ پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے چلنا آپ کی مخصوص خدمت تھی، اس ختم گذاری کے ساتھ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدم وہمراز بھی تھے، (مستدرک) مخصوص صحبتوں میں شریک کئے جاتے بلااذن تخلیہ کے موقعوں پر حاضر ہوتے اور راز کی تمام باتیں سن سکتے تھے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو حضور کے بستر مسواک اور وضو کے پانی والے معزز خطاب دے رکھا تھا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک مدینہ میں رہے، ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو عرصہ تک خاندان رسالت کا ایک رکن گمان کرتے رہے، (صحیح مسلم) غرض اس خدمت گذاری اور ہر وقت کی حاضر باشی نے ان کو قدرۃً سب سے زیادہ خرمن کمال کی خوشہ چینی کا موقع دیا۔

قرآن

قرآن کریم جو اصل اصول اسلام ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے سب سے بڑے عالم تھے، فرماتے ہیں کہ ستر سورتیں میں نے خاص مہبط وحی والہام صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے سن کر یاد کی تھیں، (بخاری) ان کا دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جن کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کب۔ کہاں اور کس بارہ میں اتری ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا، ایک دفعہ انہوں نے مجمع عام میں دعویٰ کیا کہ تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں، گو سب سے بہتر نہیں ہوں، شقیق اس جلسہ میں موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہ کے حلقوں میں شریک ہوا، مگر کسی کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا۔

ابوالاحوص فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے چند احباب کے ساتھ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ چلنے کے قصد سے کھڑے ہوئے تو ابومسعود رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف اشارہ

کر کے کہا: میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے زیادہ کوئی شخص قرآن کا عالم ہے، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہیں! یہ اس وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر رہتے تھے جب کہ ہم لوگ غائب ہوتے تھے اور ان کو ان موقعوں میں باریاب ہونے کی اجازت تھی جب کہ ہم لوگ روک دیئے جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے ابن ام عبد رضی اللہ عنہ کا نام لیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب وفات پائی تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے سے کہا: کیا عبداللہ نے اپنے جیسا کسی کو چھوڑا، دوسرے نے کہا نہیں وخلوت جلوت ہر موقع پر حاضر رہتے تھے جبکہ ہم لوگوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا۔

(مسلم باب من فضائل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس عہد نبوت کا جمع کیا ہوا ایک مصحف بھی تھا جس کو وہ نہایت عزیز رکھتے تھے، چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف کو تلف کر دینے کا حکم دیا تو انہوں نے نہایت ناگواری کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔

چونکہ اس مصحف کے نقل وترتیب کی خدمت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انجام دی تھی، اس لیے وہ اکثر ان کی ناتجربہ کاری پر معترض ہوتے تھے، شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، ستر سے کچھ زیادہ سورتیں میں نے خاص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن کر یاد کی تھیں، حالانکہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس وقت لڑکے تھے اور لڑکوں کے ساتھ کھیلتے پھرتے تھے، (اسد الغابہ) اس سے بڑھ کر ان کی قرآن دانی کی اور کیا سند ہو سکتی ہے کہ خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر لوگوں سے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سالم رضی اللہ عنہ، معاذ رضی اللہ عنہ، اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔ (بخاری باب القراء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

تفسیر

قرآن مجید کی تفسیر اور مناسب موقعوں پر برجستہ آیات قرآنی کی تلاوت میں خاص مہارت رکھتے تھے، ایک دفعہ یہ حدیث زیر بحث تھی کہ جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال مارے گا قیامت کے روز خدا اس پر نہایت غضبناک ہوگا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی تصدیق میں برجستہ یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ (آل عمران)

بے شک وہ لوگ جو خدا کے عہد اور اپنی قسموں کے معاوضہ میں نفع قلیل حاصل کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ (مسند، وبخاری)

اسی طرح ایک دفعہ اپنے حلقہ درس میں بیان فرما رہے تھے کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے، ارشاد ہوا کہ شرک، پھر قتل اولاد پھر آپ نے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا، اس حدیث کو بیان کر کے انہوں نے

برجستہ اس آیت سے اس کی تصدیق فرمادی

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا (الفرقان)(مسند احمد)

جو لوگ خدا کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتے اور ناحق جان نہیں مارتے کہ اللہ نے اس کو حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو شخص ایسا کریگا وہ ان گناہوں کا خمیازہ اٹھائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیریں حدیث وتفسیر کی کتابوں میں بکثرت منقول ہیں، اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہوسکتی ہے۔

تفسیر بالرائے سے احتراز

محض اپنی رائے وقیاس سے آیات قرآنی کی تشریح وتفسیر کرنا علمائے امت کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے، حضرت عبداللہ اگر کسی کو ایسا کرتے دیکھتے تو نہایت برہم ہوتے، ایک مرتبہ کسی نے آکر کہا کہ ایک شخص مسجد میں، يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ کی تفسیر محض اپنی رائے سے کررہا ہے، وہ کہتا ہے کہ "قیامت کے روز اس قدر دھواں ہوگا کہ لوگ اس میں سانس لے کر زکام یا اسی قسم کی ایک بیماری میں مبتلا ہوجائیں گے، بولے دانشمندی یہ ہے کہ اگر انسان کسی امر سے واقف ہو تو بیان کرے اور اگر ناواقف ہو تو اللہ اعلم کہہ کر خاموش ہوجائے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب کہ قریش کی نافرمانی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کے باعث تمام عرب قحط کی مصیبت میں مبتلا تھا، لوگ جب آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو بھوک کی شدت اور ضعف وناتوانی کے باعث زمین سے آسمان تک دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا، خدائے پاک نے اس موقع پر کفار کو متنبہ کیا کہ اس سے بھی ایک زیادہ ہولناک اور سخت انتقام کا دن آنے والا ہے، اور وہ جنگ بدر کا دن ہے۔ (مسند و بخاری)

قرات

قرات میں غیر معمولی کمال حاصل تھا، صحاح میں بکثرت ایسی روایتیں ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ قرات میں ابن ام عبد یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی پیروی کی جائے، ایک مرتبہ وہ نماز میں سورہ نساء تلاوت فرمارہے تھے کہ خیر الانام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد تشریف لائے اوران کی خوش الحانی اور باقاعدہ ترتیل سے خوش ہوکر فرمایا۔ اسئل تعطه جو کچھ سوال کرو پورا کیا جائے گا، جو کچھ سوال کرو پورا کیا جائے گا۔

پھر ارشاد ہوا کہ جو پسند کرتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تروتازہ پڑھنا سیکھے، جس طرح وہ نازل ہوا ہے تو اس کو قراۃ ابن ام عبد کی اتباع کرنا چاہئے۔

دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس بشارت وتہنیت کے خیال سے تشریف لائے، اور پوچھا کہ رات آپ نے خدا سے کیا دعا مانگی؟ بولے میں نے کہا اے خدا! مجھے ایسا ایمان عطا کر جس کو کبھی جنبش نہ ہو، ایسی نعمت دے جو کبھی ختم نہ ہو

اور خلد بریں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی رفاقت نصیب کر۔ (مسند)

وہ تلاوت قرآن کے نہایت شائق تھے اور تنہائی کے موقع میں عموماً اس سے دل بہلایا کرتے، بسااوقات خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے قرآن کی کوئی سورت پڑھوا کر سنتے اور محظوظ ہوتے، خود کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ارشاد ہوا کہ سورہ نساء پڑھ کر سناؤ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر نازل ہوا اور آپ کو میں سناؤں! ارشاد ہوا کیوں نہیں؛ لیکن میں دوسرے کی زبان سے سننا چاہتا ہوں، غرض میں نے تعمیل ارشاد کی اور جب اس آیت پر پہنچا فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ (مسند احمد و بخاری)

روایت میں خوف واحتیاط

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بارگاہِ نبوت میں جو مخصوص تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے نہایت، وسیع معلومات رکھتے تھے، لیکن روایت میں وہ حد درجہ محتاط تھے ابو عمر شیبانی کہتے ہیں کہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت میں کامل ایک سال رہا، لیکن بہت کم قال رسول اللہ کا لفظ ان کی زبان سے سنا، ایک مرتبہ انہوں نے ایک حدیث بیان کی تو تمام جسم میں رعشہ آ گیا اور کہنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا تھا یا اس کے قریب قریب یا اسی کے مشابہ۔ (تذکرۃ الحفاظ)

عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ تقریباً ایک سال تک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں میری آمد و رفت رہی، لیکن میں نے کبھی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتساب سے کچھ بیان کرتے ہوئے نہیں سنا، ایک مرتبہ حدیث بیان کرتے ہوئے اتفاقاً ان کی زبان سے قال رسول اللہ کا فقرہ نکل گیا، تو دیکھا کہ ان کا تمام بدن تھرا اٹھا اور خوف و ہراس سے عرق عرق ہو گئے۔

(ابن سعد قسم اول جز ثالث)

تلامذہ کو احتیاط کی ہدایت

شاگردوں کو بھی عموماً روایت حدیث میں احتیاط کی ہدایت کیا کرتے اور فرماتے کہ جب تم کوئی حدیث بیان کرو تو اس خیال کو پیش نظر رکھو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مقدس پرہیزگار اور ہدایت یاب تھے۔ (مسند احمد)

کثرت روایات کی وجہ

لیکن ان واقعات سے یہ قیاس نہ کرنا چاہئے کہ وہ مطلقاً حدیثیں روایت نہیں کرتے تھے، کیونکہ معلم دین ہونے کی حیثیت سے حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وارشادات کا پھیلانا ان کے فرائض منصبی میں داخل تھا، یہی وجہ ہے کہ خوف واحتیاط کے باوجود صحاح ومسانید میں ان سے بکثرت روایات منقول ہیں، چنانچہ آپ کے جملہ مرویات کی تعداد ہے ان میں سے بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں ان کے علاوہ بخاری میں ہیں اور مسلم میں ہیں۔ (تہذیب الکمال)

مذاکرہ حدیث کا شوق

بسااوقات وہ مذاکرہ حدیث کے شوق میں تلامذہ واحباب کے گھر پر تشریف لے جاتے اور دیر تک عہدِ نبوت کا ذکر مذکور

رہتا، وابصہ اسدی فرماتے ہیں کہ میں کوفہ میں دوپہر کے وقت اپنے گھر میں تھا کہ یکا یک دروازہ سے السلام علیکم کی آواز بلند ہوئی میں نے جواب دیا باہر نکل کر دیکھا، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، میں نے کہا ابو عبدالرحمٰن! یہ ملاقات کا کون سا وقت ہے؟ بولے آج بعد مشاغل ایسے پیش آگئے کہ دن چڑھ گیا اور اب فرصت ملی تو یہ خیال آیا کہ کسی سے باتیں کر کے عہد مقدس کی یاد تازہ کرلوں، غرض وہ بیٹھ کر حدیثیں بیان فرمانے لگے، اور دیر تک پر لطف صحبت رہی۔ (مسند احمد)

آدابِ روایت

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حدیث روایت کرتے وقت نہایت مودب متین اور سنجیدہ بن جاتے تھے اور اس طرح نقشہ کھینچ دیتے کہ گویا سامع خود حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے سن رہا ہے، ایک مرتبہ انہوں نے ایک طولانی حدیث بیان فرمائی جس میں قیامت، جنت اور مومنین وسبحان رب العزت کے سوال وجواب کا تذکرہ تھا، حدیث ختم کرتے متبسم ہوئے اور فرمایا، تم پوچھتے نہیں کہ میں کیوں ہنستا ہوں؟ لوگوں نے کہا آپ کیوں ہنستے ہیں؟ اس لیے کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح تبسم فرمایا تھا۔ (مسند احمد، عبداللہ بن مسعود)

فقہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان فاضل صحابہ رضی اللہ عنہ میں ہیں جو فقہ کے موسس اور بانی سمجھے جاتے ہیں، خصوصاً فقہ حنفی کی عمارت تمام تر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کے سنگِ اساس پر تعمیر ہوئی۔

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو اس کے ساتھ تعلیم دین کی خدمت بھی سپرد ہوئی تھی، اس بنا پر ان کو قدرۃً ایک حلقہ درس قائم کرنا پڑا اور عام مسلمانوں میں مسائل فقہ اور اپنے اجتہادات کی ترویج واشاعت کا نہایت کافی موقع ہاتھ آیا، اس طرح تمام خطہ عراق فقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا پیرو ہو گیا اور ان کی درس گاہ سے بڑے بڑے اہل کمال سند فضیلت لے کر نکلے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مخصوص تلامذہ میں سے علقمہ اور اسود نے فقہ میں خاص شہرت حاصل کی، پھر ان کے بعد ابراہیم نخعی نے کوفہ کی فقہ کو بہت کچھ وسعت دی، یہاں تک کہ ان کو فقیہ العراق کا لقب ملا۔

اصول فقہ

قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس فقہ اسلامی کی عمارت کے چار ستون ہیں اور یہی اصول فقہ کے موضوع فن بھی ہیں، ان میں سے دونوں موخر الذکر کی ضرورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آئی، کیونکہ مہبط وحی والہام کی موجودگی میں اجماع وقیاس کی ضرورت ہی کیا تھی۔

اجماع

اجماع کو عملی حیثیت سے رواج دینا گو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خاص طغرائے امتیاز

ہے، تاہم اصولی حیثیت سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو مستحسن قرار دیا اور فرمایا: ما رای المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن وما راوا سیئا فھو عند اللہ سئی، جس چیز کو تمام مسلمان بہتر سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو برا سمجھ لیں وہ خدا کے نزدیک بھی برا ہے۔ اور یہی در حقیقت اجماع کی اصلی روح ہے

قیاس

اصولِ فقہ کا چوتھا رکن قیاس ہے، جو در حقیقت قرآن پاک، حدیث نبوی اور اجماع ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن توسیع فقہ اور نئے نئے مسائل کی گتھیوں کی سلجھانے کے لحاظ سے وہ خاص اہمیت رکھتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں اور نہ اس قدر احاطہ ممکن تھا، اس لیے علت مشترکہ نکال کر ان جزئیات غیر منصوصہ کو احکام منصوصہ پر قیاس کرنا فقیہ یا مجتہد کا سب سے اہم فرض ہے اور در حقیقت یہی وہ موقع ہے جہاں اس کی قوت اجتہاد تفریع مسائل واستنباط احکام کا امتحان ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عملاً قیاس شرعی سے کام لے کر آیندہ نسلوں کے لیے ایک وسیع شاہراہ قائم کر دی اور ضمناً بہت سے ایسے قاعدے مقرر کر دیئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں، ہم یہاں ان کے چند قیاسی مسائل نقل کرتے ہیں جن سے ان کی قوت استنباط کا اندازہ ہوگا۔

حج یا عمرہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی احرام باندھ لے اور دشمن کے سد راہ ہو جانے سے حج یا عمرہ کے ارکان کو پورا نہ کر سکے تو وہ صرف قربانی کا جانور بھیج کر احرام کھول دے اور آیندہ جب کبھی موقع میسر آئے اپنے ارادہ کو پورا کرے جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مجبوری کو علت مشترکہ قرار دے کر مریض یا دوسرے مجبور اشخاص کے لیے بھی یہی حکم جاری فرماتے ہیں، چنانچہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ میں عمرہ کے لیے احرام باندھ چکا تھا کہ اتفاقاً سانپ نے کاٹ کھایا اور اب جانے کی طاقت نہیں رہی، بولے تم صرف قربانی بھیج کر احرام کھول دو اور جب ممکن ہو عمرہ ادا کرو۔ (موطا امام محمد)

اس قیاس سے ضمناً دو نہایت اہم اصول منضبط ہوتے ہیں، (۱) اشتراک علت اشتراک حکم کا باعث ہے۔ () سبب کا خاص ہونا حکم کی تعمیم پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔

علم فرائض کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ میت سے جس کو زیادہ قرابت ہوگی، اس کو وراثت میں ترجیح دے جائے گی، مثلاً حقیقی بھائی کو اخیافی یا علاتی بھائی پر صرف اس لیے ترجیح ہے کہ اول الذکر کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے قرابت ہے، برخلاف اس کے دونوں موخر الذکر میں صرف ایک ہی حیثیت پائی جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس اصول کو دوسرے قرابت داروں میں بھی پیش نظر رکھتے ہیں، مثلاً ایک میت نے زید اور بکر دو چچازاد بھائی چھوڑے اور زید اس رشتہ کے علاوہ میت کا اخیافی بھائی بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس صورت میں ازدیاد قربت کی علت مرجحہ نکال کر زید کو بکر پر ترجیح دیتے ہیں، لیکن جمہور علمائے اہل سنت عصبہ ہونے کی حیثیت سے ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ (التوضیح والتلویح)

اجتہاد

مذکورہ بالا قیاسی مسائل کے علاوہ فقہ اسلامی کی بہت سی پیچیدہ گتھیاں صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حسن اجتہاد سے حل ہوئیں، آپ استنباط احکام وتفریع مسائل پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے، اور نصوص شرعیہ میں ناسخ ومنسوخ، موقت ومؤبد کی تفریق کر کے صحیح استنباطِ حکم راہ پیدا کر لیتے تھے، مثلاً ایک دفعہ استفتاء آیا کہ ایک حاملہ عورت کے لیے جس کا شوہر مر گیا ہو، عدت کیا ہے؟ چونکہ قرآن مجید میں عدت کے متعلق مختلف احکام ہیں، سورہ بقرہ میں عام حکم کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (البقرة)

تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور بیویاں چھوڑیں تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رکھیں۔

اور سورہ نساء میں خاص حاملہ عورتوں کے لیے جن کے شوہر مر گئے ہوں یہ حکم ہے۔ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق)

اور جو عورتیں حاملہ ہوں ان کی مدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کریں

اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ جس میں زیادہ مدت صرف ہو وہی زمانہ عدت قرار دیا جائے، تا کہ دونوں آیتوں کا توافق پیدا ہو جائے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حاملہ عورت کے حق میں سورہ بقرہ کی آیت کو سورہ نساء کی آیت سے منسوخ قرار دے کر وضع حمل عدت قرار دی اور فرمایا کہ میں اس کے لیے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ سورہ بقرہ، سورہ نساء کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (التوضیح والتلویح)

یہ مسئلہ کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ آج تک احناف اور دیگر فرقِ اسلامیہ کے درمیان ایک معرکۃ الآراء بحث ہے اور اس کا کسی طرح فیصلہ ہی نہیں ہونے پاتا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ بحث پیدا ہو چکی تھی، چنانچہ ایک شخص نے بطریق استفتاء اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا انہوں نے جواب دیا۔ **انصت فان فی الصلوة شغلا سیکفیك ذاك الامام (موطا امام محمد)**

خاموش رہو کیونکہ نماز میں توجہ قائم نہیں رہتی امام کا پڑھنا تمہارے لیے کافی ہے۔ اس جواب میں درحقیقت حسب ذیل تین دلیلوں کی طرف اشارہ ہے جو آج بھی احناف کے لیے مخالفین کے مقابلہ میں بمنزلہ سپر ہے

(۱) وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ (الاعراف) جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو۔

(۲) مقتدی کی قرات سے نماز میں توجہ قلب باقی نہیں رہتی۔

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے **"من كان له امام فقراة الامام قراة له"**

یعنی جو امام کے پیچھے ہو اس کے لیے امام کی قرات کافی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس فرائض کا یہ استفتاء آیا کہ ایک میت نے ورثہ میں ایک لڑکی ایک پوتی اور ایک بہن چھوڑی ہے، اس کی جائداد کس طرح تقسیم ہوگی انہوں نے جواب دیا کہ لڑکی اور بہن نصف کی مستحق ہیں اور پوتی محروم

الارث ہے، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے جواب کے ساتھ یہی استفتاء حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا، انہوں نے فرمایا اگر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ابوموسیٰ کے قول کو ترجیح دوں تو میں گمراہ ہوں گا، بیشک لڑکی نصف پائے گی، لیکن دوثلث پورا کرنے کے لیے ایک سدس پوتی کو بھی ملے گا اور جو باقی رہے گا وہ بہن کا حصہ ہے، (مسند احمد، بخاری) یہ جواب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا جب تک یہ بڑا عالم ہم میں موجود ہے اس وقت تک ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، چنانچہ آج یہی فتویٰ تمام مسلمانوں کا معمول بہ ہے۔

نامعلوم مسائل میں رائے زنی سے احتراز

ایک طرف تو ان کی قوت اجتہاد وجلالت شان کا یہ حال تھا، لیکن دوسری طرف حزم واحتیاط کا یہ عالم تھا کہ نامعلوم مسائل میں کبھی رائے زنی سے کام نہ لیتے اور اپنے شاگردوں کو ہمیشہ ہدایت فرمایا کرتے کہ جس چیز کو تم نہ جانتے ہو اس کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میری رائے یہ ہے یا میرا خیال یہ ہے بلکہ صاف کہدیا کرو کہ میں نہیں جانتا۔ (اعلام الموقنین)

مسروق جو ان کے خاص تلامذہ میں ہیں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اکثر حسرت وافسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جبکہ علماء باقی نہ رہیں گے اور لوگ ایسے جاہلوں کو سردار بنالیں گے جو تمام امور کو محض اپنی عقل ورائے سے قیاس کریں گے۔ (اعلام الموقنین)

ایک مرتبہ ان کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا لیکن اس میں مہر کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا، اس کے لیے کیا حکم ہے وہ مہر ووراثت کی مستحق ہے یا نہیں؟ چونکہ ان کو اس کے متعلق کوئی واقفیت نہ تھی اس لیے لوگوں کے ضد اور اصرار کے باوجود تقریباً ایک مہینہ تک خاموش رہے، لیکن جب زیادہ مجبور کئے گئے تو بولے میرا فیصلہ یہ ہے کہ وہ مہر مثل اور وراثت کی مستحق ہے اور اس کو عدت میں بیٹھنا چاہئے، پھر فرمایا، اگر یہ صحیح ہے، تو خدا کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہے، اس وقت حاضرین میں دو صحابی حضرت جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسنان رضی اللہ عنہ موجود تھے، انہوں نے اٹھ کر کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے حق میں بھی یہی فیصلہ فرمایا تھا، اس توافق سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی۔ (ابوداود باب فیمن تزوج ولم یسم صداقھا)

فتویٰ سے رجوع کرنا

اگر وہ کبھی کوئی فتویٰ دیتے اور بعد کو اس کے خلاف ثابت ہوجاتا تو فوراً اس سے رجوع کر لیتے، ایک مرتبہ کوفہ میں ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو ہاتھ نہ لگایا ہو تو اس کے بعد اس کی ماں سے نکاح کرسکتا ہے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواز کا فتویٰ دیا، لیکن جب مدینہ آئے اور لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ربیبہ لڑکیوں کے سوا اور تمام صورتوں میں ناجائز ہے، چنانچہ انہوں نے کوفہ واپس آکر براہ راست مستفتی سے ملاقات کی اور اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے فسخ نکاح کا حکم

دیا۔ (موطا امام مالک)

ارباب علم کی قدر شناسی

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ارباب علم وفضل کی نہایت عزت کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کا قول تھا کہ ، اگر تمام عرب کا علم ایک پلہ میں رکھا جائے اور عمر رضی اللہ عنہ کا علم دوسرے پلہ میں تو عمر رضی اللہ عنہ کا پلہ بھاری رہے گا، وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا (استیعاب تذکرہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نسبت فرمایا کرتے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما بہترین ترجمان قرآن ہیں، اگر وہ عہد رسالت میں ہم لوگوں کا سن پاتے تو کوئی ان کی برابری نہ کرسکتا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

علقمہ ان کے شاگرد تھے، انہوں نے محض اپنی ذہانت وکثرت معلومات کے باعث ان کے حلقہ درس میں ممتاز عزت حاصل کرلی تھی، حضرت عبداللہ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ علقمہ کے معلومات سے میرے معلومات زیادہ نہیں ہیں۔

(تہذیب التہذیب)

احترام خلافت

منصب خلافت کا نہایت ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے اور کبھی خلیفہ وقت کا کوئی حکم یا فعل سنت ماضیہ کے خلاف نظر آتا تو عملا اس کی مخالفت نہ فرماتے تھے کہ اس سے امت مرحومہ میں تفریق وانتشار کا اندیشہ تھا، ایک سال حج کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعتیں ادا کیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو متاسف ہوکر بولے، انا للہ وانا الیہ راجعون

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی دو ہی رکعتیں تھیں، اب یہ کیا انقلاب ہے؟ (بخاری) لیکن عملاً انہوں نے چار ہی رکعتیں پڑھیں، لوگوں نے اس پر تعجب ظاہر کیا تو بولے کہ خلافت کا احترام ضروری ہے۔ (مسند اعظم)

درس وتدریس

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں باقاعدہ حدیث، فقہ اور قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے، ان کی درس گاہ میں شاگردوں کا بڑا مجمع رہتا تھا، جن میں سے علقمہ رحمہ اللہ، اسود رحمہ اللہ، مسروق، عبیدہ حارث، قاضی شریح اور ابووائل نہایت نام آور ہوئے خاص کر علقمہ ان کی صحبت میں اس التزام سے رہے تھے اور ان کے طور وطریقہ کے اس قدر پابند تھے کہ لوگوں کا بیان تھا کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا۔

شاگردوں کی ایک جماعت سفر میں بھی عموماً ہمراہ ہوتی تھی، علقمہ اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ اگر خود جانے سے مجبور ہوتے تو اپنے کسی رفیق کو ساتھ کردیتے اور تاکید کرتے کہ ہمیشہ حاضر خدمت رہیں، عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی

اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حج کا قصد کیا علقمہ نے مجھ کو ان کے ہمراہ بھیجا اور تاکید کی کہ ہر وقت حاضر رہوں اور جو کچھ معلومات حاصل ہوں ان سے ان کو مطلع کروں۔ (مسند احمد)

ایک مرتبہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے ان کے وسیع حلقہ درس کو دیکھ کر کہا ابو عبدالرحمٰن کیا آپ کی طرح آپ کے یہ نوجوان شاگرد بھی باقاعدہ قرات کر سکتے ہیں؟ بولے اگر آپ کی خواہش ہو تو کسی کو سنانے کا حکم دوں، حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہیں؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے تقریباً پچاس آیتوں کی ایک سورت پڑھ کر سنائی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت خباب کی طرف دیکھ کر کہا۔ کیا رائے ہے؟ انہوں نے نہایت تعریف کی۔ (بخاری)

اخلاق

سنت نبوی کی پیروی کے شوق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اخلاق وطرز معاشرت میں ایک گونہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم ومحامد کی جھلک پیدا کردی تھی، عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: آپ ہم کو کسی ایسے شخص کا پتہ دیجئے جو خلق وہدایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہو تاکہ ہم اس سے کچھ حاصل کریں، بولے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت، حسن خلق اور طور طریقے کے پابند تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ جانتے ہیں کہ بارگاہ نبوت میں تقرب کے لحاظ سے ابن ام عبد کا درجہ سب سے بلند ہے۔ (جامع ترمذی مناقب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے چند دیرینہ احباب ان سے ملنے آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امتحاناً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کے خیالات دریافت کئے، سب نے بالاتفاق تعریف کی اور کہا امیر المومنین! ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ متقی پرہیزگار، خلیق، نرم دل اور بہتر ہم نشین نہیں دیکھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک میرا بھی یہی خیال ہے، بلکہ تم نے جو کچھ تعریف کی میں ان کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں، انہوں نے قرآن پڑھا، حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا وہ دین کے فقیہ اور سنت کے عالم تھے۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اپنے ایک دوست ابو عمیر سے ملنے گئے، اتفاق سے وہ موجود نہ تھے انہوں نے ان کی بیوی کو سلام کہلا بھیجا اور پینے کے لیے پانی مانگا، گھر میں پانی موجود نہ تھا، ایک لونڈی کسی ہمسایہ کے یہاں سے لانے گئی اور دیر تک واپس نہ آئی، ابو عمیر کی بیوی نے غضبناک ہو کر اس کو سخت وسست کہا اور اس پر لعنت بھیجی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر تشنہ لب واپس چلے آئے دوسرے روز ابو عمیر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس قدر جلد بازی کے ساتھ واپس چلے آنے کی وجہ پوچھی بولے خادمہ نے جب پانی لانے میں دیر کی تو تمہاری بیوی نے اس پر لعنت بھیجی، چونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس پر لعنت بھیجی جاتی ہے اگر وہ بے قصور ہوتا ہے تو بھیجنے والے پر لوٹ آتی ہے، میں نے خیال کیا کہ خادمہ اگر معذور ہوئی تو بے وجہ میں اس لعنت کے واپس آنے کا باعث ہوں گا۔ (بخاری)

ایک بار انہوں نے ایک شخص سے ایک لونڈی خریدی؛ لیکن قیمت بے باق ہونے سے پہلے بائع مفقود الخبر ہوگیا حضرت

عبداللہ نے ایک سال تک اس کو تلاش کیا؛ مگر کچھ پتہ نہ چلا، آخر مایوس ہو کر ایک ایک دو دو درہم کر کے اس کی طرف سے صدقہ کر دیا اور فرمایا اگر وہ واپس آئے گا تو قیمت ادا کروں گا اور یہ صدقہ میری طرف سے ہوگا۔

تمیم بن حرام فرماتے ہیں کہ مجھ کو اکثر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نشینی کا فخر حاصل ہے، لیکن میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو دنیا سے بے نیاز اور آخرت کا طالب نہ دیکھا۔ (اصابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو برس تک ان کا وظیفہ بند کر دیا تھا، وفات کے وقت انہوں نے ان کی اولاد کے لیے جاری کر دینا چاہا؛ لیکن حضرت عبداللہ نے نہایت بے نیازی کے ساتھ انکار کر دیا، بولے، کیا آپ کو میری اولاد کے محتاج و دست نگر ہو جانے کا اندیشہ ہے؟ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھے گا وہ کبھی فاقہ نہ ہوگا۔ (اسد الغابہ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مہمان نوازی کا نہایت شوق تھا، انہوں نے کوفہ میں موضع الرمادہ کا مکان مخصوص طور سے مہمانوں کے لیے خالی کر دیا تھا۔ (تاریخ طبری میں)

مذہبی زندگی

عبیداللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جب کہ تمام دنیا محو راحت ہوتی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھ کر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے، (اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتیں شب قدر کی تلاش میں بسر ہوتی تھیں، ابو عقرب کہتے ہیں کہ میں رمضان میں ایک روز علی الصبح ان کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے فرما رہے ہیں، خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا میں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس روز جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی؛ چنانچہ آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ (مسند احمد)

سارا گھر صبح سویرے بیدار ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتا تھا، خود صبح صادق سے طلوع آفتاب تک تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔

ابو وائل راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ صبح کی نماز پڑھ کر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے دروازہ پر کھڑے ہو کر سلام کیا، اندر آنے کی اجازت ملی؛ لیکن ہم لوگ تھوڑی دیر دروازے پر ٹھہرے رہے، اتنے میں لونڈی نے آ کر کہا آتے کیوں نہیں، ہم لوگ گھر میں گئے تو وہ بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے، کہا اجازت ملنے کے بعد تم لوگوں کو اندر آنے سے کس نے روکا تھا؟ ہم لوگوں نے کہا کسی نے نہیں، خیال ہوا ممکن ہے بعض اہل بیت سو رہے ہوں، کہا ابن ام عبد کی اولاد پر تم نے غفلت کا گمان کیا، اس کے بعد پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے، جب سمجھے کہ آفتاب نکل چکا تو لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا؟ اس نے جا کر دیکھا تو ابھی طلوع نہ ہوا تھا، پھر تسبیح میں مشغول ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر لونڈی سے کہا دیکھو آفتاب طلوع ہوا، اس نے جا کے دیکھا تو طلوع ہو چکا تھا تو پھر یہ دعا پڑھی، اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو آج کے دن معاف کر دیا، مہدی راوی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ بھی کہا

تھا اور ہمارے گناہوں کے بدلے میں ہم کو ہلاک نہیں کیا۔ (مسلم باب ترتیل القراۃ واجتناب الھذ)

نمازیں نہایت کثرت سے پڑھتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل خیر کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا، میں نے کہا پھر کیا ہے؟ فرمایا والدین کے ساتھ نیکوکاری، میں نے کہا پھر؟ حکم ہوا، راہ خدا میں جہاد کرنا، اس کے بعد خاموش ہوگیا، ہاں اگر میں اپنا سوال آگے بڑھاتا تو آپ اس پر کچھ اور اضافہ فرماتے، (بخاری) غرض اس ارشاد کے مطابق وہ فرائض ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ ولید بن عقبہ والی کوفہ کو پہنچنے میں دیر ہوگئی، حضرت عبداللہ نے بغیر توقف وانتظار کے نماز پڑھادی، ولید نے برہم ہو کر کہلا بھیجا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا امیر المومنین کا کوئی حکم ہے یا اپنی ایجاد؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہ تو امیر المومنین کا حکم ہے اور نہ اپنی ایجاد، البتہ خدا کو یہ ناپسند ہے کہ تم اپنے مشاغل میں مصروف رہو اور لوگ نماز میں تمہارے منتظر رہیں۔ (مسند احمد)

رمضان کے علاوہ ہفتہ میں دو دن دوشنبہ اور جمعرات عموماً روزوں کے لیے مخصوص تھے، عاشورے کا روزہ بھی پابندی کے ساتھ رکھتے تھے، باوجود اس کے عبدالرحمن ابن یزید کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی فقیہ کو اس قدر کم روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، چنانچہ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ روزے کیوں نہیں رکھتے؟ بولے میں روزہ پر نماز کو ترجیح دیتا ہوں اگر روزے رکھوں گا تو ضعف کے باعث نماز نہ ہو سکے گی۔ (طبقات ابن سعد قسم اول)

حلیہ

حلیہ یہ تھا، جسم لاغر، قد کوتاہ، رنگ گندم گوں اور سر تا کانوں تک نہایت نرم وخوبصورت زلف، حضرت عبداللہ اس کو اس طرح سنوارتے تھے کہ ایک بال بھی بکھرنے نہیں پاتا تھا۔ ٹانگیں نہایت پتلی تھیں، حضرت عبداللہ ہمیشہ ان کو چھپائے رکھتے تھے ایک مرتبہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسواک توڑنے کے خیال سے پیلو کے درخت پر چڑھے تو ان کی پتلی ٹانگیں دیکھ کر لوگوں کو بے اختیار ہنسی آگئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان کی پتلی ٹانگوں پر ہنستے ہو؛ حالانکہ یہ قیامت کے روز میزان عدل میں کوہ احد سے بھی زیادہ بھاری ہوں گی۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو امیر بنانے کا بیان

137 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ مُسْتَخْلِفًا أَحَدًا عَنْ غَيْرِ مَشْوَرَةٍ لَاسْتَخْلَفْتُ ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ

◆◆ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: اگر میں نے مشورہ لئے بغیر کسی کو خلیفہ (امیر) مقرر کرنا ہوتا تو ابن اُم عبد (یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کو خلیفہ (امیر) مقرر کر دیتا۔

---

137 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3808' ورقم الحدیث: 3809

مشاورت کی اہمیت کا بیان

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس قوم نے مشاورت کی، اللہ تعالیٰ ان کی موجودہ سے بھی زیادہ افضل کی طرف رہ نمائی فرماتا ہے ایک مرتبہ فرمایا اللہ تعالیٰ ان کو حق کی ہدایت دیتا ہے، اور جو چیز نفع بخش ہے اس کی طرف رہ نمائی کرتا ہے۔ کسی عقل مند نے کہا ہے کہ میں کبھی خطا نہیں کرتا، جب کوئی معاملہ مجھے درپیش ہوتا ہے تو میں اپنی قوم سے مشورے کے لئے سامنے رکھ دیتا ہوں، اور اس سلسلے میں ان کی جو رائے ہوتی ہے اس کے مطابق عمل کرتا ہوں، اگر معاملہ درست رہتا ہے تو گویا سب کی رائے صحیح ہوتی ہے، اور غلط ہوتا ہے تو گویا سب غلطی پر ہوتے ہیں تنہا مجھ پر خطا و صواب کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اہم معاملات میں امانت دار اہل علم سے مشورہ کرلیا کرتے تھے، ہاں اگر کتاب وسنت میں کوئی وضاحت مل جاتی تو پھر مشورے کی ضرورت محسوس نہ فرماتے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ بھی مشورے کی تھی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ: ما رائیت احدا اکثر مشورۃ لاصحابہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(سنن کبریٰ بیہقی، ۱۸۵۸۷)

138 - حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ بَشَّرَاهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّقْرَاَ الْقُرْاٰنَ غَضًّا كَمَا اُنْزِلَ فَلْيَقْرَاْهُ عَلٰى قِرَاءَةِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ

◄◄ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ خوشخبری دی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جو شخص یہ بات پسند کرتا ہو کہ وہ قرآن کو بالکل اسی طریقے سے پڑھے جس طرح وہ نازل ہوا ہے' تو اسے ابن اُمّ عبد (یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق) تلاوت کرنا چاہئے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور شرف صحابیت کا بیان

139 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْنُكَ عَلَيَّ اَنْ تَرْفَعَ الْحِجَابَ وَاَنْ تَسْمَعَ سِوَادِيْ حَتّٰى اَنْهَاكَ

◄◄ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے مجھ سے یہ فرمایا تمہارے لیے میری طرف سے یہ اجازت ہے کہ تم پردہ اٹھا کر (اندر آسکتے ہو) اور میری راز کی بات سن سکتے ہو لیکن یہ اجازت اس وقت تک ہے جب تک میں تمہیں منع نہیں کردیتا۔

138: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 593

139 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 5631' ورقم الحدیث: 5632

شرح

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی یمن سے مدینہ منورہ آئے تو یہاں در نبوت پر ایک عرصہ مقیم رہے، اس دوران ہم نے ہمیشہ یہی خیال کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے ایک آدمی ہیں، کیونکہ ہم ان کو اور ان کی والدہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بے وقت آتے جاتے دیکھا کرتے تھے۔"

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم، رقم الحدیث 847)

ایک روایت میں آیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کہا تھا کہ اگر ایک آدمی میرے پاس دیکھو تو اجازت طلب کئے بغیر آجایا کرو اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یوں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمارکھا تھا کہ جب پردہ نہ پڑا ہوا ہو اور تم میری آواز سنو تو بس یہی تمہارے لئے اجازت ہے، جب تک میں تمہیں منع نہ کروں اجازت طلب کئے بغیر آیا جایا کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی، ہذلی ہیں۔ صاحب السواد والسواک کے لقب سے مشہور تھے ان کو ابتدائے دعوت ہی میں قبول اسلام کی توفیق نصیب ہوگئی تھی چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں منتقل ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہوگئے تھے۔ اس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ چھٹے مسلمان ہیں، ان سے پہلے صرف پانچ آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس رکھ لیا تھا اور اپنی متعدد خدمتیں ان کے سپرد کردی تھیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک انہی کے پاس رہا کرتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتی پہنایا کرتے تھے۔ سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طہارت ووضو وغیرہ کا پانی رکھتے تھے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرماتے تو یہ پردہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حبشہ کو بھی ہجرت کی تھی اور پھر مدینہ کی بھی ہجرت کی بدر اور دوسرے غزوات ومشاہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی۔ اور فرمایا تھا میں اپنی امت کے لئے وہ چیز پسند کرتا ہوں جو ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) کو پسند ہے اور میں اپنی امت کے حق میں اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جو ام عبد کو ناپسند ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گندم گوں تھے۔ اور ان کا جسم اس قدر دبلا نحیف اور قد اتنا چھوٹا تھا کہ بیٹھا ہوا لانبا آدمی ان کے برابر نظر آتا تھا۔ ابتدائی عہد تک اسی منصب پر فائز رہے۔ پھر مدینہ آگئے تھے۔ اور مدینہ ہی میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر کچھ اوپر ساٹھ سال تھی ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں صحابہ وتابعین کی ایک بڑی جماعت کے علاوہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ ہمارے ائمہ کا کہنا ہے کہ خلفائے اربعہ کے استثناء کے بعد تمام صحابہ میں سب سے بڑے فقیہہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

بَابُ: فَضْلِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

یہ باب حضرت عباس بن عبدالمطلب کی فضیلت کے بیان میں ہے

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے احوال کا بیان

نام ونسب: عباس نام، ابوالفضل کنیت، والد کا نام عبدالمطلب اور والدہ کا نام نتیلہ تھا شجرہ نسب یہ ہے۔ عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف الہاشمی القرشی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، لیکن عمر میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا، غالباً حضرت عباس رضی اللہ عنہ دو یا تین برس آپ سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ (استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلب)

ابتدائی حالات

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عہد طفولیت میں ایک مرتبہ گم ہو گئے تھے، ان کی والدہ نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانے کی نذر مانی، چنانچہ ان کے صحیح وسلامت مل جانے کے بعد نہایت تزک واحتشام کے ساتھ یہ نذر پوری کی گئی، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلی عرب خاتون تھی، جنہوں نے ایام جاہلیت میں خانہ کعبہ کو دیبا وحریر سے مزین کیا۔ (اسد الغابہ)

زمانہ جاہلیت میں وہ قریش کے ایک سربرآوردہ رئیس تھے، خانہ کعبہ کا اہتمام وانصرام اور لوگوں کو پانی پلانے کا عہدہ ان کو اپنے والد عبدالمطلب سے وراثت میں ملا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت عطا ہوا اور آپ نے مکہ میں علانیہ دعوتِ توحید کی صدا بلند فرمائی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے گو بظاہر ایک عرصہ تک بیعت کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا، تاہم دل سے وہ اس تحریک کے حامی تھے، چنانچہ اہل یثرب نے جب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور زمانہ حج میں بہتر ( ) انصار نے کفار سے چھپ کر منیٰ کی ایک گھاٹی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس رازداری کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، انہوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا گروہ خزرج تم کو معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان میں معزز ومحترم رہے ہیں اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہم نے ہمیشہ ان کی حفاظت کی ہے، اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو۔ (سیرت ابن ہشام جلد اول) انصار رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں جان نثاری ووفاشعاری کی حامی بھری اور اس کے کچھ عرصہ کے بعد ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

جنگ بدر

مشرکین قریش کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ معرکہ بدر میں شریک ہوئے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت حال سے آگاہ تھے، آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہدایت فرمائی کہ اگر اثنائے جنگ میں ابوالبختری عباس اور دوسرے بنی ہاشم سامنے

آجائیں تو قتل نہ کیے جائیں، کیونکہ وہ زبردستی میدان میں لائے گئے ہیں، حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ، بیٹے، بھائی سے درگذر نہیں کرتے تو بنی ہاشم میں کیا خصوصیت ہے، واللہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیں گے تو میں ان کو تلوار کی لگام دوں گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا ابوحفص دیکھتے ہو، عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اجازت دیجئے کہ اس کا سر اڑادوں؛ لیکن حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ صحابی تھے، یہ جملہ اتفاقاً زبان سے نکل گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مواخذہ نہ فرمایا۔ (ابن اسعد قسم اول جزو)

اس جنگ میں دوسرے مشرکین قریش کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ عقیل رضی اللہ عنہ اور نوفل بن حارث بھی گرفتار ہوئے تھے، اتفاق سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مشکیں اس قدر کس کر باندھی گئی تھیں کہ وہ دردناک آواز کے ساتھ کراہ رہے تھے، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کراہ سن کر رات کو آرام نہ فرماسکے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کی مشکیں ڈھیلی کردیں۔ (ابن سعد قسم اول جزو)

اسیران جنگ کے پاس کپڑے نہ تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو کپڑے دلوائے لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتا ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا، عبداللہ بن ابی جو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہم قد تھا، اپنا کرتہ منگوا کردیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق ہونے کے باوجود مرنے کے بعد اس کی لاش کو اپنا کرتہ پہنانے کے لیے دیا، وہ درحقیقت اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

دربار رسالت نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، چونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ انصار کے ایک قبیلہ خزرج سے تھیں اس لیے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ عباس رضی اللہ عنہ ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا اور دولت مند ہونے کے باعث ان سے ایک بڑی رقم طلب فرمائی (بخاری جلد) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ناداری کا عذر پیش کرکے کہا میں دل سے پہلے ہی مسلمان ہوچکا تھا، مشرکین نے مجھ کو جبراً اس جنگ میں شریک کیا، ارشاد ہوا کہ دل کا حال خدا جانتا ہے، اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہے تو خدا اس کا اجر دے گا، لیکن ظاہری حالت کے لحاظ سے کوئی رعایت نہیں ہوسکتی، ناداری کا عذر بھی قابل تسلیم نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ مکہ میں ام الفضل کے پاس ایک بڑی رقم رکھ آئے ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے متعجب ہوکر کہا خدا کی قسم اس رقم کا حال میرے اور ام الفضل کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، بے شک آپ رسول خدا ہیں اور اپنی طرف سے نیز اپنے بھتیجے عقیل و نوفل بن حارث کی طرف سے گرانقدر فدیہ دے کر مخلصی حاصل کی۔ (مسند)

تاخیر اسلام اور قیام مکہ کی غایت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایک عرصہ تک مکہ میں مقیم رہنا اور علانیہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہونا درحقیقت ایک مصلحت پر مبنی تھا، وہ کفار مکہ کی نقل و حرکت اور ان کے رازہائے سربستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیتے تھے، نیز اس سرزمین کفر میں جو ضعفائے اسلام رہ گئے تھے ان کے لیے تنہا مامن و ملجا تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جب کبھی رسالت پناہ صلی

وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ نے باز رکھا اور فرمایا کہ " آپ کا مکہ میں مقیم رہنا بہتر ہے، خدا نے جس طرح مجھ پر نبوت ختم کی ہے، اسی طرح آپ پر ہجرت ختم کرے گا۔(اسد الغابہ)

گوحضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرصہ تک اپنے ایمان وعقیدہ کو مشرکین قریش سے مخفی رکھا؛ تاہم وہ اپنے دلی رجحان کو چھپا نہ سکے، ایک مرتبہ حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مکہ آئے اس زمانہ میں جنگ خیبر در پیش تھی، اور اہل مکہ نہایت بے چینی کے ساتھ اس کے نتیجہ پر آنکھیں لگائے ہوئے تھے، لوگوں نے ان کو مدینہ کی طرف سے آتے ہوئے دیکھ کر گھیر لیا اور جنگ کی خبر پوچھی بولے، خیبر کی جنگ میں مسلمانوں کو نہایت عبرت ناک شکست ملی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم گرفتار ہوئے اور ان کے اکثر جان نثار قتل کیے گئے ہیں، اپنا مال لینے آیا ہوں کہ دوسرے تاجروں کو خبر نہ ہونے سے پہلے اہل خیبر سے تمام مال غنیمت خرید لوں۔

اس خبر سے یکا یک تمام مکہ میں خوشی ومسرت کی لہر دوڑ گئی وادی بطحاء کا ہر بچہ بادہ انبساط سے مخمور ہو گیا، گھر گھر خوشی کے ترانے گائے جانے لگے، لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا گھر ماتم کدہ تھا، وہ افسردہ دل اور مغموم صورت حجاج علاط رضی اللہ عنہ سے تخلیہ میں ملے اور پوچھا، حجاج! کیا یہ خبر صحیح ہے بولے نہیں خدا کی قسم آپ کے لیے نہایت خوش آیند خبر ہے، خدا نے آپ کے بھتیجے کو خیبر پر کامل فتح عطا فرمائی، اکثر روسائے خیبر قتل کیے گئے ان کا تمام مال واسباب مجاہدین اسلام کے ہاتھ آیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں چھوڑا کہ خیبر کی شہزادی داخل حرم ہو رہی تھی، میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور یہاں صرف اس لیے آیا ہوں کہ بلطائف الحیل اپنا مال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں، آپ میرے جانے کے بعد تین دن تک اس خبر کو پوشیدہ رکھیں، کیونکہ مجھے تعاقب کا خوف ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مسرت وانبساط کی کوئی انتہا نہ رہی وہ بمشکل تین دن تک اس کو چھپا سکے اور چوتھے روز نہا دھو کر اور بیش قیمت کپڑے زیب بدن کر کے ہاتھ میں عصا لیے ہوئے خانہ کعبہ آئے اور طواف کرنے لگے، لوگوں نے چھیڑ کر کہا خدا قسم! یہ مصیبت پر اظہار صبر ہے بولے قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھائی ہرگز نہیں! بالکل غلط ہے، خیبر فتح ہو گیا اور اس کا ایک ایک چپہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے تصرف میں ہے۔

لوگوں نے تعجب سے پوچھا یہ خبر کہاں سے آئی؟ فرمایا حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ نے بیان کیا جو اسلام قبول کر چکے ہیں اور یہاں محض اپنا مال لینے آئے تھے، اس حقیقت نے مشرکین مکہ کی تمام مسرت خاک میں ملا دی اور وہ ایک فریب خوردہ دشمن کی طرح دانت پیسنے لگے۔(اسد الغابہ تذکرہ حجاج بن علاط)

اسلام وہجرت

فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہجرت کی اجازت مل گئی، چنانچہ وہ مع اہل وعیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علانیہ بیعت کر کے مستقل طور سے مدینہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

غزوات

مکہ کی فوج کشی میں شریک تھے، حنین کی جنگ میں حضرت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور رہوار رسالت کی باگ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے فرماتے ہیں کہ اثنائے جنگ میں جب کفار کا غلبہ ہوا اور مسلمانوں کے منہ پھر گئے، تو ارشاد ہوا، عباس رضی اللہ عنہ! نیزہ برداروں کو آواز دو، فطرۃ میری آواز نہایت بلند تھی، میں نے این اصحاب السمرہ؟ کا نعرہ مارا تو سب کے سب یکا یک پلٹ پڑے اور مسلمانوں کا بگڑا ہوا کھیل بن گیا، (مسند) محاصرہ طائف، غزوہ تبوک اور حجۃ الوداع میں بھی شریک تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

حجۃ الوداع سے واپس آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، مرض روز بڑھتا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے بنی ہاشم تیمارداری کی خدمت انجام دیتے تھے، وفات کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر نکلے لوگوں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج کیسا ہے؟ چونکہ بظاہر حالت سنبھل گئی تھی، اس لیے انہوں نے کہا کہ خدا کے فضل سے اب اچھے ہیں؛ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ خاندانِ ہاشم کا دیرینہ تجربہ رکھتے تھے، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: تمہارا کہاں خیال ہے؟ خدا کی قسم تین دن کے بعد تم غلامی کرو گے میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے؛ کیونکہ میں خاندانِ عبدالمطلب کے چہروں سے موت کا اندازہ کرسکتا ہوں، "تو چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد منصب خلافت کس کو حاصل ہوگا، اگر ہم مستحق ہیں تو معلوم ہو جائے گا، ورنہ عرض کریں گے کہ ہمارے لیے وصیت فرماجائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم میں نہ پوچھوں گا، اگر پوچھنے پر آپ نے انکار کردیا تو پھر آئندہ ہمیشہ کے لیے اس سے محروم ہو جاوں گا، (بخاری) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انکار سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی جرات نہ ہوئی۔

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز وفات پائی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے بنو ہاشم کی مدد سے تجہیز وتکفین کی خدمت انجام دی، چونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم تھے، خاندانِ ہاشم میں سب سے معمر تھے، اس لیے تعزیت و ماتم پرسی کے خیال سے لوگ ان ہی کے پاس آئے۔ (استیعاب تذکرہ عباس بن عبدالمطلب)

بارگاہِ نبوت میں اعزاز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عم محترم کی نہایت تعظیم وتوقیر فرماتے تھے اور ان کی معمولی اذیت سے بھی آپ کو تکلیف ہوتی تھی، ایک مرتبہ انہوں نے بارگاہِ نبوت میں شکایت کی کہ قریش جب باہم ملتے ہیں تو ان کے چہروں پر تازگی و شگفتگی برستی ہے، لیکن جب ہم سے ملتے ہیں تو بشاشت کے بجائے برہمی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنکر غضبناک ہوئے اور فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو شخص خدا اور رسول کے لیے تم لوگوں سے محبت نہ کرے گا اس

کے دل میں نورِ ایمان نہ ہوگا، (جامع ترمذی مناقب حضرت عباس رضی اللہ عنہ و مسند) چچا باپ کا قائم مقام ہے۔
ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ کے محصل مقرر ہوئے، انہوں نے حسب قاعدہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی رقم طلب کی، انہوں نے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے تقاضا کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر صورت عرض کیا، آپ نے فرمایا تم عباس رضی اللہ عنہ سے کیا چاہتے ہو، بدر کے فدیہ میں تم ان سے بہت کچھ لے چکے، عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور چچا باپ ہی کا قائم مقام ہے۔ (جامع ترمذی وغیرہ مناقب عباس رضی اللہ عنہ)

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی عزت و احترام کا مخصوص لحاظ رکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگر کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر ان کی طرف سے گذرتے تو تعظیماً اتر پڑتے، اور فرماتے کہ "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم ہیں۔ (استیعاب تذکرہ عباس رضی اللہ عنہ)
حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرتے تھے، اور قحط و خشک سالی کے موقعوں پر ان سے دعائیں کراتے تھے، قحط عام الرمادہ کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا خدایا! پہلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑ کر حاضر ہوتے تھے اور اب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کا وسیلہ لے کر آئے ہیں ان کے طفیل میں ہم کو سیراب کر، ان کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا تو یکا یک صاف و شفاف آسمان پر ابر نمودار ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں بارانِ رحمت سے تمام کوہ و بیابان جل تھل ہو گئے، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے۔
امام کے دعا مانگنے پر بھی خشک سالی بڑھتی گئی لیکن عباس کی شرافت کے طفیل میں ابر نے سیراب کر دیا
وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپ کے والد کے حقیقی بھائی ہیں انہوں نے تمام لوگوں کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت پائی۔
ان کے طفیل میں خدا نے ملک کو زندہ کر دیا اور ناامیدی کے بعد پھر تمام میدان سرسبز ہو گئے۔
چونکہ یہ بارش نہایت غیر متوقع تھی، اس لیے لوگ فرطِ مسرت سے ان کے ہاتھ پاؤں چوم چوم کر کہتے تھے "ساقی حرمین! مبارک ہو ساقی حرمین! مبارک ہو۔ (استیعاب تذکرہ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ)

وفات

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اٹھاسی برس کی عمر پا کر ۳۲ھ میں بماہ رجب یا رمضان، جمعہ کے روز رہگزین عالم جاوداں ہوئے، خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قبر میں اتر کر سپرد خاک کیا۔ (استیعاب تذکرہ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ)

اخلاق

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت فیاض، مہمان نواز اور رحم دل تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مقام بقیع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھ کر فرمایا یہ عباس رضی اللہ عنہ عم رسول ہیں، یہ قریش میں سب سے زیادہ کشادہ دستی اور اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں۔(اسد الغابہ)

دل نہایت نرم تھا دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا، یہی وجہ ہے کہ ان کی دعاؤں میں خاص اثر ہوتا تھا۔

تمول وذریعہ معاش

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایام جاہلیت میں نہایت متمول تھے، چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا تھا جو دوسرے قیدیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھا۔(مسند)

تجارت ذریعہ معاش تھی، ساتھ ہی وہ سودی لین دین بھی کرتے تھے، لوگوں کو سود پر قرض دیتے تھے، یہ سلسلہ فتح مکہ تک قائم رہا، حجۃ الوداع کے موقع پر محرم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنا مشہور آخری خطبہ دیا تو اس میں فرمایا، آج سے عرب کے تمام سودی کاروبار بند کیے گئے اور سب سے پہلا سودی کاروبار جس کو میں بند کرتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا ہے۔(صحیح مسلم وابوداود)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کے خمس اور فدک کی آمدنی سے بھی ان کی اعانت فرماتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلیفہ اول سے فدک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری متروکہ جائیداد میں وراثت کا مطالبہ کیا لیکن "لانورث ماترکنا صدقۃ" کی حدیث سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں باغ فدک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دیا تھا، لیکن وہ دونوں باہمی اتفاق سے اس کا انتظام قائم نہ رکھ سکے اور بارگاہ خلافت میں تقسیم کر دینے کی درخواست پیش کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ محض گذارہ کے لیے دیا گیا ہے اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں ہو سکتا۔

(بخاری باب غزوہ خیبر)

حلیہ

حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، چہرہ خوبصورت، رنگ سفید اور جلد نہایت نازک۔

ازواج واولاد

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثرت سے اولادیں ہوئیں، سب سے پہلی بیوی لبابہ بنت حارث تھیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں۔

فضل، عبداللہ، عبیداللہ، عبدالرحمٰن، قثم، معبدام حبیبہ، ام ولد سے یہ اولادیں ہوئیں۔ کثیر، تمام، صفیہ، امیمہ، تیسری بیوی حجیلہ تھیں، ان کے بطن سے حارث تھے۔ (طبقات ابن سعد)

اہل بیت سے محبت کرنے کے حکم کا بیان

140- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي سَبْرَةَ النَّخَعِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ كُنَّا نَلْقَى النَّفَرَ مِنْ قُرَيْشٍ وَهُمْ يَتَحَدَّثُونَ فَيَقْطَعُونَ حَدِيثَهُمْ فَذَكَرْنَا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَحَدَّثُونَ فَإِذَا رَأَوُا الرَّجُلَ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي قَطَعُوا حَدِيثَهُمْ وَاللّٰهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْإِيمَانُ حَتّٰى يُحِبَّهُمْ لِلّٰهِ وَلِقَرَابَتِهِمْ مِنِّي

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ ہم قریش سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگوں کے پاس آئے وہ پہلے بات چیت کر رہے تھے (ہمیں دیکھ کر) انہوں نے اپنی بات چیت منقطع کر دی' ہم نے اس بات کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے کیا' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے وہ آپس میں بات چیت کر رہے ہوتے ہیں پھر جب وہ میرے اہل بیت میں سے کسی شخص کو دیکھتے ہیں' تو بات چیت کو منقطع کر دیتے ہیں' اللہ کی قسم! کسی بھی شخص کے دل میں ایمان اس وقت تک داخل نہیں ہو گا' جب تک وہ ان اہل بیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور ان کے ساتھ میری رشتے داری کی وجہ سے ان سے محبت نہیں کرے گا''۔

اولاد عباس رضی اللہ عنہ کیلئے نبی کریم ﷺ کی دعا کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے والد) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پیر کے دن صبح کے وقت تم اپنی اولاد کو لے کر آنا تاکہ میں تمہارے لئے دعا کروں جس کے سبب اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری اولاد کو نفع پہنچائے چنانچہ (جب پیر کا دن آیا تو) صبح کے وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ ہم سب (ان کی اولاد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک ہم سب کو اڑھائی اور پھر یوں دعا فرمائی خداوندا! عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی اولاد کو بخش دے۔

اور ظاہر و باطن کی ایسی بخشش عطا فرما جو کوئی گناہ باقی نہ چھوڑے۔ الٰہی! عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی اولاد میں قائم و محفوظ رکھو۔ "ترمذی اور رزین نے اس دعاء کے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ امارت و بادشاہی کو ان کی اولاد میں باقی رکھ " ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوۃ شریف جلد پنجم: رقم الحدیث، 796)

اپنی چادر مبارک ہم سب کو اڑھائی "یہ اس بات سے کنایہ تھا کہ جس طرح میں نے ان سب پر یہ چادر پھیلائی ہے اس طرح

---

140 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا سایہ ان سب پر پھیلائے۔" عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی اولاد میں قائم و محفوظ رکھ "یعنی اے اللہ! تو عباس رضی اللہ عنہ کو عزت و شوکت عطا فرما اور ان کو تمام آفات و بلیات سے محفوظ رکھ تا کہ یہ اپنے اولاد کے حقوق و مفادکا تحفظ کر سکیں۔" امارت و بادشاہی کو ان کی اولاد میں باقی رکھ یعنی طویل مدت تک اولاد عباس رضی اللہ عنہ کو تخت حکمرانی اور سیادت وثروت سے نوازے رکھ چنانچہ یہ دعا مقبول ہوئی کہ وہ زمانہ آیا جب کئی صدیوں تک خلافت و حکمرانی کا اعزاز عباسیوں میں رہا یا یہ دعائیہ الفاظ دراصل امت کے لئے ایک ہدایت تھی کہ خلافت و امارت کا استحقاق اولاد عباس رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہے۔ خلیفہ وامیر منتخب کرتے وقت ان کے ترجیح استحقاق کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی منفرد شان کا بیان

141- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ الضَّحَّاكِ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَنِي خَلِيْلًا كَمَا اتَّخَذَ إِبْرٰهِيمَ خَلِيْلًا فَمَنْزِلِي وَمَنْزِلُ إِبْرٰهِيمَ فِي الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُجَاهَيْنِ وَالْعَبَّاسُ بَيْنَنَا مُؤْمِنٌ بَيْنَ خَلِيْلَيْنِ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے' جس طرح اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا' تو قیامت کے دن جنت میں میرے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ٹھہرنے کی جگہ آمنے سامنے ہوگی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہمارے درمیان میں ہوں گے جس طرح دو دوستوں کے درمیان ایک مومن ہوتا ہے"۔

شرح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عباس مجھ سے ہیں اور میں عباس سے ہوں۔" (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: رقم الحدیث، 795)

عباس مجھ سے ہیں "یعنی میرے خاص قرابتیوں میں سے ہیں یا یہ کہ میرے اہل بیت میں سے ہیں علماء لکھتے ہیں کہ فضل و شرف اور نبوت کے اعتبار سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اصل ہے جب کہ نسب اور چچا ہونے کے اعتبار سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اصل ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ مذکورہ ارشاد گرامی دراصل کمال محبت و تعلق، یک جہتی و یگانگت اور اخلاص و اختلاط سے کنایہ ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی فرمایا تھا کہ (اے علی) میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں ان کی ولادت واقعہ فیل سے ایک سال قبل ہوئی ان کی والدہ قبیلہ نمر بن قاسط سے تعلق رکھتی تھیں اور وہ پہلی عرب خاتون ہیں جس نے کعبہ اقدس پر حریر و دیباج اور نوع بہ نوع قیمتی کپڑوں کا غلاف چڑھایا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بچپن میں کہیں گم ہو گئے تھے اور تلاش بسیار کے بعد

141 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ہاتھ نہیں لگے تو ان کی والدہ نے منت مانی کہ اگر میرا بیٹا مل جائے گا تو میں بیت الحرام پر غلاف چڑھاؤں گی۔
چنانچہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سراغ لگ گیا اور وہ گھر آ گئے تو ان کی والدہ نے بڑے اہتمام کے ساتھ منت پوری کی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں بھی مکہ اور قریش میں زبردست اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ اور ایک بڑے سردار تسلیم کیے جاتے تھے۔ "عمارة" اور سقایہ "کے اہم مناصب ان کے سپرد تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال بڑے تھے اور چچا ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر معمولی ادب احترام کرتے تھے منقول ہے کہ ایک دن کسی نے ان سے سوال کیا انت اکبر او النبی صلی اللہ علیہ وسلم (آپ بڑے ہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو انہوں نے جواب دیا ہو اکبر وانا اسن (بڑے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں ہاں عمر میری زیادہ ہے) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسلام تو بہت پہلے قبول کر لیا تھا لیکن بعض مصالح کے تحت اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرتے تھے چنانچہ جنگ بدر میں وہ بڑی کراہت کے ساتھ اور مجبوری کے تحت مشرکین مکہ کے ساتھ شریک تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین اسلام سے فرما دیا تھا کہ جس شخص کا سامنا عباس رضی اللہ عنہ سے ہو جائے وہ ان کو قتل نہ کرے کیونکہ وہ مجبوراً اس جنگ میں مشرکین مکہ کی طرف سے شریک ہیں جنگ کے خاتمہ پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی قیدیوں میں شامل ہوئے اور ابوالیسیر بن کعب بن عمر نے ان کو قید کیا۔
پھر انہوں نے فدیہ (مالی معاوضہ) ادا کر کے رہائی حاصل کی اور مکہ واپس آ گئے بعد میں وہاں سے باقاعدہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے ۳۶ھ میں ۱۲ رجب جمعہ کے دن ان کی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر ۸۸ سال کی تھی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت کے ستر غلام آزاد کیے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرنے کا بیان

ہلاکت کے سال عام الرمادہ میں جب انسان و حیوان اور نباتات و جمادات سخت قحط کا شکار ہو گئے تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھلی فضا میں مسلمانوں کے ساتھ نماز استسقا پڑھنے اور اللہ رحیم و کریم سے باران رحمت کے لیے گڑگڑا کر دعا کرنے کے لیے باہر نکلے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مقام پر کھڑے ہو گئے اور اپنے دائیں ہاتھ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا دایاں ہاتھ تھام کر آسمان کی طرف بلند کر کے دعا گو ہوئے: اے اللہ! پہلے ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے بارش کی دعا کرتے تھے اور اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے۔ اللہ! آج ہم تیرے نبی ﷺ کے چچا کی وساطت سے بارش طلب کرتے ہیں، اللہ! ہم پر بارش برسا! مسلمان ابھی یہاں سے ہل نہیں پائے تھے کی بارش آ گئی اور اس قدر برسی کہ چہروں پر تازگی کی لہر دوڑا دی، ہر طرف پانی پانی کر دیا اور زمین کو سرسبز و شاداب کر ڈالا۔ صحابہ رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ان سے بغل گیر ہونے لگے، ان کی پیشانی کے بوسے لینے لگے اور یہ کہتے ہوئے ان کو بابرکت قرار دینے لگے کہ: اے (اہل) حرمین کی پیاس بجھانے والے شکریہ!
قارئین کرام یہ ساقی الحرمین کون ہے؟ یعنی یہ شخص کون ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے حضور بطور وسیلہ پیش کر رہے ہیں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی وہ جن کا تقویٰ و سبقت اور مقام و مرتبت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے ہاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔

بَابُ: فَضَائِلِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ اِبْنَيْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

باب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادوں امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ہے

حضرات حسنین کریمین کے فضائل میں احادیث کا بیان

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوصال کے دوران آپ کی خدمت میں لائیں اور عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! انہیں اپنی وراثت میں سے کچھ عطا فرمائیں۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، حسن میری ہیبت اور سرداری کا وارث ہے اور حسین میری جرأت اور سخاوت کا وارث ہے۔ (طبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور فرمایا، اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت رکھ۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں پکڑ کر اپنی ایک ران پر بٹھا لیتے اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو دوسری رانِ مبارک پر۔ پھر یہ کہتے، اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرما کیونکہ میں بھی ان پر مہربانی کرتا ہوں۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں یعنی حسن و حسین سے بھی محبت کرے۔ (فضائل الصحابہ للنسائی، صحیح ابن خزیمہ، مجمع الزوائد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر اٹھایا ہوا تھا تو ایک آدمی نے کہا، اے لڑکے! کیا خوب سواری پر سوار ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سوار بھی تو بہت خوب ہے۔ (ترمذی)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حسن و حسین کو آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک کندھوں پر سوار دیکھا تو اُن سے کہا: آپ کی سواری کتنی اچھی ہے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یہ بھی تو دیکھو کہ سوار کتنے اچھے ہیں۔ (مسند بزار، مجمع الزوائد)

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز عصر پڑھی پھر باہر نکلے اور ان کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا تو اسے اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور فرمایا، میرا باپ قربان! تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت رکھتے ہو اور علی سے مشابہت نہیں رکھتے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنس رہے تھے۔ (بخاری)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، حسن اور حسین دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی، مسند احمد، صحیح ابن حبان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، حسن اور حسین دونوں دنیا میں سے میرے دو پھول ہیں۔ (ترمذی، مسند احمد، صحیح ابن حبان)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات میں کسی کام سے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آقا دمولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے۔ آپ نے چادر میں کوئی چیز لی ہوئی تھی اور مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ وہ چیز کیا ہے۔ جب میں اپنے کام سے فارغ ہوگیا تو عرض گزار ہوا، میرے آقا! آپ نے کس چیز پر چادر لپیٹی ہوئی ہے؟ آپ نے چادر ہٹائی تو دیکھا کہ آپ کی دونوں رانوں پر حسن اور حسین موجود ہیں۔ فرمایا، یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں پس تو بھی ان سے محبت رکھ اور اُن سے بھی محبت رکھ جو ان دونوں سے محبت رکھیں۔

(ترمذی، صحیح ابن حبان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اپنے اہل بیت سے آپ کو سب سے پیارا کون ہے؟ فرمایا، حسن اور حسین۔ آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے، میرے دونوں بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ۔ پھر آپ دونوں کو سونگھا کرتے اور انہیں اپنے ساتھ لپٹالیا کرتے۔ (ترمذی، مسند ابو یعلیٰ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ اس دوران حسن اور حسین آگئے۔ ان کے اوپر سرخ قمیصیں تھیں اور وہ گرتے پڑتے چلے آرہے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے، دونوں کو اٹھایا اور سامنے بٹھالیا۔ پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے، انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ "بیشک تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں"۔ (۲۸:۸) میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ گرتے پڑتے آرہے ہیں تو میں صبر نہ کرسکا اور اپنی بات چھوڑ کر ان دونوں کو اٹھالیا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آقا دمولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین کے لیے (خاص طور پر) کلماتِ تعوذ کے ساتھ دَم فرماتے۔ آپ نے یہ ارشاد فرمایا، تمہارے جدِ امجد یعنی ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے صاحبزادوں اسماعیل واسحاق علیہم السلام کے لیے اِن کلمات کے ساتھ دَم کرتے تھے۔

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ ۔ "میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ذریعے ہر شیطان اور بلا سے اور ہر نظرِ بد سے پناہ مانگتا ہوں"۔ (بخاری، ابن ماجہ)

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرتا ہے۔ حسین میری اولاد میں سے ایک فرزند ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا دمولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جس نے حسن اور حسین سے محبت کی، اس نے درحقیقت مجھ ہی سے محبت کی۔ اور جس نے حسن اور حسین سے بغض رکھا، اس نے درحقیقت مجھ ہی سے بغض رکھا۔

(ابن ماجہ، فضائل الصحابہ للنسائی، طبرانی فی الکبیر)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، جس نے حسن اور حسین سے محبت کی، اُس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی، اُس سے اللہ تعالیٰ نے محبت کی اور جس سے اللہ نے محبت کی، اُس نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔ اور جس نے حسن اور حسین سے بغض رکھا، اُس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہو گیا اور جو اللہ کے نزدیک مبغوض ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے آگ میں داخل کر دیا۔

(المستدرک للحاکم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن اور حسین کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، جس نے مجھ سے اور ان دونوں سے محبت کی اور ان کے والد اور ان کی والدہ سے محبت کی، وہ قیامت میں میرے ساتھ ہوگا۔

(مسند احمد، طبرانی فی الکبیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا، جو تم سے لڑے گا میں اُس سے لڑوں گا اور جو تم سے صلح کرے گا میں اس سے صلح کروں گا یعنی جو تمہارا دوست ہے وہ میرا بھی دوست ہے۔ (مسند احمد، المستدرک للحاکم، طبرانی فی الکبیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء ادا کر رہے تھے۔ جب آپ سجدے میں گئے تو حسن اور حسین آپ کی پشت مبارک پر سوار ہو گئے۔ جب آپ نے سجدے سے سر اٹھایا تو دونوں شہزادوں کو اپنے پیچھے سے نرمی کے ساتھ پکڑ کر نیچے بٹھا دیا۔ جب آپ دوبارہ سجدے میں گئے تو وہ پھر کمر مبارک پر سوار ہو گئے۔ یہانتک کہ آپ نے نماز مکمل کر لی۔ پھر آپ نے دونوں کو اپنے مبارک زانوؤں پر بٹھا لیا۔ (مسند احمد، المستدرک للحاکم، طبرانی فی الکبیر)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے کہ اس دوران حضرت حسن اور حضرت حسین آپ کی کمر مبارک پر سوار ہو گئے۔ لوگوں نے ان کو منع کیا تو آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ان کو چھوڑ دو، ان پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، صحیح ابن حبان، طبرانی فی الکبیر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے سجدے میں ہوتے تو حسن یا حسین آ کر آپ کی کمر مبارک پر سوار ہو جاتے اور اس وجہ سے آپ سجدوں کو طویل کر دیتے۔ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں عرض کی گئی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ نے سجدے طویل کر دیے ہیں؟ ارشاد فرمایا، مجھ پر میرا بیٹا سوار تھا اس لیے مجھے اچھا نہ لگا کہ میں سجدوں سے اٹھنے میں جلدی کروں۔ (مسند ابو یعلیٰ، مجمع الزوائد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ کے مبارک شانوں پر حضرت حسن اور حضرت حسین سوار تھے۔ آپ دونوں شہزادوں کو باری باری چومتے لگے۔ (مسند احمد، المستدرک للحاکم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حسنین کریمین کشتی لڑ رہے تھے اور آپ فرما رہے تھے، حسن! جلدی کرو۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صرف حسن ہی کو

ایسے کیوں فرمارہے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کیونکہ جبریل امین، حسین کوایسا کہہ کر حوصلہ دلا رہے ہیں۔

(اسد الغابہ، الاصابہ)

حضرت ابوہریرہ صفرماتے ہیں کہ ہم آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر پر نکلے۔ راستے میں آپ نے حسنین کریمین کے رونے کی آواز سنی تو آپ انکے پاس تشریف لے گئے اور رونے کا سبب پوچھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ انہیں سخت پیاس لگی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی کے لیے مشکیزے کی طرف بڑھے تو پانی ختم ہو چکا تھا۔ آپ نے لوگوں سے دریافت کیا مگر (گرمی کی وجہ سے زیادہ استعمال کے باعث) کسی کے پاس پانی موجود نہ تھا۔ آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، ایک صاحبزادہ مجھے دیدو۔ انہوں نے پردے کے نیچے سے ایک شہزادہ دے دیا۔ آپ نے اسے سینے سے لگالیا لیکن وہ سخت پیاس کی وجہ سے مسلسل رو رہا تھا۔ پس آپ نے اُس کے منہ میں اپنی مبارک زبان ڈال دی۔ وہ اسے چوسنے لگا یہاں تک کہ سیراب ہو گیا۔ پھر میں اسکے دوبارہ رونے کی آواز نہ سنی جبکہ دوسرا ابھی تک رو رہا تھا۔ حضور نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دوسرا صاحبزادہ لے کر اس کے منہ میں بھی اسی طرح اپنی مبارک زبان ڈال دی تو وہ بھی سیراب ہو کر خاموش ہو گیا۔

(طبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد، خصائص کبریٰ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، الٰہی! میں ان دونوں (یعنی حسن وحسین) سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان سے محبت فرما۔ (مسند احمد، طبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد)

حضرت ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں، یا رسول اللہ! آج رات میں نے براخواب دیکھا ہے۔ فرمایا، وہ کیا ہے؟ عرض کیا، آپ کے جسم انور کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تم نے اچھا خواب دیکھا ہے۔ انشاء اللہ فاطمہ کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوگی جو تمہاری گود میں ہوگا۔ پس حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور وہ میری گود میں تھے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں عرض گزار ہوئی، یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا بات ہے؟ فرمایا، جبرئیل میرے پاس آئے تھے اور مجھے بتایا کہ عنقریب میری امت میرے اس بیٹے کو قتل کرے گی۔ میں نے کہا: انہیں (یعنی حسین کو)؟ فرمایا، ہاں! اور وہ میرے پاس اس جگہ کی مٹی لائے جو سرخ ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، مشکوٰۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سرِ اقدس لا کر طشت میں رکھا گیا تو وہ اسے چھیڑنے لگا اور اُس نے آپ کے حسن وجمال پر نکتہ چینی کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے کہا، "خدا کی قسم! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والے ہیں"۔ امامِ عالی مقام نے وسمہ کا خضاب کیا ہوا تھا۔ (بخاری)

دوسری روایت میں ہے کہ میں ابن زیاد کے پاس تھا جب امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا تو وہ ایک چھڑی ان کی

ناک پر مارنے لگا اور طنزاً بولا، میں نے ایسا حسن والا نہیں دیکھا تو پھر انکا ذکر کیوں ہوتا ہے۔ میں نے کہا: تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ (ترمذی)

عبدالرحمن بن ابونعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے احرام کے متعلق مسئلہ پوچھا۔ شعبہ نے کہا، میرے خیال میں مکھی مارنے کے متعلق پوچھا تھا۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا، یہ عراق والے مجھ سے مکھی مارنے کے متعلق مسئلہ پوچھتے ہیں حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کو شہید کر دیا تھا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ دونوں دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ (بخاری)

حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور وہ رو رہی تھیں۔ میں نے عرض کی، آپ کیوں روتی ہیں؟ فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ سر اقدس اور داڑھی مبارک گرد آلود ہے۔ میں عرض گزار ہوئی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو کیا ہوا؟ تو آپ نے فرمایا، میں ابھی حسین کی شہادت گاہ میں گیا تھا۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن دوپہر کے وقت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ گیسوئے مبارک بکھرے ہوئے ہیں اور دست مبارک میں ایک شیشی ہے جس میں خون تھا۔ میں عرض گذار ہوا، میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ کیا ہے؟ فرمایا، یہ حسین اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے۔ میں دن بھر اسے جمع کرتا رہا ہوں۔ میں نے وہ وقت یاد رکھا تو معلوم ہوا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اسی وقت شہید کیے گئے تھے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، مسند احمد)

سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے اور سب سے بڑھ کر نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے بہت متقی اور پرہیزگار صحابی رضی اللہ عنہ ہیں، مسلمانوں کی آپسی اختلاف و انتشار اور جھگڑوں سے آپ بہت آزردہ رہتے اور ان چیزوں سے آپ نفرت کرتے تھے، اور برملا اس کا اظہار بھی کرتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد کچھ عرصہ خلافت کے امور بھی سنبھالے، مگر جلد ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے متوقع خانہ جنگی کو ٹال دیا۔

تاریخ اسلام میں یہ کارنامہ سنہری حروف سے لکھا جاتا ہے، ورنہ اس سے قبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دو جنگوں میں کثیر تعداد میں مسلمان شہید ہو چکے تھے، یہ صرف حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہی کا کارنامہ تھا کہ مزید خونریزی کے خطرات کو ختم کر دیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے اقوال کا بیان

جس کا آج کا دن دینی اعتبار سے کل گزشتہ کی طرح ہے تو وہ دھوکے میں ہے اور جس کا آج کا دن کل آئندہ سے بہتر ہے یعنی کل آئندہ میں اس کی دینی حالت آج سے خراب ہوگی تو وہ سخت نقصان میں ہے۔ (کنز العمال:)

یہ جان لو کہ حلم اور بردباری زینت ہے اور وعدہ پورا کرنا مردانگی ہے اور جلد بازی بے وقوفی ہے اور سفر کرنے سے انسان کمزور

ہو جاتا ہے اور کمینے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا عیب کا کام ہے اور فاسق فاجر لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے انسان پر تہمت لگتی ہے۔ (کنز العمال:)

لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جسے بھلائی میں سے بہت حصہ ملا؛ لیکن اس کے اخلاق اچھے نہیں، دوسرا وہ جس کے اخلاق تو اچھے ہیں؛ لیکن بھلائی کے کاموں میں اس کا کوئی حصہ نہیں، تیسرا وہ جس کے نہ اخلاق اچھے ہیں اور نہ بھلائی کے کاموں میں اس کوئی حصہ ہے، یہ تمام لوگوں میں سب سے بُرا ہے، چوتھا وہ جس کے اخلاق بھی اچھے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں اس کا حصہ بھی خوب ہے یہ لوگوں میں سب سے افضل ہے۔ (کنز العمال:)

اے ابن آدم! اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کر تو عبادت گزار بن جائے گا، اللہ تعالیٰ کی تقسیم سے راضی رہ تو مالدار بن جائے گا، جو تیرے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو بھی اس کے ساتھ بھلائی کر تو سچا مسلمان بن جائے گا، لوگوں سے ویسا معاملہ کر جیسا تو اپنے لئے پسند کرتا ہے عادل بن جائے گا۔ (الحسن والحسین)

جس میں عقل نہیں اسے ادب حاصل نہیں ہو سکتا، جس میں ہمت وکوشش کا جذبہ نہیں وہ محبت حاصل نہیں کرسکتا، جس میں دین نہیں اس میں حیاء باقی نہیں رہ سکتی۔ (الحسن والحسین)

عقل کی بنیاد لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت ہے اور عقل کے ذریعے دونوں جہان میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔ (الحسن والحسین)

حسد، تکبر میں دین کی ہلاکت ہے اور اسی نے ابلیس کو ملعون بنایا، حرص ولالچ نفس کی دشمن ہے انہی کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا گیا، حسد برائی کی بنیاد ہے اسی کی وجہ سے قابیل نے ہابیل کا قتل کیا۔ (الحسن والحسین)

علم حاصل کرو! اگر اسے یاد کرنے کی طاقت نہ ہو تو لکھ لو اور اپنے گھر میں رکھ لو۔ (الحسن والحسین)

رزق ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے طلب کرو؛ کیونکہ اللہ کے سوا کوئی رزق دینے کی طاقت نہیں رکھتا، جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ لوگ اسے روزی دے سکتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد نہیں کیا اور جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اپنی محنت سے اپنی روزی کماتا ہے تو یہ شخص بہت جلد پستیوں میں گر جائے گا۔ (الحسن والحسین)

ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ شاندار جبہ زیب تن فرما کر انتہائی وجیہانہ شان کے ساتھ گھر سے باہر تشریف لائے، آپ کی ظاہری حالت بہت خوبصورت معلوم ہو رہی تھی، اتنے میں ایک یہودی سے ملاقات ہوئی جس کی شکستہ حالی اس کے لباس اور بدن سے عیاں ہو رہی تھی، سخت تپتی دھوپ میں جان گداز محنت نے اس کو بے حال کر رکھا تھا اور اس نے پانی کا گھڑا گردن پر اٹھایا ہوا تھا، اس نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کھڑا کر کے کہا" مجھے ایک سوال پوچھنا ہے" حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اسے سوال پوچھنے کی اجازت دی تو اس نے کہا" تمہارے نانا کا فرمان ہے دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے، تم مومن ہو اور میں کافر ہوں، میرا تو یہ خیال ہے کہ یہ دنیا تمہارے لئے جنت ہے کہ تم اس میں عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے ہو اور میرے لئے قید خانہ ہے کہ فقر نے مجھے خستہ حال کر چھوڑا ہے اس کی یہ بات سن کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اگر تو آخرت میں میرے لئے تیار کردہ نعمتوں کو دیکھ لے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کرنی ہیں تو ان نعمتوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے تو یہی کہے گا کہ میں قید خانہ میں ہوں اور اگر تو اس عذاب کو دیکھ لے جو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں تیرے لئے تیار کر رکھا ہے تو اس عذاب کو دیکھ کر تو یقین کر لے گا کہ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے تو جنت میں ہے۔ (الحسن والحسین:)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے ایک مکالمہ کا بیان

امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ایک دلچسپ اور معارف سے بھرپور مکالمہ ذکر کیا ہے، اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کچھ سوالات اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب سے ان سوالات کے جواب دیئے گئے ہیں۔

حضرت علی: راہ راست کیا ہے؟ حضرت حسن: برائی کو بھلائی کے ذریعہ دور کرنا

حضرت علی: شرافت کیا ہے؟ حضرت حسن: خاندان کو جوڑ کر رکھنا اور ناپسندیدہ حالات کو برداشت کرنا۔ حضرت علی: سخاوت کیا ہے؟ حضرت حسن: فراخی اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں خرچ کرنا۔

حضرت علی: کمینگی کیا ہے؟ حضرت حسن: مال کو بچانے کے لئے عزت گنوا بیٹھنا۔ حضرت علی: بزدلی کیا ہے؟ حضرت حسن: دوست کو بہادری دکھانا اور دشمن سے ڈرتے رہنا۔ حضرت علی: مالداری کیا ہے؟ حضرت حسن: اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہنا، خواہ مال تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت علی: بردباری کیا ہے؟ حضرت حسن: غصے کو پی جانا اور نفس پر قابو رکھنا۔ حضرت علی: بے وقوفی کیا ہے؟ حضرت حسن: عزت دار لوگوں سے جھگڑا کرنا۔ حضرت علی: ذلت کیا ہے؟ حضرت حسن: مصیبت کے وقت جزع فزع کرنا۔ حضرت علی: تکلیف دہ چیز کیا ہے؟ حضرت حسن: لایعنی اور فضول کلام میں مشغول ہونا۔ حضرت علی: بزرگی کیا ہے؟ حضرت حسن: لوگوں کے جرمانے ادا کرنا اور جرم کو معاف کرنا۔ حضرت علی: سرداری کس چیز کا نام ہے؟ حضرت حسن: اچھے کام کرنا اور برے امور ترک کر دینا

حضرت علی: نادانی کیا ہے؟ حضرت حسن: کمینے لوگوں کی اتباع کرنا اور سرکش لوگوں سے محبت کرنا۔ حضرت علی: غفلت کیا ہے؟ حضرت حسن: مسجد سے تعلق ختم کر لینا اور اہل فساد کی اطاعت کرنا۔ (حلیۃ الاولیاء، المعجم الکبیر)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے کا بیان

142- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ اَنْبَاَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ يَزِيْدَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْحَسَنِ اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُحِبُّهُ فَاَحِبَّهُ وَاَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُ قَالَ وَضَمَّهُ اِلٰى صَدْرِهٖ

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: آپ ﷺ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرمایا تھا: "اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو اس

142 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 2122 'ورقم الحدیث 5884' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 6206' ورقم الحدیث 6207

سے محبت رکھتا ہو اس سے بھی محبت رکھ۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنے سینے کے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

143- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ اَبِي عَوْفٍ اَبِي الْجَحَّافِ وَكَانَ مَرْضِيًّا عَنْ اَبِي حَازِمٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ اَحَبَّنِي وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِي

◆◆ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص حسن (رضی اللہ عنہ) اور حسین (رضی اللہ عنہ) سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو شخص انہیں ناپسند کرتا ہے وہ مجھے ناپسند کرتا ہے''۔

144- حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ اَبِي رَاشِدٍ اَنَّ يَعْلَى بْنَ مُرَّةَ حَدَّثَهُمْ اَنَّهُمْ خَرَجُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى طَعَامٍ دُعُوا لَهُ فَاِذَا حُسَيْنٌ يَلْعَبُ فِي السِّكَّةِ قَالَ فَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَامَ الْقَوْمِ وَبَسَطَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ الْغُلَامُ يَفِرُّ هَا هُنَا وَهَا هُنَا وَيُضَاحِكُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَخَذَهُ فَجَعَلَ اِحْدٰى يَدَيْهِ تَحْتَ ذَقْنِهِ وَالْاُخْرٰى فِي فَاْسِ رَاْسِهِ فَقَبَّلَهُ وَقَالَ حُسَيْنٌ مِنِّي وَاَنَا مِنْ حُسَيْنٍ اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ

◆◆ حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ وہ لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک کھانے میں شریک ہوئے جس کی دعوت نبی کریم ﷺ کو دی گئی تھی وہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ گلی میں کھیل رہے تھے راوی کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ لوگوں سے آگے بڑھے اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے (تاکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پکڑیں) تو وہ ادھر سے ادھر بھاگنے لگے۔ نبی کریم ﷺ انہیں ہنسا رہے تھے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں پکڑ لیا پھر نبی کریم ﷺ نے اپنا ایک دست مبارک ان کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور دوسرا دست مبارک ان کے سر کے اوپر رکھا اور ان کا بوسہ لیا اور ارشاد فرمایا: ''حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہے حسین واقعی ہی نواسہ ہے۔''

144م- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ مِثْلَهُ

◆◆ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

پنجتن پاک سے صلح و جنگ کرنے والوں کا بیان

145- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ وَعَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْ غَسَّانَ حَدَّثَنَا اَسْبَاطُ بْنُ

---

143 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

144 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 3775

نَصْرٍ عَنِ السُّدِّيِّ عَنْ صُبَيْحٍ مَوْلَى أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ أَنَا سَالِمٌ لِمَنْ سَالَمْتُمْ وَحَرْبٌ لِمَنْ حَارَبْتُمْ

◄► صبیح جو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں' حضرت زید بن ارقم کے حوالے سے' یہ بات نقل کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا' حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد فرمایا: میں اس کے ساتھ صلح کروں گا جن کے ساتھ تم صلح کرو گے اور میں اس شخص کے ساتھ جنگ کروں گا جس کے ساتھ تم جنگ کرو گے۔

شرح

اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جس نے ان چہار تن پاک کو دوست اور محبوب رکھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست و محبوب رکھا۔ اور جس نے ان چاروں کو دشمن رکھا اس نے آنحضرت کو دشمن رکھا ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ کو دوست رکھا، ان دونوں یعنی حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو دوست رکھا اور ان دونوں کے باپ اور ان دونوں کی ماں یعنی علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دوست رکھا تو وہ قیامت کے دن میرے درجہ میں میرے ساتھ ہوگا۔" احمد اور ترمذی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے جس کے آخری الفاظ یوں ہیں۔ "تو وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا"۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نینوا کے میدان میں بتاریخ 2 محرم الحرام 61ھ بروز جمعرات اپنے ساتھیوں اور اہل وعیال سمیت خیمہ زن ہو گئے۔ حُر نے بھی آپ کے مقابلے میں خیمے نصب کر دیئے۔ حُر کے دل میں اگرچہ اہل بیت نبوت کی عظمت تھی اور یہاں تک کہ اس نے اپنی نمازیں بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہی ادا کیں تھیں مگر ابن زیاد کے حکم سے مجبور تھا۔ وہ ابن زیاد کے ظالم وسفاک مزاج سے واقف تھا اور اسے علم تھا کہ اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کسی قسم کی کوئی نرمی روا رکھی یا ابن زیاد کی حکم عدولی کی کوشش کی تو یہ بات ایک ہزار کے لشکر کے سامنے چھپی نہ رہے گی۔ جب ابن زیاد کو اس کا علم ہوگا تو وہ ہرگز معاف نہیں کرے گا اور سخت سزا دے گا۔ اس خوف کی وجہ سے حُر ابن زیاد کے حکم پر برابر عمل کرتا رہا۔

جس مقام پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں اور اہل وعیال کے ہمراہ خیمہ زن ہوئے اس دشت و بیابان کی اداس اور مغموم فضا کو دیکھ کر آپ نے پوچھا اس مقام کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس جگہ کو "کربلا" کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "بس یہیں خیمے لگالو، یہی ہمارے سفر کی آخری منزل ہے۔

کربلا پہنچتے ہی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فرامین یاد آ رہے تھے جو آپ نے فرمائے

145- اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3870

تھے۔بچپن کے زمانے کی یادیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی بشارتیں آپ کی آنکھوں کے سامنے آ گئیں۔آپ کو بچپن کا وہ لمحہ یاد آ گیا جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ ان کے گھر میں اپنے بڑے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیل رہے تھے کہ جبرائیل امین نازل ہوئے اور کہا" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک آپ کی امت میں ایک جماعت آپ کے اس بیٹے حسین کو آپ کے بعد قتل کر دے گی" اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت کی تھوڑی سی مٹی دی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مٹی کو سونگھا اور فرمایا کہ "اس میں رنج و بلا کی بو آتی ہے۔"اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور رو دیئے۔پھر آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! جب یہ مٹی خون میں بدل جائے تو جان لینا کہ میرا یہ بیٹا قتل ہو گیا ہے۔(الخصائص الکبریٰ،سر الشہادتین)

یہی وہ میدان تھا جس کی نسبت حضرت امام عالی مقام رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: یہ ان (حسین رضی اللہ عنہ اور اس کے قافلے) کے انٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے کجاوے رکھنے کی جگہ ہے اور یہ ان کے خون کا مقام ہے۔آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گروہ اس میدان میں شہید ہو گا جس پر زمین و آسمان روئیں گے۔

(الخصائص الکبریٰ،سر الشہادتین)

چونکہ میدان کربلا اور حضرت امام عالی مقام کی شہادت کے بارے میں بشارتیں پہلے سے دی جا چکی تھیں اس لیے امام عالی مقام نے اس میدان کو اپنے سفر کا منتہیٰ سمجھ کر خیمے لگا دیے۔

عمر بن سعد کی آمد

قافلہ حسینی غریب الوطنی کے عالم میں کربلا کے میدان میں خیمہ زن تھا۔دوسری طرف یزیدی حکومت ان نفوس قدسیہ پر قیامت برپا کرنے کو بھرپور تیاریوں میں مصروف تھی۔چنانچہ 3 محرم الحرام کو عمر بن سعد چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ مقابلہ کے لیے کوفہ سے کربلا پہنچ گیا۔

ابن زیاد نے یہ لشکر دیلم کے لیے تیار کیا تھا لیکن جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ پیش آ گیا اس نے عمر بن سعد کو حکم دیا کہ پہلے حسین کی طرف جاؤ اور اس سے فارغ ہونے کے بعد دیلم کو چلے جانا۔عمر بن سعد نے حضرت امام حسین پر حملہ کرنے انکار کر دیا اور ساتھ ہی اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ابن زیاد نے کہا اگر تم چاہو تو میں تمہارا استعفیٰ منظور کر لیتا ہوں مگر اس کے ساتھ میں تمہیں دوسرے علاقوں کی ولایت سے معزول کر دوں گا جن پر میں نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔

عمر بن سعد نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے کچھ مہلت مانگی اور پھر اس نے اس معاملہ میں جس سے بھی مشورہ کیا اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے سے روکا حتی کہ اس کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ خدا کے لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر ہرگز لشکر کشی نہ کرنا۔یہ سراسر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور قطع رحمی ہے۔خدا کی قسم! اگر تمہیں سارے جہان کی سلطنت سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں تو یہ تمہارے لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا خون بہانے اور اپنی گردن پر لینے سے زیادہ

آسان ہے۔

ابن سعد نے کہا ان شاء اللہ میں ایسا ہی کروں گا مگر جب ابن زیاد نے اسے معزول کرنے کے علاوہ قتل کرنے کی دھمکی دی تو وہ لشکر کے ہمراہ حضرت امام حسین رضی اللہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور یوں اس نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اور اولئک ھم الخاسرون کی لسٹ میں شامل ہو گیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ 3 شعبان سنہ 4 ہجری کو مدینہ میں پیدا ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کا نام حرب رکھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر حسین کر دیا۔ آپ اپنے بھائی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور لقب ابوالمساکین تھا۔ آپ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسین منی وانا من الحسین حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں آپ کی عمر مبارک چھ سال تھی جب آپ کے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دونوں نواسوں سے غایت درجہ محبت تھی۔ اپنی زندگی میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دردناک انداز میں اپنے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ارشاد فرمائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد شیخین کریمین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی ان دونوں شاہزادوں کا اکرام واحترام کرتے رہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے موقع پر اپنے والد گرامی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حکم پر حسنین کریمین حضرت عثمان کی حفاظت کے لیے ان کے دروازے پر پہرہ دار تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ اپنے والد گرامی اور برادر اکبر کے ہمراہ و مطیع وفرمان بردار رہے۔ برادر اکبر کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد ان کے دور حکومت میں آپ مدینہ کے اندر گوشہ نشین رہے اور زہد وعبادت تعلیم وتعلم اور خدمت خلق میں مصروف ومشغول رہے۔ یزید جب تخت پر بیٹھا تو اس نے عامل مدینہ کو حکم دیا کہ زبردستی حضرت امام حسین اور ان رفقاء سے بیعت خلافت لی جائے حضرت حسین رضی اللہ عنہ شر سے بچنے کے لیے مکہ تشریف لائے اسی اثنا میں اہل کوفہ نے بوریوں کی بوریاں آپ کو خطوط کی لکھیں اور اپنے ہاں آنے کی دعوت دی آپ نے حالات جاننے کے لیے حضرت مسلم بن عقیل کو وہاں بھیجا اور ان کی طرف سے حوصلہ افزا پیغام آیا چناں چہ آپ کوفہ کی طرف عازم سفر ہوئے آپ کی زندگی کو لاحق خطرات کے پیش نظر جید صحابہ مثلاً حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روکنے کی کوشش کی مگر امام حسین راہ عزیمت کے مسافر تھے رخصت پر عمل کرنے کو تیار نہ ہوئے اور حرمت مکہ کے پیش نظر بھی وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا راستے میں آپ کو حضرت مسلم بن عقیل کی مظلومانہ شہادت اور اہل کوفہ کی بے وفائی کی خبر ملی آپ نے سفر جاری رکھا اور کوفہ کے قریب میدان کربلا میں یزیدی گورنر کوفہ ابن زیاد کے ایک سالار عمر بن سعد نے گورنر کے حکم پر آپ کا راستہ روک لیا۔ ابتدا میں آپ نے مسلمانوں کے درمیان خوں ریزی سے بچنے کی کوشش کی اور اپنی تجاویز پیش کیں مگر اہل کوفہ بے وفائی پر اور یزیدی فوج آپ کو قتل کرنے پر تلی بیٹھی تھی لہٰذا آپ کی کسی تجویز کو قابل اعتناء نہیں سمجھا گیا اتمام حجت کے بعد آپ نے بھی باطل کے سامنے دبنا یا جھکنا گوارا نہیں کیا اور ہمت واستقامت کے ساتھ حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہفتہ عشرہ مصائب کا سامنا کرنے کے بعد 10 محرم الحرام 61 ہجری میں باقاعدہ فوج

کے ساتھ مٹھی بھر جان بازوں کے مقابلے کی نوبت آ پہنچی ابتدا میں مبارزت چلتی رہی پھر ہجوم کر کے آپ پر حملہ کیا گیا اور چشم فلک نے یہ حیران کن الم ناک اور خون فشاں منظر دیکھا کہ نبی کے امتی کہلانے والوں نے اپنے نبی ہی کے عزیز ترین نواسے کو حق پرستی کے جرم میں خاک وخون میں تڑپا دیا۔ واہ ری امت اور واہ رے امتیو، کہنے کے لیے کچھ نہ بچا اور بولنے کے لیے لفظ کھو گئے۔ مگر عجب خون تھا حسین کا جو بعد میں آنے والے راہ حق کے ہر مسافر کے ماتھے کا جھومر بن گیا۔ اے اللہ تیرے نبی مکرم ﷺ نے فرمایا تھا میں حسن وحسین سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جوان سے محبت کرے اس سے بھی محبت فرما۔

اے تو گواہ رہ ہم حسنین کریمین سے اپنے نبی کے نواسوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھولوں سے اور نوجواناں جنت کے سرداروں سے محبت کرتے ہیں تو ہمیں بھی ان اہل محبت میں شامل فرما جن سے تو محبت کرتا ہے آمین بجاہ النبی الامی الکریم

بَابُ: فَضْلِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ

یہ باب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ہے

حضرت عمار بن یاسر کے مختصر احوال کا بیان

نام، نسب، خاندان: عمار نام، ابو الیقظان کنیت، والد کا نام یاسر رضی اللہ عنہ اور والدہ کا نام سمیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے
عمار بن یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک العنسی القحطانی۔ (اسد الغابہ تذکرہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ قحطانی النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا، اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں دوسرے دو بھائی حارث اور مالک کے ساتھ مکہ پہنچے، وہ دونوں واپس لوٹ گئے، لیکن انہوں نے یہیں طرح اقامت ڈال دی اور بنو مخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ نام سے شادی کر لی جس سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، ابو حذیفہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر کے تاحیات دونوں باپ بیٹے کو لطف ومحبت سے اپنے ساتھ رکھا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز وثالث)

اسلام

ابو حذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب ابن سنان رضی اللہ عنہ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا "تم کس ارادہ سے آئے ہو" بولے "پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو" میں نے کہا "محمد سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں" بولے "میرا بھی مقصد یہی ہے" غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے اور ساقی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشہ توحید سے مخمور کر دیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز وثالث)

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جس وقت ایمان لائے، تو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق

رضی اللہ عنہ کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا، (بخاری باب فضائل الصدیق رضی اللہ عنہ) یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تیس اصحاب سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جنہوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔ (فتح الباری واسد الغابہ)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ گو ایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے، دنیاوی وجاہت و طاقت بھی حاصل نہ تھی اور سب سے زیادہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھیں، تاہم جوشِ ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر رہنے نہ دیا، مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشقِ ستم بنالیا، طرح طرح کی اذیتیں دیں، ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت میں لٹایا دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا، اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے لیکن جلوہ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے۔ (ابن سعد قسم اول جز ثالث)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ سے شہید کیا؛ چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی شہادت تھی، جو استقلال و استقامت کیساتھ راہِ خدا میں واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اسی گرداب اذیت میں جان بحق ہوئے۔ (اصابہ تذکرہ سمیہ رضی اللہ عنہا ام عمارہ رضی اللہ عنہا)

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گذرے تو ان کے سر پر دستِ مبارک پھیر کر فرمایا "اے آگ تو ابراہیم علیہ وسلم کی طرح عمار رضی اللہ عنہ پر ٹھنڈی ہو جا" اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گذرتے اور خاندانِ یاسر رضی اللہ عنہ کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے "اے آلِ عمار رضی اللہ عنہ تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے"۔ (مستدرک حاکم)

ایک دفعہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گردشِ زمانہ کی شکایت کی، ارشاد ہوا "صبر کرو، پھر دعا فرمائی، اے خدا آلِ یاسر رضی اللہ عنہ کو بخشدے۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث)

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہو گئے یہاں تک کہ اس حالت میں ان جفا کاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کرالیا، اس کے بعد گو اس مصیبت سے گلو خلاصی ہو گئی، تاہم غیرت ملی نے عرق عرق کر دیا، دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، عمار رضی اللہ عنہ کیا خبر ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! نہایت ہی بُری خبر ہے، آج مجھے اس وقت تک مخلصی نہ ملی جب تک میں نے آپ کی شان میں بُرے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق میں کلمات خیر استعمال نہ کیے، ارشاد ہوا، تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟ عرض کیا، میرا دل ایمان سے مطمئن ہے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے پونچھ کر فرمایا، کچھ مضائقہ نہیں اگر یہ پھر ایسا ہی کرو، اس کے بعد ہی قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ (نحل)

جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے اس سے کوئی

مواخذہ نہیں۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث)

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا قریش مسلمانوں کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائیں؟ بولے، خدا کی قسم ہاں! وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے، اسی حالت میں وہ جو کچھ چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے اقرار کرالیتے تھے" (اسد الغابہ تذکرہ عمار رضی اللہ عنہ) غرض حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی انہیں گرفتاران مصائب میں تھے، جنہوں نے راہِ خدا میں صبر واستقامت کے ساتھ گوناگوں مصائب اور مظالم برداشت کیے، لیکن آئینہ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی پیٹھ ننگی دیکھی تھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں، تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے انگاروں کے داغ ان کی پیٹھ میں موجود تھے۔ (ابن سعد قسم اول جزء ثالث)

ہجرت

ان کے حبشہ کی ہجرت کے متعلق ارباب سیر میں اختلاف ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ دوسری ہجرت میں شریک تھے، مدینہ کی ہجرت کا عام حکم ہوا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے بھی اس سرزمین امن کی راہ لی اور حضرت مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان انصاری سے بھائی چارہ کرادیا اور مستقل سکونت کیلئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث)

تعمیر مسجد

مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بناڈالی گئی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جوش دلانے کے لیے خود کام میں حصہ لیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ اینٹ گارا لالا کر دیتے تھےاور زبان پر رجز جاری تھا ہم مسلمان ہیں ہم مسجد بناتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹ اٹھاتے تھے، ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گذرے تو آپ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سر سے غبار صاف کر کے فرمایا افسوس عمار رضی اللہ عنہ! تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔ (مستدرک حاکم)

ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لاد دیا کہ لوگ چلا اُٹھے، آج عمار رضی اللہ عنہ مر جائیں گے، آج عمار رضی اللہ عنہ مر جائیں گے، وہ اس سے پہلے بھی تکلیف مالا یطاق کی شکایت کر چکے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو کچھ اینٹیں اتار کر پھینک دیں اور فرمایا، افسوس ابن سمیہ رضی اللہ عنہ تمہیں گروہ باغی قتل کردے گا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث)

غزوات

غزوہ بدر سے غزوہ تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے، سب میں وہ جانبازی شجاعت کے ساتھ حضرت خیر الانام صلی

اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، عہدِ صدیقی کی اکثر خونریز جنگوں میں بھی خوب دادِ شجاعت دی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں ان کا ایک کان شہید ہو گیا، جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا، لیکن وہ بے پرواہی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے تھے اور جس طرف رخ کرتے تھے صفیں کی صفیں تہ وبالا کر دیتے تھے، ایک دفعہ مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے، انہوں نے ایک بلند چٹان پر کھڑے ہو کر للکارا، اے گروہِ مسلمانان! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہوں، آؤ میرے پاس آؤ (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث) اس صدا نے سحر کا کام کیا اور جنت کے شیدائی یکا یک سنبھل کر ٹوٹ پڑے۔

کوفہ کی حکومت

خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ نے ۲۰ھ میں ان کو کوفہ کا والی بنایا اور اہل کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا "امابعد میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو امیر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں، خزانہ کا اہتمام وانصرام بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا ہے، یہ دونوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان شریف اصحاب میں سے ہیں جو غزوہ بدر میں شریک تھے، اس لیے ان دونوں کی فرمانبرداری اطاعت اور پیروی کرو، میں نے ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کو اپنے سے الگ کر کے تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے، عثمان بن حنیف کو عراق (کی پیائش) پر مامور کر کے بھیجتا ہوں اور ان کے رسد کے لے روزانہ ایک بکری مقرر کرتا ہوں جس کا ایک حصہ اور شکم عمار کے لیے مخصوص رہے گا اور باقی حصے ان تینوں میں تقسیم ہوں گے۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ایک سال ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدار مغزی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دیے، لیکن اسی اثناء میں اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی باہمی منافست اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسوں کو ان سے ناراض کر دیا، واقعہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے

بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والوں کی طرف سے دربار خلافت میں درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا ماسبذان کا پرگنہ بصرہ میں شامل کر دیا جائے، کوفہ والوں کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ والیِ کوفہ سے خواستگار ہوئے کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور رامہرمز اور ایذج کے اضلاع پر بھی اپنا دعویٰ پیش کریں، کیونکہ ان دونوں کو اہل بصرہ کی اعانت وامداد کے بغیر ہم لوگوں نے فتح کیا تھا، لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے سرمہری کے ساتھ اس کو ٹال دیا اور فرمایا، مجھے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے؟ اس پر ایک کوئی رئیس عطارد نے غضبناک ہو کر کہا "اے کن کٹے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟" حضرت عمار رضی اللہ عنہ صرف یہ کہہ کر خاموش ہو رہے "افسوس تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی۔ (تاریخ طبری)

غرض حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانبداری اختیار کر لی اور کوفہ والوں کے احتجاج کے باوجود رامہرمز، ایذج اور ماہ کا علاقہ بصرہ میں شامل کر دیا گیا، یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کی طرف سے اہل کوفہ کے دلوں میں ناراضی کی گرہ نہ ڈالتا، اس کے بعد ہی شکوہ شکایت اور سازش کا سلسلہ شروع ہوا اور امیر المومنین کو باور کرایا گیا کہ وہ اس منصب کی اہلیت نہیں

رکھتے، انجام کار دارالخلافہ بلا کر اس عہدہ سے معزول کیے گئے، (تاریخ طبری) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلا کر پوچھا کہ "تم میرے اس طریق عمل سے کچھ ناراض تو نہ ہوئے؟" بولے جب آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ تو پہلے اپنی تقرری سے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہوں۔ (ابن سعد قسم اول جز ثالث)

شہادت

ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہو رہا تھا اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کر کے بولے "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لیے دنیا کا آخری توشہ ہے" اور کہتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے کہ آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا، آج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملوں گا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث)

کچھ ایسے عزم واستقلال سے حملہ آور ہوئے تھے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پرا صاف ہو گیا اور جس پر وار کیا ڈھیر ہو کر رہ گیا، واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے پہلو بچاتے تھے، لیکن اسی حالت میں ابن الغادیہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کر کے زمین پر گرا دیا اور ایک دوسرے شامی نے بڑھ کر سر تن سے جدا کر دیا، یہ دونوں قاتل جھگڑتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے، کیونکہ ان میں کا ہر ایک اس کارنامہ کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حاضر دربار تھے، انہوں نے کہا "خدا کی قسم یہ دونوں جہنم کے لیے جھگڑ رہے ہیں" امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر کہا عمرو! تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ جو لوگ ہمارے لیے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں، ان کو ایسا کہتے ہو، بولے خدا کی قسم ایسا ہی ہے، کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آگئی ہوتی۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لیے تیار ہو گئے، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل ہم نہیں ہیں؛ بلکہ وہ جماعت ہے جو ان کو میدان جنگ میں لائی۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث، و مستدرک حاکم)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے درحقیقت حق وناحق کا فیصلہ ہو گیا، حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ جمل اور معرکہ صفین میں شریک تھے، لیکن اس وقت تک کسی طرف سے اپنی تلوار بے نیام نہیں کی تھی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ انہیں حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا چاہیے؛ چنانچہ اس کے بعد تلوار کھینچ کر شامی فوج پر ٹوٹ پڑے اور شدید کشت وخون کے بعد شہادت حاصل کی۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث)

تجہیز وتکفین

حضرت علی رضی اللہ عنہ عجب اپنے مونس وجانثار کی شہادت کی خبر سنی تو آہ سرد کھینچ کر فرمایا، "خدا نے عمار رضی اللہ عنہ پر رحم کیا، جس دن اسلام لائے، خدا نے رحم کیا، جس دن شہید ہوئے، اور خدا ان پر رحم کرے گا جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے، میں نے

ان کواس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار یا پانچ صحابہ رضی اللہ عنہ کو اعلانِ ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی، قدیم صحابہ رضی اللہ عنہ میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کرسکتا، عمار رضی اللہ عنہ اور حق لازم وملزوم تھے، اس لیے ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا، اس کے بعد تجہیز وتکفین کا حکم دیا، خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور خون آلود پیراہن کے ساتھ برس کی عمر میں اس حامیِ حق کو زیرِ زمین نہاں کردیا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث)

اخلاق

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا معدنِ اخلاق گراں مایہ جواہر سے لبریز تھا، جفاکشی، استقامت، استقلال اور حقانیت کے واقعات پہلے گذر چکے ہیں، ورع وتقویٰ کے باعث سکوت وکم سخنی ان کا خاص شعار تھا، فتنہ وفساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے، لیکن خدا نے سب سے بڑے فتنہ میں ان کا امتحان لیا اور کامیابی کے ساتھ حق کا طرف دار بنادیا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث)

سادگی، تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ فرشِ خاک ان کے لیے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا، غزوہ ذات العشیر ہ کے موقع میں بنی مدلج کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا "ابوالیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کررہے ہیں" غرض وہاں پہنچ کر گھنٹوں تماشا دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرشِ خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

عہد فاروقی میں کوفہ کے والی تھے، لیکن ایک گورنر کی سادگی وبے تکلفی یہ تھی کہ خود بازار جاکر سودا سلف خریدتے تھے، حضرت مطرف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں، میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اثنائے گفتگو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آیا تو ایک شخص نے جو وہاں بیٹھا ہوا اپنے چرمی پیراہن میں پیوند ٹانک رہا تھا، برہم ہوکر کہا: اے فاسق کیا تو امیر المومنین کی مذمت کررہا ہے؟ میرے دوست نے عفو خواہی کرکے کہا ابوالیقظان! جانے دو یہ میرے مہمان ہیں، اس وقت میں نے پہچانا کہ عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر رضی اللہ عنہ یہی ہیں۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا ہر ایک قدم صرف خدائے پاک کی خوشنودی ورضامندی کی راہ میں اٹھتا تھا، جنگ جمل اور غزوہ صفین میں بھی درحقیقت اسی مطمح نظر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ علم لاکر کھڑا کیا، صفین کی فوج کشی میں ساحلِ فرات کی راہ سے میدانِ جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے، اور بار بار کہتے جاتے تھے، اے خدا! اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر آگ میں جل کر یا پانی میں ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو ضرور تجھے خوش کرتا میں لڑنے جاتا ہوں، لیکن اس میں بھی تیری رضاجوئی مقصود ہے، امید ہے کہ اس مقصد میں تو مجھے ناکام نہ رکھے گا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث) آپ کی اخلاقی عظمت اور قوتِ ایمانی کا ضامن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ "عمار رضی اللہ عنہ کے رگ وپے میں ایمان سرایت کئے ہوئے ہے" اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا ہے۔ (مستدرک حاکم)

مذہبی زندگی

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو خدائے واحد کی عبادت وپرستش میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا رات رات بھر نماز اور وظائف میں

مشغول رہتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوْ رَحْمَةَ رَبِّهٖ

کیا وہ شخص جو رات کو بندگی کرتا ہے سجدہ کرکے اور کھڑا ہو کر آخرت سے خوف کھاتا ہے اور اپنے خدا کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے (کہیں نافرمان بندوں کے برابر ہوسکتا ہے)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہی کی نسبت نازل ہوئی ہے، (مستدرک حاکم) خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے، ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دوگانہ ادا کرکے بیٹھ رہے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس قدر عجلت کیوں کی؟ بولے اس وقت مجھے شیطان سے مسابقت کرنا پڑی، (مسند احمد بن حنبل) معذوری کی حالت میں نماز قضا نہیں ہوتی تھی، ایک مرتبہ سفر کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی وکوشش پانی دستیاب نہ ہوا، چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے، اس لیے تمام جسم پر خاک مل کر نماز پڑھ لی، جب سفر سے واپس آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا، "ایسی حالت میں بھی صرف تیمم کافی ہے"۔ (مسند احمد بن حنبل)

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورہ یٰسین تلاوت فرماتے تھے، (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث) خطبہ نہایت فصیح وبلیغ ہوتا تھا اور اس میں ایجاز واختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

حلیہ

حلیہ یہ تھا، قد بلند وبالا، نرگس آنکھیں، سینہ چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا، شہادت کے وقت گو ان کی عمر نوے اکانوے برس کی تھی تاہم بظاہر پیری کے آثار بہت کم طاری ہوئے تھے۔ (طبقات ابن سعد)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کیلئے خوش آمدید کی فضیلت کا بیان

146- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ هَانِئِ بْنِ هَانِئٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَاْذَنَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْذَنُوْا لَهٗ مَرْحَبًا بِالطَّيِّبِ الْمُطَيَّبِ

◆◆ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ عمار بن یاسر نے نبی کریم ﷺ کے ہاں اندر آنے کی اجازت مانگی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے اندر آنے کے لئے کہو! پاک شخصیت اور پاک خصلت والے شخص کو خوش آمدید۔

---

146 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3798

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ایمان کا بیان

147- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا عَثَّامُ بْنُ عَلِيٍّ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ هَانِئِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ دَخَلَ عَمَّارٌ عَلٰى عَلِيٍّ فَقَالَ مَرْحَبًا بِالطَّيِّبِ الْمُطَيَّبِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مُلِئَ عَمَّارٌ اِيْمَانًا اِلٰى مُشَاشِهٖ

حضرت ہانی بن ہانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس شخص کو خوش آمدید! جو پاک اور پاکیزہ ہیں۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا) میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ”عمار کی ہڈیوں میں ایمان بھرا ہوا ہے“۔

148- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى ح و حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَّعَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا جَمِيْعًا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ سِيَاهٍ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ اَبِي ثَابِتٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّارٌ مَا عُرِضَ عَلَيْهِ اَمْرَانِ اِلَّا اخْتَارَ الْاَرْشَدَ مِنْهُمَا

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عمار کو جب بھی دو معاملات کے بارے میں اختیار دیا گیا' تو اس نے اس کو اختیار کیا جو زیادہ بہتر ہو۔

بَابُ: فَضْلِ سَلْمَانَ وَاَبِي ذَرٍّ وَالْمِقْدَادِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

یہ باب حضرت سلمان' حضرت ابوذر غفاری' حضرت مقداد بن اسود کی فضیلت میں ہے

149- حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُوْسٰى وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ اَبِي رَبِيْعَةَ الْاِيَادِيِّ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ بِحُبِّ اَرْبَعَةٍ وَّاَخْبَرَنِيْ اَنَّهٗ يُحِبُّهُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ هُمْ قَالَ عَلِيٌّ مِنْهُمْ يَقُوْلُ ذٰلِكَ ثَلَاثًا وَّاَبُوْ ذَرٍّ وَسَلْمَانُ وَالْمِقْدَادُ

ابن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے چار لوگوں کے ساتھ محبت کرنے کی ہدایت کی ہے' اور اس نے مجھے یہ بتایا ہے: وہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ عرض کی گئی: یارسول اللہ! ان کے نام ہمیں بتائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: علی ان میں سے ایک ہے۔ آپ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی (اور پھر یہ نام لئے) ابوذر' مقداد اور سلمان۔

---

147 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

148 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3799

149 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3718

حضرت مقداد بن اسود کے مختصر احوال کا بیان

حضرت مقداد کا شجرۂ نسب قحطان سے جا ملتا ہے جو جنوبی یمن کے قبائل کے جد اعلیٰ تھے۔ قحطان کی چوتھی نسل میں حمیر اور نویں میں قضاعہ ہوئے۔ بہرا بنو قضاعہ کی ایک شاخ تھی، حضرت مقداد اسی سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے بہرانی کہلاتے ہیں۔ ان کے والد عمرو بن ثعلبہ (ایک روایت: مقداد) نے اپنی قوم کے ایک آدمی کو قتل کر دیا پھر بھاگ کر حضر موت چلے گئے اور قبیلۂ کندہ کے حلیف بن گئے تب وہ کندی اور حضرمی کی نسبتوں سے مشہور ہو گئے۔ عمرو نے کندہ کی ایک عورت سے شادی کی جس سے مقداد پیدا ہوئے۔ مقداد بڑے ہوئے تو ان کا ابو شمر بن حجر کندی سے جھگڑا ہو گیا۔ انھوں نے تلوار مار کر اس کا پاؤں کاٹ دیا اور بھاگ کر مکہ چلے گئے اور بنو زہرہ کے اسود بن عبد یغوث کے حلیف بن گئے۔ اسود نے خط لکھ کر عمرو کو بلایا اور مقداد کو متبنیٰ بنا لیا۔ چنانچہ وہ مقداد بن اسود زہری کے نام سے مشہور ہو گئے۔ یہ روایت بھی موجود ہے کہ مقداد سیاہ فام تھے اور لے پالک بننے سے پہلے اسود کی غلامی میں تھے۔ جب منہ بولے بیٹوں کے بارے میں اللہ کا یہ حکم نازل ہوا،

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ.

(الاحزاب:)

انھیں ان کے (حقیقی) باپوں کے نام سے پکارو، یہی اللہ کے ہاں زیادہ قرین انصاف ہے۔ اور اگر تمھیں ان کے آبا کا علم ہی نہ ہو تو تمھارے دینی بھائی اور تعلق دار ہیں۔

تو انھیں مقداد بن عمرو کہا جانے لگا تاہم ان کی پہلی شہرت برقرار رہی۔

مقداد کی کنیت ابو عمر یا ابو معبد یا ابو اسود تھی۔ حضرت مقداد السابقون الاولون میں سے تھے، لیکن شروع میں انھوں نے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا۔ معلوم نہیں کہ پہلے پچاس مسلمانوں میں ان کا کون سا نمبر تھا تاہم، یہ واضح ہے کہ قبول اسلام کے وقت ان کی عمر چوبیس برس تھی۔ اسلام کی طرف ان کی سبقت اس روایت سے خوب ظاہر ہو جاتی ہے جو عبد اللہ بن مسعود نے روایت کی، جن اہل ایمان نے سب سے پہلے اپنے ایمان کا اعلان کیا، سات تھے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمار، سمیہ، صہیب، بلال اور مقداد (دوسری روایت خبّاب)۔ آپ کی حفاظت اللہ نے آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعے سے کی، سیدنا ابوبکر کے دفاع کا ذریعہ ان کی قوم بنی، باقی پانچوں کو مشرکین لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ کی تپش دیتے۔ (مقدمہ ابن ماجہ، رقم، مسند احمد، رقم)

حضرت مقداد کی شادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد بہن ضباعہ سے ہوئی۔ وہ زبیر بن عبد المطلب کی بیٹی تھیں۔ ان دونوں کی شادی کا قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے، ایک بار حضرت مقداد اور حضرت عبد الرحمان بن عوف اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عبد الرحمان نے مقداد سے کہا، تم شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ مقداد نے جواب دیا، آپ اپنی بیٹی مجھ سے بیاہ دیں۔ عبد الرحمان غصے میں آ گئے اور مقداد کو برا بھلا کہا۔ مقداد نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا، میں تمھارا بیاہ کر دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے ضباعہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ وہ خوب صورت ہونے کے ساتھ ذہین بھی تھیں۔

حضرت مقداد کو مہاجر الہجرتین کہا جاتا ہے، کیونکہ انھیں حبشہ و مدینہ، دونوں شہروں کی طرف ہجرت کرنے کا شرف حاصل

ہوا۔ نبوی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انھیں حبشہ جانے کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا، وہاں ایسا حکمران ہے جو اپنی سلطنت میں ظلم روا نہیں رکھتا۔ مقداد جعفر بن ابوطالب کے ساتھ کشتی میں سفر کرنے والے تر یسٹھ مسلمانوں میں شامل تھے، یہ ہجرت ثانیہ نہیں بلکہ پہلی ہجرت حبشہ کا دوسرا مرحلہ تھا۔ مقداد ہجرت مدینہ سے قبل ہی حبشہ سے مکہ لوٹ آئے۔ جب یہ افواہ پھیلی کہ قریش اسلام لے آئے ہیں تو تینتیس مسلمانوں کا ایک گروپ مکہ پہنچا۔ سیدنا عثمان بن عفان، سیدنا زبیر بن عوام، سیدنا عبدالرحمان بن عوف، سیدنا مصعب بن عمیر اور سیدنا مقداد بن اسود ان میں شامل تھے۔ اس خبر کے غلط ثابت ہونے پر کچھ مہاجرین حبشہ واپس چلے گئے، یہ ہجرت ثانیہ تھی۔ چند اصحاب مکہ ٹھہر گئے، مقداد انھی میں سے ایک تھے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کی، مقداد نہ جا سکے۔ شوال ۱ھ (دوسری روایت، ربیع الاول ۲ھ) میں آپ نے عبیدہ بن حارث کی قیادت میں ساٹھ سے زائد مہاجرین کا سریہ بطن رابغ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ جحفہ کے قریب واقع مقام ثنیۃ المرہ تک پہنچا تھا کہ دو سو افراد پر مشتمل قریش کے ایک بڑے قافلے سے اس کی مڈ بھیڑ ہوئی جو ابوسفیان (یا عکرمہ بن ابوجہل) کی قیادت میں سفر کر رہا تھا۔ لڑائی تو نہ ہوئی تاہم حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایک تیر برسایا جو راہ خدا میں چلایا جانے والا پہلا تیر تھا۔ مشرکین کے قافلے سے مقداد بن عمرو (مقداد بن اسود) اور عتبہ بن غزوان بھاگ کر مسلمانوں سے آملے۔ یہ دونوں مسلمان تھے، لیکن مدینہ پہنچنے کے لیے کفار کے قافلے میں شامل ہو گئے تھے۔

مدینہ تشریف لانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو دس دس کی ٹکڑیوں میں بانٹ دیا پھر ہر ٹکڑی کو رہنے کے لیے ایک گھر دیا، حضرت مقداد ان صحابہ میں شامل تھے جو آپ کے ساتھ رہ رہے تھے۔ خود بیان کرتے ہیں، میں دو اصحاب کی معیت میں ہجرت کر کے مدینہ آیا۔ کسی نے ہماری مہمانی نہ کی تو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ہمیں اپنے گھر لے گئے، وہاں چار بکریاں (مسلم: تین، مسند احمد، ایک روایت: ایک بکری) بندھی تھیں۔ فرمایا، مقداد! ان کا دودھ دوہ لو اور ہر ایک کو اس کا حصہ دے دو۔ چنانچہ دودھ دوہ کر تقسیم کرنا میرا معمول بن گیا۔ آپ روزانہ رات کو تشریف لاتے، مسجد جا کر نماز پڑھتے اور دودھ نوش فرما لیتے۔ ایک روز میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ نکال کر رکھا اور بستر پر لیٹ گیا۔ پھر شیطان نے مجھ پر غلبہ پا لیا، سوچا کہ آپ تو انصار کے ہاں گئے ہوئے ہیں، آپ کا حصہ میں ہی پی لیتا ہوں۔ دودھ پی چکا تو پریشانی لاحق ہوگئی کہ آپ بھوکے پیاسے آئیں گے اور برتن کو خالی پائیں گے۔ میں اپنی اونی چادر منہ پر ڈال کر پڑا تھا کہ آپ آئے، آہستہ سے سلام کیا تا کہ جاگتا ہوا سن لے اور سوئے ہوئے کی نیند خراب نہ ہو۔ نماز پڑھ کر دودھ کا برتن خالی دیکھا تو دعا فرمائی، اللہ! جو مجھے پلائے، اسے سیر کر دے اور جو کھلائے اس کا پیٹ بھر دے۔ آپ کی دعا کو میں نے غنیمت سمجھا، اٹھا، چھری پکڑی اور بکریوں کی طرف بڑھا۔ ان کو ٹٹولا، کون سی زیادہ فربہ ہے کہ اسے ذبح کر لوں۔ اچانک میرا ہاتھ ایک کے پستان پر پڑا، معلوم ہوا کہ دودھ سے بھرا ہے۔ باقی دونوں کو ہاتھ لگایا تو وہ بھی پُر تھے چنانچہ دودھ دوہ کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا، مقداد! کیا کوئی غلط بات کر دی ہے؟ میں نے کہا: آپ پی لیں، پھر بتاتا ہوں۔ آپ نے مجھے بھی لینے کو کہا تو میں نے کہا: آپ ہی نوش فرمالیں۔ آپ سیر ہو گئے تو باقی دودھ مجھے دے دیا۔ میں نے سارا قصہ سنایا۔ فرمایا، یہ برکت ہے جو اللہ کی طرف سے آسمان سے اتری ہے۔ تم بتاتے تو تمھارے دونوں

رکھیں تو بہار آنے تک چارہ ملے۔ (مسلم، رقم، مسند احمد، رقم) مسند احمد کی روایت میں ہے کہ آپ نے مقداد کو بکری ذبح کرنے سے منع کیا اور اس کے پستان پر ہاتھ پھیرا تو وہ دودھ سے بھر گئی۔ دوسری روایت کے مطابق مقداد مدینہ میں کلثوم بن ہدم کے مہمان ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقداد کی مواخات جبار بن صخر (دوسری روایت: ابوذر غفاری، تیسری روایت عبداللہ بن رواحہ) سے قائم فرمائی۔ آپ نے ابی بن کعب کے مشورہ پر مقداد کو بنوحدیلہ میں زمین عنایت فرمائی، ان کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔

سوا دو ماہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ صحابہ کا ایک سریہ خرار کی طرف روانہ فرمایا۔ انھیں قریش کے ایک قافلے کا راستہ روکنا تھا۔ آپ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو امیر بنایا اور حضرت مقداد بن اسود کو سفید پرچم عطا کیا۔ مسلمان پانچ دن کے پیدل سفر کے بعد منزل مقصود پر پہنچے تو پتا چلا کہ مشرکین کا قافلہ ایک روز پہلے یہاں سے جا چکا ہے۔ آپ نے خرار سے آگے نہ جانے کی ہدایت فرمائی تھی اس لیے یہ دستہ لوٹ آیا۔

حضرت مقداد نے جنگ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں بھرپور حصہ لیا۔ رمضان ۲ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی قیادت میں شام سے لوٹنے والے قریش کے تجارتی قافلے کو روکنے کا ارادہ کیا۔ ابوسفیان نے راستہ بدل لیا اور مدینہ سے بہت دور ساحل سمندر کی طرف نکل گیا۔ اسی اثنا میں قریش کا ایک بڑا لشکر قافلے کا دفاع کرنے کے لیے مکہ سے چل پڑا۔ آپ نے جنگ کا رخ متعین کرنے کے لیے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ سیدنا ابوبکر و عمر نے حمایت اور جاں نثاری کا خوب یقین دلایا۔ حضرت مقداد نے تقریر کرتے ہوئے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی طرف سے آپ کو جو حکم ہوا ہے، کر گزریے۔ واللہ! ہم آپ کو وہ جواب نہ دیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا: فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۔ جاؤ! تم اور تمھارا رب جا کر لڑو، ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں (المائدہ)۔ ہم تو کہتے ہیں، جائیے! آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیں۔ ہم بھی آپ کے شانہ بشانہ لڑیں گے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں برک غماد (مکہ سے بھی آگے ساحل سمندر پر واقع یمن کی دور دراز کی ایک بستی) تک لے جانا چاہیں تو بھی ہم آپ کے شانہ بشانہ تلوار زنی کرتے چلیں گے اور آپ کو وہاں تک پہنچا کر دم لیں گے۔ ہم آپ کے دائیں بائیں ہو کر قتال کریں گے، آپ کے آگے پیچھے ہو کر لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ آپ کو فتح دے دے۔ آپ نے انھیں خیر و برکت کی دعا دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں، میں نے اس موقع پر مقداد کا وہ رنگ دیکھا کہ اب یہ حسرت مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو گئی ہے، کاش یہ سب ان کے بجائے میں نے کہا ہوتا۔ میں نے دیکھا کہ مقداد کی تقریر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا۔ (بخاری، رقم،) انصار کی طرف سے حضرت سعد بن معاذ نے بھی ایسی ہی ہمت کی۔

حضرت مقداد کو اللہ کی راہ میں قتال کرنے والے پہلے گھڑسوار کا شرف حاصل ہوا۔ سیدنا علی کہتے ہیں، جنگ بدر میں مقداد کے سوا کوئی شہسوار نہ تھے، ان کے علاوہ کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا۔ (نسائی، رقم، مسند احمد، رقم،) سیدنا علی ہی سے مروی دوسری روایت ہے: (قریش کے سو گھوڑوں کا مقابلہ کرنے کے لیے) ہماری فوج میں دو ہی گھوڑے تھے، سیدنا زبیر کا اور حضرت مقداد بن اسود کا۔

(دلائل النبوۃ ، بیہقی) مقداد میسرہ پر متعین تھے، ان کا گھوڑا چتکبرا تھا، اس کا نام سبحہ (لمبی سیر) یا بزجہ تھا۔ زبیر کے پاس اسلامی فوج کے میمنہ کی کمان تھی، ان کے گھوڑے کا نام یعسوب (شہد کی مکھیوں کا سردار، گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی) تھا۔ سعد بن خیثمہ اور مصعب بن عمیر بھی باری باری انھی دو گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑتے رہے۔ (دلائل النبوۃ ، بیہقی ...) تیسری روایت بیان کرتی ہے، اس معرکۂ فرقان میں دو گھوڑوں نے حصہ لیا، ایک مقداد بن اسود کا سبحہ، دوسرا اسیل نامی جو مرثد بن ابو مرثد کے پاس تھا۔ (ابن سعد) مقداد نے جنگ بدر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کٹر دشمن نضر بن حارث کو قید کیا۔ آپ نے اس کی گردن اڑانے کا حکم دیا تو سیدنا علی نے اثیل لے جا کر اس کو قتل کیا۔ ایک روایت کے مطابق اس معرکے میں مقداد (دوسری روایت: بلال) نے زید بن ملیص کو قتل کیا۔

جنگ احد میں حضرت زبیر بن عوام گھڑ سواروں کے قائد تھے، حضرت مقداد بن اسود ان کے ساتھ تھے۔ دوسری روایت کے مطابق مقداد کے پاس پیادہ فوج کی کمان تھی۔

جنگ احد اور جنگ خندق میں مقداد نے خوب تیر اندازی کی

۶ھ غزوۂ ذی قرد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مال نے کے اونٹ بنو غفار کے گلہ بان کی نگرانی میں جنگل میں چر رہے تھے، اس کی بیوی ساتھ تھی۔ بنو فزارہ کے عیینہ بن حصن (طبری: عبدالرحمان بن عیینہ) نے بنو غطفان کے کچھ گھڑ سواروں کے ساتھ مل کر غارت گری کی، چرواہے کو مار ڈالا، اس کی بیوی کو پکڑ لیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ اتفاق سے سلمہ بن اکوع اور طلحہ بن عبیداللہ کا غلام وہاں سے گزرے اور کفار کے گھوڑوں کو جاتے دیکھ لیا۔ وہ مدینہ کے قریب واقع جبل سلع پر چڑھ گئے اور مدد کی پکار دی، واصباحاہ! ہائے صبح کی غارت گری! پھر لٹیروں کا پیچھا کیا اور بے مثال تیر اندازی کر کے اونٹ چھڑا لیے۔ سلمہ کی پکار سن کر مدینہ کے شہ سوار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ سب سے پہلے مقداد بن اسود پہنچے، پھر عباد بن بشر، سعد بن زید، اسید بن ظہیر، عکاشہ بن محصن، محرز بن نضلہ، حارث بن ربعی اور عبید بن زید آ گئے۔ (ابن ہشام)

آپ نے سعد بن زید کو امیر مقرر کر کے اس دستے کو حملہ آوروں کے پیچھے بھیجا۔ اونٹ مدینہ پہنچے تو آپ نے صحابہ میں بانٹ دیے۔ غزوہ کے بعد حسان بن ثابت نے مقداد کی مدح میں اشعار کہے تو قائد سریہ سعد بن زید ان سے ناراض ہو گئے۔ تب انھوں نے سعد کے لیے الگ شعر کہے۔ سلمہ بن اکوع کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے دستے میں سے اخرم اسدی سب سے پہلے پہنچے پھر ابو قتادہ انصاری اور مقداد بن اسود آئے۔ (مسلم، رقم، مسند احمد)

۷ھ حضرت مقداد نے جنگ خیبر میں حصہ لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر سے حاصل ہونے والے غلے میں سے ازواج مطہرات اور فاطمہ زہرا کے حصے لکھوائے تو مقداد اور اسامہ کے حصے بھی تحریر کیے گئے۔ عثمان اور عباس نے گواہی ثبت کی۔ مال غنیمت میں سے مقداد کو ملنے والے پندرہ وسق (ایک وسق: ساٹھ صاع، پندرہ وسق: پندرہ اونٹوں پر آنے والا غلہ) جو معاویہ نے ایک لاکھ درہم میں خرید لیے۔

۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کی مہم پر جانے کا ارادہ کیا۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے اطلاع کا خط لکھ کر ایک

ہاندی کے ذریعے قریش کو بھیج دیا۔ آپ کو فوراً وحی سے خبر ہوگئی، آپ نے علی، زبیر اور مقداد کو روانہ کیا اور فرمایا، مدینہ و مکہ کے مابین واقع جگہ روضۂ خاخ پہنچو گے تو تمھیں اونٹ کے ہودے میں سوار ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس خط ہوگا، وہ لے لینا۔ دونوں اصحاب وہ خط لے کر آپ کے پاس پہنچے تو عمر نے حاطب کا سر قلم کرنا چاہا، لیکن آپ نے بدری ہونے کی وجہ سے انھیں چھوڑ دیا۔ حاطب نے بھی کہا کہ انھوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے بلکہ مشرکوں کے ہاں موجود اپنی والدہ اور دوسرے اعزہ کو بچانے کے لیے ایسا کیا۔ (بخاری، رقم، مسلم)

۸ھ، فتح مکہ کے موقع پر مقداد کے پاس جیش نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے میمنہ کی کمان تھی۔

۹ھ، عام الوفود: تیرہ ارکان پر مشتمل قبیلۂ بہرا کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے مدینہ آیا تو اپنے ہی قبیلے سے تعلق رکھنے والے مقداد بن عمرو (اسود) کا مہمان ہوا۔

اول اسلام لانے والوں کی فضیلت کا بیان

150- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سَعِيْدِ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِىْ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ بْنُ قُدَامَةَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ اَبِى النَّجُوْدِ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ اَوَّلَ مَنْ اَظْهَرَ اِسْلَامَهٗ سَبْعَةٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعَمَّارٌ وَّاُمُّهٗ سُمَيَّةُ وَصُهَيْبٌ وَّبِلَالٌ وَّالْمِقْدَادُ فَاَمَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنَعَهُ اللّٰهُ بِعَمِّهٖ اَبِىْ طَالِبٍ وَّاَمَّا اَبُوْبَكْرٍ فَمَنَعَهُ اللّٰهُ بِقَوْمِهٖ وَاَمَّا سَائِرُهُمْ فَاَخَذَهُمُ الْمُشْرِكُوْنَ وَاَلْبَسُوْهُمْ اَدْرَاعَ الْحَدِيْدِ وَصَهَرُوْهُمْ فِى الشَّمْسِ فَمَا مِنْهُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وَاتَاهُمْ عَلٰى مَا اَرَادُوْا اِلَّا بِلَالًا فَاِنَّهٗ هَانَتْ عَلَيْهِ نَفْسُهٗ فِى اللّٰهِ وَهَانَ عَلٰى قَوْمِهٖ فَاَخَذُوْهُ فَاَعْطَوْهُ الْوِلْدَانَ فَجَعَلُوْا يَطُوْفُوْنَ بِهٖ فِىْ شِعَابِ مَكَّةَ وَهُوَ يَقُوْلُ اَحَدٌ اَحَدٌ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سب سے پہلے سات افراد نے اپنے اسلام کو ظاہر کیا' نبی کریم ﷺ' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' حضرت عمار رضی اللہ عنہ' ان کی والدہ سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ' حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ۔ جہاں تک نبی کریم ﷺ کا تعلق ہے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کے چچا جناب ابوطالب کی وجہ سے انہیں محفوظ رکھا' جہاں تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی وجہ سے انہیں محفوظ رکھا' جہاں تک باقی افراد کا تعلق ہے' تو انہیں مشرکین نے پکڑ لیا وہ انہیں لوہے کی زرہیں پہنا دیتے تھے اور انہیں تپتی دھوپ میں چھوڑ دیتے تھے۔

ان میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی حوالے سے وہ کام کیا جو وہ لوگ چاہتے تھے سوائے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے' کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے آپ کو بے حیثیت کر دیا تھا اور وہ اپنی قوم کے افراد کے لیے بھی بے حیثیت ہو گئے تھے' وہ مشرکین انہیں پکڑ کر انہیں اپنے بچوں کے سپرد کر دیتے تھے اور وہ بچے انہیں مکہ کی گھاٹیوں میں گھماتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ احد' احد کہتے تھے۔

150 اس روایت کو نقل کرنے میں' امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

151- حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِیعٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُوْذِیْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یُؤْذٰی اَحَدٌ وَلَقَدْ اُخِفْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَیَّ ثَالِثَةٌ وَمَا لِیْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ یَاْكُلُهُ ذُوْ كَبِدٍ اِلَّا مَا وَارٰی اِبْطُ بِلَالٍ

⇔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجھے جتنی اذیت دی گئی ہے اتنی کسی کو اذیت نہیں دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجھے جتنا خوفزدہ کیا گیا ہے۔ اتنا اور کسی کو نہیں کیا گیا اور مجھ پر تین دن ایسے بھی گزرے ہیں کہ جب میرے اور بلال کے لئے اتنا بھی کھانا نہیں تھا کہ اسے کوئی ذی روح کھا سکے ماسوائے اس چیز کے جو بلال کی بغل میں آجاتی۔

حضرت سمیہ کا اسلام کیلئے شہیدہ اول ہونے کے شرف کا بیان

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد دعوت حق کا آغاز فرمایا تو وہی قریش مکہ جن کی زبانیں آپ کو امین امین کہتے نہیں تھکتی تھیں وہ نہ صرف آپ کے خون کے پیاسے بن گئے بلکہ جو شخص بھی دعوت حق پر لبیک کہتا اس پر بے تحاشہ ظلم وستم ڈھانا شروع کردیتے تھے۔ اس میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ اسی زمانے میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بنو مخزوم کے محلے سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کفار قریش نے ایک ضعیف العمر خاتون کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں لٹا رکھا ہے اور پاس کھڑے ہوکر قہقہے لگارہے ہیں۔ ساتھ ہی اس خاتون سے مخاطب ہوکر کہہ رہے ہیں محمد کا دین قبول کرنے کا مزہ چکھ۔

مظلوم خاتون کی بے بسی دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہوگئے اور ان سے مخاطب ہوکر فرمایا: صبر کرو تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے۔ راہ حق میں ظلم سہنے والی یہ خاتون جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی تلقین فرمائی اور جنت کی بشارت دی حضرت سُمیہ بنت خباط رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت سُمیہ بنت خباط رضی اللہ عنہا کا شمار نہایت بلند پایہ صحابیات میں ہوتا ہے۔ انہوں نے راہ حق میں ضعف اور کبر سنی کے باوجود زہرہ گداز مظالم جھیلے یہاں تک کہ اپنی جان بھی اسی راہ میں قربان کردی اور اسلام کی سب سے پہلی شہید ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل کیا۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے آباؤ اجداد میں صرف ان کے باپ خباط کا نام معلوم ہے۔ ان کا وطن اور خاندان کون سا تھا اور وہ کب اور کیسے مکہ پہنچیں کتب سیر ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں دیتیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ایامِ جاہلیت میں مکہ کے ایک رئیس ابوحذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ یہ بعثت نبوی سے تقریباً پینتالیس سال پہلے کا ذکر ہے۔ اسی زمانے میں یمن سے ایک قحطانی النسل شخص یاسر بن عامر اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش کرتے ہوئے مکے میں وارد ہوئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کرکے ابوحذیفہ بن المغیرہ کے حلیف بن گئے۔ اس نے حضرت سمیہ کی شادی حضرت یاسر بن عامر سے کردی۔ ان کی صلب سے

151 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2472

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے دو بیٹے پیدا ہوئے عبداللہ رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن اور جوانی کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس کا یہ سارا دور یاسر، سمیہ عبداللہ اور عمار کے سامنے گزرا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم ترین شخصیت اور اعلیٰ سیرت وکردار کا نہایت گہرا اثر قبول کیا۔ کیونکہ بعثت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز فرمایا تو اس سارے خاندان نے کسی تامل کے بغیر اس پر لبیک کہا۔ اس وقت ابوحذیفہ مخزومی کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اس کے ورثا کی غلامی میں تھیں۔

مظالم کفار کو رضائے الٰہی کیلئے برداشت کرنے والوں کے صبر کا بیان

یہ اہل حق کیلئے بڑا پر آشوب زمانہ تھا مکہ کا جو شخص اسلام قبول کرتا مشرکین قریش کے غیظ وغضب اور لرزہ خیز جور وتشدد کا نشانہ بن جاتا۔ مشرکین اس معاملے میں اپنے قریب ترین عزیزوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے لڑکے غریب الوطن تھے اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بھی ابھی بنو مخزوم نے رہا نہیں کیا تھا۔ ان بے چاروں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے میں مشرکین کو کوئی چیز مانع نہیں تھی۔ انہوں نے اس بے کس خاندان پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا دونوں بہت ضعیف اور کبر السن تھے مگر ان کی قوت ایمانی اور استقامت کا یہ عالم تھا کہ مشرکین ان کو طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتے تھے اور شرک پر مجبور کرتے تھے لیکن انکے قدم جادہ حق سے ایک لمحہ کیلئے بھی نہیں ڈگمگاتے تھے۔ یہی حال ان کے بیٹوں کا تھا۔ ان مظلوموں کو لوہے کی زرہیں پہنا کر مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لٹانا، ان کی پشت کو آگ کے انگاروں سے داغنا اور پانی میں غوطے دینا کفار کا روز کا معمول بن گیا تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام سے گزرے جہاں ان مظلوموں کو عذاب دیا جا رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر سخت دکھ ہوا اور آپ صلی اللہ علہ وسلم نے فرمایا: صبر کروائے آل یاسر تمہارے لئے جنت کا وعدہ ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا، اور ان کے بچوں کو مبتلائے مصیبت دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر کرو۔ الٰہی آل یاسر کی مغفرت فرمادے اور تو نے ان کی مغفرت کر ہی دی۔ بوڑھے یاسر رضی اللہ عنہ یہ ظلم سہتے سہتے ایک دن جاں بحق ہو گئے لیکن مشرکین کو پھر بھی اس خاندان پر رحم نہیں آیا اور انہوں نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بچوں پر ظلم وستم کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

ایک دن حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا دن بھر سختیاں سہنے کے بعد شام کو گھر واپس آئیں تو ابوجہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اپنا برچھا حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو کھینچ مارا۔ وہ اسی وقت زمین پر گر گئیں اور اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل نے حضرت سمیہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی تیر مار کر شہید کر دیا۔ اب صرف حضرت عمار رضی اللہ عنہ رہ گئے تھے۔ ان کو اپنی والدہ کی مرگ بے کسی پر سخت صدمہ ہوا روتے ہوئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سنا کر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اب تو ظلم کی انتہا ہوگئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا: اے اللہ آل یاسر کو دوزخ سے بچا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ تو بیٹے تھے ان کو والدہ کی مظلومانہ شہادت کبھی نہیں بھول سکتی تھی لیکن سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ابوجہل کی شقاوت اور حضرت سمیہ رضی

اللہ عنہا کی مرگ بیکسی یاد رہی۔ چنانچہ غزوہ بدر (رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری) میں ابو جہل جہنم واصل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا: قَدْ قَتَلَ اللّٰهُ قَاتِلَ اُمِّكَ (اللہ نے تمہاری ماں کے قاتل سے بدلہ لے لیا)

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شہادت ہجرت نبوی سے کئی سال قبل واقع ہوئی تھی اسلئے تمام اہل سیر انہیں اسلام کی شہید اول قرار دیتے ہیں۔ بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شہیدہ اسلام نے قیامت تک کیلئے جذبہ جہاد کو زندہ کر دیا ہے

یہ حضرت عمار بن یاسر صحابی رضی اللہ عنہا کی والدہ ہیں اسلام لانے کی وجہ سے مکہ کے کافروں نے ان کو بہت زیادہ ستایا ایک مرتبہ ابو جہل نے نیزہ تان کر ان سے دھمکا کر کہا کہ تو کلمہ نہ پڑھ ورنہ میں تجھے یہ نیزہ ماردوں گا حضرت بی بی سمیہ رضی اللہ عنہا نے سینہ تان کر زور زور سے کلمہ پڑھنا شروع کیا ابو جہل نے غصہ میں بھر کر ان کی ناف کے نیچے اس زور سے نیزہ مارا کہ وہ خون میں لت پت ہو کر گر پڑیں اور شہید ہو گئیں۔

یہ ایک جاں باز مسلمان عورت کا پہلا خون تھا جس سے خدا کی زمین رنگین ہو گی مگر اس خون کی گرمی نے ہزاروں مسلمان مردوں اور عورتوں میں جوش جہاد کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا کہ بدر و احد اور حنین کا میدان کفار کا قبرستان بن گیا اور مکہ وخیبر میں کفر و شرک کے جنگلات کٹ گئے اور ہر طرف اسلام کا باغ پھلنے پھولنے لگا۔ (طبقات ابن سعد، بدایہ نہایہ، تاریخ طبری)

بَابُ: فَضَائِلِ بِلَالٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

یہ باب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ہے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مختصر احوال کا بیان

نام ونسب: بلال نام، ابو عبداللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا، یہ حبشی نژاد غلام تھے، لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے، بنی جمح ان کے آقا تھے۔ (اسد الغابہ:)

اسلام

حضرت بلال رضی اللہ عنہ صورت ظاہری کے لحاظ سے گو ایک سیاہ فام حبشی تھے، تاہم آئینہ دل شفاف تھا، اس کو ضیائے ایمان نے اسوقت منور کیا، جب کہ وادی بطحاء کی اکثر گوری مخلوق غرور حسن وزعم شرافت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی، جن معدودے چند بزرگوں نے داعی حق کو لبیک کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن میں ایک یہ غلام حبشی بھی تھا، سچ ہے۔ ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ابتلاء واستقامت

کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم وستم کا آماجگاہ رہتا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جو ذاتی حالت تھی، اس کے لحاظ سے وہ

اور بھی اس ناموس جفا کے شکار ہوئے، گوناگوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال واستقامت کی آزمائش ہوئی، تپتی ہوئی ریت، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹائے گئے، مشرکین کے لڑکوں نے گلے مبارک میں رسیاں ڈال کر بازیچہ اطفال بنایا؛ لیکن ان تمام روح فرسا آزمائشوں کے باوجود توحید کی مضبوط رسی کو ہاتھ سے نہ چھوڑا، ابوجہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھدیتا اور جب آفتاب کی تمازت بیقرار کردیتی تو کہتا، بلال رضی اللہ عنہ اب بھی محمد کے خدا سے باز آ، لیکن اس وقت بھی دہن مبارک سے یہی احد احد نکلتا۔ (اسد الغابہ)

ستم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا، اس کی جدت طرازیوں نے ظلم وجفا کے نئے طریقے ایجاد کیے تھے، وہ ان کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتا، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا تمہارا خدا لات اور عزیٰ ہے، لیکن اس وارفتہ توحید کی زبان سے احد احد کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا، مشرکین کہتے کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث)

آزادی

حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک روز حسب معمول وادی بطحاء میں مشق ستم بنائے جا رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گذرے تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر رقم معاوضہ دے کر آزاد کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا، ابوبکر تم مجھے اس میں شریک کرلو، عرض کیا یارسول اللہ میں آزاد کرا چکا ہوں۔ (ایضاً وبخاری)

ہجرت

وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عبدالرحمن خثعمی رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی، ان دونوں میں نہایت شدید محبت پیدا ہوگئی تھی، عہد فاروق میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شامی مہم میں شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، بلال رضی اللہ عنہ تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟ عرض کیا" ابورویحہ رضی اللہ عنہ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں میں جو برادرانہ تعلق پیدا کر دیا ہے وہ کبھی منقطع نہیں ہوسکتا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث)

موذن

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس اور مجبور نہ تھا، یہاں پہنچنے کے ساتھ شعار اسلام ودین متین کی اصولی تدوین وتکمیل کا سلسلہ شروع ہوا، مسجد تعمیر ہوئی، خدائے لایزال کی عبادت وپرستش کے لیے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لیے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے۔ (بخاری باب بدو الاذان)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز نہایت بلند وبالا ودلکش تھی، ان کی ایک صدا توحید کے متوالوں کو بے چین کر دیتی تھی، مرد اپنا کاروبار، عورتیں شبستان حرم اور بچے کھیل کود چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ ان کے اردگرد جمع ہوجاتے، جب خدائے واحد کے

پرستاروں کا مجمع کافی ہو جاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانہ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، الصلوۃ یا رسول اللہ! یعنی یا رسول اللہ نماز تیار ہے، غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر اقامت کے نعروں سے بندگانِ توحید کو بارگاہِ ذوالجلال والاکرام میں سربسجود ہونے کے لیے صف بصف کھڑا کر دیتی۔

(طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اگر کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ان کی قائم مقامی کرتے تھے، صبح کی اذان عموماً کچھ رات رہتے ہوئے دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صبح کے وقت دو اذانیں مقرر کی گئی تھیں، آخری اذان حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دیتے تھے، چونکہ وہ نابینا تھے، اس لیے ان کو وقت کا پتہ نہ تھا، جب لوگ ان سے کہتے کہ "صبح ہوگئی" تو اُٹھ کر ندائے تکبیر بلند فرماتے تھے، اسی بنا پر رمضان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد کھانا پینا جائز تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان صرف اس لیے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہے ہیں وہ کچھ آرام کریں اور جو تمام رات خواب راحت میں سرشار رہے ہیں وہ بیدار ہو کر نماز صبح کی تیاری کریں، لیکن وہ صبح کا وقت نہیں ہوتا؛ بلکہ کچھ رات باقی رہتی ہے۔ (بخاری باب الاذان بعد الفجر و باب اذان الاعمٰی منہ)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سفر و حضر ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن خاص تھے، ایک دفعہ سفر در پیش تھا، ایک جگہ رات ہوگئی، بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اگر اسی جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا تو بہتر تھا، ارشاد ہوا، مجھے خوف ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل کر دے گی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا، انہوں نے بڑھ کر ذمہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کر دیں گے، غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغول راحت ہوئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مزید احتیاط کے خیال سے شب زندہ داری کا ارادہ کر لیا اور رات بھر اپنے کجاوہ پر ٹیک لگائے بیٹھے رہے، لیکن اتفاق وقت اس حالت میں بھی آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوئی کہ طلوع آفتاب تک ہوشیار نہ ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب راحت سے بیدار ہو کر سب سے پہلے ان کو پکارا اور فرمایا "بلال رضی اللہ عنہ تمہاری ذمہ داری کیا ہوئی؟" عرض کیا یا رسول اللہ آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا، ارشاد ہوا بے شک خدا جب چاہتا ہے تمہاری روحوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم میں واپس کر دیتا ہے اچھا اُٹھو، اذان دو اور لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرو۔ (بخاری باب الاذان بعد ذہاب الوقت)

غزوات

حضرت بلال رضی اللہ عنہ تمام مشہور غزوات میں شریک تھے، غزوہ بدر میں انہوں نے امیہ بن خلف کو تہِ تیغ کیا جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اور خود ان کی ایذا رسانی میں بھی اس کا ہاتھ سب سے پیش پیش تھا۔ (اسد الغابہ)

فتح مکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس مؤذن خاص کو معیت کا فخر حاصل تھا۔ (کتاب المغازی باب دخول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعلی مکہ) انہیں حکم ہوا کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر توحید کی پرعظمت صدائے تکبیر بلند کریں، خدا کی قدرت وہ حریم قدس جو کو ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کی پرستش

کے لیے تعمیر کیا تھا، مدتوں صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمہ توحید سے گونجا۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے محسن وولی نعمت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا یا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے خدا کیلئے آزاد کیا ہے یا اپنی مصاحبت کے لیے؟ فرمایا خدا کے لیے، بولے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر کام ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ بیام موت تک اسی عمل خیر کو لازمہ حیات بنالوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بلال رضی اللہ عنہ! میں تمہیں خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اس عالم پیری میں داغ مفارقت نہ دو، اس موثر فرمان نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو عہد صدیقی کے غزوات میں شریک ہونے سے باز رکھا۔ (بخاری وطبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث:)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو انہوں نے پھر شرکت جہاد کی اجازت طلب کی، خلیفہ اول کی طرح خلیفہ دوم نے بھی ان کو روکنا چاہا؛ لیکن جوش جہاد کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، بے حد اصرار کے بعد اجازت حاصل کی، اور شامی مہم میں شریک ہو گئے، (بخاری وطبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کا سفر کیا تو دوسرے افسران فوج کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی مقام جابیہ میں ان کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کی سیاحت میں ہمرکاب رہے، ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے گو میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ دوں گا، تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا یہ کہہ کر اس عندلیب توحید نے کچھ ایسے لحن میں خدائے ذوالجلال کی عظمت وشوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بیتاب ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی بے اختیار رو رہے تھے، غرض سب کے سامنے عہد نبوت کا نقشہ کھنچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی۔ (تاریخ طبری واسد الغابہ:)

شام میں توطن

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ملک شام کی سرسبز وشاداب زمین پسند آگئی تھی، انہوں نے خلیفہ دوم سے درخواست کی کہ ان کو اور ان کے اسلامی بھائی حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کو یہاں مستقل سکونت کی اجازت دی جائے، یہ درخواست منظور ہوئی تو ان دونوں نے قصبہ خولان میں مستقل اقامت اختیار کر لی اور حضرت ابوالدرداء انصاری رضی اللہ عنہ کے خاندان سے جو پہلے ہی یہاں آکر آباد ہو گیا تھا، رشتہ ومناکحت کی سلسلہ جنبانی فرماتے ہوئے کہا: ہم دونوں کافر تھے، خدا نے ہماری ہدایت کی، ہم غلام تھے، اس نے آزاد کرایا، ہم محتاج تھے، اس نے مالدار بنایا، اب ہم تمہارے خاندان سے پیوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہیں، اگر تم رشتہ ازدواج سے یہ آرزو پوری کرو گے تو خدا کا شکر ہے، ورنہ کوئی شکایت نہیں، اسلام نے کالے، گورے حبشی اور عربی کی تفریق مٹادی تھی، انصار رضی اللہ عنہ نے نہایت خوشی کے ساتھ ان کے اس پیام کو لبیک کہا اور اپنی لڑکیوں سے شادی کر دی۔ (اسد الغابہ)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ تک شام میں متوطن رہنے کے بعد ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں "بلال رضی اللہ عنہ! خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟ اس

خواب نے گذشتہ زندگی کے پرلطف افسانے یاد دلائے، عشق ومحبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہوگئے، اسی وقت مدینہ کی راہ لی اور روضہ اقدس پر حاضر ہو کر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا، اور مضطربانہ جوش ومحبت کے ساتھ جگر گوشگانِ رسول یعنی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے، ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے، گو ارادہ کر چکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ اذان نہ دیں گے؛ تاہم ان کی فرمائش ٹال نہ سکے، صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ گونج اٹھا، اس کے بعد نعرہ توحید نے اس کو اور بھی پر عظمت بنا دیا؛ لیکن جب "اشہدان محمد رسول اللہ" کا نعرہ بلند کیا تو عورتیں تک بیقرار ہو کر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسارے آنسوؤں سے تر ہوگئے، بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا پر اثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔

وفات

۲۰ھ میں اس مخلص باوفا نے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت کے لیے دنیائے فانی کو خیرباد کہا: کم وبیش ساٹھ برس کی عمر پائی، دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے۔ (اسد الغابہ:)

اخلاق

محاسنِ اخلاق نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پایہ فضل وکمال کو نہایت بلند کر دیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ابوبکر سیدنا واعتق سیدنا "یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں، اور انہوں نے سردار بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا ہے۔ (مستدرک حاکم:)

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری ان کا مخصوص مقصدِ حیات تھا، ہر وقت بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر رہتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں باہر تشریف لے جاتے تو خادم جان نثار کی طرح ہمراہ ہوتے، عیدین واستسقاء کے مواقع پر علم لے کر آگے آگے چلتے۔ (طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث میں) وعظ وپند کی مجلسوں میں ساتھ جاتے، افلاس وناداری کے باوجود ان کو جو کچھ میسر آجاتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کے لیے پس انداز کرتے، ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، آپ نے تعجب سے پوچھا، بلال رضی اللہ عنہ یہ کہاں سے؟ عرض کیا میرے پاس جو کھجوریں تھیں وہ نہایت خراب قسم کی تھیں، چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لیے میں نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں، ارشاد ہوا، اُف! اُف ایسا نہ کرو، یہ تو عین ربا ہے، اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے۔ (بخاری)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ کی زندگی میں جن عبرتناک مظالم ومصائب کے متحمل ہوئے، اس سے ان کی غیر معمولی استقامت واستقلال کا اندازہ ہوا ہوگا، تواضع وخاکساری ان کی فطرت میں داخل تھی، لوگ ان کے فضائل ومحاسن کا تذکرہ کرتے تو

فرماتے، میں صرف ایک حبشی ہوں جوکل تک معمولی غلام تھا۔(طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث:) صداقت، بے ادبی اور دیانت داری نے ان کو نہایت معتمد علیہ بنا دیا تھا، ان کے ایک بھائی نے جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے، ایک عربی خاتون کے پاس نکاح کا پیام بھیجا، اس کے خاندان والوں نے جواب دیا کہ اگر بلال رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آکر تصدیق کریں گے تو ہم کو بخوشی منظور ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: صاحبو! میں بلال بن رباح رضی اللہ عنہ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، میں جانتا ہوں کہ اخلاق و مذہب کے لحاظ سے یہ بُرا آدمی ہے، اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ انکار کرو، انہوں نے کہا: بلال رضی اللہ عنہ! تم جس کے بھائی ہو گے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لیے عار نہیں۔(مستدرک حاکم)

مذہبی زندگی

حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن خاص تھے، اس بنا پر اس کو ہمیشہ خانہ خدا میں حاضر رہنا پڑتا تھا، مُلات دنیاوی سے سروکار نہ ہونے کے باعث عبادت، شب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کو کس عمل خیر پر سب سے زیادہ ثواب کی امید ہے، عرض کیا میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے، البتہ ہر طہارت کے بعد نماز ادا کی ہے۔(بخاری) نماز میں سب سے پہلے آمین کہتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو۔(اصابہ تذکرہ بلال رضی اللہ عنہ بحوالہ بخاری)

ایمان کو تمام اعمال حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ بولے خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، پھر جہاد، پھر حج مبرور (بخاری)

حلیہ

حلیہ یہ تھا، قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گوں؛ بلکہ مائل بہ سیاہی، سر کے بال گھنے، خمدار اور اکثر سفید تھے۔(طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث،:۰۰)

ازواج

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف و معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرادیا تھا، بنی زہرہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے خاندان میں بھی رشتہ مصاہرت قائم ہوا تھا، لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔(طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث)

152- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْاُسَامَةَ عَنْ عُمَرَ بْنِ حَمْزَةَ عَنْ سَالِمٍ اَنَّ شَاعِرًا مَدَحَ بِلَالَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ بِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ خَيْرُ بِلَالٍ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ كَذَبْتَ لَا بَلْ بِلَالُ رَسُوْلِ اللّٰهِ خَيْرُ بِلَالٍ

⇔ سالم بیان کرتے ہیں ایک شاعر نے بلال بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے یہ شعر کہا: ''بلال بن عبداللہ

---

152 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بلال نامی سب لوگوں میں سے بہتر ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمر ﷢ نے فرمایا: تم نے جھوٹ کہا ہے ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کے بلال ﷜ بلال نامی لوگوں میں سے سب سے بہتر تھے۔

بَابُ: فَضَائِلِ خَبَّابٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

یہ باب حضرت خباب ﷜ کے فضائل میں ہے

حضرت خباب ﷜ کے مختصر احوال کا بیان

نام ونسب: خباب نام، ابو عبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، خباب بن ارت بن جندلہ ابن سعد بن خزیمہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم، زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کیے گئے۔ (اسد الغابہ)

اسلام

حضرت خباب رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو دعوت اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں یعنی زید بن ارقم کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے، (ابن سعد، جلد، قسم،) اسلام لانے والوں میں ان کا چھٹا نمبر تھا، اسی لیے "سادس الاسلام" کہلاتے تھے۔

ابتلا و آزمائش

ان کے اسلام قبول کرنے کے زمانہ میں اسلام کا اظہار تعزیرات مکہ میں ایسا شدید جرم تھا، جس کی سزا میں مال و دولت، ننگ و ناموس ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا؛ لیکن حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی اور بہانگ دہل اپنے اسلام کا اظہار کیا، (اسد الغابہ)

یہ غلام تھے، ان کا کوئی بھی حامی و مددگار نہ تھا، اس لیے کفار نے ان کو مشق ستم بنالیا اور ان کو بڑی دردناک سزائیں دیتے تھے، ننگی پیٹھ، دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی اوپر سے مسلتا اور وہ اس وقت تک ان انگاروں پر کباب ہوتے رہتے، جب تک خود زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھاتی، (ابن سعد)

لیکن اس سختی کے باوجود وہ زبان کلمہ حق سے نہ پھرتی، رحمۃ اللعالمین اس کسمپرسی کی حالت میں تالیف قلب فرماتے تھے؛ لیکن ان کا آقا اتنا سنگدل تھا کہ وہ ان کے لیے اتنا سہارا بھی نہ برداشت کرسکا اور اس کی سزا میں لوہا آگ میں تپا کر اس سے ان کا سر داغا، (اسد الغابہ)

انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میرے لیے بارگاہ ایزدی میں دعا فرمایئے کہ وہ مجھ کو اس عذاب سے نجات دے، آپ نے دعا فرمائی کہ خدایا! خباب کی مدد کر۔

جب اس جسمانی سزا سے بھی آتش انتقام سرد نہ پڑی تو مالی نقصان پہنچانے کی کوشش کی، عاص بن وائل کے ذمہ ان کا قرض

تھا، یہ جب تقاضا کرتے تو جواب دیتا کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑ دوگے، اس وقت تک نہیں مل سکتا، یہ جواب دیتے کہ جب تک مرکر دوبارہ زندہ نہ ہوگے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہیں ہوسکتا وہ کہتا اچھا میں مرکر پھر زندہ ہوں گا اور مجھ کو مال اور اولاد ملے گی، اس وقت تمہارا قرض دوں گا، اس سے مسلمانوں کے اس عقیدے پر تعریض تھی کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی اس واقعہ پر کلام اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی: (بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ونرثہ مایقول)

اَفَرَاَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ، اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا ، کَلَّا سَنَکْتُبُ مَا یَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَہٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ، وَّنَرِثُہٗ مَا یَقُوْلُ وَیَاْتِیْنَا فَرْدًا (مریم: ۰)

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر کی جس نے ہماری آیات سے کفر کیا اور کہا کہ قیامت میں بھی مجھ کو مال اور اولاد ملے گی، کیا اس کو غیب کی خبر ہوگئی یا اس خدائے رحمٰن سے عہد لیا ہے، ہر گز نہیں جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھ لیتے ہیں اور اس کے عذاب میں ڈھیل دیتے چلے جائیں گے اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے ہم وارث ہوں اور یہ تنہا ہمارے سامنے لایا جائے گا۔

ہجرت ومواخات

خباب رضی اللہ عنہ مدتوں نہایت صبر واستقلال کے ساتھ یہ تمام مصیبتیں جھیلتے رہے، پھر جب ہجرت کی اجازت ملی تو ہجرت کرکے مدینہ آگئے، ہجرت بھی تکلیف ومصائب کے خوف سے نہ کی تھی؛ بلکہ خالصۃ لوجہ اللہ کی تھی، چنانچہ کہا کرتے تھے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خالصۃ لوجہ اللہ ہجرت کی تھی، (مسند ابن حنبل:) مدینہ آنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور خراش بن صمہ غلام تمیم کے درمیان مواخات کرادی۔ (اسد الغابہ:)

غزوات

مدینہ آنے کے بعد شروع سے آخر تک تمام غزوات میں شریک رہے۔ (ابن سعد، جز، ق:)

خلافت فاروقی

حضرت عمران رضی اللہ عنہ کے فضائل کی وجہ سے ان کا بہت احترام کرتے تھے ایک دن یہ ان سے ملنے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے گدھے پر بٹھایا اور لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ ان کے علاوہ صرف ایک شخص اور ہے جو اس پر بیٹھنے کا مستحق ہے، خباب رضی اللہ عنہ نے پوچھا امیر المومنین! وہ کون؟ فرمایا بلال رضی اللہ عنہ! آپ نے عرض کیا وہ میرے برابر کیوں کر مستحق ہوسکتے ہیں، مشرکین میں ان کے بہت سے مددگار تھے؛ لیکن میرا پوچھنے والا سوائے اللہ کے کوئی نہ تھا، اس کے بعد اپنا استحقاق بتاتے ہوئے اپنے مصائب کی داستان سنائی۔ (مستدرک حاکم، جلد، تذکرہ خباب بن ارت)

علالت ووفات

۳۷ھ میں کوفہ میں بیمار پڑے، علاج سے افاقہ ہونے کے بجائے مرض اور بڑھ گیا، اس کی طوالت اور تکلیف سے گھبرا کر کہنے

لگے کہ اگر خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موت کی دعا کرنے کی ممانعت نہ کی ہوتی تو میں دعا کرتا جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور کفن لایا گیا تو اسے دیکھ کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے فرمانے لگے، آہ! حمزہ رضی اللہ عنہ کو پورا کفن بھی میسر نہ ہوا تھا، ایک معمولی چھوٹی سی چادر میں کفنائے گئے کہ اگر پیر ڈھانکا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے ،آخر میں سر ڈھانک کر اذخر (ایک قسم کی گھاس) سے پاؤں چھپائے گئے۔

کچھ لوگ عیادت کرنے کو آئے اور کہا ابوعبداللہ تم کو خوش ہونا چاہئے، کل تک اپنے ساتھیوں سے مل جاؤ گے، یہ سن کر رقت طاری ہو گئی، فرمایا کہ میں موت سے نہیں گھبراتا تم لوگوں نے ایسے لوگوں کو یاد دلایا جو اس دنیا سے اجر کے مستحق اٹھے مجھ کو خوف ہے کہ کہیں ثواب آخرت کے بدلہ میں، مجھ کو یہ دنیا نہ ملی ہو۔ (ابن سعد، جز،ق،:، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تکفین کا واقعہ بخاری کتاب المغازی اور مسند ابن حنبل: میں ہے)

وصیت اور وفات

کوفہ والے عموماً اپنے مردوں کو شہر کے اندر دفن کرتے تھے؛ لیکن انہوں نے وصیت کردی تھی کہ مجھ کو بیرون شہر دفن کرنا، اس وصیت کے مطابق ان کو شہر کے باہر دفن کیا گیا، آپ پہلے صحابی ہیں جن کی قبر سے کوفہ کے باہر ویرانہ کی آبادی ہوئی، وفات کے وقت بہتر سال کی عمر تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین سے واپس ہو رہے تھے کہ خباب رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع ملی؛ چنانچہ آپ ہی نے نماز جنازہ پڑھائی، (مستدرک حاکم:) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ھ میں وفات پائی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ھ میں مدینہ میں پیوند خاک ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

ذریعہ معاش

زمانہ جاہلیت میں اور اس کے بعد عرصہ تک تلواریں بنا کر کسب معاش کرتے رہے، اسلام کا ابتدائی زمانہ بہت عسرت میں بسر ہوا؛ لیکن کچھ دنوں کے بعد اللہ نے فارغ البال کیا اور اتنی دولت ملی کہ پھر کسی پیشہ وغیرہ کی احتیاج باقی نہیں رہی، وفات کے وقت چالیس ہزار درہم پس انداز تھے۔ (ابن سعد، جلد، ق تذکرہ خباب رضی اللہ عنہ)

فضل وکمال

خباب رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کی بڑی جستجو رہتی تھی اور وہ کبھی کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لاعلمی میں رات رات بھر آپ کے طریقہ عبادت کو دیکھتے اور صبح کو اس کے متعلق استفسار کرتے، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری رات نماز پڑھی، یہ پوری رات دیکھتے رہے اور صبح کو آکر پوچھا، فدیت بابی وامی، یارسول اللہ! رات کو آپ نے ایسی نماز پڑھی کہ اس کے قبل کبھی نہ پڑھی تھی، فرمایا وہ بیم ورجا کی نماز تھی میں نے بارگاہ ایزدی میں تین چیزوں کی دعا کی تھی، دو مقبول ہوئیں اور ایک نامقبول، ایک دعا یہ تھی کہ اللہ مسلمانوں کو اس عذاب سے نہ ہلاک کرے جس سے گذشتہ امتیں ہلاک ہوئیں اور میرے دشمنوں کو مجھ پر غالب نہ کرے، یہ دونوں دعائیں تو قبول ہو گئیں؛ لیکن تیسری قبول نہیں ہوئی۔ (مسند احمد بن حنبل:)

صحابہ اور تابعین میں جن بزرگوں نے ان سے حدیثیں سنی ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں: آپ کے صاحبزادہ عبداللہ اور ابو امامہ باہلی، عبداللہ بن نمیر، قیس ابن ابی حازم، مسروق بن اجدع اور علقمہ بن قیس وغیرہ۔ (تہذیب التہذیب:

حضرت عمار وخباب کی فضیلت کا بیان

153- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَّعَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِيْ لَيْلَى الْكِنْدِيِّ قَالَ جَآءَ خَبَّابٌ اِلٰى عُمَرَ فَقَالَ اُدْنُ فَمَا اَحَدٌ اَحَقُّ بِهٰذَا الْمَجْلِسِ مِنْكَ اِلَّا عَمَّارٌ فَجَعَلَ خَبَّابٌ يُرِيْهِ اٰثَارًا بِظَهْرِهٖ مِمَّا عَذَّبَهُ الْمُشْرِكُوْنَ

ابولیلیٰ کندی بیان کرتے ہیں حضرت خباب رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا: آپ قریب ہو جائیں کیونکہ اس محفل میں (میرے قریب ہونے کے) آپ سے زیادہ حقدار صرف عمار رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اپنی پشت پر موجود نشان دکھائے کہ مشرکین جو انہیں تکلیف دیا کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جامع مناقب کا بیان

154- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُوْبَكْرٍ وَّاَشَدُّهُمْ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ عُمَرُ وَاَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ وَاَقْضَاهُمْ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَّاَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَّاَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَّاَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنًا وَّاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: میری امت میں میری امت کے لئے سب سے زیادہ رحم کرنے والا ابوبکر ہے اور میری امت میں سب سے سخت عمر ہے حیاء کے اعتبار سے سب سے زیادہ سچا عثمان ہے اور سب سے بہترین فیصلہ کرنے والا علی ہے۔ اللہ کی کتاب کی سب سے اچھی قرأت کرنے والا اُبی بن کعب ہے۔ حلال اور حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا معاذ بن جبل ہے۔ وراثت سے متعلق سب سے زیادہ علم رکھنے والا زید بن ثابت ہے اور ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے۔

155- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ خَالِدِ الْحَذَّاءِ عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ مِثْلَهُ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

---

153 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

154 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 3791.

بَاب :فَضْلِ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

یہ باب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ہے

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے مختصر احوال کا بیان

نام ونسب: جندب نام، ابوذر کنیت "مسیح الاسلام" لقب، سلسلہ نسب یہ ہے، جندب بن جنادہ ابن قیس بن عمرو بن ملیل بن صعیر بن حرام بن غفار بن ملیل بن حمزہ بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ غفاری، ماں کا نام رملہ تھا اور قبیلہ بنی غفار سے تعلق رکھتی تھیں۔

قبل از اسلام

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنو غفار رہزنی کیا کرتا تھا، جاہلیت میں ابوذر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی پیشہ تھا اور وہ نہایت مشہور راہزن تھے، تن تنہا نہایت جرات اور دلیری سے قبائل کو لوٹتے تھے؛ لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کی زندگی میں دفعۃً انقلاب ہوا اور ایسا سخت ہوا کہ رہزنی یکلخت ترک کر کے ہمہ تن خدا پرستی کی طرف مائل ہو گئے، چنانچہ ظہور اسلام کے پہلے جب سارا عرب ضلالت میں مبتلا تھا وہ خدا کی پرستش کرتے تھے، ابومعشر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ جاہلیت ہی سے موحد تھے، خدا کے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے تھے اور بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے، ان کی خدا پرستی عام طور پر لوگوں میں مشہور تھی، چنانچہ جس شخص نے ان کو سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی اطلاع دی، اس کے الفاظ یہ تھے کہ "ابوذر رضی اللہ عنہ" مکہ میں تمہاری طرح ایک شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے (ابن سعد جز، ق،) ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدا پرستی صرف اعتراف توحید تک محدود نہ تھی؛ بلکہ جس طرح بن پڑتا تھا نماز بھی پڑھتے تھے، وہ خود کہتے تھے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے تین سال قبل سے نماز پڑھتا تھا، لوگوں نے پوچھا کس کی نماز پڑھتے تھے کہا خدا کی پھر پوچھا کس طرف رخ کرتے تھے جواب دیا جس طرف خدا پھیر دیتا،

(ابن سعد جز و،ق، ومسلم اسلام ابی ذر رضی اللہ عنہ)

فاینما تولوا فثم وجہ اللہ ہر جا کنیم سجدہ بآں آستان رسید

اسلام کی تلاش میں پہلی آزمائش

چونکہ ابوذر رضی اللہ عنہ جاہلیت ہی سے راہ حق کے متلاشی تھے، اس لیے حق کی پکار سنتے ہی لبیک کہا اور اس وقت دعوت حق کا جواب دیا، جب چار آدمیوں کے سوا ساری دنیا کی زبانیں اس اعلانِ حق سے خاموش تھیں، اس اعتبار سے اسلام لانے والوں میں ان کا پانچواں نمبر ہے، ان کے اسلام کا واقعہ خاص اہمیت رکھتا ہے یہ دلچسپ داستان خود ان کی زبان سے مروی ہے، ان کا بیان ہے کہ جب میں قبیلہ غفار میں تھا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ مکہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، میں نے اپنے بھائی کو واقعہ کی تحقیق کے لیے بھیجا وہ واپس آئے تو میں نے پوچھا، کہو کیا خبر لائے؟ انہوں نے کہا خدا کی قسم یہ شخص نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا

ہے، اس قدر مجمل بیان سے میری تشفی نہیں ہوئی، اس لیے میں خود سفر کا مختصر سامان لے کر مکہ چل کھڑا ہوا، وہاں پہنچا تو یہ دقت پیش آئی کہ میں رسول اکرم کو پہچانتا نہ تھا اور کسی سے پوچھنا بھی مصلحت نہ تھی، اس لیے خانہ کعبہ میں جا کر ٹھہر گیا اور زمزم کے پانی پر بسر کرنے لگا، اتفاق سے ایک دن علی رضی اللہ عنہ گذرے، انہوں نے پوچھا تم مسافر معلوم ہوتے ہو، میں نے کہا ہاں، وہ مجھ کو اپنے گھر لے گئے، لیکن مجھ سے ان کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی، صبح اٹھ کر میں پھر کعبہ گیا کہ لوگوں سے اپنے مقصود کا پتہ دریافت کروں کیوں کہ ابھی تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے بے خبر تھا، اتفاق سے پھر علی رضی اللہ عنہ گذرے اور پوچھا کہ اب تک تم کو اپنا ٹھکانہ نہیں معلوم ہوا، میں نے کہا نہیں، وہ پھر دوبارہ مجھ کو اپنے ساتھ لے چلے، اس مرتبہ انہوں نے پوچھا، کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا اگر اس کو راز میں رکھیں تو عرض کروں، فرمایا مطمئن رہو، میں نے کہا میں نے سنا تھا کہ یہاں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، پہلے اس خبر کی تصدیق اور اس شخص کے حالات دریافت کرنے کے لیے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا، مگر وہ کوئی تشفی بخش خبر نہ لایا، اس لیے اب میں خود اس سے ملنے آیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے نیکی کا راستہ پالیا، سیدھے میرے ساتھ چلے آو، جس مکان میں میں جاوں تم بھی میرے ساتھ چلے آنا، راستہ میں اگر کوئی خطرہ پیش آئے گا، تو میں جوتا درست کرنے کے بہانے سے دیوار کی طرف ہٹ جاوں گا اور تم بڑھے چلے جانا، چنانچہ میں حسب ہدایت ان کے ساتھ ہولیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سامنے اسلام پیش کیجئے، آپ نے اسلام پیش کیا اور میں اسلام کے عقیدت مندوں میں شامل ہوگیا، قبول اسلام کے بعد آپ نے فرمایا ابوذر ابھی تم اس کو پوشیدہ رکھو اور اپنے گھر لوٹ جاو، میرے ظہور کے بعد واپس آنا، میں نے قسم کھا کر کہا کہ میں اسلام کو چھپا نہیں سکتا، ابھی لوگوں کے سامنے پکار کر اعلان کروں گا، یہ کہہ کر مسجد میں آیا، یہاں قریش کا مجمع تھا، میں نے سب کو مخاطب کر کے کہا کہ قریشیو! میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں، یہ سن کر ان لوگوں نے للکارا کہ اس بے دین کو لینا، اس آواز کے ساتھ ہی چاروں طرف سے لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بے دم کر دیا، یہ دردناک منظر کو دیکھ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہوسکا، وہ مجھ کو بچانے کے لیے میرے اوپر گر پڑے اور ان لوگوں سے کہا کہ تم لوگ ایک غفاری کی جان لینا چاہتے ہو؛ حالانکہ یہ قبیلہ تمہاری تجارت کا گذرگاہ ہے، یہ سن کر سب ہٹ گیے؛ لیکن اسلام کا وہ نشہ نہ تھا جس کا خمار قریش کے غیظ وغضب کی ترشی سے اتر جاتا، دوسرے دن پھر اس حق گو کی زبان پر یہ نعرہ مستانہ تھا۔

عشق را با مصلحت اندیشی مجنوں چہ کار ‏‏‏‏‏‏ در عجا بہائے طور عشق حکمتہا کم است

اور پھر وہی مسجد تھی وہی صنادید قریش کا مجمع تھا اور وہی ان کی ستم آرائی تھی۔

(مستدرک حاکم، و بخاری باب بنیان الکعبہ، مسلم جلد، فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ)

مسلم فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ میں ان کے اسلام کے بارہ میں دو روایتیں ہیں، ایک یہی مذکورہ بالا روایت، اس روایت کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، دوسری روایت خود ان سے مروی ہے؛ لیکن دونوں روایتوں کے واقعات باہم مختلف ہیں، ان کے زبانی جو روایت منقول ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اپنے وطن سے اپنے بھائی انیس اور اماں کو لے کر اپنے ماموں کے یہاں

گئے، پکھ دنوں کے بعد ان سے خفا ہوکر چلے گئے، اتفاق سے ایک مرتبہ انیس کسی ضرورت سے مکہ گئے وہاں سے لوٹ کر ابوذر رضی
اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات بیان کیے، آپ کے اوصاف سن کہ وہ خود تحقیقات کے لیے مکہ پہنچے اور ایک شخص
سے آپ کا پتہ پوچھا، پوچھتے ہی ہر طرف سے مشرکین ان پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے بیدم کر دیا، لیکن یہ نہ ہٹے، تیسرے دن نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی، وہ ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور یہ مشرف باسلام ہوئے، ہم نے جو صورت واقعہ نقل کی
ہے وہ چونکہ بخاری، مسلم اور مستدرک تینوں میں ہے اس لیے اس کو ترجیح دی۔

مراجعت وطن

کچھ دن مکہ میں قیام کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے گھر واپس کر دیا، اور فرمایا کہ میں عنقریب یثرب ہجرت
کرنے والا ہوں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ تم اپنی قوم میں کار اسلام کی تبلیغ کرو، شاید خدا ان کو فائدہ بخشے اور اس صلہ میں تمہیں بھی اجر
ملے، انہوں نے آپ کے حسب ارشاد روانگی کی تیاری شروع کر دی اور وطن کا سفر کرنے کے قبل اپنے بھائی انیس سے ملے، انہوں
نے پوچھا کیا کر کے آئے، جواب دیا، اعتراف صداقت کر کے اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا ہوں، یہ سن کر وہ بھی دائرہ اسلام میں داخل
ہو گئے، یہاں سے دونوں تیسرے بھائی امنا کے پاس پہنچے، وہ بھی مشرف باسلام ہوئے، اس کے بعد تینوں وطن پہنچے اور دعوت حق
میں اپنا وقت صرف کرنے لگے، آدھا قبیلہ تو اسی وقت مسلمان ہو گیا اور آدھا ہجرت کے بعد مسلمان ہوا۔
(صحیح مسلم، فضائل ابی ذر رضی اللہ عنہ، مسند بن حنبل)

ہجرت و مواخاۃ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی تشریف آوری کے بعد بھی عرصہ تک ابوذر رضی اللہ عنہ بنی غفار میں رہے اور بدر، احد،
خندق، وغیرہ کے غزوات ہونے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آئے، اسی بناء پر مواخاۃ میں اختلاف ہے، محمد بن اسحق راوی ہیں کہ نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ اور منذر بن عمرو کے درمیان مواخاۃ کرائی تھی؛ لیکن واقدی کا قول ہے کہ ابوذر رضی اللہ
عنہ آیت میراث کے نزول کے بعد مدینہ آئے اور اس آیت کے بعد مواخاۃ کا طریقہ باقی نہ رہا تھا۔ (ابن سعد، جزو ق،)

مدینہ کا قیام

مدینہ کے قیام میں ان کا سارا وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذرتا تھا اور ان کا محبوب مشغلہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت تھی، خود کہتے ہیں کہ میں پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، اس سے فراغت کے بعد پھر آ کر مسجد
میں آرام کرتا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل)

چونکہ ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، اس لیے مہاجرین زیادہ تر اسی میں مشغول رہتے تھے، حضرت ابوذر رضی
اللہ عنہ کی غزوات میں شرکت کی تفصیل نہیں ملی، صرف غزوہ تبوک کی شرکت کا پتہ چلتا ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت
کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے لیے نکلے تو بہت سے لوگ بچھڑنے لگے (کیونکہ یہ قحط سالی کا زمانہ تھا)

جب کوئی شخص بچھڑتا تو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص نہیں آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جانے دو، اگر اس کی نیت اچھی ہے تو عنقریب اللہ اس کو تم سے ملادے گا، ورنہ اللہ نے اس کو تم سے چھڑا کر اس کی طرف سے راحت دیدی، یہاں تک کہ ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام لیا گیا، کہ وہ بھی بچھڑ گئے، واقعہ یہ تھا کہ ان کا اونٹ سست ہوگیا تھا، اس کو پہلے چلانے کی کوشش کی جب نہ چلا تو اس پر سے ساز وسامان اتار کر پیٹھ پر لادا اور پاپیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقب سے روانہ ہوگئے اور اگلی منزل پر جاکر مل گئے، ایک شخص نے دور سے آتا دیکھ کر کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ راستہ پر کوئی شخص آرہا ہے آپ نے فرمایا، ابوذر رضی اللہ عنہ ہوں گے لوگوں نے بغور دیکھ کر پہچانا اور عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ابوذر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، وہ تنہا چلتے ہیں، تنہا مریں گے اور قیامت کے دن تنہا اٹھیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری پیشین گوئی لفظ بہ لفظ پوری ہوئی، آئندہ واقعات میں اس کی تفصیل آئے گی، اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ قحط کے زمانہ میں بھی جب بہتوں کے ارادے متزلزل ہوگئے پیچھے نہ ہٹے اور اپنا سامان پیٹھ پر لاد کر پاپیادہ میدان جہاد میں پہنچے تو ان غزوات میں، جن میں اس قسم کی دشواریاں نہ تھیں، یقیناً شریک ہوئے ہونگے، پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں تھے، اس لیے ان لڑائیوں میں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ہوگی، ان میں ابوذر رضی اللہ عنہ بھی یقیناً ہمرکاب رہے ہوں گے، خصوصاً جب کہ یہ معلوم ہے کہ ان کو جہاد کے ساتھ غیر معمولی شغف تھا، (تذکرہ الحفاظ) اس لیے یہ ممکن نہیں ہے جب تمام مسلمانوں کی تلواریں اپنے جوہر دکھارہی ہوں، اس وقت ان کی تلوار نیام میں رہی ہو، فتح مکہ کے بعد جب اسلامی افواج کا مظاہرہ ہورہا تھا تو سب سے آگے ان ہی کے قبیلہ کا پرچم تھا۔

عہد شیخین

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فطرۃً فقیر منش، زہد پیشہ، تارک الدنیا اور عزلت پسند تھے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "مسیح الاسلام" کا لقب دیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے دنیا سے ہی قطع تعلق کرلیا، لیکن قیام دیار محبوب ہی میں رہا، وفات نبوی سے دل ٹوٹ چکا تھا، اس لیے عہد صدیقی میں کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات نے اور بھی شکستہ خاطر کردیا، گلشن مدینہ ویرانہ نظر آنے لگا، اس لیے مدینہ چھوڑ کر شام کی غربت اختیار کرلی۔ (استیعاب)

عہد عثمانی

اسلام کی اصل سادگی شیخین کے عہد تک قائم رہی، پھر جب فتوحات کی کثرت کے ساتھ مال ودولت کی فراوانی ہوئی تو قدرۃ سادگی کی جگہ تمدنی تکلفات شروع ہوگئے؛ چنانچہ عہد عثمانی میں ہی امراء میں شاہانہ شان وشوکت کی ابتدا ہوچکی تھی، ان کا اثر عام مسلمانوں پر بھی پڑا اور ان میں عہد نبوت کی سادگی کے بجائے عیش وتنعم کے تکلفات پیدا ہونے لگے، شام میں رومیوں کے اثر نے اس کو اور زیادہ فروغ دیا، دولت وثروت نے خزانوں کی صورت اختیار کی، جگہ جگہ قصور وایوان بننے لگے، زرق برق پوشاکیں پہنی

جانے لگیں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ لوگوں میں وہی عہد نبوت کی سادگی چاہتے تھے اور اپنی طرح سب کے دلوں کو مال ودولت کی محبت سے خالی دیکھنا چاہتے تھے، ان کے متوکلانہ مذہب میں کل کے لیے آج اٹھا رکھنا جائز نہ تھا، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی مسلمان کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو بھوکا اور ننگا دیکھ کر بھی اپنے لیے دولت کا خزانہ جمع کرے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ امرائے شام یہ سمجھتے تھے کہ اللہ نے اہل دولت پر زکوۃ کا جو فرض عائدہ کیا ہے، اس کو ادا کرنے کے بعد دولت جمع کرنے کا مسلمانوں کو اختیار ہے، اس اختلاف رائے نے بڑھتے بڑھتے نزاع کی صورت اختیار کر لی، حضرت ابوذر نہایت بے باکی کے ساتھ ان امراء پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے طمطراق، دولت وحشمت اور ساز وسامان پر نکتہ چینیاں کرتے تھے اور ان کے زائد از ضرورت دولت جمع کر لینے پر ان کو قرآن پاک کی اس آیت کا مورد ٹھہراتے تھے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (التوبۃ)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔

اس آیت پاک سے پہلے یہود ونصاری کا ذکر ہے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اس آیت کا تعلق بھی ان ہی لوگوں سے ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس کو مسلمانوں اور غیر مسلم، دونوں سے متعلق سمجھتے تھے، دوسرے اختلاف یہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں نہ دینے کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنا کل مال راہ خدا میں نہیں دیتے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کا خیال تھا کہ یہ حکم صرف زکوۃ کے متعلق ہے، بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے خیال کے مطابق بڑی سختی سے طعن وتشنیع شروع کر دی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ جذبہ یوں ہی بڑھتا رہا تو عجب نہیں کہ شام میں کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو، اس لیے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس صورت حال کی اطلاع دی اور کہلا بھیجا کہ ان کو مدینہ بلالیا جائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ بلالیا اور ایک دن ان کے سامنے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس شخص کے بارہ میں آپ کا کیا خیال ہے جو مال جمع کرتا ہے؛ لیکن اس کی زکوۃ بھی دیتا ہے اس کو اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرتا ہے، کعب رضی اللہ عنہ نے کہا ایسے شخص کے بارہ میں مجھ کو بھلائی کی امید ہے، یہ سن کر ابوذر رضی اللہ عنہ بگڑ گئے اور کعب رضی اللہ عنہ پر ڈنڈا اٹھا کر بولے یہودی عورت کے بچے تو اس کو کیا سمجھ سکتا ہے؛ قیامت کے دن ایسے شخص کے قلب تک کو بچھو ڈسیں گے۔ (حلیۃ الاولیاء ابونعیم)

اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آخر میں مجبور ہو کر آپ سے کہا کہ آپ میرے پاس رہیے، دودھ والی اونٹنیاں صبح شام دروازہ پر حاضر کی جائیں گی، لیکن اس بے نیاز نے جواب دیا کہ مجھ کو تمہاری دنیا کی مطلق ضرورت نہیں، یہ کہہ کر واپس چلے آئے۔

ربذہ کا قیام

لیکن اب مدینہ بھی پہلا مدینہ باقی نہیں رہ گیا تھا، لوگ آ آ کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو تعجب سے دیکھتے تھے، جہاں وہ جاتے ہر جگہ ہجوم ہو جاتا، اس سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو تکلیف ہوتی، مکہ کے قریب ربذہ نامی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا؛ یا انہوں نے خود ربذہ میں قیام کرنے کی خواہش کی۔ (ابن سعد، جلد، ق)

بہر حال اپنی بیوی کو لے کر ربذہ چلے گئے، یہاں کے لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بنو ثعلبہ کے شیخ اور اس کی بیوی نے آپ کو اپنے

ہاتھوں سے نہلایا، عراقیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے آ کر عرض کیا کہ اس شخص (عثمان رضی اللہ عنہ) نے آپ کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے، اگر آپ اس کے خلاف علم بلند کریں تو ہم لوگ آپ کی حمایت پر تیار ہیں، آپ نے فرمایا کہ مسلمانو! اس معاملہ میں تم دخل نہ دو، اپنے حاکم کو ذلیل نہ کرو، کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی، اگر عثمان رضی اللہ عنہ مجھ کو سولی پر بھی چڑھا دیتے تو مجھ کو عذر نہ ہوتا، اور میں اسی میں اپنی بھلائی سمجھتا، اگر وہ ربذہ کے بجائے ایک افق سے دوسرے افق یا مشرق سے مغرب میں بھیج دیتے تب بھی میں سر تسلیم خم کر دیتا اور اسی میں اپنی اچھائی سمجھتا اور اگر وہ کہیں نہ بھیجتے اور مجھ کو میری قیام گاہ ہی میں لوٹا دیتے تو بھی مجھ کو کوئی عذر نہ ہوتا اور اس میں بھی میں اپنی سعادت سمجھتا۔ (طبقات، جز۴، قسم۱)

وفات

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ بھی نہایت حسرت انگیز ہے، ربذہ کے ویرانہ میں وفات پائی ان کی حرم محترم وفات کے حالات بیان کرتی ہیں کہ جب ابوذر رضی اللہ عنہ کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو میں رونے لگی، پوچھا کیوں روتی ہو، میں نے کہا کہ تم ایک صحرا میں سفر آخرت کر رہے ہو، یہاں میرے اور تمہارے استعمالی کپڑوں کے علاوہ کوئی ایسا کپڑا نہیں ہے جو تمہارے کفن کے کام آئے، فرمایا رونا موقوف کرو، میں تم کو ایک خوشخبری سناتا ہوں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس مسلمان کے دو یا تین لڑکے مر چکے ہوں وہ آگ سے بچانے کے لیے کافی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آدمیوں کے سامنے جن میں ایک میں بھی تھا، یہ فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص صحرا میں مریگا اور اس کی موت کے وقت وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت پہنچ جائے گی، میرے علاوہ ان میں سب آبادی میں مر چکے ہیں، اب صرف میں باقی رہ گیا ہوں، اس لیے وہ شخص یقیناً میں ہی ہوں اور میں بحلف کہتا ہوں کہ نہ میں نے تم سے جھوٹ بیان کیا ہے اور نہ کہنے والے نے جھوٹ کہا ہے، اس لیے گذرگاہ پر جا کر دیکھو یہ غیبی امداد ضرور آتی ہوگی، میں نے کہا اب تو حجاج بھی واپس جا چکے اور راستہ بند ہو چکا، فرمایا نہیں جا کر دیکھو، چنانچہ میں ایک طرف دوڑ کر ٹیلے پر چڑھ کر دیکھنے جاتی تھی اور دوسری طرف بھاگ کر ان کی تیمارداری کرتی تھی، اسی دوڑ دھوپ اور تلاش وانتظار کا سلسلہ جاری تھا کہ دور سے کچھ سوار آتے دکھائی دیے، میں نے اشارہ کیا، وہ لوگ نہایت تیزی سے آ کر میرے پاس ٹھہر گئے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے، میں نے کہا ابوذر رضی اللہ عنہ پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی؟ میں نے کہا ہاں؟ وہ لوگ فدیہ بابی وامی کہہ کر ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پہلے ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی سنائی پھر وصیت کی کہ اگر میری بیوی یا میرے پاس کفن بھر کا کپڑا نکلے تو اسی کپڑے میں مجھ کو کفنانا اور قسم دلائی کہ تم میں سے جو شخص حکومت کا ادنی عہدہ دار بھی ہو، وہ مجھ کو نہ کفنائے، اتفاق سے ایک انصاری نوجوان کے علاوہ ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی خدمت پر مامور رہ چکا تھا؛ چنانچہ انصاری نے کہا کہ چچا میرے پاس ایک چادر ہے، اس کے علاوہ دو کپڑے اور ہیں جو خاص میری والدہ کے ہاتھ کے کتے ہوئے ہیں، ان ہی میں آپ کو کفناؤں گا، فرمایا ہاں تم ہی کفنانا۔ (مستدرک حاکم، ومسند احمد بن حنبل)

اس وصیت کے بعد وفات پائی، متعدد روایتوں کے باہم ملانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ یمنی تھے اور کوفہ سے آرہے تھے، ان ہی کے ساتھ مشہور صحابی عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود بھی تھے، جو عراق جارہے تھے، بہرحال اس انصاری نوجوان نے ان کو

کفنایا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، (مستدرک حاکم) اور پھر سبھوں نے مل کر اسی صحرا کے ایک گوشہ میں ان کو پیوند خاک کیا۔

حلیہ

قد دراز، رنگ سیاہی مائل، داڑھی گھنی، سر اور داڑھی دونوں کے بال سفید۔ (ابن سعد جز قسم اول،)

ترکہ

فقیروں کے کلبہ احزان میں کیا تھا، صرف تین گدھے، دو مادہ ایک نر، چند بکریاں، کچھ سواریاں، یہ ساری کائنات تھی۔

فضل وکمال

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے حاضر باش تھے، ہر وقت آپ کی خدمت میں رہتے اور آپ سے استفادہ اور تحصیل علم میں بڑے حریص تھے اور ہر چیز کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے، چنانچہ تمام اصول وفروع، ایمان اور احسان، رویت باری، اللہ کے نزدیک پسندیدہ کلمات، لیلۃ القدر وغیرہ ہر چیز حتی کہ نماز میں کنکری چھونے تک کے بارہ میں پوچھا، (حلیۃ الاولیاء ابونعیم) اسی ذوق وشوق اور تلاش وجستجو نے آپ کو علم کا دریا بنادیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ جو علم وعمل کے مجمع البحرین تھے، فرماتے تھے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے اتنا علم محفوظ کرلیا ہے کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے، اور اس تھیلی کو اس طرح سے بند کردیا کہ اس میں کچھ بھی کم نہ ہوا، (استیعاب، تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابوذر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب کمال آپ کو علم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر سمجھتے تھے، (تذکرۃ الحفاظ) جو اپنی وسعت علم کے لحاظ سے حبر الامۃ کہلاتے تھے۔

حدیث

آپ کی روایات اگرچہ کثیر ہیں لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی مرویات کے مقابلہ میں بہت کم ہے، اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خاموش، تنہائی پسند اور کم آمیز تھے، اس لیے ان کے علم کی اشاعت نہ ہوسکی، ورنہ صحابہ میں انس بن رضی اللہ عنہ مالک اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے بزرگ ان سے استفادہ کرتے تھے، عام رواۃ میں خالد بن وہبان، زید بن وہب جہنی، خرشہ بن حر جبیر بن احنف بن قیس، عبداللہ بن صامت، زید بن ذبیان، عبداللہ بن شقیق، عمرو بن میمون، عبداللہ بن غنم، قیس بن عباد، مرثد بن مالک بن زبید وغیرہم نے ان سے روایتیں کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب)

افتا میں صداقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ میں جو جماعت صاحب علم وافتا تھی، اس میں ان کا نام نامی بھی تھا، (اعلام الموقعین ،جلد،) مگر ان کے فتاوے کی تعداد بہت کم ہے، فتویٰ میں وہ کسی کی مطلق رعایت نہ کرتے اور بلا کسی خوف وہراس کے جو سچی بات

ہوتی وہ کہہ دیتے تھے، عہد عثمانی میں بعض محصلین صدقہ وصول کرنے میں زیادتی کرتے تھے، ایک شخص نے آ کر کہا ان سے فتویٰ پوچھا کہ عثمان کے محصلوں نے صدقہ میں اضافہ کر دیا ہے، ایسی حالت میں کیا ہم بقدر زیادتی مال چھپا سکتے ہیں؟ فرمایا نہیں ان سے کہو کہ جو واجبی ہو اس کو لے لیں اور جو ناجائز ہو اس کو واپس کر دیں، اگر اس کے بعد بھی وہ زیادہ لیں تو قیامت کے دن وہ زیادتی تمہاری میزان میں کام آئے گی، ان کا یہ فتویٰ ایک قریشی نوجوان کھڑا سن رہا تھا، وہ بولا آپ کیوں فتویٰ دیتے ہیں؟ کیا آپ کو امیر المومنین نے فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا ہے؟ فرمایا کیا تم میرے نگہبان ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو اور مجھ کو یقین ہو جائے کہ گردن کٹنے کے قبل جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے سنا سکوں گا تو یقیناً سنا دوں گا۔

اخلاق وعادات

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان محرمان خاص میں تھے، جن کو بارگاہ نبوت میں خاص تقرب حاصل تھا، اس لیے آپ کے ہر فعل و عمل پر خلق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت گہرا پرتو پڑا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دو قسم کے لوگ تھے، ایک وہ جنہوں نے دین و دنیا دونوں کو پوری طرح حاصل کیا، دوسرے وہ جنہوں نے دنیا کو ٹھکرا دیا، اور محض آخرت کی نعمتوں پر قناعت کی، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اسی دوسری صنف میں تھے، وہ زہد و ورع، حق گوئی و حق پرستی، توکل وقناعت، استغناء و بے نیازی میں تمام صحابہ سے ممتاز تھے، یہ وہ وقت تھا جب قیصر و کسریٰ کے خزانے دار الخلافہ میں لدے چلے آ رہے تھے، جگہ جگہ قصر و ایوان بن رہے تھے، عیش و تنعم کے سامان ہو رہے تھے، مگر ان میں سے کوئی چیز بھی رضوان الٰہی کے اس طالب کو اپنی طرف متوجہ کر نہ سکی، زر و جواہر کے ڈھیر ان کی نگاہ میں خزف ریزوں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے، زر نقد کبھی جمع نہیں کیا، ضرورت سے جو فاضل بچتا، اس کو اسی وقت خرچ کر دیتے تھے، چار ہزار وظیفہ مقرر تھا، جب وہ ملتا تو خادم کو بلاتے اور ایک سال کے اخراجات کا اندازہ لگا کر چیزیں خرید لیتے، اس سے جتنی رقم فاضل بچتی اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے اور فرماتے کہ جو شخص سونا چاندی تھیلوں میں محفوظ رکھتا ہے، وہ گویا انگارے رکھتا ہے، (ابن سعد ،جز،قسم،) یہ بھی فرماتے تھے کہ میرے دوست نے مجھے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص بھی سونا چاندی تھیلوں میں محفوظ کرتا ہے وہ جب تک اس کو اللہ کی راہ میں نہ خرچ کر دے، اس کے لیے آگ کا انگارہ رہے گا، (حلیۃ الاولیاء، ابونعیم)

اس پر نہ صرف خود عامل تھے؛ بلکہ چاہتے تھے کہ دنیا اسی رنگ میں رنگ جائے اور اس عقیدے میں یہاں تک متشدد تھے کہ بڑے لوگوں سے ملنا تک گوارا نہ کرتے، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو بڑے رتبہ کے صحابی اور مرتبہ میں آپ سے کم نہ تھے، جب عراق کی گورنری کے زمانہ میں ان سے ملے تو قدیم تعلقات کی بناء پر ان سے چمٹ گئے، انہوں نے کہا دور رہو، وہ بھائی بھائی کہہ کر لپکتے تھے اور وہ کہہ کر ہٹاتے تھے کہ تم اس عہدہ کے بعد میرے بھائی نہیں رہے، اس کے بعد پھر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ملے تو پھر محبت کے جذبہ سے مجبور ہو کر بھائی بھائی کہہ دوڑے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا پھر وہی جواب تھا، ابھی دور رہو، اس کے بعد سوالات شروع کیے کہ تم لوگوں کے عامل بنائے گئے ہو، انہوں نے کہا ہاں، پوچھا تم نے بڑی عمارت تو نہیں بنائی، زراعت تو نہیں کرتے، گلے تو نہیں رکھتے، انہوں نے کہا نہیں، بولے ہاں اب تم میرے بھائی ہو۔ (ابن سعد جزء، قسم،)

ایک مرتبہ ابوذر رضی اللہ عنہ حضرت ابودرداء انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ گھر بنوا رہے ہیں، یہ دیکھ کر کہا: ابودرداء تم لوگوں کی گردنوں پر پتھر اٹھواتے ہو، ابودرداء نے جواب دیا کہ نہیں، گھر بنوا رہا ہوں، ابوذر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی فقرہ دہرایا، حضرت ابودرداء نے کہا برادرم شاید اس سے آپ کو کچھ ناگواری پیدا ہوگئی ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر میں تم کو اس کے بجائے تمہارے گھر کے پاخانہ میں بھی دیکھتا تو اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا۔

(حلیۃ الاولیاء، ابونعیم)

سادگی

اس فقیرانہ زندگی کے باعث ان کی زندگی بالکل سادہ تھی اور ان چند چیزوں کے علاوہ جو ایک جاندار کی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں، کبھی کوئی سازوسامان نہیں رکھا، ابی مروان نے ان کو ایک پشمینہ کی چادر باندھے نماز پڑھتے دیکھا تو پوچھا کہ ابوذر کیا اس چادر کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی کپڑا نہیں ہے؟ فرمایا اگر اور کوئی کپڑا ہوتو میرے پاس دیکھتے، انہوں نے کہا کچھ دن ہوئے تمہارے پاس دو کپڑے تھے، فرمایا ہاں، مگر وہ دونوں اپنے سے زیادہ حاجتمند کو دیدیے، انہوں نے کہا تم کو خود اس کی حاجت تھی، فرمایا اللہ تم کو معاف کرے، تم دنیا کو بڑھانا چاہتے ہو، تم کو نظر نہیں آتا کہ ایک چادر میں باندھے ہوئے ہوں، دوسری مسجد کے لیے ہے، میرے پاس کچھ بکریاں ہیں جن کا دودھ پیتا ہوں، کچھ خچر ہیں جو باربرداری کے کام آتے ہیں، ایک خادم کھانا پکا کر کھلا دیتا ہے، اس سے زیادہ اور کیا نعمتیں درکار ہیں۔ (ابن سعد جز ۴، قسم ۱)

عبداللہ بن خراش کا بیان ہے کہ میں نے ربذہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ سایہ میں ایک صوف کے نمدے پر بیٹھے تھے، ان کی بیوی بڑی سیاہ فام تھیں، ان سے ایک شخص نے کہا کہ آپ کی کوئی اولاد زندہ نہیں رہی، انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس دارالفنا میں اولاد کو لے کر دارالبقا میں اس کو ذخیرۂ آخرت بنایا، لوگوں نے کہا کہ کاش آپ کوئی دوسری بیوی کر لیتے، انہوں نے جواب دیا کہ ایسی عورت سے شادی کرنا مجھے زیادہ پسند ہے جو مجھ میں تواضع پیدا کرے، بہ نسبت اس کے کہ جو مجھ میں ترفع پیدا کرے۔ (حلیۃ الاولیاء، ابونعیم)

جعفر بن زبرقان کہتے ہیں کہ مجھ سے غالب بن عبدالرحمٰن بیان کرتے تھے کہ میں ایک شخص سے ملا جو ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھا کرتا تھا، وہ کہتا تھا کہ اگر ابوذر رضی اللہ عنہ کا پورا اثاث البیت جمع کیا جاتا تو بھی اس شخص (ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے) کی چادر کی قیمت کے برابر نہ نکلتا، جعفر نے اس کو مہران بن میمون سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں ان کا کل اثاثہ دو درہم سے زیادہ کا نہ تھا۔ (ابن سعد، جز ۴، قسم ۱)

لوگ ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے، مگر وہ اس کو قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ حبیب ابن مسلمہ فہری، والی شام نے ان کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں کہ وہ ان کو اپنی ضروریات میں صرف کریں، انہوں نے اسی وقت واپس کرادیا اور کہا کہ کیا ان کو میرے علاوہ کوئی دوسرا شخص اللہ کے معاملہ میں دھوکہ کھانے والا نہیں ملا، ہم کو صرف سر چھپانے کے لیے دودھ پینے کے لیے بکریاں اور خدمت کے لیے ایک لونڈی چاہیے، اس کے ساتھ کچھ ہو گا وہ زائد از ضرورت ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ابونعیم)

آپ فرماتے تھے کہ لوگ موت کے لیے پیدا ہوتے ہیں، ویران ہونے کے لیے آبادیاں بساتے ہیں، فنا ہونے والی چیزوں کی حرص وطمع کرتے ہیں اور باقی اور پائندہ چیزوں چھوڑ دیتے ہیں، دو ناپسندیدہ چیزیں موت اور فقر میرے لیے کس قدر خوش آئندہ ہیں۔(حلیۃ الاولیاء ابونعیم)

زہد وتقویٰ

ان کی زندگی شروع سے آخر تک سرتاپا زہد وتقویٰ تھی، جس پہلو پر نظر ڈالی جائے زہد وتقویٰ کا عجیب وغریب نمونہ نظر آئے گا، اس فقیرانہ زندگی کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میری امت میں سے ابوذر رضی اللہ عنہ میں عیسیٰ بن مریم جیسا زہد ہے،(اسد الغابہ، واستیعاب تذکرہ ابوذر رضی اللہ عنہ) یہی زہد کی زندگی آخر دم تک قائم رہی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عہد نبوت کے بعد سے لوگوں میں بہت کچھ تبدیلی پیدا ہوگئی تھی، لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری شروع سے اخیر تک ایک رنگ پر قائم رہے۔(اصابہ)

جب عہد رسالت کا مقدس دور ختم ہوا اور لوگ دنیا سے ملوث ہونے لگے تو تنہا نشینی اختیار کر لی، عمران بن حطان بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، وہ مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے، میں نے کہا ابوذر رضی اللہ عنہ تنہائی کیوں اختیار کر لی، فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تنہائی برے ہمنشین سے بہتر ہے،(مستدرک) اسی وجہ سے وہ دنیا سے بہت دور بھاگتے تھے، ابی اسماء رحبی راوی ہیں کہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس ربذہ گیا، ان کی بیوی کو سخت خستہ حال دیکھا، فرمانے لگے کہ یہ عورت مجھ سے کہتی ہے کہ عراق جاؤ، اگر میں عراق جاؤں تو عراق والے میرے سامنے دنیا پیش کریں گے اور میرے دوست (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے فرمایا ہے کہ جہنم کے پل کے سامنے پیر پھسلانے والا راستہ ہے، اور تم لوگوں کو اس پر سے گذرنا ہے، اس لیے بوجھ کی گرانباری سے ہلکا رہنا چاہئے۔(ابن سعد، جز، قسم،)

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر لحہ پیش نظر رکھتے تھے، اور اس سے سر مو تجاوز نہ کرتے تھے، بات بات میں فرماتے تھے کہ عہد الی خلیلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا سمعت خلیلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دوست ﷺ نے مجھ سے یہ وعدہ لیا ہے، یا میں نے اپنے دوست ﷺ کو یہ کہتے سنا، ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے امارت کی خواہش ظاہر کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم ناتواں ہو اور امارت ایسا بار امانت ہے کہ اگر اس کے حقوق کی پوری نگہداشت نہ کی جائے تو آخرت میں اس کے لیے رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہے،(ابن سعد جز، ق،) اس فرمان کے بعد پھر انہوں نے کبھی امارت کی خواہش نہیں کی، ان کی خدمت میں کسی نے دو چادریں پیش کیں، انہوں نے ایک کا ازار بنایا اور ایک چھوٹی کملی اوڑھ لی اور دوسری غلام کو دیدی، گھر سے نکلے تو لوگوں نے کہا اگر آپ دونوں چادریں خود استعمال کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا، فرمایا یہ صحیح ہے، لیکن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو تم کھاتے پہنتے ہو وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پہناؤ۔(ابن سعد جز، ق،)

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جب تمہارے اوپر ایسے امراء حکمران ہوں گے جو اپنا حصہ زیادہ لیں گے، اس وقت تم کیا کرو گے، عرض کیا تلوار سے کام لوں گا، فرمایا میں تم کو اس سے بہتر مشورہ دیتا ہوں، ایسے وقت صبر کرنا، یہاں تک کہ مجھ سے مل جاؤ، (ابن سعد، جز، ق،) اس مشورہ پر انہوں نے اس سختی سے عمل کیا کہ جب وہ زمانہ آیا تو تنہا نشینی اختیار کر لی اور کسی چیز میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

ایک مرتبہ وہ مسجد میں لیٹے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا ابوذر رضی اللہ عنہ جب تم اس سے نکالے جاؤ گے تو کیا کرو گے؟ عرض کیا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا اپنے گھر چلا جاؤں گا، اگر اس سے بھی نکالے گئے تو کیا طریقہ اختیار کرو گے، عرض کیا تلوار نکالوں گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ فرمایا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ اللہ تمہاری مغفرت کرے، تلوار نہ نکالنا؛ بلکہ جہاں وہ لے جانا چاہیں چلے جانا، چنانچہ جب ربذہ میں رہنے کا حکم ملا تو اسی فرمان کے مطابق بلا کسی عذر کے چلے گئے اور وہاں حبشی غلام کے پیچھے نماز پڑھی، ہر چند اس نے آپ کو بڑھانا چاہا؛ مگر آپ نے جواب دیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ (مسند ابن حنبل، ابن سعد)

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ابوذر رضی اللہ عنہ کو ذات نبوی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو شیفتگی تھی، اس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہو سکتا، ایک مرتبہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! آدمی کسی ایک جماعت سے محبت کرتا ہے، لیکن اس کے جیسے اعمال کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا ابوذر رضی اللہ عنہ تم جس شخص سے محبت رکھتے ہو اسی کے ساتھ ہو، عرض کیا میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، فرمایا تم یقیناً اسی کے ساتھ ہو، جس سے محبت رکھتے ہو۔ (ابوداود)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب آپ کا نام زبان پر آجاتا تو آنسوؤں کا دریا امنڈ آتا، احنف بن قیس روایت کرتے ہیں کہ میں نے بیت المقدس میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ مسلسل سجدے کر رہا ہے، جس سے میرے دل پر ایک خاص اثر ہوا، جب میں دوبارہ لوٹ کر گیا تو پوچھا کہ آپ بتا سکتے ہیں کہ میں نے جفت نماز پڑھی یا طاق، اس نے کہا اگر میں لاعلم ہوں تو اللہ ضرور جانتا ہے، اس کے بعد کہا کہ میرے دوست ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خبر دی ہے، صرف اس قدر زبان سے نکلا تھا کہ رونے لگے، پھر سنبھل کر کہا کہ میرے دوست ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خبر دی ہے، ابھی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ پھر آنسو امنڈ آئے، آخر میں کہا؛ کہ میرے دوست ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو بندہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے، اللہ اس کا ایک درجہ بلند کر کے اس کی بدی کو مٹا کر نیکی لکھتا ہے، میں نے پوچھا آپ کون ہیں، فرمایا ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی، یہ سن کر میں اپنی تقصیر پر بہت نادم ہوا۔ (مسند احمد بن حنبل)

بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پذیرائی

حریم نبوت میں ان کی یہ نیازمندیاں بہت مقبول تھیں، جب یہ مجلس میں موجود ہوتے تو سب سے پہلے ان ہی کو تخاطب کا شرف حاصل ہوتا اور اگر موجود نہ ہوتے تو تلاش ہوتی، جب ملاقات ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مصافحہ فرماتے۔ (اصابہ)

یہ محبت و یگانگت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسرار تک ان سے نہ چھپاتے تھے اور یہ رازداری کا پوری طرح فرض ادا کرتے تھے، ایک مرتبہ ان سے کسی نے کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض باتیں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، فرمایا اگر وہ آپ کا کوئی راز ہوگا تو نہ بتاؤں گا۔ (مسند احمد بن حنبل)

یہی یگانگت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری لمحہ حیات تک قائم رہی؛ چنانچہ مرض الموت میں آپ نے ان کو بلوا بھیجا، یہ جب حاضر خدمت ہوئے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے تھے، ابوذر آپ کے اوپر جھک گئے اور محبوب عالم نے ہاتھ بڑھا کر چمٹالیا، (مسند احمد بن حنبل، جلد،) نہ معلوم یہ نگاہ واپسیں کیا کام کرگئی کہ آخر دم تک دارفتگی کا عالم طاری رہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز اپنے لیے پسند فرماتے تھے وہی ابوذر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی پسند فرماتے کہ یہی آئین محبت ہے، ایک مرتبہ انہوں نے امارت کی خواہش کی آپ نے فرمایا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ تم ناتواں ہو اور میں تمہارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ (ابن سعد، جز، قسم اول،)

خلیفہ کی اطاعت

اگرچہ ابوذر رضی اللہ عنہ حق پسند طبیعت رکھتے تھے، پھر بھی اختلاف امت کے خیال سے کسی چیز میں خلیفہ وقت کے حکم سے سرتابی نہ کرتے تھے اوپر گذر چکا ہے کہ ربذہ کے قیام کے زمانہ میں عراقیوں کی خواہش کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر مجھ پر حبشی بھی امیر بنایا جائے تو بھی اس کی اطاعت کروں گا اور اس کو عملاً کرکے دکھایا، چنانچہ جب وہ ربذہ جاکر مقیم ہوئے تو اتفاق سے اس وقت یہاں کا امیر ایک حبشی تھا جب ابوذر رضی اللہ عنہ پہنچے اور نماز کے وقت جماعت کھڑی ہوئی تو وہ ان کے ادب کے خیال سے پیچھے ہٹ گیا، انہوں نے فرمایا تم ہی نماز پڑھاؤ، تم گو حبشی غلام ہو؛ لیکن مجھ کو حکم ملا ہے کہ خواہ حبشی ہی کیوں نہ ہوتا، اس کی مخالفت نہ کرتے تھے؛ بلکہ خود بھی وہی کرتے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حج کو گئے، کسی نے آکر اطلاع دی کہ منی میں عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں نماز پڑھیں، آپ کو بہت ناگوار ہوا اور درشت الفاظ استعمال کرکے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، یہ سب دو رکعت پڑھتے تھے، اس کے بعد انہوں نے امامت کی مگر خود بھی چار رکعتیں پڑھائی، لوگوں نے کہا آپ نے تو امیر المومنین پر اعتراض کیا؛ لیکن خود بھی چار رکعتیں پڑھائیں فرمایا کہ اختلاف بری چیز ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد امراء ہوں گے، ان کی تذلیل نہ کرنا اور جو شخص ان کی تذلیل کا ارادہ کرے گا، اس نے گویا اسلام کی حبل متین اپنی گردن سے نکال دی اور توبہ کا دروازہ اپنے لیے بند کرلیا، (احمد ابن حنبل)؛ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپ امراء خلفاء کی تمام جادہ بیجا باتوں کو مان لیتے تھے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی لغزشوں پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے؛ بلکہ برا بھلا تک کہتے تھے۔

حق گوئی

اللہ کے معاملہ میں لومۃ لائم کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ آج میرے اور ابوذر رضی اللہ عنہ

کے علاوہ کوئی ایسا شخص باقی نہیں ہے جو اللہ کے معاملہ میں لومۃ لائم کا خوف نہ کرتا ہو، (تذکرۃ الحفاظ، تذکرہ ابوذر رضی اللہ عنہ) ان کی حق گوئی کی شہادت خود زبان وحی والہام نے دی ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے۔ (ترمذی مناقب ابی ذر رضی اللہ عنہ)

فیاضی وسیر چشمی

اس تحقیر دنیا کا لازمی نتیجہ سیر چشمی اور فیاضی تھا، ان کو سالانہ وظیفہ کافی ملتا تھا، لیکن اپنی محدود ضروریات کے علاوہ جس قدر بچتا تھا لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے، اگر کوئی کہتا کہ اس کو رکھ لیجئے، آپ کے اور آپ کے مہمانوں کے کام آئے گا تو فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص سونا چاندی جمع کرتا ہے، وہ گویا انگارے جمع کرتا ہے، جب تک اس کو راہ خدا میں صرف نہ کردے۔ (مسند احمد بن حنبل)

مہمان نوازی اور حق جوار

آپ کی غذا زیادہ تر بکریوں کا دودھ تھا، لیکن اس میں بھی مہمانوں اور پڑوسیوں کو شریک کرتے تھے، عمیلہ فزاری روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتا تھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ دودھ دوہ کر پہلے مہمانوں اور پڑوسیوں کو پلاتے تھے، ایک مرتبہ دودھ اور کھجوریں لے کر پڑوسیوں اور مہمانوں کے سامنے پیش کر کے معذرت کرنے لگے کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، اگر ہوتا تو پیش کرتا، چنانچہ جو کچھ تھا سب دوسروں کو کھلا دیا اور خود بھوکے سو رہے۔ (ابن سعد، جلد ق)

خوش اخلاقی

عموماً زہاد اور متقشفین کے مزاج میں ایک طرح کی خشکی ہوتی ہے؛ لیکن مسیح اسلام کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی، ان کا اخلاق بدویوں تک کو مسحور کر لیتا تھا، ایک بدوی کا بیان ہے کہ میں ابوذر کے ساتھ رہا ہوں، ان کی تمام اخلاقی خوبیاں تعجب انگیز تھیں۔ (ابن سعد، جلد ق)

وہ جن اخلاقی اصول پر عمل پیرا تھے ان کو خود سناتے تھے کہ میرے دوست نے مجھے سات وصیتیں کی ہیں، مسکین کی محبت اور ان سے ملنا جلنا، اپنے سے کمتر کو دیکھنا اور بلند تر کو نہ دیکھنا، کسی سے سوال نہ کرنا، صلہ رحمی کرنا، حق بولنا، خواہ تلخ ہی کیوں نہ ہو، اللہ کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا خوف نہ کرنا، لاحول ولا قوۃ کا ورد کثرت سے کرنا۔ (ابن سعد)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی سچائی اور آسمان کے سائے کا بیان

156 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ اَبِیْ حَرْبِ بْنِ اَبِی الْاَسْوَدِ الدِّيْلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ وَلَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ مِنْ رَّجُلٍ اَصْدَقَ لَهْجَةً مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ

156 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3801

◄◄ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے "ابوذر سے زیادہ سچے کسی شخص پر آسمان نے سایہ نہیں کیا اور زمین نے اُسے اٹھایا نہیں ہے۔ (یعنی ابوذر دنیا کے سب سے سچے آدمی ہیں)

بَابُ: فَضْلِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

یہ باب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ہے

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور انصاف کا بیان

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مدینہ کے ایک سردار تھے انکی ابوصفوان (امیہ بن خلف) کیساتھ دوستی تھی یہ مکہ کا ایک کافر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے جا چکے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کیلئے تشریف لے گئے۔ انکی جاہلیت کے زمانے میں عادت تھی کہ وہ اپنے دوست ابوصفوان (امیہ بن خلف) کے پاس ٹھہرتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف سے کہنے لگے یار! کوئی ایسا وقت تلاش کرو جس میں بیت اللہ شریف میں کوئی اور نہ ہو اور میں تنہائی میں اپنے رب سے باتیں کر سکوں۔ وہ کہنے لگا بہت اچھا دونوں دوپہر کے وقت چلے گئے۔ دوپہر اور وہ بھی مکہ مکرمہ کا دوپہر۔ اب تو پکی اینٹیں لگی ہوئی ہیں۔ سفید پتھر لگے ہوئے ہیں گرم ہی نہیں ہوتے ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ دوپہر کو میں بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کیلئے چلا گیا چلا تو گیا جب میں نے مطاف میں قدم رکھا تو میرا پاؤں وہیں چپک گیا۔ بڑی مشکل سے میں نے پاؤں چھڑایا اور پیچھے لوٹ آیا یہ اس وقت کی بات ہے۔ بہرحال امیہ بن خلف نے حضرت سعد کے طواف کیلئے بارہ بجے کا وقت تجویز کیا کیونکہ اس وقت کوئی نہیں ہوتا۔ طواف کیلئے جاتے ہوئے راستہ میں ابوجہل مل گیا۔ کہنے لگا یہ کون ہے؟ ابوصفوان امیہ بن خلف کہنے لگا یہ میرے دوست سعد بن معاذ یثرب کے رہنے والے ہیں۔ ابوجہل اونچا نیچا کوئی لفظ کہنے لگا کہ تم نے ہمارے باغیوں کو پناہ دے رکھی ہے اور آرام سے بیت اللہ کا طواف بھی کر رہے ہو۔

حضرت سعد مدینہ کے سردار تھے اور یہ مکے کا سردار تھا دو سرداروں کی جنگ تھی حضرت سعد بن معاذ نے ڈانٹ کر فرمایا کہ زیادہ باتیں نہ کرو تمہارا غلہ ملک شام سے آتا ہے۔ میں ایک دانہ بھی مکے نہیں پہنچنے دونگا۔ ابوجہل تو چپ ہو گیا اور ابوصفوان امیہ بن خلف حضرت سعد بن معاذ سے کہنے لگا کہ تم اس وادی کے چوہدری کو اس طرح جھڑکتے ہو۔ لوہا گرم تھا امیہ سے فرمانے لگے کہ زیادہ باتیں نہ کر۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا ہے کہ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ وہ تجھے قتل کرینگے۔ امیہ بن خلف یہ سن کر گھبرا گیا اور گھر واپس لوٹ آیا۔ ان دونوں کی دوستی عہد جاہلیت سے چلی آ رہی تھی لیکن ایمان اور کفر کا مسئلہ اپنی جگہ (کہ صاف صاف کہہ دیا) نہ اس کے سردار کا لحاظ کیا اور نہ ہی اپنی دوستی کا۔ (بخاری شریف جلد دوم)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے رومال جنت میں ہونے کا بیان

157 - حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اُهْدِيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِقَةٌ مِّنْ حَرِيْرٍ فَجَعَلَ الْقَوْمُ يَتَدَاوَلُوْنَهَا بَيْنَهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ هٰذَا فَقَالُوْا لَهٗ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَمَنَادِيْلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا

◄◄ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ریشم کا ایک کپڑا پیش کیا گیا لوگ اسے ہاتھوں میں لے کر اس کی خوبصورتی اور نرمی پر حیرانگی کا اظہار کرنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس پر حیرانگی کا اظہار کر رہے ہو؟ تو لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! جی ہاں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جنت میں سعد کے رومال اس سے زیادہ بہتر ہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے وصال پر عرش کے جھوم اٹھنے کا بیان

158 - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ

◄◄ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: سعد بن معاذ کے مرنے پر عرش جھوم اٹھا۔

شرح

غزوہ خندق کا ایک نہایت افسوس ناک اور رنج دہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے زخمی ہوئے اور یہی زخم ان کی وفات کا باعث ہوا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جس قلعہ نما عمارت میں تھیں اسی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ بھی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو میدان جنگ میں جاتے ہوئے دیکھا تو محسوس کیا کہ زرہ اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھ کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ سے کہا: کاش زرہ لمبی ہوتی جس سے ہاتھ بھی محفوظ ہو جاتے، سوء اتفاق دیکھیے کہ حبان بن قیس معروف بہ ابن العرقہ نے تاک کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی کلائی میں تیر مارا جس سے ان کی رگ " اکحل کٹ گئی، زخمی ہوتے ہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ باری تعالیٰ اگر ہمارے اور قریش کے درمیان لڑائیاں باقی ہیں تو مجھے زندہ رکھ کیونکہ مجھے قریش ہی کے خلاف جہاد سب سے بڑھ کر پسند ہے، انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی، اگر قریش کے ساتھ لڑائیاں ختم ہو چکی ہیں تو مجھے بشارت عطاء کر اور مرنے سے پہلے بنو قریظہ کی جانب سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ دعا بارگاہ باری

157 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:6640

158 خرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:3803' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث:6296

نبی ہی میں قبول ہوئی ، قریش پھر کوئی لڑائی نہ کر سکے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں بلکہ ان کی ثالثی سے بنو قریظہ کا فیصلہ ہو گیا ، پھر اسی زخم کے باعث انھوں نے وفات پائی ، (رسول رحمت)

غزوہ احزاب درحقیقت خساروں کی نہیں بلکہ اعصاب کی جنگ تھی ، گو کہ اس میں کوئی خوں ریز لڑائی نہیں ہوئی ، لیکن یہ تاریخ اسلام کی ایک فیصلہ کن جنگ تھی جس کے نتیجہ میں مشرکین کے حوصلے پست ہو گئے اور یہ بات واضح ہو گئی کہ مسلمانوں کی اس چھوٹی سی طاقت کو جو مدینہ میں نشو ونما پا رہی ہے ختم نہیں کر سکتی کیونکہ غزوہ احزاب میں جتنی بڑی طاقت فراہم ہو گئی تھی اس سے بڑی طاقت فراہم کرنا عربوں کے بس کی بات نہ تھی۔

بہر حال قریش کا یہ حملہ بھی تائید الٰہی سے ناکام ہوا اور بادِ صرصر نے فوجوں سے بڑھ کر کام کیا ، قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔

اے ایمان والو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے اس وقت تم کو بخشی جب کہ فوجیں تم پر (حملہ کرنے کو) آئیں تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر (نازل کئے) جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے اللہ ان کو دیکھ رہا تھا" (سورہ احزاب)

کفار ، ناکامی پر کس طرح غیظ وغضب میں بھرے ہوئے نامراد ہوئے اس کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے۔

اور جو کافر تھے ان کو اللہ نے غصہ میں بھرا ہوا واپس کر دیا کہ وہ کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے اور جنگ میں اللہ ایمان والوں کی طرف سے خود ہی کافی ہوا اور اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے۔ (سورہ احزاب)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ یہ اطلاع دینے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے ، دیکھا کہ اللہ کے رسول اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سر بسجود ہیں ، سلام پھیرے تو احوال سنایا ، بشارت سنائی ، ارشاد ہوا : اب قریش تم پر کبھی حملہ نہ کر سکیں گے ؛ بلکہ اب تم ان پر چڑھائی کرو گے ، اس ایک ماہ کے محاصرہ میں کل چھ مسلمان شہید ہوئے جن میں مسلمانوں کے ہاتھوں مرنے والے بھی شامل ہیں ، ایک اندھیری رات میں دو مخالف سمتوں سے آنے والے پہرے دار دشمن سمجھ کو گتھ گئے ، شعار پکارا تو لڑائی رکی ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے کو بھی "شہید فی سبیل اللہ" اور مجروح مسلمانوں کو "جراحت فی سبیل اللہ" کی بشارت دی ، خون اور زخموں پر تاوان عائد نہیں فرمایا ، کفار کے آٹھ آدمی قتل ہوئے ، جن میں نامی گرامی پہلوان بھی تھے۔

(سیرت احمد مجتبیٰ)

اس غزوہ کی تاریخوں میں اختلاف ہے ، مورخوں کا زیادہ رجحان شوال ۵ھ کی طرف ہے ، ابن سعد اور واقدی کا خیال ہے کہ یہ غزوہ ذیقعدہ ۵ھ مطابق مارچ ۶۲۷ء میں وقوع پذیر ہوا ، اس غزوہ میں مدینہ میں نیابت کے فرائض حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ام مکتوم نے انجام دیئے ، شہدائے خندق کے نام یہ ہیں : ، انس بن اوس بن عباس بن عمر ، ، عبداللہ بن سہل بن زید ، ، ثعلبہ غمہ بن عدی ، ، فضیل بن مالک بن نعمان ، ، کعب بن زد بن قیس بن مالک ، ، سعد بن معاذ بن لقمان ، (رحمۃ للعالمین) (آپ اس غزوہ میں زخمی ہوئے اور غزوہ بنو قریظہ کے بعد وفات ہوئی)۔

بَابُ: فَضْلِ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

یہ باب حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کے فضائل میں ہے

حضرت جریر بن عبداللہ کے نام ونسب کا بیان

جریر نام، ابو عمر کنیت، نسب نامہ یہ ہے، جریر بن عبداللہ بن جابر بن مالک بن نضر بن ثعلبہ بن جشم بن عوف بن خزیمہ بن حرب بن علی بن مالک بن سعد بن نذیر قسر بن عبقر بن انمار بن اراش بن عمرو بن غوث بجلی، جریر یمن کے شاہی خاندان کے رکن اور قبیلہ بجیلہ کے سردار تھے۔

آپ کے قبول اسلام کا بیان

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جریر وفات نبوی کے کل چالیس روز پیشتر مشرف باسلام ہوئے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، بروایت صحیح وہ حجۃ الوداع میں نبی کریم ﷺ کے ہمرکاب تھے، اس لئے وفات سے کم از کم چار پانچ ماہ پیشتر ان کا اسلام ماننا پڑیگا اور واقدی کے بیان کے مطابق رمضان میں اسلام لائے اس روایت کی رو سے نبی کریم ﷺ کی وفات کے ساتھ مہینہ پیشتر ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے، بہرحال اس قدر یقینی ہے کہ وہ وفات نبوی سے کئی مہینہ پیشتر اسلام لا چکے تھے۔

جب یہ قبول اسلام کیلئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے پوچھا کیسے آنا ہوا، عرض کیا، اسلام قبول کرنے کے لیے، آپ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر بچھادی اور مسلمانوں سے فرمایا جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کیا کرو، اسکے بعد جریر نے اسلام کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کہا میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا، پھر فرمایا جو شخص انسان پر رحم نہیں کرتا اس پر خدا رحم نہیں کرتا، اور بلا شرکت غیر خدائے واحد کی پرستش، فرض نماز کی پابندی، مفروضہ زکوٰۃ ادائیگی مسلمانوں کی نعمت اور کافروں سے برات پر بیعت لی۔

حجۃ الوداع

قبول اسلام کے بعد سب سے اول نبی کریم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے، اس میں مجمع کو خاموش کرنے کی خدمت ان کے سپرد تھی۔

سریہ ذی الخلیفہ

فتح مکہ کے بعد قریب قریب عرب کے تمام قبیلے اسلام کے حلقہ اثر میں آگئے تھے لیکن بعضوں میں صدیوں کے اعتقاد کی وجہ سے توہم پرستی باقی تھی، اور صنم کدوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے، اس وہم کو دور کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے کئی صنم کدے گرادیئے، یمن کے صنم کدہ ذی الخلیفہ کو جو کعبہ یمانی کے نام سے مشہور تھا ڈھانے کی خدمت جریر رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی، ایک دن آپ نے جریر سے فرمایا کیا تم ذی الخلیفہ کو ڈھا کر مجھے مطمئن نہ کرو گے؟ عرض کیا بسر وچشم حاضر ہوں. لیکن

گھوڑے کی پیٹھ پر جم کے نہیں بیٹھ سکتا، یہ عذر سن کر آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا اور دعا دی کہ خدایا ان کو گھوڑے کی پیٹھ پر جمادے اور ہادی ومہدی بنا، جریر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی ان دعاؤں کو لیکر، سواروں کے دستہ کے ساتھ یمن پہنچے اور ذی الخلیصہ کے صنم کدہ کو جلا کر خاکستر کردیا اور ابوارطاۃ کو اطلاع کے لیے مدینہ بھیجا انہوں نے آکر نبی کریم ﷺ کو مژدہ سنایا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم نے ذی الخلیصہ کو جلا کر خارشتی اونٹ بنادیا یہ خبر سن کر آپ نے اس سریہ کے سوار اور پیدل کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ (بخاری کتاب المغازی باب غزوہ ذی الخلیصہ)

ابھی جریر یمن ہی میں تھے کہ نبی کریم ﷺ کا وصال ہوگیا، لیکن انہیں اس کی خبر نہ ہوئی ایک دن یہ یمن کے دو آدمیوں ذوکلاع اور ذوعمر کو حدیث نبوی ﷺ سنا رہے تھے کہ انہوں نے کہا تم اپنے جس ساتھی کا حال سنا رہے ہو، وہ تین دن ہوئے ان کا وصال ہوگیا، یہ وحشتناک خبر سن کر جریر روانہ ہوگئے، راستہ میں مدینہ کے سوار ملے، ان سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا وصال ہوگیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔

عہد فاروقی

عہد صدیقی میں غالبًا انہوں نے خاموشی کی زندگی بسر کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عراق کی فوج کشی میں شریک ہوئے، عراق پر عہد صدیقی ہی میں فوج کشی ہوچکی تھی اس سلسلہ کی مشہور جنگ واقعہ جسر میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی، مسلمانوں کو نہایت سخت شکست ہوئی اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراقی افواج کی امداد کے لیے تمام قبائل عرب کو جمع کیا اور ہر قبیلہ کے سردار کو اس کے قبیلہ کا افسر بنا کر عراق روانہ کیا، جریر کو بجیلہ کی سرداری ملی؛ چنانچہ یہ اپنے قبیلہ کے ساتھ عراق پہنچے اور مقام ثعلبہ میں مثنیٰ بن حارثہ سے جو ایرانیوں کے مقابلہ میں تھے ملے، مقام حیرہ میں مسلمانوں اور ایرانیوں کا مقابلہ ہوا، اس مقابلہ میں جریر میمنہ کے افسر تھے، میمنہ میسرہ اور قلب کو لے کر ایرانیوں پر حملہ کیا، ایرانیوں نے بھی برابر کا جواب دیا اور مسلمان پھٹ کر الگ ہوگئے، مثنیٰ نے للکارا، ان کی للکار پر وہ پھر سنبھل کر حملہ آور ہوئے، اس حملہ میں عرب کے مشہور بہادر مسعود بن حارثہ مارے گئے، مثنیٰ نے پھر جوش دلایا کہ شرفایوں ہی جان دیتے ہیں، جریر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے قبیلہ کو للکارا کہ برادران بجیلہ! تم کو دشمنوں پر سب سے پہلے حملہ آور ہونا چاہیے اگر خدا نے کامیاب کیا تو تم اس زمین کے سب سے زیادہ حق دار ہوگے، ان دونوں کی للکار پر مسلمانوں نے تیسرا حملہ کیا اس حملہ میں ایرانی افسر مہران مارا گیا اور ایرانیوں نے میدان خالی کردیا۔

جنگ یرموک

اس سلسلہ کی مشہور جنگ یرموک میں جریر نے بڑے کارنامے دکھائے، اس جنگ کے آغاز ہی میں مسمانوں کے دو افسر مارے گئے، یہ صورت دیکھ کر جریر نے اپنے قبیلہ بجیلہ کو لے کر حملہ کیا، ان کے ساتھ قبیلہ ازد نے بھی حملہ کردیا، بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی عجمی پیچھے ہٹتے ہٹتے رستم کے پاس پہنچ گئے اور رستم سواری سے اتر پڑا، اور پیدل بڑھ کر بڑا پرزور حملہ کیا، اس کے ساتھ اور افسرانِ فوج بھی آگے بڑھے اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اس موقع پر مشہور بہادر ابومحجن ثقفی نے بڑی بہادری دکھائی، جریر

نے مسلمانوں کی پسپائی دیکھی تو دوسرے افسروں سے کہلا بھیجا کہ میمنہ کی جانب سے ایرانیوں کے قلب پر متفقہ حملہ کرنا چاہیے ان کے مشورہ پر مسلمانوں نے ہر طرف سے سمٹ کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہوگئیں اور وہ نہایت بے ترتیبی کے ساتھ پیچھے ہٹے اس پسپائی میں رستم مارا گیا اور ایرانی دیر کعب تک پچھڑتے چلے گئے، اس درمیان میں ان کا امدادی دستہ پہنچ گیا اور وہ از سرنو منظم ہو کر صف آرا ہو گئے اور تخارستان مسلمانوں کے مقابلہ میں آیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا، دوسری طرف قیس بن ہبیرہ نے ایک دوسرے افسر کو مارا، اور مسلمان ہر چہار جانب سے ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے، ان کے افسر مارے جا چکے تھے، اس لیے وہ زیادہ دیر تک میدان میں نہ ٹھہر سکے اور پسپا ہو کر پیچھے ہٹنے لگے، جریر تعاقب کرتے ہوئے بہت آگے نکل گئے ایرانیوں نے تنہا پا کر گھوڑے سے نیچے گرا دیا اس درمیان میں ان کے ساتھی پہنچ گئے، اس لئے ایرانی چھوڑ کر بھاگ گئے۔

یرموک کے بعد کسریٰ کا پایہ تخت مدائن فتح ہوا اس کے بعد عمرو بن مالک نے جلولا کی مہم سر کی اور جریر کو چار ہزار مسلح فوج کے ساتھ جلولاء کی حفاظت پر متعین کر کے اپنے مستقر پر چلے گئے۔

جلولا کے پاس ہی حلوان ایرانیوں کا ایک بڑا مرکز تھا، حضرت سعد بن ابی رضی اللہ عنہ وقاص نے جریر کے پاس ہزار فوج بھیجی کہ وہ حلوان پر حملہ کر کے اس خطرہ کو دور کریں، چنانچہ وہ چار ہزار بجلی اور ہزار یہ جدید فوج لیکر حلوان پہنچے، اور بلا کسی خون ریزی کے اس پر قبضہ کر لیا۔ (بلاذری)

تستر کی شکست کے بعد یزدگرد شاہ ایران نے اپنے ملک کے مشہور بہادر مردان شاہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ پر مامور کیا، عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس اہتمام کی اطلاع دی، پہلے آپ نے خود اس جنگ میں شرکت کا ارادہ کیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے سے رک گئے اور تمام فوجی چھاؤنیوں میں احکام بھیجے کہ ہر جگہ کی فوجیں میدان میں پہنچ جائیں اور نعمان بن مقرن کو ان کا سپہ سالار بنا کر بھیجا یہ مقابلہ نہایت سخت تھا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن مقرن کے علاوہ اور چار آدمیوں کو بھی سپہ سالاری کے لیے نامزد کر دیا تھا، ان میں ایک جریر رضی اللہ عنہ بھی تھے، مسلمانوں اور ایرانیوں کا یہ معرکہ تاریخی شمار کیا جاتا ہے، اس میں حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی، مگر کامیابی مسلمانوں کو ہوئی (فتوح البلدان بلاذری) ان لڑائیوں کے علاوہ جریر رضی اللہ عنہ اس سلسلہ کی اور لڑائیوں میں بھی شریک تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہمدان کے گورنر تھے، ان کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور اپنے رقبہ حکومت میں ان کی بیعت لے کر ان کے پاس کوفہ چلے آئے، جنگ جمل کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی بیعت کیلئے خط لکھا تو اس کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جریر ہی لیکر گئے تھے، اس کو پیش کر کے زبانی اپکی طرف سے یہ کہا کہ حجاز، یمن، بحرین، عمان، مصر فارس، خراسان اور علاقہ جبل وغیرہ سارے ملکوں نے امیر المومنین کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے، صرف شام باقی رہ گیا ہے، اس لیے اس کو بھی ان کے حلقہ اطاعت میں آجانا چاہیے ورنہ اگر ان ملکوں میں سے ایک ملک بھی شام پر بہا دیا جائے گا تو اس کو غرق کرنے کیلئے کافی ہے۔ (اخبار الطوال)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خط پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مشیروں سے رائے لی، سب نے خلاف مشورہ دیا، اس لیے

انہوں نے صاف جواب دیدیا کہ اہل شام بیعت نہیں کر سکتے، جریر رضی اللہ عنہ نے واپس جا کر یہ جواب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سنا دیا اور امیر معاویہ کی قوت اور ان کے انتظامات سے بھی آگاہ کیا، ان کی زبان سے یہ باتیں سن کر اشتر ان علی رضی اللہ عنہ کے بر طرح طرح کی تہمتیں رکھنے لگے، اشتر بہت برہم ہوئے اور حضرت علی سے کہا امیر المومنین اگر جریر رضی اللہ عنہ کے بجائے آپ مجھے بھیجے ہوتے تو معاویہ کے گلے کی گرفت ڈھیلی ہونے دیتا اور کوئی راستہ ایسا باقی نہ چھوڑتا جس کو وہ باب بنا سکتے اور قبل اس کے کہ وہ کوئی کارروائی کریں، ان سے بیعت لے لیتا، یہ باتیں سن کر جریر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر پہلے نہیں جا سکے تو اب جا کر کرلو، اشتر نے کہا اب جا کر میں کیا کر سکتا ہوں، جبکہ تم نے معاملہ بگاڑ دیا تم نے قطعاً ان سے کوئی عہد و پیمان کر لیا ہے ورنہ ان کی کوششوں اور فوج کی کثرت سے ہم لوگوں کو نہ ڈراتے، اگر مجھکو امیر المومنین اجازت مرحمت فرمائیں تو تم کو اور تمہارے جیسے لوگوں کو معاملات کے فیصلہ تک قید کردوں، جریر رضی اللہ عنہ کو یہ انداز گفتگو اور ناروا غصہ بہت ناگوار ہوا اور راتوں رات اپنے اہل وعیال کو لیکر کوفہ چلے گئے اور قرقیسیا میں اقامت اختیار کرلی اور جنگ صفین میں کوئی حصہ نہ لیا (اصابہ) اور بقیہ زندگی قرقیسیا کے گوشہ عافیت میں بسر کی۔

وفات

۵۴ھ میں قرقیسیا میں وفات پائی۔ (استیعاب)

حلیہ

قد دراز چھ فٹ تھا اور اس قدر حسین وجمیل تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو امت اسلامیہ کا یوسف کہا کرتے تھے، ہاتھوں میں مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔

اولاد

وفات کے بعد پانچ لڑکے عمر، منذر، عبید اللہ، ایوب اور ابراہیم یادگار چھوڑے۔ (تہذیب التہذیب)

فضل وکمال

گو جریر آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے اور فیضان نبوی سے استفادہ کا کم موقع ملا، تاہم جو لمحات بھی میسر آئے، ان سے پورا فائدہ اٹھایا، اس لیے اس کی صحبت کے باوجود ان سے سو حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے آٹھ متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام بخاری اور سات میں امام مسلم منفرد ہیں۔ (تہذیب الکمال)

ان سے روایت کرنے والوں کا دائرہ بھی خاصہ وسیع ہے؛ چنانچہ ان کے لڑکوں میں منذر، عبید اللہ، ایوب ابراہیم اور لڑکوں کے علاوہ ابو ذرعہ بن عمر، انس، ابووائل، زید بن وہب، زیاد بن علاقہ شعبی، قیس بن ابی حازم، ہمام بن حارث اور ابو ظبیان حصین بن جندب نے ان سے روایتیں کیں ہیں۔ (تہذیب التہذیب)

بارگاہ نبوی ﷺ میں پذیرائی کا بیان

بارگاہ نبوی ﷺ میں جریر رضی اللہ عنہ کی بڑی پذیرائی تھی، رسول اللہ ﷺ انہیں بہت مانتے تھے اور بڑے احترام سے ان کے ساتھ پیش آتے تھے ان کے بیٹھنے کے لیے ردائے مبارک بچھا دیتے تھے (تہذیب الکمال:) جب بھی دردولت پر حاضر ہوتے، کبھی شرف باریابی سے محروم نہ رہتے، جب آپ انہیں دیکھتے تھے تو مسکرادیتے تھے (مسلم کتاب الفضائل جریر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ) غائبانہ ان کا ذکر خیر فرماتے تھے ان کا بیان ہے کہ جب میں مدینہ پہنچا تو مدینہ کے باہر سواری بٹھا کر کپڑا رکھنے کا تھیلا کھولا اور حلہ پہن کر داخل ہوا، اس وقت رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے میں نے سلام کیا لوگوں نے آنکھوں سے میری طرف اشارہ کیا، میں نے اپنے پاس کے آدمی سے پوچھا، عبداللہ کیا رسول اللہ ﷺ میرا تذکرہ فرماتے تھے، انہوں نے کہا ہاں، ابھی ابھی نہایت اچھے الفاظ میں تمہارا تذکرہ فرمایا، آپ خطبہ دے رہے تھے، دوران خطبہ میں فرمایا کہ اس دروازہ یا اس کھڑکی سے تمہارے پاس یمن کا بہترین شخص داخل ہوگا، اس کے چہرہ پر بادشاہی کی علامت ہوگی، میں نے اس عزت افزائی پر خدا کا شکر ادا کیا۔

جریر کی خوبیوں اور رسول اللہ ﷺ کے ان کی توقیر کرنے کی وجہ سے خلفاء بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے؛ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ خدا تم پر رحمت نازل فرمائے، تم جاہلیت میں بھی اچھے سردار تھے اور اسلام میں بھی اچھے سردار ہو۔ (تہذیب التہذیب)

پاس فرمان رسول

آپ کا ہر ارشاد ہمیشہ زندگی کا دستور العمل رہا، ایک مرتبہ چند اعراب نے آکر رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ یا نبی اللہ آپ کے بعض صدقہ وصول کرنے والے ہم پر ظلم کرتے ہیں، فرمایا ان کو راضی رکھو، اعراب نے کہا اگر وہ ظلم کریں تب بھی آپ نے فرمایا اپنے صدقہ وصول کرنے والوں کو راضی رکھو، اس ارشاد کے بعد سے کسی صدقہ وصول کرنے والے کو جریر رضی اللہ عنہ نے ناخوش نہیں کیا۔ (مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۳۶۲)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی کی دعا کا بیان

159 حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ مَا حَجَبَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي وَلَقَدْ شَكَوْتُ إِلَيْهِ أَنِّي لَا أَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ فَضَرَبَ بِيَدِهِ فِي صَدْرِي فَقَالَ اللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا

◆◆ حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے نبی کریم ﷺ نے مجھ سے حجاب نہیں کیا اور آپ ہمیشہ مجھے دیکھ کر مسکرادیتے تھے۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی' میں گھوڑے پر سیدھی

159 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3035' ورقم الحدیث 3036' ورقم الحدیث 3822' ورقم الحدیث 6089' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 6313' ورقم الحدیث 6314' ورقم الحدیث: 6315' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3738

طرح نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور دعا کی۔ ''اے اللہ اسے ثابت رکھ اور اسے ہادی اور مہدی بنا''۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی مکمل قیمت ادا کر دی

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے خوبصورت تھے اور بہت دل آویز شخصیت کے مالک تھے، جو بھی ان کے حسن و جمال کو دیکھتا انگشت بدنداں رہ جاتا، لوگ آپ کو یوسف امت کہا کرتے تھے، جب آپ اسلام قبول کرنے کے لیے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لیتے ہوئے نماز، زکوۃ کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی عائد کی کہ حضرت جریر ہر مسلمان کے ساتھ خلوص اور خیر خواہی برتیں گے، شاید اس میں انکے ظاہری جمال کی وجہ سے انکی روحانی اور نفسیاتی تربیت کا بھی پہلو تھا، بہر حال آپ نے ساری زندگی اس عہد کو نبھایا، اپنا نقصان کر لیتے لیکن کسی مسلمان کے مفاد پر کوئی آنچ نہ آنے دیتے، ایک مرتبہ آپ کا غلام ایک نہایت قیمتی اور اصیل عربی نسل کا گھوڑا 300 درہم میں خرید کے لے آیا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس کے مالک نے اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے وہ گھوڑا سستے داموں بیچ دیا، آپ نے گھوڑے کا قد کاٹھ اور خوبصورتی دیکھی تو بجائے خوش ہونے کے پریشان ہو گئے، گھوڑے کے مالک کا پتہ معلوم کیا اور خود اسکے گھر تشریف لے گئے، اور اس سے فرمایا کہ تیرا گھوڑا کسی طرح بھی 800 درہم سے کم قیمت کا نہیں ہے لیکن شاید تم نے کسی مجبوری کی وجہ سے اتنے کم قیمت میں بیچ دیا، لیکن میں تیری مجبوری کا فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا اس لیے میں تمہیں پوری قیمت دوں گا، اور اسے 500 درہم اور دے کر جذبہ خیر خواہی کی ایک عظیم مثال قائم کر دی۔

بَابُ: فَضْلِ اَهْلِ بَدْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

یہ باب اہل بدر کے فضائل میں ہے

اصحاب بدر کی تعداد کا بیان

اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ جنگ بدر کے اسلامی لشکر میں کتنے مجاہد تھے، بعض حضرات نے اصحاب بدر کی مقدار تین سو پندرہ لکھی ہے اور بعض نے تین سو تیرہ۔ ابتداء باب میں ایک روایت تین سے پندرہ کی نقل کی جا چکی ہے اور ایک روایت میں تین سو سترہ کا ذکر ہے، صاحب استیعاب نے اپنی کتاب میں تین سو تیرہ کی تعداد بیان کی ہے، جن میں سے پینتالیس تو یہی ہیں جن کا اس باب میں ذکر ہوا ہے اور باقی دوسرے ہیں، جعفر بن حسن بن عبدالکریم برزنجی نے اصحاب بدر کے اسماء مبارک اور ان کے فضائل و فوائد پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام بجالیۃ الکرب باصحاب سید العجم والعرب ہے اس کتاب میں برزنجی نے متعدد کتابوں کے حوالہ سے اصحاب بدر کو ۳۲۵ کی تعداد میں ذکر کیا ہے، لیکن انہوں نے وضاحت کر دی ہے کہ اس سلسلہ میں راجح قول یہی ہے کہ اصحاب بدر ۳۱۳ ہیں جیسا کہ صاحب استیعاب نے لکھا ہے۔

اصحاب بدر کیلئے جنت کی خوشخبری کا بیان

اصحاب بدر کے فضائل میں سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان مبارک کے ذریعہ جنت کی بشارت دی ہے چنانچہ فرمایا کہ وجبت لکم الجنۃ (اے اصحاب بدر تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی) ان حضرات کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے ہیں یہاں تک کہ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ان میں سے کوئی کسی گناہ کا مرتکب ہوا ہوگا تو اس کو توبہ کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ تو پہلے بخشا جاچکا ہے اور اس کا جنت میں جانا طے ہو چکا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اس کا وہ گناہ اس دنیا میں شرعی سزا کا متقاضی پا گیا ہو اور اس پر اس دنیا میں اس شرعی سزا کا نفاذ بھی کیا گیا ہو۔ یہ بھی انہی کے فضائل میں سے ہے کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نازل کیا اور ان فرشتوں نے اصحاب بدر کے ساتھ مل کر دشمنان دین سے جنگ کی اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، تمام ہی علماء اس پر متفق ہیں جب کہ دوسرے غزوات مثلاً احد اور حنین کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔

اصحاب بدر کے اسماء کی برکت دعا جلد قبول ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر کے اسماء اور ان کے ذکر میں عجیب خواص اور برکتیں رکھیں ہیں ان اسماء کے ذکر کے ساتھ مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے، چنانچہ برہان حلبی نے سیرت کی اپنی کتاب میں لکھا ہے اور دوانی نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے مشائخ حدیث سے سنا: اہل بدر کے اسماء کے ذکر کے ساتھ جو دعا مانگی جاتی ہے، مقبول ہوتی ہے اور یہ تجربہ سے ثابت ہے۔ شیخ عبدالطیف نے اپنا رسالہ میں لکھا ہے۔ بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ کتنے ہی اولیاء اللہ کو اہل بدر کے اسماء کی برکت سے ولایت کا مرتبہ ملا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جن مریضوں نے اہل بدر کے وسیلہ سے اپنے شفا کی دعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا عطا فرمائی، ایک عارف باللہ کا بیان ہے کہ میں نے جب بھی کسی بیمار کے سرہانے رکھ کر اخلاص کے ساتھ اہل بدر کے نام پڑھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرما دی، بلکہ اگر موت کا وقت آ گیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس میں بھی نرمی اور رعایت کا معاملہ فرماتا۔ ایک اور عارف کا بیان ہے، میں نے امور مہم میں اہل بدر کے اسماء کے ذکر کا تجربہ زبان سے پڑھ کر اور لکھ کر کیا، تو حقیقت یہ ہے کہ میں نے کوئی دعا اس سے جلد قبول ہونے والی نہیں پائی۔

اہل بدر کیلئے نزول ملائکہ کا بیان

160- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ جَاءَ جِبْرِيلُ أَوْ مَلَكٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا تَعُدُّونَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا فِيكُمْ قَالُوا خِيَارَنَا قَالَ كَذَلِكَ هُمْ عِنْدَنَا خِيَارُ الْمَلَائِكَةِ

◄◄ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام یا کوئی اور فرشتہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں

160 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حاضر ہوا اس نے عرض کی: آپ لوگ اپنے درمیان ان لوگوں کو کیا سمجھتے ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہو چکے ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا ہم انہیں اپنے میں سے سب سے بہتر سمجھتے ہیں تو اس فرشتے نے کہا کہ ہمارے نزدیک وہ ایسے ہی ہیں ہم انہیں فرشتوں سے بہتر سمجھتے ہیں۔

شرح

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ مُنْزَلِیْنَ۔

(آل عمران،۱۲۴)

جب آپ مؤمنین سے فرمار ہے تھے تمہیں یہ کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد فرمادے جو اتارے گئے ہوں۔

(۱) ابن ابی شیبہ ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکین کی مدد کر رہے ہیں یہ بات ان پر بہت بھاری ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے (یہ آیت) نازل فرمائی لفظ آیت اذ تقول للمؤمنین الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلثة الف سے لے کر مسومین تک کرز کو جب شکست کی خبر پہنچ گئی تو اس نے مشرکوں کی مدد نہ کی جبکہ مسلمانوں کی مدد بھی پانچ ہزار فرشتوں سے نہ کی گئی۔

پانچ ہزار فرشتوں کی مدد

(۲) ابن جریر نے شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر پہنچی پھر انہوں نے اسی طرح ذکر کیا (جیسے اوپر بیان ہوا) مگر یہ فرمایا لفظ آیت دیا تو کم من فورہم ھذا یعنی کرز اور اس کے ساتھیوں کے بعد یمددکم ربکم بخمسة الف من الملئکة مسومین (یعنی تمہارا رب بھی تمہاری مدد کرے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جو نشان لگائے ہوئے ہوں گے) (پھر جب) کرز اور اس کے ساتھیوں کو شکست کی خبر پہنچ گئی تو اس نے مشرکین کی مدد نہیں کی تو مسلمانوں کی مدد کے لیے پانچ ہزار فرشتے بھی نازل نہیں ہوئے اور اس کے بعد ایک ہزار (فرشتوں) سے مدد کی گئی اور یہ چار ہزار ہو گئے مسلمانوں کے ساتھ مل کر۔

(۳) ابن جریر و ابن ابی حاتم نے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ (یہ آیت) اذ تقول للمؤمنین کہ یہ بدر کے دن ہوا تھا۔ (۴) عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے وہ لوگ (یعنی صحابہ) ایک ہزار (فرشتوں) کے ساتھ مدد کئے گئے پھر وہ تین ہزار ہو گئے پھر وہ پانچ ہزار ہو گئے اور یہ واقعہ بدر کے دن کا ہے۔

(۵) ابن جریر نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے لفظ آیت بلی ان تصبروا وتتقوا کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ احد کے دن ہوا تھا انہوں نے صبر نہ کیا اور نہ تقویٰ اختیار کیا (اس لیے) احد کے دن ان کی مدد نہیں کی گئی اگر ان کی مدد کی جاتی تو اس دن شکست نہ ہوتی۔

(۶) عبد بن حمید ابن جریر ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ احد کے دن نبی (صلی اللہ

علیہ وسلم) ایک فرشتہ کے ساتھ بھی مدد نہیں کیے گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا لفظ آیت ان تصبروا وتتقوا (یعنی اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے) تب مدد ہوگی۔

(۷) ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت ان تصبروا وتتقوا (اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے) کہ وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا احد کے دن جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر پیش فرمایا تھا کہ اگر ایمان والوں نے تقویٰ اختیار کیا اور صبر کیا تو ان کی مدد کریں گے پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جو نشان لگے ہوں گے لیکن مسلمان احد کے دن بھاگ گئے اور پیٹھ پھیر لی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد نہیں فرمائی۔

(۸) ابن جریر نے ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا جبکہ وہ مشرکین کا انتظار کر رہے تھے یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہماری مدد نہیں فرمائیں گے جیسے بدر کے دن مدد فرمائی تھی؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا لفظ آیت الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلثۃ الف من الملئکۃ منزلین بلاشبہ بدر کے دن تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد ہوئی تھی پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ (مدد) آئے گی اس شرط پر کہ اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے۔

(۹) ابن جریر و ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت ویاتوکم من فورھم سے مراد ہے یعنی وہ تم پر اس سفر کے بعد آئیں گے۔

(۱۰) عبد بن حمید اور ابن جریر نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت من فورھم سے مراد ہے کہ ان کے سامنے سے۔

(۱۱) ابن جریر نے وجہ آخر سے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت من فورھم سے مراد ہے ان کا فوری طور پر آنا احد کے دن تھا وہ غصہ میں تھے بدر کے دن کی وجہ سے جو ان کو تکلیف پہنچی تھی۔ (۱۲) عبد بن حمید و ابن جریر نے مجاہد رحمۃ اللہ روایت کیا ہے کہ من فورھم سے مراد ہے کہ اپنے غصہ کی وجہ سے۔

(۱۳) ابن جریر نے ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت ویاتوکم من فورھم سے مراد ہے کہ ان کے سامنے تھے اپنے غصہ کی وجہ سے۔

(۱۴) طبرانی و ابن مردویہ نے (ضعیف سند کے ساتھ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا مسومین سے مراد ہے جانے پہچانے اور بدر کے دن فرشتوں کی علامت سیاہ عمامے تھے اور احد کے دن سرخ عمامے تھے۔

(۱۵) ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ زبیر رضی اللہ عنہ بدر کے دن زرد رنگ کا عمامہ باندھے ہوئے تھے اور فرشتے بھی زرد رنگ کے عمامے باندھے ہوئے نازل ہوئے۔

(۱۶) ابن اسحٰق اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کی علامت سفید

عمامے جن کو انہوں نے اپنی پیٹھوں پر ڈال رکھا تھا اور حنین کے دن ان کے سرخ عمامے تھے بدر کے علاوہ کسی دن میں فرشتوں نے (کافروں کو) نہیں مارا اور وہ صرف تعداد بڑھانے اور مدد کرنے کے لیے ہوتے تھے لڑتے نہیں تھے۔

(۱۷) الطستی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نافع بن ازرق رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس قول لفظ آیت مسومین کے بارے میں بتائیے تو انہوں نے فرمایا کہ فرشتے سفید پگڑیاں پہنے ہوئے تھے اور یہ فرشتوں کی نشانی تھی ازرق نے (پھر) عرض کیا کہ عرب کے لوگ اس معنی کو جانتے ہیں فرمایا ہاں کیا تو نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا۔

ولقد حميت الخيل تحمل شكة جرداء صافية الاديم مسومة

ترجمہ: اور تحقیق گھوڑے کے جوش مارا جو کہ ہتھیار اٹھائے تھا سبقت کرنے والا صاف چمڑے والا علامت لگایا ہوا تھا۔

(۱۸) ابن جریر نے ابو اسید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بدری صحابی تھے وہ فرمایا کرتے تھے اگر میری آنکھ میرا ساتھ دیتی پھر تم میرے ساتھ احد کی طرف جاتے تو میں تم کو وہ گھاٹی بتاتا جس میں سے فرشتے نکل رہے تھے زرد پگڑیوں میں اور ان کے شملے ان کے کندھوں کے درمیان تھے۔

بدر کے دن فرشتے گھوڑوں پر سوار تھے

(۱۹) عبد الرزاق و عبد بن حمید و ابن جریر نے عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ بدر کے دن فرشتے ایسے گھوڑوں پر اترے تھے جو سیاہ اور سفید داغوں والے تھے اور اس دن زبیر رضی اللہ عنہ زرد پگڑی پہنے ہوئے تھے۔

(۲۰) ابو نعیم نے فضائل صحابہ میں عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن جبرئیل علیہ السلام زبیر رضی اللہ عنہ کی طرح نشانی لگائے ہوئے تھے اور زبیر رضی اللہ عنہ زرد رنگ کی پگڑی پہنے ہوئے تھے۔

(۲۱) ابو نعیم اور ابن عساکر نے عباد بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ بدر کے دن فرشتے اس حال میں نازل ہوئے گویا وہ سفید پرندے تھے جن پر زرد پگڑیاں تھیں اور اس دن لوگوں کے درمیان زبیر رضی اللہ عنہ بھی زرد رنگ کی پگڑی پہنے ہوئے تھے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ فرشتے ابو عبد اللہ کی شکل پر نازل ہوئے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس حال میں تشریف لائے کہ ان پر زرد رنگ کی پگڑی تھی۔

(۲۲) ابن ابی شیبہ اور ابن جریر نے عمیر بن اسحٰق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن پہلے اون (بطور نشانی کے) رکھی گئی تھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تم آپس میں اپنے لوگوں کو پہچاننے کے لیے ایک نشان مقرر کر لو کیونکہ فرشتوں نے بھی ایک نشان مقرر کیا ہے پس وہ پہلا دن تھا کہ اون رکھی تھی۔

(۲۳) ابن ابی شیبہ ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کی نشانی سفید اون تھی گھوڑے کی پیشانی میں اور اس کی دم میں۔

(۲۴) ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت مسومین سے مراد ہے سرخ دھنی ہوئی اون سے نشان لگائے تھے۔

(۲۵) ابن جریر وابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مسومین کہ (فرشتے) اون کے ساتھ نشان لگائے ہوئے آئے تو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے آپ کو نشان لگایا اور اپنے گھوڑوں کو اون کے ساتھ نشان لگایا۔

(۲۶) ابن ابی شیبہ عبد بن حمید ابن جریر ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت مسومین سے مراد ہے کہ وہ جانے پہچانے تھے ان کے گھوڑے کی دموں اور پیشانی کے بالوں کو کوٹ دیا گیا تھا اور ان میں سرخ رنگ کی اون تھی۔

(۲۷) عبد بن حمید وابن جریر نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مسومین کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ہم کو یہ بات ذکر کی گئی کہ ان کی نشانی اس دن اون تھی ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں اور ان کی دموں میں اور وہ سیاہ سفید داغوں والے گھوڑوں پر تھے۔

(۲۸) عبد بن حمید وابن جریر نے عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ لفظ آیت مسومین سے مراد ہے کہ ان پر قتل کا نشان تھا۔ (۲۹) ابن جریر نے ربیع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اس دن (فرشتے) سیاہ سفید داغوں والے گھوڑوں پر تھے۔

(۳۰) عبد بن حمید نے عمیر بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جب احد کا دن تھا تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے ہٹا دیا (صرف) سعد بن مالک رضی اللہ عنہ باقی رہ گئے جو تیر پھینک رہے تھے اور ایک نوجوان ان کے لیے تیر چن رہا تھا جب بھی تیر ختم ہو جاتے تو وہ آپ کو تیر دے دیتا اور وہ اس کو پھینکتے فرمایا اے ابواسحاق! تیر پھینکو، اے ابواسحاق تیر پھینکو جب معرکہ ختم ہو گیا تو اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا تو کسی نے نہیں پہچانا (کون تھا شاید کوئی فرشتہ ہو۔ (تفسیر درمنثور، سورہ آل عمران، بیروت)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا کہنے کی ممانعت کا بیان

161- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ ح و حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ح و حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ جَمِيْعًا عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِيْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا اَدْرَكَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ میرے اصحاب کو برا نہ کہو اس ذات کی قسم! جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے' تم میں سے اگر کوئی ایک شخص "اُحد" پہاڑ جتنا سونا خرچ کرے تو یہ ان میں سے کسی ایک کے ایک مد بلکہ نصف مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

162- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَعَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ نُسَيْرِ بْنِ

161 اخرجه البخاري في "الصحيح" رقم الحديث 3673' اخرجه مسلم في "الصحيح" رقم الحديث 6434' ورقم الحديث 6435' ورقم الحديث 6436' اخرجه ابوداؤد في "السنن" رقم الحديث 4658' اخرجه الترمذي في "الجامع" رقم الحديث 3861

ذُعْلُوقٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ لَا تَسُبُّوا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ

◄► حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت محمد ﷺ کے اصحاب کو برا نہ کہو کہ ان کا ایک گھڑی کے لیے کھڑے ہونا تم میں سے کسی ایک کے زندگی بھر کے اعمال سے زیادہ بہتر ہے۔

بعض اصحاب بدر کے مختصر تذکرہ کا بیان

یہاں پر ہم اصحاب بدر میں سے بعض معروف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مختصر تذکرہ تحریر میں لا رہے ہیں۔ جن میں سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور عشرہ مبشرہ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اس لئے ان کے سوا بعض اصحاب کا ذکر خیر حسب ذیل بیان کر رہے ہیں۔

حضرت ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ ان کا نام "ایاس" ہے اور بکیر کے بیٹے ہیں، بعض نسخوں میں (بکر کی تصغیر) کا لفظ لام کے ساتھ، البکیر بھی مذکور ہوا ہے اور بعض حضرات نے بخاری کی روایت کے حوالہ سے اس لفظ کو بکیر بھی نقل کیا ہے، بہر حال ایاس کا شمار مہاجرین اولین میں ہوتا ہے، غزوہ بدر میں بھی شریک تھے اور پھر بعد کے دوسرے جہادوں میں شریک ہوئے، انہوں نے اور ان کے بھائی عامر بن بکیر نے مکہ میں اس زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں قیام پذیر تھے۔ ان کی وفات ۳۴ھ میں ہوئی۔ رضی اللہ عنہ۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

یہ مشہور صحابی حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے، ان کے باپ کا نام رباح اور ماں کا نام طمامہ تھا، حضرت ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام ہیں، ان کی کنیت "ابوعبدالرحمٰن" ہے بعض حضرات نے "ابوعبداللہ" بعض نے "ابوعبدالکریم" اور بعض نے ابو عامر بھی کنیت لکھی ہے۔ حضرت بلال قدیم الاسلام ہیں سب سے پہلے انہوں نے ہی مکہ میں اسلام کا اظہار کیا تھا جس کے سبب اللہ کے دین کی راہ میں ان کو نہایت سخت عذاب جھیلنا پڑے، اس زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک دشمن دین امیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے۔ امیہ ان کو نہایت ہولناک اذیتیں پہنچایا کرتا تھا، وہ ان کو لوہے کی زرہ میں کس کر جلتی دھوپ میں ڈال دیتا تھا، لکڑی کے موصل سے ان کی پٹائی کرتا تھا، آخر کار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو اس کو ظالم مالک سے بھاری قیمت کے عوض خرید کر آزاد کیا اور پھر جنگ بدر میں وہی امیہ انہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ خانہ کعبہ میں اذان دیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں ان کی فضیلت و بزرگی کے اظہار کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: سابقین چار ہیں، میں سابق عرب ہوں، بلال سابق حبشہ ہیں، صہیب سابق روم ہیں اور سلمان سابق فارس ہیں،

162 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ذُعْلُوقٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمُقَامُ اَحَدِهِمْ سَاعَةً خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِ اَحَدِكُمْ عُمُرَهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت محمد ﷺ کے اصحاب کو برا نہ کہو کہ ان کا ایک گھڑی کے لیے کھڑے ہونا تم میں سے کسی ایک کے زندگی بھر کے اعمال سے زیادہ بہتر ہے۔

بعض اصحاب بدر کے مختصر تذکرہ کا بیان

یہاں پر ہم اصحاب بدر میں سے بعض معروف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مختصر تذکرہ تحریر میں لا رہے ہیں۔ جن میں سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور عشرہ مبشرہ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اس لئے ان کے سوا بعض اصحاب کا ذکر خیر حسب ذیل بیان کر رہے ہیں۔

حضرت ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ ان کا نام "ایاس" ہے اور بکیر کے بیٹے ہیں، بعض نسخوں میں (بکر کی تصغیر) کا لفظ لام کے ساتھ، البکیر بھی مذکور ہوا ہے اور بعض حضرات نے بخاری کی روایت کے حوالہ سے اس لفظ کو بکیر بھی نقل کیا ہے، بہر حال ایاس کا شمار مہاجرین اولین میں ہوتا ہے، غزوہ بدر میں بھی شریک تھے اور پھر بعد کے دوسرے جہادوں میں شریک ہوئے، انہوں نے اور ان کے بھائی عامر بن بکیر نے مکہ میں اس زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں قیام پذیر تھے۔ ان کی وفات ۳۴ھ میں ہوئی۔ رضی اللہ عنہ۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

یہ مشہور صحابی حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے، ان کے باپ کا نام رباح اور ماں کا نام حمامہ تھا، حضرت ابوبکر صدیق کے آزاد کردہ غلام ہیں، ان کی کنیت "ابو عبدالرحمٰن" ہے بعض حضرات نے "ابو عبداللہ" بعض نے "ابو عبدالکریم" اور بعض نے ابو عامر بھی کنیت لکھی ہے۔ حضرت بلال قدیم الاسلام ہیں سب سے پہلے انہوں نے ہی مکہ میں اسلام کا اظہار کیا تھا جس کے سبب اللہ کے دین کی راہ میں ان کو نہایت سخت عذاب جھیلنا پڑے، اس زمانہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک دشمن دین امیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے۔ امیہ ان کو نہایت ہولناک اذیتیں پہنچایا کرتا تھا، وہ ان کو لوہے کی زرہ میں کس کر جلتی دھوپ میں ڈال دیتا تھا، لکڑی کے موصل سے ان کی پٹائی کرتا تھا، آخر کار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو اس کو ظالم مالک سے بھاری قیمت کے عوض خرید کر آزاد کیا اور پھر جنگ بدر میں وہی امیہ انہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں جہنم رسید ہو۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ خانہ کعبہ میں اذان دیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں ان کی فضیلت وبزرگی کے اظہار کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا سابقین چار ہیں، میں سابق عرب ہوں، بلال سابق حبشہ ہیں، صہیب سابق روم ہیں اور سلمان سابق فارس ہیں،

162 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ گندم گوں تھا دراز قد تھے، جسم پر بال بہت زیادہ تھے، انہوں نے دمشق میں ۲۰ھ میں وفات پائی اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی وفات ۱۸ھ میں ہوئی۔ وفات کے وقت کچھ اوپر ساٹھ سال کے تھے، بعض حضرات نے ان کی عمر ۷۰ سال لکھی ہے رضی اللہ عنہ۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہاشمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں ان کو سید الشہداء کا لقب عطا ہوا تھا بعض حضرات نے "اسد اللہ" کا لقب بھی لکھا ہے، ان کی ماں کا نام ہالہ بنت وہب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی بہن ہیں اور اس اعتبار سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شجاع قوی اور دلاور انسان تھے، ان کی شجاعت و بہادری کے واقعات سے اسلامی تاریخ و سیر کی کتابیں بھری ہیں، ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ فرشتے حمزہ بن عبدالمطلب اور حنظلہ بن راہب کو غسل دے رہے ہیں اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ حمزہ اللہ کے نزدیک ساتویں آسمان پر یوں لکھے ہوئے ہیں۔ حمزہ بن عبد المطلب اسد اللہ واسد رسولہ (حمزہ بن عبدالمطلب، جو اللہ کا اور اللہ کے رسول کا شیر ہے)۔ رضی اللہ عنہ

حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے، غزوہ بدر میں بھی شریک تھے اور غزوہ خندق میں بھی اور اس کے بعد کے جہادوں میں بھی شریک ہوئے۔ ان سے جو ایک لغزش ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر مدینہ منورہ سے ایک خفیہ خط اہل مکہ کے نام روانہ کیا تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جنگی منصوبہ کا انکشاف تھا اور پھر وہ راستہ ہی میں پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس لایا گیا تھا، اس کا تفصیلی ذکر پیچھے آچکا ہے، انہوں نے ۳۰ھ میں مدینہ میں بعمر ۶۵ سال وفات پائی۔

حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ قریشی کے اصل نام میں اختلاف ہے مشہور قول کے مطابق ان کا نام "ہشام" ہے باپ کا نام عتبہ ہے جو ربیعہ بن عبد الشمس کا بیٹا ہے، حضرت حذیفہ اجلہ اور فضلاء صحابہ میں سے ہیں، ان کا شمار مہاجرین اول میں ہوتا ہے یہ ان اہل اسلام میں سے ہیں جنہیں دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت ابو حذیفہ کی ہجرتیں بھی دو ہوئیں۔ یعنی حبشہ ہجرت کرنے والوں میں بھی شامل تھے اور پھر مدینہ کو ہجرت کی۔ انہوں نے مکہ میں اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں قیام پذیر نہیں ہوئے تھے، ان کو غزوہ بدر میں بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اور اس کے بعد جہادوں میں بھی جنگ یمامہ میں جام شہادت سے سرفراز ہوئے اس وقت ان کی عمر ۵۳ سال یا ۵۴ سال کی تھی۔ رضی اللہ عنہ

حضرت حارثہ بن ربیع رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

ربیع (یا ایک روایت کے مطابق ربیع) اصل میں حضرت حارثہ کی ماں کا نام ہے ان کے باپ کا نام سراقہ تھا۔ حضرت حارثہ

جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے اگر یہ میدان جنگ میں نہیں تھے بلکہ اس دستہ میں شامل تھے جو دشمنوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے میدان جنگ سے الگ ایک جگہ پر مامور تھا تا کہ وہ دشمنوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں اور جو کچھ دیکھیں آ کر خبر دیں، انہی صحابہ میں حضرت حارثہ بھی تھے جو جوان العمر اور بڑے چاق و چوبند تھے، یہ جنگ کے وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس جگہ کھڑے تھے کہ اچانک کسی کا ایک تیر آ کر ان کے حلق میں لگا اور حضرت حارثہ اس کاری زخم کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے۔ بعد میں ان کی ماں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بولیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جانتے ہی ہیں میری نظر میں حارثہ کی کیا حیثیت تھی مجھ کو اس سے کتنا لگاؤ تھا، کتنا پیار تھا مجھ کو بتایئے کہ وہ جنت میں گیا ہے یا دوزخ میں، اگر جنت میں گیا ہے تو صبر کروں اور اگر دوزخ میں گیا ہے تو پھر جتنا رو سکتی ہوں روؤں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حارثہ کی ماں! وہاں ایک جنت نہیں ہے اوپر تلے کئی جنتیں ہیں اور تمہارا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ حارثہ کی ماں نے یہ سن کر کہا! میں اس پر صبر کروں گی۔ (الاصابہ، اسدالغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت خبیب بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت خبیب جنگ بدر میں شریک تھے پھر ۳ھ میں جب غزوہ رجیع میں گئے تو وہاں مشرکوں نے ان کو قیدی بنالیا اور مکہ لے کر آئے یہاں مکہ میں ان کو حارث بن عامر کے بیٹوں نے خرید لیا، حارث بن عامر مکہ کا وہ مشرک تھا جس کو حضرت خبیب نے جنگ بدر میں جہنم رسید کیا تھا اور اس کا بدلہ چکانے کے لئے حارث کے بیٹوں نے ان کو خریدا، چنانچہ انہوں نے پہلے تو حضرت خبیب کو قید میں ڈالے رکھا اور پھر مقام تنعیم میں ان کو سولی پر لٹکا کر شہید کر دیا، حضرت خبیب پہلے مسلمان ہیں جن کو سولی پر کھینچا گیا۔ اور انہوں ہی نے مقتل میں قتل کے وقت دو رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ جاری کیا، ایک روایت میں آیا ہے کہ جب ان کو سولی پر کھینچا جانے لگا تو یہ الفاظ ان کی زبان پر تھے کہ خدایا! یہاں میں کسی ایسے شخص کو نہیں پا رہا ہوں جو پیغمبر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام پہنچا دے، خدایا تو ہی میرا اسلام پیغمبر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور خبیب کا سلام پہنچایا۔ رضی اللہ عنہ۔ (الاصابہ، اسدالغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت خنیس بن خدافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت خنیس بن خدافہ سہمی قریشی ہیں اور مہاجرین میں سے ہیں۔ انہوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھی اور وہیں سے آ کر جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے، پھر جنگ احد میں بھی شریک ہونے کے لئے وہاں آئے اور اس کے بعد حبشہ جانے کے بجائے مدینہ منورہ آ گئے، اس جنگ میں یہ زخمی ہو گئے تھے اور آخر کار اس زخم سے جان بر نہ ہو سکے اور انتقال کر گئے۔ حضرت عمر فاروق کی صاحبزادی حضرت حفصہ پہلے انہیں خنیس کے نکاح میں تھیں اور ان کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں۔ (الاصابہ، اسدالغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت رفاعہ بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت رفاعہ بھی اصحاب بدر میں سے ایک ہیں ان کا تعلق انصار مدینہ سے ہے ان کے باپ قبیلہ وقوم کے سردار تھے۔
حضرت رفاعہ نے بدر کے بعد اور تمام جہادوں میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی۔ انہوں نے جنگ جمل اور
جنگ صفین میں بھی حضرت علی کی طرف سے شرکت کی تھی ان کا انتقال امارت معاویہ کے ابتدائی دنوں میں ہوا۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر رابولبابہ رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر رابولبابہ بھی انصار مدینہ میں سے ہیں اور قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے ہیں سرداروں میں سے تھے، ایک
قول یہ ہے کہ یہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پیچھے امیر و والی بنا کر مدینہ میں
چھوڑ گئے تھے اور پھر بدر کے مال غنیمت میں ان کا بھی حصہ لگایا تھا جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حصہ لگایا تھا۔ ان کی وفات
حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں ہوئی، حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر کے اس قصہ کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے جو مدینہ کے
یہودیوں "بنو نضیر" کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کاروائی کے موقعہ پر حضرت رفاعہ کی تقصیر سے توبہ کی قبولیت تک انہوں
نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھے رکھا تھا، بعد میں مسجد نبوی کے اس ستون کو حضرت رفاعہ کی کنیت کی نسبت
سے "ابولبابہ" کہا جانے لگا۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت زبیر بن عوام عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، چوتھی پشت "قصی" پر پہنچ کر ان کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب
ایک ہو جاتا ہے، ان کی والدہ ماجدہ حضرت صفیہ عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں۔ حضرت ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی حضرت اسماء ان کی زوجیت میں تھیں، انہوں نے اور ان کی والدہ حضرت صفیہ نے ایک
ساتھ حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۶ سال اور ایک روایت کے مطابق ۲۵ سال تھی، جب انہوں
نے اسلام قبول کیا تو ان کے چچا نے ان کو سخت اذیتیں پہنچائیں، یہاں تک کہ وہ ان کو دھوئیں میں بند کر کے ستایا تھا اور کہتا تھا کہ
جب تک تم اسلام کو ترک نہیں کرو گے اسی طرح تم پر ظلم ڈھاتا رہونگا، مگر ان کے پائے استقامت میں ذرا لغزش نہیں آئی اور ہر سختی
ان کے قدم کو راہ اسلام پر اور زیادہ مضبوطی سے جماتی رہی، ان کی پہلی ہجرت حبشہ کو ہوئی تھی، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ غزوہ بدر اور دوسرے غزوات میں شرکت کی غزوہ احد میں جب کہ دشمن نے چاروں طرف سے یلغار کر رکھی تھی اور اسلامی
لشکر افراتفری کے عالم میں تھا، حضرت زبیر نہایت بہادری اور پامردی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ڈٹے رہے،
منقول ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس شخص نے اللہ کی راہ میں تلوار سونتی حضرت زبیر ابن عوام ہیں۔ حضرت زبیر کا رنگ گورا،
چہرہ پر جمال و روشن تھا، دراز قد تھے جسم پر گوشت ہلکا تھا، بال بہت تھے اور رخسار ہلکے تھے، حضرت زبیر ۳۶ھ میں جنگ جمل کے
دوران شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال تھی پہلے جسد خاکی کو دار السباع میں دفن کیا گیا پھر بصرہ لایا گیا اور وہیں ان کو آخری

زرام گاہی منقول ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نماز کی حالت میں تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر سے ایک شخص ابن جرموز نے ان پر حملہ کیا اور شہید کر ڈالا، بعد میں ابن جرموز حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آیا اور بولا کہ: آپ کو خوش خبری ہو میں نے زبیر کو قتل کر ڈالا ہے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا اور تو بھی خوش خبری سن لے کہ دوزخ تیرا انتظار کر رہی ہے۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ ہیں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی کنیت سے مشہور ہیں یہ ان ستر آدمیوں میں شامل تھے جو ہجرت نبوی سے پہلے مدینہ سے چل کر مکہ آئے تھے اور عقبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔ انہوں نے غزوہ بدر میں بھی شرکت کی تھی اور ان کے بعد کے جہادوں میں بھی، حضرت طلحہ، زید بن سہل، حضرت ام سلیم کے خاوند ہیں جو حضرت انس بن مالک کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ان کا شمار انصار کے عمائدین اور رؤساء میں ہوتا تیر اندازی میں بہت مشہور تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ تنہا ابوطلحہ کی آواز لشکر میں ایک جماعت کی آواز سے بہتر ہے۔ ایک روایت میں "سو مردوں کے آواز سے بہتر ہے" کے الفاظ ہیں اور ایک اور روایت میں یہ ہے کہ ہزار مردوں کی آواز سے بہتر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھائی چارہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے کرایا تھا۔ ان کی وفات ۳۱ھ بعمر ۷۰ سال ہوئی۔ رضی اللہ عنہ۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت ابوزید انصاری ان صحابہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔ یہ حضرت انس کے ایک چچا ہیں، جنگ بدر میں شریک تھے سعد قاری کے نام سے زیادہ مشہور تھے ان کے اصل نامی اختلافی اقوال ہیں بعض نے سعد بن عمیر لکھا ہے اور بعض نے قیس بن سکن۔ رضی اللہ عنہ۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

یہ مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اصل میں ابی وقاص کا نام مالک تھا اس لئے ان کو سعد بن مالک بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت سعد زہری قریشی ہیں، انہوں نے ابتداء اسلام ہی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۷ سال یا ایک روایت کے مطابق ۱۹ سال تھی۔ خود حضرت سعد کا بیان ہے کہ میں تیسرا مسلمان ہوں، یعنی مجھ سے پہلے صرف دو آدمی مسلمان ہوئے تھے اور میں وہ شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیر اندازی کی۔ یہ غزوہ بدر اور تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے، غزوہ احد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اپنے ماں باپ کو جمع کر کے فرمایا تھا: تیر پہ تیر چلائے جاؤ، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں، گندم گوں رنگت، چھوٹا قد، فربہ بدن، بڑا سر، سخت انگلیاں ہلکی ناک اور جسم پر بال کی کثرت، یہ حضرت سعد کا سراپا تھا، ان کا انتقال بعہد امارت معاویہ

۵۵ھ یا ۵۸ھ میں دفن کیا گیا انہوں نے کچھ اوپر ستر سال اور ایک روایت کے مطابق ۸۲ سال کی عمر پائی، عشرہ مبشرہ میں سب سے پیچھے انہیں کی وفات ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ فتوحات اسلام میں حضرت سعد کی جنگی مہارت اور بے پناہ شجاعت و بہادری کا بڑا حصہ ہے، عجم کے نامعلوم کتنے شہر اور کتنے بڑے بڑے علاقے ان کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ ایران کو اسلام کے زیر نگیں کرنے والے اور کسریٰ کی عظیم تر طاقت کو پاش پاش کرنے والے سب سے بڑے سپہ سالار یہی حضرت سعد بن ابی وقاص ہیں اس کے علاوہ بھی ان کے فضائل اور مناقب کچھ کم نہیں ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت سعد بن خولہ کا تعلق قریش مکہ سے ہے، بنو عامر لوی میں سے ہیں ایک قول یہ ہے کہ بنو عامر بن لوی سے ان کا نسبی تعلق نہیں ہے بلکہ ان کے حلیف تھے۔ یہ ان مسلمانوں میں شامل تھے جنہوں نے دوسری بار مکہ سے حبشہ ہجرت کی تھی۔ جنگ بدر میں شریک تھے اور حجۃ الوداع کے زمانہ میں مکہ میں ان کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہ۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت سعید بن زید بن نفیل قریشی عدوی ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت عمر فاروق کے بہنوئی تھے، قدیم الاسلام ہیں یعنی انہوں نے مکہ میں اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں قیام پذیر نہیں تھے۔ انہوں نے تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی ہے غزوہ بدر کے موقع پر یہ طلحہ بن زبیر کے ساتھ قریش کے قافلہ کی خبر لانے کی مہم پر گئے تھے۔ حضرت سعید بن زید گندم گوں اور دراز قد تھے، گیارہویں پشت میں کعب بن لوی پر ان کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب ایک ہو جاتا ہے۔ انہوں نے جب اسلام قبول کیا تھا تو اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ خود ان کا بیان ہے کہ جب عمر کو میرے قبول اسلام کی خبر ہوئی تو انہوں نے مجھ کو باندھ کر ڈال دیا تھا، ان کی بیوی حضرت فاطمہ بنت خطاب بھی اپنے بھائی حضرت عمر سے پہلے مشرف باسلام ہو چکی تھیں، حضرت سعید کا انتقال ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں مدینہ کے قریب وادی عقیق میں ہوا۔ ان کی عمر کچھ اوپر ۷۰ برس کی ہوئی۔ ان کے باپ زید بن نفیل نے زمانہ جاہلیت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دین اختیار کر لیا تھا اور مشرکوں کے ذبیحہ سے پرہیز کرتے تھے، انہوں نے قبل بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملاقات کی تھی، ان کو "موحد الجاہلیۃ" کہا جاتا ہے۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت سہل بن حنیف انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت سہل بن حنیف انصاری ہیں، بدر اور احد اور دوسرے جہادوں میں شریک ہوئے اور غزوہ احد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدان کارزار میں ڈٹے رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا علی کے خاص مصاحبین میں شامل ہو گئے تھے، سیدنا علی نے ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا، پھر "فارس" "ایران کی گورنری پر ان کو فائز کیا۔ ان کا انتقال کوفہ میں ۳۸ھ میں ہوا اور سیدنا علی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت ظہیر بن رافع رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

ظہیر بن رافع (یا ملاعلی قاری کے بموجب ظُہیر) کے باپ کا نام رافع تھا، انصار مدینہ میں سے ہیں ان کے بھائی کا نام خدیج بن رافع ہے۔ جب کہ ملاعلی قاری نے ظہیر نام لکھا ہے یہ دونوں بھائی بدری ہیں، ان دونوں نے جنگ بدر میں اور اس کے بعد کے دوسرے جہادوں میں شرکت کی تھی۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

ہزلی ایک قبیلہ ہزیل کی طرف نسبت ہے، جو غیر قریش قبائل میں سے ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی، صاحب السواد والسواک کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کا انتقال مدینہ میں ۳۲ھ میں ہوا کچھ اوپر ساٹھ سال عمر پائی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف زہری، زہرہ بن کلاب کی اولاد سے ہیں، کلاب بن مرہ پر ان کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب اکی ہو جاتا ہے۔ دور جاہلیت میں ان کا نام عبدالکعبہ تھا، ان کی ولادت واقعہ فیل کے دس سال بعد ہوئی ابتداء اسلام ہی میں انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا تھا، ان کی والدہ بھی مسلمان ہوگئی تھیں، حبشہ کی طرف انہوں نے دو ہجرتیں کیں، جنگ بدر میں شریک ہوئے اور دوسرے تمام غزوات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش بدوش رہے، جنگ احد میں کے دن میدان کارزار میں پوری ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہنے والوں میں عبدالرحمٰن بن عوف بھی تھے، اس دن انہوں نے بیس سے زیادہ زخم کھائے تھے۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے نماز ادا کی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف غزوہ تبوک میں نہیں جاسکتے تھے اور اس کی تلافی انہوں نے اس طرح کی تھی کہ چار ہزار دینار اللہ کی راہ میں صدقہ کیے، پھر چالیس ہزار دینار اور اللہ کی راہ میں خرچ کیے، پانچ سو گھوڑے مجاہدین اسلام کے لئے پیش کیے اور اسی طرح پانچ سو اونٹ دیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصل کے بعد ازواج مطہرات کی خبر گیری اور ان کے اخراجات زندگی کا تکفل حضرت عبدالرحمٰن نے اپنے ذمہ لیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مال و دولت سے نوازا تھا اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حوصلہ بھی اتنا ہی زیادہ ان کو عطا کیا تھا، تجارت ان کا پیشہ تھا اور ان کا بیشتر مال و زر تجارت ہی سے ان کو حاصل ہوا تھا، منقول ہے کہ یہ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے تو بالکل مفلس وقلاش تھے اور پھر اس پاک شہر میں ان کو خیر و برکت حاصل ہونی شروع ہوئی تو اللہ نے وہم وگمان سے زیادہ ان کو نوازا بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے چار بیویاں تھیں اور ان کو ترکہ کے آٹھویں حصہ کے چوتھائی پر مصالحت کرنی پڑی اور اس صورت میں بھی ان کے حصہ میں اسی ہزار درہم یا دینار آئے۔ حضرت عبدالرحمٰن کی میراث ایک ہزار ساٹھ آدمیوں کے درمیان تقسیم ہوئی اور ہر ایک کو اسی اسی ہزار درہم ملے۔

یہ منقول ہے کہ انہوں نے اپنی میراث میں سے ہر بدری صحابی کو چار چار سو دینار دینے کی وصیت کی تھی جو پوری کی گئی۔

روایت ہے کہ ایک دن ام المومنین حضرت عائشہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے میں نے عبدالرحمٰن کو بہشت میں جاتے ہوئے دیکھا اور وہ بہشت میں اس طرح گھسٹ رہے تھے جیسے کوئی بچہ گھٹنوں ہاتھ پاؤں کے بل چلتا ہے، جس دن حضرت عائشہ نے عبدالرحمٰن کو یہ حدیث سنائی اسی دن ان کا ایک تجارتی قافلہ سات سو اونٹوں پر مال لادے ہوئے ملک شام سے چل کر مدینہ پہنچا تھا، انہوں نے اپنے بارے میں دخول جنت کی یہ بشارت سن کر شکرانہ میں وہ تمام لدے پھندے اونٹ مع ان کے پالانوں اور جھولوں کے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیئے روایت ہے کہ وفات کے وقت حضرت عبدالرحمٰن بے ہوش ہو گئے تھے جب کچھ دیر کے لئے ہوش میں آئے تو بولے ابھی میرے پاس دو فرشتے آئے تھے جو بڑے سخت اور درشت خو معلوم ہوتے تھے انہوں نے میری طرف اشارہ کر کے آپس میں کہا کہ ہم اس شخص کو حاکم امین عزیز کے حضور لے جا رہے ہیں، اتنے میں دو فرشتے آ گئے اور ان دونوں نے پہلے فرشتوں سے پوچھا کہ اس شخص کو کہاں لے جا رہے ہو؟ وہ دونوں بولے حاکم امین عزیز کے حضور۔ تو دوسرے فرشتوں نے کہا یہ تو وہ شخص ہے جس میں سعادت و نیک بختی نے اسی وقت گھر کر لیا تھا جب یہ ماں کے پیٹ میں تھا۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت عبدالرحمٰن کی علمی حیثیت بھی بہت بلند تھی، فقہی تبحر اور دینی احکام و مسائل پر عبور رکھنے کے سبب صحابہ میں نہایت ممتاز درجہ رکھتے تھے، چنانچہ حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان تینوں کے عہد خلافت میں فتویٰ دینے کی بڑی ذمہ داری انہی کے سپرد تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن کی رنگت سرخ سفید تھی، قد دراز تھا، چہرہ خوبصورت تھا اور پاؤں کو تیر لگنے سے جو نقصان پہنچا تھا اس کے سبب لنگڑے ہو گئے تھے ان کی وفات حضرت عثمان کے عہد خلافت میں ہوئی۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت عبیدہ بن حارث قریشی رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت عبیدہ بن حارث قریشی ہیں ان کے باپ حارث، مطلب بن عبد مناف کے بیٹے تھے۔ حضرت عبیدہ کی کنیت ابوالحارث تھی اور بعض حضرات نے "ابومعاویہ" کنیت لکھی ہے، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال بڑے تھے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں آنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ اور ان کے دو بھائی، جن کے نام طفیل اور حصین تھے، ایک ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھے، جنگ بدر میں ان کا مقابلہ ولید بن عتبہ سے ہوا تھا اور دونوں کے درمیان دو دو چوٹیں ہوئیں، اس مقابلہ میں حضرت عبیدہ شہید ہو گئے لیکن ولید بھی اسی دن مارا گیا۔ (الاصابہ)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت عبادہ بن صامت انصار مدینہ میں سے ہیں اور ان کا شمار سرداروں میں ہوتا ہے تھا۔ عقبہ اولیٰ، عقبہ ثانیہ اور عقبہ ثالثہ، تینوں میں یہ موجود تھے، انہوں نے جنگ بدر اور دوسرے جہادوں میں شرکت کی یہ ان صحابہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن جمع کیا تھا۔ حضرت عبادہ دراز قد اور خوبصورت جسم کے تھے، حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں ان کو شام کا قاضی و معلم بنا کر بھیجا تھا، چنانچہ انہوں نے حمص میں اقامت اختیار کر کے اپنے فرائض انجام دیئے پھر بعد

میں فلسطین چلے گئے تھے اور وہیں رملہ میں وفات پائی، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان کی وفات بیت المقدس میں ۳۴ھ میں ہوئی تھی، اس وقت ان کی عمر ۷۲ سال کی تھی، ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عبادہ، حضرت معاویہ کے زمانہ تک زندہ رہے۔

حضرت عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت عمرو بن عوف انصاری ہیں یہ بنو عامر لوی کے حلیف تھے اور مدینہ کی سکونت اختیار کر رکھی تھی، انہوں نے بدر میں شرکت کی ان کا انتقال امیر معاویہ کے آخر عہد امارت میں مدینہ میں ہوا اور لا ولد اس دنیا سے رخصت ہوئے، انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا، اس لئے ان کو قدیم الاسلام کہا جاتا ہے، یہ ان مقدس ہستیوں میں سے ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ فرمایا تری اعینہم تفیض من الدمع انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ حدیث روایت کی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اہل اسلام کو مخاطب کر کے فرمایا: مجھ کو تمہارے فقر وافلاس سے کوئی خوف نہیں ہے میں تو اس وقت سے ڈرتا ہوں جب دنیا (اپنے مال وزر کے ساتھ) تم پر کشادہ وفراخ ہو جائے گی۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت عقبہ بن عمرو انصاری مشاہیر صحابہ میں سے ہیں بدری ہیں، عقبہ ثانیہ میں موجود تھے، جمہور علماء کا کہنا ہے کہ ان کو "بدری" اس نسبت سے کہا جاتا ہے کہ یہ بدر میں رہا کرتے تھے نہ کہ اس اعتبار سے کہ انہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی ان کی وفات حضرت علی کی عہد خلافت میں ہوئی، لیکن بعض حضرات کا کہنا ہے کہ انہوں نے ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں وفات پائی۔

حضرت عامر بن ربیعہ غزی رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

غزی "اصل میں ایک شخص "غزہ" کی طرف نسبت ہے جو حضرت عامر بن ربیعہ کے اجداد میں سے تھا، جامع الاصول میں یہ لفظ غنوی لکھا ہوا ہے، حضرت عامر چونکہ بنو عدد کے حلیف تھے اس لئے ان کو عددی بھی کہا جاتا ہے اور کاشف میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عامر آل خطاب کے حلیف تھے۔ حضرت عامر نے دو ہجرتیں کیں، جنگ بدر میں بھی شریک تھے اور دوسرے جہادوں میں بھی۔ انہوں نے حضرت عمر سے پہلے اسلام قبول کیا تھا، ان کی وفات ۳۲ھ یا ۳۳ھ یا ۳۵ھ میں ہوئی۔

حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت عاصم بن ثابت انصاری نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی، یہ حضرت عاصم بن عمر فاروق کے جد مادری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک موقع پر ان کی جان کو مشرکوں سے جس طرح بچایا تھا وہ ایک بہت ہی غیر معمولی واقعہ ہے، ہوا یہ تھا کہ غزوہ ذات الرجیع میں انہوں نے ایک بڑے مشرک سردار کو قتل کر دیا تھا سارے مشرک اپنے سردار کا بدلہ لینے کے لئے حضرت عاصم بن ثابت کی تاک میں لگ گئے اور موقع پا کر ان کو گھیر لیا اور قریب تھا کہ ان کا سر کاٹ لیں مگر اسی وقت اللہ کی مدد حاصل ہوئی۔ دراصل حضرت عاصم نے خدائے عزوجل سے دعا مانگی تھی کہ کسی مشرک کا ہاتھ مجھ تک نہ پہنچے اور ان کی یہ دعا مقبول تھی، چنانچہ جب مشرک حضرت عاصم کا سر کاٹنے کے لئے بڑھے تو اچانک ایسا لگا کہ بھڑوں کا ایک چھتہ ٹوٹ کر ان مشرکوں پر گرا ہو اور پھر ان بھڑوں نے حضرت عاصم کو ان

کے ہاتھوں سے بچالیا۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت عویم بن ساعدہ انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت عویم بن ساعدہ انصاری عقبہ ثانیہ میں مدینہ سے مکہ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و بیعت کرنے والوں میں شریک تھے، انہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی ہے اور دوسرے جہادوں میں بھی ان کا انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہو گیا تھا انہوں نے ۶۵ یا ۶۶ سال کی عمر پائی۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت عتبان بن مالک انصاری خزرجی ہیں جنگ بدر میں شریک تھے، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں اور ان سے جن لوگوں نے احادیث نقل کی ہیں ان میں حضرت انس بن مالک اور محمود بن ربیع شامل ہیں، حضرت عتبان نابینے تھے، صحیح بخاری کی ایک روایت میں ان کے متعلق یہ مذکور ہے کہ انہوں نے نماز کے لئے مسجد میں آنے سے اپنا عذر بیان کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں ایک جگہ نماز پڑھی تا کہ عتبان اسی جگہ کو اپنی نماز پڑھنے کے لئے مختص کر لیں۔ انہوں نے حضرت معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت قتادہ بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

یہ وہ قتادہ نہیں ہیں جو اہل علم اور محدثین میں بہت مشہور ہیں، وہ تابعی تھے، بصرہ کے تھے، بینائی سے اللہ تعالیٰ نے محروم کر رکھا تھا۔ لیکن علم و معرفت کی دولت وافر ان کو عطا فرمائی تھی۔ وہ حافظ تھے، مفسر تھے، محدث تھے اور ان کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ جو کچھ ایک بار سن لیتے تھے اس کو کبھی نہیں بھولتے تھے۔ حضرت انس بن مالک حضرت حسن بصری اور حضرت سعید بن مسیب سے روایت کرتے تھے اور یہ قتادہ بن نعمان جن کا یہاں ذکر ہے، صحابی ہیں، انصاری ہیں، عقبہ میں موجود تھے جنگ بدر میں شریک تھے اس کے بعد دوسرے جہادوں میں شریک ہوئے، ان کا شمار فضلاء صحابہ میں ہوتا ہے ان کا انتقال ہوا اور حضرت عمر نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت معاذ عمرو بن الجموع رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت معاذ عمرو بن الجموع کے بیٹے ہیں، عقبہ میں موجود تھے، جنگ بدر میں یہ بھی شریک تھے اور ان کے باپ عمرو بن الجموع بھی، یہ وہی نوعمر معاذ بن عمرو ہیں جنہوں نے جنگ بدر میں ابوجہل پر پہلے حملہ کیا اور اس کا ایک پاؤں کاٹ ڈالا تھا اور پھر بعد میں معاذ و معوذ بن عفراء نے اس کا کام تمام کیا تھا۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت معوذ بن عفراء اور ان کے بھائی حضرت معاذ بن عفراء دونوں جنگ بدر میں شریک تھے "عفراء" ان دونوں کی ماں کا نام ہے، ان کے باپ حارثہ بن رفاعہ انصاری ہیں، یہ معوذ ہی تھے جنہوں نے جنگ بدر میں اپنے بھائی معوذ بن عفراء کی مدد سے

ابوجہل کو قتل کیا تھا۔ معوذ اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے، لیکن معاذ باقی رہے اور انہوں نے دوسرے جہادوں میں بھی شرکت کی معوذ اور معاذ کے ایک بھائی عوف بن عفراء بھی جنگ بدر شریک تھے اور ان کو بھی اس جنگ میں شہادت نصیب ہوئی تھی۔

حضرت مالک بن ربیعہ انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

اصل نام مالک بن ربیعہ ہے اور "ابواسید" کنیت ہے نام کے بجائے کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، جنگ بدر میں اور دوسرے تمام غزوات میں شریک ہوئے، قبیلہ سے "مساعدی" ہیں۔ ۶۰ھ میں ان کی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر ۷۷ سال یا ۷۸ سال اور نابینا ہو چکے تھے، اصحاب بدر میں سب کے بعد انہیں کا انتقال ہوا۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد المناف، جنگ بدر اور جنگ احد میں شریک تھے اور بعد کی جنگوں میں بھی شریک ہوئے۔ یہ وہی مسطح ہیں جنہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی ذات پر بہتان باندھا تھا اور ان پر حد قذف (زنا کا جھوٹا الزام لگانے کی سزا) نافذ ہوئی تھی اور ان کو درے لگائے گئے تھے۔ یہ واقعہ افک کے نام سے مشہور ہے، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ "مسطح" ان کا لقب ہے، اصل نام "عوف" ہے، ان کا انتقال ۳۴ھ عمر ۵۶ سال ہوا۔

حضرت مرارہ بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت مرارہ بن ربیع انصاری، بنوعمرو بن عوف میں سے ہیں، جنگ بدر میں شریک تھے، یہ ان تین صحابہ میں سے ہیں جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے۔ ان میں سے زیادہ مشہور حضرت کعب بن مالک ہیں دوسرے حضرت ہلال بن امیہ اور تیسرے یہ حضرت مرارہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی توبہ قبول فرمائی تھی اور ان کے حق میں قرآن کی آیتیں نازل فرمائیں اور اسی مناسبت سے اس سورت کا نام "توبہ" رکھا جس میں یہ آیتیں شامل ہیں۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت معن بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت معن بن عدی انصاری بنوعمرو بن عوف کے حلیف ہیں اور اسی سبب سے ان کا شمار انصار میں ہوتا ہے۔ یہ عقبہ موجود تھے، جنگ بدر میں بھی شریک تھے اور اس کے بعد کے دوسرے جہادوں میں شریک ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھائی چارہ حضرت زید بن خطاب سے کر دیا تھا جو حضرت عمر کے بھائی ہیں اور ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت صدیق اکبر کے عہد خلافت میں یہ دونوں ایک ساتھ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت مقداد بن عمرو کندی رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت مقداد بن عمرو کندی کو مقداد بن اسود بھی کہا جاتا تھا، کندی تو ان کو اس نسبت سے کہتے تھے کہ ان کے باپ عمرو کندہ کے حلیف تھے اور مقداد چونکہ بنوزہرہ میں سے ایک شخص اسود بن یغوث زہری کے حلیف بن گئے تھے، اس لئے ان کو "زہری" کہا

جاتا تھا اور اسی نسبت سے مقداد بن اسود ان کا دوسرا نام پڑ گیا تھا، حضرت مقداد قدیم الاسلام ہیں اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ چھٹے مسلمان ہیں یعنی ان سے پہلے پانچ آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت نیک و بزرگ صحابہ میں ہوتا تھا۔ ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں حضرت علی بن ابی طالب اور طارق بن شہاب شامل ہیں، ۳۳ھ میں ان کا انتقال مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام جرف میں ہوا تھا وہاں سے ان کی میت مدینہ لائی گئی اور پھر بقیع میں ان کو دفن کر دیا گیا۔ نماز جنازہ حضرت عثمان بن عفان نے پڑھائی، ان کی عمر ۷۰ سال کی ہوئی۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

حضرت ہلال بن امیہ انصاری رضی اللہ عنہ کے احوال کا بیان

حضرت ہلال بن امیہ انصاری ان تین صحابہ میں سے ہیں جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ انہوں نے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا تھا اور لعان کیا تھا، یہ جنگ بدر میں شریک تھے، ان سے جو حضرات حدیث روایت کرتے ہیں ان میں حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس شامل ہیں۔ (اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

بَابُ: فَضَائِلِ الْاَنْصَارِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

یہ باب انصار کی فضیلت کے بیان میں ہے

انصار اصحاب کی فضیلت کا بیان

انصار " کا لفظ لغوی طور پر " ناصر " یا " نصر " کی جمع ہے اور اصطلاحاً اس لفظ کا اطلاق مدینہ کے ان لوگوں پر ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور جان ومال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی دراصل مدینہ میں دو قبیلے آباد تھے۔ ایک کے مورث اعلی کا نام " اوس " اور دوسرے کا مورث اعلی کا نام " خزرج " تھا اوس وخزرج دونوں بھائی تھے اور آگے چل کر ان دونوں کی نسلوں نے دو زبردست قبیلوں کی صورت اختیار کر لی۔ مدینہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی آمد سے پہلے یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے کے خلاف بھیانک مخاصمت و دشمنی رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ہجرت نبوی کے وقت تک مسلسل ایک سو بیس سال سے ان دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ وعداوت چلی آرہی تھی، لیکن جوں ہی انہوں نے اسلام دتوحید اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق قائم کیا ان کی باہمی عداوت ومخاصمت، باہمی محبت وموانست میں بدل گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قبیلوں کو " انصار " کا لقب عطا فرمایا اور اسی لقب کے ذریعہ ان قبیلوں کے لوگ ممتاز ہوئے۔ ان کے بعد ان کی اولاد، ان کی نسلوں اور ان کے آزاد کردہ غلاموں کے لئے بھی یہ لقب باقی رہا۔ انصار کے فضائل ومناقب کا کوئی ٹھکانہ نہیں، اسلام میں بلندتر، شرف واعزاز ان کو حاصل ہے قرآن کریم میں ان کی تعریف مذکور ہے اور یہ عظیم تر رتبہ ان کو اس بناء پر حاصل ہوا کہ انہوں نے نہایت مخلصانہ طور پر پیغمبر اسلام کو ٹھکانا دیا۔

جان ومال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی مشن کے نہایت زبردست اور موثر ومعاون بنے۔ اور چونکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معاونت کر کے تمام عرب وعجم کے دشمنان دین کی عداوت مول لی۔ اس

لئے ضروری ہوا کہ ان کی محبت کو ایمان کی علامت اور ان کی عداوت کو کفر و نفاق کی علامت، اسی طرح ان کے تئیں کمال محبت کو کمال ایمان کا موجب اور ان کے تئیں نقصان محبت کو نقصان ایمان کا موجب قرار دیا جائے بلکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر کوئی شخص اس بناء پر ان سے عداوت رکھے کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے معاون و مددگار رہے تو وہ شخص یقینی طور پر حقیقی کافر ہے۔

انصار سے محبت رکھنے کے حکم کا بیان

163- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَعَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ الْاَنْصَارَ اَحَبَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَبْغَضَ الْاَنْصَارَ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ قَالَ شُعْبَةُ لِعَدِيٍّ اَسَمِعْتَهُ مِنَ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اِيَّايَ حَدَّثَ

◄► حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جو شخص انصار سے محبت رکھے اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھے گا اور جو انصار سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھے گا۔

شعبہ نامی راوی نے عدی نامی راوی نے کہا کیا آپ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی زبانی خود یہ بات سنی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: انہوں نے مجھے یہ بات بتائی تھی۔

انصار اصحاب سے بغض رکھنے والے کیلئے وعید کا بیان

163م- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ دَاوُدَ بْنِ اَبِي عَوْفٍ اَبِي الْجَحَّافِ وَكَانَ مَرْضِيًّا عَنْ اَبِي حَازِمٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ اَحَبَّنِي وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِي".

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جو شخص حسن اور حسین سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے۔

انصار اصحاب کو نبی کریم ﷺ کا پسند کر لینے کا بیان

164- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرٰهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي فُدَيْكٍ عَنْ عَبْدِ الْمُهَيْمِنِ بْنِ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ وَلَوْ اَنَّ النَّاسَ اسْتَقْبَلُوا وَادِيًا اَوْ شِعْبًا وَاسْتَقْبَلَتِ الْاَنْصَارُ وَادِيًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْاَنْصَارِ وَلَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَاً مِنَ الْاَنْصَارِ

---

163 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3783 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 234 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3900

163م اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 143

164 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

«» "عبدالمہیمن بن عباس اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے" انصار لباس کا اندرونی حصہ ہیں اور دوسرے لوگ بیرونی حصہ ہیں اگر لوگ ایک وادی یا گھاٹی میں جائیں اور انصار دوسری وادی میں جائیں' تو میں انصار کی وادی میں چلوں گا' اگر ہجرت نہ ہوتی' تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا"۔

شرح

تو میں بھی انصار میں کا ایک آدمی ہوتا" اس سے نسب ولادی (پیدائشی نسب ونسل) میں تبدیلی کی خواہش یا تمنا کا اظہار مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو نسب ولادی میں تبدیلی حرام ہے دوسرے یہ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب چونکہ دنیا کے تمام نسبوں اور نسلوں سے اعلیٰ واشرف ہے اس لئے اس نسب ونسل کی نسبت چھوڑ کر کسی دوسرے نسب ونسل کی طرف نسبت کی خواہش یا تمنا کے اظہار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں یہاں نسب بلادی یعنی وطنیت وشہریت کی نسبت ضرور مراد ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ہجرت کا تعلق اگر دین سے نہ ہوتا اور اس کی طرف منسوب ہونا ضروری نہ ہوتا تو میں اس بات کو پسند کرتا کہ اپنی اصل وطنی وشہری نسبت کو ترک کر کے انصار کے شہر کی طرف اپنے کو منسوب کرتا اور "مہاجر" کہلانے کی بجائے "انصار" کہلاتا۔ لیکن "ہجرت" چونکہ بجائے خود ایک بہت بڑا دینی شرف ہے اور اس کی طرف منسوب ہونا بڑی فضیلت کی بات ہے اس لئے میں اپنی اس خواہش یا تمنا کی تکمیل نہیں کر سکتا پس اس ارشاد گرامی میں اگرچہ "انصار" کا اکرام اور ان کی زبردست عزت افزائی نیز "نصرت" کی طرف منسوب ہونے کی بڑی فضیلت ہے، لیکن اس میں "ہجرت" کی افضلیت اور رتبہ مہاجرین کی برتری کی طرف بھی ارشاد ہے کیونکہ مہاجرین تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنا وطن ودیار، اپنا گھر بار اپنے اہل وعیال اور اپنے قرابتداروں کو چھوڑ دینے کی بے مثال قربانی دی۔

جب کہ انصار نے گو اللہ کے دین اور اللہ کے رسول کی مدد ونصرت اور اس راہ میں بے پناہ ایثار کی فضیلت کاملہ حاصل کی لیکن وہ بہرحال ترک وطن، ترک قبیلہ اور ترک اہل وعیال جیسی عقوبت سے دوچار نہیں ہوئے۔ لہٰذا نصرت کی فضیلت ہجرت کی بعد کی اور انصار کی فضیلت مہاجرین کے بعد کی ہے۔

اور بعض حضرات نے اس ارشاد گرامی کی مراد یہ بیان کی ہے کہ جو چیز مجھ کو انصار سے ممتاز کرتی ہے وہ ہجرت کی فضیلت ہے۔ اگر ہجرت کا شرف اور اس کی فضیلت میرے ساتھ نہ ہوتی۔ تو پھر میں بھی انصار کے ایک فرد کی طرح ہوتا اور رتبہ میں ان کے برابر اور ان کی مثل ہوتا، اس صورت میں کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے تو تواضع اور کسر نفی کا پہلو اختیار فرمایا ور انصار کا دل ملانے کے لئے ان کی رفعت ومنزلت ظاہر فرمائی۔ "یا یہ فرمایا کہ" یہاں روای کو شک ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں یا تو "وادیا" کا لفظ فرمایا تھا یا "شعبا" کا اصل میں "وادی" تو اس قطعہ زمین یا اس راستہ کو کہتے ہیں جو دو پہاڑوں یا دو ٹیلوں کے درمیان ہو جس کو عربی میں فرجہ بھی کہتے ہیں اور فارسی میں "کاواک" اور شعب اس راستہ کو کہتے ہیں جو کسی پہاڑ کے اندر ہو کر گزرتا ہے۔ حجاز میں چونکہ پہاڑ اور پہاڑیاں بہت ہیں اس لئے وادیاں اور شعب یعنی درے اور گھاٹیاں بھی کثرت سے ہیں۔

اس زمانہ میں ہوتا یہ تھا کہ کسی قافلہ یا قبیلہ کا سردار جس درے یا گھاٹی میں ہو کر گزرنا چاہتا سارا قافلہ اور سارا قبیلہ اس کے پیچھے پیچھے اسی درے یا گھاٹی میں داخل ہوتا اور پھر وہاں سے گزر کر سب اپنی منزل یا کھلے راستہ پر پہنچ جاتے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کبھی ایسا ہو کہ تمام لوگ دو گروہوں میں بٹ کر کسی منزل کی طرف چلیں، ان میں سے ایک گروہ انصار پر مشتمل ہو اور دوسرا گروہ باقی لوگوں پر اور ان دونوں گروہوں کے راستے الگ الگ ہوں تو میں دوسرے گروہ کا راستہ چھوڑ کر اس راستہ پر چلوں گا جو انصار نے اختیار کیا ہوگا۔

اس صورت میں کہا جائے گا کہ اس ارشاد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد انصار کے تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال تعلق وارتباط اور ان پر آپ کے کمال عنایت وشفقت کا اظہار ہے اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ وادی اور شعب کے جو معنی یہاں مراد ہیں وہ "مسلک" اور "رائے" کے ہیں مطلب یہ کہ کسی معاملہ میں لوگوں کے درمیان رائے اور مسلک کے اختلاف کا اظہار ہو تو میں اسی رائے اور مسلک کو اختیار کروں گا، جو انصار کا اختیار کردہ ہوگا اور انہی کی موافقت کا اظہار کروں گا۔ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ اس ارشاد گرامی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد انصار کے ساتھ حسن موافقت ومرافقت کا اظہار کرنا ہے کیونکہ انصار نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں حسن وفا اور اچھی خدمت گزاری کا ثبوت دیا ہے۔

اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی اتباع اور ان کی طرف احتیاج کا اظہار کیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو متبوع مطلق ہے اور سب آپ کے تابع ہیں۔ "شعار" اور "دثار" "شعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو پہننے میں جسم اور شعر یعنی بالوں سے لگا ہو جیسے کرتا وغیرہ اور "دثار" اس کپڑے کو کہتے ہیں جو پہنے ہوئے کپڑوں کے اوپر رہتا ہے جیسے چادر وغیرہ۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو شعار کے ساتھ اس اعتبار سے تشبیہ دی کہ صدق ایمان اور خلوص محبت کا جوہر ان میں پیوست ہے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ انصار میرے خاص اعتباری اور راز دار لوگ ہیں سب لوگوں میں باعتبار قدر ومنزلت کے مجھ سے بہت قریب یہی لوگ ہیں۔

دوسرے لوگوں کو تم پر بلا استحقاق فضیلت دی جائے گی" اُثرۃ یا اُثْرۃ یا اِثْرۃ کے معنی ہیں حق تلفی اور بلا استحقاق دوسرے کسی شخص کو عہدہ یا منصب یہ عطا میں فضیلت دینا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ میرے بعد وہ زمانہ آئے گا جب لوگ عہدہ ومنصب کی تقسیم میں اپنی ذات کو مقدم رکھیں گے اور تم پر ترجیح دینگے، امارت وحکومت پر خود فائز کریں گے اور ایسے ایسے لوگ کہ جو حقیقی مرتبہ ومنزلت کے اعتبار سے کم رتبہ ہوں گے اعلی عہدہ ومناصب حاصل کر لینے کے سبب تم سے بالاتر وافضل بن جائیں گے، چنانچہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا وہ پورا ہو کر رہا، خصوصا حضرت امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض عمال خلافت کی طرف سے اور اموی دور حکومت میں عام طور پر انصار کی بڑی حق تلفیاں کی گئیں۔ ان کے فضل وشرف کو نظر انداز کیا گیا اور حکومت وامارت کے مناصب سے ان کو محروم رکھنے کی کوشش کی گئی۔ یا اس ارشاد گرامی سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ فتوحات میں حاصل ہونے والا مال غنیمت امراء وحکام خود بانٹ لیا کریں گے اور عطا کے مال میں تمہارے حق میں نظر انداز کر کے اپنی ذات کو یا تم سے کم تر لوگوں کو تم پر فضیلت وترجیح دیں گے۔"" یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر ملو" یعنی حق تلفی کی

صورت میں تمہیں جس دل شکستگی اور مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا اگر تم نے اس پر صبر کیا اور تمام تر شکایات کے باوجود نہ تو حاکم وقت سے بغاوت کے مرتکب ہوئے اور نہ ملی شیرازہ بکھرنے کا سبب بنے تو اس کا اجر تم کو اس وقت ملے گا جب حشر کے دن تم حوض کوثر پر آ کر مجھ سے ملو گے، کہ میری زیارت اور وہاں کی لازوال نعمتیں تمہیں باغ باغ کر دیں گی، پس یہ ارشاد گرامی دراصل انصار کے اس صبر کے عوض ان کے لئے سرفرازی جنت کی بشارت ہے۔

منقول ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ایک دن بعض انصار کے پاس بعض مہاجرین کی شکایت لے کر آئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی شکایت کا ازالہ نہ کر سکے۔

اس پر انصار نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ ہی فرمایا تھا کہ (اے انصار) تم میرے بعد دیکھو گے کہ دوسرے لوگوں کو تم پر بلا استحقاق ترجیح دی جائے گی (یہ سن کر) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا پھر اس وقت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں کیا حکم دیا تھا، انصار نے کہا صبر کرنے کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بولے: تو پھر (شکوہ شکایت کے بجائے) تمہیں صبر ہی کرنا چاہیے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں اسی بات کا حکم دیا ہے۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

نبی کریم ﷺ کا انصار کے بچوں کیلئے دعا کرنے کا بیان

165- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنِیْ كَثِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءَ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ

کثیر بن عبداللہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: "اللہ تعالیٰ انصار پر، انصار کے بچوں پر، انصار کے بچوں کے بچوں پر رحم کرے"۔

شرح

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (انصار کے) بچوں اور عورتوں کو کسی شادی وغیرہ کی دعوت طعام سے واپس آتے دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ان کے راستہ میں، یا ان سے ملنے کے لئے ایک جگہ پر) کھڑے ہو گئے اور (ان سے مخاطب کر کے) فرمایا: خداوند: (میں تجھ کو گواہ کر کے انصار کی ان عورتوں اور بچوں سے کہتا ہوں کہ اے انصار) تمام لوگوں میں تم میرے نزدیک محبوب ترین ہو، خداوند! (میں تجھ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اے انصار،

(مشکوٰۃ شریف۔ جلد پنجم، رقم الحدیث، 869)

تمام لوگوں میں تم میرے نزدیک محبوب ترین ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد تمام انصار سے تھی۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: تمام لوگوں میں تم میرے نزدیک محبوب ترین ہو" یہ بات دوبار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیداً فرمائی اور صحیح بخاری کی

165 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

روایت میں ان الفاظ کا تین بار فرمانا نقل ہوا ہے نیز بعض نسخوں میں الی کے لفظ کو زیادہ صحیح ظاہر کرتا ہے۔ اللھم (خداوند) کا لفظ یا تو قسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے یا اس معنی میں اے اللہ تو خوب جانتا ہے کہ میں یہ بات صدق دل سے کہہ رہا ہوں۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عورتوں اور بچوں کو خوش خوش آتے دیکھا تو ان کی نظر پڑتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم باغ باغ ہو گئے اور ان کے تئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات محبت امڈ پڑے جن کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ الفاظ میں کیا اور کمال عنایت وکرمت کے سبب ان جذبات واحساسات پر حق سبحانہ تعالیٰ کو گواہ کیا۔

انصار کے پاس رسول اللہ ﷺ کے وجود مسعود کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انصار کے بعض لوگوں نے اس وقت شکوہ کا اظہار کیا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قبیلہ ہوازن کا وہ مال غنیمت عطا کرنا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں کے کئی لوگوں کو سو سو اونٹ دینا شروع کیے چنانچہ انصار میں سے ان بعض لوگوں نے کہا: اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو تو (اتنا زیادہ) عطا کر رہے ہیں اور ہم کو زیادہ نہیں دے رہے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں جب ان لوگوں کا یہ شکوہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام انصار کو بلا بھیجا اور ان کو اپنے اس خیمہ میں جمع کیا جو چمڑے کا بنا ہوا تھا۔ ان کے ساتھ کسی دوسرے کو نہیں بلایا گیا تھا۔ (یعنی صرف انصار ہی کو جمع کیا گیا، ان کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں بلایا گیا تھا) جب سب انصار جمع ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: وہ کیا بات ہے جو تمہاری طرف سے مجھ کو پہنچائی گئی ہے؟ ان (انصار) میں جو عقل مند و دانا لوگ تھے وہ بولے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے عقلمند اور ذی رائے لوگوں نے کچھ نہیں کہا ہاں ہم میں سے کچھ نوعمر اور نوجوان لوگوں نے (ناسمجھی سے یہ بات ضرور کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو تو (اتنا زیادہ) عطا کر رہے ہیں اور ہم انصار کو (زیادہ) نہیں دے رہے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ابھی ابھی (چند ہی روز پہلے) کافر تھے انہی کو میں (اس مال میں سے) دے رہا ہوں (اور اس طرح) ان کا دل ملاتا ہوں (یعنی ان کو زیادہ دینے کا واحد مقصد تالیف قلوب ہے۔ تاکہ وہ اسلام پر قائم رہیں) اس کے علاوہ اور کوئی مقصد یا جذبہ کارفرما نہیں ہے۔ اور اے انصار! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ (تمہارے علاوہ وہ) لوگ (کہ جو مولفۃ القلوب ہیں) مال واسباب لے کر یہاں لوٹیں اور تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے مکانوں کو واپس جاؤ۔ انصار (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پراثر ارشاد سن کر) بول اٹھے ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس پر راضی ہیں۔" (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: رقم الحدیث، 866)

وہ مال غنیمت عطا کیا جو عطا کرنا تھا: "اس جملہ میں کثرت اموال کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس موقع پر بنو ہوازن سے جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا وہ بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ روایتوں میں اس مال غنیمت کی جو تفصیل آئی ہے اس کے مطابق چھ ہزار قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چار ہزار اوقیہ چاندی (ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے) اور چالیس ہزار سے زاید بکریاں ہاتھ آئی تھیں

اور ایک روایت میں تو یہ ہے کہ بکریوں کی تعداد شمار سے باہر تھی۔ "سوسو اونٹ دینا شروع کیے" جن لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ اونٹ وغیرہ دیے وہ دراصل مکہ کے لوگ تھے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور دائرہ اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے ان لوگوں کے اندر ایمان نے ابھی پوری طرح جگہ نہیں پکڑی تھی اور "مولفۃ القلوب" کا مصداق تھے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلوب کے تحت ان کو سوسو اونٹ دینا شروع کیے تھے۔ تاکہ اسلام کی طرف ان کا میلان اور اہل اسلام کے ساتھ ان کی وابستگی مضبوط ہو جائے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ابوسفیان بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔ مہاجرین وانصار میں سے جو باقی مخلص وصادق مسلمان تھے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوسو سے کم اونٹ عطا فرمارہے تھے مال غنیمت کی تقسیم کا یہ واقعہ مقام جعرانہ کا ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (۸ھ) فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین نامی جنگ میں بنوہوزان وغیرہ کو پسپا کر کے ان سے حاصل شدہ تمام مال واسباب جمع کرا دیا تھا اور پھر طائف سے واپس آ کر اس مال غنیمت کو مجاہدین اسلام کے درمیان تقسیم فرمایا" ہماری تلواروں سے قریش کا خون ٹپک رہا ہے۔

ان لوگوں کا اشارہ ان غزوات اور معرکہ آرائیوں کی طرف تھا جن میں انصار نے پوری پامردی وجانثاری کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش بدوش مشرکین قریش کے خلاف نبرد آزمائی کی۔ اللہ کی راہ میں ان کا خوان بہایا۔ ان لوگوں نے دراصل اس خیال کے تحت یہ بات کہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قومی تعلق اور قرابت داری کے تقاضہ سے قریش کے لوگوں کو زیدہ عطا کر رہے ہیں اور ان کے ساتھ رعایت کررہے ہیں۔ اور تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر "یعنی اگر ان کو مکہ والوں کو زیادہ مال واسباب مل گیا تو کیا ہوا یہ لوگ تو دنیاوی مال ومتاع لے کر اپنے گھروں کو لوٹیں گے جب کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات کو لے کر اپنے گھروں کو واپس جاؤ گے۔ اب تم خود ہی سوچ لو کہ دنیاوی مال ومتاع تمہارے حق میں زیدہ بہتر ہے یا اس مال ومتاع کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات زیادہ بہتر اور زیادہ قیمتی ہے۔ "ہم اس پر راضی ہیں" بلاشبہ ان سعید روحوں کو یہی جواب دینا تھا رسول اللہ کی ذات کے مقابلہ پر دنیاوی مال ومتاع کی بڑی سے بڑی تعداد بھی ان کی نظروں میں ہیچ تھی۔ (الاصابہ، اسد الغابہ فی معرفت الصحابہ، بیروت)

بَاب فَضْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا

یہ باب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی فضیلت کے بیان میں ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے احوال کا بیان

نام ونسب: عبداللہ نام، ابوالعباس کنیت، والد کا نام عباس رضی اللہ عنہ اور والدہ کا نام ام الفضل لبابہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف القرشی الہاشمی۔

نبی کریم ﷺ کے ابن عم اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ کے خواہر زادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں۔

ولادت

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں تولد پذیر ہوئے جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو بارگاہ نبوت میں لے کر آئے تو آپ نے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔ (اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

اسلام

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہ نے ابتداہی میں داعیِ توحید کو لبیک کہا تھا، ابن سعد کی روایت ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بناپر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یوم ولادت ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃً ایک پرجوش مسلم ثابت ہوئے، امام بخاری ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ اپنی ماں کے ساتھ ضعفائے اسلام میں تھے جو اپنی مجبوریوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے، وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سر بلند رہے گا، مغلوب نہ ہوگا۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب یہ آیت تلاوت فرماتے۔ "اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ" (النساء) تو فرماتے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں شامل تھا جن کو خدا نے معذور قرار دیا ہے۔ (بخاری)

ہجرت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ۸ھ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے، (اسد الغابہ تذکرہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت گیارہ برس سے زیادہ نہ تھی، لیکن وہ اپنے والد کے حکم سے اکثر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تھے، ایک روز انہوں نے واپس آکر بیان کیا، میں نے رسول اللہ کے پاس ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کو میں نہیں جانتا ہوں، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کون تھے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے ان کو بلا کر فرط محبت سے اپنے آغوش عاطفت میں بٹھایا، اور سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی، اے خدا اس میں برکت نازل فرما اور اس سے علم کو روشنی پھیلا۔ (اصابہ تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

عہد طفولیت ومصاحبت رسول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما گو فطرۃً ذہین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے، تاہم انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا، جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے ایک گھر کے دروازہ میں چھپ گیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا، جا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلالا وہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے، میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور کہا چلیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یاد فرماتے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے۔ (مسند)

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں اور ان کو نہایت عزیز رکھتی تھیں، اس لیے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سو رہتے تھے، اس طرح ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رات کے وقت اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ کے پاس سو رہا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھنے لگے میں بھی اُٹھ کر بائیں طرف کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کر لیا۔ (بخاری)

ایک دفعہ وہ نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کر لیا، لیکن وہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے برابر کھڑا ہونا کسی کے لیے مناسب ہے، حالانکہ آپ رسول خدا ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ازدیاد علم وفہم کی دعا فرمائی۔ (مسند احمد، ومستدرک)

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عہد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما صرف تیرہ برس کے تھے کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، سوا دو برس کے بعد خلیفہ اول نے بھی داغ مفارقت دیا، خلیفہ دوم یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو وہ سن شباب کو پہنچ چکے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جوہر قابل پا کر خاص طور سے اپنے دامن تربیت میں لے لیا اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ کی علمی صحبتوں میں شریک کیا، یہاں تک کہ لوگوں کو اس پر رشک ہوتا تھا، صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اس پر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے۔ (بخاری)

محدث ابن عبدالبر استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے، بسا اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کا جواب دینا چاہتے، لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی ہمت بندھاتے اور فرماتے علم سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے تم اپنے نفس کو حقیر نہ بناؤ، (ایضاً) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر پیچیدہ اور مشکل مسائل ان سے حل کراتے تھے اور ان کی فطری ذہانت وطباعی سے خوش ہو کر داد دیتے تھے، ان شاء اللہ علم وفضل کے بیان میں اس کی تفصیل آئے گی۔

خلیفہ ثالث کے عہد میں عبداللہ بن ابی سرح والی مصر کے زیر اہتمام ھ میں افریقہ پر فوج کشی ہوئی، حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہما ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ سے چل کر اس مہم میں شریک ہوئے اور ایک سفارت کے موقع میں جرجیر شاہ افریقہ سے مکالمہ ہوا، اس کو ان کی ذہانت وطباعی سے نہایت حیرت ہوئی اور بولا میں خیال کرتا ہوں کہ آپ "حبر عرب" (عرب کے کوئی عالم متبحر) ہیں۔ (اصابہ تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

امارت حج

چونکہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے اس لیے اس سال وہ خود امارت حج کا فرض انجام نہ دے سکے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا، خالد بن عاص کو میں نے مکہ کا والی مقرر کیا ہے، میں ڈرتا ہوں کہ امارت حج کے فرائض انجام دینے پر شاید ان کی مزاحمت کی جائے اور اس طرح خانہ خدا میں فتنہ وفساد اٹھ کھڑا ہو اس لیے میں تم کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتا ہوں۔ (طبری واقعات)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس خدمت کو سرانجام دے کر واپس آئے تو مدینہ نہایت پر آشوب ہو رہا تھا، خلیفہ ثالث شہید ہو چکے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بار خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کر رہے تھے انہوں نے ان سے مشورہ طلب کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا خلافت کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ میں خیال کرتا ہوں کہ اس حادثہ عظیم کے بعد کوئی شخص اس بار کو اٹھانے کی جرات نہیں کر سکتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہ ضرور ہے کہ اب جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی اس پر خون ناحق کا اتہام لگایا جائے گا، تاہم لوگوں کو اس وقت آپ کی ضرورت ہے۔

غرض اہل مدینہ کے اتفاق عام سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے اور نئے سرے سے ملکی نظم ونسق کا اہتمام شروع ہوا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ سردست موجودہ عمال وحکام برقرار رکھے جائیں؛ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سختی کے ساتھ اس سے انکار کیا تو انہوں نے دوسرے روز اپنی رائے واپس لے لی اور کہا امیر المومنین میں نے رائے دینے کے بعد غور کیا تو آپ ہی کا خیال انسب نظر آیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فوراً اصل حقیقت کو تاڑ گئے اور بولے میرے خیال میں مغیرہ کی پہلی رائے خیر خواہی پر مبنی تھی، لیکن دوسری دفعہ انہوں نے آپ کو دھوکہ دیا۔

حضرت علی نے پوچھا رضی اللہ عنہ خیر خواہی کیا تھی؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا آپ جانتے ہیں کہ معاویہ اور ان کے احباب دنیادار ہیں، اگر آپ ان کو برطرف کر دیں گے تو وہ تمام ملک میں شورش وفتنہ پردازی کی آگ بھڑکا دیں گے اور اہل شام وعراق کو خلیفہ ثالث کے انتقام پر ابھار کر آپ کے خلاف کھڑا کر دیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس میں شک نہیں کہ تمہاری رائے مصالح دنیاوی کے لحاظ سے نہایت صائب ہے: تاہم میرا ضمیر اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں جن لوگوں کی بداعمالیوں سے واقف ہوں ان کو اپنے عہدوں پر برقرار رہنے دوں، خدا کی قسم میں کسی کو نہ رہنے دوں گا، اگر سرکشی کریں گے تو تلوار سے فیصلہ کروں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میری بات مانیے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیے یا اپنی جاگیر پر ینبع چلے

جائیے، لوگ تمام دنیا کی خاک چھان ماریں گے، لیکن آپ کے سوا کسی کو خلافت کے لائق نہ پائیں گے، خدا کی قسم اگر آپ ان مصریوں کا ساتھ دیں گے تو کل ضرور آپ پر عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا اتہام لگایا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اب کنارہ کش ہونا میرے امکان سے باہر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بجائے شام کا والی مقرر کرنا چاہا، لیکن انہوں نے انکار کیا، اور بار بار یہی مشورہ دیا کہ آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھ کر اپنا طرفدار بنالیجئے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر نہایت سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا خدا کی قسم یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ (طبری)

غرض اس تشدد آمیز طرز عمل پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جو اندیشہ ظاہر کیا تھا وہ واقعہ بن کر سامنے آیا، تمام ملک میں جناب امیر رضی اللہ عنہ کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، ایک طرف حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مطالبہ اصلاح وانتقام کا علم بلند کر کے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور دوسری طرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام میں ایک عظیم الشان جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ بحث ومباحثہ سے ان کی ضلالت دور کر دیں، لیکن قلوب تاریک ہو چکے تھے، آنکھوں پر ضلالت وگمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا، اس لیے ارشاد وہدایت کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

معرکہ نہروان

خارجیوں نے نہروان میں مجتمع ہو کر عملاً سرکشی اختیار کی اور تمام ملک میں قتل وغارتگری کا بازار گرم کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ شام پر فوج کشی کے خیال سے روانہ ہو چکے تھے، ان سرکشوں کا حال سن کر نہروان کی طرف پلٹ پڑے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما گورنری کے عہد پر بصرہ پہنچ گئے تھے، وہ وہاں سے تقریباً سات ہزار کی جمعیت فراہم کر کے مقام نخیلہ میں افواج خلافت سے مل گئے اور نہروان پہنچ کر نہایت بہادری وپامردی کے ساتھ سرگرم پیکار ہوئے۔ (تاریخ الفوائل)

ایران کی حکومت

جنگ نہروان نے گو خارجیوں کا زور توڑ دیا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے فارس، کرمان اور ایران کے دوسرے اضلاع میں پھیل کر ایک عام شورش برپا کر دی اور ذمیوں کو بھڑکا کر آمادہ بغاوت کر دیا، چنانچہ ایران کے اکثر صوبوں میں عمال نکال دیئے گئے، اور مجوسیوں نے خراج ادا کرنے سے قطعاً انکار کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام عمال کو بلا کر اس شورش کے متعلق مشورہ طلب کیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایران میں تسلط قائم کرنے کا ذمہ لیتا ہوں؛ چونکہ بصرہ ایران کے باغی اضلاع سے بلکل متصل تھا اور وہ ایک عرصہ سے وہاں کامیابی کے ساتھ گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ان کو تمام ایران کا حاکم اعلیٰ بنا دیا۔ (تاریخ طبری)

بغاوت کا استیصال

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بصرہ پہنچ کر زیاد بن ابیہ کو ایک زبردست جمعیت کے ساتھ ایران کی بغاوت فرو کرنے پر مامور فرمایا، چنانچہ انہوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور تمام ایران میں امن وسکون پیدا کر دیا۔

مکہ میں عزلت نشینی

ایک روایت کے مطابق ۴۰ھ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بصرہ کے عہد امارت سے مستعفی ہو کر مکہ میں عزلت نشینی اختیار کرلی، وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابواسود دؤلی قاضی بصرہ میں باہم مخالفت تھی، ابوالاسود نے بارگاہ خلافت میں ان کی شکایت لکھی کہ انہوں نے بیت المال میں تصرف بے جا کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جواب طلب کیا تو انہوں نے لکھا آپ کو جو خبر ملی ہے وہ قطعا غلط ہے، میرے قبضہ میں جو کچھ ہے میں اس کا محافظ ونگہبان ہوں، آپ ان بدگمانیوں کو باور نہ فرمائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں ان سے بیت المال کا تمام وکمال حساب طلب کیا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ ناگوار گذرا، انہوں نے برداشتہ خاطر ہو کر لکھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس شکایت کو کہ میں نے اس شہر والوں کے مال میں کچھ خورد برد کیا ہے، زیادہ اہمیت دینا چاہتے ہیں، اس لیے آپ اپنے کام پر جس کو چاہے بھیج دیجئے میں اس سے کنارہ کش ہوتا ہوں۔

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب زیادہ باز پرس کی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا ہے اور بیت المال سے ایک بڑی رقم لے کر مکہ چلے گئے۔ (تاریخ طبری)

لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک بصرہ کی گورنری پر مامور تھے، البتہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی تو انہوں نے بطور حفظ ماتقدم پہلے ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر جان ومال کی امان حاصل کی اور مکہ جا کر گوشہ نشین ہو گئے۔

(طبری ذکر بیعت حسن بن علی رضی اللہ عنہ)

طائف منتقل ہونا

لیکن اس دلی ہمدردی وجانبداری کے باوجود انکار بیعت سے جو مخالفت پیدا ہو گئی تھی، اس کی بنا پر مکہ میں ان کا رہنا خطرہ سے خالی نہ تھا، اس لیے کوئی معاندین کی حفاظت میں مکہ سے طائف منتقل ہو گئے اور بقیہ زندگی کے دن وہیں پورے کئے۔

وفات

۶۸ھ میں پیمانہ حیات لبریز ہو گیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے، بستر علالت کے اردگرد احباب ومعتقدین کا ہجوم تھا، بولے میں ایک ایسی جماعت میں دم توڑوں گا جو روئے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب، مشرف ومقرب ہے، اس لیے اگر میں تم

لوگوں میں مروں تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو، غرض ہفت روزہ علالت کے بعد طائر روح نے قفسِ عنصری چھوڑا، محمد بن حنیفہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپردخاک کر کے کہا: خدا کی قسم! آج دنیا سے حبر امت اٹھ گیا، غیب سے ندا آئی۔

يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (فجر)

یعنی اے نفسِ مطمئن اپنے خدا کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ (بخاری)

علم و فضل

فضل و کمال کے اعتبار سے ابن عباس رضی اللہ عنہما اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء میں تھے ان کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی، جس میں تمام علوم و معارف بہ ترتیب جمع تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری، وغیرہ کوئی ایسا علم نہ تھا جس میں ان کو یدِطولیٰ حاصل نہ رہا ہو۔

تفسیر

بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر و تاویل میں جو مہارت اور آیات قرآنی کے شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے علم میں جو وسعت ان کو حاصل تھی وہ کم کسی کے حصہ میں آئی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو علم و فضل میں ان کے ہمسر تھے، فرماتے تھے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کے کیا اچھے ترجمان ہیں، شقیق تابعی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موسم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے خطبہ دیا اور اس میں سورہ نور کی تفسیر بیان کی میں کیا بتاؤں وہ کیا تفسیر تھی، اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی۔ (مستدرک حاکم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی علمی مجلسوں میں یہ برابر شریک ہوتے تھے اور قرآن پاک کے فہم میں وہ اکثر بڑے بڑے صحابہ سے بازی لے جاتے تھے، ایک دن فاروق اعظم کے حلقہ مجلس میں اکابر صحابہ کا مجمع تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا مطلب پوچھا

"اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَاَصَابَهَا اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ" (البقرة)

کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کریگا کہ اس کا کھجور اور انگور کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں رواں ہوں، اس کے لیے ہر قسم کے پھل اس میں موجود ہوں، اور اس شخص پر بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے ناتواں بچے ہوں، اس حالت میں اس باغ میں ایسا بگولہ آیا، جس میں آگ بھری تھی، اس نے باغ کو جلا دیا، اسی طریقہ سے اللہ تمہارے لیے کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے، شاید تم سمجھو۔

لوگوں نے کہا واللہ اعلم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بے معنی جواب پر غصہ آ گیا، بولے اگر نہیں معلوم تو صاف صاف کیوں

نہیں کہتے کہ نہیں معلوم، ابن عباس رضی اللہ عنہما جھجکتے ہوئے بولے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو جو دل میں ہو بیان کرو، کہا اس میں عمل کی مثال دی گئی ہے، جواب گو صحیح تھا، تاہم ناکافی تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیسا عمل؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے زیادہ نہ بتا سکے، تب خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اس میں اس دولت مند کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے، لیکن اس کو شیطانی وسوسہ گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔

(بخاری جلد، کتاب التفسیر باب قولہ ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخ بدر کے ساتھ مجلسوں میں شریک کرتے تھے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہ کو اس سے شکایت پیدا ہوئی، انہوں نے کہا کہ ان کو ہمارے ساتھ مجلسوں میں کیوں شریک کرتے ہو، ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہیں، فرمایا تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو، اس کے بعد ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لئے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور لوگوں سے پوچھا کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (جب خدا کی نصرت اور فتح آ گئی تو اے پیغمبر توبہ اور استغفار کرنا) کے بارہ میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ کسی نے جواب دیا کہ نصرت و فتح پر ہم کو خدا کی حمد و ثناء کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما! تمہارا بھی یہی خیال ہے، انہوں نے کہا نہیں پوچھا پھر کیا ہے؟ عرض کیا اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمر نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے۔ (بخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ فسبح بحمد ربک)

درحقیقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی فہم تفسیر قرآن میں ایسی دقیقہ رس تھی کہ وہاں تک مشکل سے دوسروں کا خیال پہنچ سکتا تھا؛ چنانچہ اس سورہ کا مقصد خاص محرمان اسرار کے علاوہ عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہ میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی کہ اس میں خدا نے فتح و نصرت اور اسلام کی مقبولیت کے ایفائے عہد پر حمد و ثناء کا حکم دیا ہے، لیکن مقرب بارگاہ رسالت، محرم اسرار نبوت، ثانی اثنین فی الغار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے جوئے اشک رواں ہوگئی کہ اس کی صبح وصل کا نور چھنتا ہوا اور شام فراق کی تاریکی چھاتی ہوئی نظر آ گئی تھی۔ (بخاری)

بظاہر اس سورہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا؛ لیکن اگر انسان کے مقصدِ حیات کو پیش نظر رکھ کر اس کی ترتیب اور اس کے معنی پر غور کیا جائے تو مطلب واضح ہو جاتا ہے، دنیا میں انسان ایک نہ ایک مقصد لے کر آتا ہے، اور اس کے حصول کے بعد اس کے آنے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، پھر قیام کی ضرورت باقی نہیں رہتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دین الٰہی کی تبلیغ کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے وہ پوری ہو چکی تو خدا نے فرمایا کہ جب خدا کی مدد اور اس کی فتح آ چکی اور تم نے دیکھ لیا لوگ جوق در جوق خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب تم خدا کی تحمید و تقدیس کرو، اس سے مغفرت چاہو وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، یعنی خدا کو کچھ کام تمہارے ذریعہ لینا تھا وہ لے چکا اب تم کو اس سے ملنے کی تیاری کرنی چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر میں ہمیشہ عام، جامع اور قرینِ عقل شق کو اختیار کرتے تھے، سورہ کوثر کی تفسیر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے منقول ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ

بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ کوثر کے نزول کے وقت پوچھا جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے، لوگوں نے عرض کیا خدا اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، فرمایا خدا نے مجھ سے ایک نہر کا وعدہ کیا ہے جس میں بیشمار بھلائیاں ہیں، قیامت کے دن اس حوض پر میری امت آئے گی (مسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کوثر سے مراد نہر لیتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما "خیر کثیر" مراد لیتے ہیں (بخاری کتاب التفسیر انا اعطینک الکوثر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر سے عطیہ الٰہی کی وسعت اور عظمت بہت بڑھ جاتی ہے، اور دوسری تفسیریں بھی اس کے تحت میں آجاتی ہیں، اور قرآن پاک کے سلسلہ کلام کا بھی یہی اقتضا ہے کہ کوثر سے مراد "خیر کثیر" لیا جائے، تا کہ اس کے بعد کفار سے برات (قل یا ایھا الکافرون) اور فتح ونصرت (فتح مکہ) کی بشارت اسی سلسلہ میں داخل ہو جائے۔

قُلْ لَا اَسْاَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی (شوریٰ)

آپ فرمادیں! تبلیغ رسالت کے عوض میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا، صرف یہ کہ قرابت داری کی محبت ملحوظ رکھو۔

عام مفسرین "قربٰی" سے مراد خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت لیتے ہیں، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما قریش کے تمام قبائل کو اس میں شامل کرتے ہیں، ایک مرتبہ کسی نے ان سے "مودۃ فی القربٰی" کی تفسیر پوچھی، سعید بن جبیر بولے اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہے، یعنی آپ کے اہل بیت کی قرابت، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا تم نے جلد بازی سے کام لیا، قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ رہی ہو، اس آیت میں یہ سب شامل ہیں۔

تفسیر قرآن اور فہم قرآن کے فطری ملکہ کے علاوہ شانِ نزول اور ناسخ ومنسوخ کے بارہ میں اس قدر حاضر المعلومات تھے کہ بمشکل کوئی ایسی آیت نکل سکے گی جس کے تمام جزئیات اور مالہ وماعلیہ سے پوری ان کو واقفیت نہ ہو۔

ذیل کے واقعہ سے ان کی فراست، طباعی، دقیقہ سنجی، اور قوتِ استنباط کا اندازہ ہوگا، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہ کے مجمع میں سوال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے اخیر عشرہ کی ایک طاق رات ہے، تم لوگ اس سے کون سی طاق رات سمجھتے ہو؟ کسی نے ساتویں کسی نے پانچویں، کسی نے تیسری بتائی، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تم کیوں نہیں بولتے، عرض کیا اگر آپ فرماتے ہیں تو مجھ کو کیا عذر ہو سکتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے بولنے ہی کے لیے تمہیں بلایا ہے، کہا میں اپنی ذاتی رائے دوں گا، فرمایا ذاتی رائے تو پوچھتا ہی ہوں، کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات کے عدد کو بہت اہمیت دی ہے، چنانچہ فرمایا ہے کہ سات آسمان، سات زمین، ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا ہے کہ ہم نے زمین کو پھاڑا اور اس میں غلہ، انگور، شاخ، زیتون، کھجور، کے درخت، گنجان باغ، اور میوے اُگائے، یہ بھی سات باتیں ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب سن کر فرمایا کہ تم لوگ اس بچہ سے بھی گئے گذرے ہوئے، جس کے سر کے گوشہ بھی ابھی درست نہیں ہوئے، یہ جواب کیوں نہ دیا۔ (مستدرک حاکم)

گو بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ نے بھی سات کی تعیین کی تھی، لیکن کسی استدلال کے ساتھ نہیں، سبھوں نے ایک ایک طاق رات اپنے اپنے قیاس وفہم کے مطابق لی، کسی نے سات کی شب بھی لی، لیکن ابن عباس نے قرآن سے اس کی تائید پیش کی، حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر میں نہایت دلیری سے کام لیتے تھے، بعض محتاط صحابہ رضی اللہ عنہ اس دلیری کو ناپسند کرتے تھے، لیکن بالآخران کو بھی ان کی مہارت تفسیر کا اعتراف کرنا پڑا۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آیا، اور اس نے آیت "کانتا رتقا ففتقنا" کا مطلب پوچھا، انہوں نے امتحان کی غرض سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیج دیا کہ ان سے پوچھ کر بتاؤ، اس نے جا کر پوچھا، انہوں نے بتایا کہ آسمان کا فتق یہ ہے کہ پانی نہ برسائے زمین کا فتق یہ ہے کہ نباتات نہ اگائے، سائل نے واپس آ کر یہ جواب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سنایا انہوں نے کہا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نہایت سچا علم مرحمت ہوا ہے، مجھ کو تفسیر قرآن میں ان کی دلیری پر حیرت ہوتی تھی، لیکن اب معلوم ہوا کہ درحقیقت علم ان ہی کا حصہ ہے۔ (اصابہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے بعد قرآن کے سائلین کو خود جواب نہ دیتے تھے، بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیج دیتے تھے، ایک مرتبہ عمرو بن حبشی نے ایک آیت کے متعلق ان سے استفسار کیا، انہوں نے کہا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھو، قرآن کے جاننے والے جو لوگ باقی رہ گئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ معلومات وہی رکھتے ہیں۔

(کتاب الناسخ والمنسوخ ابوجعفر نحاس)

علوم قرآنی میں علم النسخ کی اہمیت بالکل عیاں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس بحر زخار کے بھی شناور تھے، اور تمام ناسخ اور منسوخ احکام ان کے ذہن میں مستحضر تھے، یہ اس علم کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ بغیر اس پر حاوی ہوئے وعظ کی لب کشائی کی اجازت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ کسی راستہ سے گذر رہے تھے، ایک اور واعظ وعظ کہہ رہا تھا، اس سے پوچھا ناسخ منسوخ جانتے ہو کسے کہتے ہیں، اس نے کہا نہیں، فرمایا: تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔ (کتاب الناسخ والمنسوخ ابوجعفر نحاس)

حدیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مخصوص صحابہ رضی اللہ عنہ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں، اگر حدیث کی کتابوں سے ان کی روایتیں علیحدہ کر لی جائیں تو اس کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد کثیر ہے، ان میں بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان کے علاوہ روایتوں میں بخاری منفرد ہیں اور ہیں مسلم۔ (تہذیب الکمال)

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ جس شخص کے متعلق مجھ کو پتہ چلتا کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنی ہے تو میں خود اس کے مکان پر جا کر حاصل کرتا؛ حالانکہ اگر میں چاہتا تو راوی کو اپنے یہاں بلوا سکتا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

حلقہ درس

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، سینکڑوں طلب گار روزانہ ان کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لیے وقف تھا، کبھی کوئی شخص ان کے چشمہ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا، اس عام فیض کے

علاوہ بعض مجلسیں خصوصیت کے ساتھ درس وتدریس اور علمی مذاکروں کے لیے مخصوص تھیں اور ان میں باقاعدہ ہر علم وفن کی جداجدا تعلیم ہوتی تھی، ابوصالح تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ایک ایسی علمی مجلس دیکھی کہ اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا، اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا اژدحام تھا کہ ان کی کثرت سے آمدورفت مشکل تھی، میں نے جا کر اس اژدحام کی اطلاع دی تو مجھ سے پانی مانگا، میں پانی لایا، انہوں نے وضو کیا، وضو کر کے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں ان کو اطلاع دو، میں نے اطلاع دی، دیکھتے دیکھتے سائلوں سے سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے، جس نے جو سوال کیا اس کے سوال سے زیادہ اس کو جواب دے کر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاؤ حرام وحلال اور فقہ کے سائلوں کو بلاؤ میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی، چنانچہ ان کا جم غفیر آیا اور جن کو جو سوالات کرنا تھے پیش کیے، فرداً فرداً سب کو نہایت تشفی بخش اور ان کے سوالات سے زیادہ جواب دے کر رخصت کیا، پھر فرمایا کہ اب تمہارے دوسرے بھائیوں کی باری ہے، اس کے بعد فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلایا، ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا، ان کے پیشروؤں کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دے کر فارغ ہوئے تو مجھ سے کہا عربی زبان، شعر وشاعری اور ادب وانشاء کے سائلوں کو بلا لاؤ، چنانچہ میں نے اطلاع دی، یہ لوگ آئے، ان کے ہجوم کا بھی وہی حال تھا، ان لوگوں نے جو سوالات کیے، ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے، ابوصالح یہ واقعہ بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہیں دیکھی تھی۔ (مستدرک حاکم)

تلامذہ

ان کی اس فیض رسانی وعلم وعرفان کی بارش نے ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے، مشہور تلامذہ اور شاگردوں کی مختصر فہرست یہ ہے۔

بیٹوں میں محمد اور علی، پوتوں میں محمد بن علی، بھائیوں میں کثیر، بھتیجوں میں عبداللہ بن عبیداللہ، اور عبداللہ بن معبد، عام لوگوں میں عبداللہ بن عمر، ثعلبہ بن حکم، مسور بن مخرمہ، ابوالطفیل، ابوامامہ بن سہل، سعید بن مسیب، عبداللہ بن حارث، عبداللہ بن عبداللہ، عبداللہ بن شداد، یزید بن اصم، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابوحمزہ ضبعی، ابومجلز لاحق بن حمید، ابورجاء عطاردی، قاسم بن محمد، عبید بن اسحاق، علقمہ بن وقاص، علی بن حسین، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عکرمہ، عطاء، طاؤس، کریب، سعید بن جبیر، مجاہد، عمرو بن دینار، ابوالجوزاء، اوس بن عبداللہ ربعی، ابوالشعثاء، جابر بن زید، بکر بن عبداللہ مزنی، حصین بن جندب، حکم بن اعرج، ابوالجویرہ، حطان بن خفاف، حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف، رفیع ابوالعالیہ، مقسم، ابوصالح السمان، سعد بن ہشام، سعید بن ابوالحسن بصری، سعید بن حویرث، سعید بن ابی ہند، ابوالحباب سعید بن یسار، سلیمان بن یسار، ابوزمیل سماک بن ولید، سنان بن سلمہ، صہیب، طلحہ بن عبداللہ بن عوف، عامر الشعبی، عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبداللہ بن کعب بن مالک، عبداللہ بن عبید، عبید بن حنین، عبدالرحمٰن بن مطعم، عبدالرحمن بن وعلہ، عبدالعزیز بن رفیع، عبدالرحمٰن بن عاص نخعی، عبیداللہ بن عبداللہ بن ابی ثور، عبیداللہ بن یزید المکی، علی بن ابوطلحہ، عمرو بن مرہ، عمرو بن میمون، عمران بن حطان، عمار بن ابی عمار، محمد بن عباد بن جعفر، مسلم بن صبیح، مسلم القریر، موسیٰ بن سلمہ، میمون بن مہران جزری، نافع بن

جبیر بن مطعم، نافع، نضر بن انس، یحییٰ بن یعمر، ابوالبختری الطائی، ابوالحسن الاعرج، یزید بن ہرمز، ابوحمزہ قصاب، ابوالزبیر مکی، ابوشم الہرانی، ابوالمتوکل الناجی، ابولنضرہ العبدی، فاطمہ بنت حسین، محمد بن سیرین وغیرہم۔ (تہذیب التہذیب)

مکہ میں فقہ کی بنیاد ان ہی نے رکھی، وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے، وہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے خوشہ چین تھے، ایک فقیہ ومجتہد کے لیے قیاس ناگزیر ہے، کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے اور ان کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوصہ احکام اور ان میں علت مشترک نکال کر ان پر قیاس کر کے حکم صادر کرے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے جواب مل جاتا تو فبہا، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ ہوتی، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ دیکھتے، اگر اس سے بھی عقدہ حل نہ ہوتا تو، پھر اجتہاد کرتے۔ (اعلام الموقعین)

مگر اسی کے ساتھ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہیں ہے، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا۔ (اعلام الموقعین)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو زندہ جلا دیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو کہا اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو جلانے کی بجائے قتل کی سزا دیتا؛ کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اس کو قتل کر دو، پھر فرمایا کہ: جو عذاب خدا کا مخصوص ہے اس کو تم لوگ نہ دو، یعنی آگ میں کسی کو نہ جلاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن عباس رضی اللہ عنہما پر افسوس ہے۔ (مستدرک حاکم)

فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی درک تھا، اگرچہ وہ اس فن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر نہ تھے، تاہم عام صحابہ رضی اللہ عنہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبید اللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ (اسد الغابہ)

معاصرین کی عزت

اس ذاتی علم وفضل کے باوجود دوسرے علماء کی بڑی عزت کرتے تھے، اور ان سے نہایت تواضع اور انکسار سے پیش آتے تھے، ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سوار ہوئے، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے احتراماً ان کی رکاب تھام لی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابن عم رسول ایسا نہ کیجئے، فرمایا ہم کو اپنے علماء کا ایسا ہی احترام کرنا چاہئے، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ چوم کر کہا ہم کو اپنے نبی کے اہل بیت کا ایسا ہی احترام کرنا چاہئے۔

(مستدرک حاکم فضائل ابن عباس رضی اللہ عنہما)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ترجمان القرآن ہونے کا بیان

166- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَاَبُوْبَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَمَّنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ وَقَالَ اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ وَتَاْوِيْلَ الْكِتَابِ

عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور دعا کی: ''اے اللہ! اسے حکمت اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا کر''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کیلئے نبی کریم ﷺ کی دعاؤں کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں دو بار حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دو مرتبہ دُعا فرمائی۔ (ترمذی، مشکوٰۃ شریف جلد پنجم:،رقم الحدیث، 797)

دو بار حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اس سلسلہ کی تفصیلی روایت سیوطی نے جمع الجوامع میں اس طرح نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: ایک دن میں بہت سفید کپڑے پہنے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دحیہ کلبی سے سرگوشی کر رہے ہیں۔ جب کہ حقیقت میں وہ دحیہ کلبی نہیں تھے بلکہ ان کی صورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے، لیکن اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ جبرائیل ہیں میں وہاں سے گزرتا چلا گیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بولے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اگر ہمیں سلام کرتا تو میں اس کے سلام کا جواب دیتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما تو بہت سفید کپڑوں میں ہے مگر اس کے بعد اس کی اولاد سیاہ کپڑے پہننے پر مجبور ہوگی۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمان پر چلے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے لوٹ کر آئے اور مجھ سے فرمایا: ہمارے پاس سے گزرتے وقت تم نے ہمیں سلام کیوں نہیں کیا تھا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اس وقت دحیہ کلبی سے بات چیت اور سرگوشی میں مصروف تھے میں نے اچھا نہیں سمجھا کہ آپ میرے سلام کا جواب دیں اور اس طرح میں آپ کے سلسلہ گفتگو میں رکاوٹ بنوں تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ وہ دحیہ کلبی نہیں تھے۔ ابن عباس نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا۔

حضرت عبدالحق محدث دہلوی اس موقع پر لکھتے ہیں: یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد عام طور دحیہ کلبی کی شکل وصورت میں ہوتی تھی اور دوسرے صحابہ بھی ان کو دیکھا کرتے تھے۔ تو پھر خاص طور پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات خصوصیت کے ساتھ کس وجہ سے بیان کی گئی کہ انہوں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دو بار دیکھا پھر اس کا جواب حضرت شیخ نے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی حضرت جبرائیل

166۔ اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 75' ورقم الحدیث: 3756' ورقم الحدیث: 3756 م ورقم الحدیث 7270' اخرجہ الترمذی فی '' جامع'' رقم الحدیث 3824

علیہ السلام کو ان دونوں مرتبہ دحیہ کلبی ہی کی شکل میں دیکھا تھا لیکن ان کا دیکھنا عالم ملکوت میں تھا جبکہ ان کے علاوہ کسی صحابی نے حضرت جبرائیل علیہ السلام عالم ملکوت میں نہیں دیکھا۔

دوسرے صحابہ ان کو عالم ناسوت میں دیکھا کرتے تھے ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ نبی ورسول کے علاوہ جس انسان نے بھی جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اس کی بینائی جاتی رہی، لہٰذا اے ابن عباس رضی اللہ عنہما تمہارے بینائی بھی چلی جائے گی۔ لیکن موت کے دن تمہاری بینائی پھر تمہارے پاس آ جائے گی۔ چنانچہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نابینا ہو گئے تھے اور یہ منقول ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی اور ان کا جسد خاکی کفن میں لپیٹ دیا گیا تو اچانک ایک سفید پرندہ نمودار ہوا اور ان کی میت کے پاس آ کر کفن کے اندر گھسا اور غائب ہو گیا۔ لوگوں نے ہر چند تلاش کیا اور ادھر ادھر دیکھا لیکن اس سفید پرندہ کا سراغ نہیں لگا۔

بالآخر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام حضرت عکرمہ نے کہا کہ کیا تم لوگ احمق ہو گئے ہو) وہ واقعۃ پرندہ نہیں تھا بلکہ ان کی بینائی تھی جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ موت کے دن ان کے پاس واپس آ جائے گی روایت میں بھی آیا ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو لحد میں رکھ دیا گیا تو غائب کی طرف سے ایک آواز آئی جس کو سب نے سنا آیت (یاایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربك راضیة مرضیة) (اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے) اور ان کے حق میں دو مرتبہ دعا فرمائی ایک بار تو وہ دعا فرمائی۔ یہ دعا کی اللھم علمہ الحکمۃ (اے اللہ اس کو حکمت عطا فرما) یا یوں فرمایا تھا اللھم علمہ الکتاب (اے اللہ اس کو کتاب اللہ کا علم عطا فرما) دوسری مرتبہ کی دعا وہ ہے جس کے بارے میں بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پیچھے گزر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء کے لئے تشریف لے گئے تو میں نے وضو کے لئے پانی بھر کر رکھ دیا جب آپ کو بتایا گیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رکھا ہے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی اللھم فقہ فی الدین (خداوندا! ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دین کا فقیہ بنا دے) تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ ایک مرتبہ کی دعا تو وہ مراد ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی رکھنے پر خوش ہو کر دی تھی اور دوسری مرتبہ کی دعا سے وہ دعا مراد ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے حق میں فرمائی تھی۔

بَابُ: فِي ذِكْرِ الْخَوَارِجِ

یہ باب خوارج کی بحث میں ہے

ائمہ اسلاف کے نزدیک خوارج کے تعارف کا بیان

امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی، خوارج کی تعریف میں لکھتے ہیں: ہر وہ شخص جو عوام کی متفقہ مسلمان حکومت وقت کے خلاف مسلح بغاوت کرے اسے خارجی کہا جائے گا؛ خواہ یہ خروج و بغاوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے خلاف ہو یا تابعین اور بعد کے کسی بھی زمانہ کی مسلمان حکومت کے خلاف ہو۔ (شہرستانی، الملل والنحل: 114)

امام نووی، خوارج کی تعریف یوں کرتے ہیں: خوارج بدعتیوں کا ایک گروہ ہے۔ یہ لوگ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کے کافر اور دائمی دوزخی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے مسلم اُمراء و حکام پر طعن زنی کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جمعہ اور عیدین وغیرہ کے اجتماعات میں شریک نہیں ہوتے۔ (نووی، روضۃ الطالبین، 51:10)

اور یہ خوارج (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد کا) وہ مخصوص لشکر نہیں ہے جو تاریخ میں معروف ہے بلکہ یہ دجال کے زمانے تک پیدا ہوتے اور نکلتے رہیں گے۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس ایک گروہ کو خاص فرمانا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نکلا تھا، اس کے کئی معانی ہیں جو ان پر صادق آتے ہیں۔ ہر وہ شخص یا گروہ جس میں وہ صفات پائی جائیں اسے بھی ان کے ساتھ ملایا جائے گا۔ کیونکہ ان کا خاص طور پر ذکر کرنا ان کے ساتھ حکم کو خاص کرنے کے لئے نہیں تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ان مخاطبین کو (مستقبل میں) ان خوارج کے تعین کی حاجت تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں: خوارج، خارجۃ کی جمع ہے جس کا مطلب ہے: گروہ۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو بدعات کا ارتکاب کرتے۔ ان کو (اپنے نظریہ، عمل اور اقدام کے باعث) دینِ اسلام سے نکل جانے اور خیارِ اُمت کے خلاف (مسلح جنگ اور دہشت گردی کی) کارروائیاں کرنے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔ (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، 283.12)

امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں: وہ ایسے لوگ ہیں جو دین سے خارج ہو گئے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو بدعات کا ارتکاب کرتے تھے (یعنی وہ اُمور جو دین میں شامل نہ تھے ان کو دین میں شامل کرتے تھے)۔ (دینِ اسلام سے نکل جانے اور) بہترین مسلمانوں کے خلاف (مسلح بغاوت اور دہشت گردی کی) کارروائیاں کرنے کی وجہ سے اُنہیں خوارج کا نام دیا گیا۔

(عینی، عمدۃ القاری، 84:24)

علامہ ابن نجیم حنفی، خوارج کی تعریف یوں کرتے ہیں: خوارج سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس طاقت اور (نام نہاد دینی) حمیت ہو اور وہ حکومت کے خلاف بغاوت کریں۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ کفر یا نافرمانی کے ایسے باطل طریق پر ہے جو ان کی خود ساختہ تاویل کی بنا پر حکومت کے ساتھ قتال کو واجب کرتی ہے۔ وہ مسلمانوں کے قتل اور ان کے اموال کو لوٹنا جائز سمجھتے ہیں۔

(ابن نجیم، البحر الرائق، 234:2)

فتنۂ خوارج اور ائمہ تفاسیر کی تفسیری تصریحات کا بیان

قرآن حکیم نے کئی مقامات پر لوگوں کے ناحق بے دردانہ قتل، دہشت گردانہ بمباری، پُرامن آبادیوں پر خودکش حملوں جیسے انتہائی سفاکانہ اقدامات اور انسانی قتل و غارت گری کی نفی کی ہے۔ دہشت گردی کی یہ ساری بہیمانہ صورتیں شرعی طور پر حرام اور اسلامی تعلیمات سے صریح انحراف ہیں اور اَز رُوئے قرآن بغاوت و محاربت، فساد فی الارض اور اجتماعی قتلِ انسانی میں داخل ہیں۔ قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں کئی مقامات پر بالصراحت خوارج کی علامات و بدعات اور ان کی فتنہ پروری و سازشی کارروائیوں اور بغاوت کے بارے میں واضح ارشادات ملتے ہیں۔ سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے ذیل میں چند ارشادات باری تعالیٰ ملاحظہ ہوں۔

خوارج اہل زیغ (کج رو) ہیں۔ سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِىٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ط فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ج وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ م وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝ آل عمران 7

وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں سے کچھ آیتیں محکم (یعنی ظاہراً بھی صاف اور واضح معنی رکھنے والی) ہیں وہی (احکام) کتاب کی بنیاد ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ (یعنی معنی میں کئی احتمال اور اشتباہ رکھنے والی) ہیں۔ سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے اس میں سے صرف متشابہات کی پیروی کرتے ہیں (فقط) فتنہ پروری کی خواہش کے زیر اثر اور اصل مراد کی بجائے من پسند معنی مراد لینے کی غرض سے، اور اس کی اصل مراد کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور علم میں کامل پختگی رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، ساری (کتاب) ہمارے رب کی طرف سے اتری ہے، اور نصیحت صرف اہل دانش کو ہی نصیب ہوتی ہے۔

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ آیت مذکورہ کے ذیل میں بیان کرتے ہیں: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ، فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ (سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے) کی تفسیر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ ان سے مراد خوارج ہیں۔ (ابن ابی حاتم رازی، تفسیر القرآن العظیم، 594.2)

حافظ ابن کثیر نے بھی اس آیت کی تفسیر میں جو حدیث بیان فرمائی ہے، اس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل زیغ۔ جو متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ سے مراد خوارج ہیں۔ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 347.1)

مفسر شہیر امام خازن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر لباب التاویل میں اہل زَیغ کی تفسیر فرماتے ہوئے جن گمراہ فرقوں کا نام لیا ہے ان میں خوارج کا نام بھی شامل ہے۔ (خازن، لباب التاویل، 1 217)

ابوحفص الحنبلی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی جو مفصل روایت بیان فرمائی ہے، وہ بڑی ہی فکر انگیز، حقیقت کشا اور قابلِ غور ہے۔ یہ روایت اہلِ زَیغ کی اصلیت اور ان کے باطنی انجام کو پوری طرح بے نقاب کر دیتی ہے۔ ابو حفص الحنبلی مذکورہ آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ (آیت مذکورہ میں اہل زَیغ سے) مراد خوارج ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ جب بھی یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے تو فرماتے: میں نہیں سمجھتا کہ اہل زیغ سے خوارج کے علاوہ کوئی اور گروہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ ابو غالب روایت کرتے ہیں: میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ دمشق کی جامع مسجد کی طرف چل رہا تھا اور وہ دراز گوش پر سوار تھے۔ جب وہ مسجد کے دروازے کے قریب پہنچے تو حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: خوارج دوزخ کے کتے ہیں۔ انہوں نے یہ تین بار فرمایا۔ پھر انہوں نے ان کی حقیقت سے پردہ اٹھایا اور بتایا: آسمان کے نیچے یہ بدترین لوگ ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے انہیں قتل کیا اور وہ بھی خوش نصیب ہیں جو ان کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ یہ بتا کر ابوامامہ رونے لگ گئے۔ ان کی بدنصیبی

پر بہت ہی افسردہ ہوئے اور بتایا: یہ مسلمان تھے لیکن اپنی کرتوتوں سے کافر ہو گئے۔ پھر یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی جس میں اہل زیغ کا ذکر ہے۔ ابو غالب روایت کرتے ہیں: میں نے ابوامامہ سے پوچھا: کیا یہی (خوارج) وہ (اہل زیغ) لوگ ہیں؟ بولے: ہاں! میں نے پوچھا: آپ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں یا ان کے بارے میں آپ نے یہ سب کچھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اگر ایسی بات ہو تب تو میں بڑی جسارت کرنے والا کہلاؤں گا۔ میں نے ایک، دو یا سات بار نہیں بلکہ بار بار یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اگر یہ بات سچی نہ ہو تو میرے دونوں کان بہرے ہو جائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات تین بار فرمائے۔ (ابوحفص الحسنبلی، اللباب فی علوم الکتاب، 3:437)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو امام سیوطی نے بھی اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل زیغ سے خوارج مراد لیے ہیں۔ (سیوطی، الدر المنثور، 2:148)

النحاس نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل زیغ، خوراج ہی ہیں۔ (النحاس، معانی القرآن، 1:349)

خوارج کا سیاہ رو و مرتد ہونے کا بیان

سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ج فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ قف اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۝ آل عمران، 3 : 106

جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے، تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ تو جو کفر تم کرتے رہے تھے سو اس کے عذاب (کا مزہ) چکھ لو۝

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مذکورہ کے ذیل میں حدیث روایت کی ہے: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس (آیت میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جانے والوں) سے خوارج مراد ہیں۔ (ابن أبی حاتم، تفسیر القرآن العظیم، 2:594)

حافظ ابن کثیر نے بھی آیت مذکورہ کے تحت اس سے خوارج ہی مراد لیے ہیں۔ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 1 347)

یہ قول ابن مردویہ نے حضرت ابو غالب اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے، امام احمد نے اسے اپنی مسند میں، امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ابو غالب کے طریق سے روایت کیا ہے۔

امام سیوطی کا بھی یہی موقف ہے۔ انہوں نے بھی اس آیت میں مذکور لوگوں سے خوارج ہی مراد لئے ہیں۔

(سیوطی، الدر المنثور، 2 148)

خوارج کا فسادی و فتنہ پرور ہونے کا بیان

سورۃ آل عمران میں فرمان باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ط وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ج قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ج وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ط قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ٥

آل عمران،3: 118

اے ایمان والو! تم غیروں کو (اپنا) رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری نسبت فتنہ انگیزی میں (کبھی) کمی نہیں کریں گے، وہ تمہیں سخت تکلیف پہنچنے کی خواہش رکھتے ہیں، بغض تو ان کی زبانوں سے خود ظاہر ہو چکا ہے، اور جو (عداوت) ان کے سینوں نے چھپا رکھی ہے وہ اس سے (بھی) بڑھ کر ہے۔ ہم نے تمہارے لیے نشانیاں واضح کر دی ہیں اگر تمہیں عقل ہو٥

امام ابن ابی حاتم رازی نے آیت مذکورہ کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے: حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان (فتنہ انگیزی کرنے والوں) سے مراد خوارج ہیں۔

(ابن أبي حاتم، تفسير القرآن العظيم، 3: 742)

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد خوارج ہیں۔ وہ تمہارے درمیان فساد پھیلانے سے باز نہیں آئیں گے۔ اگر دہشت گردی نہ کر سکے، تو مکر و فریب اور دھوکہ بازی ترک نہیں کریں گے۔ (قرطبی، الجامع لأحكام القرآن، 4: 179)

خوارج اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے برسرِ پیکار ہیں اس لئے واجب القتل ہیں

سورۃ المائدۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (المائدۃ، 5: 33)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد انگیزی کرتے پھرتے ہیں (یعنی مسلمانوں میں خونریز رہزنی اور ڈاکہ زنی وغیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں) ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا پھانسی دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا (وطن کی) زمین (میں چلنے پھرنے) سے دور (یعنی ملک بدر یا قید) کر دیے جائیں۔ یہ (تو) ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جس نے مسلم آبادی پر ہتھیار اٹھائے اور راستے کو اپنی دہشت گردی کے ذریعے غیر محفوظ بنایا اور اس پر کنٹرول حاصل کر کے لوگوں کا پُرامن طریقے سے گزرنا دشوار کر دیا، تو مسلمانوں کے حاکم کو اختیار ہے چاہے وہ اسے قتل کرے، چاہے تو پھانسی دے اور چاہے تو حسبِ قانون کوئی اذیت ناک سزا دے۔

(1. طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، 6: 214، 2. ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 2: 51)

امام طبری اور حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سعید بن مسیب، مجاہد، عطاء، حسن بصری، ابراہیم النخعی اور ضحاک نے بھی اسی معنی کو

روایت کیا ہے۔(1.ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم،2:51:2.طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن،6:214)

اس کو امام سیوطی نے بھی الدر المنثور (3:68) میں روایت کیا ہے۔

امام قرطبی نے الجامع لأحکام القرآن (6:148) میں روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایک ایسے گروہ کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے مدینہ کے باہر دہشت گردی کا ارتکاب کیا، قتل اور املاک لوٹنے کے اقدامات کیے جس پر انہیں عبرت ناک سزا دی گئی۔

علامہ زمخشری نے اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں لکھا ہے: یُحَارِبُوْنَ رَسُوْلَ اللہِ (یعنی) مسلمانوں کے ساتھ جنگ برپا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے حکم میں ہے۔(زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل،1:661)

علامہ ابو حفص الحنبلی، علامہ زمخشری کی مذکورہ بالا عبارت تحریر کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے ہیں اور (اس آیت میں) اللہ تعالیٰ کا نام جنگ کا نشانہ بننے والوں کی عظمت اور قدر و منزلت بڑھانے کے لئے مذکور ہوا۔ جیسا کہ بیعتِ رضوان کے حوالے سے قرآن مجید میں فرمایا گیا: (اے حبیب!) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔)

(أبو حفص الحنبلی، اللباب فی علوم الکتاب،7:303)

اس آیت سے یہ مفہوم بھی اَخذ ہوتا ہے کہ راہزنی کرنے والوں کا اذیت ناک قتل جائز ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: اس پر سب کا اجماع ہے کہ محاربین سے مراد فساد بپا کرنے والے اور راہ زن ہیں؛ خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، سب کے لیے حکم برابر ہے۔ اس اَمر پر بھی اتفاق ہے کہ جو کھل کر ہتھیار اٹھالیں یا شہر سے باہر لوگوں کو خوفزدہ کریں اور غارت گری کریں جہاں کوئی مددگار بھی نہ پہنچ سکے، ایسا شخص جنگجو اور راہ زن ہے۔ اُس پر اس آیت کے احکام جاری ہوں گے۔ امام بغوی فرماتے ہیں۔: شہروں میں دہشت گردی کرنے والے بھی اس آیت کے حکم میں شامل ہیں۔(قاضی ثناء اللہ، تفسیر المظہری،3:86)

اس آیت مبارکہ اور اکابرین کے بیان کردہ تفسیری اقوال سے یہ مفہوم اَخذ ہوتا ہے کہ مسلمان ریاست کی رعایا میں سے مسلمانوں کو اسلحہ کے ذریعے خوف زدہ کرنے والوں کا خاتمہ ضروری ہے کیوں کہ جو زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں وہ پوری انسانیت کے قاتل ہیں۔ جو کسی مسلم ریاست کی اتھارٹی کو چیلنج کرتے ہیں اور اس کے خلاف مسلح بغاوت کرتے ہیں، ان کے لیے اذیت ناک سزائیں اور دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

خوارج کے مستحق لعنت ہونے کا بیان

سورۃ الرعد میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ج اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (الرعد،13: 25)

اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں، انہی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے۔

یہ آیت صراحتاً بتا رہی ہے کہ زمین میں فساد پھیلانے والے خارجی ہیں۔ اس کی تائید درج ذیل روایت سے ہوتی ہے،

جیسے امام قرطبی نے بیان کیا ہے: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، فساد انگیزی کرنے والوں سے مراد الحرور یہ یعنی خوارج ہیں۔ (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 314:9)

انسانی جان کی ہلاکت اور اموال واملاک کی تباہی فساد فی الارض ہے، جیسا کہ ابو حفص الحنبلی کی درج ذیل روایت سے عیاں ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں)۔ یا تو اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور طرف جبراً دعوت دینے سے یا لوگوں کی جان ومال پر ظلم سے اور ملک میں تخریب کاری سے۔ (ابو حفص الحنبلی، اللباب فی علوم الکتاب، 425:9)

علامہ ابو حفص کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ جان ومال لوٹنے کے علاوہ اسلام سے ہٹ کر اپنے خود ساختہ عقائد کی طرف جبراً دعوت دینا بھی فساد فی الارض کے زمرے میں آتا ہے۔ امام رازی نے بھی التفسیر الکبیر (176:9) میں اسی معنی کو نقل فرمایا ہے۔

خوارج حسن عمل کے دھوکے میں رہتے ہیں

خوارج نماز، روزے اور تلاوت قرآن جیسے اعمال کی ادائیگی میں بظاہر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی آگے نظر آتے تھے۔ (اس پر آئندہ صفحات میں احادیث مبارکہ آئیں گی۔) یہی حالت دور حاضر کے خوارج کی ہے۔ وہ بھی بظاہر شکل وصورت اور حسن عمل میں بڑے نیک، پرہیزگار اور پابند شریعت نظر آتے ہیں مگر باطن میں اعتقادی اور تشدد پسندانہ فتنوں کا شکار ہیں جن سے امت مسلمہ کو نقصان ہو رہا ہے اور باہمی خون خرابے سے اس کی قوت وشوکت متاثر ہو رہی ہے۔

سورۃ الکہف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (الکہف، 18: 103، 104)

فرما دیجیے: کیا ہم تمہیں ایسے لوگوں سے خبردار کر دیں جو اعمال کے حساب سے سخت خسارہ پانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیا کی زندگی میں ہی برباد ہوگئی اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بڑے اچھے کام انجام دے رہے ہیں۔

امام طبری نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں درج ذیل روایات نقل کی ہیں۔

اس آیت میں ان اہلِ کتاب کا ذکر ہے جو اپنا سماوی دین چھوڑ کر کفر کی راہ پر چل نکلے اور دین میں باطل بدعات کو شامل کر لیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ان خسارہ پانے والوں سے مراد خوارج ہیں کیونکہ جب ابن الکواء خارجی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَنْتَ وَاَصْحَابُكَ (تو اور تیرے ساتھی)۔

ایک روایت میں ہے جسے حضرت ابو طفیل بیان کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن الکواء نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا (اعمال کے حساب سے سخت خسارہ پانے والوں) سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے فرمایا: اے اہلِ حروراء! تم مراد ہو۔ (طبری، جامع البیان، 16: 33، 34)

اسی آیت کے ذیل میں علامہ سمرقندی اپنی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے خوارج مراد ہیں۔ (سمرقندی، بحر العلوم، 2: 364)

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ان کے اس زعم باطل کی مذمت یوں بیان کی گئی ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ لا قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۔ (البقرة، 2: 11، 12)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد بپا نہ کرو، تو کہتے ہیں: ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں ۝ آگاہ ہو جاؤ! یہی لوگ (حقیقت میں) فساد کرنے والے ہیں مگر انہیں (اس کا) احساس تک نہیں۔

حضرت قتادہ نے فرمایا: ایسے لوگوں میں سے خوارج بھی ہیں جو مسلمانوں کا خون بہانا اور ان کے اموال لوٹنا حلال سمجھتے ہیں۔ (ابو حفص الحنبلی، اللباب فی علوم الکتاب، 13: 175)

فتنۂ خوارج کے آغاز کا بیان

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی فتنہ خوارج کا آغاز ہو گیا تھا۔ امام بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث کے مطابق حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مال (غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے تو بنو تمیم کے ذوالخویصرہ نامی شخص نے کہا: یا رسول اللہ! انصاف کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ہلاک ہو، اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (یا رسول اللہ!) مجھے اجازت دیں کہ اس (گستاخ) کی گردن اڑا دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، (اس اکیلے کی گردن اڑانا کیوں کر) بے شک اس کے (ایسے) ساتھی بھی ہیں کہ تم ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر جانو گے۔ وہ دین سے اس طرح نکلے ہوئے ہوں گے جیسے شکار سے تیر نکل جاتا ہے۔

(1. بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب ما جاء فی قول الرجل ویلک، 5: 2281، رقم: 5811)

خوارج کے فتنے کا آغاز گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ذوالخویصرہ تمیمی نامی گستاخ شخص کی گستاخی ہی دراصل اس بدترین فتنے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی جس نے بعد ازاں امت مسلمہ میں انتشار و افتراق پیدا کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ادوار خلافت میں اسلامی ریاست کی اتھارٹی کو چیلنج کرنے والے باغی اور مسلح گروہ درحقیقت اُسی ذوالخویصرہ تمیمی کی فکر کا تسلسل تھے۔

1. امام ابو بکر الآجری (م 360ھ) کتاب الشریعۃ کے باب ذم الخوارج وسوء مذہبہم وإباحۃ قتالہم، وثواب من قتلہم أو قتلوہ میں لکھتے ہیں: خوارج کا اوّلین فرد عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نمودار ہوا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت طعنہ زنی کی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ کے مقام پر مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ اس بد بخت نے کہا: اے محمد! عدل کیجیے! میرے خیال میں آپ عدل نہیں کر رہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تو ہلاک ہو! اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اسی ذوالخویصرہ تمیمی کا ہم خیال گروہ ہی بعد ازاں خوارج کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ عبد الرزاق سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ذوالخویصرہ تمیمی کا اصل نام حرقوص بن زہیر تھا اور وہ خوارج کا بانی تھا۔ (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، 12 292)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (49:2) میں بھی یہی تحقیق بیان کی ہے۔

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں: امام ذہبی فرماتے ہیں: ذوالخویصرہ نے ہی یہ کہا تھا: یا رسول اللہ! عدل کیجیے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حرقوص بن زہیر تھا۔ یہ خوارج کا فکری قائد اور بانی تھا جو کہ (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں) مقام نہروان (پر ہونے والی جنگ) میں مارا گیا۔ تفسیر ثعلبی میں ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معرکہ ہوازن کے غنائم تقسیم فرمار ہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذوالخویصرہ تمیمی آیا اور وہ خوارج کا بانی تھا۔ (بدر الدین العینی، عمدۃ القاری، 62:15)

عہد عثمانی میں فتنۂ خوارج کی فکری تشکیل

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اُمت میں کئی فتنوں نے جنم لیا، جن میں جھوٹی نبوت کے دعوے، دین سے ارتداد، زکوۃ کی ادائیگی سے انکار اور دیگر کئی بنیادی تعلیمات اسلام سے انحراف شامل ہے۔ انہی فتنوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خارجی فکر کے حاملین اپنے باغیانہ نظریات کی ترویج کرتے رہے اور اپنے آپ کو ایک منظم شکل دینے کی طرف سرگرم عمل رہے۔ یہاں تک کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور اواخر میں بلوائیوں کی تحریک میں آپ کو قتل کرنے کی سازش تیار کرنے والے لوگ بھی اس انتہاء پسندانہ رجحان کے حامل تھے جن میں سے ایک نمایاں شخص عبداللہ بن سباء تھا۔ اس انتہاء پسند دہشت گرد گروہ نے پہلی مرتبہ مدینہ منورہ میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں خالص اسلامی حکومت کی اتھارٹی اور ریاستی نظم کو چیلنج کیا۔

امام حاکم المستدرک میں ایک تابعی حسین بن خارجہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں: (حضرت حسین بن خارجہ فرماتے ہیں) جب پہلا فتنہ ظاہر ہوا تو مجھ پر فیصلہ مشکل ہو گیا (کہ اس میں حصہ لوں یا نہ لوں)۔ پس میں نے کہا: اے اللہ! مجھے امر حق دکھا جسے میں تھام لوں۔ فرماتے ہیں: پس مجھے (خواب میں) دنیا اور آخرت دکھائی گئی اور ان دونوں کے درمیان ایک دیوار تھی جو کہ زیادہ لمبی نہ تھی اور میں نے اپنے آپ کو دیوار پر دیکھا تو میں نے کہا کہ اگر میں اس دیوار پر معلق رہا تو ہو سکتا ہے کہ میں اشجع کے مقتولوں پر اتروں تا کہ وہ مجھے خبر دیں۔ فرماتے ہیں: پس میں ایسی زمین پر اُترا جو کہ شجر دار یعنی سرسبز و شاداب تھی، تو میں نے ایک گروہ کو بیٹھے ہوئے دیکھا، میں نے کہا: تم شہداء ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں ہم فرشتے ہیں۔ میں نے کہا: شہید کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: بلند درجات کی طرف تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے جاؤ۔ جب میں آگے بڑھا تو ایسا مقام دیکھا جس کی وسعت اور حسن و جمال اللہ ہی بہتر جانتا ہے، تو میں نے وہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام سے فرمار ہے تھے: آپ میری اُمت کے لیے مغفرت کی دعا کیجیے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا: آپ نہیں جانتے کہ ان میں سے بعضوں نے آپ کے بعد کیا نئے فتنے شروع کیے؟ انہوں نے اپنوں کا خون بہایا اور اپنے حاکم کو قتل کیا ہے۔ وہ ایسا کیوں نہیں کرتے جیسا میرے دوست سعد نے کیا ہے؟ میں نے کہا: اللہ نے مجھے جو دکھا دیا ہے

اس میں یہ راہ سجھائی کہ میں سعد کے پاس جاؤں۔ پس اس کا معاملہ دیکھوں تو اس کے ساتھ ہو جاؤں۔ بنا بریں ان کے پاس آیا اوران کو خواب کا واقعہ سنایا تو وہ اس سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: وہ شخص بدنصیب ہے جس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام نہ ہوں۔ میں نے کہا: آپ ان دو گروہوں میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ انہوں نے کہا: میں ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں نے کہا: آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا: کیا آپ کے پاس مویشی ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، انہوں نے فرمایا: مویشی خرید کر علیحدہ ہو جاؤ یہاں تک کہ صورت حال واضح ہو جائے۔ (1. حاکم، المستدرک، 4:499، رقم: 8394)

امام ابن عبدالبر نے التمہید میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ میں روایت میں مذکور الفتنۃ الاولی سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر امت مسلمہ میں پیدا ہونے والا فتنہ لیا ہے۔ یہی فتنہ پرور دہشت گرد لوگ ہی ظاہراً دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے، جن دو گروہوں کا اشارہ مذکورہ بالا روایت میں ہے۔

(عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، 2:172، رقم: 1979)

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے لوگ فتنہ کی آگ بھڑکانے والے تھے۔ یہی دین میں بدعت کے مرتکب ہوئے اور یہی لوگ بدعتی کہلائے۔ یہی وہ فتنہ پرور، متعصب اور انتہا پسند لوگ تھے جنہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگ صفین کے بعد خارجی گروہ کی باقاعدہ بنیاد رکھی تھی۔

عہد علوی میں خوارج کا تحریکی آغاز

فتنہ خوارج کے علم برداروں کے پیش نظر دین کے نام پر مسلم ریاست کو destabilize کرنا اور اس کی نظریاتی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ حکومت وقت کے خلاف مسلح جدوجہد اور بغاوت کے ذریعے دہشت گردانہ کارروائیاں کرتے ہیں اور مساجد و عبادت گاہوں، گھروں، تعلیمی اداروں، مارکیٹوں اور placespublic پر شہریوں کا خون بہاتے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خوارج کا احتجاج مذاکرات (dialogue) اور پر امن مصالحت (peaceful disputeofsettlement) کے خلاف تھا جسے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے موقع پر تحکیم کی صورت میں اپنایا تھا۔ جب تک فضا جنگ جاری رہنے کے حق میں تھی خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں لڑنے کے لئے پیش پیش تھے۔ جونہی آپ رضی اللہ عنہ نے خون خرابے سے بچنے کے لئے تحکیم یعنی ثالثی (arbitration) کے راستے کو اپنایا تو وہ پر امن مصالحت اور ثالثی کے عمل کو رد کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے نکل گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ کافر کہنے لگے اور واضح طور پر باغی اور دہشت گرد گروہ تیار کر کے نام نہاد جہاد کے نام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امت مسلمہ کے خلاف برسرپیکار ہو گئے۔ اپنے منظم ظہور کے وقت انہوں نے یہ نعرہ لگایا تھا:

لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ۔ اللہ کے سوا کوئی حکم نہیں کر سکتا۔

خوارج کے اس عمل سے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آگاہی ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بات تو حق ہے لیکن اس کا مقصود باطل ہے۔ (1. مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 2:749، رقم: 1066)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف مسلح بغاوت کرتے ہوئے خوارج نے عراق کی سرحد پر واقع علاقے حروراء کو اپنا مرکز بنالیا۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف شرک اور بدعت کے الزامات لگائے، آپ کو کافر قرار دیا اور آپ کے خلاف مسلح بغاوت کر دی۔ یہ قتل و غارت گری اور دہشت گردی کی ابتداء تھی۔ اُن کا ابتدائی نقطہ نظر ہی یہ تھا: تم اللہ کے امر میں آدمیوں کو حکم بناتے ہو؟ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی حکم نہیں کر سکتا۔ (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، 196:3)

خوارج کے ان خطبات اور جوابی خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے ہوئے خود کو توحید اور حق کے علم بردار جب کہ سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) شرک اور بدعت کا نمائندہ تصور کر رہے تھے۔ بدعت اور شرک سے ان کی بزعم خویش نفرت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شہر کو بھی اس خیال سے کہ یہ بدعتیوں کا شہر ہے، چھوڑ دیا اور جنگلوں، صحراؤں اور پہاڑوں میں گھات لگا کر بیٹھ گئے جہاں وہ اپنے مخالفین کو پکڑ کر ظلم و ستم کا نشانہ بناتے اور انہیں قتل کر دیتے۔ بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر لے کر خوارج کی ریشہ دوانیوں، دین دشمن کارروائیوں اور سازشوں کے جواب میں ان کے خلاف عسکری کارروائی کی اور انہیں شکست فاش سے دوچار کیا۔ کیوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات گرامی میں ان کا قلع قمع کر دینے کی پیشین گوئی اور حکم فرمایا تھا۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ریاستی سطح پر ان کی سرکوبی کی۔

امام مسلم اور دیگر محدثین نے یہ پورا واقعہ بالتفصیل حضرت زید بن وہب جہنی سے روایت کیا ہے جو کہ درج ذیل ہے: وہ (حضرت زید بن وہب) اس لشکر میں تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج سے جنگ کے لیے گیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں ایک گروہ ظاہر ہوگا وہ ایسا (خوبصورت) قرآن پڑھے گا کہ ان کے پڑھنے کے سامنے تمہارے قرآن پڑھنے کی کوئی حیثیت نہ ہوگی، ان کی نمازوں کے سامنے تمہاری نمازوں کی کچھ حیثیت نہ ہوگی، ان کے روزوں کے سامنے تمہارے روزوں کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔ وہ یہ سمجھ کر قرآن پڑھیں گے کہ وہ ان کے حق میں ہے حالانکہ وہ ان کے خلاف حجت ہوگا۔ نماز ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی اور وہ اسلام سے ایسے خارج ہوں گے جیسے تیر شکار سے خارج ہو جاتا ہے۔ جو لشکر ان کی سرکوبی کے لیے جا رہا ہوگا اگر وہ اس ثواب کو جان لے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر کیا ہے تو وہ باقی اعمال کو چھوڑ کر اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک ایسا آدمی ہوگا جس کے شانہ میں ہڈی نہیں ہوگی اور اس کے شانہ کا سر عورت کے پستان کی طرح ہوگا جس پر سفید رنگ کے بال ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (اپنے لشکر سے) فرمایا: تم معاویہ اور اہلِ شام کی طرف جاتے ہو مگر ان خوارج کو چھوڑ جاتے ہو تاکہ یہ تمہارے پیچھے تمہاری اولاد اور تمہارے اَموال کو ایذا دیں، بخدا! مجھے اُمید ہے کہ یہ وہی قوم ہے جس نے ناحق خون بہایا اور لوگوں کی چراگاہوں یعنی اَموال کو لوٹ لیا، تم اللہ کا نام لے کر ان سے قتال کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ (1. مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 748:2، رقم: 1066)

سلمہ بن کہیل کہتے ہیں: پھر مجھ سے (اس کے راوی) زید بن وہب نے ایک ایک منزل کا تذکرہ کیا اور بیان کیا کہ جب ہم جا

کران سے ملے تو ہمارا ایک پل سے گزر ہوا، اس وقت خوارج کا سپہ سالار عبداللہ بن وہب راسبی تھا، اس نے حکم دیا کہ اپنے نیزے پھینک دو اور تلواریں میان سے نکال لو کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ یہ تم پر اس طرح حملہ کریں گے جس طرح یوم حرداء میں کیا تھا۔ چنانچہ وہ پھرے، انہوں نے اپنے نیزے پھینک دیے اور تلواریں سونت لیں، لوگوں نے ان پر اپنے نیزوں سے حملہ کیا اور بعض نے بعض کو قتل کرنا شروع کر دیا، اس روز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے صرف دو آدمی شہید ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان میں اسی ناقص آدمی کو تلاش کرو، انہوں نے اسے ڈھونڈا لیکن وہ نہ ملا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود اٹھے اور وہاں گئے جہاں ان کی لاشیں ایک دوسرے پر پڑی تھیں، آپ نے فرمایا: ان لاشوں کو اٹھاؤ۔ تو اس (علامت والے مطلوب) شخص کو زمین پر لگا ہوا پایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اکبر، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک صحیح احکام پہنچائے۔ عبیدہ سلمانی کھڑے ہوئے اور کہا: امیر المومنین! اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ کیا آپ نے خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں اللہ رب العزت کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ حلف لیا اور آپ نے تین مرتبہ قسم کھائی۔

بعض روایات میں اس ناقص بازو والے شخص کی علامات بھی بیان کی گئی ہیں کہ وہ شخص سیاہ رنگ کا ہوگا اور اس کا ہاتھ بکری کے تھن یا عورت کے پستان کے سر کی طرح ہوگا۔ جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ گروہ خوارج کا قلع قمع کر چکے تو فرمایا: اس نشانی والے آدمی کو تلاش کرو۔ انہوں نے اسے ڈھونڈا مگر وہ نہ ملا، فرمایا: اس کو پھر جا کر تلاش کرو، بخدا نہ میں نے جھوٹ بولا ہے نہ مجھے جھوٹ بتایا گیا ہے، یہ بات انہوں نے دو یا تین بار کہی، حتیٰ کہ لوگوں نے اسے ایک کھنڈر میں ڈھونڈ لیا اور اس کی لاش لا کر حضرت علی کے سامنے رکھ دی۔ اس واقعے کے راوی عبیداللہ کہتے ہیں: میں اس سارے معاملہ میں ان کے پاس موجود تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ان خوارج کے بارے میں ہی تھا۔ (1. مسلم، الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، 2:748، رقم: 1066)

خوارج کا یہ حال دیگر کتب حدیث میں مزید تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے جسے حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

جب خوارج علیحدہ ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی تلاش میں نکلے اور ہم بھی ساتھ تھے۔ جب ہم ان کے لشکر کے قریب پہنچے تو قرآن شریف پڑھنے کا ایک شور سنائی دیا۔ ان خوارج کی یہ حالت تھی کہ ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشانات نمایاں تھے۔ وہ ٹوپیاں اوڑھے ہوئے کمال درجہ کے زاہد و عابد نظر آ رہے تھے۔ ان کا یہ حال دیکھ کر تو ان سے قتال مجھ پر نہایت شاق ہوا۔ میں اپنے گھوڑے سے اترا اور الگ ہو کر اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور اپنی ٹوپی اس پر رکھ دی اور زرہ لٹکا دی۔ پھر میں نے گھوڑے کی لگام پکڑی اور نیزہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی اور میں نماز کے دوران میں دل میں کہہ رہا تھا: الٰہی! اگر اس قوم کا قتل کرنا تیری طاعت ہے تو مجھے اجازت مل جائے اور اگر معصیت ہے تو مجھے اس رائے پر اطلاع ہو۔ ہنوز اس دعا سے فارغ نہ ہوا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہا: اے جندب! شک کے شر سے پناہ مانگو۔ میں یہ سنتے ہی ان کی طرف دوڑا تو وہ اتر کر نماز پڑھنے لگے۔ اتنے میں ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور کہا: یا امیر المومنین! کیا آپ کو ان لوگوں سے جنگ کی ضرورت

ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ اُس نے کہا: وہ سب نہر عبور کر کے پار چلے گئے ہیں، (اب ان کا تعاقب مشکل ہے)۔ میں نے کہا: اللہ اکبر۔ پھر ایک اور شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا حاضر ہوا، اس نے کہا: اے امیر المومنین! آپ نے فرمایا: کیا چاہتے ہو؟ کہنے لگا: کیا آپ کو اس قوم سے جنگ کی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا ہوا ہے؟ کہنے لگا: انہوں نے نہر عبور کر لی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، وہ پار گئے ہیں نہ جا سکیں گے۔ جو ان کے مقابلے میں مارا جائے گا، اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ پھر آپ سوار ہوئے اور مجھے فرمایا: اے جندب! میں ان کی طرف آدمی بھیجوں گا جو انہیں قرآنی احکام پڑھ کر سنائے گا اور انہیں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دے گا۔ وہ رُخ نہیں پھیرے گا حتی کہ وہ لوگ اس کو تیروں کی باڑ پر رکھ لیں گے۔ اے جندب! ہمارے دس شہید نہیں ہوں گے اور ان کے دس آدمی نہیں بچیں گے۔ پھر فرمایا: کوئی ہے جو یہ مصحف (قرآن) اس قوم کی طرف لے جائے اور ان کو اللہ کی کتاب اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف بلائے، وہ مارا جائے گا اور اس کے لیے جنت ہوگی۔ بنی عامر کے ایک جوان کے سوا کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ نے اسے فرمایا: یہ مصحف لے جاؤ! اُس نے مصحف لے لیا۔ آپ نے فرمایا: اب تم لوٹ کر نہیں آؤ گے، وہ تمہیں تیروں کی باڑ پر رکھ لیں گے۔ وہ جوان قرآن لے کر ان کی طرف روانہ ہوا اور جب ایسی جگہ پہنچا جہاں سے وہ ان کی آواز سن سکتا تھا تو وہ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور تیر چلانے شروع کر دیے، پس اُس نے ہماری طرف رُخ کیا اور (تیر لگنے کی وجہ سے) گر گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے آدمیوں سے فرمایا: اب تم بھی حملہ کر دو۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نماز ظہر تک ان کے آٹھ ساتھی قتل کر ڈالے۔ (جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا) ہمارے دس آدمی شہید نہ ہوئے اور ان کے دس آدمی نہ بچے۔

(1. طبرانی، المعجم الأوسط، 4:227، رقم: 4051)

حضرت جندب رضی اللہ عنہ پر خوارج کی ظاہری پارسائی، ان کی دین داری اور عبادت و ریاضت کا بہت اثر تھا باوجودیکہ وہ تمام علامات ان میں موجود تھیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی تھیں اور ساری پیشین گوئیاں بھی صحیح ثابت ہوئی تھیں مگر ان کی وضع قطع اور پرہیزگاری دیکھ کر پھر بھی ان کا دل ڈرتا تھا کہ کہیں ان کے ہاتھ سے حق پرست لوگ قتل نہ ہو جائیں۔

مسند احمد بن حنبل، السنن الکبری للنسائی اور دیگر کتب میں طارق بن زیاد کا بیان ہے: ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج کی طرف (ان سے جنگ کے لیے) نکلے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا خاتمہ کیا، پھر فرمایا: دیکھو بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب ایسے لوگ نکلیں گے کہ حق کی بات کریں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی، وہ حق سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک شخص سیاہ فام ہوگا جس کا ہاتھ ناقص اور اس پر سیاہ بال ہوں گے۔ اس کو ڈھونڈو۔ اگر وہ شخص ان میں ہے تو سمجھ جاؤ کہ تم نے بدترین لوگوں کو مارا اور اگر وہ نہ ملا تو سمجھ لو کہ تم نے بہترین لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ یہ سن کر ہمیں سخت پریشانی ہوئی اور ہم رونے لگے۔ آپ نے فرمایا: ڈھونڈو تو سہی۔ جب خوب تلاش کی گئی تو اس شخص کی لاش مل گئی۔ تمام اہلِ لشکر سجدۂ شکر میں گر گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ہمارے ساتھ سجدۂ شکر ادا کیا۔

(1. احمد بن حنبل، المسند، 1:107، رقم: 848)

خوارج کے عقائد ونظریات کا بیان

اب تک کی گئی بحث سے واضح ہو گیا کہ بعض اوقات معاشرے میں ایسا کج فہم اور تنگ نظر طبقہ بھی پیدا ہو جاتا ہے، جو بالکل نادان، دینی حکمت وبصیرت اور اس کے تقاضوں سے مکمل طور پر نا آشنا ہوتا ہے۔ وہ ظاہری طور پر صالح اعمال کی سختی سے پابندی کرتا ہے جس کے باعث وہ اس گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ پکا مسلمان اور دین کا پاسبان ہے اور اسے اللہ کے مقرب ہونے کا درجہ حاصل ہے، اس کے سوا باقی سب کفر وشرک میں مبتلا اور خدا کے نافرمان ہیں۔ اس لئے اس کا حق بنتا ہے کہ وہ بزورِ بازو دوسروں کو بھی راہ راست پر لائے، وہ گروہ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ، (اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت کے ساتھ بلایئے) اور لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (دین میں کوئی زبردستی نہیں) کو بالکل بھول جاتا ہے۔ شیطان اس کے ذہن میں ڈال دیتا ہے کہ وہ سب سے افضل واعلیٰ اور سچا مسلمان ہے بلکہ اس کے مقابلے میں دوسرے لوگ مسلمان ہی نہیں۔ اس لئے اس کا حق بنتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی اپنا ہم خیال بنائے۔ یہی وہ موڑ ہے جہاں پر شیطان ان کو اپنے ڈھب پر لے آتا ہے اور ان کے ذہن میں یہ فاسد خیال ڈال دیتا ہے کہ تم جیسا کوئی نہیں۔ تم ان بے عمل مسلمانوں کو اپنے طریق پر لانے یا انہیں ختم کرنے کے لیے ان کے ساتھ جو چاہے سلوک کرو، خوں ریزی اور دہشت گردی کرو، مال ومتاع لوٹو، تمہیں کوئی گناہ نہیں ہوگا، تم جو کچھ کرو گے سب جہاد ہوگا۔ ان ہی کے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا ہے کہ اللہ کے ہاں یہ خسارہ پانے والا گروہ ہوگا، مگر وہ خود کو بڑا نیکوکار سمجھے گا اور اس گھمنڈ میں مبتلا ہوگا کہ وہ بڑی خیر پھیلا رہا ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (الكهف، 18:103-104)

فرما دیجیے: کیا ہم تمہیں ایسے لوگوں سے خبردار کر دیں جو اعمال کے حساب سے سخت خسارہ پانے والے ہیں ۝ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیا کی زندگی میں ہی برباد ہوگئی اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بڑے اچھے کام انجام دے رہے ہیں ۝

خوارج کے باطل عقائد ومزعومات کے بارے میں امام شہرستانی (م 548ھ) الملل والنحل میں لکھتے ہیں: خوارج کے بڑے بڑے گروہ چھ ہیں: ازارقہ، نجدات، عجاردہ، ثعالبہ، اباضیہ، صفریہ اور بقیہ خوارج ان کی فروع ہیں (اس طرح ان کے کل فرقے بن جاتے ہیں) اور جب کوئی حکومت، سنت کی مخالفت کرے تو یہ اس کے مقابلہ میں بغاوت کو واجب سمجھتے ہیں۔۔۔۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اس وقت بغاوت کی جب تحکیم (arbitration؛ ثالثی) کا حکم جاری ہوا تھا، اور جو لوگ حروراء کے مقام پر کوفہ کی ایک جانب جمع ہو گئے تھے۔ ان کے بانیان عبد اللہ بن الکواء، عتاب بن الاعور، عبد اللہ بن وہب راسبی، عروہ بن جریر، یزید بن عاصم محاربی، حرقوص بن زہیر بجلی المعروف بہ ذوالثدیہ تھے۔ اُس وقت یعنی نہروان کی جنگ کے وقت ان کی تعداد بارہ ہزار تھی اور یہ صوم وصلاۃ کے بہت پابند تھے۔۔۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جن کا پہلا شخص ذوالخویصرہ اور (پہلے منظم ظہور میں) آخری ذوالثدیہ ہے۔ (شہرستانی، الملل والنحل: 115)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں:
قاضی ابوبکر بن عربی نے فرمایا: خوارج کی دو قسمیں ہیں۔ جن میں سے ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، جنگ جمل وصفین میں حصہ لینے والے تمام لوگ اور ہر وہ شخص جو تحکیم سے راضی ہوا، سب کافر ہیں۔ اور دوسرا گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جس شخص نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا وہ کافر ہے جو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اور (یمامہ کے خارجی لیڈر) نجدہ بن عامر نے خوارج کے ان مذکورہ بالا عقائد پر اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ جو شخص امتِ مسلمہ کے خلاف بغاوت اور ان (خوارج) کے ساتھ مل کر مسلح جنگ نہ کرے تو وہ بھی کافر ہے چاہے وہ ان (خوارج) جیسے عقائد ہی رکھتا ہو۔

(ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، 12:283، 285) (فتنہ خوارج اور دہشت گردی، ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

خوارج ایسے لوگ تھے جن کی صفت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان کی تھی کہ وہ اہلِ اسلام سے لڑیں گے اور بت پرستوں سے صلح رکھیں گے۔ انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اُن کا ساتھ دینے والوں کی تکفیر کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خون کو مباح قرار دیتے ہوئے اُنہیں شہید کیا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبد الرحمن بن ملجم المرادی نے شہید کیا جو کہ خارجیوں میں سے تھا۔ یہ اور اس کے علاوہ دیگر خوارج بہت عبادت گذار تھے لیکن حقیقت میں وہ حکمتِ دین سے نابلد تھے کیوں کہ انہوں نے سنت اور جماعت کو چھوڑ دیا تھا۔ ان کے عقیدے کے مطابق انسان مؤمن ہوگا یا کافر۔ لہٰذا ان کے نزدیک مؤمن وہ ہے جو تمام واجبات پر عمل کرے اور تمام محرمات کو ترک کرے۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ کافر اور دائمی جہنمی ہے۔ پھر انہوں نے ہر اُس شخص کی بھی اسی طرح تکفیر کرنا شروع کر دی جس نے ان کی باتوں کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی طرح دیگر لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے خلاف حکومت کی ہے اور وہ ظلم کا ارتکاب کرتے رہے۔ پس یہ سارے کافر ہو گئے ہیں۔ (نعوذ باللہ۔) (ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی)

اگر خوارج کے عقائد اور ان کی خصوصیات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ ثابت ہوگا کہ خوارج نے نہ صرف سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کی بلکہ مسلمانوں کا خون بہانا بھی جائز قرار دے دیا۔

علامہ ابن تیمیہ خوارج کی معروف ومشہور خصوصیات بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں: خوارج میں دو بدعات ایسی ہیں جو ان ہی کا خاصہ ہیں اور جن کی آڑ لے کر انہوں نے اہلِ اسلام اور اسلامی ریاست کا ساتھ چھوڑا: ایک یہ کہ انہوں نے سنت سے انحراف کیا؛ دوسری یہ کہ امورِ حسنہ کو امور سیئہ اور امور سیئہ کو امور حسنہ بنا دیا۔

خوارج اور اہل بدعت میں دوسرا گروہ وہ ہے جو گناہوں اور معصیتوں پر بھی لوگوں کو کافر قرار دیتا ہے اور اس بنا پر یہ مسلمانوں کا خون بہانا اور ان کے اموال لوٹنا مباح جانتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دار الاسلام، دار الحرب ہے اور صرف ان کے اپنے گھر ہی دار الایمان ہیں۔ (ابن تیمیہ، مجموع فتاویٰ، 19:72، 73) (فتنہ خوارج اور دہشت گردی، ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

خوارج کی نمایاں بدعات کا بیان

گزشتہ صفحات میں دی گئی بنیادی مباحث سے یہ اَمر مترشح ہو جاتا ہے کہ خوارج دین میں نئی نئی بدعات ایجاد کرتے تھے۔ وہ

قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کا خود ساختہ اطلاق کرتے اور غلط تاویل کے ذریعے اپنے مخالف مسلمانوں کو واجب القتل ٹھہراتے تھے۔ ذیل میں ان کی چند نمایاں بدعات درج کی جاتی ہیں جن میں سے اکثر کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی آگاہ فرما دیا تھا۔

وہ کفار کے حق میں نازل ہونے والی آیات کا اطلاق مومنین پر کریں گے۔ (بخاری، الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین)

مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ (بخاری، الصحیح، کتاب التوحید)

ابتدائی تاریخ سے ہی یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ خوارج اپنے عقائد ونظریات اور بدعات میں اس قدر انتہاء پسند تھے کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی (نعوذ باللہ) کافر خیال کرتے اور ان پر کفر کے فتوے لگانے سے نہ ہچکچاتے۔ امام شہرستانی نے الملل والنحل میں لکھا ہے کہ زیاد بن اُمیہ نے عروہ بن ادیہ اذینہ نامی خارجی سے پوچھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کیا حال تھا؟ اُس نے کہا: اچھے تھے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حال دریافت کیا؟ اُس نے کہا: ابتدا کے چھ سال تک اُن کو میں بہت دوست رکھتا تھا، پھر جب انہوں نے نئی نئی باتیں اور بدعتیں شروع کیں تو ان سے علیحدہ ہو گیا اس لئے کہ وہ آخر میں کافر ہو گئے تھے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حال پوچھا تو اُس نے کہا: وہ بھی اوائل میں اچھے تھے، جب اُنہوں نے حَکَم بنایا تو (نعوذ باللہ) کافر ہو گئے۔ اس لئے ان سے بھی علیحدہ ہو گیا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حال دریافت کیا تو اُس نے اُن کو سخت گالی دی۔ (العیاذ باللہ)۔ (شہرستانی، الملل والنحل، 118،1)

امام شہرستانی نے مزید لکھا ہے کہ خوارج حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سمیت تمام اہل اسلام کی جو اُن کے ساتھ تھے سب کی تکفیر کیا کرتے تھے اور سب کو دائمی دوزخی کہتے تھے۔ (2) (نعوذ باللہ من ذالک۔ (شہرستانی، الملل والنحل، 1 121) (فتنہ خوارج اور دہشت گردی، ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: پس تم انہیں جہاں کہیں پاؤ تو قتل کر دو کیونکہ ان کے قاتلوں کو بروزِ قیامت بے حد حساب اجر ملے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کا ذکر کیا اور فرمایا: وہ میری امت کے بدترین لوگ ہیں اور انہیں قتل کرنے والے میری اُمت کے بہترین لوگ ہوں گے۔ (مجمع الزوائد، 6 239)

خوارج وفسادی لوگوں کے قتل کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ راہزن کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرنے والا کہا گیا ہے کیونکہ مسافر اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیئے ہوئے ہوتا ہے۔ اور وہ شخص جو اس کا امن برباد کرتا ہے گویا وہ اس ذات کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتا ہے۔ جس پر وہ مسافر حصولِ امن کی خاطر اعتماد کیئے ہوئے تھا اور رہا اس کا رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برسرِ پیکار ہونا تو وہ اس لئے ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔ یا کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے راستوں کے محافظ ونگہبان ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء اور مسلمان حکمران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ پس

جب وہ راستہ روکا گیا جس کی حفاظت کا ذمہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین یعنی مسلم حکومتوں نے تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلانِ جنگ کیا گیا۔ یا یہاں عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے اور اصل عبارت میں یحاربون عباد اللہ ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ (فتح القدیر، 177:5)

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر حکومت کو یہ معلوم ہوجائے کہ شرپسندوں نے مسلح جدوجہد شروع کردی ہے اور وہ جنگ کے لیے تیاری کررہے ہیں تو حکومتِ مقتدرہ پر لازم ہے کہ ان کو گرفتار کرے اور قید کرے یہاں تک کہ وہ اس باغیانہ عمل سے باز آجائیں اور توبہ کریں کہ وہ دوبارہ اس طرح کا عمل نہیں کریں گے۔ اگر حکومت نے انہیں ڈھیل دی تو وہ مزید دہشت گردی کے مرتکب ہوں گے۔ لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ بروقت انہیں روکے۔ اور حکومت خود جنگ کا آغاز نہ کرے یہاں تک کہ وہ جنگ میں پہل کریں کیونکہ ان کے ساتھ جنگ ان کے شر کو ختم کرنے کے لئے ہوگی۔ ہاں اگر ان سے شر کا خطرہ نہ ہو تو ان کے ساتھ جنگ نہ کی جائے اور اگر حکومت کو ان کی ریشہ دوانیوں کا علم نہ ہو یہاں تک کہ وہ (تخریبی کارروائیوں کے لئے) اپنے ٹھکانے بنا لیں، جنگ کی تیاری کرلیں اور افرادی قوت جمع کرلیں تو حکومت کو چاہیے کہ انہیں سب سے پہلے راہ راست کی طرف بلائے اور انہیں اجتماعی رائے کی طرف لوٹنے کی دعوت دے، جیسا کہ اہلِ حرب کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ حروراء (خوارج) کی بغاوت کے خلاف کارروائی کرنے سے پہلے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو مندوب بنا کر بھیجا تاکہ وہ انہیں عدل وانصاف کی دعوت دیں۔ پس حکومت اسی طرح انہیں دعوت دے اور ان کے ساتھ مذاکرات کرے۔ اگر وہ مثبت جواب دیں تو ان کے ساتھ جنگ کرنے سے رک جائے اور اگر وہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کریں تو ان کے ساتھ کھلی جنگ کرے۔ اس کی جنگ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق درست ہوگی جس میں فرمایا گیا: (اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو اُن کے درمیان صلح کرادیا کرو، پھر اگر ان میں سے ایک (گروہ) دوسرے پر زیادتی اور سرکشی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔) اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں نہروان کے مقام پر اہلِ حروراء کے ساتھ جنگ کی۔

(بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۱۴۰، بیروت)

خوارج سے جنگ کرنے کے حکم کا بیان

167- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ عَبِيْدَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ وَذَكَرَ الْخَوَارِجَ فَقَالَ فِيْهِمْ رَجُلٌ مُخْدَجُ الْيَدِ اَوْ مُوْدُوْنُ الْيَدِ اَوْ مَثْدُوْنُ الْيَدِ وَلَوْلَا اَنْ تَبْطَرُوْا لَحَدَّثْتُكُمْ بِمَا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَقْتُلُوْنَهُمْ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ اَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيْ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ

167 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 2462 ورقم الحدیث: 2463 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4763

•• حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے انہوں نے خوارج کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بات بیان کی ان میں ایک ایسا شخص ہوگا' جس کا ایک ہاتھ (یعنی ایک بازو) چھوٹا ہوگا۔ یہاں راوی کو شک ہے کہ لفظ "مخدج" "مودون، مشدون" (ان میں سے کوئی ایک لفظ استعمال ہوا ہے' تاہم ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے)

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم خود پسندی کا شکار نہ ہو جاؤ تو میں تمہیں یہ بات بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی زبانی ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے ساتھ کیا وعدہ کیا ہے۔

راوی کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا آپ نے خود حضرت محمد ﷺ کی زبانی یہ بات سنی ہے؟ تو انہوں نے تین مرتبہ یہ فرمایا جی ہاں! رب کعبہ کی قسم!

خوارج کا اسلام سے خارج ہونے کا بیان

168- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِىْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْاَحْلَامِ يَقُوْلُوْنَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ النَّاسِ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَمَنْ لَقِيَهُمْ فَلْيَقْتُلْهُمْ فَاِنَّ قَتْلَهُمْ اَجْرٌ عِنْدَ اللّٰهِ لِمَنْ قَتَلَهُمْ

•• حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: آخری زمانے میں کچھ ایسے لوگ آئیں گے' جن کی عمریں کم ہوں گی اور عقل نہیں ہوگی وہ سب سے بہترین (یعنی نبی کریم ﷺ کے) اقوال بیان کریں گے' لیکن وہ اسلام سے یوں باہر نکل جائیں گے جیسے تیر شکار (کے پار) ہو جاتا ہے تو جس شخص کا ان سے سامنا ہو وہ ان سے جنگ کرے کیونکہ جو شخص ان کے ساتھ جنگ کرے گا' اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کے ساتھ لڑنے کا ثواب ملے گا۔

شرح

اخیر زمانہ سے مراد خلافت راشدہ کا آخری زمانہ ہے اس لئے کہ خوارج کا ظہور اسی وقت ہوا، اور نہروان کا واقعہ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۳۸ھ میں ہوا، اس وقت خلافت راشدہ کو اٹھائیس برس گزرے تھے، خلافت کے تیس سال کی مدت مکمل ہونے میں صرف دو سال باقی تھے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ لوگ نوعمر اور نوجوان ہوں گے، کم عمری کی وجہ سے سوچ بوجھ میں پختگی نہ ہوگی، بظاہر وہ اچھی باتیں کریں گے، اور ان کی باتیں موافق شرع معلوم ہوں گی، مگر حقیقت میں خلاف شرع ہوں گی۔

168 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:2188

خوارج اور عبادات کی کثرت کا بیان

169- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ هَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ فِى الْحَرُوْرِيَّةِ شَيْئًا فَقَالَ سَمِعْتُهُ يَذْكُرُ قَوْمًا يَتَعَبَّدُوْنَ يَحْقِرُ اَحَدُكُمْ صَلٰوتَهٗ مَعَ صَلٰوتِهِمْ وَصَوْمَهٗ مَعَ صَوْمِهِمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ اَخَذَ سَهْمَهٗ فَنَظَرَ فِىْ نَصْلِهٖ فَلَمْ يَرَ شَيْئًا فَنَظَرَ فِىْ رِصَافِهٖ فَلَمْ يَرَ شَيْئًا فَنَظَرَ فِىْ قِدْحِهٖ فَلَمْ يَرَ شَيْئًا فَنَظَرَ فِى الْقُذَذِ فَتَمَارٰى هَلْ يَرٰى شَيْئًا اَمْ لَا

ابوسلمہ نامی راوی بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خارجیوں کے بارے میں کچھ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے؟ تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کا تذکرہ کیا تھا جو اتنے عبادت گزار ہوں گے کہ تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں کو ہیچ سمجھو گے لیکن وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانے سے پار ہو جاتا ہے۔ آدمی اس تیر کو پکڑتا ہے اس کے پھل کو دیکھتا ہے' تو اسے وہاں کچھ نظر نہیں آتا اس کے پر لپیٹے ہوئے پٹھے کو دیکھتا ہے' تو وہاں بھی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ بغیر پر والے تیر کو دیکھتا ہے' تو وہاں بھی کچھ نظر نہیں آتا۔ پھر وہ اس کے پروں کو دیکھتا ہے' تو اسے شک گزرتا ہے کہ کیا اس نے کچھ دیکھا ہے یا نہیں۔

شرح

حروریہ": حروراء کی طرف نسبت ہے جو کوفہ کے قریب ایک بستی کا نام ہے اس سے مراد خوارج ہیں، انہیں حروریہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اسی بستی سے خروج کیا تھا۔

ظاہری عبادت وریاضت اگر عقیدہ اسلام سے الگ ہو کر کی جارہی ہے تو وہ بیکار محض ہے، یہ بھی پتہ چلا کہ بدعت کی نحوست سے صوم وصلاۃ جیسی اہم عبادتیں بھی مقبول نہیں ہوتیں، تیر شکار سے پار نکل جانے میں جس قدر سرعت رکھتا ہے، اہل بدعت خصوصاً خوارج دین سے خارج ہونے میں سریع تر ہیں۔

خوارج کا بدترین مخلوق ہونے کا بیان

170- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بَعْدِىْ مِنْ اُمَّتِىْ اَوْ

169 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 3610' ورقم الحدیث: 5058' ورقم الحدیث: 5978' ورقم الحدیث: 6163' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 2452' ورقم الحدیث 2453۔

170 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2466۔

سَيَكُوْنُ بَعْدِيْ مِنْ اُمَّتِيْ قَوْمٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ حُلُوْقَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ فِيْهِ هُمْ شِرَارُ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ

قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الصَّامِتِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَافِعِ بْنِ عَمْرٍو اَخِي الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو الْغِفَارِيِّ فَقَالَ وَاَنَا اَيْضًا قَدْ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: میرے بعد میری امت میں (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) عنقریب میرے بعد میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا' وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانے سے پار ہو جاتا ہے اور پھر وہ دوبارہ دین میں واپس نہیں آئیں گے وہ ساری مخلوق کے بدترین لوگ ہوں گے۔

عبداللہ بن صامت نامی راوی بیان کرتے ہیں: میں نے بعد میں اس روایت کا تذکرہ حضرت رافع بن عمرو رضی اللہ عنہ سے کیا جو حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں' تو انہوں نے بتایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔

شرح

خلق" سے مراد لوگ، اور "خلیقہ" سے چوپائے اور جانور ہیں، اس حدیث سے پتہ چلا کہ خارجی جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

خوارج کا تلاوت کرنے اور اسلام سے خارج ہونے کا بیان

171- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَقْرَاَنَّ الْقُرْاٰنَ نَاسٌ مِّنْ اُمَّتِيْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ

: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''میری امت کے کچھ لوگ قرآن ضرور پڑھیں گے لیکن وہ اسلام سے یوں نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانے سے پار ہو جاتا ہے''۔

شرح

اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جنہوں نے اہل بدعت کی تکفیر میں توقف کیا ہے، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی امت میں شمار فرمایا، معلوم ہوا کہ وہ امت سے خارج نہیں، اگرچہ فاسق ہوں، اور اکثر سلف کا یہی مذہب ہے، چنانچہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا کہ علماء اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ خوارج باوجود گمراہی کے مسلمانوں کے فرقوں میں سے ہیں، اور ان سے نکاح کرنا جائز ہے، ان کا ذبیحہ حلال ہے، اور ان کی گواہی مقبول ہے، اور علی رضی اللہ عنہ سے پوچھ گیا: کیا وہ کافر ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: "وہ کفر سے بھاگے ہیں" یعنی وہ کافر نہیں ہیں، پھر پوچھا گیا: کیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا: "وہ اللہ کو صبح وشام یاد کرتے

171: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ہیں"، پھر پوچھا گیا: وہ کون ہیں؟ فرمایا: "وہ ایک ایسی قوم ہے جو فتنے کا شکار ہوگئی جس سے وہ اندھے اور بہرے ہوگئے۔

منافق کی گردن اڑا دینے کا بیان

172- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ اَنْبَاَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ اَبِی الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعْرَانَةِ وَهُوَ يَقْسِمُ التِّبْرَ وَالْغَنَائِمَ وَهُوَ فِی حِجْرِ بِلَالٍ فَقَالَ رَجُلٌ اعْدِلْ يَا مُحَمَّدُ فَاِنَّكَ لَمْ تَعْدِلْ فَقَالَ وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ بَعْدِی اِذَا لَمْ اَعْدِلْ فَقَالَ عُمَرُ دَعْنِی يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَتّٰى اَضْرِبَ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا فِی اَصْحٰبٍ اَوْ اُصَيْحَابٍ لَهُ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ

◄► حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ کے مقام پر موجود تھے اور آپ سونے کے ٹکڑے اور مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جھولی میں موجود تھے ایک شخص بولا: اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عدل سے کام لیجئے' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عدل سے کام نہیں لے رہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارا ستیاناس ہو میں عدل سے کام نہیں لوں گا' تو میرے بعد کون عدل سے کام لے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کے کچھ ایسے ساتھی بھی ہوں گے جو قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر نشانے سے پار ہو جاتا ہے۔

شرح

جعرانہ": مکہ سے آٹھ نو میل پر ایک مقام کا نام ہے، جہاں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے غنائم تقسیم کیے تھے، اس وقت جس شخص نے اعتراض کیا تھا وہ ذوالخویصرہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ مصلحت اس کی گردن مارنے کی اجازت نہ دی، ایسا نہ ہو کہ کہیں مشرکین میں یہ مشہور ہو جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرتے ہیں۔

خوارج جہنمی کتے ہیں

173- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِی شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ الْاَزْرَقُ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنِ ابْنِ اَبِی اَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَوَارِجُ كِلَابُ النَّارِ

◄► حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "خوارج جہنم کے کتے ہیں"۔

172 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

173 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

خوارجیوں کا ایمان حلق سے نیچے نہ ہونے کا بیان

174- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَنْشَأُ نَشْءٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كُلَّمَا خَرَجَ قَرْنٌ قُطِعَ أَكْثَرَ مِنْ عِشْرِينَ مَرَّةً حَتَّى يَخْرُجَ فِي عِرَاضِهِمُ الدَّجَّالُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا' جب بھی ان کا کوئی ایک گروہ ظاہر ہوگا' تو اسے ختم کر دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: جب بھی ان کا گروہ ظاہر ہوگا' اسے ختم کر دیا جائے گا۔ میں نے بیس مرتبہ سے زیادہ یہ بات آپ ﷺ سے سنی یہاں تک کہ انہی کے آخری حصے میں دجال ظاہر ہوگا۔

سر منڈانا علامت خوارج ہونے کا بیان

175- حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ أَبُو بِشْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ أَوْ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ أَوْ حُلُوقَهُمْ سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ إِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ أَوْ إِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''آخری زمانے میں (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) اس امت میں ایک قوم آئے گی جو قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا (یہاں ایک لفظ کے بارے میں راوی کو شک ہے) ان کا مخصوص علامتی نشان سر منڈانا ہوگا' جب تم انہیں دیکھو (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) جب تمہارا ان سے سامنا ہو' تو تم انہیں قتل کر دو''۔

خوارج کے بدترین مقتولوں کا بیان

176- حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ أَبِي سَهْلٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي غَالِبٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ يَقُولُ شَرُّ قَتْلَى قُتِلُوا تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ وَخَيْرُ قَتِيلٍ مَنْ قَتَلُوا كِلَابُ أَهْلِ النَّارِ قَدْ كَانَ هَؤُلَاءِ مُسْلِمِينَ

174 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

175 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:4766

176 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث:3000

تَصَارُوْا كُفَّارًا قُلْتُ يَا اَبَا اُمَامَةَ هٰذَا شَيْءٌ تَقُوْلُهُ قَالَ بَلْ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابو غالب بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لاشیں ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا: آسمان کے نیچے سب سے بدترین مقتول ہیں اور سب سے بہترین مقتول وہ ہیں جو ان کے ہاتھوں شہید ہوئے یہ پہلے مسلمان تھے پھر کافر ہو گئے۔ ابو غالب بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: آپ خود یہ بات کہتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ بات سنی ہے۔

شرح

اس قتل وغارت گری میں زمانہ جاہلیت کے کفار کی طرح ہو گئے، جب کہ دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " لا ترجعوا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (اے مسلمانو! میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو)، زمانہ جاہلیت میں عربوں میں قبائلی نظام کے تحت چھوٹے چھوٹے مسائل کے تحت آئے دن آپس میں خونریزی اور قتل وغارت گری کے واقعات پیش آتے تھے، انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی، اسلام نے انسانی جانوں کا بڑا احترام کیا، اور بلا کسی واقعی سبب کے خونریزی کو بہت بڑا گناہ اور جرم قرار دیا، اب تو مسلم معاشرہ ایک نظم وضبط میں بندھ گیا تھا، جرائم پر حدود وقصاص اور دیت کا ایک مستقل نظام تھا، اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو عہد جاہلیت کے غلط طریقے پر اس حدیث میں تنبیہ فرمائی، اور ایسے اسلوب میں خطاب کیا کہ حقیقی معنوں میں لوگ ہنگامہ آرائی اور قتل وغارت گری اور خونریزی سے اپنے آپ کو دور رکھیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تربیت فرمائی تھی کہ دوبارہ وہ عہد جاہلیت کے کاموں سے اپنے آپ کو دور رکھنے میں غایت درجہ کا لحاظ رکھتے تھے، تا کہ ان کے اعمال اکارت اور بے کار نہ جائیں۔

بَابُ: فِيْمَا اَنْكَرَتِ الْجَهْمِيَّةُ

باب وہ روایات جن سے جہمیہ کا انکار ہوتا ہے

تعارف فرقہ جہمیہ، امتیازی عقائد ونظریات اور اس کا حکم

جہم بن صفوان سمرقندی کی طرف منسوب فرقہ کا نام جہمیہ ہے، اس فرقہ کے عجیب وغریب عقائد ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی نفی کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ وجود مطلق کا نام ہے، پھر اس کے لئے جسم بھی مانتے ہیں، جنت اور جہنم کے فناء ہونے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک ایمان صرف معرفت کا نام ہے اور کفر فقط جہل کا نام ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسم کے قائل ہیں، ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا کوئی فعل نہیں ہے، اگر کسی کی طرف کوئی فعل منسوب ہوتا ہے تو وہ مجازا ہے۔

جہم بن صفوان، جعد بن درہم کا شاگرد تھا، جعد وغیرہ کا مذہب یہ بھی تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نہیں ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ نہیں ہیں، خالد بن عبداللہ القسری نے واسط شہر میں عید الاضحیٰ کے دن لوگوں کی موجودگی میں جعد بن

قربانی کی اور اُسے ذبح کر دیا، معتزلہ نے بھی کچھ عقائد ان سے لئے ہیں۔ (شرح عقیدۃ طحاویہ ۵۲۲)

جہمیہ "ایک گمراہ فرقہ ہے جو جہم بن صفوان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور رویت باری تعالیٰ اور اثبات صفات الٰہیہ وغیرہ بہت سے اصولی مسائل میں وہ اہل سنت کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے، یہ بدعتی فرقہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتا ہے، اور قرآن کو اللہ کا کلام نہ مان کر اسے مخلوق مانتا ہے، جب کہ امت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ اللہ رب العزت اور اس کے انبیاء ورسل اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے جو اسماء وصفات ثابت ہیں، ان پر ایمان لایا جائے، اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے جیسا کہ اس کے لائق ہے ثابت کیے جائیں، اور اس سلسلے میں کسی مخلوق سے اس کی تشبیہ نہ دی جائے، اور نہ کسی مخلوق سے اس کی مثال دی جائے، نہ اس کے ثابت شدہ معنی میں کوئی باطل تاویل اور ناروا تحریف کی جائے، اور نہ اللہ رب العزت کی ذات کو ان اچھے معانی سے الگ کیا جائے، اس لئے اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ) (سورۃ الشوریٰ: 11): (اللہ کے ہم مثل کوئی چیز نہیں ہے، اور وہ سمیع (سننے والا) اور بصیر (دیکھنے والا) ہے)، اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سے ہر مثال اور تشبیہ کو الگ قرار دیا ہے، اور ساتھ ہی اپنے لئے سمیع اور بصیر کی صفت بیان کی ہے، یہ اور اس طرح کی بے شمار آیات واحادیث کی روشنی میں سلف صالحین کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تمام ثابت ناموں اور خوبیوں پر کامل ایمان لایا جائے، اسی طرح سے سلف کا دلائل کی بناء پر اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ متکلم ہے، جب وہ چاہتا ہے بولتا ہے، اور قرآن مجید اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام مبارک ہے جس کو اس نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا، جس طرح سے کہ پچھلے انبیاء کے پاس کتابیں بھیجیں، پس ہم کلام اللہ کو اس کی صفت مانتے ہیں، اور اس سلسلہ میں جہمیہ نے قرآن کے مخلوق ہونے کا جو عقیدہ گھڑا اس کو باطل سمجھتے ہیں، بلکہ ائمہ دین نے خوارج، قدریہ اور مرجئہ کو گمراہ اسلامی فرقوں کی اصل بتایا ہے، اور جہمیہ کو اصل دین اسلام ہی سے خارج کر دیا ہے۔

رؤیت باری تعالیٰ کے دلائل کا بیان

177- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبِي وَوَكِيعٌ ح و حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا خَالِي يَعْلَى وَوَكِيعٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تَضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَوةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا ثُمَّ قَرَأَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ

177. اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 554 ورقم الحدیث: 573 ورقم الحدیث: 4851 ورقم الحدیث 7434 ورقم الحدیث 7435 ورقم الحدیث 7436 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 1433 ورقم الحدیث: 1432 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4729 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 2551۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں رات میں چاند کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا: بے شک تم لوگ عنقریب اپنے پروردگار کی اس طرح زیارت کرو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو تمہیں اسے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں آ رہی تو اگر تم سے ہو سکے تو تم سورج طلوع ہونے سے پہلے والی نماز اور سورج غروب ہونے سے پہلے والی نماز کے حوالے سے مغلوب نہ ہو جانا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔ ''سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے تم اپنے پروردگار کی حمد اور ثنا کی بیان کرو۔''

شرح

اہل سنت و جماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ایک ایسی حقیقت ہے جس کا وجود عقلاً بھی درست ہے اور اس دیدار کے لئے اللہ تعالیٰ کا کسی خاص جگہ (مقام پر اور کسی خاص سمت و جہت میں موجود و قائم ہونا نیز اس کی ذات کا اور دیکھنے والوں کا آمنے سامنے ہونا قطعی ضروری اور شرط کے درجہ کی چیز نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی ذات اور اپنے وجود کے اعتبار سے جو کچھ بھی ہے اسی حیثیت کے ساتھ اس کا دیکھا جانا ممکن ہے اگرچہ وہ جسم و جسمانیت سے ماوراء اور مکان و جہت کی قید سے آزاد ہے۔ رہی یہ بات کہ چیز مرئی (یعنی کھلی آنکھوں سے نظر آنے والی چیز) کو دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ جسم ہو، کسی خاص جگہ و مقام پر موجود قائم ہو اور نگاہ کی سمت و جہت میں ہو تو دیکھنے میں ان چیزوں کا عمل دخل ہونا دراصل اس لئے ضروری ہے کہ قدرت نے اسی طرح کا نظام جاری فرمایا ہے اور انسانی نگاہ و بصر کو اپنا فعل انجام دینے کے لئے ان اسباب کا پابند بنا دیا ہے، اگر قادر مطلق اس جاری نظام اور عادت کے برخلاف ان عوامل کے بغیر بھی کسی کو کوئی چیز دکھانا چاہے تو بے شک اس پر قادر ہے اور ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔ پس اس میں کوئی خلاف عقل بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن انسانی نگاہ میں بصیرت یعنی چشم قلب کی قوت رکھ دے کہ جس طرح آج دنیا میں اہل ایمان کو بصیرت سے پاتے اور دیکھتے ہیں کل کو آخرت میں بصر یعنی سر کی آنکھوں سے اس کو دیکھیں گے۔

رؤیت کا تعلق آخرت سے ہے: تمام علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ دیدار تمام اہل ایمان کو آخرت میں نصیب ہوگا اس کا ثبوت وہ قرآنی آیات، احادیث صحیحہ، اجماع صحابہ و تابعین اور اقوال ائمہ جو اس ضمن میں مذکور و منقول ہیں تاہم کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق تعالیٰ کے اس دیدار کے منکر ہیں انہوں نے دیدار الٰہی سے متعلق قرآنی آیات و احادیث اور منقول دلیل کی جس طرح تاویل کی ہے، اس کی تفصیل اور علماء حق کی طرف سے ان کی تاویلات کے مضبوط جوابات مختلف تحقیقی کتابوں میں مذکور ہیں۔ عورتیں بھی روایت سے محروم نہ رہیں گی: عورتوں کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کو دیدار ہوگا اور بعض انکار کرتے ہیں لیکن درست یہ ہے کہ عورتیں اس سعادت سے محروم نہ رہیں گی مردوں کی طرح ان کو بھی حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا لیکن بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان (عورتوں) کو بعض خاص ایام میں جیسے جمعہ کے ایام میں یا عیدین کے دن ہی دیدار کی سعادت ملے گی جو عام بازیابی کے اوقات ہوں گے۔

جو حضرات مطلقاً عورتوں کے دیدار کے منکر ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ عورتیں چونکہ خیموں میں پردہ نشین ہوں گی جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے حور مقصورات فی الخیام لہٰذا ان کو دیدار کیسے ہو سکتا ہے، یہ ایک ناقابل التفات بات ہے کیونکہ اول تو دیدار الٰہی کے بارے میں جو آیات و احادیث منقول ہیں ان میں کوئی خصوص مذکور نہیں ہے بلکہ وہ سب عموم پر محمول ہیں اور مرد و عورتوں سب کو شامل ہیں دوسرے یہ کہ عالم آخرت کو دنیا میں قیاس کرنا اور وہاں عورتوں کے خیمے میں رہنے کو دنیا کے پردہ پر منطبق کرنا بجائے خود غلط ہے کیونکہ جنت کے خیمے (کہ جن میں وہاں کی عورتیں رہیں گی) پردہ و حجاب کو مستلزم نہیں ہوں گے، علاوہ ازیں یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ فاطمہ زہراء، خدیجہ کبریٰ، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن اور دوسری امہات المومنین نیز ان جیسی دیگر عظیم خواتین جو لاکھوں کروڑوں مردوں سے زیادہ عظمت و فضیلت رکھتی ہیں آخر کس طرح دیدار الٰہی کی سب سے بڑی سعادت سے محروم رہ سکتی ہیں۔ جنات اور ملائکہ کو بھی اللہ کی رویت حاصل ہوگی۔

جنات اور ملائکہ کے بارے میں بھی اختلافی اقوال ہیں کہ آیا ان کو دیدار الٰہی نصیب ہوگا یا نہیں؟ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے علاوہ دیگر فرشتوں کو اللہ کے دیدار کی سعادت حاصل نہیں ہوگی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی اس سعادت سے ایک ہی بار مشرف ہوں گے اور اسی طرح جنات بھی دیدار الٰہی سے محروم رہیں گے لیکن اس سلسلہ میں صحیح و درست قول یہی ہے کہ دیدار الٰہی کی سعادت تمام اہل ایمان کے لئے ہے کیا انسان کیا فرشتے اور کیا جنات۔ دنیا میں اللہ کی رویت: یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ کیا اس دنیا میں بحالت بیداری کھلی آنکھوں سے اللہ کا دیدار ہو سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں ارباب تحقیق نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ حق تعالیٰ کا دیدار دنیا میں بھی ممکن تو ہے لیکن بالاتفاق غیر واقع ہے، رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں اللہ کا دیدار ہونا امر واقع ہے تو یہ استثنائی صورت ہے اگرچہ بعض حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں بچشم سر اللہ کا دیدار ہوا تھا۔

بہر حال محدثین فقہاء متکلمین اور مشائخ طریقت سب اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ نہ آج تک اس دنیا میں کسی کو بھی، خواہ وہ کوئی بڑے سے بڑا ولی ہی کیوں نہ ہو، اللہ کا دیدار حاصل ہوا ہے نہ اولیاء اللہ اور مشائخ میں سے کسی نے اس کا دعویٰ کیا ہے اور نہ آئندہ کسی کو حاصل ہو سکتا ہے، بلکہ مشائخ نے متفق طور پر یہاں تک کرتے ہیں) تو اس کی تکذیب کرنا اور اس کو گمراہ قرار دینا لازم ہے۔ فقہ شافعی کی مستند کتاب "انوار" میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ میں اس دنیا میں بچشم سر عیاناً خدا کو دیکھتا ہوں اور اللہ مجھ سے بالمشافہ گفتگو کرتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن ہے اور انسانی حاسہ بصر میں ایسا کوئی نقص بھی نہیں کہ کسی چیز کو دیکھنے میں رکاوٹ پیش آئے تو پھر حق تعالیٰ کے دیدار نہ ہونے کا سبب کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دیکھنا اور نظر آنا دراصل نظام قدرت اور تخلیق الٰہی کا سبب ہے نہ کہ اس کی اصل علت اور حاسہ بصر ہے جو انسان اپنی آنکھوں میں لئے پھرتا ہے۔ حاسہ بصر تو صرف ایسا ظاہری سبب ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایک خاص نظام اور معمول کے تحت ذریعہ بنا دیا ہے اگر وہ کسی کو دیکھنا چاہے تو آنکھوں کی بینائی کے بغیر بھی دکھا سکتا ہے اور اگر کسی کو نہ دکھانا چاہے تو وہ کھلی آنکھ اور مضبوط بینائی رکھنے کے باوجود نہیں دیکھ سکتا مثلاً ایک بڑا پہاڑ سامنے ہو اور اللہ کسی کی آنکھوں میں دیکھنے کی صفت پیدا نہ کرے تو وہ

اس پہاڑ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا اسی طرح اگر کوئی اندھا شخص دنیا کے مشرقی کنارے پر ہو اور دنیا کے مغربی کنارے پر ایک پتھر پڑا ہو اور اللہ تعالیٰ اس اندھے کو وہ پتھر دکھانا چاہے تو یہ یقیناً دیکھ سکتا ہے پس واضح ہوا کہ دیکھنا یا دکھانا نظام قدرت کے تحت ہے آنکھ کا عمل یا غیر عمل بے شک ہے لیکن آنکھ کا وہ عمل یا اس عمل کی وہ طاقت جس سے انسان دیکھنے پر قادر ہوتا ہے غیر محدود اور خود مختار نہیں ہے بلکہ اس کی کارکردگی اس حد تک ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو کارگر کیا ہے حق تعالیٰ کی مصلحت چونکہ یہی ہے کہ وہ انسان کو دنیا میں اپنا دیدار نہ کرائے اس لئے اس نے حاسہ بصر میں وہ توانائی ہی نہیں رکھی جس سے اللہ کو دیکھا جا سکے۔ اس بات کو دنیا کی عام چیزوں پر قیاس کرنا ذہن و قیاس کی مہمل تابعداری ہے۔

خواب کی حالت میں اللہ کی رؤیت

کیا خواب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوسکتا ہے اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ خواب کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ صرف ممکن امر واقع بھی ہے اور یہ از روئے عقل و نقل کچھ بعید بھی نہیں ہے ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ایک قلبی مشاہدہ ہے جس کا تعلق مثال سے ہوتا ہے نہ کہ مثل سے اور اللہ کا مثل نہیں ہے۔ بہر حال بحالت خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اللہ رسیدہ لوگوں سے ثابت ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے، میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو دریافت کیا کہ وہ کون سا عمل ہے جو آپ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟ فرمایا تلاوت قرآن کریم۔" پھر پوچھا کہ معانی و مطالب سمجھنے کے ساتھ یا اس کے بغیر! فرمایا" خواہ معانی سمجھنے کے ساتھ تلاوت کرے یا اس کے بغیر ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی رویت ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دیدار میں کوئی مشکل نہ آنے کا بیان

178- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عِيسَى الرَّمْلِيُّ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَضَامُّونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قَالُوا لَا قَالَ فَكَذَلِكَ لَا تَضَامُّونَ فِي رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "تم لوگ چودھویں رات میں چاند کو دیکھنے میں کسی مشکل کا شکار ہوتے ہو؟ لوگوں نے عرض کی: جی نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اسی طرح تم لوگ قیامت کے دن اپنے پروردگار کو دیکھنے میں کسی مشکل کا شکار نہیں ہو گے"۔

شرح

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی اپنی حاصل

178 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شدہ نعمتوں سے لذت وکیف اٹھانے میں مشغول ہوں گے کہ اچانک ان کے سامنے ایک عظیم نور پھیل جائے گا وہ اس نور کو دیکھنے کے لئے اپنا سر اٹھائیں گے تو کیا دیکھیں گے کہ ان کے اوپر پروردگار جلوہ گر ہے اور پروردگار ان سے فرمائے گا کہ اہل جنت اسلام علیکم اور یہ (یعنی اس وقت پروردگار کا جنتیوں کو سلام کرنا) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سلام قولا من رب رحیم سے ثابت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ جنتیوں کی طرف دیکھے گا اور جنتی اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے اور وہ دیدار الٰہی میں اس قدر محو ہوں گے کہ اس وقت جنتیوں کی نعمتوں میں سے کسی چیز کی طرف توجہ والتفات نہیں کریں گے تا آنکہ پروردگار ان کی نظروں سے مخفی ہو جائے گا اور اس کا نور باقی رہ جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: رقم الحدیث، 229)

تا آنکہ ان کی نظروں سے مخفی ہو جائے گا الخ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب تک چاہے گا ان کی نظروں کے سامنے خود کو جلوہ گر رکھے گا اور پھر ان کی آنکھوں کے سامنے حجاب حائل کر دے گا لیکن اس کے جلوے کی نورانیت اور اس کے دیدار سے حاصل ہونے والے کیف وسرور کا خمار باقی رہے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ حجاب اور جنتیوں کی نظر سے پروردگار کا مخفی ہو جانا بھی اس کی طرف سے اپنے بندوں پر ایک طرح کا لطف وکرم ہی ہوگا کیونکہ پروردگار کا اہل جنت کو برابر اپنی درگاہ اور حضور وشہود میں رکھنا اور ہر وقت ان کی نظر کے سامنے جلوہ گر رہنا ایک ایسی صورت حال ہوگی جو جنتیوں کی تاب وطاقت سے باہر ہوگی، ظاہر ہے ایک دفعہ دیدار کرنے کے بعد پھر ان کو اتنے عرصہ کی ضرورت ہوگی جس میں وہ خود کو سنبھال سکیں اور اپنی اصل حالت پر واپس آجائیں تاکہ جنت کی دوسری نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر ذات باری تعالیٰ کی تجلی کا استحقاق نئے سرے سے حاصل کرسکیں اور ہر بار دیدار الٰہی کا نیا ذوق اور نیا کیف وسرور حاصل کریں۔

سورج کو دیکھنے سے مشابہت ہونے کا بیان

179- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَرَى رَبَّنَا قَالَ تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ فِي الظَّهِيرَةِ فِي غَيْرِ سَحَابٍ قُلْنَا لَا قَالَ فَتُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فِي غَيْرِ سَحَابٍ قَالُوا لَا قَالَ إِنَّكُمْ لَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ إِلَّا كَمَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَتِهِمَا،

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا ہم اپنے پروردگار کا دیدار کریں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عین دوپہر کے وقت جب بادل نہ ہوں تو کیا سورج کو دیکھنے میں تمہیں مشکل محسوس ہوتی ہے؟ ہم نے عرض کی: جی نہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بادل نہ ہوں تو چودھویں رات میں چاند کو دیکھنے میں تمہیں کوئی مشکل ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کی: جی نہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اپنے پروردگار کو دیکھنے میں اسی طرح کوئی مشکل محسوس نہیں کرو گے جس طرح تمہیں ان دونوں کو دیکھنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی ہے۔

179 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح

اس حدیث سے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے صفت علو اور مومنین کے لئے اس کی رویت ثابت ہوتی ہے، اور اس میں جہمیہ اور معتزلہ دونوں کا ردو ابطال ہوا، جو اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی رویت نیز اللہ تعالیٰ کے لئے علو اور بلندی کی صفت کے منکر ہیں۔

رؤیت کو چاند سے تشبیہ دینے کا بیان

180- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ وَكِيْعِ بْنِ حُدُسٍ عَنْ عَمِّهٖ اَبِیْ رَزِيْنٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَرَى اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا اٰيَةُ ذٰلِكَ فِیْ خَلْقِهٖ قَالَ يَا اَبَا رَزِيْنٍ اَلَيْسَ كُلُّكُمْ يَرَى الْقَمَرَ مُخْلِيًا بِهٖ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ فَاللّٰهُ اَعْظَمُ وَذٰلِكَ اٰيَةٌ فِیْ خَلْقِهٖ

حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا ہم میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا؟ اللہ کی مخصوص نشانی کیا ہوگی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابورزین رضی اللہ عنہ! کیا تم میں سے ہر ایک شخص خالی چاند کو نہیں دیکھتا (یعنی اس وقت جب بادل نہ ہوں) راوی کہتے ہیں: میں نے عرض کی: جی ہاں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تو بڑا ہے اور یہ اس کی مخلوق میں اس کی صرف ایک نشانی ہے۔

دیدار باری تعالیٰ اور کلام کرنے کا بیان

181-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ وَكِيْعِ بْنِ حُدُسٍ عَنْ عَمِّهٖ اَبِیْ رَزِيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ رَبُّنَا مِنْ قُنُوْطِ عِبَادِهٖ وَقُرْبِ غِيَرِهٖ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَ يَضْحَكُ الرَّبُّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ لَنْ نَعْدِمَ مِنْ رَّبٍّ يَضْحَكُ خَيْرًا

حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارا پروردگار اپنے بندوں کے (اپنی ذات سے مایوس ہونے اور اپنے علاوہ دوسرے کے قریب ہونے پر ہنس دیتا ہے) راوی بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا پروردگار بھی ہنستا ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا جی ہاں' تو میں نے عرض کی: ہم ایسے پروردگار سے بھلائی حاصل کرنے میں محروم نہیں رہیں گے جو ہنس بھی دیتا ہے (یعنی وہ صرف غصے والا ہی نہیں ہے)

180 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4731

181 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عرش کا پانی پر ہونے کا بیان

182- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ وَكِيْعِ بْنِ حَدَسٍ عَنْ عَمِّهٖ اَبِىْ رَزِيْنٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيْنَ كَانَ رَبُّنَا قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ خَلْقَهٗ قَالَ كَانَ فِىْ عَمَاءٍ مَا تَحْتَهٗ هَوَاءٌ وَّمَا فَوْقَهٗ هَوَاءٌ ثُمَّ خَلَقَ عَرْشَهٗ عَلَى الْمَاءِ

◆◆ حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہمارا پروردگار کہاں تھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہ ایک بادل میں تھا جس کے نیچے بھی خلاء تھی اس کے اوپر بھی خلاء تھی اور اس نے اپنے عرش کو پانی پر پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے کی ممانعت کا بیان

183- حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ الْمَازِنِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَهُوَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ اِذْ عَرَضَ لَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ فِى النَّجْوٰى قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُدْنَى الْمُؤْمِنُ مِنْ رَّبِّهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يَضَعَ عَلَيْهِ كَنَفَهٗ ثُمَّ يُقَرِّرُهٗ بِذُنُوْبِهٖ فَيَقُوْلُ هَلْ تَعْرِفُ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَعْرِفُ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مِنْهُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّبْلُغَ قَالَ اِنِّىْ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِى الدُّنْيَا وَاَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ قَالَ ثُمَّ يُعْطٰى صَحِيْفَةَ حَسَنَاتِهٖ اَوْ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ قَالَ وَاَمَّا الْكَافِرُ وَالْمُنَافِقُ فَيُنَادٰى عَلٰى رُءُوْسِ الْاَشْهَادِ قَالَ خَالِدٌ فِى الْاَشْهَادِ شَىْءٌ مِّنِ انْقِطَاعٍ هٰؤُلَاۤءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ

◆◆ صفوان بیان کرتے ہیں' ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ ایک شخص سامنے آیا اور بولا: آپ نے سرگوشی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے، انہوں نے کہا: میں نے اللہ کے رسول کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کرے گا' اسے اپنی خاص رحمت میں ڈھانپ کر چھپالے گا اور دریافت کرے گا' کیا تم فلاں گناہ کو پہچانتے ہو؟ وہ عرض کرے گا: جی ہاں! اے میرے پروردگار! جب وہ اپنے تمام گناہوں کا اعتراف کرے گا (اور ذہن میں یہ سوچے گا کہ اب وہ ہلاکت کا شکار ہوگیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں ان پر پردہ رکھا تھا اور آج میں ان سب کو بخش دیتا ہوں تو اس شخص کو اس کی نیکیوں کی کتاب دے دی جائے گی۔ جہاں تک کافر اور منافق کا معاملہ ہے تو ان سے ساری مخلوق کے سامنے حساب

182: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3109

183: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 2441' ورقم الحدیث: 4685' ورقم الحدیث: 6070' ورقم الحدیث 7514' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 6946

لے گا۔ خالد نامی راوی بیان کرتے ہیں لفظ "اشہاد" میں کچھ انقطاع پایا جاتا ہے۔

(ارشاد باری تعالیٰ ہے)

"یہ وہ لوگ ہیں' جنہوں نے اپنے پروردگار یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کی خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے"۔

اللہ تعالیٰ کے دیدار کے وقت متوجہ ہونے کا بیان

184- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمِ الْعَبَّادَانِيُّ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ الرَّقَاشِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَهْلُ الْجَنَّةِ فِي نَعِيْمِهِمْ اِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُوْرٌ فَرَفَعُوْا رُءُوْسَهُمْ فَاِذَا الرَّبُّ قَدْ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ قَالَ وَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيْمٍ قَالَ فَيَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَلَا يَلْتَفِتُوْنَ اِلٰى شَيْءٍ مِنَ النَّعِيْمِ مَا دَامُوْا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ حَتّٰى يَحْتَجِبَ عَنْهُمْ وَيَبْقٰى نُوْرُهُ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْهِمْ فِي دِيَارِهِمْ

◄► حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "اہل جنت اپنی نعمتوں میں ہوں گے اسی طرح ان کے سامنے ایک نور ظاہر ہوگا وہ لوگ اپنے سر اٹھائیں گے تو ان کا پروردگار ان کے اوپر سے ان کی طرف تجلی ظاہر کر رہا ہوگا وہ فرمائے گا اے اہل جنت! تم پر سلام ہو"۔ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا راوی کہتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہ مراد ہے۔ "سلام' رحیم پروردگار کی طرف سے کہا جائے گا"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ انہیں دیکھے گا اور وہ لوگ اس کی طرف دیکھیں گے اس وقت وہ اپنی جنت میں سے کسی چیز کی طرف بھی توجہ نہیں کریں گے جب تک وہ اس کی طرف دیکھتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ ان سے پردہ کرلے گا البتہ اس کا نور اور اس کی برکت ان لوگوں پر ان کے گھروں میں باقی رہے گی"۔

اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلام ہونے کا بیان

185- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَدِيِّ ابْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ فَيَنْظُرُ عَمَّنْ اَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ ثُمَّ يَنْظُرُ مِنْ اَيْسَرَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا شَيْئًا قَدَّمَهُ ثُمَّ يَنْظُرُ اَمَامَهُ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَتَّقِيَ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ

◄► حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم

---

184 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

185 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6539' ورقم الحدیث: 6540' ورقم الحدیث: 7443' ورقم الحدیث: 7512' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 3245' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2415' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث: 1843

میں سے ہرایک شخص کے ساتھ براہ راست کلام کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اور اس بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ پھر وہ بندہ دیکھے گا'اسے اپنے آگے، دائیں بائیں کوئی چیز نظر نہیں آئے گی پھر وہ اپنے سامنے آگ کو پائے گا اور تم میں سے جو شخص اس سے بچ سکتا ہو وہ اس سے بچے! خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے بچے۔

شرح

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جب جنت میں لوگ داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اور ان کے درمیان کوئی حجاب (پردہ) نہ ہوگا، اس کی طرف نظر کرنے سے صرف اس ذاتِ مقدس کی عظمت وکبریائی اور جلال وہیبت ہی مانع ہوگا، پھر جب اللہ عزوجل ان پر اپنی رافت اور رحمت اور فضل وامتنان کا اظہار کرے گا تو وہ رکاوٹ دور ہو جائے گی، اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی رویت کا شرف حاصل کرلیں گے۔

جنت میں سونے چاندی کے برتن ہونے کا بیان

186 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْعَبْدِ الصَّمَدِ عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا اَبُوْعِمْرَانَ الْجَوْنِيُّ عَنْ اَبِىْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسِ الْاَشْعَرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا فِيْهِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا فِيْهِمَا وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ اَنْ يَّنْظُرُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِلَّا رِدَاءُ الْكِبْرِيَاءِ عَلٰى وَجْهِهٖ فِىْ جَنَّةِ عَدْنٍ

◄► ابوبکر بن عبداللہ اپنے والد (حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: دو جنتیں ایسی ہیں جن کے برتن چاندی کے ہیں اور ان میں موجود ہر چیز چاندی کی ہے اور دو جنتیں ایسی ہیں جن کے برتن سونے کے ہیں اور ان میں موجود ہر چیز سونے کی ہے۔ لوگوں اور ان کے پروردگار کی زیارت کرنے کے درمیان' صرف کبریائی کی چادر ہوگی' جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر' جنت عدن میں ہوگی۔

شرح

اس حدیث کا مقصد بھی یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی رویت میں رکاوٹ اس کی عظمت وکبریائی اور اس کی ہیبت اور اس کا جلال ہوگا، جس کے سبب کسی کو اس کی طرف نظر اٹھانے کی ہمت نہ ہوگی، لیکن جب اس کی رحمت ورافت اور اس کے فضل وکرم کا ظہور ہوگا یہ رکاوٹ دور ہو جائے گی، اور اہل ایمان اس کی رویت کی نعمت سے سرفراز ہو جائیں گے، اس حدیث میں فرقہ جہمیہ کا بڑا واضح اور بلیغ رد ہے جو رویت باری تعالیٰ کے منکر ہیں۔

حجاب کے بغیر دیدار الٰہی کرنے کا بیان

187 - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوْسِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ ثَابِتِ الْبُنَانِيِّ عَنْ عَبْدِ

186 اخرجه البخاري في "الصحيح" رقم الحديث: 4878' ورقم الحديث: 4879' ورقم الحديث: 4880' ورقم الحديث: 7444' اخرجه مسلم في "الصحيح" رقم الحديث: 447' اخرجه الترمذي في "الجامع" رقم الحديث: 2528

الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَيْلٰی عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ وَّقَالَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ نَادٰى مُنَادٍ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ اِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ مَوْعِدًا يُرِيْدُ اَنْ يُّنْجِزَ كُمُوْهُ فَيَقُوْلُوْنَ وَمَا هُوَ اَلَمْ يُثَقِّلِ اللّٰهُ مَوَازِيْنَنَا وَيُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا وَيُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَيُنْجِنَا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَوَاللّٰهِ مَا اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ يَعْنِيْ اِلَيْهِ وَلَا اَقَرَّ لِاَعْيُنِهِمْ

◄► حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔ ''جن لوگوں نے اچھائی کی ان کے لیے اچھائی ہے اور مزید (انعام بھی ہے)۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب ''اہل جنت'' جنت میں داخل ہو جائیں گے اور ''اہل جہنم'' جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کرے گا اے اہل جنت اللہ تعالیٰ کا تمہارے ساتھ ایک وعدہ ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ اب اسے بھی پورا کر دے تو وہ لوگ عرض کریں گے وہ کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے ہماری نیکیوں کے پلڑے کو بھاری نہیں کیا؟ کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کر دیا؟ کیا اس نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ اور ہمیں جہنم سے نجات عطا نہیں کی؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اس وقت اللہ تعالیٰ حجاب اٹھائے گا اور اہل جنت اس کا دیدار کریں گے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:) اللہ کی قسم! اہل جنت کو اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز عطا نہیں کی ہوگی' جو ان کے نزدیک اس کا دیدار کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہو اور ان کی آنکھوں کی زیادہ ٹھنڈک کا باعث ہو۔

تمام آوازوں کو گھیرنے والی سماعت کا بیان

188- حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ تَمِيْمِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَسِعَ سَمْعُهُ الْاَصْوَاتَ لَقَدْ جَاءَتِ الْمُجَادِلَةُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا فِیْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ تَشْكُوْ زَوْجَهَا وَمَا اَسْمَعُ مَا تَقُوْلُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا

◄► سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ''ہر طرح کی حمد اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے' جس کی سماعت تمام آوازوں کو گھیرے ہوئے ہے۔'' ایک جھگڑا کرنے والی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی میں اس وقت گھر کے ایک کنارے میں موجود تھی وہ عورت اپنے شوہر کی شکایت کر رہی تھی میں یہ نہیں سن سکی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ ''اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات کو سن لیا ہے' جو اپنے شوہر کے بارے میں تمہارے ساتھ بحث کر رہی ہے۔''

187 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 448' ورقم الحدیث: 449' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 2552

188 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 7385م اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3460

قرآن میں ذکر کے سبب شان میں رفعت کا بیان

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِىْ تُجَادِلُكَ فِىْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِىْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ۔(المجادلہ، ۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور (ساتھ ہی) شکوہ کیے جاتی تھی اللہ سے (اپنے رنج وغم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بیشک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات حمد وثناء کے لائق ہے جس کے سننے نے تمام آوازوں کو گھیر رکھا ہے، یہ شکایت کرنے والی خاتون آ کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس طرح چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں کہ باوجود اسی گھر میں موجود ہونے کے میں مطلقاً نہ سن سکی کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اس پوشیدہ آواز کو بھی سن لیا اور یہ آیت اتری۔ (بخاری ومسند وغیرہ)

اور روایت میں آپ کا یہ فرمان اس طرح منقول ہے کہ بابرکت ہے وہ اللہ جو ہر اونچی نیچی آواز کو سنتا ہے، یہ شکایت کرنے والی بی بی صاحبہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا جب حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اس طرح سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ کوئی لفظ تو کان تک پہنچ جاتا تھا ورنہ اکثر باتیں باوجود اسی گھر میں موجود ہونے کے میرے کانوں تک نہیں پہنچی تھیں۔ اپنے میاں کی شکایت کرتے ہوئے فرمایا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری جوانی تو ان کے ساتھ کٹی بچے ان سے ہوئے اب جبکہ میں بڑھیا ہوگئی بچے پیدا کرنے کے قابل نہ رہی تو میرے میاں نے مجھ سے ظہار کر لیا، اے اللہ میں تیرے سامنے اپنے اس دکھڑے کا رونا روتی ہوں، ابھی یہ بی بی صاحبہ گھر سے باہر نہیں نکلی تھیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر اترے، ان کے خاوند کا نام حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ تھا (ابن ابی حاتم) انہیں بھی کچھ جنون سا ہو جاتا تھا اس حالت میں اپنی بیوی صاحبہ سے ظہار کر لیتے پھر جب اچھے ہو جاتے تو گویا کچھ کہا ہی نہ تھا، یہ بی بی صاحبہ حضور سے فتویٰ پوچھنے اور اللہ کے سامنے اپنی التجا بیان کرنے کو آئیں جس پر یہ آیت اتری۔

حضرت یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں اور لوگوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ ایک عورت نے آواز دے کر ٹھہرا لیا، حضرت عمر فوراً ٹھہر گئے اور ان کے پاس جا کر توجہ اور ادب سے سر جھکائے ان کی باتیں سننے لگے، جب وہ اپنی فرمائش کی تعمیل کرا چکیں اور خود لوٹ گئیں تب امیر المومنین رضی اللہ عنہ بھی واپس ہمارے پاس آئے، ایک شخص نے کہا امیر المومنین ایک بڑھیا کے کہنے سے آپ رک گئے اور اتنے آدمیوں کو آپ کی وجہ سے اب تک رکنا پڑا، آپ نے فرمایا افسوس جانتے بھی ہو یہ کون تھیں؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا یہ وہ عورت ہیں جن کی شکایت اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر سنی یہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ ہیں اگر یہ آج صبح سے شام چھوڑ رات کر دیتیں اور مجھ سے کچھ فرماتی رہتیں تو بھی میں ان کی خدمت سے نہ ٹلتا ہاں نماز کے وقت نماز ادا کر لیتا اور پھر کمربستہ خدمت کیلئے حاضر ہو جاتا (ابن ابی حاتم، سورہ مجادلہ، بیروت)

حضرت خولہ بنت ثعلبہ اپنے چچازاد اوس ابن صامت کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں۔ حضرت اوس جب بوڑھے ہوگئے تو ان کے مزاج میں چڑچڑاپن آ گیا۔ بات بات پر وہ لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتے۔ ایک روز جھگڑتے ہوئے انہوں نے اپنی بیوی کو کہہ دیا "انت علی کظہر امی" (تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پیٹھ) زمانہ جاہلیت میں یہ طلاق کے الفاظ تھے۔ خولہ یہ سن کر ازحد پریشان ہوئیں۔ بڑھاپے میں اپنے گھر کے اجڑنے کا غم اور اپنے ننھے بچے بچیوں کے فکر نے انہیں بے چین کر دیا۔ بارگاہ رسالت میں آ کر اپنے بارے میں دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس مسئلہ کے بارے میں ابھی مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ وہ بار بار عرض کرتیں میں اس پیرانہ سالی میں کہاں جاؤں گی، میرے بچوں کا کیا بنے گا میرا بنا بنایا گھر اجڑ جائے گا۔ حضور یہی جواب فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ حضور پر وحی کی کیفیت طاری ہوگئی اور اس مسئلہ کے بارے میں تفصیلی احکام نازل ہوئے۔

قرآن کریم میں ان کا تذکرہ آنے کے باعث صحابہ کی نگاہوں میں ان کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی۔ سب ان کا احترام کیا کرتے۔ ایک روز حضرت فاروق اعظم اپنے دورِ خلافت میں کہیں جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ دوسرے بہت سے لوگ بھی تھے۔ ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور آپ کو رکنے کے لیے کہا۔ آپ فوراً رک گئے اور اس کے قریب تشریف لے گئے۔ اس کی باتیں سننے کے لیے اس کی طرف اپنا سر جھکا دیا اور اپنے ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیے یہاں تک کہ وہ اپنی پوری داستان ختم کر کے واپس چلی گئیں۔ ایک شخص نے عرض کیا کیا۔ امیر المومنین! آپ نے ایک بڑھیا کے لیے اتنے قریش کو منتظر رکھا۔ آپ نے فرمایا: اے کم فہم! تم جانتے ہو یہ کون ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا: وہ عورت ہے، جس کے شکوہ کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سن لیا۔ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہیں۔ اگر یہ رات تک کھڑی رہتیں تو میں یوں ہی کھڑا رہتا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی)

رحمت کا غضب پر سبقت لے جانے کا بیان

189- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسٰى عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهٖ بِيَدِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ الْخَلْقَ رَحْمَتِىْ سَبَقَتْ غَضَبِىْ

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اپنے دست قدرت کے ذریعے اپنے لیے یہ بات تحریر کر دی ہے۔ "میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔"

شہید کا جنت میں اللہ کے سامنے آرزو کرنے کا بیان

190- حَدَّثَنَا اِبْرٰهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِىُّ وَيَحْيَى بْنُ حَبِيْبِ بْنِ عَرَبِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِبْرٰهِيْمَ بْنِ كَثِيْرٍ الْاَنْصَارِىُّ الْحِذَامِىُّ قَالَ سَمِعْتُ طَلْحَةَ بْنَ خِرَاشٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ

189 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3543

190 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3010

لَمَّا قُتِلَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ يَوْمَ أُحُدٍ لَقِيَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا جَابِرُ لَا أُخْبِرُكَ مَا قَالَ اللّٰهُ لِأَبِيكَ وَقَالَ يَحْيَى فِي حَدِيثِهِ فَقَالَ يَا جَابِرُ مَا لِي أَرَاكَ مُنْكَسِرًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اسْتُشْهِدَ أَبِي وَتَرَكَ عِيَالًا وَدَيْنًا قَالَ أَفَلَا أُبَشِّرُكَ بِمَا لَقِيَ اللّٰهُ بِهِ أَبَاكَ قَالَ بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مَا كَلَّمَ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ وَكَلَّمَ أَبَاكَ كِفَاحًا فَقَالَ يَا عَبْدِي تَمَنَّ عَلَيَّ أُعْطِكَ قَالَ يَا رَبِّ تُحْيِينِي فَأُقْتَلُ فِيكَ ثَانِيَةً فَقَالَ الرَّبُّ سُبْحَانَهُ إِنَّهُ سَبَقَ مِنِّي أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يَرْجِعُونَ قَالَ يَا رَبِّ فَأَبْلِغْ مَنْ وَرَائِي قَالَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ

◄► حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات مجھ سے ہوئی۔ آپ نے مجھ سے دریافت کیا: اے جابر کیا وجہ ہے؟ میں تمہیں شکستہ حال دیکھ رہا ہوں۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے والد شہید ہو گئے ہیں اور وہ بال بچے اور قرض چھوڑ گئے ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں اس چیز کی خوشخبری نہ دوں جس کے ہمراہ تمہارے والد کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ملاقات کی' تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ! جی ہاں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے ساتھ حجاب کے پیچھے سے کلام کیا' لیکن تمہارے والد کو زندہ کرنے کے بعد ان کے ساتھ حجاب کے بغیر گفتگو کی اور اس نے یہ فرمایا: اے میرے بندے! میرے سامنے آرزو کر! میں تمہیں عطا کروں گا' تو انہوں نے عرض کی: اے میرے پروردگار! تو مجھے زندہ کر دے تاکہ مجھے دوبارہ تیری راہ میں قتل کیا جائے' تو پروردگار نے ارشاد فرمایا: اس بارے میں ہمارا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے کہ لوگ (دنیا میں) واپس نہیں جائیں گے۔ (تو تمہارے والد نے) عرض کی: اے اللہ! میرے پیچھے والوں تک یہ بات پہنچا دے۔

راوی بیان کرتے ہیں: (اسی بارے میں) یہ آیت نازل ہوئی: "جن لوگوں کو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا ہے تم انہیں مردہ ہرگز گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔"

شہداء کی حیات سے متعلق قرآن وحدیث سے دلائل کا بیان

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ (سورہ آل عمران۔ 169۔171)

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے پروردگار کے مقرب ہیں کھاتے پیتے ہیں وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطاء فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع

نہیں فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہداء جنت کے دروازے پر دریا کے کنارے ایک محل میں رہتے ہیں اوران کے لیے صبح شام جنت سے رزق لایا جاتا ہے۔

(مسند احمد۔ مصنف ابن ابی شیبہ۔ المستدرک۔ صحیح علی شرط مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندے قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے کھڑے ہوں گے تو کچھ لوگ اپنی تلواریں گردنوں پر اٹھائے ہوئے آئیں گے ان سے خون بہہ رہا ہوگا وہ جنت کے دروازوں پر چڑھ دوڑیں گے پوچھا جائے گا یہ کون ہیں۔ جواب ملے گا یہ شہداء ہیں جو زندہ تھے اور انہیں روزی ملتی تھی۔

(الطبرانی۔ مجموعۃ الزوائد)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر کھڑے ہوئے تھے اور حضرت مصعب زمین پر شہید پڑے تھے اس دن انہی کے ہاتھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (الاحزاب 23)

ایمان والوں میں کچھ مرد ایسے ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھلایا پھر بعض تو ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنا ذمہ پورا کر لیا اور بعض ان میں سے (اللہ کی راستے میں جان قربان کرنے کے لیے) راہ دیکھ رہے ہیں اور وہ ذرہ (برابر) نہیں بدلے۔

بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے گواہی دیتے ہیں کہ تم قیامت کے دن اللہ کے سامنے شہداء میں سے ہو پھر آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے لوگو تم ان کے پاس آیا کرو ان کی زیارت کیا کرو ان کو سلام کیا کرو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے قیامت کے دن تک جو بھی انہیں سلام کہے گا یہ اسے جواب دیں گے۔

(کتاب الجہاد لابن المبارک مرسلا)

حضرت محمد بن قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کیا کرتے تھے احد کے دن ان کو کسی نے بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے ہیں تو انہوں نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین پہنچا دیا چنانچہ اب تم سب (مسلمان) ان کے دین کے لیے جہاد کرو پھر وہ تین بار اٹھے اور ہر بار موت کے منہ تک پہنچے اور بالآخر تیسرے حملے میں شہید ہو گئے جب ان کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی اور اپنے (شہداء) ساتھی بھی ملے تو وہاں کی نعمتیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار کیا کوئی قاصد نہیں ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری یہ حالت بتا سکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارا قاصد ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر یہ آیات سنائیں ولاتحسبن سے آخر تک۔ (اخرجہ المنذری فی تفسیرہ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھے دیکھا تو فرمایا اے جابر کیا بات ہے تم فکر مند نظر آتے ہو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے والد شہید ہو گئے ہیں اور اپنے اوپر قرضہ اور اہل وعیال چھوڑ گئے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی سے بات کی تو پردے کی پیچھے سے کی لیکن تمھارے والد سے آمنے سامنے بات فرمائی اور کہا مجھ سے جو مانگو میں دوں گا تمھارے والد نے کہا مجھے دنیا میں واپس بھیج دیجئے تا کہ دوبارہ شہید ہو سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میری طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے کہ کسی کو واپس نہیں جانا تمھارے والد نے کہا: اے میرے پروردگار پیچھے والوں کو ہماری حالت کی اطلاع دے دیجئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ولا تحسبن الذین سے آخر تک۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ المستدرک)

انسانی نصیب میں عجائب کا بیان

191- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَضْحَكُ اِلٰى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ كِلَاهُمَا دَخَلَ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُ هٰذَا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُسْتَشْهَدُ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى قَاتِلِهٖ فَيُسْلِمُ فَيُقَاتِلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُسْتَشْهَدُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ ایسے دو آدمیوں پر مسکرا دیتا ہے جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دیتا ہے لیکن وہ دونوں جنت میں داخل ہوں گے ان میں سے ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہوتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے قتل کرنے والے کو توبہ کی توفیق دیتا ہے وہ اسلام قبول کر لیتا ہے اور وہ اللہ کی راہ میں جہاد میں حصہ لیتے ہوئے وہ بھی شہید ہو جاتا ہے (تو وہ دونوں جنت میں داخل ہوں گے)۔

شرح

اس حدیث سے اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کے لئے صفت ضحک (ہنسے) پر استدلال کیا ہے، اور یہ صفت رضا اور خوشی پر دلالت کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات کی طرح اس پر بھی ہم ایمان رکھتے ہیں، جیسا کہ اس ذات باری تعالیٰ کے لئے لائق وسزاوار ہے، اور اس کو ہم مخلوقات سے کسی طرح کی مشابہت نہیں دیتے، اور نہ اس صفت کے معنی کو معطل کرتے ہیں، اور نہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا بیان

192- حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى وَيُوْنُسُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِیْ

191 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4870

192 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6519 'ورقم الحدیث: 7382' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6981

يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبِضُ اللّٰهُ الْاَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَطْوِى السَّمَآءَ بِيَمِينِهٖ ثُمَّ يَقُولُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ مُلُوكُ الْاَرْضِ

◄◄ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے قبضے میں لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں دست مبارک میں لپیٹ لے گا اور پھر ارشاد فرمائے گا۔ ''میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟''

سات آسمانوں اور فرشتوں کے تذکرہ کا بیان

193- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ اَبِي ثَوْرٍ الْهَمْدَانِيُّ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمِيرَةَ عَنِ الْاَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ كُنْتُ بِالْبَطْحَاءِ فِي عِصَابَةٍ وَفِيهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرَّتْ بِهٖ سَحَابَةٌ فَنَظَرَ اِلَيْهَا فَقَالَ مَا تُسَمُّونَ هٰذِهٖ قَالُوا السَّحَابُ قَالَ وَالْمُزْنُ قَالُوا وَالْمُزْنُ قَالَ وَالْعَنَانُ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ قَالُوا وَالْعَنَانُ قَالَ كَمْ تَرَوْنَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ السَّمَآءِ قَالُوا لَا نَدْرِى قَالَ فَاِنَّ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا اِمَّا وَاحِدًا اَوِ اثْنَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا وَّسَبْعِينَ سَنَةً وَّالسَّمَآءُ فَوْقَهَا كَذٰلِكَ حَتّٰى عَدَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ثُمَّ فَوْقَ السَّمَآءِ السَّابِعَةِ بَحْرًا بَيْنَ اَعْلَاهُ وَاَسْفَلِهٖ كَمَا بَيْنَ سَمَآءٍ اِلٰى سَمَآءٍ ثُمَّ فَوْقَ ذٰلِكَ ثَمَانِيَةُ اَوْعَالٍ بَيْنَ اَظْلَافِهِنَّ وَرُكَبِهِنَّ كَمَا بَيْنَ سَمَآءٍ اِلٰى سَمَآءٍ ثُمَّ عَلٰى ظُهُورِهِنَّ الْعَرْشُ بَيْنَ اَعْلَاهُ وَاَسْفَلِهٖ كَمَا بَيْنَ سَمَآءٍ اِلٰى سَمَآءٍ ثُمَّ اللّٰهُ فَوْقَ ذٰلِكَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى

◄◄ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں کچھ لوگوں کے ساتھ ''بطحا'' میں موجود تھا ان لوگوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے وہاں سے بادل کا ایک ٹکڑا گزرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا: تم لوگ اسے کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے بتایا: ''سحاب۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مزن'' بھی کہتے ہو؟ لوگوں نے عرض کی: مزن بھی کہتے ہیں:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عنان'' بھی کہتے ہو؟ تو یہاں ابوبکر نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں لوگوں نے عرض کی: عنان بھی کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تم لوگ کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے اور آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ لوگوں نے عرض کی: ہمیں نہیں معلوم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے اور اس کے درمیان۔

(راوی کو شک ہے) ایک یا دو یا تین اور ستر (یعنی اکہتر، بہتر یا تہتر) سال کی مسافت کا فاصلہ ہے پھر اس کے اوپر جو آسمان ہے اس کا بھی اتنا فاصلہ ہے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات آسمان گنوائے۔

193 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4723' ورقم الحدیث: 4724' ورقم الحدیث: 4725' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 3320

پھر ساتویں آسمان کے اوپر ایک سمندر ہے، جس کے اوپر والے حصے اور نیچے والے حصے کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے۔

پھر اس کے اوپر آٹھ فرشتے ہیں: جن کے گھٹنوں اور پاؤں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا ہے پھر ان کی پشت کے اوپر عرش ہے، جس کے اوپر والے حصے اور نیچے والے حصے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی ذات ان سب سے بھی اوپر ہے۔

شیاطین کا چوری کلام سننے کا بیان

194- حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَضَى اللّٰهُ اَمْرًا فِي السَّمَآءِ ضَرَبَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ اَجْنِحَتَهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهِ كَاَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلٰى صَفْوَانٍ فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ فَيَسْمَعُهَا مُسْتَرِقُو السَّمْعِ بَعْضُهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ فَيَسْمَعُ الْكَلِمَةَ فَيُلْقِيهَا اِلٰى مَنْ تَحْتَهُ فَرُبَّمَا اَدْرَكَهُ الشِّهَابُ قَبْلَ اَنْ يُلْقِيَهَا اِلَى الَّذِي تَحْتَهُ فَيُلْقِيهَا عَلٰى لِسَانِ الْكَاهِنِ وَالسَّاحِرِ فَرُبَّمَا لَمْ يُدْرَكْ حَتّٰى يُلْقِيَهَا فَيَكْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ فَتَصَدَّقُ تِلْكَ الْكَلِمَةُ الَّتِي سَمِعَتْ مِنَ السَّمَآءِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی فیصلے کو ظاہر کرتا ہے تو فرشتے اس کے فرمان کے سامنے خود کو جھکاتے ہوئے اپنے پر یوں مارتے ہیں: جیسے کسی پتھر پر کوئی زنجیر ماری جاتی ہے۔ پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ کم ہوتی ہے تو وہ دریافت کرتے ہیں: تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں: حق فرمایا ہے اور وہ بلند و برتر اور سب سے بڑا ہے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:)

تو چوری چھپے سننے والے لوگ (یعنی شیاطین) جو ایک دوسرے کے اوپر ہوتے ہیں: وہ اسے سنتے ہیں: وہ ان میں سے کوئی ایک کلمہ سن لیتے ہیں: اور اس میں سے اپنے نیچے والے تک وہ منتقل کر دیتے ہیں: تو بعض اوقات ان میں سے کسی ایک تک شہاب ثاقب پہنچ جاتا ہے۔

اس سے پہلے وہ اپنے سے نیچے والے تک اس بات کو پہنچائے تاکہ وہ کاہن یا جادوگر تک اسے منتقل کر دے۔

تو بعض اوقات اسے شہاب ثاقب نہیں لگتا ہے تو وہ اس جادوگر یا کاہن تک وہ بات پہنچا دیتا ہے اور اس کے ساتھ ایک سو جھوٹی باتیں بھی ملا دیتا ہے۔ تو اس میں سے سچی بات وہ ہوتی ہے جو اس نے آسمان میں سے سنی ہوئی ہوتی ہے۔

194 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 4800 ورقم الحدیث: 7481 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 3989 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 3223

شہاب ثاقب کے مفہوم کی وضاحت کا بیان

شہاب اس ستارے کو کہتے ہیں جو رات کے وقت ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ زمانہ حال کے مشاہدات سے معلوم ہوا ہے کہ اس طرح کے ستارے جو خلا سے زمین کی طرف آتے ہیں ان کی تعداد کا اوسط دس کھرب روزانہ ہے جن میں سے دو کروڑ کے قریب ہر روز زمین کے بالائی خطے میں داخل ہوتے ہیں اور بمشکل ایک زمین کی سطح تک پہنچتا ہے۔ [illegible] کی طرف شیاطین کی پرواز میں مانع ہوتی ہو۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ آپ صحابہ کے ایک مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ستارہ ٹوٹا آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے اس ستارہ ٹوٹنے کو کیا سمجھا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی بڑا حادثہ پیدا ہونے والا ہے یا کوئی بڑا آدمی مرے گا یا پیدا ہوگا آپ نے فرمایا کہ یہ لغو خیال ہے اس کا کسی کے مرنے جینے سے کوئی تعلق نہیں یہ شعلے تو شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پھینکے جاتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمام آسمان میں جب کسی حکم کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اس کا حکم بجالانے کے لیے نہایت عاجزی سے اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں اور ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے کسی صاف پتھر پر زنجیر ماری جا رہی ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں تک اپنا پیغام پہنچا دیتا ہے پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوتی ہے تو دور والے فرشتے نزدیک والوں سے پوچھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا؟ وہ کہتے ہیں جو فرمایا بجا ارشاد فرمایا۔ فرشتوں کی یہ باتیں چوری چھپے سے سننے والے (شیطان) سن لیتے ہیں اور اوپر تلے رہ کر وہاں تک جاتے ہیں۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتے اس بات کو سننے والے شیطان پر آگ کا شعلہ پھینکتے ہیں جو اسے نیچے والے شیطان کو بات پہنچانے سے پہلے ہی جلا ڈالتا ہے۔ اور کبھی یہ شعلہ اسے بات پہنچانے کے بعد پہنچتا ہے تو اوپر والا شیطان نچلے کو بات پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ بات زمین تک آ پہنچتی ہے۔ پھر وہ بات ساحر (کاہن، نجومی) کے منہ پر جاری ہوتی ہے۔ تو اس میں وہ سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتا ہے پھر اگر اس کی کوئی بات سچی نکل آئے تو لوگ کہتے ہیں دیکھو اس نجومی نے ہمیں خبر دی کہ فلاں وقت ایسا ایسا ہوگا اور وہ بات سچ نکلی۔ یہ وہ بات ہوتی ہے جو آسمان سے چرائی گئی تھی۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر سورۃ سبا)

صفات باری سے متعلق پانچ باتوں کا بیان

195- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِىْ عُبَيْدَةَ عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنَامُ وَلَا يَنْبَغِىْ لَهٗ اَنْ يَّنَامَ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهٗ يُرْفَعُ اِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ حِجَابُهُ النُّوْرُ لَوْ كَشَفَهٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ

195 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 444 ورقم الحدیث: 445 ورقم الحدیث: 446

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ باتیں بیان کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور اس کی شان کے یہ لائق بھی نہیں ہے کہ وہ سو جائے وہ ترازو کے پلڑے کو نیچے اور اوپر کرتا رہتا ہے رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے ہی اس کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے ہی پہنچ جاتا ہے اس کا حجاب نور ہے اگر وہ اسے ہٹا دے تو اس کی ذات کے انوار ہر اس چیز کو وہاں تک جلا دیں جہاں تک نظر کام کرتی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہر عیب سے پاک ہونے کا بیان

196- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْمَسْعُودِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَنَامُ وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ حِجَابُهُ النُّورُ لَوْ كَشَفَهَا لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ كُلَّ شَيْءٍ أَدْرَكَهُ بَصَرُهُ ثُمَّ قَرَأَ أَبُو عُبَيْدَةَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور اس کی شان کے یہ لائق بھی نہیں ہے کہ وہ سو جائے وہ ترازو کو اوپر نیچے کرتا رہتا ہے اس کا حجاب نور ہے اگر وہ اسے ہٹا دے تو اس کی ذات کے انوار ہر اس چیز کو جلا دیں جہاں تک نظر کام کرتی ہے۔" پھر ابوعبیدہ نامی راوی نے یہ آیت تلاوت کی:

"برکت والی ہے وہ ذات جو آگ میں اور اس کے آس پاس میں (اپنی تجلی کو ظاہر) کر رہی ہے اور اللہ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ کے پاس جانے کا بیان

فلما جاء ها نودی ان بورك من فی النار ومن حولها . پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) آگ کے قریب پہنچے تو ندا دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہے اس پر بھی برکت ہے اور جو آگ کے آس پاس ہے اس پر بھی برکت ہے۔ آگ پر پہنچنے سے مراد ہے آگ کے قریب پہنچا جب کوئی شخص فرودگاہ کے قریب پہنچ جائے تو عرب کہتے ہیں بَلَغَ فُلَانٌ الْمَنْزِلَ فلاں شخص منزل کے قریب پہنچ گیا۔

نُودِیَ ندا دی گئی۔ نداء کے اندر قول کا معنی ہے یعنی پکار کر کہا گیا بُورِکَ مَنْ فِی النَّارِ یعنی پاک ہے وہ جو آگ کے اندر جلوہ افروز ہے اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابن عباس سعید بن جبیر اور حسن نے بھی تفسیر کی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ندا دی اور اپنا کلام سنایا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ آگ نہ تھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا نور جلوہ افروز تھا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو آگ خیال کیا تھا اسی لئے لفظ نار (آگ) کہا تھا۔

مسلم نے حضرت ابوموسیٰ کا قول نقل کیا ہے حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا ہمارے (جلسہ کے) اندر رسول نے کھڑے ہوکر پانچ باتیں فرمائیں فرمایا: اللہ سوتانہیں نہ اس کے لئے سونا سزاوار ہے وہی ترازو کے پلڑے کو اونچا نیچا کرتا ہے (یعنی گھٹاتا بڑھتا اور ذلت وعزت دیتا ہے) اس کے سامنے رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے اور دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے پیش کئے جاتے ہیں اس کا حجاب نور ہے اگر کھل جائے تو اس کی ذات کے چمکارے وہاں تک مخلوق کو سوختہ کردیں جہاں تک اس کی نظر کی رسائی ہو (یعنی سارے جہان کو جلاڈالے)۔

سعید بن جبیر نے کہا وہ بعینہ آگ ہی تھی جو اللہ (کی ذات) کے لئے حجاب تھی جیسا کہ بعض روایات میں حِجَابُهُ النُّور کی بجائے حِجَابُهُ النَّار آیا ہے۔ اس تفسیر پر اس آیت کا شمار متشابہات میں ہوگا جیسا دوسری آیت میں آیا ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وہ صرف اس بات کا انتظار کررہے ہیں کہ اللہ غمام کے سائبانوں میں ان کے پاس آپہنچے۔

چونکہ آیت مذکورہ سے اس بات کا وہم پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کسی مکان اور کسی شکل کا محتاج ہے حالانکہ خدا ہر عیب ونقص سے پاک ہے (نہ اس کو کوئی مکان گھیر سکتا ہے نہ اس کی کوئی شکل ہے یہ دونوں چیزیں اس کے لئے باعث نقص ہیں۔ مترجم) اس لئے آئندہ آیت میں اللہ نے اپنی پاکی کی صراحت کی اور فرمایا۔ وسُبحٰن اللہ رب العٰلمین۔ اور پاکی کا اقرار کرو اس اللہ کی جو سارے جہان کا رب ہے۔

مجاہد کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے بُوْرِكَتِ النَّار یعنی آگ کو برکت دی گئی۔ سعید بن جبیر روای ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا میں نے ابی کو پڑھتے سنا۔ اَنْ بُوْرِكَتِ النَّارُ وَمَنْ حَوْلَهَا اس روایت میں مَنْ حَوْلَهَا میں مَنْ زائد ہوگا (یعنی برکت نازل کی گئی آگ پر اور آگ کے گرداگرد)۔

بُوْرِكَ النَّار اور بُوْرِكَ فِي النَّار (دونوں کا ایک ہی معنی ہے عرب کہتے ہیں بارك اللّٰهُ اور بارك اللّٰهُ فِيهِ اور بارك اللّٰهُ عَلَيهِ سب کا ایک ہی معنی ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ جو آگ میں ہیں (یعنی ملائکہ) اور جو آگ کے گرد ہیں (یعنی موسیٰ (علیہ السلام)) سب کو برکت دی گئی نار کی صفت مبارکہ آتی ہے جیسے بقعہ کی صفت مبارکہ آیت فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ (مبارک مقام) میں آئی ہے۔ بعض اہل علم نے کہا: بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّار میں مضاف محذوف ہے یعنی بُوْرِكَ مَنْ فِي طَلَبِ النَّار (برکت دی گئی اس کو جو آگ کی طلب میں ہے) یا بُوْرِكَ مَنْ فِي مَكَانِ النَّار (مبارک ہے وہ جو آگ کے مقام پر ہے) بہرحال اس سے مراد حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ہیں اور مَنْ حَوْلَهَا سے ملائکہ مراد ہیں جو آگ کے آس پاس موجود تھے اللہ کی طرف۔ سے موسیٰ (علیہ السلام) کے لئے اس لفظ میں پیام برکت تھا جیسے حضرت ابراہیم کو فرشتوں کی زبانی پیام برکت ورحمت دیا گیا تھا اور فرشتوں نے کہا تھا: رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔

بعض نے کہا: مَنْ فِي النَّارِ سے مراد ملائکہ ہیں اور مَنْ حَوْلَهَا سے مراد موسیٰ (علیہ السلام)۔ جو نور موسیٰ (علیہ السلام) نے دیکھا تھا اس کے اندر ملائکہ تسبیح تحمید اور تقدیس میں مشغول تھے اور موسیٰ (علیہ السلام) آگ کے قریب تھے۔ بعض علماء نے کہا: مَنْ حَوْلَهَا کا لفظ عام ہے وادی کے اندر جو کوئی تھا سب کو یہ لفظ شامل تھا اور ارض شام (جس کا مخزن انبیاء ہونے کی وجہ سے برکات بھی کہا

گیا ہے) بھی اس میں داخل ہے اور خطاب کا صیغہ ذکر کرنے سے پہلے مَنْ حَوْلَهَا کا ذکر کرنا موسیٰ (علیہ السلام) کو ایک طرح کی بشارت اور اس امر کی پہلے سے خوشخبری ہے کہ تمہارا واقعہ بڑی عظمت والا ہوگا تمہاری برکتیں ارض شام میں پھیلیں گی ان تمام تاویلات پر سبحان اللہ رب العالمین سے دو باتیں مستفاد ہوں گی ایک تو توہم تشبیہ کی نفی ہو جائے گی دوسری بات یہ کہ آئندہ واقعہ موسیٰ (علیہ السلام) کی عظمت کا اظہار اور اس کا تعجب آفریں ہونا معلوم ہو جائے گا۔ (تفسیر در منثور، سورہ نمل، ۸، بیروت)

زمین وآسمان کی تخلیق سے خرچ ہونے کا بیان

197- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ وَاَنْبَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنُ اللّٰهِ مَلْاٰنُ لَا يَغِيْضُهَا شَیْءٌ سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارِ وَبِيَدِهِ الْاُخْرٰى الْمِيْزَانُ يَرْفَعُ الْقِسْطَ وَيَخْفِضُ قَالَ اَرَاَيْتَ مَا اَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَمْ يَنْقُصْ مِمَّا فِیْ يَدَيْهِ شَيْئًا

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: رحمان کا دایاں ہاتھ خزانے سے بھرا ہوا ہے' وہ ہمیشہ اسے خرچ کرتا رہتا ہے۔ دن اور رات کے (یعنی مسلسل) خرچ کرنے سے' کسی بھی وقت اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اور اس کے دوسرے ہاتھ میں میزان ہے۔ جسے وہ جھکاتا اور بلند کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم نے اس بات پہ غور کیا ہے؟ اس نے جب سے زمین آسمان کو پیدا کیا۔ اس وقت سے خرچ کر رہا ہے' اور پھر بھی اس کے دست عنایت میں کوئی کمی نہیں آئی۔

قیامت کے دن تکبر وغرور کرنے والوں سے پوچھا جانے کا بیان

198- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِیْ حَازِمٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مِقْسَمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ يَاْخُذُ الْجَبَّارُ سَمٰوٰتِهِ وَاَرْضِيْهِ بِيَدِهٖ وَقَبَضَ بِيَدِهٖ فَجَعَلَ يَقْبِضُهَا وَيَبْسُطُهَا ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْجَبَّارُ اَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ قَالَ وَيَتَمَيَّلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ يَّسَارِهٖ حَتّٰى نَظَرْتُ اِلَى الْمِنْبَرِ يَتَحَرَّكُ مِنْ اَسْفَلِ شَیْءٍ مِّنْهُ حَتّٰى اِنِّیْ اَقُوْلُ اَسَاقِطٌ هُوَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

◄► حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے' جبار (یعنی اللہ تعالیٰ) آسمانوں اور زمینوں کو اپنے دست قدرت میں رکھے گا پھر وہ اپنے ہاتھ کو بند کرلے گا پھر وہ اسے بند کرے گا اور کھولے گا پھر فرمائے گا میں زبردست ہوں۔ (دنیا میں خود کو) زبردست سمجھنے والے لوگ کہاں ہیں؟ تکبر

197۔ اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3045

198 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6984' ورقم الحدیث: 6983

کرنے والے لوگ کہاں ہیں؟

راوی بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ دائیں طرف اور بائیں طرف جھک رہے تھے' یہاں تک کہ میں نے منبر کو دیکھا جو آپ ﷺ کے نیچے حرکت کر رہا تھا میں یہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ نبی کریم ﷺ سمیت گر نہ جائے۔

دلوں کو دین پر ثابت قدم رکھنے کی دعا مانگنے کا بیان

199- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ بُسْرَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا اِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيَّ يَقُوْلُ حَدَّثَنِي النَّوَّاسُ بْنُ سَمْعَانَ الْكِلَابِيُّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ قَلْبٍ اِلَّا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ اِنْ شَآءَ اَقَامَهٗ وَاِنْ شَآءَ اَزَاغَهٗ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَا مُثَبِّتَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ قَالَ وَالْمِيْزَانُ بِيَدِ الرَّحْمٰنِ يَرْفَعُ اَقْوَامًا وَّيَخْفِضُ اٰخَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''ہر ایک دل رحمان کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے' اگر وہ چاہے' تو اسے برقرار رکھے' چاہے تو اسے ٹیڑھا کر دے''۔ نبی کریم ﷺ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے: ''اے دلوں کو ثابت رکھنے والے! تو ہمارے دلوں کو دین پر ثابت رکھنا''۔

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: ''پلڑا رحمان کے ہاتھ میں ہے وہ کچھ لوگوں کو بلند کر دیتا ہے اور کچھ دوسروں کو قیامت تک کے لیے پست کر دیتا ہے''۔

تین اعمال کی فضیلت کا بیان

200- حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ مُجَالِدٍ عَنْ اَبِي الْوَدَّاكِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَيَضْحَكُ اِلٰى ثَلٰثَةٍ لِلصَّفِّ فِي الصَّلٰوةِ وَلِلرَّجُلِ يُصَلِّيْ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ وَلِلرَّجُلِ يُقَاتِلُ اُرَاهُ قَالَ خَلْفَ الْكَتِيْبَةِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ تین لوگوں پر مسکرا دیتا ہے۔ وہ شخص جو نماز کی صف میں ہو' وہ شخص جو نصف رات کے وقت نفل نماز ادا کرے اور وہ شخص جو جنگ میں حصہ لے۔ راوی بیان کرتے ہیں میرا خیال ہے' حدیث میں یہ الفاظ ہیں' ''لشکر کے پیچھے جنگ میں حصہ لے''۔

قرآن کی تبلیغ کرنے کا بیان

201- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا اِسْرَآئِيْلُ عَنْ عُثْمَانَ يَعْنِي الْمُغِيْرَةِ

199 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

200: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

الثَّقَفِيُّ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرِضُ نَفْسَهُ عَلَى النَّاسِ فِي الْمَوْسِمِ فَيَقُوْلُ اَلَا رَجُلٌ يَحْمِلُنِيْ اِلٰى قَوْمِهِ فَاِنَّ قُرَيْشًا قَدْ مَنَعُوْنِيْ اَنْ اُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّيْ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر لوگوں کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کیا کوئی شخص مجھے اپنی قوم کے پاس لے کے جائے گا کیونکہ قریش نے تو مجھے اس بات سے روک دیا ہے کہ میں اپنے پروردگار کے کلام کی تبلیغ کروں۔

بلندی و پستی عطاء کرنے والے کا بیان

202- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْوَزِيْرُ بْنُ صَبِيْحٍ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ حَلْبَسٍ عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِهِ تَعَالٰى كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ قَالَ مِنْ شَاْنِهِ اَنْ يَّغْفِرَ ذَنْبًا وَّيُفَرِّجَ كَرْبًا وَّيَرْفَعَ قَوْمًا وَّيَخْفِضَ اٰخَرِيْنَ

سیدہ ام درداء رضی اللہ عنہا حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتی ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اس کی ہر دن نئی شان ہے''۔ (الرحمٰن ۲۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: اس کی شان یہ ہے وہ گناہ کو بخش دیتا ہے تنگی کو کشادہ کر دیتا ہے کسی ایک قوم کو بلندی عطا کرتا ہے دوسروں کو پستی نصیب کرتا ہے۔

شرح

هُوَ فِيْ شَاْنٍ: یعنی اللہ ہمیشہ ایک (نئی) شان میں نمودار ہوتا ہے۔ کسی کو زندگی دیتا ہے۔ کسی کی زندگی لے لیتا ہے۔ کسی قوم کو عزت دیتا ہے کسی کو ذلت۔ رزق دیتا ہے کسی کو زیادہ کسی کو کم بیمار کو صحت منداور تندرست کو بیمار کرتا ہے۔ مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرتا ہے سائل کو عطا کرتا ہے۔ مؤمن کے گناہ معاف کرتا ہے اور کافروں کو جہنم میں لے جاتا ہے اور گوناگوں عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور جو لوگ رب کی پیشی سے ڈرتے ہیں ان کی عزت افزائی کرتا اور جنت میں داخل فرماتا ہے۔ غرض جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: یہ بھی اللہ کی شان ہے کہ گناہ معاف کرتا ہے مصیبت کو دور کرتا ہے کسی قوم کو اونچا کرتا ہے اور کسی کو نیچا۔ (رواہ ابن ماجہ وابن حبان فی الصحیح من حدیث ابی الدرداء)

ابن جریر نے اسی طرح حضرت عبداللہ بن منیب کی روایت سے اور بزار نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

امام بغوی نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ من جملہ دوسری مخلوق کے اللہ نے موتی کی ایک لوح پیدا کی جس کے

---

201 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4734 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 2925

202 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

دونوں پٹھے سرخ یاقوت کے بنائے اس کا قلم نور ہے اس کی تحریر بھی نور ہے اللہ ہر روز تین سو ساٹھ مرتبہ اس پر نظر کرتا ہے وہی پیدا کرتا ہے رزق دیتا ہے زندگی عطا فرماتا ہے موت دیتا ہے عزت عنایت کرتا ہے ذلت دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہی مطلب (مضمون) ہے آیت کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ کا۔

حسین بن الفضل نے کہا: اللہ کی شان ہے کہ (تمام) امور مقدرہ کو ان کے مقررہ اوقات تک لے جاتا ہے۔ سلیمان دارانی نے اس آیت کی تشریح کے ذیل میں کہا: ہر روز اس کی طرف سے جدید خیر بندوں کو ملتی ہے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: کل زمانہ دو دن کا نام ہے۔ ایک دن پوری مدت دنیا ہے اور دوسرا دن روز قیامت۔ پس مدت دنیا میں اس کی شان یہ ہے کہ (بعض کاموں کو کرنے) کا حکم دیتا ہے اور بعض کاموں (کے کرنے) کی ممانعت کرتا ہے زندگی عطا کرتا ہے اور موت دیتا ہے (رزق وغیرہ) دیتا ہے اور روکتا ہے اور قیامت کے دن اس کی شان ہوگی (اعمال کا) بدلہ دینا حساب لینا اور ثواب وعذاب دینا۔ بعض اہل علم نے کہا: اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر روز تین فوجیں ایک عالم سے نکال کر دوسرے عالم میں لے جاتا ہے۔ ایک فوج کو باپوں کی پشت سے نکال کر ماؤں کے رحم میں پہنچاتا ہے اور دوسری فوج کو ماؤں کے پیٹ سے نکال کر دنیا میں لاتا ہے اور تیسری فوج کو دنیا سے نکال کر قبروں میں پہنچا دیتا ہے۔

اس کے بعد سب کے سب اللہ کی طرف کوچ کریں گے۔ مقاتل نے کہا: یہودی کہتے تھے کہ اللہ ہفتہ کے دن کوئی فیصلہ نہیں کرتا ہے۔ ان کی تردید میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر در منثور، سورہ الرحمٰن، ۲۹، بیروت)

بَابُ: مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً اَوْ سَيِّئَةً

باب اس شخص کے بیان میں ہے جو کسی اچھے یا برے طریقے کا آغاز کرے

بدعت کی اقسام کی وضاحت کا بیان

معروف مالکی فقیہ امام شہاب الدین احمد بن ادریس القرافی متوفی ۶۸۴ھ تفصیل کے ساتھ بدعت کی اقسام بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب الفروق میں رقمطراز ہیں۔

بدعت کی پانچ اقسام ہیں۔ ان میں سے پہلی قسم واجب ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو قواعد وجوب پر مشتمل ہو اور اس کی دلیل شریعت میں موجود ہو جیسے ضائع ہونے کے ڈر سے قرآن مجید اور شریعت کی تدوین۔ بے شک ہمارے بعد آنے والوں کے لیے تبلیغ کرنا اجماعاً واجب ہے اور اسے چھوڑ دینا اجماعاً حرام ہے۔ اس طرح کی چیزوں کے وجوب میں اختلاف کرنا درست نہیں ہے۔

دوسری قسم بدعت محرمہ ہے۔ یہ وہ بدعت ہے جس کی دلیل شریعت میں حرام کے قواعد کے مطابق ہو۔ جیسے ٹیکس اور ایسے نئے ظالمانہ امور جو کہ قواعد شریعت کے منافی ہوں۔ جیسے جہلاء کو علماء پر فوقیت دینا اور شریعت کے کسی ایسے عہدے پر فائز کرنا جو وراثتی طریقے سے اس کے لیے درست نہ ہو اور اس منصب کو اس شخص کے لیے درست قرار دیا جائے جو کہ اس کے باپ کے لیے تھا اور وہ

بذاتِ خود اس منصب کا اہل نہ ہو۔

اور تیسری قسم بدعت مستحبہ ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو قواعد استحباب پر مشتمل ہو اور شریعت میں اس کی حمایت میں دلائل موجود ہوں جیسا کہ نماز تراویح اور امر صحابہ کے خلاف (مصلحت وخیر کے پیش نظر) حکمرانان وقت، قاضیوں اور اہم منصب داروں کی تصویروں کو آویزاں کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شمار مصالح اور شرعی مقاصد لوگوں کے دلوں میں حکمرانوں کی عظمت ڈالے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے صحابہ کے زمانے میں صحابہ کے دین اور سابق الہجرہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے پھر نظام درہم برہم ہوگیا اور وہ زمانہ گزر گیا اور نیا زمانہ آ گیا اس زمانہ میں لوگ تصویروں کے بغیر کسی کی عظمت نہیں کرتے تھے لہٰذا تصویروں کی حیثیت کو تسلیم کرلیا گیا۔ یہاں تک کہ متعلقہ مصلحتیں حاصل ہوگئیں۔

اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود تو جو کی روٹی اور نمک کھایا کرتے تھے جبکہ اپنے عاملین کے لیے آدھی بکری روزانہ مقرر کر رکھی تھی کیونکہ اگر دوسرے عاملین بھی اسی طریقہ پر عمل کرتے جس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود تھے تو وہ عوام الناس کی نظروں میں گر جاتے اور لوگ ان کا احترام نہ کرتے اور ان کی مخالفت پر اتر آتے لہٰذا یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی دوسرے کو کسی اور شکل میں نظام کی حفاظت کے لیے تیار کیا جائے اور اسی طرح جب آپ شام گئے تو آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ پردہ کئے ہوئے اور پردہ لٹکائے ہوئے تھے اور ان کے پاس خوبصورت سواری اور اعلیٰ رعب دار کپڑے تھے اور آپ اس طرح پیش آتے جس طرح بادشاہ پیش آتے تھے پھر اس کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہم ایسے علاقے میں ہیں جہاں ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ لہٰذا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے احوال کو بہتر جانتے ہو کہ تمہیں اس کی ضرورت ہے کہ نہیں اور اگر ضرورت ہے تو یہ بہتر ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسروں کے نظائر سے یہ دلیل ملتی ہے کہ ائمہ کے احوال اور امور سلطنت، زمانے، شہروں، صدیوں کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں۔

اس طرح انہیں حسن معاملات اور حسن سیاسیات میں تنوع کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ یہ احوال پرانے نہ ہوجائیں اور بعض اوقات یہ مصلحتیں واجب ہوجاتی ہیں اور چوتھی قسم بدعت مکروہ کی ہے اور یہ وہ ہے جو شریعت اور اس کے قواعد میں سے دلائل کراہت پر مشتمل ہو جیسے بعض فضیلت والے اور بابرکت ایام کو عبادات کے لئے مخصوص کرنا۔

اس کی مثال وہ روایت ہے جسے امام مسلم اور دیگر نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے اور اسی رات کو قیام کے لئے مختص کرنے کو منع کیا ہے۔ اور اسی طرح اس باب میں محدود مندوبات کو زیادہ کرنا جیسے نمازوں کے بعد تینتیس بار تسبیح کرنا آیا ہے پھر ان کو سو بار کیا جائے، اور اسی طرح زکوٰۃ فطر کے لیے ایک صاع دینا آیا ہے پھر اسے دس صاعات بنا دیا جائے یہ اس وجہ سے ہے کہ ان امور میں زیادتی شارع پر جرات اور اس کی بے ادبی ہے۔ پس عظیم لوگوں کی شان یہ ہے کہ اگر انہیں کسی امر سے روکا جائے تو وہ رک جائیں کیونکہ اس حکم سے سرتابی سوئے ادب ہے۔ لہٰذا واجب میں زیادتی یا واجب پر زیادتی سخت منع ہے۔ کیونکہ اس طرح یہ اعتقاد پنپتا ہے کہ واجب اور اس پر زیادتی دونوں واجب ہیں۔ جیسا کہ امام مالک نے شوال کے چھ

(روزوں کو) ملانے سے منع کیا ہے۔کہیں ایسا نہ سمجھا جائے کہ یہ بھی رمضان میں سے ہیں اسی طرح امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوا پھر اس نے فرض نماز ادا کی اور ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تا کہ دو رکعتیں (نفل) پڑھے۔ تو اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ یہاں تک کہ تو اپنے فرض اور نفل میں فرق کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی وجہ سے ہم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے تو پھر اسے آقا علیہ السلام نے فرمایا! اے ابن خطاب اللہ تعالیٰ نے تجھے درست پایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ ہم سے پہلے لوگوں نے نوافل کو فرائض کے ساتھ ملا دیا انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ یہ تمام واجبات میں سے ہیں اور یہ شریعت میں تغیر ہے جو کہ اجماعاً حرام ہے۔ اور پانچویں قسم بدعت مباح ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی دلیل شریعت کے قواعد وضوابط میں اباحت کے اصولوں کے مطابق ہو جیسا کہ آٹا چھاننے کے لیے چھلنی کا استعمال کرنا اور آثار میں پہلی چیز جو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد کی وہ تھی اتخاذ المناخل للدقیق یعنی آٹا چھاننے کے لئے چھلنی کا استعمال کیونکہ زندگی میں لوگوں کی طبیعت میں نرمی ہونا اور اس کی اصلاح کرنا مباحات میں سے ہے اور اس کے تمام وسائل بھی مباح میں سے ہیں۔ (القرافی، انوار البروق فی انوار الفروق، 4،202-)

اچھے یا برے طریقے کی ابتداء کرنے کا بیان

203- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ جَرِيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا كَانَ لَهُ اَجْرُهَا وَمِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَّمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ لَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئًا

◄◄ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جو شخص کسی اچھے طریقے کا آغاز کرے اور اس پر عمل کیا جائے تو اس شخص کو بھی اس کا اجر ملے گا اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کی مانند بھی اجر ملے گا ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

جو شخص کسی برے طریقے کا آغاز کرے اور اس پر عمل کرے اس شخص پر اس کا وبال ہو گا اور اس کے بعد جو لوگ اس پر عمل کریں گے اس کا وبال بھی اس کے ذمے ہو گا اور ان لوگوں کے بوجھ (گناہ) میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

204- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ بْنِ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَثَّ عَلَيْهِ فَقَالَ رَجُلٌ عِنْدِيْ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَمَا بَقِيَ فِي الْمَجْلِسِ رَجُلٌ اِلَّا تَصَدَّقَ عَلَيْهِ بِمَا قَلَّ اَوْ كَثُرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

203 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 2348' ورقم الحدیث: 2349' ورقم الحدیث: 2350' ورقم الحدیث 6744' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 2553

204 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَنَّ خَيْرًا فَاسْتُنَّ بِهِ كَانَ لَهُ اَجْرُهُ كَامِلًا وَّمِنْ اُجُوْرِ مَنِ اسْتَنَّ بِهِ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَّمَنِ اسْتَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَاسْتُنَّ بِهِ فَعَلَيْهِ وِزْرُهُ كَامِلًا وَّمِنْ اَوْزَارِ الَّذِي اسْتَنَّ بِهِ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئًا

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (جو ضرورت مند نظر آ رہا تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو ایک صاحب بولے: میرے پاس اتنا، اتنا مال ہے (انہوں نے اتنا مال صدقہ کر دیا) راوی کہتے ہیں: اس محفل میں جتنے بھی لوگ موجود تھے ان میں سے ہر ایک نے اس شخص کو صدقہ دیا خواہ وہ کم تھا یا زیادہ تھا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اچھائی کا طریقہ شروع کرتا ہے اور اس طریقے کی پیروی کی جاتی ہے' تو اس شخص کو اس کا مکمل اجر ملتا ہے اور ان لوگوں جتنا اجر بھی ملتا ہے' جنہوں نے ان کی پیروی کی ہو اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

اور جو شخص کسی برے طریقے کا آغاز کرتا ہے' جس کی پیروی کی جاتی ہے' تو اس کا مکمل وبال اس شخص پر ہوتا ہے اور ان لوگوں کا بوجھ بھی اس شخص پر ہوگا' جو اس طریقے کی پیروی کرتے ہیں: اور ان لوگوں کے بوجھ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

بدعت کے مفہوم میں ائمہ ومحدثین کی تصریحات کا بیان

امام بیہقی (المتوفی 458ھ) نے اپنی سند کے ساتھ مناقب شافعی میں روایت کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تقسیم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: محدثات میں دو قسم کے امور شامل ہیں: پہلی قسم میں تو وہ نئے امور ہیں جو قرآن وسنت یا اثر صحابہ یا اجماع امت کے خلاف ہوں وہ بدعت ضلالہ ہے، اور دوسری قسم میں وہ نئے امور ہیں جن کو بھلائی کے لیے انجام دیا جائے اور کوئی ان میں سے کسی (امر شریعت) کی مخالفت نہ کرتا ہو پس یہ امور یعنی نئے کام محدثہ غیر مذمومہ ہیں۔ اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان میں تراویح کے قیام کے موقع پر فرمایا تھا کہ یہ کتنی اچھی بدعت ہے یعنی یہ ایک ایسا محدثہ ہے جو پہلے نہ تھا اور اگر یہ پہلے ہوتا تو پھر مردود نہ ہوتا۔ (بیہقی شعب الایمان، 3، 177، رقم:3269)

حافظ ابونعیم نے ابراہیم بن جنید کی سند سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ بدعت محمودہ 2۔ بدعت مذمومہ

جو بدعت سنت کے مطابق وموافق ہو وہ محمودہ ہے اور جو سنت کے مخالف ومتناقض ہو وہ مذموم ہے اور انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول (نعمت البدعۃ ھذہ) کو دلیل بنایا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد بھی یہی ہے جو ہم نے اس سے پہلے بیان کی ہے بے شک بدعت مذمومہ وہ ہے جس کی کوئی اصل اور دلیل شریعت میں نہ ہو جس کی طرف یہ لوٹتی ہے اور اسی پر بدعت شرعی کا اطلاق ہوتا ہے اور بدعت محمودہ وہ بدعت ہے جو سنت کے موافق ہے یعنی اس کی شریعت میں اصل ہو جس کی طرف یہ لوٹتی ہو اور یہی بدعت لغوی ہے شرعی نہیں ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری دلیل اس کی وضاحت پر یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محدثات کی دو اقسام ہیں پہلی وہ بدعت جو کتاب وسنت، اثر صحابہ اور اجماع امت کے خلاف ہو یہ بدعت ضلالہ

ہے اور ایسی ایجاد جس میں خیر ہو اور وہ ان چیزوں (یعنی قرآن وسنت، اثر اور اجماع) میں سے کسی کے خلاف نہ ہو تو یہ بدعت غیر مذمومہ ہے اور بہت سارے امور ایسے ہیں جو ایجاد ہوئے جو کہ پہلے نہ تھے جن میں علماء نے اختلاف کیا کہ کیا یہ بدعت حسنہ ہے۔ یہاں تک کہ وہ سنت کی طرف لوٹے یا نہ لوٹے اور ان میں سے کتابت حدیث ہے جس سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور صحابہ کے ایک گروہ نے منع کیا ہے اور اکثر نے اس کی اجازت دی اور استدلال کے لیے انہوں نے کچھ احادیث سنت سے پیش کی ہیں اور اسی میں سے قرآن اور حدیث کی تفسیر کرنا جس کو قوم کے کچھ علماء نے ناپسند کیا ہے اور ان میں سے کثیر علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔ اور اسی طرح حلال وحرام اور اس جیسے معاملات میں اپنی رائے سے لکھنے میں علماء کا اختلاف ہے اور اسی طرح معاملات اور دل کی باتیں جو کہ صحابہ اور تابعین سے صادر نہ ہوئی ہوں ان کے بارے میں گفتگو کرنے میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔

معروف مفسرِ قرآن امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی بدعت کی مختلف اقسام بیان کرتے ہوئے اپنی معروف تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں فرماتے ہیں۔ ہر بدعت جو مخلوق سے صادر ہوتی ہے دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتی وہ یہ کہ اس کی اصل شریعت میں ہوتی ہے یا نہیں اگر اس کی اصل شریعت میں ہو تو پھر وہ لازمی طور پر عموم کے تحت واقع ہوگی جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو پس یہ بدعت مقامِ مدح میں ہوگی اور اگر ان کی مثال پہلے سے موجود نہ ہو جیسے جود وسخاء وغیرہ کی اقسام اور معروف کام تو ایسے امور کا سرانجام دینا افعال محمودہ میں سے ہے چاہے کسی نے یہ کام پہلے نہ کیے ہوں اور یہ عمل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول، نعمت البدعۃ ہذہ کو تقویت دیتا ہے جو کہ اچھے کاموں میں سے تھی اور وہ محمود کاموں میں داخل ہیں اور وہ یہ ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کو پڑھا تھا مگر آپ نے اسے (باجماعت) ترک کر دیا اور اس کی محافظت نہیں فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا پس (بعد میں مصلحت وقت کے تحت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس (نماز تراویح) کی محافظت کی اور لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا اور انہوں نے لوگوں کو اس کی ترغیب دی تو وہ بدعت ہوئی لیکن بدعت محمودہ اور ممدوحہ ہے اور اگر وہ بدعت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف ہو تو وہ مقام ذم میں ہوگی اور یہ معنی خطابی اور دیگر نے بھی کیا ہے تو امام قرطبی کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہی معنی آقا علیہ السلام کے خطبہ سے بھی ثابت ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وشر الامور محدثاتہا وکل بدعۃ ضلالۃ اور اس سے مراد وہ کام ہے جو کتاب وسنت اور عمل صحابہ کے موافق نہ ہو اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی واضح ہوتی ہے کہ جس نے اسلام میں کسی اچھی چیز کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی اسے ملے گا اور ان کے اجر میں ذرّہ برابر بھی کمی نہیں ہوگی اور جس کسی نے اسلام میں کسی بری چیز کی ابتداء کی تو اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہوگا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والوں کی برائی کا وبال بھی اس پر ہوگا اور ان کے وبال میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی اور یہ اشارہ اس کی طرف ہے جس نے کسی اچھے یا برے کام کی ابتداء کی۔ (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 87:2)

امام ابن حزم اندلسی اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں بدعت کی تعریف اور تقسیم بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں بدعت ہر اس قول اور فعل کو کہتے ہیں جس کی دین میں کوئی اصل یا دلیل نہ ہو اور اس کی نسبت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

کی جائے لہٰذا دین میں ہر وہ بات بدعت ہے جس کی بنیاد کتاب وسنت پر نہ ہو مگر جس نئے کام کی بنیاد خیر پر ہو تو اس کے کرنے والے کو اس کے ارادۂ خیر کی وجہ سے اَجر دیا جاتا ہے اور یہ بدعتِ حسنہ ہوتی ہے اور یہ ایسی بدعت ہے جس کی اصل اباحت ہے۔ جس طرح کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نعمت البدعۃ ہذہ قول ہے۔ اور یہ وہی اچھا عمل تھا جس بے مستحب ہونے پر نص وارد ہوئی اگرچہ پہلے اس فعل پر صراحتاً نص نہیں تھی اور ان (بدعات) میں سے بعض افعال مذموم ہوتے ہیں لہٰذا اس کے فاعل کو معذور نہیں سمجھا جاتا اور یہ ایسا فعل ہوتا ہے جس کے ناجائز ہونے پر دلیل قائم ہوتی ہے اور اس کا قائل اس پر سختی سے عامل ہوتا ہے۔

(ابن حزم الاندلسی، الاحکام فی اصول الاحکام، 47:1)

امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی اپنی کتاب المدخل الی السنن الکبریٰ میں ربیع بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں کہ محدثات میں دو قسم کے امور شامل ہیں: پہلی قسم میں تو وہ نئے امور ہیں جو قرآن وسنت یا اثر صحابہ یا اجماع امت کے خلاف ہوں وہ بدعت ضلالہ ہے، اور دوسری قسم میں وہ نئے امور ہیں جن کو بھلائی کے لیے انجام دیا جائے اور کوئی ان میں سے کسی (امر شریعت) کی مخالفت نہ کرتا ہو پس یہ امور محدثہ غیر مذمومہ ہیں۔ اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رمضان میں تراویح کے قیام کے موقع پر فرمایا تھا کہ یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔ یعنی یہ ایک ایسا محدثہ یعنی نیا عمل ہے جو پہلے نہ تھا اور اگر یہ پہلے ہوتا تو پھر مردود نہ ہوتا۔

(بیہقی، المدخل الی السنن الکبریٰ، 206:1)

امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں بدعت کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔ ہر بدعت ممنوع نہیں ہوتی بلکہ ممنوع صرف بدعت وہ ہوتی ہے جو سنتِ ثابتہ سے متضاد ہو اور اس سنت کی علت کے ہوتے ہوئے امر شریعت کو اٹھا دے (مزید برآں) بعض احوال میں جب اسباب متغیر ہو جائیں تو بدعت واجب ہو جاتی ہے اور بلند دسترخوان میں یہی بات تو ہے کہ کھانے کی آسانی کے لیے کھانے کو زمین سے بلند کیا جاتا ہے اور اس قسم کے کاموں میں کراہت نہیں ہوتی۔ جن چار باتوں کو جمع کیا گیا کہ یہ بدعت ہیں تو یہ سب برابر بھی نہیں ہیں بلکہ اُشنان (ایک بوٹی جو صفائی کے کام آتی ہے) اچھی چیز ہے کیونکہ اس میں نظافت ہے کیونکہ پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے غسل مستحب ہے اور اُشنان اس نظافت کو مکمل کرتی ہے اور وہ لوگ اس لیے استعمال نہیں کرتے تھے کہ ان کی عادت نہیں تھی یا انہیں حاصل نہیں ہوتی تھی۔ یا وہ نظافت سے زیادہ اہمیت کے کاموں میں مشغول ہوتے تھے بعض اوقات وہ ہاتھ بھی نہیں دھوتے تھے اور ان کے رومال پاؤں کے تلوے ہوتے تھے (یعنی پاؤں کے تلووں سے ہاتھ صاف کر لیتے تھے) اور یہ عمل، دھونے کے استحباب کے خلاف نہیں، چھلنی سے مقصود کھانے کو صاف کرنا ہوتا ہے اور یہ جائز ہے جب تک حد سے متجاوز عیاشی کی طرف نہ لے جائے۔ اونچے دسترخوان سے چونکہ کھانا کھانے میں آسانی ہوتی ہے لہٰذا یہ بھی جائز ہے جب تک تکبر اور بڑائی پیدا نہ کرے شکم سیری ان چاروں میں سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اس سے خواہشات ابھرتی ہیں اور بدن میں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں تو ان چاروں بدعات میں فرق معلوم ہونا چاہیے۔ (غزالی، احیاء علوم الدین، 2: 3)

علامہ ابن اثیر جزری حدیثِ عمر نعمت البدعۃ ھذہ (بخاری، رقم: 1906) کے تحت بدعت کی اقسام اور ان کا شرعی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بدعت کی دو قسمیں ہیں، بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ جو کام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے

احکام کے خلاف ہو وہ مذموم اور ممنوع ہے، اور جو کام کسی ایسے عام حکم کا فرد ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مستحب قرار دیا ہو یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم پر برانگیختہ کیا ہو اس کام کا کرنا محمود ہے اور جن کاموں کی مثال پہلے موجود نہ ہو جیسے سخاوت کی اقسام اور دوسرے نیک کام، وہ اچھے کام ہیں بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کاموں پر ثواب کی بشارت دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اچھے کام کی ابتداء کی اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور جو لوگ اس کام کو کریں گے ان کے عمل کا اجر بھی ملے گا اور اس کے برعکس جو برے کام کی ابتداء کرے گا اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے برے کام کی ابتداء کی اس پر اپنی برائی کا وبال بھی ہوگا اور جو اس برائی کو کریں گے ان کا وبال بھی اس پر ہوگا اور یہ اس صورت میں ہے جب وہ کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف ہو اور اسی قسم یعنی بدعتِ حسنہ کے بارے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول نعمت البدعۃ ھذہ ہے پس جب کوئی کام افعالِ خیر میں سے ہو اور مقام مدح میں داخل ہو تو اسے لغوی اعتبار سے بدعت کہا جائے گا مگر اس کی تحسین کی جائے گی کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت نماز تراویح کو ان کے لئے مسنون قرار نہیں دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتیں اس کو پڑھا پھر باجماعت پڑھنا ترک کر دیا اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ محافظت فرمائی اور نہ ہی لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا، بعد میں نہ ہی یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں باجماعت پڑھی گئی پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس پر جمع کیا اور ان کو اس کی طرف متوجہ کیا پس اس وجہ سے اس کو بدعت کہا گیا دراں حالیکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول **علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی** اور اس قول **اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر و عمر** کی وجہ سے حقیقت میں سنت ہے پس اس تاویل کی وجہ سے حدیث کل محدثۃ بدعۃ کو اصول شریعت کی مخالفت اور سنت کی عدم موافقت پر محمول کیا جائے گا۔

(ابن اثیر جزری، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر 106:1)

سلطان العلماء امام عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام السلمی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ قواعد الاحکام فی اصلاح الانام میں بدعت کی پانچ اقسام اور ان کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ بدعت سے مراد وہ فعل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ کیا گیا ہو، بدعت کی حسب ذیل اقسام ہیں۔ واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح۔ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعد شرعیہ سے موازنہ کیا جائے، اگر وہ بدعت قواعد ایجاب کے تحت داخل ہے تو واجب ہے اور اگر قواعدِ تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے اور اگر قواعدِ استحباب کے تحت داخل ہے تو مستحب ہے اور اگر کراھت کے قاعدہ کے تحت داخل ہے تو مکروہ اور اگر اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے۔ بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن وحدیث کا سمجھنا موقوف ہے، یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن وحدیث کے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہو سکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال ہے قرآن اور حدیث کے معانی جاننے کیلئے علم لغت کا حاصل کرنا، تیسری مثال ہے دین کے قواعد اور اصول فقہ کو مرتب کرنا چوتھی مثال سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا تا کہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعدِ شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ

ہے اور یہ علم مذکور الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ بدعات محرمہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: قدریہ، جبریہ، مرجیۂ اور مجسمہ کے نظریات اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعات واجبہ کی قسم میں داخل ہے۔ بدعاتِ مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں سرائے، مدارس اور بلند عمارتیں بنانا اور ہر ایسا اصلاحی اور فلاحی کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا (تمام رمضان میں باجماعت) نماز تراویح، تصوف کی دقیق ابحاث، بدعقیدہ فرقوں سے مناظرہ اور اس مقصد کیلئے جلسے منعقد کرنا بشرطیکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی ہو۔ بدعات مکروہہ کی بعض مثالیں یہ ہیں۔ مساجد کی زیب وزینت، (متاخرین فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا) مصحف (قرآن) کو مزین کرنا (یہ بھی متاخرین کے نزدیک جائز ہے) اور قرآن کو ایسی سُر سے پڑھنا کہ اس کے الفاظ عربی وضع سے پھر جائیں اور زیادہ درست یہ ہے کہ یہ بدعتِ محرمہ ہے۔ بدعات مباحہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: صبح اور عصر (کی نماز) کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے پینے، پہننے اور رہائش کے معاملات میں وسعت اختیار کرنا، سبز چادریں اوڑھنا، کھلی آستینوں کی قمیص پہننا، ان امور میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے ان امور کو بدعاتِ مکروہہ میں داخل کیا ہے اور بعض علماء نے ان کو عہد رسالت اور عہد صحابہ کی سنتوں میں داخل کیا ہے جیسے نماز میں تعوذ وتسمیہ جہراً پڑھنے میں سنت ہونے نہ ہونے کا اختلاف ہے۔ (عز الدین قواعد الاحکام فی اصلاح الانام، 2:337)

امام ابوزکریا محی الدین بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب تہذیب الاسماء واللغات میں فرماتے ہیں: شریعت میں بدعت سے مراد وہ امور ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھے، بدعت کو بدعت حسنہ اور بدعت قبیحہ میں تقسیم کیا گیا ہے اور شیخ عبدالعزیز بن عبدالسلام کتاب القواعد میں فرماتے ہیں۔ بدعت کو بدعت واجبۃ، محرمۃ، مندوبۃ، مکروھۃ اور مباحۃ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعد شرعیہ سے موازنہ کیا جائے، اگر وہ بدعت قواعد ایجاب کے تحت داخل ہے تو واجب ہے اور اگر قواعدِ تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے اور اگر قواعدِ استحباب کے تحت داخل ہے تو مستحب ہے اور اگر کراہت کے قاعدہ کے تحت داخل ہے تو مکروہ اور اگر اباحت کے قاعدہ میں داخل ہے تو مباح ہے۔ بدعات واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن اور حدیث کا سمجھنا موقوف ہے، یہ اس لیے واجب ہے کہ علم شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن اور حدیث کے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہوسکتا اور جس چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ دوسری مثال قرآن وحدیث کے معانی جاننے کیلئے علم لغت کا حاصل کرنا ہے، تیسری مثال دین کے قواعد اور اصول فقہ کو مرتب کرنا ہے جبکہ چوتھی مثال سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا تاکہ صحیح اور ضعیف حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعدِ شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور یہ علم مذکور الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ بدعات محرمہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: قدریہ، جبریہ، مرجیۂ اور مجسمہ کے نظریات اور ان لوگوں پر رد کرنا بدعات واجبہ کی قسم میں داخل ہے۔ بدعاتِ مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں سرائے، مدارس اور بلند عمارتیں بنانا اور ہر ایسا اصلاحی اور فلاحی کام جو عہد رسالت میں نہیں تھا (تمام رمضان میں) باجماعت تراویح، تصوف کی دقیق ابحاث، بدعقیدہ فرقوں سے مناظرہ اور اس مقصد کیلئے جلسے منعقد کرنا بشرطیکہ اس سے مقصود رضائے الٰہی ہو۔ بدعات مکروہہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: مساجد کی زیب وزینت، (متاخرین فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا) مصحف (قرآن) کو مزین کرنا (یہ بھی متاخرین

کے نزدیک جائز ہے) اور قرآن کو ایسی سر سے پڑھنا کہ اس کے الفاظ عربی وضع سے پھر جائیں اور زیادہ اصح یہ ہے کہ یہ بدعت محرمہ ہے۔ بدعات مباحہ کی بعض مثالیں یہ ہیں: صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے پینے، پہننے اور رہائش کے معاملات میں وسعت اختیار کرنا، سبز چادریں اوڑھنا، کھلی آستینوں کی قمیض پہننا، ان امور میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے ان امور کو بدعات مکروہۃ میں داخل کیا ہے اور بعض علماء نے ان کو عہد رسالت اور عہد صحابہ کی سنتوں میں داخل کیا ہے جیسے نماز میں تعوذ و تسمیہ جہراً پڑھنے میں سنت ہونے نہ ہونے کا اختلاف ہے۔ (نووی، تہذیب الأسماء واللغات، 22.3)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح مسلم میں بدعت کی اقسام اور پھر ان میں سے ہر قسم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ ہر بدعت ضلالت ہے عام مخصوص ہے عام طور پر اس سے مراد بدعت سیئہ لیا جاتا ہے اہل لغت نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جس پر مثال سابق کے بغیر عمل کیا جائے وہ بدعت ہے۔ علماء نے بدعت کی پانچ اقسام بدعت واجبہ، مندوبہ، محرمہ، مکروہۃ اور مباحہ بیان کی ہیں بدعت واجبہ کی مثال متکلمین کے دلائل کو ملحدین، مبتدعین اور اس جیسے دیگر امور کے رد کے لئے استعمال کرنا ہے اور بدعت مستحبہ کی مثال جیسے کتب تصنیف کرنا، مدارس، سرائے اور اس جیسی دیگر چیزیں تعمیر کرنا۔ بدعت مباح کی مثال یہ ہے کہ مختلف انواع کے کھانے اور اس جیسی چیزوں کو اپنانا ہے جبکہ بدعت حرام اور مکروہ واضح ہیں اور اس مسئلہ کو تفصیلی دلائل کے ساتھ میں نے تہذیب الاسماء واللغات میں واضح کر دیا ہے۔

جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اگر اس کی پہچان ہو جائے گی تو پھر یہ سمجھنا آسان ہے کہ یہ حدیث اور دیگر ایسی احادیث جو ان سے مشابہت رکھتی ہیں عام مخصوص میں سے تھیں اور جو ہم نے کہا اس کی تائید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول نعمت البدعۃ کرتا ہے اور یہ بات حدیث کو عام مخصوص کے قاعدے سے خارج نہیں کرتی۔ قول کل بدعۃ لفظ کل کے ساتھ مؤکد ہے لیکن اس کے باوجود اس میں تخصیص شامل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد تدمر کل ش، (الاحقاف، 52:42) کہ (وہ ہر چیز کو اکھاڑ پھینکے گی) میں تخصیص شامل ہے۔ (نووی، شرح صحیح مسلم، 154:6)

نیک کاموں کی طرف بلانے والے کی فضیلت کا بیان

205- حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ اَبِي حَبِيبٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ اَيُّمَا دَاعٍ دَعَا اِلَى ضَلَالَةٍ فَاتُّبِعَ فَاِنَّ لَهُ مِثْلَ اَوْزَارِ مَنِ اتَّبَعَهُ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئًا وَاَيُّمَا دَاعٍ دَعَا اِلَى هُدًى فَاتُّبِعَ فَاِنَّ لَهُ مِنْ اُجُورِ مَنِ اتَّبَعَهُ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُورِهِمْ شَيْئًا

◄► حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو بھی دعوت دینے والا گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے اور پھر اس کی پیروی کی جاتی ہے تو اس شخص کو اس کی پیروی کرنے والوں کے گناہوں کی مانند گناہ ہوگا اور ان لوگوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو بھی ہدایت دینے والا ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے جس کی پیروی کی

205 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

جائے تو جو لوگ بھی اس کی پیروی کریں گے ان کی مانند اس شخص کو بھی اجر ملے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

دوسروں کو برائیوں سے روکنے کا بیان

206- حَدَّثَنَا اَبُوْمَرْوَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْعُثْمَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِيْ حَازِمٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَعَا اِلٰى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنِ اتَّبَعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَّمَنْ دَعَا اِلٰى ضَلَالَةٍ فَعَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ اٰثَامِ مَنِ اتَّبَعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَيْئًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دے تو اسے اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اس کی پیروی کرنے والوں کا اجر ہوگا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔
اور جو شخص گمراہی کی طرف دعوت دے تو اسے اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا اس کی پیروی کرنے والوں کا گناہ ہوگا اور ان لوگوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

شرح

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ "جس قوم کا کوئی شخص گناہ و معاصی کا ارتکاب کرتا ہو اور اس قوم کے لوگ اس پر قدرت رکھتے ہوں کہ (ہاتھ یا زبان کے ذریعہ) اس گناہ کی اصلاح و سرکوبی کریں اور اس شخص پر قابو پائیں لیکن اس کے باوجود وہ اس کی اصلاح نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر اپنی طرف سے عذاب نازل کرتا ہے قبل اس کے کہ وہ مریں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: رقم الحدیث، 1068)

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب اسی دنیا میں نازل ہوتا ہے۔ خواہ اس کی صورت کچھ ہی ہو، اس سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک کی وجہ سے دنیا میں بھی عذاب پہنچتا ہے اور آخرت کا عذاب باقی رہتا ہے جو وہاں پہنچے گا، اس کے برخلاف اور گناہوں کے مرتکبین پر اس دنیا میں عذاب ہونا ضروری نہیں ہے۔

207- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُوْنُعَيْمٍ حَدَّثَنَا اِسْرَائِيْلُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كَانَ لَهُ اَجْرُهُ وَمِثْلُ اُجُوْرِهِمْ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَّمَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهُ وَمِثْلُ اَوْزَارِهِمْ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئًا

حضرت ابوحجیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جو شخص کسی اچھے طریقے

---

206. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

207 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کا آغاز کرے اور اس کے بعد اس پر عمل کیا جائے' تو اس شخص کو اس کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کی مانند بھی اجر ملے گا حالانکہ ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اور جو شخص کسی برے طریقے کا آغاز کرے جس پر اس کے بعد عمل کیا جائے' تو اس شخص کو اس کا گناہ ہوگا اور دوسرے لوگوں کی مانند بھی اس پر گناہ ہوگا اور ان دوسرے لوگوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

نیکی کی دعوت دینے والے کیلئے اجر کا بیان

208- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنْ لَيْثٍ عَنْ بَشِيْرِ بْنِ نَهِيْكٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ دَاعٍ يَدْعُوْ اِلٰى شَىْءٍ اِلَّا وُقِفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَازِمًا لِدَعْوَتِهٖ مَا دَعَا اِلَيْهِ وَاِنْ دَعَا رَجُلٌ رَجُلًا

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جو بھی دعوت دینے والا جس چیز کی طرف بھی دعوت دے گا قیامت کے دن اسے اس دعوت کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا' جس کی طرف اس نے دعوت دی تھی اگرچہ ایک آدمی نے صرف ایک آدمی کو دعوت دی تھی۔

بَابُ: مَنْ اَحْيَا سُنَّةً قَدْ اُمِيْتَتْ

یہ باب ناپید ہونے والی سنت کو زندہ کرنے والے کے بیان میں ہے

اچھے کام کی ابتداء کرنے والے کیلئے ثواب کا بیان

209- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنَا كَثِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِىُّ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ عَنْ جَدِّىْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِىْ فَعَمِلَ بِهَا النَّاسُ كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً فَعُمِلَ بِهَا كَانَ عَلَيْهِ اَوْزَارُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِ مَنْ عَمِلَ بِهَا شَيْئًا

◆◆ کثیر بن عبداللہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص میری سنت کو اس وقت زندہ کرے' جب وہ ختم ہو چکی ہو' تو اس شخص کو اس سنت پر عمل کرنے والوں کے اجر جتنا اجر ملے گا حالانکہ ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو شخص کسی بدعت کا آغاز کرے' تو اس شخص کو ان تمام لوگوں جتنا گناہ ہوگا' جو اس پر عمل کریں گے' اور ان لوگوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

210- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اَبِىْ اُوَيْسٍ حَدَّثَنِىْ كَثِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ

208 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

209 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2677

جَدِّهٖ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَحْيَا سُنَّةً مِّنْ سُنَّتِيْ قَدْ اُمِيْتَتْ بَعْدِيْ فَاِنَّ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنَ النَّاسِ لَا يَنْقُصُ مِنْ اُجُوْرِ النَّاسِ شَيْئًا وَّمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً لَا يَرْضَاهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنَّ عَلَيْهِ مِثْلَ اِثْمِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنَ النَّاسِ لَا يَنْقُصُ مِنْ اٰثَامِ النَّاسِ شَيْئًا

کثیر بن عبداللہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے' جو شخص میری کسی ایسی سنت کو زندہ کرے جو میرے بعد ناپید ہو چکی ہو' تو اسے اتنا اجر ملے گا' جو ان لوگوں کے اجر کی مانند ہو گا' جنہوں نے اس سنت پر عمل کیا ہو گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔ اور جو شخص کسی ایسی بدعت کا آغاز کرے' جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ راضی نہ ہوں' تو جو لوگ بھی اس بدعت پر عمل کریں گے ان کے گناہ کی مانند اس شخص کو گناہ ہو گا اور ان دوسرے لوگوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہو گی۔

بَاب : فَضْلِ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

یہ باب قرآن کو سیکھنے اور سکھانے والے کی فضیلت کے بیان میں ہے

قرآن سیکھنے اور سکھانے والے کی فضیلت کا بیان

211- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدِ نِ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ وَسُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شُعْبَةُ خَيْرُكُمْ وَقَالَ سُفْيَانُ اَفْضَلُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: یہاں شعبہ نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''تم میں سب سے بہتر' جبکہ سفیان نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: تم میں سب سے افضل وہ شخص ہے' جو قرآن کا علم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن سیکھے جیسا کہ سیکھنے کا حق ہے اور پھر دوسروں کو سکھائے تو وہ سب سے بہتر ہے کیونکہ جس طرح قرآن اور اس کے علوم دنیا کی تمام کتابوں اور علوم سے افضل اور اعلیٰ وارفع ہیں اسی طرح قرآنی علوم کو جاننے والا بھی دنیا کے افراد میں سب سے ممتاز اور کسی بھی علم کے جاننے والے سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ سیکھے کا حق' سے مراد یہ ہے کہ قرآنی علوم میں غور و فکر کرے اور اس کے احکام و معنی اور اس کے حقائق و دقائق کو پوری توجہ اور ذہنی وقلبی بیداری کے ساتھ سیکھے۔

211 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 5027' ورقم الحدیث: 5028' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 1457' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 2907' ورقم الحدیث 2908' ورقم الحدیث: 2909

212- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهُ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: تم میں افضل وہ شخص ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے۔

213- حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ مَرْوَانَ حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ نَبْهَانَ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ بَهْدَلَةَ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِيَارُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهُ قَالَ وَأَخَذَ بِيَدِي فَأَقْعَدَنِي مَقْعَدِي هٰذَا أُقْرِئُ

مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور اس کی تعلیم دیں''۔ (راوی کہتے ہیں: میرے استاد نے یا اس حدیث نے) میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس جگہ بٹھا دیا جہاں میں (قرآن) پڑھاتا ہوں۔

مؤمن کی قرأت کی فضیلت کا بیان

214- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الْأُتْرُجَّةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَرِيحُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو مؤمن قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ناشپاتی کی طرح ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے اور اس کا ذائقہ بھی اچھا ہوتا ہے اور جو مؤمن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی طرح ہے جس کا ذائقہ تو اچھا ہوتا ہے لیکن اس کی خوشبو نہیں ہوتی اور جو منافق شخص قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ریحانہ کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی ہوتی ہے لیکن ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور جو شخص منافق ہو اور قرآن بھی نہ پڑھتا ہو اس کی مثال حنظلہ (نامی بوٹی) کی طرح ہے جس کا ذائقہ

213: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

214 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 5020' ورقم الحدیث: 5059' ورقم الحدیث: 5427' ورقم الحدیث: 7560' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 1857' ورقم الحدیث: 1858' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4829' ورقم الحدیث: 4830' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 2865' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 5053

بھی کڑوا ہوتا ہے اور اس کی خوشبو بھی نہیں ہوتی۔

شرح

ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ وہ مسلمان جو قرآن کریم پڑھتا بھی ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے تو اس کی مثال سنگترے کی سی ہے اور مسلمان جو قرآن پڑھتا تو نہیں مگر اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال کھجور کی سی ہے۔ تشریح قرآن کریم پڑھنے والا مسلمان سنگترے کی مانند یوں ہوا کہ وہ خوش مزہ اور لطیف تو اس وجہ سے ہے کہ اس میں ایمان کی چاشنی جا گزیں ہوتی ہے اور خوشبو صفت اس لئے ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ لوگ اس کی قرات وتلاوت سن کر ثواب پاتے ہیں بلکہ اس سے قرآن سیکھتے بھی ہیں۔

قرآن کے علماء کی فضیلت کا بیان

215- حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ اَبُوبِشْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ بُدَيْلٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ اَهْلِيْنَ مِنَ النَّاسِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ هُمْ قَالَ هُمْ اَهْلُ الْقُرْاٰنِ اَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "لوگوں میں سے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں' لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ کون لوگ ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ قرآن کے عالم ہیں جو اللہ والے ہیں اور اس کے خاص بندے ہیں"۔

قرآن کو پڑھنے اور یاد رکھنے والے کے ذریعے سفارش بخشش ہونے کا بیان

216- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَعِيدِ بْنِ كَثِيرِ بْنِ دِينَارٍ الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ اَبِي عُمَرَ عَنْ كَثِيرِ بْنِ زَاذَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ وَحَفِظَهُ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِي عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهِ كُلُّهُمْ قَدِ اسْتَوْجَبُوا النَّارَ

حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص قرآن پاک پڑھے اسے یاد کرے، تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا' اور اسے اس کے گھر والوں میں سے دس ایسے افراد کے بارے میں شفاعت کا منصب دے گا کہ جن کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہو گی۔

شرح

حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھے اور جو کچھ اس میں مذکور ہے اس پر عمل کرے تو قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی دنیا کے گھروں میں چمکنے والے

215: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

216: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2905

آفتاب کی روشنی سے اعلیٰ ہوگی اگر بفرضِ محال تمہارے گھروں میں آفتاب ہو اب تو خود اس شخص کا مرتبہ سمجھ سکتے ہو جس نے قرآن پر عمل کیا۔ (احمد، ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلددوم: رقم الحدیث 650)

من قرأ القرآن کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے خوب اچھی طرح قرآن پڑھا لیکن علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے قرآن کو یاد کیا۔ گویا ان کے نزدیک یہاں حافظ قرآن مراد ہے۔ لوکانت فیکم (اگر تمہارے گھروں میں آفتاب ہو) کا مطلب یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال آفتاب آسمان کی بلندیوں سے اتر کر تمہارے گھروں میں آجائے تو اس کی روشنی بھی قیامت کے دن پہنائے جانے والے تاج کی روشنی کے سامنے ماند ہوگی۔ یہ گویا آفتاب کی روشنی کو بطور مبالغہ فرمایا گیا ہے کہ اگر آفتاب اپنی موجودہ روشنی کے ساتھ تمہارے گھروں کے اندر ہو تو ظاہر ہے کہ اس وقت کی روشنی زیادہ معلوم ہوگی بہ نسبت موجودہ صورت کی روشنی کے جب کہ آفتاب گھر سے باہر اور بہت زیادہ بلند ہے۔ حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے (والے یا حافظ قرآن) اور قرآن پر عمل کرنے والے کے والدین کو عظیم مرتبہ اور نعمت سے نوازا جائے گا تو پھر خود اس شخص کے مرتبہ اور سعادت کا کیا کہنا جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا؟

قرآن کا فیضان دوسروں تک پہنچانے کا بیان

217- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَوْدِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْاُسَامَةَ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عَطَاءٍ مَّوْلٰى اَبِيْ اَحْمَدَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ وَاقْرَءُ وْهُ وَارْقُدُوْا فَاِنَّ مَثَلَ الْقُرْاٰنِ وَمَنْ تَعَلَّمَهٗ فَقَامَ بِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَّحْشُوٍّ مِّسْكًا تَفُوْحُ رِيْحُهٗ كُلَّ مَكَانٍ وَّمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهٗ فَرَقَدَ وَهُوَ فِيْ جَوْفِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ اُوْكِيَ عَلٰى مِسْكٍ

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: تم قرآن پاک کو سیکھو اور اس کو پڑھا کرو کیونکہ جو شخص قرآن پاک کا علم حاصل کرنے کے بعد اس کی قرأت بھی کرے اور قیام کی حالت میں اسے پڑھے بھی اس کی مثال اس تھیلی کی طرح ہے جو مشک سے بھری ہوئی ہو اور اس کی خوشبو ہر جگہ پھیلتی ہو اور جو شخص قرآن پاک کا علم حاصل کر کے سو جائے اور قرآن پاک اس کے ذہن میں ہو تو اس کی مثال اس مشک کی تھیلی کی طرح ہے جس کے منہ کو باندھ دیا گیا ہو۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھنا سیکھو نہ صرف یہ کہ اس کے الفاظ کی ادائیگی سیکھو بلکہ اس کے مفہوم و معانی اور تفسیر کا علم بھی حاصل کرو۔ حضرت ابومحمد جوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن سیکھنا اور دوسروں کو سکھانا فرض کفایہ ہے نیز مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں فرض قرات کی بقدر سورتوں یا آیتوں کا سیکھنا ہر مسلمان کے لئے فرض عین ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورت فاتحہ (یا بقدر قرات نماز) سے زیادہ قرآن کی آیتوں یا سورتوں کو یاد کرنے میں مشغول ہونا نفل نماز میں مشغولیت سے افضل ہے کیونکہ نفل

217: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 2876' ورقم الحدیث: 2877

کفایہ ہے جو نفل نماز سے زیادہ اہم ہے۔ بعض متاخرین علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ حفظ قرآن میں مشغول ہونا ان علوم میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ جو فرض کفایہ ہیں یعنی جن علوم کو حاصل کرنا فرض عین ہے حفظ قرآن میں مشغول ہونا ان کی مشغولیت سے افضل نہیں ہے۔ مشک سے بھری ہوئی تھیلی کی مثال بایں طور دی گئی ہے کہ قرآن سیکھنے اور پڑھنے والے کا سینہ ایک تھیلی کے مانند ہے جس میں قرآن کریم مشک کی مانند ہے لہٰذا جب وہ قرآن پڑھتا ہے تو اس کی برکت اس کے گھر میں پھیلتی اور اس کے سننے والوں کو پہنچتی ہے حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے قرآن سیکھا مگر نہ تو اس نے اسے پڑھا اور نہ اس پر عمل کیا تو قرآن کریم کی برکت نہ اسے پہنچتی ہے نہ دوسروں کو اس لئے وہ مشک کی اس تھیلی کے مانند ہوا کہ جس کا منہ بند کر دیا گیا ہو اور جس کی وجہ سے نہ مشک کی خوشبو پھیلتی ہے اور نہ اس سے کسی کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔

قرآن کے سبب بلندی عطاء ہونے کا بیان

218- حَدَّثَنَا اَبُوْمَرْوَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْعُثْمَانِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرٰهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ اَبِي الطُّفَيْلِ اَنَّ نَافِعَ بْنَ عَبْدِ الْحَارِثِ اَنَّهُ لَقِيَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ بِعُسْفَانَ وَكَانَ عُمَرُ اسْتَعْمَلَهُ عَلٰى مَكَّةَ فَقَالَ عُمَرُ مَنِ اسْتَخْلَفْتَ عَلٰى اَهْلِ الْوَادِيْ قَالَ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْهِمُ ابْنَ اَبْزٰى قَالَ وَمَنِ ابْنُ اَبْزٰى قَالَ رَجُلٌ مِّنْ مَّوَالِيْنَا قَالَ عُمَرُ مَاسْتَخْلَفْتَ عَلَيْهِمْ مَوْلًى قَالَ اِنَّهُ قَارِئٌ لِكِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ قَاضٍ قَالَ عُمَرُ اَمَا اِنَّ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ

◄◄ نافع بن عبدالحارث بیان کرتے ہیں: ان کی ملاقات "عسفان" کے مقام پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نافع کو مکہ کا گورنر مقرر کیا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: تم نے اہل مکہ کے لیے کسے اپنا نائب بنایا ہے؟ تو نافع نے جواب دیا: میں نے ابن ابزیٰ کو ان لوگوں پر اپنا نائب بنایا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: ابن ابزیٰ کون ہے؟ تو نافع نے بتایا: وہ ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک شخص ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: تم نے ان لوگوں پر ایک غلام کو اپنا نائب بنا دیا ہے؟ نافع نے بتایا: وہ اللہ کی کتاب کا قاری ہے۔ علم وراثت کا عالم ہے اور فیصلہ دے سکتا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا: تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کچھ لوگوں کو بلند درجہ نصیب کرے گا اور کچھ دوسرے لوگوں کو پست کر دے گا۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کا درجہ بلند کرتا ہے بایں طور کہ دنیا میں تو اسے عزت و وقار کی زندگی عطا فرماتا ہے اور عقبیٰ میں ان لوگوں کے ساتھ رکھتا ہے جن پر اس نے اپنا انعام کیا ہے اس

218. اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث 1894 ورقم الحدیث: 1895

طرح جو شخص نہ قرآن پڑھتا ہے اور نہ اس پر عمل کرتا ہے اس کا درجہ پست کر دیتا ہے۔

کسی ایک آیت کا سیکھنا نفلی عبادت سے بڑھ کر ہونے کا بیان

219- حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ غَالِبٍ الْعَبَّادَانِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زِيَادٍ الْبَحْرَانِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ لَاَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ اٰيَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةٍ وَّلَاَنْ تَغْدُوَ فَتَعَلَّمَ بَابًا مِنَ الْعِلْمِ عُمِلَ بِهِ اَوْ لَمْ يُعْمَلْ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تُصَلِّيَ اَلْفَ رَكْعَةٍ

◄► حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے ابوذر! تمہارا صبح کے وقت جا کر اللہ کی کتاب کی کسی آیت کو سیکھ لینا تمہارے لیے اس سے زیادہ بہتر ہے تم ایک سو رکعات نماز ادا کرو اور تمہارا صبح کے وقت جا کر علم کے ایک باب کو سیکھ لینا خواہ تم اس پر عمل کر دیا اس پر عمل نہ کرو تمہارے لیے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ تم ایک ہزار رکعات ادا کرو۔

شرح

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ تو ہم صفہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ہر روز بطحان یا عقیق کی طرف جائے اور وہاں سے دو اونٹنیاں بڑے کوہان والی بغیر کسی گناہ کے اور بغیر انقطاع صلہ رحمی کے لائے؟ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم سب پسند کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر سن لو کہ تم میں سے جو شخص مسجد میں جاتا ہے اور وہاں کتاب اللہ کی دو آیتیں کسی کو سکھاتا ہے یا خود پڑھتا ہے تو وہ اس کے لئے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے تین آیتیں اس کے لئے تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار آیتیں اس کے لئے چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔

حاصل یہ کہ آیتوں کی تعداد اونٹنیوں کی تعداد سے بہتر ہے (یعنی پانچ آیتیں پانچ اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چھ آیتیں چھ اونٹنیوں سے بہتر ہیں اسی طرح آگے تک قیاس کیا جائے۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: رقم الحدیث، 622)

صفہ وہ سایہ دار چبوترہ تھا جو مسجد نبوی کے سامنے بنا ہوا تھا اور وہ مہاجرین صحابہ جن کے نہ گھر بار تھا اور نہ بیوی بچے اور عبادت و زہد کے انتہائی بلند مقام پر تھے وہ اسی چبوترہ پر رہا کرتے اور ہمہ وقت بارگاہ نبوت سے اکتساب فیض کرتے رہتے تھے گویا وہ اسلام کی سب سے پہلی اقامتی اور تربیتی درگاہ تھی جس کے معلم اول خود سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور طلباء کی جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی۔ بطحان مدینہ کے قریب ایک نالہ تھا اسی طرح عقیق بھی ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ کے مضافات میں تقریبا چار میل کے فاصلہ پر ہے ان دونوں جگہوں پر اس زمانہ میں بازار لگا کرتے تھے جس میں اونٹوں کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اہل عرب کے ہاں اونٹ ایک متاع گرانمایہ کے درجہ کی چیز تھی خصوصا بڑے کوہان کے اونٹ کی قدر و قیمت کا

219 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بلیغ اسلوب میں صحابہ سے مذکورہ سوال کر کے اس چیز کی طرف رغبت دلائی جو باقی رہنے والی ہے اور اس چیز سے نفرت دلائی جو دنیاوی اعتبار سے کتنی ہی قدر و قیمت کی کیوں نہ ہو لیکن مآل کار فانی اور ختم ہو جانے والی ہے۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ آپ نے اونٹ کا ذکران کو سمجھانے کے لئے صرف بطریق تمثیل فرمایا ورنہ تو دنیا کی تمام چیزیں بھی ایک آیت کے مقابلہ پر کوئی حقیقت اور قدر و قیمت نہیں رکھتیں۔

بَابُ: فَضْلِ الْعُلَمَاءِ وَالْحَثِّ عَلٰى طَلَبِ الْعِلْمِ

یہ باب علماء اور طلب علم کی فضیلت کے بیان میں ہے

علماء اور شان تقویٰ کا بیان

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا، اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ .(فاطر،۲۸)

اللہ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ غلبہ والا ہے بخشنے والا ہے۔ المنذر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ (آیت) انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم رکھنے والے ہی اس سے ڈرتے ہیں۔

ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ (آیت) انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا میں العلماء سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ابن ابی حاتم وابن عدی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ علم کثرت حدیث سے نہیں ہوتا بلکہ علم اللہ تعالیٰ کے ڈر سے ہوتا ہے۔

عبد بن حمید وابن ابی حاتم نے صالح ابو خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے (آیت) انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا کے بارے میں روایت کیا کہ لوگوں میں جو اللہ کے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہو وہی اس سے زیادہ ڈرنے والا ہوتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے سفیان کے طریق سے ابو حیان تیمی رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے ایک آدمی سے روایت کیا کہ کہا جاتا ہے علماء تین قسم کے ہیں۔ ایک عالم باللہ ہے (یعنی اللہ کی ذات کو جاننے والا) اور دوسرا عالم بامر اللہ (یعنی اللہ کے امر کو جاننے والا) اور تیسرا اللہ تعالیٰ جاننے والا ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے امر کو نہیں جانتا اللہ تعالیٰ کے امر کو جاننے والا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتا جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو جانتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے امر کو نہیں جانتا وہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے حدود فرائض کو نہیں جانتا اللہ تعالیٰ کے امر کو جاننے والا مگر اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتا وہ وہ ہے جو حدود فرائض کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔

ابن ابی حاتم وابن عدی نے مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ علم کثرت روایت کا نام ہے بلاشبہ علم وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں ڈالتا ہے۔

بن دیکھے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا بیان

عبد بن حمید وابن ابی حاتم نے حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ ایمان اللہ تعالیٰ کو بغیر دیکھے ڈرنے کا نام ہے اور ان چیزوں

میں رغبت کرے جن چیزوں کی اللہ تعالیٰ نے رغبت دلائی اور ان چیزوں سے دور رہے جن پر اللہ ناراض ہوتے ہیں پھر یہ آیت تلاوت کی (آیت) انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا

عبد بن حمید نے مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ انسان کے لیے اتنا علم کافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور کسی آدمی کے جاہل ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے عمل پر فخر کا اظہار کرے۔

ابن ابی شیبہ واحمد فی الزھد وعبد بن حمید والطبرانی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اتنا علم ہی کافی ہے انسان کا اپنے عمل سے دھوکہ کھانا اتنی جہالت ہی کافی ہے۔

ابن ابی شیبہ وعبد بن حمید نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ فقیہ وہ ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔

ابن ابی شیبہ واحمد نے الزھد میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ مجھ کو یہ بات پہنچی ہے کہ داؤد علیہ السلام نے یوں دعا فرمائی (اے اللہ) تیری ذات پاک ہے آپ اپنے عرش پر متمکن ہیں تو نے اپنی حیثیت اس پر لازم کردی۔ جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور تیری مخلوق میں سے تیری طرف سب سے زیادہ قریب وہ ہے جو ان میں سے تجھ سے زیادہ ڈرنے والا ہے اور وہ عالم نہیں جو تجھ سے نہیں ڈرتا اور اس میں کوئی دانائی نہیں جو تیرے حکم کی اطاعت نہیں کرتا۔

احمد نے الزھد میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں لیکن علم ڈرنے کا نام ہے۔

ابن ابی شیبہ والترمذی اور حاتم نے حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم جو دل میں ہے۔ اور وہ نفع دینے والا علم ہے اور دوسرا علم زبان پر ہے اور وہ اللہ کی دلیل ہے اس کی مخلوق پر۔

ابن ابی شیبہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انسان کے لئے اتنا علم ہی کافی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔

ابن ابی شیبہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حامل قرآن کو چاہئے کہ وہ شب بیداری سے پہچانا جائے جب لوگ سو رہے ہوں اور وہ روزہ سے پہچانا جائے جب لوگ روزہ افطار کر رہے ہوں اور اپنے غم سے پہچانا جائے جب لوگ خوش ہو رہے ہوں اور اپنے رونے کے ساتھ پہچانا جائے جب لوگ ہنس رہے ہوں اور اپنی خاموشی کے ساتھ پہچانا جائے جب وہ آپس میں باتیں کر رہے ہوں اور وہ عاجزی سے پہچانا جائے جب لوگ تکبر کر رہے ہوں اور حامل قرآن کو چاہئے کہ وہ شور مچانے والا چیخنے والا اور تیز طبیعت والا نہ ہو۔

الخطیب نے المتفق والمفترق میں وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ میں عکرمہ کے ساتھ آیا اور میں ابن عباس کی رہبری کر رہا تھا جبکہ آپ کی بینائی ختم ہوچکی تھی یہاں تک کہ آپ مسجد حرام میں داخل ہوگئے اچانک کچھ لوگ آپس میں جھگڑا کر رہے تھے۔ اپنے حلقے میں بنو شیبہ کے دروازے کے پاس ابن عباس نے فرمایا ان جھگڑا کرنے والوں کے حلقہ کی طرف مجھے لے جاؤ میں آپ لے کر چلا یہاں تک میں ان کے پاس آگیا آپ نے ان کو سلام کیا انہوں نے ارادہ کیا کہ آپ ان کے ساتھ بیٹھو مگر آپ نے انکار کر کیا اور فرمایا مجھے اپنا نسب بتاؤ تاکہ میں تم کو پہچان لوں تو انہوں نے ان کی طرف اپنی نسبت ظاہر کی تو فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کو اللہ کے خوف نے خاموش کردیا جبکہ وہ (بولنے سے) عاجز نہ تھے اور نہ گونگے

تھے (محض اللہ کے خوف سے خاموش ہو گئے) حالانکہ ان کے عمدہ کلام کرنے والے، خوب بولنے والے، شرفا اور اللہ کے ایام کے عالم تھے۔ سوائے اس کے کہ جب انہوں نے اللہ عظمت کا ذکر کیا تو اس سے ان کی عقلیں بیس ہو گئیں اور ان کے دل ٹوٹ گئے اور ان کی زبانیں بولنے سے رہ گئیں جب وہ ان کیفیات سے سنبھلے تو انہوں نے اللہ کی طرف پاکیزہ اعمال کے ساتھ جلدی کی تمہارا ان سے کیا تعلق؟ پھر آپ ان سے واپس ہو گئے پھر اس کے بعد دو آدمی بھی بیٹھے نہ دکھائی دیے۔

الخطیب نے ایضاً سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اٹھارہ کلمات مرتب کئے لوگوں کے لئے جو سب کی سب حکمت کی باتیں تھیں جس نے تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اس کے بارے میں تو اگر اللہ تعالیٰ کی اتنی ہی اطاعت کی تو تو نے اسے سزا نہیں دی۔ اپنے بھائی کے معاملہ میں اچھی تعبیر کی۔ یہاں تک کہ اس کی طرف سے ایسا فعل صادر ہو جو تجھ پر غالب آ جائے اور ایسی بات کو برا گمان نہ کر جو کسی مسلمان کے فتنہ سے نکلی ہے جب تک تو اس کے لئے اچھا محل پاتا ہے۔ اور جس نے اپنے آپ کو تہمت کے لئے پیش کر دیا تو اس پر ملامت نہ کر جو آدمی اس کے بارے میں برا گمان رکھتا ہے جو آدمی اپنا راز چھپائے رکھتا ہے تو بھلائی اس کے ہاتھ میں رہتی ہے سچے لوگوں کے ساتھ رہو ان کے پڑوس میں زندگی بسر کرو کیونکہ وہ لوگ خوشحالی میں زینت کا باعث ہوتے ہیں اور مصیبت میں سہارے کا باعث ہوتے ہیں اور سچ کو لازم پکڑو۔ اگرچہ وہ تجھ کو قتل کر دیں ایسے کام کی طرف توجہ نہ کرو جو بیفائدہ ہو اور سوال نہ کر ایسی چیز کے بارے میں جو (موجود) نہ ہو۔ کیونکہ جو چیز موجود ہے اس میں مشغولیت ہے نہ کر جو چیز موجود نہیں اس سے اپنی حاجت طلب نہ کرو جو اس کا پانا تیرے لئے پسند نہیں کرتا۔ اور نہ ہلکا سمجھ جھوٹی قسم کو کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو ہلاک کر دے گا اور برے لوگوں کی صحبت اختیار نہ کرتا کہ وہ ان کی فسق و فجور کو جان لے اور اپنے دشمن سے دور رہ اور اپنے دوست سے ڈر مگر جو امین ہو اور کوئی امین نہیں ہے مگر جو اللہ سے ڈرتا ہے اور قبروں کے پاس عاجزی اختیار کر اور اطاعت کے وقت انکساری اختیار کر اور معصیت کے وقت اللہ تعالیٰ سے عصمت کو طلب کر اور جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں ان سے مشورہ طلب کر کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ (آیت) انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا

عالم کی فضیلت عابد پر ہونے کا بیان

عبد بن حمید نے مکحول رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا گیا عالم اور عابد کے بارے میں تو آپ نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ آیت (آیت) انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے آسمان والے اور زمین والے اور مچھلیاں سمندر میں خیر کے سکھانے والوں پر رحمت کی دعا بھیجتے ہیں۔ (تفسیر در منثور، سورہ فاطر، بیروت)

علم دین کی فضیلت کا بیان

220- حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ اَبُوْبِشْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي

220 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

الدِّيْنِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ جس شخص کے بارے میں بھلائی کا ارادہ کرلے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا کردیتا ہے"۔

221-حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ جَنَاحٍ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ مَيْسَرَةَ بْنِ حَلْبَسٍ اَنَّهُ حَدَّثَهُ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ بْنَ اَبِيْ سُفْيَانَ يُحَدِّثُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ الْخَيْرُ عَادَةٌ وَّالشَّرُّ لَجَاجَةٌ وَّمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: بھلائی عادت ہے اور شر لجاجت ہے اور اللہ تعالیٰ جس شخص کے بارے میں بھلائی کا ارادہ کرلے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا کردیتا ہے۔

شرح

اس حدیث سے علم اور عالم کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ جس آدمی کو خداوند تعالیٰ خیر و بھلائی کے راستہ پر لگانا چاہتا ہے اسے علم کی دولت عنایت فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ وہ کسی آدمی کو دینی امور یعنی احکام شریعت اور راہ طریقت وحقیقت کی سمجھ عنایت فرمادے جو ہدایت وراستی اور خیر و بھلائی کی سب سے بڑی شاہراہ ہے۔ حدیث کے دوسرے جزء کا مطلب یہ ہے کہ علم کا مبداء حقیقی تو باری تعالیٰ کی ذات ہے میرا کام تو صرف یہ ہے کہ میں دینی مسائل اور شرعی احکام لوگوں تک پہنچا دوں اور حدیث بیان کردوں۔ اب آگے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ جسے جتنا چاہے ان پر عمل کرنے کی توفیق اور غور وفکر کی صلاحیت عنایت فرمائے۔

ایک فقیہ کی عابدین پر فضیلت کا بیان

222-حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ جَنَاحٍ اَبُوْ سَعِيْدٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْهٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: ایک فقیہ شیطان کے لیے ایک ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

شرح

مقابلہ کا یہ مسلم اصول ہے کہ کامیابی اس آدمی کے حصہ میں آتی ہے جو اپنے مدمقابل کے داؤ پیچ سے بخوبی واقف ہو اور اس کا توڑ جانتا ہو۔ چنانچہ ہم خود دیکھتے ہیں کہ مقابلہ کے اکھاڑہ میں وہ آدمی جو اپنے ظاہری قوی اور جسم کے اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا

221 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

222 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:2681

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عابد اور عالم دونوں میں یہ فرق ظاہر کیا ہے کہ جس طرح میں تم میں سے اس آدمی پر فضیلت رکھتا ہوں جو تم میں سے سب سے ادنیٰ درجہ کا ہو اسی طرح ایک عالم بھی عابد پر فضیلت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ادنیٰ آدمی پر جو فضیلت حاصل ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح اب اس کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ ایک عالم کو عابد پر فضیلت کس مرتبہ اور درجہ کی ہوگی۔ آخر حدیث میں کہا گیا ہے کہ اسی حدیث کو دارمی نے مکحول سے طریق مرسل نقل کیا ہے اور اس میں اس حدیث کے ابتدائی الفاظ رجلان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے یعنی ان کی روایت میں یہ الفاظ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم بلکہ ان کی روایت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوتی ہے۔

زمین وآسمان کی ہر چیز کا علماء کیلئے دعا کرنے کا بیان

223- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ رَجَاءِ بْنِ حَيْوَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ جَمِيلٍ عَنْ كَثِيرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ اَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا اَبَا الدَّرْدَاءِ اَتَيْتُكَ مِنَ الْمَدِينَةِ مَدِينَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَدِيثٍ بَلَغَنِي اَنَّكَ تُحَدِّثُ بِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَمَا جَاءَ بِكَ تِجَارَةٌ قَالَ لَا قَالَ وَلَا جَاءَ بِكَ غَيْرُهُ قَالَ لَا قَالَ فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ حَتَّى الْحِيتَانِ فِي الْمَاءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ اِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ

کثیر بن قیس بیان کرتے ہیں: میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص ان کے پاس آیا اور بولا اے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ میں مدینہ منورہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ آپ وہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیا تم یہاں کوئی تجارت کرنے کے لیے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا: جی نہیں۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: تم اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا: جی نہیں تو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص علم کے حصول کے لیے کسی راستے پر چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان کر دیتا ہے اور فرشتے طالب علم سے راضی ہو کر اپنے پر اس کے لیے بچھا دیتے ہیں:۔

223- اخرجه ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3641 اخرجه الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2682

آسمان اور زمین میں موجود ہر چیز یہاں تک کہ پانی میں موجود مچھلیاں بھی اس کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہیں اور عالم شخص کو عبادت گزار شخص پر وہی فضیلت حاصل ہے جو چاند کو تمام ستاروں پر حاصل ہے بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں بے شک انبیاء وراثت میں درہم یا دینار نہیں چھوڑتے ہیں: وہ لوگ علم چھوڑتے ہیں:۔تو جو شخص اسے حاصل کر لیتا ہے وہ بڑے حصے کو حاصل کر لیتا ہے۔

شرح

صحابی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آنے والے کی علمی طلب اور حصول دین کے حقیقی جذبہ کا اظہار ہوتا ہے کہ اس نے آتے ہی سب سے پہلے یہی کہا تھا کہ آپ کے پاس آنے سے میری غرض کوئی دنیوی منفعت یا محض ملاقات نہیں ہے بلکہ میں تو علم دین کے حصول کا حقیقی اور پرخلوص جذبہ لے کر آیا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ کی زبان سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس حدیث سن کر اپنے قلب و دماغ کو علوم نبوی کی ایک روشنی سے منور کروں۔ ہو سکتا ہے کہ طالب مذکور نے جس حدیث کے سننے کی طلب کی تھی وہ حدیث انہوں نے اجمالی طور پر سنی ہو اب ان کی خواہش یہ تھی کہ اس کو تفصیل طور پر سن لیں یا یہ کہ وہ حدیث انہوں نے تفصیل کے ساتھ ہی (کسی دوسرے سے) سن رکھی ہو مگر اس جذبہ کے ساتھ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حدیث کو بلاواسطہ صحابی سے سنیں۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب طالب علم، علم کی خاطر اپنے گھر سے نکلتا ہے اور راہ مسافرت اختیار کرتا ہے تو فرشتے اس کی رضامندی کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اس کی تشریح میں کہا جاتا ہے کہ یا تو واقعی طالب علم کے شرف و عزت کی خاطر فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں یا پھر طالب علم کی عظمت اور اس کی طرف رحمت الٰہی کے نزول کے لئے یہ کنایہ ہے۔ نیز فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کی جتنی بھی مخلوق ہے سب کی سب عالم کی مغفرت کے لئے دعا کرتی ہے۔ اس کے بعد پھر صراحت کی گئی کہ پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں بھی اس کے لئے استغفار کرتی ہیں ظاہر ہے کہ زمین کی مخلوق میں مچھلیاں بھی شامل ہیں ان کا بظاہر الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی مگر اس میں نکتہ یہ ہے کہ اس سے دراصل عالم کی انتہائی فضیلت و عظمت کا اظہار مقصود ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ پانی کا برسنا جو رحمت الٰہی کی نشانی اور نعمت الٰہی کی علامت ہے اور دنیا کی اکثر آسانیاں و راحتیں جو اسی سے حاصل ہوتی ہیں اور تمام خیر و بھلائی جو اس کے علاوہ ہیں سب کی سب عالم ہی کی برکت سے ہیں یہاں تک کہ مچھلیوں کا پانی کے اندر زندہ رہنا جو خود قدرت الٰہی کی ایک نشانی ہے، علماء ہی کی برکت کی بنا پر ہے۔

اس حدیث میں عالم اور عابد کے فرق کو بھی ظاہر کرتے ہوئے عابد پر عالم کو فوقیت اور برتری دی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم کا فائدہ متعدی ہے یعنی اس کا فیضان صرف اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں ہے اسی لئے عالم اور عابد کو چاند ستاروں سے مشابہت دی گئی ہے کہ جس طرح چودھویں کا چاند جب اپنی پوری تابانی اور جلوہ ریزی کے ساتھ آسمان پر نمودار ہوتا ہے تو دنیا کی تمام مخلوق اس سے مستفیض ہوتی ہے اور اس کی روشنی تمام جگہ پہنچتی ہے جس سے دنیا فائدہ اٹھاتی ہے مگر ستارہ خود اپنی جگہ تو روشن و منور ہوتا ہے مگر اس کا فیضان اتنا عام نہیں ہوتا کہ اس کی روشنی تمام جگہ پھیل سکے اور سب کو فائدہ پہنچا سکے۔ اگر کوئی یہ اشکال کر بیٹھے کہ عالم

اور عابد میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ اگر کوئی عالم محض علم پر بھروسہ کر بیٹھے اور علم پر نہ عمل کرے تو ظاہر ہے کہ اس کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اسی طرح عابد بغیر علم کے عابد نہیں ہو سکتا کیونکہ عبادت کی حقیقی اور اصل روح علم ہی میں پوشیدہ ہے اس لئے عبادت بغیر علم کے صحیح طور پر ادا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جو عالم بالکل باعمل ہو گا وہی عابد بھی ہو گا اور جو عابد ہو گا وہی عالم باعمل بھی ہو گا۔ اس لئے دونوں میں فرق کیا ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عالم سے مراد وہ آدمی ہے جو تحصیل علم کے بعد عبادات ضروریہ مثلاً فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات پر اکتفا کر کے اپنے اوقات کا بقیہ حصہ درس و تدریس میں مشغول رکھتا ہے یعنی اس کا کام درس و تدریس، دعوت و تبلیغ اور دین کی ترویج و اشاعت ہوتا ہے۔

اور عابد سے مراد وہ آدمی ہے جو تحصیل علم کے بعد اپنی زندگی کا تمام حصہ صرف عبادت ہی عبادت میں صرف کرتا ہے، نہ اسے علم کی اشاعت سے دلچسپی ہوتی ہے اور نہ تعلیم و تعلم اس کا مقصد ہوتا ہے بلکہ وہ ہمہ وقت عبادت ہی میں مشغول رہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر علم کی اشاعت اور تعلیم و تعلم کی فضیلت کا گہرا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ عمل افادیت کے اعتبار سے سب سے بلند مقام رکھتا ہے اور جو ہر حال میں عبادت پر افضل ہے جیسا کہ اکثر احادیث سے بھی ثابت ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ عالم اور عابد میں اس اعتبار سے فرق ہے اور عابد پر عالم کو فوقیت حاصل ہے۔

شرح السنۃ میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول منقول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں آج طالب علم سے افضل کوئی دوسری چیز نہیں جانتا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا لوگوں کے خلوص نیت میں فضیلت نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا طلب علم خود نیت کا سبب ہے یعنی نیت اس سے اپنے آپ ہی سنور جاتی ہے۔ چنانچہ بعض علماء کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا ہم نے علم غیر اللہ کے لئے حاصل کیا مگر بعد میں وہ اللہ ہی کے لئے ہو گیا، یعنی ہماری نیت پہلے مخلص اور صاف نہیں تھی مگر جب طلب علم کا حقیقی جذبہ پیدا ہوا اور علم کی روشنی نے قلب کو منور کیا تو نیت مخلص اور صحیح ہو گئی۔ علم کی فضیلت کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علم کا طلب کرنا نماز نفل سے افضل ہے کیونکہ وہ علم جسے طلب کیا جا رہا ہے یا تو وہ فرض عین ہو گا یا فرض ہو گا یا فرض کفایہ ہو گا اور ظاہر ہے یہ دونوں نفل سے بہر حال افضل ہیں۔

علم دین حاصل کرنے کی فرضیت کا بیان

224- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ شِنْظِيرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهِ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيرِ الْجَوَاهِرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے' اور نا اہل کے سامنے علم پیش کرنے والا شخص اس طرح ہے جیسے کوئی خنزیر کے گلے میں جواہرات' موتیوں اور سونے' کا ہار پہنا دے"۔

224: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح

اس حدیث سے علم کی اہمیت وعظمت اور اس کی ضرورت واضح ہوتی ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ انسان جس مقصد کے لئے خلیفۃ اللہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہے وہ بغیر علم کے پورا نہیں ہو سکتا۔ انسان بغیر علم کے نہ اللہ کی ذات کو پہچانتا ہے اور نہ اسے اپنی حقیقت کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ یہاں علم سے مراد "علم دین" ہے، جس کی ضرورت زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ میں پڑتی ہے، مثلاً جب آدمی مسلمان ہوتا ہے یا احساس وشعور کی منزل کو پہنچتا ہے تو اسے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت حاصل کرے اور عرفان الٰہی کی مقدس روشنی سے قلب ودماغ کی ہر ظلمت وکجروی کو ختم کرے۔ اسی طرح رسول کی نبوت ورسالت کا جاننا یا ایسی چیزوں کا علم حاصل کرنا جن پر ایمان واسلام کی بنیاد ہے اس کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ پھر جب عملی زندگی سے اسے واسطہ پڑتا ہے تو اسے ضرورت ہوتی ہے کہ اعمال کے احکام کا علم ہو۔ یعنی جب نماز کا وقت آئے گا تو اس پر نماز کے احکام ومسائل سیکھنا واجب ہوگا۔ جب رمضان آئے گا تو روزے کے احکام معلوم کرنا اس کے لئے ضروری ہوگا۔ اگر اللہ نے اسے مالی وسعت دی ہے اور صاحب نصاب ہے تو زکوۃ کے مسائل جاننا ضروری ہوگا۔

جب شادی کی تو بیوی کو گھر میں لایا تو حیض ونفاس کے مسائل طلاق وغیرہ اور ایسی چیزیں جن کا تعلق میاں بیوی کی باہمی زندگی اور ان کے تعلقات سے ہے ان کا علم حاصل کرنا واجب ہوگا۔ اسی طرح تجارت وزراعت اور خرید وفروخت کے احکام و مسائل سیکھنا بھی واجب ہوگا گویا زندگی کا کوئی شعبہ ہو خواہ اعتقادات ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا تعلقات، تمام چیزوں کی بصیرت حاصل کرنا اور ان کو جاننا سیکھنا اس پر فرض ہوگا، اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کی وجہ سے وہ ہر جگہ حدود شریعت سے تجاوز کرتا رہے گا اور دینی احکام ومسائل سے ناواقفیت کی بنا پر اس کا ہر فعل وعمل خلاف شریعت ہوگا جس کی وجہ سے وہ سخت گناہ گار ہوگا۔

بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں علم سے مراد علم اخلاص اور آفات نفس کی معرفت ہے۔ یعنی ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ نفس کی تمام برائیوں مثلاً حسد، بغض، کینہ اور کدورت کو پہچانیں اور ان چیزوں کا علم حاصل کریں جو اعمال خیر کو فاسد کرتی ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم کی مقدس روشنی تو انہیں کے نصیب میں ہوتی ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں اور جن کی صلاحیت طبع کا میلان اس طرف ہوتا ہے نیز جس کی جتنی استعداد وصلاحیت ہوتی ہے اسے علم سے اتنا ہی حصہ ملتا ہے۔ لہٰذا علم سکھانے میں اس بات کا خیال بطور خاص رکھنا چاہئے کہ جس کی جتنی استعداد ہو اور وہ جس معیار کی صلاحیت رکھتا ہو اسی اعتبار سے اسے علم سکھایا جائے۔ یہ نہ ہونا چاہئے کہ کسی آدمی کی استعداد وصلاحیت تو انتہائی کم درجہ کی ہے مگر علم اسے انتہائی اعلیٰ وارفع سکھایا جا رہا ہو اسی طرح ہر علم کے سکھانے کا موقع ومحل ہوتا ہے۔ جو علم جس موقع پر ضروری ہو اور جس علم کا جو محل ہو اس کے مطابق سکھایا جائے۔ مثلاً اگر کوئی آدمی عوام اور جہلاء کے سامنے یکبارگی تصوف کے اسرار ومعانی اور اس کی باریکیاں بیان کرنے لگے تو انہیں اس سے فائدہ ہونا تو الگ رہا اور زیادہ گمراہ ہو جائیں گے۔

مسلمان کی پردہ پوشی کرنے کی اہمیت کا بیان

225- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِىْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِىْ عَوْنِ اَخِيْهِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِىْ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهُ بَيْنَهُمْ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ وَمَنْ اَبْطَاَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جو شخص کسی مسلمان سے کسی دنیاوی تکلیف کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس شخص سے قیامت کے دن کی کسی تکلیف کو دور کر دے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ جو شخص کسی تنگدست کو آسانی فراہم کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اسے آسانی فراہم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد کرتا ہے' جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے اور جو شخص کسی راستے پر علم کے حصول کے لیے چلتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس وجہ سے اس شخص کے لیے جنت کے راستے کو آسان کر دیتا ہے۔

اور جب بھی کچھ لوگ اللہ کے کسی گھر میں اکٹھے ہو کر اس کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں: آپس میں ایک دوسرے کو اس کا درس دیتے ہیں: تو فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں: اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے۔

رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود لوگوں کے سامنے ان کا تذکرہ کرتا ہے اور جس شخص کا عمل اسے پیچھے کر دے اس کا نسب اسے آگے نہیں کر سکتا۔

دینی طالب علم کیلئے فرشتوں کا پر بچھانے کا بیان

226- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَاَنَا مَعْمَرٌ عَنْ عَاصِمِ بْنِ اَبِى النَّجُوْدِ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ اَتَيْتُ صَفْوَانَ بْنَ عَسَّالٍ الْمُرَادِىَّ فَقَالَ مَا جَآءَ بِكَ قُلْتُ اُنْبِطُ الْعِلْمَ قَالَ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ خَارِجٍ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ فِىْ طَلَبِ الْعِلْمِ اِلَّا وَضَعَتْ لَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَجْنِحَتَهَا رِضًا بِمَا يَصْنَعُ

زر بن حبیش بیان کرتے ہیں: میں حضرت صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا' انہوں نے

225: اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6793' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4946

226' اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

دریافت کیا: تم کیوں آئے ہو؟ میں نے عرض کی: میں علم کے حصول کے لیے آیا ہوں' تو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: "جو بھی شخص علم کے حصول کے لیے اپنے گھر سے نکلتا ہے تو فرشتے اپنے پر اس کے لیے بچھا دیتے ہیں' اس کے اس طرز عمل سے راضی ہوتے ہوئے (وہ ایسا کرتے ہیں)"۔

طالب علم کیلئے مجاہد کی طرح ثواب ہونے کا بیان

227- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ صَخْرٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ جَآءَ مَسْجِدِیْ هٰذَا لَمْ يَاْتِهِ اِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهُ اَوْ يُعَلِّمُهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَنْ جَآءَ لِغَيْرِ ذٰلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ اِلٰی مَتَاعِ غَيْرِهٖ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: "جو شخص میری اس مسجد میں آتا ہے اور وہ صرف بھلائی کا علم حاصل کرنے کے لیے یا اس کی تعلیم دینے کے لیے یہاں آتا ہے' تو وہ اللہ کی راہ میں 'جہاد' کرنے والے کی مانند ہے' اور جو شخص اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے یہاں آتا ہے' تو اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے کے سامان پر نظر رکھ کر بیٹھا ہو"۔

عالم اور متعلم کا ثواب میں شریک ہونے کا بیان

228- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِی عَاتِكَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْعِلْمِ قَبْلَ اَنْ يُّقْبَضَ وَقَبْضُهٗ اَنْ يُّرْفَعَ وَجَمَعَ بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ الْوُسْطٰی وَالَّتِیْ تَلِی الْاِبْهَامَ هٰكَذَا ثُمَّ قَالَ الْعَالِمُ وَالْمُتَعَلِّمُ شَرِيْكَانِ فِی الْاَجْرِ وَلَا خَيْرَ فِیْ سَائِرِ النَّاسِ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "علم کے قبض ہو جانے سے پہلے تم پر علم حاصل کرنا لازم ہے' اور اس کے قبض ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ اسے اٹھا لیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں یعنی درمیانی انگلی اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو اس طرح ملایا اور ارشاد فرمایا: عالم اور متعلم اجر میں شریک ہوتے ہیں' ان کے علاوہ باقی سب لوگوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

علم کی مجلس کے بہتر ہونے کا بیان

229- حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ الصَّوَّافُ حَدَّثَنَا دَاوٗدُ بْنُ زِبْرِقَانَ عَنْ بَكْرِ بْنِ خُنَيْسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ

227: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

228: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

229: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ مِّنْ بَعْضِ حُجَرِهٖ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَاِذَا هُوَ بِحَلْقَتَيْنِ اِحْدَاهُمَا يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَالْاُخْرٰى يَتَعَلَّمُوْنَ وَيُعَلِّمُوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلٌّ عَلٰى خَيْرٍ هٰؤُلَاءِ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَهٰؤُلَاءِ يَتَعَلَّمُوْنَ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا فَجَلَسَ مَعَهُمْ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں داخل ہوئے وہاں دو حلقے موجود تھے ان میں سے ایک حلقے کے افراد قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے تھے جبکہ دوسرے حلقے کے لوگ علم حاصل کر رہے تھے اور تعلیم دے رہے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان میں سے ہر ایک بھلائی پر گامزن ہے یہ لوگ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں اگر اللہ تعالیٰ انہیں چاہے تو وہ چیز انہیں عطا کر دے اور اگر چاہے تو عطا نہ کرے اور یہ لوگ علم حاصل کر رہے ہیں اور تعلیم دے رہے ہیں تو مجھے بھی تعلیم دینے والا بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ (راوی کہتے ہیں) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تشریف فرما ہو گئے۔

شرح

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ صحابہ کی دو جماعتیں الگ الگ بیٹھی ہوئی ہیں ایک جماعت تو ذکر و دعا میں مشغول تھی اور دوسری جماعت مذاکرہ علم میں مشغول تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں سے اس جماعت کو بہتر قرار دیا جو مذاکرہ علم میں مشغول تھی اور پھر نہ صرف یہ کہ زبان ہی سے ان کی فضیلت کا اظہار فرمایا بلکہ خود بھی اس جماعت میں بیٹھ کر علماء کی مجلس کو مزید عزت و شرف کی دولت بخشی۔ علم اور عالموں کی اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے عابدوں کی مجلس کو چھوڑ کر عالموں ہی کی ہم نشینی اختیار فرمائی ہے اور اپنے آپ کو ان ہی میں سے شمار کیا۔

بَابُ: مَنْ بَلَّغَ عِلْمًا

یہ باب علم پہنچانے والے کے بیان میں ہے

احادیث کا علم دوسروں تک پہنچانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "میری طرف سے پہنچا دو اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ اور بنی اسرائیل سے جو قصے سنو لوگوں کے سامنے بیان کرو یہ گناہ نہیں ہے اور جو آدمی قصداً میری طرف جھوٹ بات منسوب کرے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لے۔

(صحیح البخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث 193)

آیت سے مراد وہ احادیث ہے جو بظاہر چھوٹی چھوٹی ہیں لیکن افادیت کے اعتبار سے علوم و معارف کر بحر بیکراں اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتی ہیں جیسے ایک چھوٹی سی حدیث ہے کہ الحدیث (من صمت نجا) یعنی جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ یا اسی طرح دوسری مختصر مگر جامع احادیث۔ گویا اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگر چہ تم میری کسی ایسی حدیث کو پاؤ جو با اعتبار جملہ والفاظ کے بہت چھوٹی اور مختصر ہو مگر اس کو دوسروں تک ضرور پہنچاؤ اور اس کی افادیت سے دوسروں کو روشناس کراؤ۔

علماء لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا اصل مقصد علم کو پھیلانے اور دوسروں کو علم کی روشنی سے منور کرنے کی ترغیب دلانا ہے کہ جہاں تک ہو سکے علم کے پھیلانے اور دین کی بات کو پہنچانے میں سعی و کوشش کرنی چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ تم جس کو دوسروں تک پہنچا رہے ہو اگر چہ وہ بہت مختصر ہے مگر کیا تعجب کہ اسی سے اس کی دنیا بھی سنور جائے اور دین بھی بن جائے اور وہ راہ ہدایت کو پالے جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ ایک آدمی کی ہدایت ہوگی اور وہ راہ راست پر لگ جائے گا بلکہ اس کی وجہ سے تمہیں بھی اجر ملے گا اور بے شمار حسنات سے نوازے جاؤ گے۔ حدیث میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ اگر بنی اسرائیل سے کوئی قصہ سنو یا تمہیں ان سے کوئی واقعہ معلوم ہو تو تم اس کو لوگوں سے بیان کر سکتے ہو مگر ان کے احکام وغیرہ کو نقل کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ گذشتہ احادیث میں گزر چکا ہے۔ اس لئے کہ کسی واقعہ یا قصہ کو محض خبر کے طور پر بیان کر دینا شرعی امور میں کوئی نقصان پیدا نہیں کرتا مگر ان کے احکام کو نقل کرنا یا ان کی تبلیغ کرنا شریعت محمدی کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے کیونکہ جب اس دنیا میں شریعت محمدی کا نفاذ ہو گیا ہے تو اب تمام دوسری شریعتیں منسوخ اور کالعدم قرار دے دی گئی ہیں۔ لہٰذا شریعت محمدی کو چھوڑ کر دوسری شریعت کے احکام و اعمال کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

آخر حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کو منسوب کرنے پر نہایت سخت الفاظ میں زجر و توبیخ فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ جو آدمی میری طرف کسی غلط بات کا انتساب کرتا ہے اور مجھ پر بہتان باندھتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ جہنم کی آگ میں جلنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اس لئے کہ ایسا بدبخت جو دنیا کی سب سے بڑے صادق و مصدوق ہستی پر بہتان باندھتا ہے وہ اسی سزا کا مستحق ہے کہ اسے جہنم کے شعلوں کے حوالے کر دیا جائے۔ اس بارہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے علماء متفقہ طور پر یہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی طرف کسی ایسی بات یا ایسے عمل کی نسبت کرنا جو واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور ایسا کاذب انسان اللہ کے سخت عذاب میں گرفتار کیا جائے گا۔

اور بعض علماء مثلاً امام محمد جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس جرم کو اتنا قابل نفرت اور سخت خیال کیا ہے کہ وہ ایسے آدمی کے بارے میں کفر کا حکم لگاتے ہیں۔ حدیث " من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار " یعنی جو آدمی قصداً میری طرف جھوٹ بات کی نسبت کرے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔ " کہ بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ بڑے پایہ اور اونچے درجہ کی حدیث ہے اور اس کا شمار متواترات میں ہوتا ہے بلکہ دوسری متواتر حدیثیں اس کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی ہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث کو صحابہ کی ایک بہت بڑی جماعت نقل کرتی ہے چنانچہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو باسٹھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

علم حدیث اور فقہ رکھنے والے کی فضیلت کا بیان

230- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ اَبِىْ سُلَيْمٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَّادٍ اَبِىْ هُبَيْرَةَ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَاً سَمِعَ مَقَالَتِىْ فَبَلَّغَهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيْهٍ وَّرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ زَادَ فِيْهِ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ ثَلٰثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنُّصْحُ لِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ

◆◆ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے' جو ہماری کوئی بات سن کر اس کی تبلیغ کردے' تو فقہ کا علم حاصل کرنے والے کچھ لوگ فقیہہ نہیں بھی ہوتے ہیں' اور بعض اوقات فقہ کا علم رکھنے والا کوئی شخص اس تک وہ چیز منتقل کرتا ہے' جو اس سے بڑا فقیہہ ہوتا ہے''۔ علی بن محمد نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ مزید نقل کیے ہیں: تین چیزیں ایسی ہیں جس کے بارے میں مسلمان کا دل خیانت کا مرتکب نہیں ہوتا' عمل کا خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا' مسلمان حکمرانوں کے لیے خیر خواہی اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنا۔

شرح

اس حدیث سے علم دین اور اس کی تبلیغ کی فضیلت معلوم ہوئی، قرآن وحدیث کی تعلیم وتبلیغ کی ترغیب کے ساتھ ساتھ اس میں بشارت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے بعد بھی بہت سارے لوگ دین میں تفقہ وبصیرت حاصل کریں گے، اور مشکل مسائل کا حل قرآن وحدیث سے تلاش کیا کریں گے، اور یہ محدثین کا گروہ ہے، ان کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے خیر فرمائی، اور یہ معاملہ قیامت تک جاری رہے گا۔

231- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِىْ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ السَّلَامِ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْخَيْفِ مِنْ مِّنًى فَقَالَ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَاً سَمِعَ مَقَالَتِىْ فَبَلَّغَهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَّرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ

◆◆ محمد بن جبیر رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں ''خیف'' کے مقام پر کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جو ہماری بات سن کر اس کی تبلیغ کردیتا ہے' بعض اوقات فقہ (دینی احکام) کو حاصل کرنے والا شخص خود فقیہہ نہیں ہوتا اور بعض اوقات فقہ کا علم حاصل کرنے والا اس شخص تک چیز منتقل کردیتا ہے' جو اس سے بڑا فقیہہ ہوتا ہے''۔

230: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

231م-حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا خَالِي يَعْلَى ح و حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ

◆◆ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے۔

232- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ الْوَلِيدِ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَبَلَّغَهُ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَحْفَظُ مِنْ سَامِعٍ

◆◆ عبدالرحمٰن بن عبداللہ اپنے والد کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جو ہم سے کوئی بات سن کر اس کی تبلیغ کر دے' کیونکہ جس شخص تک وہ چیز منتقل کی گئی ہوتی ہے وہ براہ راست سننے والے کے مقابلے میں بعض اوقات زیادہ اچھے طریقے سے اسے یاد رکھتا ہے۔

233- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ أَمْلَاهُ عَلَيْنَا حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ وَعَنْ رَجُلٍ آخَرَ هُوَ أَفْضَلُ فِي نَفْسِي مِنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ خَطَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّهُ رُبَّ مُبَلَّغٍ يُبَلِّغُهُ أَوْعَى لَهُ مِنْ سَامِعٍ

◆◆ محمد بن سیرین نے عبدالرحمٰن نے ابوبکرہ کے حوالے سے ان کے والد سے اور ایک اور شخص کے حوالے سے جو میرے نزدیک عبدالرحمٰن سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں' کے حوالے سے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔قربانی کے دن نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:''موجود لوگ غیر موجود افراد تک تبلیغ کر دیں' کیونکہ بعض اوقات جس اگلے شخص تک وہ چیز پہنچائی گئی ہوتی ہے وہ براہ راست سننے والے کے مقابلے میں اس کو زیادہ بہتر طور پر یاد رکھتا ہے''۔

234- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ح و حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَنْبَأَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ

◆◆ حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:''خبردار: موجود شخص غیر موجود افراد تک تبلیغ کر دے''۔

232: اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 2657' ورقم الحدیث: 2658

233: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

234: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

235- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ اَنْبَاَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّرَاوَرْدِيُّ حَدَّثَنِي قُدَامَةُ بْنُ مُوْسٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُصَيْنِ التَّمِيْمِيِّ عَنْ اَبِيْ عَلْقَمَةَ مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ يَسَارٍ مَوْلٰى ابْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِيُبَلِّغْ شَاهِدُكُمْ غَائِبَكُمْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: تم میں سے موجود لوگ غیر موجود لوگوں تک تبلیغ کردیں۔

236- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ الْحَلَبِيُّ عَنْ مُعَانِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ بْنِ بُخْتٍ الْمَكِّيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَوَعَاهَا ثُمَّ بَلَّغَهَا عَنِّيْ فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جو ہماری بات سن کر اسے محفوظ کرلے پھر اسے ہمارے حوالے سے آگے بیان کردے' کیونکہ بعض اوقات براہ راست سیکھنے والا درحقیقت سیکھنے والا نہیں ہوتا اور بعض اوقات سیکھنے والا شخص اس شخص تک منتقل کردیتا ہے' جو اس سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھتا ہے''۔

بَابُ: مَنْ كَانَ مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ

یہ باب خیر کیلئے چابی ہونے والے کے بیان میں ہے

دوسروں کیلئے بھلائی یا برائی کا سبب بننے والوں کا بیان

237- حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ الْمَرْوَزِيُّ اَنْبَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِيْ عَدِيٍّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِيْ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيْحَ لِلْخَيْرِ مَغَالِيْقَ لِلشَّرِّ وَاِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيْحَ لِلشَّرِّ مَغَالِيْقَ لِلْخَيْرِ فَطُوْبٰى لِمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِيْحَ الْخَيْرِ عَلٰى يَدَيْهِ وَوَيْلٌ لِمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِيْحَ الشَّرِّ عَلٰى يَدَيْهِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''لوگوں میں سے کچھ لوگ بھلائی کے لیے چابی ہوتے ہیں' اور برائی کے لیے تالہ ہوتے ہیں اور لوگوں میں سے کچھ لوگ برائی کے لیے چابی

235: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 1278' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 419

236: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

237: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ہوتے ہیں اور بھلائی کے لیے تالہ ہوتے ہیں' تو اس شخص کے لیے مبارکباد ہے' جس کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ بھلائی کی چابیاں رکھ دیتا ہے' اور اس شخص کے لیے بربادی ہے' جس کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ برائی کی چابیاں رکھ دیتا ہے''۔

بھلائی کا خزانوں کی طرح ہونے کا بیان

238- حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ سَعِيْدٍ الْاَيْلِيُّ اَبُوْجَعْفَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ هٰذَا الْخَيْرَ خَزَائِنُ وَلِتِلْكَ الْخَزَائِنِ مَفَاتِيْحُ فَطُوْبٰى لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحًا لِّلْخَيْرِ مِغْلَاقًا لِّلشَّرِّ وَوَيْلٌ لِّعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحًا لِّلشَّرِّ مِغْلَاقًا لِّلْخَيْرِ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں' یہ بھلائی خزانوں کی طرح ہوتی ہے اور ان خزانوں کی کچھ چابیاں ہوتی ہیں' تو اس بندے کے لیے مبارکباد ہے' جسے اللہ تعالیٰ بھلائی کے لیے چابی بنادے اور برائی کے لیے رکاوٹ بنا دے اور اس شخص کے لیے بربادی ہے' جسے اللہ تعالیٰ برائی کے لیے چابی بنادے اور بھلائی کے لیے رکاوٹ بنادے۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ آدمی کان ہیں جس طرح سونے اور چاندی کی کان ہوتی ہے جو لوگ ایام جاہلیت میں بہتر تھے وہ زمانہ اسلام میں بہتر ہیں اگر وہ سمجھیں۔

(صحیح مسلم, مشکوۃ شریف: جلداول: رقم الحدیث 196)

انسان کو معدن یعنی کان سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ تشبیہ نیک اخلاق و عادات اور صفات و کمالات کی استعداد و صلاحیت کے تفاوت میں دی گئی ہے کہ جس طرح ایک کان میں لعل و یاقوت پیدا ہوتے ہیں تو دوسری کان میں سونا، چاندی اور بعض کان میں چونا، سرمہ، پتھر وغیرہ ہی پیدا ہوتے ہیں اسی طرح انسان کی ذات ہے کہ بعض تو اپنے اخلاق و عادات اور صفات و کمالات کی بناء پر با عظمت اور باشوکت ہوتے ہیں بعض ان سے کچھ کم درجہ کے ہوتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان صفات میں انتہائی کمتر و بے وقعت ہوتے ہیں۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لانے سے پہلے حالت کفر میں بہترین خصائل و عادات کے مالک تھے مثلاً سخاوت و شجاعت، اخلاق و دیانتداری اور محبت و مروّت کی بہترین صفات سے متصف تھے تو وہ اسلام لانے کے بعد بھی ان صفات کی بناء پر بہترین قرار دیئے گئے ہیں۔ ٹھیک ایسے ہی جیسے کہ سونا اور چاندی جب تک کان میں پڑے رہتے ہیں کہ وہ خاک میں پڑے رہنے کی وجہ سے اپنی اصلی حالت میں نہیں ہوتے جب انہیں کان سے نکال لیا جاتا ہے اور بھٹی میں ڈال کر تیار کیا جاتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی اصلی صورت میں آجاتے ہیں بلکہ ان کی آب و تاب میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

238- اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اسی طرح جب تک کوئی آدمی کفر کی ظلمت میں چھپا رہتا ہے تو خواہ وہ کتنا باوقار ہو اور اس کے اندر کتنی ہی سخاوت ہو کتنی ہی شجاعت ہوا سے برتری حاصل نہیں ہوتی، مگر جب کفر کے تمام پردوں کو چاک کر کے ظلم سے باہر نکلتا ہے اور ایمان واسلام کو قبول کر کے علم دین میں کمال حاصل کر لیتا ہے اور پھر اپنے آپ کو ریاضت ومجاہدہ اور دینی محنت ومشقت کی بھٹیوں کے حوالہ کر دیتا ہے تو اس کے بعد نہ صرف یہ کہ وہ اپنی اصل حالت میں آجاتا ہے بلکہ علم ومعرفت کی روشنی سے اس کا قلب ودماغ منور ہو جاتا ہے اور وہ عزت کی انتہائی بلندیوں پر جا پہنچتا ہے۔

بَابُ: ثَوَابِ مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ

یہ باب لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے کے اجر وثواب کے بیان میں ہے

عالم کیلئے سمندر کی مچھلیوں کا دعا مانگنے کا بیان

239- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَطَاءٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهُ لَيَسْتَغْفِرُ لِلْعَالِمِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ حَتّٰى الْحِيتَانِ فِي الْبَحْرِ

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: "عالم شخص کے لیے آسمانوں اور زمین میں موجود ہر چیز دعائے مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر میں موجود مچھلیاں بھی (اس کے لیے دعائے مغفرت کرتی ہیں)"۔

عالم کیلئے ثواب کا بیان

240- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عِيسَى الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَيُّوبَ عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا فَلَهُ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهِ لَا يَنْقُصُ مِنْ اَجْرِ الْعَامِلِ

سہل بن معاذ اپنے والد کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں' جو شخص علم کی تعلیم دیتا ہے' تو اسے اس شخص کی مانند بھی اجر ملے گا' جو اس علم پر عمل کرے گا' اور عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

علم دین اور ایصال ثواب کا بیان

241- حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ اَبِي كَرِيمَةَ الْحَرَّانِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ اَبِي عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنِي

239 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

240 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

241 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

زَيْدُ بْنُ اَبِي اُنَيْسَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ مَا يُخَلِّفُ الرَّجُلُ مِنْ بَعْدِهٖ ثَلٰثٌ وَّلَدٌ صَالِحٌ يَّدْعُوْ لَهٗ وَصَدَقَةٌ تَجْرِیْ يَبْلُغُهٗ اَجْرُهَا وَعِلْمٌ يُّعْمَلُ بِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ

قَالَ اَبُو الْحَسَنِ وَ حَدَّثَنَا اَبُوْحَاتِمٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيْدَ بْنِ سِنَانِ الرَّهَاوِیُّ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ سِنَانٍ يَعْنِیْ اَبَاهُ حَدَّثَنِیْ زَيْدُ بْنُ اَبِیْ اُنَيْسَةَ عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَهٗ

◆◆ عبداللہ بن ابوقتادہ اپنے والد کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''آدمی اپنے بعد جو چیزیں چھوڑ کر جاتا ہے ان میں تین چیزیں بہتر ہیں' ایک وہ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے' دوسرا وہ صدقہ جو جاریہ ہو جس کا اجر اس شخص تک پہنچتا رہے اور ایک وہ علم جس پر اس کے بعد عمل کیا جائے''۔ یہی روایت ایک اور سند کے ساتھ منقول ہے۔

شرح

کچھ اعمال ایسے بھی ہیں جن کے ثواب کا سلسلہ نہ صرف یہ کہ زندگی میں ملتا ہے بلکہ مرنے کے بعد باقی و جاری رہتا ہے۔ ایسے ہی اعمال کے بارے میں اس حدیث میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تین اعمال ایسے ہیں کہ زندگی ختم ہو جانے کے بعد بھی ان کے ثواب کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور مرنے والا برابر اس سے متمتع ہوتا رہتا ہے۔ پہلی چیز صدقہ جاریہ ہے' یعنی اگر کوئی آدمی اللہ کی راہ میں زمین وقف کر گیا ہے یا کنواں و تالاب بنوا گیا ہے یا ایسے ہی اللہ کی مخلوق کے فائدہ کی خاطر کوئی دوسری چیز اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے تو جب تک یہ چیزیں قائم رہیں گی اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کو برابر ثواب ملتا رہے گا۔ دوسری چیز علم نافع ہے یعنی کسی ایسے عالم نے وفات پائی جو اپنی زندگی میں لوگوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتا رہا اور پھر اپنے علوم و معارف کو کسی کتاب کے ذریعہ محفوظ کر گیا جو ہمیشہ لوگوں کے لئے فائدہ مند اور رشد و ہدایت کا سبب بنی ہے یا کسی ایسے آدمی کو اپنا شاگرد بنا گیا جو اس کے علم کا صحیح وارث ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو زندگی ختم ہونے کے بعد اس کے لئے سرمایہ و سعادت ثابت ہوں گی اور جن کا ثواب اسے وہاں برابر ملتا رہے گا۔ تیسری چیز اولاد صالح ہے ظاہر ہے کہ کسی انسان کے لئے سب سے بڑی سعادت اور وجہ افتخار اس کی اولاد صالح ہی ہوتی ہے اس لئے کہ صالح اولاد نہ صرف یہ کہ ماں باپ کے لئے دنیا میں سکون و راحت کا باعث بنتی ہے بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے وسیلہ نجات اور ذریعہ فلاح بھی بنتی ہے اور اس طرح سے کہ لائق و نیک لڑکا اپنے والدین کی قبروں پر جاتا ہے وہاں فاتحہ پڑھتا ہے دعائے مغفرت کرتا ہے' قرآن پڑھ کر ان کو بخشتا ہے اور ان کی طرف سے خیرات و صدقات کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں مردہ کے لئے ثواب کا باعث ہیں' جن سے وہ اخروی زندگی میں کامیاب ہوتا ہے۔

مومن کو فوت ہونے کے بعد ثواب ملتے رہنے کا بیان

242- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ وَهْبِ بْنِ عَطِيَّةَ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا

مَرْزُوقُ بْنُ اَبِی الْهُذَيْلِ حَدَّثَنِی الزُّهْرِیُّ حَدَّثَنِی اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ الْاَغَرُّ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ وَمُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ اَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْ نَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِیْ صِحَّتِهٖ وَحَيَاتِهٖ يَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ ،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "مومن کے مرنے کے بعد اس کے اعمال اور اس کی نیکیوں میں سے جو چیز اس تک پہنچتی ہے ان میں ایک وہ علم ہے' جس کی اس نے تعلیم دی ہو جسے اس نے پھیلایا ہو' ایک وہ نیک صالح اولاد ہے' جسے وہ چھوڑ کر گیا ہو' اور ایک وہ قرآن مجید ہے' جو اس کی وراثت میں منتقل ہوا ہو یا وہ مسجد ہے' جسے اس نے بنایا ہو' یا وہ مسافروں کے لیے سرائے ہے' جسے اس نے بنایا ہو یا وہ نہر ہے' جسے اس نے جاری کیا ہو' یا وہ صدقہ ہے' جسے اس نے اپنی صحت اور زندگی کے دوران اپنے مال میں سے نکالا تھا' اس کا اجر و ثواب اس کے مرنے کے بعد بھی اس شخص تک پہنچتا رہتا ہے"۔

علم دین سیکھنا سکھانا بہترین صدقہ ہونے کا بیان

243- حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبِ الْمَدَنِیُّ حَدَّثَنِی اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ طَلْحَةَ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ يَّتَعَلَّمَ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ عِلْمًا ثُمَّ يُعَلِّمَهٗ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: "سب سے افضل صدقہ یہ ہے' مسلمان شخص علم کی تعلیم حاصل کرے اور پھر اپنے کسی مسلمان بھائی کو اس کی تعلیم دے"۔

بَابُ: مَنْ كَرِهَ اَنْ يُّوْطَاَ عَقِبَاهُ

یہ باب اس شخص کے بیان میں جو اس بات کو ناپسند کرے کہ اس کے پیچھے چلا جائے

244- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِی شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ شُعَيْبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَا رُئِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ مُتَّكِئًا قَطُّ وَلَا يَطَاُ عَقِبَيْهِ رَجُلَانِ

حَدَّثَنَا اَبُوالْحَسَنِ وَ حَدَّثَنَا حَازِمُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اِبْرٰهِيْمُ بْنُ الْحَجَّاجِ السَّامِیُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ

---

242 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

243 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

244 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:3769

سَلَمَةَ قَالَ اَبُو الْحَسَنِ وَ حَدَّثَنَا اِبْرٰهِيْمُ بْنُ نَصْرٍ الْهَمْدَانِیُّ صَاحِبُ الْقَفِيْزِ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ

◆◆ شعیب بن عبداللہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ کو کبھی بھی تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا اور نہ ہی ایسی حالت میں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ کے پیچھے دو آدمی چل رہے ہوں۔ یہی روایت بعض دیگر اسناد کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

245- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُو الْمُغِيْرَةِ حَدَّثَنَا مُعَانُ بْنُ رِفَاعَةَ حَدَّثَنِیْ عَلِیُّ بْنُ يَزِيْدَ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ يَوْمٍ شَدِيْدِ الْحَرِّ نَحْوَ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ وَكَانَ النَّاسُ يَمْشُوْنَ خَلْفَهٗ فَلَمَّا سَمِعَ صَوْتَ النِّعَالِ وَقَرَ ذٰلِكَ فِیْ نَفْسِهٖ فَجَلَسَ حَتّٰى قَدَّمَهُمْ اَمَامَهٗ لِئَلَّا يَقَعَ فِیْ نَفْسِهٖ شَیْءٌ مِّنَ الْكِبْرِ

◆◆ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ شدید گرمی کے دن نبی کریم ﷺ "بقیع غرقد" کے پاس سے گزرے تو کچھ لوگ آپ ﷺ کے پیچھے چلنے لگے جب نبی کریم ﷺ نے ان کے جوتوں کی آواز سنی اور آپ ﷺ کو یہ اچھا محسوس ہوا تو نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہو گئے' یہاں تک کہ وہ لوگ آپ ﷺ سے آگے گزر گئے' نبی کریم ﷺ نے ایسا اس لیے کیا تھا تا کہ آپ ﷺ کے ذہن میں تکبر سے متعلق کوئی خیال نہ آئے۔

246-حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ نُبَيْحٍ الْعَنَزِیِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَشٰى مَشٰى اَصْحَابُهٗ اَمَامَهٗ وَتَرَكُوْا ظَهْرَهٗ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

◆◆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب چلتے تھے تو آپ ﷺ کے اصحاب آپ ﷺ کے آگے چلتے تھے اور وہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے والے حصے کو فرشتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔

بَابُ: الْوَصَاةِ بِطَلَبَةِ الْعِلْمِ

یہ باب طالب علموں کیلئے وصیت کے بیان میں ہے

دینی طلباء کو خوش آمدید کہنے کا بیان

247-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ رَاشِدٍ الْمِصْرِیُّ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ عَبْدَةَ عَنْ اَبِیْ هَارُوْنَ

245: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

246: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

247 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2650' ورقم الحدیث: 2651

الْعَبْدِيِّ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَيَاْتِيْكُمْ اَقْوَامٌ يَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُمْ فَقُوْلُوْا لَهُمْ مَرْحَبًا مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقْنُوْهُمْ قُلْتُ لِلْحَكَمِ مَا اقْنُوْهُمْ قَالَ عَلِّمُوْهُمْ

◆◆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: مشرق کی سمت سے لوگ تمہارے پاس آئیں گے وہ علم حاصل کرنا چاہتے ہوں گے جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے بارے میں بھلائی کی تلقین کو قبول کرو۔

راوی بیان کرتے ہیں: جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہمیں دیکھتے تھے تو فرمایا کرتے تھے: ان لوگوں کو خوش آمدید! جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کی تھی۔

شرح

اس ارشاد کا مقصد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ بتانا ہے کہ میرے بعد چونکہ تمہاری ہی ذات دنیا کے لئے راہ برو راہنما ہوگی اور تم ہی لوگوں کے پیشوا و امام بنو گے اس لئے تمام دنیا کے لوگ تمہارے پاس علم دین طلب کرنے اور میری احادیث حاصل کرنے آئیں گے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ وہ آئیں تو تم ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو، ان کی نگہداشت اور تربیت میں کوتاہی نہ کرو اور ان کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کرو، نیز ان کے قلوب کو علم دین کی اس مقدس روشنی سے جس سے تمہارے قلوب براہ راست فیضیاب ہو چکے ہیں منور کرو۔

دینی طلباء کی حوصلہ افزائی کرنے کا بیان

248- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ حَدَّثَنَا الْمُعَلَّى بْنُ هِلَالٍ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى الْحَسَنِ نَعُوْدُهُ حَتّٰى مَلَاْنَا الْبَيْتَ فَقَبَضَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى اَبِیْ هُرَيْرَةَ نَعُوْدُهُ حَتّٰى مَلَاْنَا الْبَيْتَ فَقَبَضَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى مَلَاْنَا الْبَيْتَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ لِجَنْبِهٖ فَلَمَّا رَاٰنَا قَبَضَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّهٗ سَيَاْتِيْكُمْ اَقْوَامٌ مِّنْ بَعْدِيْ يَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَرَحِّبُوْا بِهِمْ وَحَيُّوْهُمْ وَعَلِّمُوْهُمْ قَالَ فَاَدْرَكْنَا وَاللّٰهِ اَقْوَامًا مَا رَحَّبُوْا بِنَا وَلَا حَيَّوْنَا وَلَا عَلَّمُوْنَا اِلَّا بَعْدَ اَنْ كُنَّا نَذْهَبُ اِلَيْهِمْ فَيَجْفُوْنَا

◆◆ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نامی راوی بیان کرتے ہیں: ہم حسن نامی راوی کی خدمت میں ان کی عیادت کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہم نے گھر بھر دیا' وہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے' انہوں نے اپنے پاؤں سمیٹ لئے پھر انہوں نے یہ بات بیان کی ایک مرتبہ ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے کے لیے ان کے ہاں گئے تھے تو ہم نے گھر بھر دیا تھا' وہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے' تو انہوں نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے پھر انہوں نے بتایا ایک مرتبہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

248 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

خدمت میں حاضر ہوئے' تو ہم نے گھر کو بھر دیا' نبی کریم ﷺ اس وقت پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے جب آپ ﷺ نے ہمیں ملاحظہ فرمایا' تو آپ ﷺ نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عنقریب میرے بعد تمہارے پاس کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو علم طلب کرنے والے ہوں گے تو تم انہیں ''خوش آمدید'' کہنا' انہیں سلام کہنا اور انہیں تعلیم دینا''۔ راوی کہتے ہیں: اللہ کی قسم! ہم نے ایسے لوگوں کو پایا جنہوں نے نہ کبھی ہمیں مرحبا کہا اور نہ کبھی ہمیں سلام کیا' اور نہ ہی ہمیں تعلیم دی' بلکہ الٹا جب ہم ان کے پاس جاتے تو وہ ہمارے ساتھ زیادتی کیا کرتے۔

شرح

بلاتفریق مختلف طبقات کے لیے عملی کاوشیں: فروغ تعلیم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام طبقات کو ملحوظ رکھا، بلا کسی تفریق آپ نے ضرورت پر سب کو تعلیم دی، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل خانہ سے لے کر قریبی رشتہ داروں اور سماج کے تمام لوگوں بالخصوص ساتھیوں اور نوجوانوں پر اس سلسلے میں توجہ مرکوز کی بلکہ عورتوں کو بھی آپ نے اس سے محروم نہ رکھا۔ دیہات سے آنے والے بدؤں اور اعرابیوں، نیم نومسلموں کو بھی تعلیم کا فیض پہنچایا۔ چنانچہ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حق تعلیم اور اس کا فروغ سیرت نبوی کے آئینہ میں سماج کے ہر طبقہ کو دیا گیا ہے اور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا امتیاز چھوٹے بڑے، امیر وغریب، مرد وعورت، قریبی وغیر قریبی ہر ایک کو حصول تعلیم کا موقع عنایت کیا ہے۔ اس سلسے میں جب سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوراق پر طائرانہ نظر ڈالی جاسکتی ہے۔

249- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَنْقَزِيُّ اَنْبَاَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِي هَارُوْنَ الْعَبْدِيِّ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ قَالَ مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ وَّاِنَّهُمْ سَيَاْتُوْنَكُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ فَاِذَا جَاءُوْكُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَيْرًا

◄◄ ابو ہارون عبدی بیان کرتے ہیں: جب ہم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو وہ یہ فرماتے تھے۔ ''ان لوگوں کو خوش آمدید جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے وصیت کی تھی' نبی کریم ﷺ نے ہمیں فرمایا تھا' لوگ تمہارے پیروکار رہوں گے' عنقریب وہ دین علم کے حصول کے لیے دنیا کے دور دراز علاقوں سے تمہارے پاس آئیں گے' جب وہ تمہارے پاس آئیں' تو تم ان کے بارے میں بھلائی کی وصیت کو قبول کرو۔

شرح

طالب علموں کا والہانہ استقبال اور خیر مقدم اور ان کی تشجیع وحوصلہ افزائی: کسی بھی نفع بخش اور اچھے عمل پر اگر اسے انجام دینے والوں کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی نہ کی جائے تو عزائم رفتہ رفتہ پژمردہ ہونے لگتے ہیں، میدان تعلیم میں دلجوئی اور حوصلہ افزائی کا ایک بہترین طریقہ طلباء کا والہانہ استقبال اور خیر مقدمی کلمات کہنا ہے۔ جس سے ان کے دلوں میں علم کی محبت، حصول تعلیم کا جذبہ،

احترام اساتذہ ومعلمین نیز دلجمعی اور شوق ولگن سے اس میدان میں لگے رہنے کا حوصلہ پیدا اور بلند ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مثالی طریقہ تھا کہ آپ دور دراز اور قریب سے آنے والے ہر کس وناکس کا، اسی طرح آپ کی مجلسوں میں شریک ہونے والے اور زندگی کی کامیابی کے اصول وآداب سیکھنے کی خاطر آنے والے طلباء اور شائقین علم کا والہانہ استقبال کرتے اور ان کی ہر ممکن دلجوئی اور حوصلہ افزائی بھی کیا کرتے، ان کے عزائم اور ارادوں کی پختگی اور تعلیم میں ان کی ہم آہنگی اور دلجمعی کے لیے انھیں خوشخبریاں سناتے۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے اس بابت ہمیں درج ذیل باتیں اور دلیلیں معلوم ہوتی ہیں:۔

طالب علموں کا حسن استقبال: حضرت صفوان کہتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ اپنی سرخ چادر پہنے اور ٹیک لگائے مسجد میں تشریف فرما تھے، میں نے عرض کیا کہ میں علم حاصل کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرحبا بطالب العلم کہ طالب علم کو خوش آمدید ہو، اس کے بعد فرمایا: کہ طالب علم کو فرشتے اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں اور پھر وہ ایک دوسرے پر سوار ہوتے ہوئے آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ سب کچھ اس کے طلب علم سے محبت کی بنا پر کرتے ہیں۔ (مجمع الزوائد کتاب العلم، باب فی طلب العلم۔ 130/1۔ حدیث صحیح ہے۔ صحیح الترغیب۔ 106/1)

دینی مسائل ومعاملات سیکھنے کی غرض سے آنے والے وفود کا خیر مقدم: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبد القیس کا بہترین اور شاندار استقبال کیا اور انھیں تعلیم دی، قبیلہ بنو عامر کی طرف سے آنے والے وفد کا خیر مقدم اور ان کی حوصلہ افزائی کی اور انھیں مختلف مسائل کی تعلیم دی۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں اس طرح کی بے شمار روایتیں موجود ہیں۔ دیکھیے

(صحیح بخاری کتاب الادب، باب قول الرجل مرحبا رقم 6178، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان: 7293)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طالب علموں کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خیر کی وصیت کی اور اپنی زندگی کے بعد ان کی حوصلہ افزائی اور خبر گیری کرنے کا حکم دیا: حضرت ابو سعید خدری صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تمھارے پاس قومیں طلب علم کے لیے آئیں گی، جب تم انھیں دیکھو تو ان سے کہو کہ: **مرحبا مرحبا بوصية رسول الله صلى الله عليه وسلم واقنوهم** کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق تمھیں خوش آمدید اور مرحبا ہو اور تم انھیں علم سکھاؤ اور تعلیم دو۔ (ابن ماجہ مقدمہ الوصاۃ بطلبۃ العلم صحیح ابن ماجہ: 461)

طالب علموں اور شاگردوں کے لیے معلم کائنات کی دعائیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فروغ تعلیم کے لیے دنیوی وسائل کا سہارا لینے کے ساتھ ساتھ توفیق الٰہی، نصرت باری اور مدد ربانی کے لیے طالب علموں کی خاطر دعاؤں کا خصوصی اہتمام کیا ہے اور اس سلسلے میں ایک مثال قائم کی ہے۔ ایک استاد اور معلم جہاں اپنے طلباء اور شاگردوں کی زندگی بنانے، مستقبل سنوارنے اور علم ومعرفت سے انھیں آراستہ کرنے کے لیے ہر ممکن جتن کرتا ہے اور مختلف وسائل وذرائع کا سہارا لے کر طلباء کی تعلیمی ترقی کے لیے راہیں ہموار کرتا ہے وہیں زندگی کو کامیاب بنانے اور محنتوں وکاوشوں کا عمدہ ثمرہ اور نتیجہ پانے کے لیے رب العالمین سے دعائیں بھی کرتا ہے۔ زبان معلم اپنے طلباء کے حق میں دعاؤں کا گنجینہ بیش بہا بن کر عرش الٰہی سے ان کی کامیابی اور کامرانی کے لیے فریاد رسی کرتی ہے یہی اسوہ نبوی بھی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاگردوں کے لیے نہ صرف یہ کہ دعائیں کی ہیں بلکہ اپنی دعاؤں

کی قبولیت واستجابت سے ان کے مستقبل کو رنگ ونور اور فوز وفلاح سے بھر دیا ہے۔ جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کے لیے علم کتاب کی دعا کی اللھم علمہ الکتاب کہ اللہ تو اسے کتاب کا علم عطا فرما دے۔ (بخاری کتاب العلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم علمہ الکتاب: 75) چنانچہ عبداللہ بن عباس کے حق میں آپ کی یہ دعا شرف قبولیت تک پہنچ گئی اور انھیں علم کتاب عطا کیا گیا، یہاں تک کہ امت مسلمہ نے کتاب الٰہی کے بھرپور علم ومعرفت کی وجہ سے انھیں ترجمان القرآن کا لقب دیا۔

طلباء کی ہنرمندیوں اور صلاحیتوں کا اعتراف اور ان کی عزت افزائی: طلباء کے علم ومعرفت میں رسوخ اور پختگی پیدا کرنے، ذہنی وعقلی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ان کی لیاقت وصلاحیت اور کاوش ومحنت کی تعریف کرنا، ان کے عمدہ کاموں اور ان کی حوصلہ افزائی اور تشجیع کرنا بے حد ضروری ہے تاکہ ان کا تعلیمی مستقبل روشن ہو، اور یہ اپنی صلاحیتوں کو مکمل طریقے سے پروان چڑھا کر اپنے گھر اور خاندان اور قوم وملت کے لیے مشعل راہ بنیں۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں تمام اساتذہ اور معلمین کو بہترین اسوہ اور نمونہ عطا کیا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طلبا اور شاگردوں کی صلاحیتوں اور لیاقتوں پر ان کی عزت افزائی کرتے، ان کے عمدہ کاموں اور کارناموں نیز ان کی محنتوں اور کاوشوں کو سراہتے ہوئے ان کے حق میں تعریفی کلمات کہتے: حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے قرآن عزیز کی سب سے باعظمت آیت کے بارے میں پوچھا میں نے جواب دیا کہ سب سے باعظمت آیت اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ضرب لگائی اور کہا کہ: واللہ لیھنئك العلم ابا المنذر کہ اللہ کی قسم اے ابومنذر! تمھیں تمہارا علم مبارک ہو۔ (مسلم صلوۃ المسافرین باب فضل سورۃ کہف وآیۃ الکرسی: 87/258)

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے عالم کا اپنے باصلاحیت شاگردوں کی توقیر کرنا، ان کی کنیتوں کے ساتھ ان کو مخاطب کرنا، کسی انسان کے روبرو کسی مصلحت کے پیش نظر ان کی تعریف کرنا، جب کہ اس میں خود پسندی کا اندیشہ نہ ہو، ثابت ہوتا ہے۔ (شرح النووی علی مسلم 6/93)

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن مسعود، سالم مولی ابی حذیفہ کی تلاوت، ترتیل وتجوید اور عمدہ آواز پر ان کی زبردست حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

(بخاری فضائل القرآن۔ آثار حسن الصوت۔ 5048، مسلم: 241، مجمع الزوائد: 9/300)

مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فروغ تعلیم، اس کی نشر واشاعت، طلباء کی قدر دانی وحوصلہ افزائی، ان کے لیے نیک دعائیں اور تمنائیں کسی بھی چیز میں کچھ کسر باقی نہ چھوڑا ہے۔ بنیادی حق تعلیم اور اس کے فروغ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، معمولات اور تشجیعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سیرت نبوی کے آئینے میں تعلیم اور اس کے فروغ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بَابُ: اَلْاِنْتِفَاعِ بِالْعِلْمِ وَالْعَمَلِ بِهٖ

یہ باب علم سے نفع حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے بیان میں ہے

فائدہ نہ دینے والے علم سے پناہ مانگنے کا بیان

250- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْخَالِدٍ الْاَحْمَرُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَّا يُسْمَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ

◈ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ ''اے اللہ! میں ایسے علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے' ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے' اور ایسے دل سے جو ڈرے نہیں اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو (ان سب سے تیری پناہ مانگتا ہوں)''۔

علم سے نفع حاصل کرنے کی دعا مانگنے کا بیان

251- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِىْ بِمَا عَلَّمْتَنِىْ وَعَلِّمْنِىْ مَا يَنْفَعُنِىْ وَزِدْنِىْ عِلْمًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ

◈ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اے اللہ! تو نے مجھے جو علم دیا ہے اُس کے ذریعہ مجھے نفع عطاء کر اور مجھے اُس چیز کا علم عطاء کر جو مجھے نفع دے اور میرے علم میں اضافہ کر' ہر حال میں ہر طرح کی حمد اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے''۔

دنیاوی اغراض کیلئے دینی علوم حاصل کرنے والے کا بیان

252- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ وَّسُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَا حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَعْمَرٍ اَبِىْ طُوَالَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِّمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِىْ رِيْحَهَا

قَالَ اَبُو الْحَسَنِ اَنْبَاَنَا اَبُوْحَاتِمٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ فَذَكَرَ نَحْوَهٗ

---

250 اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث:5551

251 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث:3599' اخرجہ ابن ماجہ فی ''السنن'' رقم الحدیث:3833

252: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:3664

●● حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "جو شخص کوئی ایسا علم حاصل کرے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جاتی ہے اور وہ شخص صرف دنیاوی فائدے کے حصول کے لیے اسے حاصل کرے تو ایسا شخص قیامت کے دن اس کی بُو بھی نہیں پائے گا"۔ (راوی کہتے ہیں: اس سے مراد جنت کی بُو ہے) ابوالحسن کہتے ہیں یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے۔

فخر وتکبر کے اظہار کیلئے علم حاصل کرنے والوں کا بیان

253- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا اَبُوْ كَرِبٍ الْاَزْدِيُّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَآءَ اَوْ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَآءَ اَوْ لِيَصْرِفَ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ فَهُوَ فِي النَّارِ

●● حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: "جو شخص علم اس لیے حاصل کرتا ہے' تاکہ اس کے ذریعے بے وقوفوں کے ساتھ بحث کرے یا علماء کے سامنے فخر کا اظہار کرے یا لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے تو وہ شخص جہنم میں جائے گا"۔

جاہلوں سے بحث کرنے کی ممانعت کا بیان

254- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ مَرْيَمَ اَنْبَاَنَا يَحْيَى بْنُ اَيُّوْبَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوْا بِهِ الْعُلَمَآءَ وَلَا لِتُمَارُوْا بِهِ السُّفَهَآءَ وَلَا تَخَيَّرُوْا بِهِ الْمَجَالِسَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَالنَّارُ النَّارُ

●● حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: "علم اس لیے حاصل نہ کرو تاکہ تم اس کے ذریعے علماء کے سامنے فخر ومباہات کا اظہار کرو یا اس کے ذریعے تم بے وقوفوں کے ساتھ بحث مباحثہ کرو یا اس کے ذریعے محافل میں اپنے آپ کو نمایاں کرو' جو شخص ایسا کرے گا' تو پھر (اس کا ٹھکانہ) آگ ہوگی' آگ ہوگی"۔

قرآن میں جھگڑا کرنے کی ممانعت سے متعلق تفسیری تصریحات کا بیان

ا:۔ابن ابی حاتم نے ابو مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت) مایجادل فی ایت اللہ الا الذین کفروا اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں) اور (یہ آیت حرث بن قیس سلمی کے بارے میں نازل ہوئی۔

۲:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔

253: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

254: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

۳:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔

۴:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے ابوجہیم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب میں سے دو آدمیوں نے ایک آیت کے بارے میں جھگڑا کیا ان میں سے ایک نے کہا میں نے اسے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے سیکھا ہے۔اور دوسرے نے کہا میں نے بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے لیا ہے دونوں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس حاضر ہوئے اور اس بات کا ذکر کیا آپ نے فرمایا قرآن سات نعمتوں میں نازل ہوا اور اس میں جھگڑا کرنے سے بچو کیونکہ اس میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔

۵:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔

۶:۔عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ وعبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ (آیت) **فلا یغرر ک تقلبهم فی البلاد** (ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالے) یعنی ان کا آنا اور جانا اور ان کا سفروں میں پھرنا (آیت) **والاحزاب من بعدهم** یعنی نوح علیہ السلام کی قوم عاد اور ثمود کی قوموں کے بعد کہ وہ کافر جماعتیں تھیں (آیت) **وهمت کل امة برسولهم** (اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کا ارادہ کیا) تاکہ ان کو پکڑیں اور ان کو قتل کریں (آیت) **وکذلك حقت کلمت ربك علی الذین کفروا** (اسی طرح ثابت ہوئی تیرے رب کی بات ان لوگوں پر جو کافر ہیں) یعنی ان پر عذاب ثابت ہوا ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے۔

۷:۔عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ وابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ (آیت) **فلا یغرر ک تقلبهم فی البلاد** یعنی ان کا فسا کرنا اس میں اور ان کا کفر کرنا (آیت) **فاخذتهم فکیف کان عقاب** (پھر ان کو پکڑا سو ہمارا عذاب کیسے ہوا) فرمایا اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والے ہیں۔اما قولہ تعالیٰ: **وجدلوا بالباطل لیدحضوا به الحق**: ۸:۔طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس شخص نے باطل کی مدد کی تاکہ اپنے باطل کے ساتھ حق کو باطل کر دے تو اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہو گیا۔(تفسیر درمنثور، سورہ غافر، بیروت)

امراء کے پاس علماء کے جانے کا بیان

255–حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ اَنْبَاَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْكِنْدِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بُرْدَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اُنَاسًا مِّنْ اُمَّتِيْ سَيَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ وَيَقْرَءُ وْنَ الْقُرْاٰنَ وَيَقُوْلُوْنَ نَاْتِي الْاُمَرَاءَ فَنُصِيْبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِيْنِنَا وَلَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنٰى مِنَ الْقَتَادِ اِلَّا الشَّوْكُ كَذٰلِكَ لَا يُجْتَنٰى مِنْ قُرْبِهِمْ اِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ

255:اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

الصَّبَّاحِ كَأَنَّهُ يَعْنِي الْخَطَايَا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''عنقریب میری امت کے کچھ افراد دین کا علم حاصل کریں گے وہ قرآن کی تعلیم حاصل کریں گے اور یہ کہیں گے ہم امراء کے پاس جائیں گے اور ان سے دنیاوی فوائد حاصل کریں گے البتہ ہم اپنے دین کی وجہ سے ان سے الگ تھلگ رہیں گے (یعنی ان کے گناہوں میں ان کا ساتھ نہیں دیں گے) حالانکہ ایسا نہیں ہو سکتا' جس طرح کانٹے دار درخت سے صرف کانٹے ہی چنے جا سکتے ہیں' اس طرح ان (امیر لوگوں) کے قرب سے صرف (گناہ) ہی ہوگا''۔ محمد بن صباح نامی راوی بیان کرتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے' ان لوگوں کو گناہ ہی حاصل ہوگا۔

256- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَعِيلَ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُحَارِبِيُّ حَدَّثَنَا عَمَّارُ بْنُ سَيْفٍ عَنْ أَبِي مُعَاذٍ الْبَصْرِيِّ ح و حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ عَمَّارِ بْنِ سَيْفٍ عَنْ أَبِي مُعَاذٍ الْبَصْرِيِّ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ قَالَ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ تَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ أَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ يَدْخُلُهُ قَالَ أُعِدَّ لِلْقُرَّاءِ الْمُرَائِينَ بِأَعْمَالِهِمْ وَإِنَّ مِنْ أَبْغَضِ الْقُرَّاءِ إِلَى اللّٰهِ الَّذِينَ يَزُورُونَ الْأُمَرَاءَ قَالَ الْمُحَارِبِيُّ الْجَوَرَةَ

حَدَّثَنَا قَالَ أَبُو الْحَسَنِ: حَدَّثَنَا حَازِمُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ النَّصْرِيِّ وَكَانَ ثِقَةً ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيثَ نَحْوَهُ

حَدَّثَنَا إِبْرٰهِيمُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَمَّارُ بْنُ سَيْفٍ عَنْ أَبِي مُعَاذٍ قَالَ مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ عَمَّارٌ لَا أَدْرِي مُحَمَّدٌ أَوْ أَنَسُ بْنُ سِيرِينَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جب حزن'' سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو! لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ''جب حزن'' کیا چیز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ جہنم میں ایک وادی ہے' جس سے جہنم بھی روزانہ چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ عرض کی گئی: اے اللہ تعالیٰ کے رسول! اس میں داخل کون ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ دکھاوے کے طور پر قرآن مجید پڑھنے والے لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ عالم وہ ہیں جو امراء کے ہاں آتے جاتے ہوں۔ محاربی کہتے ہیں: اس سے مراد ظالم حکمران ہیں۔ یہی روایت بعض دیگر اسناد کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شرح

جب الحزن'' دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے جو بہت گہری ہے اور کنوئیں کے مشابہ ہے یہ اتنی زیادہ ہیبت ناک اور وحشت

256۔ اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 2383

ناک ہے کہ دوزخی تو الگ رہے خود دوزخ دن میں چار سو مرتبہ اس سے پناہ مانگتی ہے۔ چنانچہ فرمایا جا رہا کہ وہ قاری جو اپنا عمل یعنی قرآن پڑھنا محض دکھلاوے و ریاء کے لئے کرتے ہیں اسی وحشت ناک وادی میں دھکیل دیئے جائیں گے۔ اسی حکم میں ریاکار عالم اور عابد بھی داخل ہیں، کیونکہ علم کی اصل بنیاد تو قرآن ہی ہے اسی طرح عبادت بھی قرآنی احکام ہی کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے عالم اور عابد جو ریاء کار ہیں وہ انہیں قاریوں کے ہمراہ اسی کنواں کا لقمہ بنیں۔ "سرداروں سے ملاقات" کا مطلب یہ ہے کہ جو قاری سرداروں سے محض حب جاہ و مال اور دنیاوی طمع و لالچ کی خاطر ملتا ہے وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ہے۔ ہاں اگر سرداروں سے ملنا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ نیز یہاں سرداروں سے بھی وہی سردار مراد ہیں جو ظالم اور جابر ہوں، نیک بخت سردار یا عادل امیر و حاکم کا یہ حکم نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے امراء و سردار جو اللہ کے نیک بندے ہوں ان سے ملاقات کرنا عبادت میں داخل ہے۔

257- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَالْحُسَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ النَّصْرِيِّ عَنْ نَهْشَلٍ عَنِ الضَّحَّاكِ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوا الْعِلْمَ وَوَضَعُوْهُ عِنْدَ اَهْلِهِ لَسَادُوْا بِهِ اَهْلَ زَمَانِهِمْ وَلٰكِنَّهُمْ بَذَلُوْهُ لِاَهْلِ الدُّنْيَا لِيَنَالُوْا بِهِ مِنْ دُنْيَاهُمْ فَهَانُوْا عَلَيْهِمْ سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَّاحِدًا هَمَّ الْاٰخِرَةِ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُوْمُ فِيْ اَحْوَالِ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِيْ اَيِّ اَوْدِيَتِهَا هَلَكَ

حَدَّثَنَا اَبُو الْحَسَنِ حَدَّثَنَا حَازِمُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ النَّصْرِيِّ وَكَانَ ثِقَةً ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ نَحْوَهُ بِاِسْنَادِهِ

◆◆ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اگر اہل علم علم کی حفاظت کریں اور اسے اس کے اہل لوگوں تک منتقل کریں تو اس کے ذریعے وہ اپنے زمانے کے لوگوں کے سردار بن جائیں گے لیکن انہوں نے اس علم کو اہل دنیا کے لیے خرچ کیا تاکہ اس کے ذریعے ان لوگوں سے دنیا حاصل کریں تو یہ اہل علم ان امیر لوگوں کے ہاں ذلیل و رسواء ہو گئے میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

"جس شخص کی تمام تر توجہ کا مرکز اس کی آخرت ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دنیاوی پریشانیوں کے حوالے سے اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور جو شخص دنیا کے مختلف امور کے بارے میں پریشان رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ کون سی وادی میں ہلاکت کا شکار ہوتا ہے؟" ابوالحسن کہتے ہیں یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

ریاکاری کیلئے علم حاصل کرنے والوں کا بیان

258- حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَخْزَمَ وَاَبُوْ بَدْرٍ عَبَّادُ بْنُ الْوَلِيْدِ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ الْهُنَائِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ

257 اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث: 4106

بْنُ الْمُبَارَكِ الْهُنَائِيُّ عَنْ اَيُّوْبَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ خَالِدِ بْنِ دُرَيْكٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللّٰهِ اَوْ اَرَادَ بِهٖ غَيْرَ اللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی اور کے لیے علم حاصل کرے یا اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی اور (کی رضامندی) کا ارادہ کرے تو وہ جہنم میں اپنے مخصوص ٹھکانے تک پہنچنے کے لیے تیار رہے۔

شرح

حضرت عمرو ابن شعیب رضی اللہ عنہ (عمرو ابن شعیب تابعی ہیں، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ہیں) اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کے بارے میں سنا کہ وہ آپس میں قرآن کے بارے میں بحث کر رہے ہیں اور جھگڑ رہے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تم سے پہلے کے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے انہوں نے کتاب اللہ کے بعض حصہ کو بعض پر مارا (یعنی آیات میں تضاد اور اختلاف ثابت کیا کہ فلاں آیت فلاں آیت کے مخالف ہے اور یہ آیت فلاں آیت کے مخالف ہے) اور بے شک کتاب اللہ کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا تم قرآن کے بعض حصہ کو بعض سے نہ جھٹلاؤ اور اس کے بارے میں جتنا تم جانتے ہو اس کو بیان کرو اور جو نہیں جانتے ہو اسے جاننے والوں کی طرف سونپ دو۔ (مسند احمد بن حنبل، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 226)

جن لوگوں کا علم ناقص ہوتا ہے اور جن کے ایمان وعقیدہ میں کمزوری اور ذہن وفکر میں کمی ہوتی ہے وہ آیات میں باہم اختلاف پیدا کرتے رہتے ہیں اور آیت کے حقیقی مفہوم ومراد سے ہٹ کر ان کے ناقص ذہن وفکر میں جو مفہوم آتا ہے اسے بیان کرتے ہیں اور پھر اسی طرز پر اپنے نظریات واعتقادات کی بنیاد بھی رکھ دیتے ہیں جس کی مثال ماقبل کی حدیث میں بیان کی جا چکی ہے۔ اس کے بارے میں یہاں بھی فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں کچھ آیتوں میں اختلاف نظر آئے تو اس میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ ساقط نہ کرو اور نہ اس کی تکذیب کرو بلکہ جہاں تک تمہارا علم مدد کر سکے ان میں تطبیق پیدا کرو، اگر ایسا نہ کر سکو تو پھر تم بجائے اس کے کہ اس میں اپنی عقل وسمجھ کے تیر چلاؤ اس کے حقیقی معنی ومفہوم کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کی جانب سونپ دو، یا پھر ایسے علماء وصلحاء جو علم کے اعتبار سے تم سے اعلیٰ وافضل ہوں اور تم پر فوقیت رکھتے ہیں ان سے رجوع کرو۔

259- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَاصِمٍ الْعَبَّادَانِيُّ حَدَّثَنَا بَشِيْرُ بْنُ مَيْمُوْنٍ قَالَ سَمِعْتُ اَشْعَثَ بْنَ سَوَّارٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوْا بِهِ الْعُلَمَآءَ اَوْ لِتُمَارُوْا بِهِ السُّفَهَآءَ اَوْ لِتَصْرِفُوْا وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْكُمْ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَهُوَ فِي النَّارِ

258: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2655

259: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''علم اس لیے حاصل نہ کرو تا کہ تم اس کے ذریعے علماء کے سامنے فخر ومباہات کا اظہار کر و یا اس کے ذریعے بے وقوفوں سے بحث مباحثہ کرو یا اس کے ذریعے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلو تو جو شخص ایسا کرے گا وہ جہنم میں جائے گا''۔

بحث ومباحثہ اور ریا کاری کیلئے علم حاصل کرنے کا بیان

260- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ اَنْبَاَنَا وَهْبُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ الْاَسَدِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيُّ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَآءَ وَيُجَارِيَ بِهِ السُّفَهَآءَ وَيَصْرِفَ بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ جَهَنَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص علم اس لیے حاصل کرتا ہے' تاکہ اس کے ذریعے علماء کے سامنے فخر ومباہات کا اظہار کرے یا بے وقوفوں کے ساتھ بحث ومباحثہ کرے' لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا''۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا۔ قرآن میں جھگڑنا کفر ہے۔

(مسند احمد بن حنبل وسنن ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 225)

ان لوگوں کا دائرہ کفر کے قریب کر دیا گیا ہے جو قرآن کے معنی ومطالب اور مقاصد ومراد کے تعیین میں جھگڑتے رہتے ہیں اور جس کی عقل میں جو آتا ہے اس کو حق اور صحیح سمجھتے ہوئے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نیز ایسے کم فہم لوگوں کو جب ظاہری طور پر قرآن کی آیتوں میں معنی ومقصد کے لحاظ سے فرق نظر آتا ہے تو وہ ان میں سے ایک آیت کو ناقابل اعتناء و ناقابل قبول اور ناقابل استشہاد قرار دے کر دوسری آیت کو راجح قرار دے دیتے ہیں۔ گویا اس طرح وہ قرآن ہی کی ایک آیت سے دوسری آیت کو ساقط کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا شرعی نقطۂ نظر سے انتہائی جرم ہے بلکہ ایسی شکل میں جبکہ دو آیتوں میں باہم اختلاف وتضاد نظر آئے تو حتی الامکان دونوں میں تطابق اور توافق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر کسی کے لئے یہ ممکن نہ ہو تو اسے یہ اعتقاد کر لینا چاہئے کہ یہ میری کم علمی اور بدفہمی کی بناء پر ہے اور حقیقی مفہوم ومراد کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سونپ دے کہ وہی بہتر جاننے والے ہیں۔ مثلاً اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ خیر اور شر سب اللہ ہی کی جانب سے ہے اور وہ اپنے اس عقیدہ کی بنیاد اس آیت پر رکھتے ہیں کہ ارشاد ربانی ہے۔ آیت (قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ، النساء:78) ''یعنی (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجئے کہ سب کچھ اللہ ہی کی جانب سے ہے۔

اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ اور ان کی دلیل بالکل صحیح اور صاف واضح ہے۔ لیکن اہل قدر اس کی تردید کرتے ہیں اور اس کے برخلاف اپنا عقیدہ یہ قائم کئے ہوئے ہیں کہ خیر کا خالق اللہ ہے اور شر کا خالق اللہ نہیں ہے اور شر کا خالق خود انسان ہے اور اپنے عقیدہ

260: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کی بنیاد اس آیت پر رکھتے ہیں جو بظاہر پہلی آیت کے متضاد ہے یعنی ارشاد ربانی ہے۔ آیت (مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ، النساء:79) جو کچھ از قسم نیکی تمہیں پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ از قسم برائی تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی جانب سے ہے۔

بہر حال اس قسم کے اختلافات اور آیتوں میں تضاد پیدا کرنا منع ہے بلکہ یہ چاہئے کہ اس قسم کی آیتوں میں ایسی آیت پر عمل کیا جائے جس پر مسلمانوں کا اتفاق واجماع ہو اور دوسری آیت میں ایسی تاویل کی جائے جو شرع کے مطابق ہو، جیسا کہ انہیں دونوں مذکورہ بالا آیت میں دیکھا جائے کہ پہلی آیت پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ خیر وشر تمام اللہ ہی کی جانب سے ہے اور ہر چیز تقدیر الٰہی کے مطابق ہی ہوتی ہے اس پر عمل کیا جائے۔ اور دوسری آیت کی یہ تاویل کی جائے کہ دراصل اس آیت کا تعلق ماقبل کی آیت سے ہے کہ اس میں منافقین کی برائی اور ان کا عقیدہ بیان کیا جارہا ہے کہ ان منافقوں کو کیا ہوا ہے جو کہ اس چیز کو جو صحیح اور واضح ہے نہیں سمجھتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ نیکی وبھلائی تو اللہ کی طرف سے ہے اور برائی خود بندہ کے نفس کی جانب سے ہے۔ گویا اس طرح دونوں آیتوں میں تطبیق ہو جائے گی۔ اس طرح دیگر آیتوں میں بھی مطابقت پیدا کی جائے۔

بَابُ: مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ

یہ باب سوال پوچھنے والے سے علم چھپانے کے بیان میں ہے

علم چھپانے کی حرمت کا بیان

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا، اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ .(البقرہ، ۱۷۴)

بیشک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ نے نازل فرمائی یعنی کتاب، اور خریدتے ہیں اس کو بدلہ تھوڑی قیمت تو یہ وہ لوگ ہیں جو نہیں بھرتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ، اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

امام ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ یہ آیت یہود کے سرداروں اور ان کے علماء کے بارے میں نازل ہوئی یہود کے علماء نچلے طبقہ کے لوگوں سے ہدایا اور نذرانے وصول کرتے تھے اور یہ امید رکھتے تھے کہ نبی ان میں سے مبعوث ہوگا جب اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو غیروں میں سے پیدا فرمایا تو انہیں اپنے نذرانوں کے ضیاع اور اپنی ریاست کے چلے جانے کا خوف ہوا تو انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفات کو (اپنی کتابوں میں) بدل ڈالا اور دوسری صفات کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور کہنے لگے یہ نبی کی صفات ہیں جو آخری زمانہ میں تشریف لائیں گے۔

اور جو نبی آیا ہے اس کی یہ صفات نہیں ہیں جب نیچے طبقہ کے لوگوں نے ان تبدیل شدہ صفات کی طرف دیکھا اور ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفات کے مخالف پایا تو انہوں نے ان کی اتباع نہ کی اس پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا لفظ آیت ان الذین

يكتمون ما انزل الله من الكتب ۔(تفسیر درمنثور،سورہ بقرہ، بیروت)

علم چھپانے والے کیلئے آگ کی وعید کا بیان

261– حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ حَدَّثَنَا عِمَارَةُ بْنُ زَاذَانَ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ الْحَكَمِ حَدَّثَنَا عَطَاءٌ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَّجُلٍ يَحْفَظُ عِلْمًا فَيَكْتُمُهُ اِلَّا اُتِیَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلْجَمًا بِلِجَامٍ مِّنَ النَّارِ حَدَّثَنَا اَبُوالْحَسَنِ اَیِ الْقَطَّانُ وَ حَدَّثَنَا اَبُوْحَاتِمٍ حَدَّثَنَا اَبُوالْوَلِيْدِ حَدَّثَنَا عِمَارَةُ بْنُ زَاذَانَ فَذَكَرَ نَحْوَهٗ

●● حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص کسی علمی چیز کو یاد کرنے کے بعد پھر اسے چھپائے' تو جب اسے قیامت کے دن لایا جائے گا' تو اسے آگ کی لگام ڈالی گئی ہوگی۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

علم کو بیان کر دینے کے حکم کا بیان

262–حَدَّثَنَا اَبُوْمَرْوَانَ الْعُثْمَانِیُّ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا اِبْرٰهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ الْاَعْرَجِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَوْلَا اٰيَتَانِ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَا حَدَّثْتُ عَنْهُ يَعْنِیْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اَبَدًا لَوْلَا قَوْلُ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَتَيْنِ

●● حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر اللہ کی کتاب میں دو آیات موجود نہ ہوتیں' تو میں کبھی بھی ان کے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہ ہوتا" بے شک وہ لوگ جو اس چیز کو چھپاتے ہیں: جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں سے نازل کی ہے۔" یہ اگلی دو آیات تک ہے۔

شرح

(۱) اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔(البقرہ،۱۷۴)

(۲) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۔(البقرہ ۔۱۷۵)

263– حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ اَبِی السَّرِیِّ الْعَسْقَلَانِیُّ حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ تَمِيْمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّرِیِّ

---

261 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 3658 'اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:2649

262 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:1 '18' ورقم الحدیث:2350' ورقم الحدیث:7354' اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث:6347' ورقم الحدیث 6348

263 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَمَنْ كَتَمَ حَدِيْثًا فَقَدْ كَتَمَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''جب اس امت کے آخری زمانے کے لوگ پہلے والوں پر لعنت کرنا شروع کریں گے اس وقت جو شخص کوئی ایک بات چھپائے گا' تو وہ اس چیز کو چھپائے گا' جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے''۔

264- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْاَزْهَرِ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ جَمِيْلٍ حَدَّثَنِيْ عُمَرُ بْنُ سُلَيْمٍ حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَارٍ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جس شخص سے کسی علمی بات کے بارے میں دریافت کیا جائے اور وہ اسے چھپادے' تو قیامت کے دن اسے آگ سے بنی ہوئی لگام ڈالی جائے گی''۔

شرح

علم رسانی کے سلسلے میں صرف جذبہ کافی نہیں بلکہ اس کے لیے چند مزید بنیادی باتیں ضروری ہیں۔اُستاد کے لیے ضروری ہے کہ اسے جو سبق اور جو مضمون پڑھانا ہو،اس پر اسے کامل عبور حاصل ہو،اس کے بارے میں طالب علم کے ذہن میں جو بھی اشکال یا سوال آسکتا ہو،اس کا حل اس کے پاس موجود ہو۔یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب معلّم نے متعلقہ مضمون کا بھرپور مطالعہ اور تیاری کی ہو۔طالب علم استاد کے پاس امانت ہیں،لہٰذا مضمون کی بھرپور تیاری نہ کرنا امانت میں خیانت ہے۔بخوبی مطالعہ کے بعد اُستاد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اسے اظہار مافی الضمیر اور مناسب اندازِ تعبیر پر قدرت حاصل ہو،یعنی جس مضمون کا اس نے مطالعہ کیا ہے، اُسے خوبصورت اسلوب اور دل نشین انداز میں طلبہ کے سامنے بیان کرسکے۔اظہار مافی الضمیر کی صلاحیت سے مراد خطیبانہ انداز قطعاً نہیں ہے جو وعظ کی محفلوں،جلسوں اور جمعہ کے خطبوں میں اختیار کیا جاتا ہے،نہ اس سے ادیبانہ اُسلوب مراد ہے،جس میں مترادفات،تکرار اور تشبیہات کی بھرمار ہوتی ہے بلکہ اس سے مراد وہ عام فہم اُسلوب ہے جو علمی مضامین کی تفہیم میں بروئے کار آتا ہے۔اسی طرح عمدہ تدریس کے لیے نظم وترتیب بھی بہت ضروری ہے۔مطلب یہ کہ آپ اپنا حاصل مطالعہ کیسے مرتب اور متوازن انداز میں پیش کریں جس سے سامع اور شاگرد کو فائدہ پہنچے۔علاوہ ازیں شاگردوں کے معیار اور ذہنی سطح کی رعایت بھی بہت ضروری ہے۔

اُستاذ کو چاہیے کہ سبق پڑھاتے وقت ایسی تقریر نہ کرے جو طالب علم کے فہم اور استعداد سے بالاتر ہو۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

264 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ، أَتُرِيدُونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللهُ وَرَسُولُهُ؟

"لوگوں سے ان کی سمجھ اور استعداد کے مطابق حدیثیں بیان کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کر دی جائے؟ (صحیح بخاری تعلیقا:127)

طالب علم کی حوصلہ افزائی فرمایئے: اُستاد کو چاہیے کہ اچھی تعلیمی کارگزاری اور درست جوابات دینے پر اپنے شاگردوں کی حوصلہ افزائی کرے اور ان کی ہمت بڑھائے۔

ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُبی بن کعب سے پوچھا: کیا تجھے معلوم ہے کہ کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کونسی ہے؟ اُبی بن کعب نے جواب دیا: آیت الکرسی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر اُن کے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ، أَبَا الْمُنْذِرِ صحیح مسلم:810

"ابومنذر! تجھے علم مبارک ہو۔" اُستاد کو طالب علم کے حق میں دعا کرنی چاہیے: اُستاد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے حق میں خیر و برکت اور توفیق و دانائی کی دعا کرتا رہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے بیت الخلا گئے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وضو کا پانی لا کر رکھ دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو دریافت فرمایا: پانی کس نے رکھا ہے؟ جب آپ کو بتایا گیا تو آپ نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ صحیح بخاری:143

"اے اللہ اسے دین کی گہری سمجھ دے۔ اللہ اسے کتاب (قرآن) کا علم عطا کر دے۔"

طالب علم جواب نہ دے سکے تو استاد کو بتا دینا چاہیے: جب اُستاد کلاس روم میں شاگردوں سے سوالات پوچھے اور طالب علم درست جوابات دیں تو ان کی حوصلہ افزائی کرے اور شاباش دے۔ اگر وہ جواب نہ دے سکیں تو پھر اُستاد خود صحیح جواب بتا دے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ درختوں میں ایک ایسا درخت ہے، جس کے پتے نہیں گرتے اور اس کی مثال مسلمان کی طرح ہے، وہ درخت کونسا ہے؟ اس سوال پر لوگ جنگل کے مختلف درختوں (کی بحث) میں پڑ گئے، جب کوئی جواب بن نہ پڑا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہی ہمیں بتا دیں۔ آپ نے فرمایا: "وہ کھجور کا درخت ہے۔" صحیح بخاری:62131

265- حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ حِبَّانَ بْنِ وَاقِدٍ الثَّقَفِيُّ أَبُو إِسْحٰقَ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ دَابٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي سَعِيدِ نِ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَتَمَ عِلْمًا مِمَّا يَنْفَعُ اللهُ بِهِ فِي أَمْرِ النَّاسِ أَمْرِ الدِّينِ أَلْجَمَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنَ النَّارِ

◆◆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جو شخص کوئی ایسی علمی بات

---

265 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

چھپائے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ لوگوں کے معاملے میں انہیں دینی اعتبار سے کوئی نفع دے سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو آگ سے بنی ہوئی لگام ڈالے گا"۔

عالم کو چاہے جو مسئلہ جانتا ہے وہ بتائے

266 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَفْصِ بْنِ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ اِبْرٰهِيْمَ اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ الْكَرَابِيسِيُّ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ اُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "جس شخص سے کسی علمی چیز کے بارے میں دریافت کیا جائے جسے وہ جانتا ہو پھر وہ اسے چھپائے تو قیامت کے دن اسے آگ سے بنی ہوئی لگام ڈالی جائے گی"۔

شرح

ان حدیثوں پر ایک نظر ڈال کر ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ دین کی باتوں کو آشکارا کرنا، لوگوں کی جہالت دور کرنا، مخالف اسلام حرکتوں کے خلاف خطرات سے بے پرواہ ہو کر آواز اٹھاتے رہنا اور جو کچھ حق ہے بے خوف لومۃ لائم لوگوں کو بتاتے رہنا، صرف ایک نفلی نیکی نہیں ہے بلکہ ہر شخص پر اس کی استعداد اور صلاحیت کے لحاظ سے یہ واجب ہے۔ اگر کوئی شخص علم اور صلاحیت رکھتے ہوئے برائیوں کی اصلاح کی کوشش نہیں کرے گا تو وہ جرم اور اس کی سزا دونوں میں اصلی مجرمین کا شریک ٹھہرے گا۔ اس سے مستثنیٰ صرف وہ شخص ہو گا جو ہاتھ اور زبان سے اصلاح کی سرے سے طاقت ہی نہ رکھتا ہو، ایسے اشخاص کے اسلام کا کم سے کم مطالبہ یہ ہے کہ وہ برائی کو برائی سمجھتے رہیں اور اپنے آپ کو اس سے دور رکھیں۔

266۔ اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

كِتَابُ الطَّهَارَةِ

یہ کتاب پاکیزگی کے بیان میں ہے

طہارت کے لغوی واصطلاحی مفہوم کا بیان

لغت میں، طہارۃ، کے معنی نظافت اور پاکی کے آتے ہیں جو نجاست کی ضد ہے، طہور، بضم طاء مصدر ہے اور ان چیزوں کو بھی طہور فرماتے ہیں جو پاک کرتی ہیں جیسے پانی اور مٹی طہور، بفتح طاء بھی مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح شریعت میں، طہارت، کا مفہوم ہے نجاست حکمی یعنی حدث سے اور نجاست یعنی خبث سے پاکیزگی حاصل کرنا۔

طہارت کے ثبوت میں دلیل شرعی کا بیان

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ. (توبہ، ۱۰۸)

وہ مسجد، جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے، حق دار ہے کہ آپ اس میں قیام فرما ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ طہارت شعار لوگوں سے محبت فرماتا ہے۔

طبرانی میں ہے، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے عویم بن ساعدہ کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا کہ آخر یہ کون سے طہارت ہے جس کی ثناء اللہ رب العزت بیان فرما رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم میں سے جو مرد وعورت پاخانے سے نکلتا ہے وہ پانی سے استنجاء کیا کرتا ہے۔ اس نے فرمایا بس یہی وہ طہارت ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس مسجد قبا میں تشریف لائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری مسجد کے بیان میں تمہاری طہارت کی آج تعریف کی ہے تو بتلاؤ کہ تمہاری وہ طہارت کیسے ہے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اور تو کچھ معلوم نہیں ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ہم نے اپنے پڑوسی یہودیوں کی نسبت جب سے یہ معلوم کیا کہ وہ پاخانے سے نکل کر پانی سے پاکی کرتے ہیں، ہم نے اس وقت سے اپنا یہی وطیرہ بنالیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ سوال حضرت عویم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ پانی سے طہارت کرنا ہی وہ پاکیزگی تھی جس کی تعریف اللہ عزوجل نے کی۔ اور روایت میں ان کے جواب میں ہے کہ ہم توراۃ کے حکم کی رو سے پانی سے استنجاء کرنا لازمی سمجھتے ہیں۔ الغرض جس مسجد کا اس آیت میں ذکر ہے وہ مسجد قبا ہے۔ اس کی تصریح بہت سے سلف صالحین نے کی ہے۔ لیکن ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ تقوے پر بننے والی مسجد مسجد نبوی ہے جو مدینے شریف کے درمیان ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ توبہ، بیروت)

اَبْوَابُ الطَّهَارَةِ وَسُنَنِهَا

یہ ابواب طہارت اور اس کے طرق کے بیان میں ہیں

بَابُ: مَا جَآءَ فِيْ مِقْدَارِ الْمَآءِ لِلْوُضُوْءِ وَالْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ

یہ باب وضو اور غسل جنابت کے پانی کی مقدار کے بیان میں ہے

ایک مد سے وضو اور ایک صاع سے غسل کرنے کا بیان

267- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ عَنْ اَبِيْ رَيْحَانَةَ عَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک "مد" کے ذریعے وضو کر لیتے تھے اور ایک صاع پانی کے ذریعے غسل کر لیتے تھے۔

شرح

مد ایک پیمانے کا نام ہے جس میں تقریباً ایک سیر اناج آتا ہے اور صاع پیمانہ کا نام ہے جس میں تقریباً چار مد یعنی چار سیر کے قریب اناج آتا ہے۔ یہاں مد اور صاع سے پیمانہ مراد نہیں ہے بلکہ وزن مراد ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ایک سیر پانی سے وضو فرماتے تھے اور چار سیر اور زیادہ سے زیادہ پانچ سیر غسل پر صرف فرماتے تھے، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ تقریباً ایک سیر پانی سے وضو اور تقریباً چار سیر پانی سے غسل کیا جائے لیکن اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ وضو اور غسل کے لئے پانی کی یہ مقدار اور وزن واجب کے درجہ میں نہیں ہے لیکن یہ سنت ہے کہ وضو اور غسل کے لئے پانی اس مقدار سے کم نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کی مقدار بعض روایتوں میں دو تہائی مد اور بعض روایتوں میں آدھا مد منقول ہے لہٰذا اس حدیث صحیح البخاری و صحیح مسلم کا محل یہ قرار دیا جائے گا کہ آپ اکثر و بیشتر ایک ہی مد سے وضو فرماتے تھے مگر کبھی کبھی اس سے کم مقدار پانی میں بھی وضو فرما لیتے تھے، جیسا کہ ان بعض روایتوں میں منقول ہے۔

268- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد پانی کے ذریعے وضو کر لیتے تھے اور ایک صاع پانی کے ذریعے غسل کر لیتے تھے۔

267: اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 736' ورقم الحدیث: 737' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 56

268: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 92' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 345

269- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ بَدْرٍ حَدَّثَنَا اَبُو الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ

◆◆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ ایک مُد (پانی) کے ذریعے وضو کر لیتے تھے اور ایک صاع (پانی) کے ذریعے غسل کر لیتے تھے۔

270- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُؤَمَّلِ بْنِ الصَّبَّاحِ وَعَبَّادُ بْنُ الْوَلِيدِ قَالَا حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ يَحْيَى بْنِ زَبَّانَ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ اَبِي زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلِ بْنِ اَبِي طَالِبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجْزِئُ مِنَ الْوُضُوءِ مُدٌّ وَمِنَ الْغُسْلِ صَاعٌ فَقَالَ رَجُلٌ لَا يُجْزِئُنَا فَقَالَ قَدْ كَانَ يُجْزِئُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْكَ وَاَكْثَرُ شَعَرًا يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

◆◆ عبداللہ بن محمد اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''ایک مُد (پانی) وضو کے لیے کافی ہوتا ہے اور ایک صاع پانی غسل کے لیے کافی ہوتا ہے'' (راوی نے جب یہ حدیث بیان کی) تو ایک صاحب بولے' ہمارے لیے تو یہ کافی نہیں ہوتا (تو حدیث بیان کرنے والے راوی نے) کہا: 'یہ ان کے لیے کافی ہوتا تھا جو تم سے بہتر تھے اور جن کے بال تم سے زیادہ تھے''۔ راوی کی مراد نبی کریم ﷺ تھے۔

مد اور صاع کی مقدار کے فقہی مفہوم کا بیان

ہمارے نزدیک معتبر عراقی (صاع) ہے اور وہ آٹھ رطل کا ہوتا ہے، ایک رطل بیس ۲۰ استار اور استار ساڑھے چار مثقال، مثقال بیس ۲۰ قیراط ایک حبہ اور چہار خمس حبہ ہے۔ حبہ جسے فارسی میں "سُرخ" کہتے ہیں ماشہ کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے، پس مثقال ساڑھے چار ماشہ ہوا۔ (کشف الغطاء فصل در احکام دعا صدقہ و خوان از اعمال خیر برائے میت مطبع احمدی، دہلی)

عراقی صاع آٹھ رطل اور حجازی پانچ رطل اور ثلث رطل ہے۔ امام شافعی کے نزدیک صاع حجازی واجب ہے اور ہمارے نزدیک صاع عراقی، جو دو من کا ہوتا ہے، اور من چار استار، اور استار ساڑھے چار مثقال ہے، لہٰذا من ایک سو اسی مثقال ہوا جیسا کہ شارح وقایہ نے کہا: اور دوسری کتب سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے۔

جب ہم اس کا حساب اپنے شہروں کے وزن کے اعتبار سے کرتے ہیں تو نصف صاع اکبری سیروں کے مطابق ۔ ساڑھے دو سیر استار ہوگا اور جہانگیری (اللہ تعالیٰ اس کے ملک و سلطنت کی حفاظت کرے) سیروں کے مطابق سوا دو سیر اور ایک استار کم بن جاتا ہے یہ اس حساب سے کہ صاع ۰ مثقال ہو اور اگر صاع من، اور من ۰ استار اور استار ۔ مثقال ہو تو ہر من ۰ مثقال ہوگا، جب استار ۔ مثقال ہے تو لازم آیا کہ نصف صاع، ۱۸۰ استار، اور ۱۸۰ استار ۔ ساڑھے دو سیر اور ۱۵ استار قدیم وزن ہوا، اور ساڑھے چار سیر

269 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

270 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ایک استار کم موجودہ وزن ہوا۔ (شرح سفر السعادۃ، فصل در زکوۃ فطر، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

دو مد سے مراد آدھا صاع ہے کیونکہ ایک مد غلہ کا وزن چودہ چھٹانک کے قریب ہوتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین سیر کے برابر ہوتا ہے لہٰذا صدقہ فطر کے طور پر گیہوں پونے دو سیر یعنی ایک کلو 336 گرام دینا چاہئے چونکہ گیہوں کا آٹا یا گیہوں کا ستو بھی گیہوں ہی کے مثل ہے اس لیے یہ دونوں چیزیں بھی اسی مقدار میں دینی چاہئیں۔

حضرت عبداللہ بن ثعلبہ یا حضرت ثعلبہ بن عبداللہ بن ابی صعیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صدقہ فطر واجب ہے گیہوں میں سے ایک صاع دو آدمیوں کی طرف سے (کہ ہر ایک کی طرف سے نصف نصف صاع ہو گا) خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، آزاد ہوں یا غلام، مرد ہوں یا عورت ہو۔

غنی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (صدقہ فطر دینے کی وجہ سے) اسے پاکیزہ بنا دیتا ہے اور فقیر کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس سے زیادہ دیتا ہے جتنا اس نے صدقہ فطر کے طور پر دیا۔ (ابوداؤد)

بَابُ: لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةً بِغَيْرِ طُهُوْرٍ

یہ باب اللہ تعالیٰ وضو کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا کے بیان میں ہے

طہارت کا بیان

نماز کی شرطوں میں پہلی شرط بدن کی طہارت یعنی بدن کا پاک ہونا ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول نجاست حقیقی سے پاک ہونا اور وہ یہ کہ جسم پر کوئی ظاہری یعنی نظر آنے والی ناپاک چیز ہو تو اس کو پانی سے دھو کر پاک کیا جائے

دوم یہ کہ اگرچہ ظاہر میں جسم پر کوئی ناپاک چیز لگی ہوئی نہ ہو لیکن پھر بھی جسم شرعی حکم سے ناپاک ہو۔ مثلاً کوئی شخص جنابت کی وجہ سے ناپاک ہو اس نے اپنے جسم کی ظاہری نجاست تو دھو ڈالی لیکن جب تک وہ باقاعدہ غسل نہ کرے اس وقت تک اس کا جسم ناپاک رہے گا اور اس شخص کے لئے نماز ادا کرنا اور مسجد میں داخل ہونا جائز و درست نہیں ہے۔ یا کوئی شخص جنبی تو نہیں لیکن بے وضو ہے یعنی پیشاب و پاخانہ کے بعد استنجا تو کر لیا لیکن وضو نہیں کیا تو یہ شخص بھی شرعاً ناپاک ہے اور اس کو نماز پڑھنا اور قرآن مجید کا چھونا جائز نہیں ہے۔ ایسی نجاست کو نجاست حکمی کہتے ہیں یعنی وہ نجاست جو دیکھنے میں نہ آسکے بلکہ شریعت کے حکم سے ثابت ہوتی ہے اور یہ نجاستِ حکمی دو قسم کی ہے۔

اول بے وضو ہونا اس کو حدث اصغر کہتے ہیں۔ دوم غسل فرض ہونا اس کو حدث اکبر کہتے ہیں۔

ان دونوں نجاستوں سے بدن کا پاک ہونا طہارت حکمی کہلاتا ہے اور جسم کا ظاہری یعنی نظر آنے والی نجاست سے پاک ہونا طہارت حقیقی کہلاتا ہے، طہارت حکمی و طہارت حقیقی سے بدن پاک ہونا نماز کے لئے شرط ہے اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی اب دونوں قسم کی نجاستوں سے بدن کو پاک کرنے کی تفصیل بیان ہوتی ہے۔ پہلے حدث اصغر یعنی وضو کا بیان ہو گا، پھر حدث اکبر یعنی غسل کا پھر ان کے۔ لوازمات وغیرہ کا اور پھر نجاست حقیقیہ کا بیان ہو گا۔

ظاہری طہارت کا باطنی طہارت کے موافق ہونے کا بیان

مطلب یہ ہے کہ جب ہاتھ دھوئے جائیں تو چاہیے کہ دل سے دنیا کی محبت دھو ڈالی جائے۔ جب منہ میں پانی لیا جائے تو مناسب ہے کہ منہ کو غیر کی یاد سے پاک کرے۔ جب ناک میں پانی ڈالے تو سزاوار ہے کہ شہوتوں کو اپنے اوپر حرام گردانے۔ جب چہرہ دھوئے تو مناسب ہے کہ تمام الفتوں سے یک دم کنارہ کش ہو جائے۔ اور حق کی طرف متوجہ ہو جائے۔

اور جب ہاتھ دھوئے تو اپنے نصیبوں سے دست کش ہو جائے اور جب سر کا مسح کرے تو مناسب ہے کہ اپنے معاملات کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ جب پاؤں دھوئے تو زیبا ہے کہ فرمان الٰہی کے خلاف ہر چیز پر قائم رہنے سے بچنے کی نیت کرے۔

جب اس پر عمل کریگا تو اسے دونوں قسم کی طہارت حاصل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ تمام ظاہری شرعی امور باطن کے ساتھ ہوتی ہیں۔ (حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کشف المحجوب ص ۴۷۵)

وضو والی نماز کے قبول ہونے کا بیان

271- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ح و حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ اَبُوْبِشْرٍ خَتَنُ الْمُقْرِءِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالُوا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِى الْمَلِيحِ بْنِ اُسَامَةَ عَنْ اَبِيهِ اُسَامَةَ بْنِ عُمَيْرٍ الْهُذَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةً اِلَّا بِطُهُوْرٍ وَّلَا يَقْبَلُ صَدَقَةً مِنْ غُلُوْلٍ

حضرت اسامہ بن عمیر ہذلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: اللہ تعالیٰ صرف وضو کے ساتھ ہی نماز قبول کرتا ہے اور وہ حرام مال میں سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔

271م- حَدَّثَنَا حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِى شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ وَشَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ عَنْ شُعْبَةَ نَحْوَهُ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

272- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا اِسْرَآئِيلُ عَنْ سِمَاكٍ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةً اِلَّا بِطُهُوْرٍ وَّلَا صَدَقَةً مِنْ غُلُوْلٍ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: اللہ تعالیٰ صرف وضو کے ساتھ ہی نماز کو قبول کرتا ہے اور وہ حرام مال میں سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔

273- حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ اَبِى سَهْلٍ حَدَّثَنَا اَبُوْزُهَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ اَبِى حَبِيبٍ عَنْ سِنَانِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ

272 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 534' ورقم الحدیث: 535' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1

273 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

صَلٰوۃً بِغَیْرِ طُھُوْرٍ وَّلَا صَدَقَۃً مِنْ غُلُوْلٍ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ وضو کے بغیر نماز کو قبول نہیں کرتا اور حرام مال میں سے دیے جانے والے صدقے کو قبول نہیں کرتا۔

274- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَقِيلٍ حَدَّثَنَا الْخَلِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةً بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَّلَا صَدَقَةً مِنْ غُلُوْلٍ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ وضو کے بغیر نماز کو قبول نہیں کرتا اور حرام مال میں سے دیے گئے صدقے کو قبول نہیں کرتا''۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے وضو کی نماز قبول نہیں کی جاتی جب تک کہ وضو نہ کرے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 287)

اس کا تعلق اس آدمی سے ہے جو پانی رکھتا ہو اور اس کے استعمال کی قدرت بھی اس کے اندر ہو یعنی جس آدمی کے پاس پانی اور اس پانی کے استعمال کرنے میں اس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو تو اس کو نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے اگر اس نے وضو نہیں کیا تو اس کی نماز ادا نہیں ہوگی۔ اگر کوئی آدمی پانی نہ پائے یا اس کے استعمال کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ بجائے وضو کے پاک وصاف مٹی سے تیمم کرے ایسا آدمی جو نہ تو پانی پائے اور نہ پاک وصاف مٹی ہی اسے ملے اور نہ وہ ان کے استعمال کی قدرت رکھتا ہو تو ایسے آدمی کو اصطلاح شریعت میں فاقد الطھورین فرماتے ہیں اس آدمی کے بارہ میں یہ حکم ہے کہ وہ نماز نہ پڑھے، ہاں جب پانی وغیرہ پائے تو وضو کر کے نماز پڑھے۔

اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک دوسرا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی یعنی " فاقد الطھورین " کو چاہئے کہ اس شکل میں بھی وقت نماز کے احترام میں بغیر وضو اور تیمم ہی کے نماز پڑھ لے جب اسے پانی یا مٹی دستیاب ہو جائے تو وضو یا تیمم کر کے قضا کر لے۔

ہمارے علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی قصدا بغیر طہارت کے نماز پڑھ لے اور پھر یہ کہ اس سے اس کا مقصد احترام وقت بھی نہ ہو تو یہ آدمی کافر ہو جاتا ہے، یا اگر لوگوں کی شرم کی وجہ سے محض دکھلانے کے لئے بھی بغیر طہارت کے نماز پڑھے تو بھی کافر ہو جاتا ہے کیونکہ ان دونوں شکلوں میں اس نے شرع کی تحقیر کی ہے اس لئے ایسا آدمی جو اپنے قول سے یا فعل سے شریعت کی تحقیر کا سبب بنتا ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ دائرہ اسلام اور ایمان میں رہ سکے۔

---

274 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بَابٌ: مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ

یہ باب وضو نماز کی کنجی کے بیان میں ہے

وضو نماز کی کنجی ہے

275- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ

امام محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: وضو نماز کی کنجی ہے۔ تکبیر کے ذریعے یہ شروع ہوتی ہے اور سلام پھیر کر یہ ختم ہوتی ہے۔

276- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ اَبِي سُفْيَانَ طَرِيْفٍ السَّعْدِيِّ ح و حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ اَبِي سُفْيَانَ السَّعْدِيِّ عَنْ اَبِي نَضْرَةَ عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: وضو نماز کی کنجی ہے۔ تکبیر کے ذریعے یہ شروع ہوتی ہے اور سلام پھیر کر یہ ختم ہوتی ہے۔

شرح

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 280)

جیسے کہ مقفل دروازہ بغیر کنجی کے نہیں کھل سکتا اسی طرح بغیر وضو کے نماز نہیں ہو سکتی اور بغیر نماز کے جنت میں داخلہ نہیں ہو سکتا، اس حدیث میں محافظت نماز کی اہمیت کو بطور نمونہ بیان کیا گیا ہے، کہ گویا نماز کا حکم ایمان میں ہے کہ بغیر اس کے جنت میں جانا میسر نہیں ہوگا لہذا چاہئے کہ نماز خوب اچھی طرح ادا کی جائے اور کبھی نماز ترک وقضا نہ کی جائے کیونکہ دخول جنت کا سبب یہی ہے۔

---

275 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 61 'ورقم الحدیث: 618 'اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 3

276 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 237

بَابُ: الْمُحَافَظَةِ عَلَى الْوُضُوْءِ

یہ باب وضو کی حفاظت کرنے کے بیان میں ہے

مؤمن ہی وضو کی حفاظت کرنے والا ہے

277- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقِيمُوا وَلَنْ تُحْصُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةَ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''استقامت اختیار کرو اور تم ہرگز گنتی نہیں کر سکتے' یہ بات جان لو کہ تمہارا سب سے بہترین عمل نماز ہے اور صرف مومن ہی وضو کی حفاظت کرتا ہے''۔

شرح

اعمال پر مستقیم رہو اور ہمیشہ سیدھی راہ پر چلتے رہو، ادھر ادھر برے راستوں کی طرف میلان نہ کرو اور چونکہ یہ امر مشکل تھا اس لئے آگے فرمایا کہ لن تحصوا یعنی پورے کمال اور رسوخ کے ساتھ تم استقامت اختیار نہیں کر سکتے اور جب یہ فرما دیا گیا کہ استقامت کی طاقت نہیں رکھ سکتے اور اعمال وافعال میں استقامت کے جو حقوق ہیں وہ پوری طرح ادا نہیں ہو سکتے تو آگے ایک نہایت آسان اور سہل راہ کی طرف راہنمائی کر دی گئی یعنی عبادت کی جڑ اور خلاصہ نماز پر آگاہ کر دیا کہ اگر صرف اسی ایک عمل اور ایک عبادت یعنی نماز میں استقامت اختیار کر لو گے تو تمام تقصیرات کا تدارک ہو جائے گا لہذا چاہئے کہ نماز پر مداومت اختیار کرو۔ اس کے جو شرائط و آداب ہوں ان کا خیال رکھو اور اس کے جو حقوق ہیں ان کو پوری طرح سے ادا کرو۔ بعد میں نماز کے مقدمہ اور شرط یعنی وضو اور طہارت کی طرف اشارہ فرما دیا ہے جس کو نصف ایمان کہا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا کہ وضو کی محافظت تو مومن کا خاصہ ہے اس لئے کہ وہ مومن کامل کا قلب و دماغ تو جہانی اللہ کی شعاؤں سے ہر وقت منور رہتا ہے وہ اپنے قلب و بدن دونوں کے ساتھ یعنی ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ بارگاہ الوہیت میں حاضری بغیر ظاہر و باطن کی صفائی و پاکیزگی اور بدون طہارت کے آداب کے منافی چیز ہے اور شان عبودیت کے خلاف بھی ہے اس لئے مومن وضو کی محافظت کرتا ہے اور وضو کے جو آداب و شرائط اور سنن ومستحبات ہیں ان سب کی رعایت کرتا ہے۔

278- حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرٰهِيمَ بْنِ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ لَيْثٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقِيمُوا وَلَنْ تُحْصُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةَ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ

277 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

278: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "تم لوگ استقامت اختیار کرو اور تم لوگ گنتی ہرگز نہیں کرسکتے' یہ بات جان لو کہ تمہارے اعمال میں سے سب سے افضل نماز ہے اور صرف مومن ہی اپنے وضو کی حفاظت کرتا ہے"۔

279- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنِي إِسْحَقُ بْنُ أَسِيدٍ عَنْ أَبِي حَفْصٍ الدِّمَشْقِيِّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ يَرْفَعُ الْحَدِيثَ قَالَ اسْتَقِيمُوا وَنِعِمَّا إِنِ اسْتَقَمْتُمْ وَخَيْرُ أَعْمَالِكُمُ الصَّلوٰةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ مرفوع حدیث کے طور پر یہ بات نقل کرتے ہیں (نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے) "تم لوگ استقامت اختیار کرو' اگر تم استقامت اختیار کر لیتے ہو' تو یہ کتنی اچھی بات ہے اور تمہارا سب سے بہترین عمل نماز ہے اور صرف مومن ہی وضو کی حفاظت کرتا ہے"۔

وضو میں عدم احتیاط کے سبب برکت اٹھ جانے کا بیان

حضرت شبیب بن ابی روح رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) صبح کی نماز پڑھی اور اس کے اندر سورت روم کو پڑھا (اثناء نماز میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہ ہوا چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو فرمایا "لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ہمارے ساتھ پڑھتے ہیں اور اچھی طرح وضو نہیں کرتے اور اس وجہ سے یہ لوگ ہم پر قرآن میں متشابہ ڈالتے ہیں۔ (سنن نسائی، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 281)

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی عمل اور کسی عبادت کے جو سنن و آداب ہوتے ہیں وہ واجب کو کامل کرتے ہیں اور برکت کا سبب ہوتے ہیں، اسی برکت کا اثر نہ صرف یہ کہ عامل ہی کی ذات تک محدود رہتا ہے، بلکہ وہ برکت دوسروں میں بھی سرائیت کرتی ہے جیسے کہ کوتاہی اور قصور عامل کی ذات کے علاوہ دوسرے کے ضرر کا بھی باعث ہوتے ہیں نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنن و آداب پر عمل نہ کرنے سے فتوحات غیبیہ کا دروازہ بند ہوتا ہے۔

یہ حدیث درحقیقت ان بے بصیرت لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو صحبت کی تاثیر کے منکر اور اس سے غافل ہیں لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے غور کرنے کا مقام ہے کہ سرکار دو عالم، سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر باوجود اس رتبہ کے اور قرآن پڑھنے کی حالت میں جو تقرب الی اللہ کا وقت ہے ایک ادنیٰ امتی کی صحبت نے اثر کیا جس سے وضو کے آداب وسنت میں کوئی کوتاہی یا قصور ہو گیا تھا جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرات میں متشابہ لگا تو ایسے لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو شب و روز اہل فسق اور اہل بدعت کی صحبت کو اختیار کیے رہتے ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ بھلائی اور بہتری اسی میں ہے کہ اہل فسق اور اہل بدعت کی صحبت و ہم نشینی کو بالکل ترک کر کے علماء حق، صوفیائے کرام اور اللہ کے نیک بندوں کی صحبت اختیار کی جائے تاکہ ان کی ہم نشینی اور صحبت کے اثرات و برکات اپنے اندر پیدا ہوں جو دین

279 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

دو دنیا دونوں جگہ کی بھلائی کے لئے ضامن ہیں۔ ابتداء روایت میں راوی نے اس صحابی کا نام ذکر نہیں کیا ہے جس سے یہ حدیث حاصل کی گئی ہے مگر حضرت میرک شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ وہ صحابی حضرت ابوذر غفاری ہیں۔

بَابُ: اَلْوُضُوْءُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ

یہ باب وضو کے نصف ایمان ہونے کے بیان میں ہے

وضو کی فضیلت واہمیت کا بیان

280 - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبِ بْنِ شَابُوْرَ اَخْبَرَنِيْ مُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامٍ عَنْ اَخِيْهِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ عَنْ جَدِّهٖ اَبِيْ سَلَّامٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ شَطْرُ الْاِيْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِلْءُ الْمِيْزَانِ وَالتَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ مِلْءُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَّالزَّكٰوةُ بُرْهَانٌ وَّالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَّالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں "اچھی طرح وضو کرنا نصف ایمان ہے' الحمدللہ پڑھنا میزان کو بھر دیتا ہے' سبحان اللہ اور اللہ اکبر پڑھنا آسمانوں اور زمین کو بھر دیتا ہے' نماز نور ہے' زکوۃ' برہان ہے' صبر ضیاء ہے' قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف حجت ہے' ہر شخص اپنے آپ کا سودا کرتا ہے' تو یا' تو خود کو آزاد کروالیتا ہے یا خود کو ہلاکت کا شکار کروالیتا ہے۔

شرح

اس حدیث میں پاکیزگی وطہارت کی انتہائی عظمت وفضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ اسلام میں طہارت کو کیا مقام حاصل ہے چنانچہ فرمایا جارہا ہے کہ پاک رہنا آدھا ایمان ہے اور وجہ ظاہر ہے کہ ایمان سے چھوٹے اور بڑے سب ہی گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور وضو سے صرف چھوٹے گناہ ہی بخشے جاتے ہیں اس لئے طہارت کو آدھے ایمان کا درجہ حاصل ہے۔ درمیان روایت میں راوی کو شک ہو رہا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ تملاء مفرد فرمایا تملان تثنیہ کے ساتھ فرمایا ہے اس لئے انہوں نے دونوں کو نقل کر دیا ہے۔

اس جملہ کا مطلب ہے کہ سبحان اللہ والحمد للہ پڑھنا اور ان کا ورد رکھنا اتنی فضیلت کی بات ہے اور اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر ان دونوں کلموں کو ایک جسم فرض کرلیا جائے تو اتنے عظیم ہیں کہ آسمان اور زمین کے درمیانی حصہ کو بھر دیں۔ نماز کو نور فرمایا گیا ہے اس لئے کہ نماز ہی وہ چیز ہے جو قبر کے اندھیرے اور قیامت کی ظلمت میں روشنی کی مانند ہے جو مومن کو گناہوں اور بری باتوں سے بچاتی ہے اور نیکی وبھلائی اور ثواب کے کاموں کی طرف راہنمائی کرتی ہے یا پھر نماز کو نور اس لئے کہا گیا ہے کہ مومن کے قلب کو ذات الہی

280 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 2436

کے عرفان کی روشنی سے منور کرتی ہے اور عبادت الٰہی کی ادائیگی واطاعت الٰہی کی بنا پر نماز پڑھنے والے کے چہرہ پر سعادت و نیک بختی کی چمک پیدا کرتی ہے۔ صدقہ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو دلیل اس لئے کہا گیا ہے کہ مومن کے دعویٰ ایمان کی صداقت اور پروردگار عالم سے محبت پر دلالت کرتا ہے یا یہ معنی کہ جب قیامت میں مالدار سے اللہ سوال کرے گا کہ ہم نے تمہیں مال و دولت میں اتنی وسعت بخشی تھی تو تم نے اس مال و دولت کو کہاں خرچ کیا؟ اور اس کا مصرف کیا تھا؟ یعنی تم نے ہماری بخشی ہوئی اس نعمت کو اچھی راہ میں خرچ کیا یا برے راستہ میں لٹا دیا؟ تو اس کے جواب میں صدقہ بطور دلیل پیش ہوگا کہ رب قدوس تیرا دیا ہوا مال برے راستہ میں نہیں لٹایا گیا ہے بلکہ اسے تیری ہی راہ میں اور تیری ہی خوشنودی کے لئے خرچ کیا گیا ہے۔

صبر اس کو فرماتے ہیں کہ گناہوں سے بچا جائے، طاعات پر مستعد رہا جائے اور کسی مصیبت و تکلیف کے موقعہ پر آہ بکا اور جزع و فزع نہ کیا جائے چنانچہ اس کے بارہ میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ کامل روشنی کا سبب ہے اس لئے کہ صابر کا قلب و دماغ ایمانی عزم و یقین کی روشنی سے ہمیشہ منور رہتا ہے اور وہ دین و دنیا کے ہر مرحلہ پر کامیاب ہوتا ہے۔

" قرآن کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ تمہارے لئے یا تمہارے اوپر دلیل ہے یعنی تم قرآن پڑھو گے اور اس پر اگر عمل کرو گے تو قرآن تمہیں نفع بخشے گا اور اگر عمل نہ کرو گے تو تمہارے لئے ضرر کا باعث ہوگا۔ " جان کو بیچنے " کے معنی یہ ہیں کہ جس کام کی طرف آدمی متوجہ ہو اس میں اپنی ذات کو کھپا دے، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی آدمی سو کر اٹھتا ہے تو اپنے کام میں لگ جاتا ہے اور دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے لہٰذا اب اس نے اگر اس کام کے بدلے آخرت خرید لی بایں طور کہ اس کام پر آخرت کو ترجیح دی تو اس نے اپنے نفس کو عذاب آخرت سے آزاد کر لیا اور اگر خدانخواستہ اس نے دنیا اور دنیا کے اس کام کو آخرت کے بدلے خرید لیا بایں طور کہ اس کام کو آخرت پر ترجیح دی تو اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا اور اپنے نفس کو عذاب میں ڈال دیا بدنیا توانی کہ عقبیٰ اخری بخر جان من ورنہ حسرت بری

بَابُ: ثَوَابِ الطُّهُوْرِ

یہ باب وضو کے ثواب کے بیان میں ہے

وضو کے ثواب کا بیان

281- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اَتَى الْمَسْجِدَ لَا يَنْهَزُهُ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهَا دَرَجَةً وَّحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: " جب کوئی شخص وضو کرتے

281 اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث 774.

ہوئے اچھی طرح وضو کرے اور پھر وہ مسجد میں آئے اور وہ صرف نماز کی ادائیگی کے لیے وہاں آئے تو وہ جو بھی قدم اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے اس شخص کا ایک گناہ معاف کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ شخص مسجد میں داخل ہو جاتا ہے"۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا" کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتادوں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو دور کردے اور جس کے سبب (جنت میں) تمہارے درجات کو بلند کرے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا" ہاں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشقت کے وقت وضو کو پورا کرنا، مسجد کی طرف (گھر سے دور ہونے کی وجہ سے) کثرت سے قدموں کا رکھنا اور (ایک) نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا پس یہ رباط ہے اور مالک بن انس کی حدیث میں "پس یہ رباط ہے پس یہ رباط ہے" دو مرتبہ ہے اور جامع ترمذی کی روایت میں تین مرتبہ ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 269)

اس حدیث میں ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے رب قدوس اپنے بندوں پر اس طرح فضل و کرم فرماتا ہے کہ ان کے نامہ اعمال سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور جنت میں ان کے مراتب و درجات میں ترقی عطا فرماتا ہے چنانچہ سب سے پہلی چیز "وضو" ہے۔ یوں تو وضو نماز کے لئے شرط اور ضروری ہے لہٰذا جو نماز پڑھے گا وہ وضو بھی کرے گا خواہ کیسا ہی موسم ہو مگر اس جگہ ایک خاص بات کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی سخت وقت میں مثلاً کسی بیماری کی حالت میں یا شدید سردی کے موسم میں عموماً وضو کے معاملہ میں بڑی تساہلی برتی جاتی ہے اور اول تو زبردستی اور صحت کے منافی طریقوں کو اختیار کر کے دو اور تین وقت وضو کو باقی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے یا پھر اگر وضو کیا جاتا ہے تو ایسے طریقے سے کہ نہ تو اس میں وضو کے آداب اور اس کے سنن و مستحبات کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ وضو پورے طریقہ سے مکمل کیا جاتا ہے۔

ایسے ہی مواقع کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ ایسے سخت اور شدید وقت میں اگر وضو پورے آداب و طریقے ملحوظ رکھ کے اور تمام سنن و مستحبات کا خیال کر کے کیا جائے اور تمام اعضاء وضو پر پانی اچھی طرح پہنچایا جائے اور ان کو تین تین مرتبہ دھویا جائے تو یہ فضل الٰہی کا سبب ہوگا۔ دوسری چیز مسجد کی طرف کثرت سے قدموں کا رکھنا ہے، یعنی ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانا جو گھر سے دور ہو اس لئے کہ جتنے زیادہ قدم مسجد کی طرف اٹھیں گے اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔ "نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار" یہ ہے کہ مسجد میں ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے یا اگر مسجد سے نکلے بھی تو دل وہیں دوسری نماز میں لگا رہے اس کی بہت زیادہ فضیلت و عظمت بیان فرمائی جا رہی ہے چنانچہ اس کو "رباط" کہا گیا ہے۔

"رباط" اسے فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان اسلامی مملکت کی سرحد پر دشمنان اسلام کا مقابلہ پر نگہبانی کی خاطر بیٹھے تاکہ دشمن سرحد پار کر کے اسلامی ملک میں داخل نہ ہو جائیں اس کا ثواب ہے اور بڑی فضیلت ہے جو خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم بھی فرمایا ہے: آیت (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا، آل عمران: 200)" اے ایمان والو! (تکلیف پر) خود صبر

کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو۔" چنانچہ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ نماز کے انتظار میں بیٹھنا اصل رباط ہے کہ جیسے وہاں تو کفار سے مقابلہ میں بیٹھے ہیں یہاں شیطان کے مقابلہ میں بیٹھے ہیں جو دین کا سب سے بڑا دشمن ہے اس لئے جیسی فضیلت و سعادت رباط میں ہے ویسی ہی فضیلت و سعادت نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی ہے اس حدیث میں چونکہ "وضو" کا ذکر آ گیا ہے اس لئے اس کے متعلقات کا یہاں بیان کر دینا مناسب ہے۔

وضو کے فرائض کا بیان

وضو میں چار چیزیں فرض ہیں (۱) تمام چہرے کا دھونا (۲) ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا (۳) چوتھائی سر کا مسح کرنا (۴) پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا وضو میں پورے چہرے کا دھونا فرض ہے اور اسی میں ڈاڑھی بھی شامل ہے، البتہ ڈاڑھی کی تعیین میں تھوڑا بہت اختلاف ہے چنانچہ متون میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی کے ان بالوں کا مسح کرنا جو منہ کی جلد سے ملے ہوئے ہیں فرض ہے فتاویٰ عالمگیری اور در مختار میں صحیح اور مفتی بہ قول یہ لکھا ہے کہ ڈاڑھی کے ان بالوں کا مسح کرنا جو منہ کی جلد سے ملے ہوئے ہیں فرض ہے اور لٹکی ہوئی کا دھونا فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

وضو کی سنتوں کا بیان

وضو میں سنت یہ چیزیں ہیں (۱) ہاتھوں کا پہنچوں تک دھونا (۲) ابتدائے وضو میں بسم اللہ کہنا (۳) مسواک کرنا (۴) کلی کرنا (۵) ناک میں پانی دینا (۶) ڈاڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا (۷) ہر عضو کو تین بار دھونا (۹) اسی ترتیب سے وضو کرنا جس ترتیب سے قرآن میں مذکور ہے (۱۰) تمام سر کا مسح کرنا (۱۱) اعضاء وضو کو پے در پے دھونا (۱۲) سر کے پانی کے ساتھ ہی کانوں کا مسح کرنا (یعنی ہاتھ پر پانی ڈال کر جب سر پر مسح کیا جائے تو اسی ہاتھ سے کانوں کا مسح کیا جائے، کانوں کے مسح کے لئے الگ سے پانی کی ضرورت نہیں۔ وضو کے مستحبات یہ ہیں (۱) اعضاء وضو کو دھونے کے لئے دائیں طرف سے شروع کرنا (مثلاً پہلے دایاں ہاتھ دھویا جائے پھر بایاں) (۲) گردن کا مسح کرنا (۳) وضو کے لئے قبلہ رخ بیٹھنا (۴) اعضاء کا (دھوتے وقت) پہلی بار ملنا (۵) غیر معذور کا وقت سے پہلے وضو کر لینا (۶) ڈھیلی انگوٹھی کو گھمانا پھرانا اسی طرح غسل میں قرط یعنی بالی کو گھمانا پھرانا، لیکن اس کے بارہ میں اتنی بات یاد رکھ لینی چاہئے کہ اگر غسل اور وضو کے وقت ان چیزوں کے متعلق یہ خیال ہو کہ ان کے نیچے بدن پر پانی پہنچ رہا ہے تو پھر یہ عمل مستحب ہوگا اور یہ جانے کے پانی ان کے نیچے نہیں پہنچتا تو پھر ان کو ہلا لینا فرض ہوگا (۷) خود وضو کرنا مستحب ہے کسی دوسرے سے وضو نہ کرایا جائے (۸) وضو کے وقت کوئی دنیاوی گفتگو نہ کرنا چاہئے ہاں اگر کوئی مجبوری ہو کہ بغیر کلام و گفتگو کے مقصد اور حاجت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو کر سکتا ہے (۹) ہر عضو کو دھونے کے وقت اور مسح کرتے وقت بسم اللہ پڑھیے (۱۰) ان دعاؤں کا پڑھنا جو عضو کے دھونے کے وقت پڑھنے کے لئے معقول ہیں () وضو مکمل کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا، مگر کتاب "زیلعی" میں لکھا ہے کہ ہر عضو کو دھونے کے بعد درود و سلام بھیجنا مستحب ہے (۱۲) وضو کے بعد شہادتین اور وہ دعائیں جو حدیث میں وارد ہیں پڑھنا (آگے حدیث میں یہ دعائیں آ رہی ہیں) (۱۳) وضو کا بقیہ پانی قبلہ رخ کھڑے ہو کر یا بیٹھ

کر پینا (۱۴) بھوؤں اور مونچھوں کے نیچے، گوشۂ چشم پر اور پاؤں کے کونچوں پر پانی پہنچانے کے لئے تعاہد یعنی خبر گیری کرنا کہ جسے خشک نہ رہ جائیں۔

مکروہات وضو یہ ہیں: (۱) منہ پر زور سے پانی مارنا (۲) اسراف کرنا ضرورت اور حاجت سے زیادہ پانی بہانا (۳) اعضاء کو تین تین مرتبہ سے زیادہ دھونا (۴) نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کرنا۔ اور منہیات وضو یہ ہیں: (۱) عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو نہ کرنا چاہئے (۲) نجس جگہ وضو نہ کرنا چاہئے تا کہ وضو کے پانی کی بے حرمتی نہ ہو (۳) مسجد میں وضو نہ کرنا چاہئے البتہ کسی برتن میں یا اس جگہ جو وضو کے لئے خاص طور پر مقرر ہے وضو کرنا درست ہے (۴) تھوک اور رینٹھ وغیرہ وضو کے پانی میں نہ ڈالنا چاہئے۔

وضو کے سبب اعضائے وضو کے گناہوں کے معاف ہونے کا بیان

282 - حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنِي حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّاَ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ فِيهِ وَاَنْفِهِ فَاِذَا غَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ وَجْهِهِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَشْفَارِ عَيْنَيْهِ فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ يَدَيْهِ فَاِذَا مَسَحَ بِرَاْسِهِ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ رَاْسِهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ اُذُنَيْهِ فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ رِجْلَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ رِجْلَيْهِ وَكَانَتْ صَلٰوتُهُ وَمَشْيُهُ اِلَى الْمَسْجِدِ نَافِلَةً

◆◆ حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص وضو کرتے ہوئے کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی ڈالتا ہے تو اس کے منہ اور ناک میں سے گناہ نکل جاتے ہیں: جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے میں سے گناہ نکل جاتے ہیں: یہاں تک کہ اس کی آنکھوں کی پتلیوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں: جب وہ اپنے دونوں بازو دھوتا ہے تو اس کے دونوں بازوؤں میں سے گناہ نکل جاتے ہیں:۔

جب وہ اپنے سر میں مسح کرتا ہے تو اس کے سر میں سے گناہ نکل جاتے ہیں: یہاں تک کہ دونوں کانوں میں سے بھی نکل جاتے ہیں:۔ جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کے دونوں پاؤں میں سے گناہ نکل جاتے ہیں: یہاں تک کہ اس کے پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں:۔ اور پھر اس کا نماز ادا کرنا اور چل کر مسجد تک جانا اس کے لیے اضافی اجر و ثواب (کے حصول) کا باعث بنتا ہے۔

شرح

اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ وضو کرتے والا اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو گناہ اس کے سر سے خارج ہوتے ہیں پھر آگے فرمایا گیا ہے کہ "یہاں تک کہ اس کے دونوں کانوں سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں" اس جملہ سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ کان سر

282 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:103

میں داخل ہیں بائیں طور کہ جو حکم سر کا ہوگا وہی حکم کان کا ہوگا چنانچہ حنفی مسلک یہی ہے اس لئے یہ مسئلہ ہے کہ جب مسح کے لئے پانی لیا جائے تو اس پانی سے کانوں کا مسح بھی کرلیا جائے کانوں کے مسح کے لئے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ آخر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "اس کی نماز اس کے واسطے (اعمال میں) زیادتی ہے یعنی جب یہ وضو سے فارغ ہوا تو گناہوں سے وضو کی وجہ سے پاک وصاف ہو چکا تھا، اب نماز زائد ہے جو بلندی درجات کا سبب ہوگی۔

283- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ یَعْلَی بْنِ عَطَاءٍ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ طَلْقٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْبَیْلَمَانِیِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا تَوَضَّاَ فَغَسَلَ یَدَیْهِ خَرَّتْ خَطَایَاهُ مِنْ یَدَیْهِ فَاِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَّتْ خَطَایَاهُ مِنْ وَجْهِهٖ فَاِذَا غَسَلَ ذِرَاعَیْهِ وَمَسَحَ بِرَاْسِهٖ خَرَّتْ خَطَایَاهُ مِنْ ذِرَاعَیْهِ وَرَاْسِهٖ فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَیْهِ خَرَّتْ خَطَایَاهُ مِنْ رِجْلَیْهِ

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "جب کوئی بندہ وضو کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے' تو اس کے دونوں ہاتھوں سے گناہ نکل جاتے ہیں' جب وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے' تو اس کے چہرے سے گناہ نکل جاتے ہیں' جب وہ دونوں بازو دھوتا ہے اور اپنے سر پر مسح کرتا ہے' تو اس کے دونوں بازوؤں اور اس کے سر سے گناہ نکل جاتے ہیں' جب وہ اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے' تو اس کے دونوں پاؤں سے گناہ نکل جاتے ہیں"۔

وضو کے پانی میں گناہوں کا حائل ہونے کا بیان

امام شعرانی نے میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرمایا میں نے سیدی علی الخواص کو فرماتے سنا کہ اگر انسان پر کشف ہو جائے وہ طہارت میں استعمال کیے جانے والے پانی کو انتہائی گندہ اور بدبودار دیکھے گا اور وہ اس پانی کو اسی طرح استعمال نہ کرسکے گا جیسے اُس پانی کو استعمال نہیں کرتا ہے جس میں کتا بلی مرگئی ہو میں نے اُن سے کہا اس سے معلوم ہوا کہ ابوحنیفہ اور ابویوسف اہل کشف سے تھے کیونکہ یہ مستعمل کی نجاست کے قائل تھے، تو انہوں نے کہا جی ہاں۔ ابوحنیفہ اور ان کے صاحب بڑے اہل کشف تھے، جب وہ اُس پانی کو دیکھتے جس کو لوگوں نے وضو میں استعمال کیا ہوتا تو وہ پانی میں گرتے ہوئے گناہوں کو پہچان لیتے تھے اور کبائر کے دھوون کو صغائر کے دھوون سے الگ ممتاز کرسکتے تھے، اور صغائر کے دھوون کو مکروہات سے اور مکروہات کے دھوون کو خلاف اولیٰ سے ممتاز کرسکتے تھے اسی طرح جیسے محسوس اشیاء ایک دوسرے سے الگ ممتاز ہوا کرتی ہیں، فرمایا کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے۔

ایک مرتبہ آپ جامع کوفہ کے طہارت خانہ میں داخل ہوئے، تو دیکھا کہ ایک جوان وضو کررہا ہے، اور پانی کے قطرات اُس سے ٹپک رہے ہیں تو فرمایا اے میرے بیٹے! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر۔ اس نے فوراً کہا میں نے توبہ کی۔ ایک دوسرے شخص کے پانی کے قطرات دیکھے تو فرمایا اے میرے بھائی! زنا سے توبہ کر۔ اس نے کہا میں نے توبہ کی۔ ایک اور شخص کے وضو کا پانی گرتا

283 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ہوا دیکھا تو اُس نے فرمایا شراب نوشی اور فحش گانے بجانے سے توبہ کر۔ اس نے کہا میں نے توبہ کی۔ اسی میں حضرت امام ابوحنیفہ کے بعض مقلدین سے مروی ہے کہ انہوں نے اُن وضوخانوں کے پانی سے وضو کو منع کیا ہے جن میں پانی جاری نہ ہو کیونکہ اُس میں وضو کرنے والوں کے گناہ بہتے ہیں، اور اُنہوں نے حکم دیا کہ وہ نہروں کنووں اور بڑے حوضوں کے پانی سے وضو کریں۔ اور سیدی علی الخواص باوجود شافعی المذہب ہونے کے مساجد کے طہارت خانوں میں اکثر اوقات وضو نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ پانی ہم جیسے لوگوں کے جسموں کو صاف نہیں کرتا ہے کیونکہ یہ اُن گناہوں سے آلودہ ہے جو اس میں مل گئے ہیں، اور وہ گناہوں کے دھوون میں۔ (المیزان الکبری الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۹)

امت مسلمہ کی پیشانی چمکدار اور ہاتھوں کے روشن ہونے کا بیان

284 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى النَّيْسَابُورِيُّ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ تَرَ مِنْ اُمَّتِكَ قَالَ غُرٌّ مُحَجَّلُوْنَ بُلْقٌ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ

قَالَ اَبُو الْحَسَنِ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا اَبُو حَاتِمٍ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ فَذَكَرَ مِثْلَهُ

◄◄ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: عرض کی گئی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں سے جن افراد کو دیکھا ہی نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کیسے پہچانیں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ لوگ وضو کے آثار کی وجہ سے چمکدار پیشانی اور روشن ہاتھ پاؤں والے ہوں گے''۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شرح

غُرّ جمع ہے اغر کی جس کے معنی ہیں سفید چہرہ اور محجل اس آدمی کو فرماتے ہیں کہ جس کے ہاتھ پاؤں سفید ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز وضو کے اثر سے تمام اعضاء روشن ہوں گے اور جب محشر میں نمازیوں کو جنت میں جانے کے لئے پکارا جائے گا تو وہ لوگوں کے درمیان سے اس طرح آئیں گے کہ ان کے اعضاء وضو روشن و چمک دار ہوں گے۔ آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جس آدمی کی خواہش ہو کہ قیامت کے روز اس کی پیشانی چمکدار اور اس کے اعضاء کی سفید دراز ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس عمل اور فعل کے کرنے میں پوری احتیاط سے کام لے جو اس سعادت کا سبب ہوگا یعنی وضو پوری رعایت سے کرے، چہرہ کو پیشانی کے اوپر سے تھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک خوب اچھی طرح دھوئے۔ تحجیل کی درازگی یہ ہے کہ پاؤں کو خوب اچھی طرح اور ٹخنوں کے اوپر تک دھوئے یہاں تحجیل کی درازگی کا ذکر نہیں فرمایا گیا ہے اس لئے کہ یہ دونوں یعنی غرا اور محجل آپس میں لازم اور ملزوم ہیں جب ایک کی درازگی کا ذکر فرمادیا تو دوسرا خود بخود مفہوم ہو جائے گا۔

---

284 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

وضو میں سنن وآداب کا خیال رکھنے کا بیان

285 - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِبْرٰهِيمَ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرٰهِيمَ حَدَّثَنِي شَقِيقُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنِي حُمْرَانُ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَاعِدًا فِي الْمَقَاعِدِ فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَقْعَدِي هٰذَا تَوَضَّأَ مِثْلَ وُضُوئِي هٰذَا ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ مِثْلَ وُضُوئِي هٰذَا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَغْتَرُّوا

◄◄ حمران جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں' وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک بیٹھک میں بیٹھے ہوئے دیکھا' آپ رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا اور وضو کیا' پھر انہوں نے یہ بات بیان کی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ بیٹھے ہوئے دیکھا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح وضو کیا تھا جس طرح میں نے وضو کیا ہے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص میرے اس وضو کی مانند وضو کرے تو اس شخص کے گزشتہ گناہوں کی مغفرت کر دی جائے گی''۔
تاہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا: ''تم کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جانا''۔

شرح

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ "انہوں نے ایک مرتبہ وضو کیا" چنانچہ انہوں نے پہلے اپنے ہاتھوں میں تین مرتبہ پانی ڈالا پھر تین مرتبہ کلی کی اور ناک جھاڑی (یعنی ناک میں پانی دینے کے بعد ناک سن کی پھر تین مرتبہ منہ دھویا، پھر تین مرتبہ اپنا داہنا ہاتھ کہنی تک دھویا (یعنی کہنی سمیت دھویا) پھر تین مرتبہ اپنا بایاں ہاتھ کہنی تک دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنا دایاں پیر تین مرتبہ دھویا، پھر بایاں پیر تین مرتبہ دھویا اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے جس طرح اب میں نے وضو کیا ہے" پھر فرمایا جو آدمی میرے اس وضو کی مانند وضو کرے (یعنی فرائض وسنن اور مستحبات وآداب کی رعایت کے ساتھ) پھر دو رکعت نماز پڑھے اور نماز کے اندر اپنے دل سے کچھ باتیں نہ کرے (یعنی پورے دھیان سے نماز پڑھے) تو اس کے تمام پچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم) اس روایت کے الفاظ صحیح البخاری کے ہیں۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 273)

اعضاء وضو کا تین مرتبہ سے زائد دھونا تمام علماء کے نزدیک مکروہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پورے عضو تین مرتبہ دھو چکا ہے تو اب اس پر زیادتی نہ کرے یعنی تین بار سے زائد نہ دھوئے اگر ایسی شکل ہے کہ ایک چلو سے آدھا عضو دھویا اور پھر دوسرے چلو سے آدھا دھویا تو یہ ایک مرتبہ ہی کہلائے گا مثلاً اسی طرح کسی عضو کو چھ چلوں سے دھو کر تین بار کو پورا کیا تو یہ زیادتی نہ ہوگی بلکہ تین مرتبہ ہی ہوگا وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا انتہائی درجہ نہیں ہے بلکہ ادنیٰ درجہ ہے اگر زیادہ بھی پڑھے تو افضل ہے بہر حال یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وضو کے بعد نماز یعنی تحیۃ الوضو پڑھنی مستحب ہے اگر فرض یا سنت مؤکدہ ہی پڑھے تو یہ بھی کافی

285 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ہے۔ آخر حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ نماز میں حضور قلب اور خشوع وخضوع بہت زیادہ مطلوب ہے چنانچہ آخری جملہ کا یہ مطلب یہ ہے کہ جب نماز شروع کرے تو پھر اپنے دل کو نماز میں لگائے خیالات نماز سے باہر کہیں دوسری جگہ بھٹکنے نہ پائیں اور قلب میں دنیا کے خیالات اور ایسے تفکرات کو جو نماز کے منافی ہیں جگہ نہ دے خیال اللہ ہی کی طرف لگائے رکھے اگر خطرات و وساوس دل میں آئیں تو ان کو دفع کرے ہاں اگر دل میں ایسے خطرات پیدا ہوتے ہیں جو نماز میں حضور قلب کے منافی نہیں پھر کچھ مضر نہیں۔

285 م- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ حَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي يَحْيَى حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ طَلْحَةَ حَدَّثَنِي حُمْرَانُ عَنْ عُثْمَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

⇔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

وضو کے باطنی فوائد کا بیان

حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں جب تقویٰ اختیار کرنے والا شخص اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کا عادی ہے تو اسے چاہیے کہ ایسے مواقع پر تازہ وضو کر لیا کرے، جب لوگوں سے میل جول ہو یا وہ ایسے کاموں میں مصروف ہو جس سے ہمت اور عزیمت کی گرہیں ڈھیلی پڑنے کا اندیشہ ہو یعنی (ان فضول مصروفیات اور غیر محتاط گفتگو کی وجہ سے) تقویٰ میں کمی کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں وضو کر لیا جائے تو قلب کی طہارت بحال ہو جاتی ہے۔ (عوارف المعارف)

ایک دفعہ میں نے اپنے مرشد کریم حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا کہ بعض اوقات طبیعت ذکر اور عبادت کی طرف راغب نہیں ہوتی اور نیکی کے کاموں میں جی نہیں لگتا۔ تو آپ نے فرمایا جب ایسی کیفیت ہو تو وضو یا غسل کر لیا کرو۔ گویا عبادت سے بے رغبتی اور بے ذوقی کا علاج آپ نے وضو اور غسل کو قرار دیا۔ چنانچہ یہ بات کئی دفعہ تجربے میں آچکی ہے کہ آداب کا خیال رکھتے ہوئے تازہ وضو اور غسل کرنے سے طبیعت میں ایک نشاط اور ذوق پیدا ہو جاتا ہے اور دل ذکر الٰہی اور عبادت کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔

حضرت سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اگر ممکن ہو تو طالب حق کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا چاہیے اور غسل کرے تو اور بھی زیادہ مناسب ہے کیونکہ باطن کی روشنی اور تکمیل نماز میں ان چیزوں (وضو اور غسل) کے اثرات بہت واضح اور نمایاں ہیں۔

ایک عجیب نکتہ

حضرت خواجہ سہروردی ایک عجیب اور قابل غور نکتہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر وضو بصیرت (باطنی نگاہ) کو پاک اور صاف رکھنے میں وہی کام کرتا ہے جو پلکیں اپنی ہلکی پھلکی حرکات سے بینائی کو برقرار رکھنے میں کام کرتی ہیں۔ یہ وہ نکتہ ہے جسے اہل علم ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اگر اس نکتہ پر غور کیا جائے تو اس کی برکات کا اثر ضرور ہوگا۔ (عوارف المعارف، ص 561)

حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان فرمودہ اس نکتہ کی حقیقی وضاحت تو علم حقیقت والے ہی کر سکتے ہیں، میرے خیال میں اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ جس طرح پلکیں آنکھوں کی حفاظت کرتی ہیں اور بینائی پر اثر انداز ہونے والی چیزوں اور ہوا میں اڑنے والے حشرات کو آنکھ میں داخل ہونے سے روک دیتی ہیں، اسی طرح وضو قلب کو شیطانی وساوس سے تحفظ عطا کرتا ہے کیونکہ وضو مومن کا ہتھیار ہے۔

نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق نماز کے دوران قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز احکم الحاکمین کے دربار کی حاضری ہے۔ اس حاضری کا ادب یہ ہے کہ آدمی اپنے پورے قلب اور روح سے اپنے مولا کی طرف متوجہ رہے۔ اس پر احکم الحاکمین کے دربار کی ہیبت اور دل پر خشیت کی کیفیت طاری رہے۔ اس حاضری کے دوران قہقہہ لگانا اس بات کی علامت ہے کہ اس کو اس عظیم بارگاہ کے ادب کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہ بے ادبی کسی شیطانی خیال کے القاء کی وجہ سے ہوتی ہے اور بے ادبی پر اکسانے والا شیطانی خیال قلب کے لئے نجاست کا درجہ رکھتا ہے، اس لئے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس نمازی کو نیا وضو کرنا ہوگا۔ چنانچہ آداب وضو کا خیال رکھتے ہوئے جب نیا وضو کرے گا تو وہ شیطانی خیال کی نجاست سے پاک ہو کر بارگاہ ایزدی میں حضوری کے قابل ہو جائے گا۔

نیند سے بیدار ہونے پر وضو کی حکمت

اللہ تعالیٰ کی محبت کا دم بھرنے والوں کا ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ وہ سو کر اٹھتے ہیں تو فوراً وضو کر لیتے ہیں۔ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ نیند چونکہ ایک قسم کی غفلت ہے کہ اس کی وجہ سے انسان ذکر الٰہی سے غافل اور محروم ہو جاتا ہے، جس سے اس کا دل مکدر ہو جاتا ہے لہٰذا وضو کا نور اس کے تکدر اور تاریکی کا ازالہ کر دیتا ہے۔ (عوارف المعارف)

بَابُ: السِّوَاكِ

یہ باب مسواک کرنے کے بیان میں ہے

مسواک کے فضائل واہمیت کا بیان

مسواک کرنا متفقہ طور پر تمام علماء کرام کے نزدیک سنت ہے مگر حنفیہ کے نزدیک خاص طور پر وضو کے لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو و نماز کے وقت مسواک کرنا مسنون ہے، نیز نماز فجر اور نماز ظہر سے پہلے بھی مسواک کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے، مسواک کرنے میں بڑی خیر و برکت اور بہت فضیلت ہے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ مسواک کرنے کی فضیلت میں چالیس احادیث وارد ہوئی ہیں، پھر نہ صرف یہ کہ مسواک کرنا ثواب کا باعث ہے بلکہ اس سے جسمانی طور پر بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں

چنانچہ مسواک کرنے سے منہ پاک وصاف رہتا ہے، منہ کے اندر بدبو پیدا نہیں ہوتی، دانت سفید وچمک دار ہوتے ہیں، مسوڑھوں میں قوت پیدا ہوتی ہے اور دانت مضبوط ہو جاتے ہیں۔

ویسے تو ہر حال میں مسواک کرنا مستحب اور بہتر ہے مگر بعض حالتوں میں اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے مثلاً وضو کرنے کے وقت، قرآن شریف پڑھنے کے لئے، دانتوں پر زردی اور میل چڑھ جانے کے وقت اور سونے، چپ رہنے، بھوک لگنے یا بدبودار چیز کھانے کے سبب منہ کا مزہ بگڑ جانے کی حالت میں مسواک زیادہ مستحب اور اولیٰ ہے۔ مسواک کرنے کے کچھ آداب وطریقے ہیں چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ کسی مجلس ومجمع میں اس طرح مسواک کرنا کہ منہ سے رال ٹپکتی ہو مکروہ ہے خصوصاً علماء اور بزرگوں کے قریب اس طرح مسواک کرنا مناسب نہیں ہے۔ مسواک کڑوے درخت مثلاً نیم وغیرہ کی ہونی چاہئے، پیلو کے درخت کی مسواک زیادہ بہتر ہے چنانچہ احادیث میں بھی پیلو کی مسواک کا ذکر آیا ہے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ پیلو کی مسواک کی جائے مسواک کا سرا چھنگلیا کی طرف ہونا چاہئے اور مسواک کی لمبائی ایک بالشت کے برابر ہونی چاہئے، مسواک دانتوں کی چوڑائی پر کرنی چاہئے لمبائی پر مسواک نہ کی جائے کیونکہ اس طرح مسواک کرنے سے مسوڑھے چھل جاتے ہیں۔

مسواک کرنے کے وقت کے بارے میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جب وضو شروع کیا جائے تو کلی کے وقت مسواک کرنی چاہئے مگر بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ وضو کرنے سے پہلے ہی مسواک کر لینی چاہئے، نیز مسواک کرنے میں مستحب ہے کہ مسواک دائیں طرف سے شروع کی جائے۔ اگر کسی آدمی کے پاس مسواک نہ ہو یا دانت ٹوٹے ہوئے ہوں تو ایسی حالت میں انگلی سے دانت یا مسوڑھوں کو صاف کرنا چاہئے یا اسی طرح مسواک کو نرم کرنے کے لئے اگر کوئی چیز نہ ملے اور ایسی شکل میں مسواک کرنا ممکن نہ ہو تو دانت کو ایسی چیزوں سے صاف کر لیا جائے جو منہ کی بدمزگی کو دور کر دیں جیسے موٹا کپڑا اور منجن وغیرہ یا صرف انگلی ہی سے صاف کر لے۔

بیدار ہوتے وقت مسواک کرنے کا بیان

286 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ وَاَبِيْ عَنِ الْاَعْمَشِ ح و حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُوْرٍ وَّحُصَيْنٍ عَنْ اَبِيْ وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ

◄◄ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وقت نمازِ تہجد ادا کرنے کے لئے بیدار ہوتے تو مسواک کے ذریعے منہ صاف کیا کرتے تھے۔

---

286 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 245 'ورقم الحدیث 889 'ورقم الحدیث 1136 'اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 592 'ورقم الحدیث 593 'ورقم الحدیث 594 'اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 55 'اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 2 'ورقم الحدیث 1620 'ورقم الحدیث 1621 'ورقم الحدیث 1622 'ورقم الحدیث 1623

شرح

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھ کر سو جاتے تھے، پھر بیدار ہوتے تو وضو کا پانی ڈھکا ہوا اور مسواک ان کے قریب ہی ہوتی، آپ مسواک فرماتے اور وضو فرماتے اور آٹھ رکعات نماز پڑھتے۔ ان رکعتوں میں نہ بیٹھتے سوائے آٹھویں رکعت کے بعد اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے اور اس کی حمد کرتے اور اس سے دعا مانگتے پھر آپ اٹھتے اور سلام نہ پھیرتے پھر کھڑے ہو کر نویں رکعت پڑھتے پھر آپ بیٹھتے، اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے اور اس کی حمد بیان فرماتے اور اس سے دعا مانگتے پھر آپ سلام پھیرتے، سلام پھیرنا ہمیں سنا دیتے پھر آپ سلام پھیرنے کے بعد بیٹھے بیٹھے دو رکعات نماز پڑھتے تو یہ گیارہ رکعتیں ہو گئیں پھر جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک زیادہ ہو گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر گوشت آ گیا تو سات رکعتیں وتر کی پڑھنے لگے اور دو رکعتیں اسی طرح پڑھتے جس طرح پہلے بیان کیا تو یہ نو رکعتیں ہوئیں اور وفات تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اسی طرح رہی۔ (مسند احمد: جلد نہم: رقم الحدیث، 5989)

مشقت کے سبب احکام میں آسانی ہونے کا بیان

287 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''اگر مجھے اپنی اُمت کے مشقت کا شکار ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اُنہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا''۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے اور نماز عشاء کو تہائی یا نصف رات تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔ کیونکہ تہائی یا نصف رات گذرنے کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اسے عطاء کروں؟ ہے کوئی گناہوں کی معافی مانگنے والا کہ میں اسے معاف کروں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی پکارنے والا کہ اس کی پکار کو قبول کروں؟ گذشتہ حدیث اس دوسری سند سے بھی مروی ہے البتہ اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ یہ طلوع فجر تک ہوتا رہتا ہے۔ (مسند احمد جلد چہارم، رقم الحدیث، 2399)

نمازوں سے پہلے مسواک کرنے کا بیان

288 - حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ حَدَّثَنَا عَثَّامُ بْنُ عَلِيٍّ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ ثَابِتٍ عَنْ سَعِيْدٍ

287 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

288 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَسْتَاكُ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت دو دو رکعات ادا کیا کرتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فارغ ہوتے تھے تو مسواک کرتے تھے۔

سنت مسواک کی برکت سے میدان جنگ میں کامیابی

حضرت عبداللہ بن مبارک مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے تین حصے کیے تھے۔ایک سال حج کو جاتے اور ایک سال غزوہ میں تشریف لیجاتے ،اور ایک سال علم دین کا درس دیتے تھے،ایک مرتبہ غزوہ میں تشریف لے گئے، وہاں کفار کا قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا تو آپ رات کو اس فکر میں سو گئے،خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں اے عبداللہ کس فکر میں ہو عرض کیا: یارسول اللہ! یہ قلعہ فتح نہیں ہو رہا ہے اس فکر میں ہوں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو مسواک کے ساتھ کیا کرو،عبداللہ بن مبارک خواب سے بیدار ہوئے، مسواک کے ساتھ وضو کیا اور نمازیوں کو بھی مسواک کا حکم دیا،قلعہ کے نگرانوں نے قلعہ کے اوپر سے غازیوں کو مسواک کرتے دیکھا،تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایک خوف ڈال دیا، وہ نیچے گئے اور قلعہ کے سرداروں سے کہا کہ یہ فوج جو آئی ہے یہ لوگ آدم خور معلوم ہوتے ہیں، دانتوں کو تیز کر رہے ہیں تاکہ ہم پر فتح پاکر ہمیں کھائیں،اللہ تعالیٰ نے یہ دہشت ان کے دلوں میں بٹھادی اور مسلمانوں کے پاس قاصد بھیجا کہ تم مال چاہتے ہو یا جان؟ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: نہ مال چاہیے نہ جان، تم سب اسلام قبول کرلو تو چھٹکارہ پالو گے،اس سنت کی برکت سے وہ سب مسلمان ہو گئے۔(فضائل مسواک) دیکھیے ایک سنت کے ترک کرنے سے قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔اللہ کی مدد اور نصرت رک گئی تھی، آج ہم نہ معلوم کتنے فرائض وسنت کو چھوڑے ہوئے ہیں، ہماری مدد اور نصرت کیسے ہوگی؟ ہماری فتح اور کامیابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے طریقوں اور سنتوں میں ہے، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ملت اسلامیہ کی کھوئی ہوئی شوکت وغلبہ بحال ہو تو اس کے لئے ہمیں آپ کی ایک ایک سنت کو اپنانا ہوگا۔

مسواک کرنے میں پروردگار کی رضامندی ہونے کا بیان

289 - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي الْعَاتِكَةِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِي اُمَامَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَسَوَّكُوا فَاِنَّ السِّوَاكَ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ مَا جَائَنِي جِبْرِيلُ اِلَّا اَوْصَانِي بِالسِّوَاكِ حَتّٰى لَقَدْ خَشِيتُ اَنْ يُفْرَضَ عَلَيَّ وَعَلٰى اُمَّتِي وَلَوْلَا اَنِّي اَخَافُ اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِي لَفَرَضْتُهُ لَهُمْ وَاِنِّي لَاَسْتَاكُ حَتّٰى لَقَدْ خَشِيتُ اَنْ اُحْفِيَ مَقَادِمَ فَمِي

---

289 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''تم لوگ مسواک کیا کرو' کیونکہ مسواک منہ کو صاف کرتی ہے اور پروردگار کی رضامندی کا باعث ہے' جبرائیل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آئے انہوں نے مجھے مسواک کی تاکید کی' یہاں تک کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ مجھ پر اور میری امت پر فرض قرار نہ دی جائے' اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میں اپنی امت کو مشقت کا شکار کردوں گا' تو میں یہ ان کے لیے لازم قرار دیتا' میں خود مسواک کرتا رہتا ہوں یہاں تک کہ مجھے اندیشہ ہوتا ہے' کہیں میرے منہ کے سامنے والے دانت گر نہ جائیں''۔

گھر میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے مسواک کرنے کا بیان

290- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ قُلْتُ اَخْبِرِيْنِىْ بِاَىِّ شَىْءٍ كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْدَاُ اِذَا دَخَلَ عَلَيْكِ قَالَتْ كَانَ اِذَا دَخَلَ يَبْدَاُ بِالسِّوَاكِ

مقدام بن شریح اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: آپ مجھے بتایئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کے ہاں تشریف لاتے تھے' تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے تھے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مسواک کرتے تھے۔

شرح

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے اور یہ آپ و کے مزاج اقدس کی انتہائی نظافت کی دلیل تھی کہ اگر مجلس مبارک میں خاموش بیٹھنے یا لوگوں سے گفتگو کرنے کی وجہ سے منہ کے اندر کچھ تغیر آ گیا ہو تو وہ دور ہو جائے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل مبارک کی حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو یہاں بھی تعلیم امت کا مقصد سامنے آئے گا لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ انتہائی پاکیزگی وصفائی کے ساتھ رہا کریں یہاں تک کے آپ میں گفتگو وکلام کرنے اور ملنے جلنے کے لئے مسواک کرلیا کریں تاکہ کوئی آدمی منہ کی بدمزگی یا بو کے تغیر کی وجہ سے تکلیف محسوس نہ کرے۔

مسواک کی فضیلت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے منقول ہے کہ مسواک کرنے کے ستر فائدے ہیں جن میں سب سے ادنیٰ اور کم درجہ فائدہ یہ ہے کہ مسواک کرنے والا آدمی موت کے وقت کلمہ شہادت کو یاد رکھے گا جس کی بناء پر اس کا خاتمہ یقیناً خیر پر ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کہ افیون کھانے کے ستر نقصان ہیں جن میں سب سے ادنیٰ اور کم تر نقصان یہ ہے کہ افیون کھانے والا آدمی موت کے وقت کلمہ شہادت بھول جائے گا، العیاذ باللہ

حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر آدمی کے لئے یہ تاکید ہے کہ وہ جب گھر میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ وہ سب سے پہلے مسواک کرے کیونکہ اس سے منہ میں بہت زیادہ خوشبو پیدا ہو جاتی ہے' جس سے گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک میں

290 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 589' ورقم الحدیث: 590' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 51' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 8

اضافہ ہوتا ہے۔

مسواک کے ذریعے منہ کو پاک رکھنے کا بیان

291 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا بَحْرُ بْنُ كَنِيزٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ سَاجٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ إِنَّ أَفْوَاهَكُمْ طُرُقٌ لِلْقُرْآنِ فَطَيِّبُوهَا بِالسِّوَاكِ

◄◄ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تمہارے منہ قرآن کے راستے ہیں' تم مسواک کے ذریعے انہیں پاک وصاف کرو"۔

مسواک کے فوائد کا بیان

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ بے مسواک والی نماز سے ستر درجہ افضل ہے۔ بعض صحابہ کی یہ حالت تھی کہ وہ مسواک قلم کی طرح اپنے کان پر لگائے رکھتے ۔ تھے مسواک کے فوائد علمائیکرام نے مسواک کے اہتمام میں تقریباً ستر فائدے لکھے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

(۱) منہ کو صاف کرتی ہے۔ (۲) فصاحت میں اضافہ کرتی ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہے۔ (۴) شیطان کو غصہ دلاتی ہے۔ (۵) نیکیوں کو زیادہ کرتی ہے۔ (۶) مسواک کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور فرشتے محبوب رکھتے ہیں۔ (۷) نماز کے ثواب کو بڑھاتی ہے۔ (۸) پل صراط پر چلنا آسان ہو جائے گا۔ (۹) مسوڑھوں۔ دانتوں اور معدے کو قوت دیتی ہے اور دانتوں کو سفید کرتی ہے۱۰ بلغم کو قطع کرتی ہے۔ (۱۱) کھانے کو ہضم کرتی ہے۔ (۱۲) منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے۔ (۱۳) صفرا کو دور کرتی ہے۔ (۱۴) ریح نکلنے کو آسان کرتی ہے۔ (۱۵) بڑھاپا دیر میں آتا ہے۔ (۱۶) موت کے سوا ہر مرض کی شفا ہے۔ (۱۷) سر کے رگوں پٹھوں کو اور دانتوں کے درد کو سکون دیتی ہے۔ (۱۸) نگاہ کو تیز کرتی ہے۔

(۱۹) منہ کی بدبو دور کرتی ہے وغیرہ۔ ان سب باتوں کر علاوہ ایک مسلمان کیلئے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور ایک سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جس کی ہر مسلمان کو آرزو ہوتی ہے کہ مرتے وقت کلمہ پڑھنا نصیب ہوتا ہے۔

بَابُ: الْفِطْرَةِ

یہ باب فطرت کے اعمال کے بیان میں ہے

لفظ فطرت کے لغوی مفہوم کا بیان

لفظ فطرت کہ جو قرآن میں آیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ ارشاد خداوندی ہے۔

291 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

فطرة الله التي فطر الناس عليها (روم)

مادہ فطر (ف۔ط۔ر) قرآن میں متعدد بار استعمال ہوا ہے کبھی فطرھن (انبیاء)

کبھی فاطر السموات والارض (انعام) اور دیگر پانچ آیات۔کبھی انفطرت (انفطار) اور کبھی منفطر بہ (مزمل)

ہر مقام پر اسی لفظ کے معنی ہیں ابداع اور خلق بلکہ خلق بھی ابداع کے معنی میں ہی ہے۔ابداع کے معنی کسی سابقہ نمونے کو پیش نظر رکھے بغیر پیدا کرنے کے ہیں۔لفظ فطرۃ اس صیغے میں یعنی بروزن فعلۃ صرف ایک آیت میں آیا ہے کہ جو انسان اور دین کے بارے میں ہے جس کے مطابق دین فطرۃ اللہ ہے۔

فاقم وجهك للدين حنيفا فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله (روم)

اس آیت کی تشریح ہم بعد میں عرض کریں گے۔جو لوگ عربی زبان سے آشنا ہیں وہ جانتے ہیں کہ فعلۃ کا وزن نوعیت اور کیفیت پر دلالت کرتا ہے۔جلسۃ یعنی بیٹھنا اور جلسۃ یعنی بیٹھنے کا خاص انداز جیسے جلست جلسۃ زید یعنی میں زید کے انداز میں بیٹھا یعنی جیسے زید بیٹھتا ہے میں ایسے بیٹھا۔

ابن مالک نے الفیہ میں کہا ہے: و فعلة لمرة كجلسة و فعلة لهيئة كجلسة

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ قرآن میں لفظ فطرت انسان اور دین کے ساتھ اس کے رابطے کے بارے میں آیا ہے۔فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا یعنی وہ خاص خلقت کہ جو ہم نے انسان کو دی یعنی انسان ایک خاص انداز سے پیدا ہوا ہے۔یہ جو آج کل کہا جاتا ہے کہ انسانی امتیازات تو اس سے فطرت کا مفہوم نکلتا ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہم انسان کی اصل خلقت میں کچھ امتیازات اور خصوصیات کے قائل ہوں یعنی فطرت انسان کے معنی ہوئے خلقت و آفرینش کے اعتبار سے انسان کے امتیازات و خصوصیات۔

علامہ ابن اثیر کا قول ہے حدیث کی لغات کے بارے میں لکھی جانے والی معتبر کتب میں ایک کتاب ابن اثیر کی النہایہ ہے جو معروف ہے۔ہم چونکہ معتبر مدارک سے ثبوت پیش کرنا چاہتے ہیں اس لئے اس کتاب کا بھی حوالہ پیش کرتے ہیں جیسے لغات قرآن کے لئے راغب کی کتاب مفردات نہایت عمدہ ہے کیونکہ راغب نے قرآنی الفاظ کے بنیادی معانی کا اچھی طرح تجزیہ کیا ہے۔یہی کام ابن اثیر نے حدیث کی لغات کے لئے انجام دیا ہے۔النہایہ میں ابن اثیر نے اس معروف حدیث کو ذکر کیا ہے۔

كل مولود يولد على الفطرة ہر مولود فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین (بیرونی عوامل) اسے منحرف کر کے یہودی عیسائی یا آتش پرست بنا دیتے ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں ہم بعد میں بحث کریں گے۔ابن اثیر نے یہ حدیث نقل کر کے لفظ فطرت کے معنی یوں بیان کئے ہیں کہ الفطر. الابتداء والاختراع (فطر) یعنی ابتداء و اختراع یعنی خلقت ابتدائی کہ جسے ایجاد بھی کہتے ہیں اس سے مراد ایسی خلقت جس میں کسی کی تقلید نہ کی گئی ہو۔اللہ کا کام فطر ہے اختراع لیکن انسان کا کام عموماً تقلید ہے یہاں تک کہ انسان جو ایجاد بھی کرتا ہے اس میں بھی تقلید کے عناصر موجود ہوتے ہیں۔

انسان عالم طبیعی کی تقلید کرتا ہے یعنی عالم طبیعی پہلے سے موجود ہے اور انسان اسے نمونہ قرار دے کر اس کی بنیاد پر تصویر بناتا ہے صناعی کرتا ہے مجسمہ سازی کرتا ہے انسان کبھی ایجاد و اختراع بھی کرتا ہے اور ایجاد و اختراع کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن انسانی ایجاد و اختراع کا اصل سرچشمہ عالم طبیعی ہی ہے اور اسی سے وہ رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ معارف اسلامی میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے نہج البلاغہ اور دیگر اسلامی کتب میں اس سلسلے میں بہت کچھ موجود ہے اور لازمی طور پر ایسا ہی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کام کے لئے کسی کی صناعی کی تقلید نہیں کی کیونکہ جو کچھ ہے اسی کا بنایا ہوا ہے۔ اس کی صناعی سے کوئی چیز مقدم نہیں ہے ہذا لفظ فطر ابتداء اور اختراع کے مساوی ہے یعنی ایسا عمل کہ جس میں کسی اور کی تقلید نہ کی گئی ہو۔

علامہ ابن اثیر اس کے بعد لکھتے ہیں: والفطرة الحالة منه كا لجلسه و الركبة

فطرت: یعنی خلقت کی ایک خاص حالت اور ایک خاص نوعیت کے معنی ہوتے ہیں۔ (یہ خاص طور پر اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ جب ہم بعد میں وضاحت کریں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ معنی ان کلمات کے لئے ان کے مفہوم کی بناء پر ہیں اور یہ کہ اس صحیح لغوی مفہوم کو نہایت معتبر اہل لغت نے بہت پہلے بیان کیا ہے)۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

والمعنى انه يولد على نوع من الجبله والطبع المتهيى لقبول الدين فلو ترك عليها لا ستمر على لزومها

یعنی انسان ایک خاص طرح کی سرشت اور طبیعت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے اس طرح سے کہ وہ دین کو قبول کرنے کی قابلیت رکھتا ہے اور اگر اسے اسی کے حال پر اور طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اسی راستے کا انتخاب کرے گا بشرطیکہ بیرونی اور خارجی طور پر متاثر کرنے والے عوامل اسے اس راستے سے نہ بھٹکا دیں۔

اس کے بعد ابن اثیر کہتے ہیں کہ حدیث میں فطرت کا لفظ کئی بار آیا ہے۔ مثال کے طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کہ جس کا ابتدائی حصہ ابن اثیر نے نہیں لکھا یوں بیان ہوا ہے: على غير فطرة محمد يعنى على غير دين محمد، مقصد یہ ہے کہ اس مقام پر لفظ دین کے بجائے فطرت کا لفظ آیا ہے۔

اسی طرح ابن اثیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: ابن اثیر کہتے ہیں: على فطراتها اى على خلقها

(نہایہ ابن اثیر)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ اس حدیث کو میں اس امر کے لئے قرینہ سمجھتا ہوں کہ فطرت کا لفظ ان الفاظ میں سے ہے جنہیں قرآن نے ہی پہلی مرتبہ استعمال کیا ہے۔ ابن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد تھے قریش تھے اور صاحب علم و فضل انسان تھے وہ کوئی عجمی نہ تھے کہ ہم کہیں کہ عربی زبان سے واقف نہ تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے قرآن میں آنے والے لفظ فطرت کو پہلی بار اس وقت سمجھا جب ایک مرتبہ میری ایک بادیہ نشین بدو اعرابی سے ملاقات ہوئی۔ (اعرابی یعنی بادیہ نشین قرآن میں آنے والا لفظ اعراب اس معنی میں نہیں کہ جس میں آج ہم استعمال کرتے ہیں۔ ہم لفظ اعرب کو عرب کی جمع کے طور پر ستعمال کرتے ہیں جبکہ عرب کی جمع عُرب ہے۔ اعراب اور اعرابی عام طور پر بادیہ نشینوں کو کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ فارسی

زبان میں آج کل لفظ اعراب عرب کی جمع کے لئے بولا جاتا ہے)۔

اور اس نے ایک مسئلہ میں اس لفظ کو استعمال کیا۔ جب اس نے اس مسئلے میں یہ لفظ استعمال کیا تو مجھ پر آیت کا مفہوم واضح ہوا۔ ابن عباس کے الفاظ یوں ہیں۔

ما کنت ادری ما فاطر السموات والارض حتی احتکم الی اعرابیان فی بئر

یعنی قرآن میں آنے والے لفظ فاطر کو میں صحیح طور پر نہیں سمجھا تھا یہاں تک کہ دو بادیہ نشین میرے پاس آئے کہ جن کا پانی کے ایک کنوئیں کے مسئلے پر اختلاف تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا انا فطرتھا، وہ کہنا چاہ رہا تھا کہ کنواں میرا ہے اور اس کی مراد یہ تھی کہ اسے شروع میں میں نے کھودا ہے۔ (آپ جانتے ہیں کہ جب کسی کنویں کو کھودا جاتا ہے تو ایک عرصے کے بعد اس کے پانی کی سطح نیچی ہو جاتی ہے لہٰذا اسے دوبارہ مزید نیچے گہرا کرنا پڑتا ہے تاکہ پانی دوبارہ حاصل کیا جا سکے)۔

وہ کہنا چاہ رہا تھا کہ میں اس کا پہلا مالک ہوں یعنی میں نے اسے پہلے کھودا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں اس سے سمجھا کہ قرآن میں فطرت کے کیا معنی ہیں یعنی انسان کی ایک ایسی سوفیصد ابتدائی خلقت کہ غیر انسان میں جس کی کوئی مثال نہیں دیگر مواقع پر بھی عربی زبان میں جہاں فطر کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں بھی یہ ابتدائی ہونے اور سابقہ نہ رکھنے کا مفہوم رکھتا ہے۔ مثلاً عرب کہتے ہیں: **فطر ناب البعیر. فطرا اذا شق اللحم و طلع**

اونٹ کے دانت جب نکلتے ہیں اور وہ پہلی بار گوشت کو چیر کر نمایاں ہوتے ہیں تو ابتداءً ان کے نکلنے کو فطر کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سے کسی جانور کے پستان سے جو پہلا دودھ حاصل کیا جاتا ہے اسے اسی اعتبار سے فُطرہ کہتے ہیں (یعنی بولی یا کھیس)۔

علامہ راغب اصفہانی نے بھی اس لفظ کا اسی طرح تجزیہ کیا ہے جیسے النہایہ میں ابن اثیر نے اس کو واضح کیا ہے چونکہ اسے دوبارہ بیان کرنے سے تکرار ہوتی ہے اس لئے اس کی جانب اشارہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

پانچ چیزوں کا فطرت سے ہونے کا بیان

292- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفِطْرَةُ خَمْسٌ اَوْ خَمْسٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ الْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَقَصُّ الشَّارِبِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: فطرت پانچ چیزیں ہیں (راوی کو شک ہے یا شاید یہ الفاظ ہیں) پانچ چیزیں فطرت کا حصہ ہیں، ختنہ کروانا، زیر ناف بال صاف کروانا، ناخن تراشنا بغلوں کے بال صاف کروانا اور مونچھیں چھوٹی کروانا۔

---

292 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 5889 ورقم الحدیث: 5891 ورقم الحدیث: 6297 اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث: 596 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 4198 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 11

دس چیزوں کا فطرت سے ہونے کا بیان

293- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِیْعٌ حَدَّثَنَا زَكَرِیَّا بْنُ اَبِیْ زَائِدَةَ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ شَیْبَةَ عَنْ طَلْقِ بْنِ حَبِیْبٍ عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْیَةِ وَالسِّوَاكُ وَالِاسْتِنْشَاقُ بِالْمَآءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَآءِ یَعْنِی الِاسْتِنْجَآءَ قَالَ زَكَرِیَّا قَالَ مُصْعَبٌ وَنَسِیْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةَ

◄◄ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: دس چیزیں فطرت کا حصہ ہیں۔ مونچھیں کٹوانا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، پانی کے ذریعے ناک صاف کرنا، ناخن تراشنا، جوڑوں کو دھونا، بغلوں کے بال صاف کرنا، زیر ناف بال صاف کرنا اور پانی کے ذریعے استنجاء کرنا۔

زکریا نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے مصعب نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے میں دسویں بات بھول گیا ہوں تاہم وہ "کلی کرنا" ہوگی۔

شرح

اس حدیث میں جن دس چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ تمام چیزیں پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں سنت تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت یعنی دین اسلام میں بھی سنت ہیں چنانچہ اکثر علماء کرام کے نزدیک فطرت کے یہی معنی ہیں، دوسری شروحات میں اس کے علاوہ علماء کے دوسرے اقوال بھی منقول ہیں لیکن طوالت کی بناء پر یہاں سب کو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

پہلی چیز ہونٹ کے بال یعنی مونچھوں کا کٹوانا ہے، اس سلسلہ میں مختار مسلک "یہی ہے مونچھیں کتروائی جائیں اور اس طرح کتروائی جائیں کہ اوپر کے ہونٹ کا کنارہ معلوم ہونے لگے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ مونچھیں بھووں کی برابر رکھنی چاہئیں۔ البتہ غازیوں اور مجاہدوں کو زیادہ مونچھیں بھی رکھنی جائز ہے کیونکہ زیادہ مونچھیں دشمن کی نظر میں دہشت کا باعث ہوتی ہیں اور اس سے ان پر رعب چھا جاتا ہے، مونچھوں کا زیادہ کتوانا کہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہے یا بالکل منڈوانا مکروہ ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک حرام ہے مگر بعض علماء نے اسے سنت بھی کہا ہے۔

دوسری چیز داڑھی کا بڑھانا ہے، اس کے بارے میں علماء کا فیصلہ ہے کہ داڑھی کی لمبائی ایک مٹھی کے برابر ہونا ضروری ہے اس سے کم نہ ہونا چاہئے ہاں مٹھی سے زیادہ بھی ہو جائز ہے بشرطیکہ حد اعتدال سے نہ بڑھ جائے۔ داڑھی کو منڈوانا یا پست کرنا حرام ہے کیونکہ یہ اکثر مشرکین مثلاً انگریز و ہندو کی وضع ہے، اسی طرح منڈی ہوئی یا پست داڑھی ان لوگوں کی وضع ہے جنہیں دین سے کوئی

293 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 603 ورقم الحدیث 604 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 53 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم حدیث 2757 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 5055 ورقم الحدیث 5056 ورقم الحدیث 5057

حصہ نصیب نہیں ہے کہ جن کا شمار " گروہ قلندری ردمشرب " میں ہوتا ہے۔ داڑھی کے بال ایک مٹھی کے برابر چھوڑنا واجب ہے اسے سنت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثبوت سنت سے ہے جیسے نماز عید کو سنت فرماتے ہیں حالانکہ عید واجب ہے۔ اگر لمبائی یا چوڑائی میں کچھ بال آگے بڑھ کر بے ترتیب ہو جائیں تو ان کو کتروا کر برابر کرنا جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ انہیں بھی نہ کتروایا جائے، اگر کسی عورت کی داڑھی نکل آئے تو اسے صاف کر ڈالنا مستحب ہے۔

تیسری چیز مسواک کرنا ہے، اس کے متعلق پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ مسواک کرنا بالاتفاق علماء کرام کے نزدیک سنت ہے، بلکہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے تو اسے واجب کہا ہے۔ حضرت شاہ اسحٰق نے اس سے بھی بڑھ کر یہ بات کہی ہے کہ اگر کوئی آدمی مسواک کو قصداً چھوڑ دے تو اس کی نماز باطل ہوگی۔

چوتھی چیز ناک میں پانی دینا ہے، اس کا مسئلہ یہ ہے کہ وضو کے لئے ناک میں پانی دینا مستحب ہے اور غسل کے لئے ناک میں پانی دینا فرض ہے یہی حکم کلی کا بھی ہے کہ وضو میں کلی کرنا سنت ہے اور غسل میں فرض ہے۔

پانچویں چیز ناخن کا کٹوانا ہے، ناخن کسی طرح بھی کٹوائے جائیں اصل سنت ادا ہو جائے گی لیکن اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ ناخن کٹوانے کے وقت یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ سب سے پہلے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کے ناخن کٹوائے جائیں اس کے بعد بیچ کی انگلی کے اس کے بعد اس کے پاس کی انگلی کے پھر چھنگلیا کے پھر بعد میں انگوٹھے کے ناخن کٹوائے جائیں، اس کے بعد بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے ناخن اس طرح کٹوائے جائیں کہ سب سے پہلے چھنگلیا کے اس کے بعد اس کے پاس کی انگلی اس کے بعد بیچ کی انگلی اس کے بعد شہادت کی انگلی اور پھر بعد میں انگوٹھے کے ناخن کٹوائے جائیں۔

بعض علماء کرام نے یہ طریقہ بھی لکھا ہے کہ سب سے پہلے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے ناخن کٹوانا شروع کرے اور چھنگلیا پر پہنچ کر روک دے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کرے اور اس کے انگوٹھے تک پہنچ کر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کر دے۔ اسی طرح پیر کے ناخن اس طرح کٹوانا چاہئے کہ پہلے دائیں پیر کی چھنگلیا سے کٹوانا شروع کرے اور آخر میں بائیں پیر کی چھنگلیا پر لے جا کر ختم کرے بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ جمعہ کے روز ناخن کتروانا مستحب ہے، کچھ حضرات نے ناخن کٹوا کر ان کو زمین میں دفن کر دینے کو بھی مستحب لکھا ہے، اگر ناخن پھینک دیئے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ان کو پاخانہ میں یا غسل کی جگہ میں پھینکنا مکروہ ہے۔

چھٹی چیز براجم یعنی جوڑوں کی جگہ کو دھونا ہے، براجم فرماتے ہیں انگلیوں کی گانٹھوں (جوڑوں) کو اور اس کی اوپر کی کھال کو جو چنٹ دار ہوتی ہے اس میں اکثر میل جمع ہوتا ہے۔ خصوصاً جو لوگ ہاتھ سے کام کاج زیادہ کرتے ہیں ان کی انگلیاں سخت ہو جاتی ہیں اور ان میں میل جم جاتا ہے، لہٰذا ان کو دھونے کی تاکید فرمائی جا رہی ہے۔ اسی طرح بدن کے وہ اعضاء جن میں میل جم جانے کا گمان ہو جیسے کان، بغل، ناف ان کو بھی دھونے کا یہی حکم ہے۔

ساتویں چیز بغل کے بالوں کو صاف کرنا ہے، اس سلسلہ میں نتف استعمال فرمایا گیا ہے، نتف بال اکھاڑنے کو فرماتے ہیں، چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ بغل کے بالوں کو منڈوانا سنت نہیں ہے بلکہ ان کو ہاتھ سے اکھاڑنا سنت ہے مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ

بغل کے بالوں کو ہاتھ سے اکھاڑنا اس آدمی کے لئے افضل ہے جو اس کی تکلیف کو برداشت کرسکتا ہو، ویسے بغل کے بالوں کا منڈوانا یا نورے سے صاف کرنا بھی جائز ہے۔

آٹھویں چیز زیرناف بالوں کو مونڈنا ہے، یہ بھی سنت ہے، زیرناف بال، اگر منڈانے کی بجائے اکھاڑے جائیں، یا نورے سے صاف کیے جائیں تو بھی ان کے حکم میں شامل ہوں گے مگر قینچی سے کاٹنے میں سنت ادا نہیں ہوتی۔ مقعد (پاخانہ کے مقام) کے گرد جو بال ہوتے ہیں ان کو بھی صاف کرنا مستحب ہوتا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیرناف بالوں نورے (نورہ ایک خاص مرکب چیز کو فرماتے ہیں جو ہڑتال اور چونے سے ملا کر بنائی جاتی تھی جس سے بال اڑ جاتے ہیں) سے صاف کیا کرتے تھے واللہ اعلم۔ عورتوں کو زیرناف بال اکھاڑنا اولیٰ ہے کیونکہ اس سے خاوند کو رغبت زیادہ ہوتی ہے، نیز عورت کے اندر چونکہ خواہشات نفسانی اور شہوت ننانوے حصہ ہوتی ہے اور مرد میں صرف ایک حصہ ہوتی ہے اور یہ طے ہے کہ زیرناف بال اکھاڑنے سے شہوت کم ہوتی ہے اور مونڈنے سے قوی ہوتی ہے، لہٰذا عورت کے مناسب حال یہی ہے کہ وہ بال اکھاڑے اور مرد کے مناسب حال یہ ہے کہ وہ مونڈے۔ زیرناف بال مونڈنے، بغل کے بال اکھاڑنے، مونچھیں کترواتے اور ناخن کٹوانے کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہونی چاہئے، چالیس دن کے اندر اندر ان کو صاف کر لینا چاہئے اس سے زیادہ مدت تک انہیں چھوڑے رکھنا مکروہ ہے۔

نویں چیز پانی کا کم کرنا یعنی پانی کے ساتھ استنجاء کرنا ہے۔ انتقاص الماء کے دو مطلب ہیں ایک تو یہی جو راوی نے بیان کیے ہیں یعنی پانی کے ساتھ استنجاء کرنا چونکہ استنجاء کرنے میں پانی خرچ ہوتا ہے اور کم ہو جاتا ہے اس لئے اس انتقاص الماء (پانی کا کم کرنا) سے تعبیر کیا گیا ہے، دوسرے معنی یہ کہ پانی کے استعمال یعنی استنجاء کرنے کی بناء پر پیشاب کو کم کرنا، مطلب یہ ہے کہ پانی سے استنجاء کرنے کی وجہ سے پیشاب کے قطرے رک جاتے ہیں اس طرح پیشاب میں کمی ہو جاتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں انتقاص کی جگہ لفظ انتقاض آیا ہے اس کے معنی ہیں ستر کے اوپر پانی چھڑکنا جیسا کہ پہلی حدیثوں میں گزر چکا ہے، بہر حال یہ دونوں چیزیں بھی سنت ہیں۔ ختنہ چونکہ شعائر اسلام میں سے ہے اس لئے اگر کسی شہر کے تمام لوگ ختنہ ترک کر دیں تو امام وقت کو ان کے ساتھ جنگ کرنی چاہئے تا آنکہ وہ لوگ اس اسلامی شعائر کو اختیار کر لیں جیسے آذان کے بارے میں حکم ہے۔ ختنہ کرنے کی عمر اور وقت کے تعین میں علماء کے یہاں اختلاف ہے، بعض علماء کے نزدیک پیدائش کے ساتویں دن ختنہ کر دینا چاہئے جیسے عقیقہ ساتویں دن ہوتا ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک سات سال اور بعض کے نزدیک نو سال کی مدت ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی قید نہیں ہے، جب چاہے ختنہ کر دیا جائے، گویا بالغ ہونے سے پہلے پہلے جب بھی وقت اور موقع ہو ختنہ کرایا جا سکتا ہے، امام اعظم کے نزدیک اس صورت میں بلوغ سے پہلے کی شرط بطور خاص ہے کیونکہ ختنہ کرنا سنت ہے اور بالغ ہونے کے بعد ستر چھپانا واجب ہے اس لئے اگر کوئی آدمی بالغ ہونے کے بعد ختنہ کرائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ایک سنت کو ادا کرنے کے لئے واجب کو ترک کر دیا حالانکہ سنت کی ادائیگی کے لئے واجب کو ترک کر دینا جائز نہیں۔

فطرتی امور کا بیان

294- حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ اَبِي سَهْلٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى قَالَا حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنَ الْفِطْرَةِ الْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ وَالسِّوَاكُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبْطِ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَالْانْتِضَاحُ وَالْاِخْتِتَانُ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ”فطرت میں یہ چیزیں شامل ہیں کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' مسواک کرنا' مونچھیں چھوٹی کرنا' ناخن تراشنا' بغلوں کے بال صاف کرنا' زیر ناف بال صاف کرنا' جوڑوں کو دھونا' استنجا کرنا اور ختنہ کرنا“۔

294م- حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ عُمَرَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ مِثْلَهُ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

چالیس دن سے پہلے حجامت کروانے کا بیان

295- حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ الصَّوَّافُ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ اَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ وُقِّتَ لَنَا فِيْ قَصِّ الشَّارِبِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ وَنَتْفِ الْاِبْطِ وَتَقْلِيْمِ الْاَظْفَارِ اَنْ لَّا نَتْرُكَ اَكْثَرَ مِنْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہمارے لیے مونچھیں چھوٹی کروانے، زیر ناف بال صاف کرنے، بغلوں کے بال صاف کرنے، ناخن تراشنے کے بارے میں یہ مدت مقرر کی گئی تھی کہ ہم انہیں چالیس دن سے زیادہ ترک نہ کریں۔

شرح

کسی بھی طریقہ سے غیر ضروری بال کاٹنا جائز ہے۔ بلیڈ، کریم یا جو بھی طریقہ ہو جائز ہے۔ شریعت میں اس کے لیے کوئی خاص طریقہ یا کسی خاص چیز کا تعین نہیں کیا گیا۔ بغل کے بال اور زیر ناف بال ہر ہفتے کاٹنا چاہیئے لیکن یہ بات ذہن نشین ہو کہ چالیس دن سے زیادہ ہو جائے تو گناہ ہے۔ یہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہے۔ (عالمگیری 5:358) ہر ہفتے میں صفائی کرنا، 15 دن بعد کرنا، آخری حد 40 دن۔ اسکے بعد عذر نہیں ہے۔

---

294 اخرجہ ابوداؤد فی ”السنن“ رقم الحدیث:54'

295 ،خرجہ مسلم فی الصحیح“ رقم الحدیث:598' اخرجہ ابوداؤد فی ”السنن“ رقم الحدیث:4200' اخرجہ الترمذی فی ”الجامع“ رقم الحدیث 2758' ورقم الحدیث 2759

بَابُ: مَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ

یہ باب آدمی جب بیت الخلاء میں جائے تو کیا پڑھے گا

خبث اور خبائث سے پناہ مانگنے کا بیان

296- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَّعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ فَاِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

◄◄ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "قضائے حاجت کی جگہ پر شیاطین حاضر ہوتے ہیں' تو جب کوئی شخص وہاں جائے' تو وہ یہ پڑھ لے": "اے اللہ میں خبث اور خبائث سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

مستحبات وآداب بیت الخلاء کا بیان

اجن کپڑوں سے نماز پڑھتا ہے ان کے سوا اور کپڑے پہن کر بیت الخلا میں جانا اگر ایسا نہ کر سکے تو اپنے کپڑوں کو نجاست اور مستعمل پانی سے۔ بچانا ۲۔ سر کو ڈھانپ کر بیت الخلا میں جانا

۳۔ جنگل میں جائے تو لوگوں کی نظروں سے دور نکل جانا

۴۔ انگوٹھی وغیرہ جس میں اللہ کا نام یا قرآن کی آیت یا کسی رسول یا کسی بزرگ کا نام یا حدیث وغیرہ کے الفاظ لکھے ہوں تو اسے نکال دے اگر تعویذ۔ وغیرہ کپڑے میں لپٹا ہوا ہو تو ساتھ ہونے میں کراہت نہیں

۵۔ پاخانہ میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھنا بسم اللہ الرحمن الرحیم ط اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث۔ ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے

۶۔ داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پاؤں داخل کرنا باہر آتے پہلے دایاں پاؤں نکالنا

۷۔ کھڑے ہونے کی حالت میں ستر نہ کھولے بلکہ بیٹھنے کے قریب ہو کر۔ کھولے ضرورت سے زیادہ بدن نہ کھولے

۸۔ دونوں پاؤں کو فاصلہ سے رکھے یعنی کھل کر بیٹھے اور بائیں پاؤں پر۔ زور زیادہ دے کر بائیں طرف جھکا رہے

۹۔ بات نہ کرے نہ زبان دحلق وغیرہ سے اللہ کا ذکر کرے، البتہ دل میں اللہ کے ذکر کا خیال کر سکتا ہے اس وقت کا ذکر اپنی نجاستوں کا احساس اور اللہ پاک کی پاکی کا خیال کرنا ہے چھینک اور سلام اور اذان کا جواب نہ۔ دے خود کو چھینک آئے تو دل میں الحمد اللہ پڑھ لے زبان سے نہ پڑھے

۱۰۔ کسی دینی مسئلہ پر غور نہ کرے

296: اخرجہ ابو داؤد فی "السنن" رقم الحدیث 5.

۱۱۔ بلاضرورت اپنے سترکو نہ دیکھے۔ نہ اپنے بدن سے کھیل کرے۔ نہ۔ آسمان کی طرف نظر اٹھائے بلا وجہ زیادہ دیر تک نہ بیٹھا رہے

۱۲۔ جب فارغ ہو جائے تو مقام نجاست کو صاف کر کے کھڑا ہو جائے۔ اور سیدھا ہونے سے پہلے بدن کو چھپالے

۱۳۔ بیت الخلا سے باہر آ کر یہ دعا پڑھے الحمد اللہ العظیم الذی اخرج مایوذینی ما ینفعنی (دمقی فی ما ینفعنی) غفرانک ربنا والیک المصیر ط

۱۴۔ پانی سے استنجا کرنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو کلائیوں تک دھونا تاکہ۔ خوب صاف ستھرا ہو جائے

296م- حَدَّثَنَا جَمِيلُ بْنُ الْحَسَنِ الْعَتَكِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلَى بْنُ عَبْدِ الْاَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ اَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ ح و حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَوْفٍ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ

حدیث 296-M: یہی روایت بعض دیگر اسناد کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لینے کا بیان

297- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ بَشِيرِ بْنِ سَلْمَانَ حَدَّثَنَا خَلَّادٌ الصَّفَّارُ عَنِ الْحَكَمِ النَّصْرِيِّ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ اَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتْرُ مَا بَيْنَ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِي اٰدَمَ اِذَا دَخَلَ الْكَنِيفَ اَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللّٰهِ

◄► حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جنات کی آنکھوں اور اولاد آدم کی شرمگاہوں کے درمیان پردہ یہ ہے: جب کوئی شخص بیت الخلاء میں داخل ہونے لگے تو ''بِسْمِ اللّٰهِ'' پڑھ لے''۔

شرح

شرم گاہ کے درمیان کا پردہ یہ ہے کہ بسم اللہ کہے۔" (اس حدیث کو جامع ترمذی نے روایت کیا اور کہا ہے) کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے) تشریح: ارشاد کا مطلب ہے کہ جب انسان بیت الخلاء میں جاتا ہے، تو چونکہ وہاں ستر کھول کر بیٹھتا ہے اس لئے شیاطین اس کی شرم گاہ دیکھتے ہیں، لہٰذا جب کوئی آدمی پاخانہ جائے تو اسے چاہئے کہ بسم اللہ کہہ کر بیت الخلاء جائے کیونکہ اس سے شیاطین ستر نہیں دیکھ سکتے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں سنت یہ ہے کہ جب کوئی آدمی بیت الخلاء جائے تو پہلے بسم اللہ اور پھر اس کے بعد وہ دعا پڑھے جو اس سے پہلے حدیث میں گزر چکی ہے، لیکن ان دونوں یعنی بسم اللہ اور مذکورہ دعاؤں میں سے کسی ایک کو بھی پڑھ لیا جائے تو سنت ادا ہو جائے گی مگر افضل یہی ہے کہ دونوں پڑھی جائیں یہ حدیث

296م اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

297 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 606

اگرچہ ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بھی عمل کرنا جائز ہے۔

آداب پاخانہ میں سے یہ ہے کہ جب کوئی آدمی پاخانہ کے لئے بیت الخلاء میں جائے تو اندر داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لینی چاہیے، اگر پاخانہ کے لئے جنگل میں جائے تو عین ارادہ کے وقت یعنی دامن وغیرہ سمیٹ کر بیٹھنے لگے اس وقت یہ دعا پڑھ لے۔

خبث اور خبائث سے بچنے کی دعا کرنے کا بیان

298- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

◄◄ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء تشریف لے جاتے تھے' تو یہ پڑھتے تھے۔ ''میں خبث اور خبائث سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔''

299-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ زَحْرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَعْجِزْ أَحَدُكُمْ إِذَا دَخَلَ مِرْفَقَهُ أَنْ يَقُولَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الرِّجْسِ النَّجِسِ الْخَبِيثِ الْمُخْبِثِ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ قَالَ أَبُو الْحَسَنِ الْقَطَّانُ وَحَدَّثَنَا أَبُو حَاتِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَقُلْ فِي حَدِيثِهِ مِنَ الرِّجْسِ النَّجِسِ إِنَّمَا قَالَ مِنَ الْخَبِيثِ الْمُخْبِثِ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

◄◄ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''کوئی بھی شخص اس بات سے عاجز نہ آجائے کہ جب وہ بیت الخلاء میں جائے' تو یہ پڑھے: ''اے اللہ! میں ناپاکی اور نجاست' خبیث اور خبیث کر دینے والی چیز اور مردود شیطان سے تیری پناہ مانگتا ہوں''۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے' تاہم ان کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ ''میں گندگی اور نجاست سے تیری پناہ مانگتا ہوں''۔ انہوں نے یہ کہا ہے ''میں خبیث چیز' خبیث کرنے والی چیز اور مردود شیطان سے پناہ مانگتا ہوں''۔

298۔اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث 830' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 19

299 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بَابُ: مَا يَقُوْلُ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ

یہ باب جب آدمی بیت الخلاء سے باہر آئے تو کیا پڑھے اس کے بیان میں ہے

بیت الخلاء سے باہر آ کر دعا پڑھنے کا بیان

300 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِىْ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اِسْرَآئِيْلُ حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ اَبِىْ بُرْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِىْ يَقُوْلُ دَخَلْتُ عَلٰى عَآئِشَةَ فَسَمِعْتُهَا تَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْغَآئِطِ قَالَ غُفْرَانَكَ

قَالَ اَبُوالْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ اَخْبَرَنَا اَبُوْحَاتِمٍ حَدَّثَنَا اَبُوْغَسَّانَ النَّهْدِيُّ حَدَّثَنَا اِسْرَآئِيْلُ نَحْوَهُ

یوسف بن ابوبردہ بیان کرتے ہیں: میں نے اپنے والد کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے انہیں یہ بیان کرتے ہوئے سنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تھے تو یہ پڑھتے تھے۔ ''میں تیری مغفرت کا طلبگار ہوں۔'' یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شرح

علماء نے اس وقت بخشش چاہنے کی دو وجہیں لکھی ہیں، اول تو یہ کہ چونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم زبان سے ذکر اللہ کسی بھی حالت میں نہیں چھوڑتے تھے سوائے اس کے کہ کسی شدید حاجت اور مجبوری مثلاً پیشاب پاخانہ وغیرہ کے وقت ترک فرما دیتے تھے اس کی وجہ سے آپ اللہ سے بخشش کے خواستگار ہوتے تھے۔ دوسرے یہ کہ جب انسان کوئی غذا کھاتا ہے، تو وہ غذا معدہ میں پہنچ کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے ایک حصہ تو خون بن کر قوت وطاقت پیدا کرتا ہے۔

اور دوسرا حصہ فضلہ ہو کر پاخانہ کی شکل میں نکل جاتا ہے، اگر قدرت کے اس نظام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بندوں پر اللہ کا بہت بڑا انعام اور اس کی بہت بڑی نعمت ہے جس کا شکر بندے سے کما حقہ، ادا نہیں ہو سکتا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخشش چاہتے تھے کہ اے اللہ! مجھ سے تیری اس عظیم نعمت کا شکر ادا نہیں ہوا اس لئے تو مجھے اس کوتاہی پر بخش دے۔ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ ایسے موقع پر یہ ذکر کرنا مناسب ہے کہ اپنی احتیاج اور اس بات کا خیال کیا جائے کہ انسان کی ذات کی حیثیت ہی کیا ہے جس میں نجاست ہی نجاست بھری ہوئی ہے اور اس کے مقابلہ میں رب قدوس کی ذات پاک اور اس کے تقدس کا تصور کرے، افضل یہ ہے کہ لفظ غفرانک کے بعد یہ دعا پڑھ لی جائے الحمد اللہ الذی اذھب عنی الاذی وعافنی۔

301 - حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ الْمُحَارِبِيُّ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنِ الْحَسَنِ وَقَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ الْحَمْدُ

---

300 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 30' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 7

301 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو یہ پڑھتے تھے۔ ''ہر طرح کی حمد و ثناء اس اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے' جس نے مجھ سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دیا اور مجھے عافیت نصیب کی''۔

شرح

یوں تو اگر کوئی انسان یہ چاہے کہ وہ اللہ کی نعمت کو دائرہ شمار میں لے آئے جو اس پر اللہ کی جانب سے ہیں تو یہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی ساری زندگی اور اس کی حیات کا ایک ایک لمحہ اللہ رحیم و کریم کی بے شمار نعمتوں ہی کا مرہون منت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی انسان اللہ کی ان بے شمار اور لامحدود نعمتوں کا شکر بھی بجا طور پر ادا نہیں کر سکتا۔ اب آپ پیشاب و پاخانہ ہی کو لے لیجئے بظاہر تو کتنی معمولی سے چیز ہے اور کتنی غیر اہم ضرورت مگر ذرا کسی حکیم و ڈاکٹر سے اس کی حقیقت تو معلوم کر کے دیکھ لیجئے، ایک طبی ماہر آپ کو بتائے گا کہ ان معمولی چیزوں پر انسان کی زندگی کا کتنا دارومدار ہے اور انسان کی موت و حیات سے اس کا کتنا گہرا تعلق ہے؟ اگر کسی آدمی کا کچھ عرصہ کے لئے پیشاب بند ہو جائے، یا کسی کا پاخانہ رک جائے تو اس کی زندگی کے لالے پڑھ جاتے ہیں اور خدانخواستہ اگر اس عرصہ میں غیر معمولی امتداد پیدا ہو جائے تو پھر اس کی زندگی موت کی آغوش میں سوتی نظر آتی ہے۔ تو کیا؟ یہ اللہ کا ایک عظیم انعام اور اس کا بہت بڑا فضل و کرم نہیں ہے کہ وہ اس تکلیف دہ چیز کو انسان کے جسم سے تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد کتنی آسانی سے خارج کرتا رہتا ہے۔

تو یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ زبان جو اس کی چھوٹی چھوٹی نعمتوں پر ہر وقت ادائے شکر و سپاس میں مشغول رہتی تھی اس کی عظیم الشان نعمت پر شکر سے قاصر رہتی۔ چنانچہ یہ حدیث یہی بتا رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی بیت الخلاء سے باہر نکلتے، اللہ کا شکر ادا کرتے کہ اے اللہ العلمین! دنیا کی تمام تعریفیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں، تمام حمد و ثناء کا تو ہی مستحق ہے اور کیوں نہ ہو؟ جب کے تیری ذات اپنے بندوں کے لئے سراسر لطف و کرم اور رحمت و شفقت ہے۔ جس کا ایک ادنیٰ سا اظہار یہ بھی ہے کہ تو نے اس وقت محض اپنے فضل و کرم سے ایک تکلیف دہ چیز کو میرے جسم سے خارج کیا اور اس طرح مجھے سکون و اطمینان عطا فرمایا اور عافیت بخشی۔

بعض احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا بھی منقول ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر آنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیْ مَایُؤْذِیْنِیْ وَاَبْقٰی عَلَیَّ مَایَنْفَعُنِیْ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دہ چیز کو دور کیا اور وہ چیز باقی رکھی جو میرے لے فائدہ مند ہے۔ غذا ہضم ہونے پر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، ایک بڑا حصہ وہ ہوتا ہے جو فضلہ بن جاتا ہے، دوسرا حصہ جو غذا کا اصل جوہر ہوتا ہے وہ خون وغیرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے اس پر زندگی کی بقا منحصر ہوتی ہے۔

چنانچہ اس دعا میں غذا کی انہی دونوں حصوں کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اگر ان دونوں نعمتوں کا کوئی آدمی خیال کرے تو اسے احساس ہو کہ یہ کتنی اہمیت کی حامل ہیں لیکن افسوس کہ آج ایسے کتنے ہی بے حس ولاپرواہ انسان ملیں گے جن کے دماغ و شعور

میں ان کا تصور بھی نہیں ہوگا۔

بَابُ: ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى الْخَلَاءِ وَالْخَاتَمِ فِي الْخَلَاءِ

یہ باب بیت الخلاء میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور بیت الخلاء میں انگوٹھی لے جانے کی (ممانعت کے بیان) میں ہے

ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنے کا بیان

302- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ اَبِي زَائِدَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ خَالِدِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَهِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهِ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (وضو اور بے وضو) ہر حالت میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔

شرح

اللہ کا ذکر ہر وقت کرتے تھے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے باوضو ہونے یا کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہونے کی کوئی قید نہ تھی، ہر حالت میں ذکر الٰہی کرتے تھے، لیکن قضاء حاجت کے وقت ذکر کرنا منع ہے، اسی طرح جماع کی حالت میں بھی ذکر الٰہی منع ہے، یہ حدیث ان اوقات کے علاوہ کے لئے ہے، بعض لوگوں نے ذکر قلبی مراد لیا ہے۔

انگوٹھی پر اسمائے گرامی کی تعظیم کرنے کا بیان

303- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرٍ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ وَضَعَ خَاتَمَهُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے۔

شرح

بیت الخلاء میں داخل ہونے کے وقت آپ انگوٹھی اس لئے اتار دیا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی میں "محمد رسول اللہ" کھدا ہوا تھا، اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ استنجاء کرنے والے پر واجب ہے کہ جب وہ بیت الخلاء جائے تو اپنے ہمراہ کوئی ایسی چیز نہ لے جائے جس پر اللہ اور اس کے رسول کا نام نقش ہو نیز قرآن بھی نہ لے جائے۔ (طیبی)

302 ۔خرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 633 'اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث: 824 'اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 18 'اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 3384

303 ۔خرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 19 'اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1746 'اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 5228

بلکہ ابہری رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر صرف دوسرے رسولوں ہی کا نام لکھا ہوا ہو تو اسے بھی اپنے ہمراہ بیت الخلاء میں نہ لے جائے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب کوئی آدمی استنجاء کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اپنے بدن سے ایسی چیزوں کو اتار دے یا الگ کر دے جن پر کوئی قابل تعظیم چیز لکھی ہو، خواہ اللہ تعالی کا نام ہو یا نبی اور فرشتے کا نام لکھا ہو۔ اگر چہ اس حدیث میں سنن ابوداؤد نے کلام کیا ہے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے اس سلسلہ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مفصل بحث کی ہے، نیز یہ حدیث جامع صغیر میں بھی حاکم وغیرہ سے منقول ہے۔

بیت الخلاء میں زبان سے کلمہ پڑھنے اور قرآنِ پاک کی تلاوت کا حکم

بیت الخلاء میں زبان سے کلمہ پڑھنا، کوئی ذکر کرنا، قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا یا اندر جا کر مسنون دعا پڑھنا جائز نہیں؛ البتہ دل ہی دل میں ذکر کرنا یا چھینک وغیرہ کے جواب میں دل میں ہی الحمدللہ کہنا جائز ہے۔

(الفتاوی العالمگیریہ، کتاب الطھارۃ، الفصل الثالث فی الاستنجاء)

بیت الخلاء میں لفظِ اللہ اور حروفِ مقطعات والی انگوٹھی یا لاکٹ پہن کے جانے کا حکم

بیت الخلاء میں ایسی انگوٹھی یا لاکٹ پہن کے جانا، جس پر لفظِ اللہ یا حروفِ مقطعات لکھے ہوں جائز نہیں ہے، ایسی انگوٹھی یا لاکٹ باہر رکھ کے پھر داخل ہونا چاہیے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تھے تو اپنی انگوٹھی اتار کر باہر ہی رکھ دیتے تھے۔

(سنن ابی داود، کتاب الطھارۃ، باب مایقول الرجل اذا دخل الخلاء، دار ابن الحزم)

بَابُ: كَرَاهِيَةِ الْبَوْلِ فِي الْمُغْتَسَلِ

یہ باب غسل خانے میں پیشاب کرنے کی کراہت کے بیان میں ہے

غسل خانہ میں پیشاب کرنے کی ممانعت کا بیان

304- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَانَا مَعْمَرٌ عَنْ اَشْعَثَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ مُسْتَحَمِّهِ فَاِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ بْن مَاجَةَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ يَزِيْدَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ مُحَمَّدٍ الطَّنَافِسِيَّ يَقُوْلُ اِنَّمَا هٰذَا فِي الْحَفِيْرَةِ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَلَا فَمُغْتَسَلَاتُهُمُ الْجِصُّ وَالصَّارُوْجُ وَالْقِيْرُ فَاِذَا بَالَ فَاَرْسَلَ عَلَيْهِ الْمَاءَ لَا بَاْسَ بِهٖ

304 اخرجه ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 27 'اخرجه الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 21 'اخرجه النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 36

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: کوئی بھی شخص غسل کی جگہ پر ہرگز پیشاب نہ کرے کیونکہ عام طور پر اسی کی وجہ سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں:۔

امام ابن ماجہ کہتے ہیں: شیخ علی طنافسی فرماتے ہیں: یہ حکم ان غسل خانوں کے بارے میں ہے جہاں گڑھا بنا ہوا ہوتا تھا (یعنی اس جگہ پانی کھڑا ہو جایا کرتا تھا)

لیکن جہاں تک آج کل کی بات کا تعلق ہے' تو آج کل غسل خانے چونے، گچ اور تارکول وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں: اگر کوئی شخص وہاں پیشاب کرنے کے بعد اس پر پانی بہا دیتا ہے' تو وہاں (غسل کرنے میں) کوئی حرج نہیں ہے۔

شرح

غسل خانہ میں پیشاب کرنے سے وساوس اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ جب وہاں پیشاب کیا جاتا ہے تو وہ جگہ ناپاک ہو جاتی ہے اور پھر وضو یا غسل کے وقت جب اس پر پانی پڑتا ہے تو دل میں وسوسے پیدا ہوتے ہیں کہ کہیں چھینٹیں تو نہیں پڑ رہے ہیں اور پھر یہ شبہ رفتہ رفتہ دل میں جم جاتا ہے جس سے ایک مستقل خلجان واقع ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر غسل خانہ کی زمین ایسی ہو کہ اس پر سے چھینٹیں اچھل کر اوپر نہ پڑتی ہوں مثلاً وہاں کی زمین ریتلی ہو اس کا فرش اور اس میں نالی ایسی ہو کہ پیشاب کا ایک قطرہ بھی وہاں نہ رکتا ہو سب نکل جاتا ہو تو پھر وہاں پیشاب کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ یہاں غسل خانہ میں پیشاب کرنے کو جو منع کیا گیا ہے تو نہی تنزیہی ہے نہی تحریمی نہیں ہے۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِي الْبَوْلِ قَائِمًا

یہ باب کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے بارے میں ہے

عذر کے سبب کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا بیان

305- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ وَّهُشَيْمٌ وَّوَكِيْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ عَلَيْهَا قَائِمًا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ کچرے کے ڈھیر پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

305 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 225' اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث: 623' ورقم الحدیث: 624' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 23' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 13' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 18' ورقم الحدیث: 26' ورقم الحدیث 27' ورقم الحدیث 28' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث 544

شرح

امام محی السنۃ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر گئے اور وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا (صحیح البخاری وصحیح مسلم) کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل (کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، کسی عذر کی بناء پر تھا۔ متفقہ طور پر تمام علماء کرام کے نزدیک کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی چنانچہ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔ جہاں تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کا تعلق ہے اس کے بارے میں علماء کرام لکھتے ہیں کہ چونکہ ایام جاہلیت میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا طریقہ رائج تھا اور ان کو وہی عادت پڑی ہوئی تھی اس لئے انہوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کر لیا، یا ہو سکتا ہے کہ کسی عذر کی بنا پر انہوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہو۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے اس سلسلہ میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی عذر کی بنا پر ایسا کیا ہوگا اور علماء کرام نے وہ اعذار بھی لکھے ہیں چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چونکہ وہاں نجاست کی وجہ سے آپ نے بیٹھنے کی جگہ نہیں پائی اس لئے کھڑے ہو کر پیشاب کر لیا۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر مبارک میں درد تھا اور بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق پیٹھ میں درد تھا، اس کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ نہیں سکتے تھے اس لئے کھڑے ہو کر پیشاب کر لیا۔

306- حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاوٗدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا قَالَ شُعْبَةُ قَالَ عَاصِمٌ يَوْمَئِذٍ وَهٰذَا الْاَعْمَشُ يَرْوِيْهِ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ وَمَا حَفِظَهُ فَسَاَلْتُ عَنْهُ مَنْصُوْرًا فَحَدَّثَنِيْهِ عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچرے کے ڈھیر پر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ شعبہ نامی راوی بیان کرتے ہیں: یہ روایت دیگر اسناد کے حوالے سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ یہ بیان کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچرے کے ڈھیر پر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

شرح

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیوں کیا اس بارے کچھ ذکر نہیں کیا۔ امام حاکم نے المستدرک میں بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھٹنوں میں درد تھا جس بناء پر آپ نے ایک دفعہ کھڑے ہو کر پیشاب کیا نیز آپ اس وقت ایک سفر کے دوران صحرا سے گزر رہے تھے۔ اگر صحیح البخاری کو ہی کل علم تصور کر لیا اور بقیہ کتب سے آنکھیں بند کر لیں تو اس پر جو اعتراض وارد ہوگا

306 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اہل علم اس کا کیا جواب دیں گے؟ یہاں پر اسی طرح کے اعتراض کے جواب کے لئے امام حاکم کی المستدرک کی طرف اور دیگر کتب حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

دیگر آئمہ نے بیٹھ کر اور کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کے متعلق احادیث پر جنی الگ الگ باقاعدہ ابواب قائم کیے اور انکے ذریعے ہم نے بیٹھ کر پیشاب کرنے کی سنت کو سمجھتے ہیں اور اگر صرف صحیح البخاری پر رہیں تو بیٹھ کر پیشاب کرنے کے حوالے سے کوئی سنت سمجھ میں نہ آسکے۔ دوسری کتب حدیث میں قاعدا بول کرنے کی احادیث مذکور ہیں، صحیح البخاری میں نہیں ہیں۔ امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں قائما وقاعدا (کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر) دونوں کو ذکر کردیا، اس سے یہ بات بتادی کہ دونوں طریقے جائز ہیں مگر قاعدا کے حوالے سے حدیث نہیں لاسکے اور صرف قائما کے حوالے سے ایک حدیث دی کیونکہ ان کا اپنا فقہی رجحان اسی طرف تھا لہٰذا بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حدیث کو بیان ہی نہیں کیا۔ (منہاجین)

ہمارے خیال میں امام بخاری کی فقہی آراء ہیں جو مستقل فقہی مذہب نہیں ہے۔ اور احادیث ذکر کرنا فقہی اعتبار سے نہیں بلکہ فن حدیث کا انہوں نے اعتبار کیا ہے۔ (رضوی عفی عنہ)

آج کل جدید تہذیب کے دلدادے، مغربیت کی تقلید میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو جدیدیت، تہذیب اور اسلوب زندگی شمار کرتے ہیں، اس عمل کے لیے نہ بیٹھنے کو ضروری خیال کرتے ہیں اور نہ ہی پانی سے استنجاء کرنے کو کوئی اہمیت دیتے ہیں، اب تو باقاعدہ ہر جگہ پیشاب کے لیے دیواروں میں ایسی جگہیں بنائی جاتی ہیں، جہاں کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ممکن ہوتا ہے، اور ایسے بیت الخلاء ایئرپورٹ، ریلوے اسٹیشن، رُوٹ کی بڑی بسوں کے اڈوں اور سعودیہ میں حاجیوں کے لیے تیار کی جانے والی رہائش گاہوں میں تیار کیے گئے ہوتے ہیں؛ حالاں کہ کھڑے ہوکر استنجا کرنا شرعاً ممنوع ہے، اس فعل کے مرتکب اپنے کپڑوں کو بھی پاک نہیں رکھ سکتے اور اپنے بدن کو بھی نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار (ابتدائے اسلام میں جب مجھے مسئلے کا علم نہیں تھا) مجھے کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے دیکھ لیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! کھڑے ہوکر پیشاب مت کر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے (کبھی) کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔

(سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب في البول قاعدا)

درحقیقت یہ دشمنانِ اسلام کی سازش ہے، کہ مسلمانوں کو ان کے پیغمبر علیہ السلام کی مبارک سنتوں سے اتنا دور کردیا جائے کہ وہ اپنے ہی مسلم معاشرے میں اپنے نبی کی اتباع میں عار محسوس کریں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خود اپنی ذات سنت طریقے کے مطابق کرلیں، اور اپنی اولاد بالخصوص نابالغ اولاد کی نگرانی کریں، کہ کہیں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی عادی تو نہیں بن رہی ہیں یا وہ پیشاب کرنے کے بعد استنجاء کرتے ہیں یا نہیں؟! اور اگر ایسا محسوس ہو تو فوراً مناسب تنبیہ کریں۔ (اسلامی نظام زندگی، شیخ احمد دیدات)

بَابُ: فِي الْبَوْلِ قَاعِدًا

یہ باب بیٹھ کر پیشاب کرنے کے بیان میں ہے

بیٹھ کر پیشاب کرنے کے طریقے کا بیان

307- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَسُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ وَّاِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُوْسَى السُّدِّيُّ قَالُوْا حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقْهُ اَنَا رَاَيْتُهٗ يَبُوْلُ قَاعِدًا

◄► سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جو تمہیں یہ بتائے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو تم اس کی تصدیق نہ کرو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب کیا ہے۔

شرح

امام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل فرمائی ہے اس سے تو بصراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث اس بات کی بالکل نفی کر رہی ہے، اب ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے علم کے مطابق خبر دے رہی ہیں یعنی انہوں نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے کبھی گھر میں نہیں دیکھا تھا اس لئے انہوں نے اس بات کی سرے سے نفی کر دی اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ باہر سے متعلق ہے اور وہ بھی عذر کی بناء پر نادر ہے اور ظاہر کہ نادر شی معدوم کی مانند ہے نیز عذر کی بنا پر اسے مستثنیٰ بھی قرار دیا جا سکتا ہے لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہا۔

بیٹھ کر پیشاب کرنے کا حکم دینے کا بیان

308-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ بْنِ اَبِىْ اُمَيَّةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ رَاٰنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبُوْلُ قَائِمًا فَقَالَ يَا عُمَرُ لَا تَبُلْ قَائِمًا فَمَا بُلْتُ قَائِمًا بَعْدُ

◄► حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا میں کھڑا ہو کر پیشاب کر رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں) اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

---

307 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 12 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:29

308 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:12

309- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَامِرٍ حَدَّثَنَا عَدِيُّ بْنُ الْفَضْلِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ اَبِىْ نَضْرَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّبُوْلَ قَائِمًا سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ يَزِيْدَ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَحْمَدَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِىَّ يَقُوْلُ قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِىُّ فِىْ حَدِيْثِ عَآئِشَةَ اَنَا رَاَيْتُهٗ يَبُوْلُ قَاعِدًا قَالَ الرَّجُلُ اَعْلَمُ بِهٰذَا مِنْهَا قَالَ اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَكَانَ مِنْ شَاْنِ الْعَرَبِ الْبَوْلُ قَائِمًا اَلَا تَرَاهُ فِىْ حَدِيْثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ حَسَنَةَ يَقُوْلُ قَعَدَ يَبُوْلُ كَمَا تَبُوْلُ الْمَرْاَةُ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے سے منع کیا ہے۔ محمد بن یزید نے اپنی سند کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ ”میں نے نبی کریم ﷺ کو بیٹھ کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا ہے“۔ راوی نے بیان کیا ہے وہ صاحب (جنہوں نے کھڑے ہوکر نبی کریم ﷺ کے پیشاب کرنے کی روایت نقل کی ہے) وہ اس بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ جانتے ہیں۔

احمد بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں: عربوں کا یہ معمول تھا کہ وہ کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے کیا آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ کے حوالے سے منقول روایت میں یہ بات نہیں دیکھی ہے وہ فرماتے ہیں۔ ”وہ یوں بیٹھ کر پیشاب کر رہے تھے جیسے عورت پیشاب کرتی ہے“۔

بَابُ: كَرَاهِيَةِ مَسِّ الذَّكَرِ بِالْيَمِيْنِ وَالْاِسْتِنْجَاءِ بِالْيَمِيْنِ

یہ باب دائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو چھونے یا استنجاء کرنے کی کراہت کے بیان میں ہے

دائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو چھونے کی ممانعت کا بیان

310- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيْدِ بْنُ حَبِيْبِ بْنِ اَبِى الْعِشْرِيْنَ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِىُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِىْ كَثِيْرٍ حَدَّثَنِىْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِىْ قَتَادَةَ اَخْبَرَنِىْ اَبِىْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا بَالَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهٗ بِيَمِيْنِهٖ وَلَا يَسْتَنْجِ بِيَمِيْنِهٖ

عبداللہ بن ابوقتادہ اپنے والد کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ”کوئی شخص پیشاب کرتے وقت دائیں ہاتھ سے اپنی شرم گاہ کو نہ پکڑے دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے“۔

---

309 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

310 اخرجہ البخاری فی ”الصحیح“ رقم الحدیث:153' ورقم الحدیث:154' ورقم الحدیث:5630' اخرجہ مسلم فی الصحیح“ رقم الحدیث 612' ورقم الحدیث 613' ورقم الحدیث 614' ورقم الحدیث:5253' اخرجہ النسائی فی ”السنن“ رقم الحدیث:31' اخرجہ الترمذی فی ”الجامع“ رقم الحدیث 15' اخرجہ النسائی فی ”السنن“ رقم الحدیث 24' ورقم الحدیث:25' ورقم الحدیث:47' ورقم الحدیث:48

شرح

استنجاء فقط بائیں ہاتھ سے کرنا چاہیے۔اسکی کئی وجوہات ہیں۔دائیں ہاتھ سے مثبت اور بائیں ہاتھ سے منفی شعاعیں نکلتی ہیں۔ اگر استنجاء کے لیے دایاں ہاتھ استعمال کیا جائے تو جسم کا شعاعی نظام بگڑ جائے گا اور اس کے بداثرات دماغ اور حرام مغز پر پڑیں گے۔نیز کھانے کیلئے چونکہ دایاں ہاتھ استعمال کیا جاتا ہے اس لئے اگر استنجاء کے لیے بھی دایاں ہاتھ استعمال کیا جائے تو پھر کھانا کھاتے وقت مادہ نفرت کے پھیلنے کا ڈر ہے۔

قضائے حاجت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ مٹی پر ہاتھ رگڑ رگڑ کر دھوتے تھے۔اس میں بھی بے شمار طبی فوائد ہیں۔مثلاً ہم مختلف اشیاء کو ہاتھوں سے ہی پکڑتے ہیں نیز یا ہاتھ ننگے رہتے ہیں اور اس طرح ہاتھوں پر مختلف بیماریوں کے جراثیم یا مختلف کیمیکلز موجود رہتے ہیں جو ہمارے ہاتھوں کو آلودہ کر دیتے ہیں۔اگر ہاتھ دھوئے بغیر کھانا کھالیا جائے ،کھانے والے برتن میں ہاتھ داخل کر دیئے جائیں، کلی کر لی جائے یا ناک میں پانی ڈال لیا جائے تو یہ جراثیم با آسانی ہمارے کھانے ،منہ یا ناک کے ذریعے جسم کے اندر جاسکتے ہیں اور جسم کو مختلف بیماریوں میں مبتلا کر سکتے ہیں۔اسی لیے دنیا بھر میں ہاتھ دھونے پر بہت زور دیا جارہا ہے تاکہ مختلف آلائشیں ہمارے جسم کے اندر منتقل نہ ہوسکیں۔

جب ہم ہاتھ دھوتے ہیں تو انگلیوں کے پوروں میں سے نکلنے والی شعاعیں ایک ایسا حلقہ بنالیتی ہیں جس کے نتیجے میں ہمارے اندر دَور کرنے والا برقی نظام تیز ہو جاتا ہے اور برقی رَو ایک حد تک ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے۔اس عمل سے ہاتھ خوبصورت ہو جاتے ہیں۔صحیح طریقہ پر ہاتھ دھونے سے انگلیوں میں ایسی لچک پیدا ہو جاتی ہے جس سے آدمی کے اندر تخلیقی صلاحیتوں کو کاغذ یا کینوس پر منتقل کرنے کی خفتہ صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ قضائے حاجت کے بعد ہاتھوں کو مٹی سے مَل مَل کر دھوتے تھے۔چونکہ ہاتھوں کو جراثیم لگے ہوتے ہیں اور بعض جراثیم ایسے بھی ہوتے ہیں جو عام پانی سے ضائع نہیں ہوتے اس لیے ہاتھوں کو مٹی یا صابن وغیرہ سے صاف کر لینا ایک اہم سنت اور طبی و سائنسی اصول ہے۔مٹی اعلیٰ درجے کی انٹی سیپٹک ہے حتیٰ کہ اس میں کتے کے جراثیموں (جو کہ سب سے زیادہ قوی جراثیم ہوتے ہیں) کو بھی مار ڈالنے کی قوت وطاقت موجود ہوتی ہے،اس لیے یہ عام جراثیموں کو تو فوراً ہی ختم کر دیتی ہے۔(اسلامی نظام زندگی،شیخ احمد دیدات)

310 م- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرٰهِيمَ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ بِاِسْنَادِهٖ نَحْوَهٗ

◆◆ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

311- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ دِينَارٍ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ صُهْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ يَقُولُ مَا تَغَنَّيْتُ وَلَا تَمَنَّيْتُ وَلَا مَسِسْتُ ذَكَرِي بِيَمِينِي مُنْذُ بَايَعْتُ بِهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

311:اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب سے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا ہے میں نے کبھی گانا نہیں سنا' میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور میں نے کبھی دائیں ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔

312- حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ الْمَكِّيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَطَابَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَسْتَطِبْ بِيَمِيْنِهٖ لِيَسْتَنْجِ بِشِمَالِهٖ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: جب کسی شخص نے پاکیزگی حاصل کرنی ہو تو وہ اپنے دائیں ہاتھ کے ذریعے پاکیزگی حاصل نہ کرے بلکہ بائیں ہاتھ کے ذریعے استنجاء کرے۔

شرح

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنا دست مبارک وضو کرنے اور کھانے کے لئے تھا اور بایاں ہاتھ استنجاء اور ہر مکروہ کام کے استعمال کے لئے تھا۔ (ابوداود، مشکوۃ شریف: جلداول: رقم الحدیث، 327)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ سے وضو کرتے تھے اور اس سے کھانا بھی کھاتے نیز جتنے اچھے کام ہیں سب دائیں ہاتھ سے انجام دیتے تھے مثلاً یہ، صدقہ وخیرات کرنا یا دوسری چیزیں لینا دینا وغیرہ وغیرہ اور بائیں ہاتھ کو استنجاء کرنے یا ایسی چیزوں کی انجام دہی میں استعمال فرماتے جو مکروہ ہوتیں یعنی ایسی چیزیں جو طبعاً مکروہ ہوں، جیسے ناک سنکی یا ایسے ہی دوسری چیزیں جنہیں نفس مکروہ سمجھتا ہو۔ اس حدیث سے ظاہری طور پر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وضو وغیرہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناک میں پانی دائیں ہاتھ سے دیتے ہوں گے اور ناک بائیں ہاتھ سے صاف کرتے ہوں گے، مگر۔ افسوس کہ جس طرح آج کے دور میں عقل و دین سے بیگانہ لوگوں نے دوسری اسلامی چیزوں کو ترک کر دیا اور دینی آداب کو فیشن پرستی کے بھینٹ چڑھا دیا ہے اسی طرح اس معاملہ میں بھی اکثر لوگ بالکل برعکس عمل اختیار کئے ہوئے ہیں مثلاً آج کل یہ بہت بڑا مرض عام طور پر لوگوں میں سرایت کر چکا ہے کہ کتاب تو لوگ بائیں ہاتھ میں رکھتے ہیں اور اپنے جوتے دائیں ہاتھ میں اٹھاتے ہیں اب اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یا تو ایسے لوگ آداب شریعت سے قطعاً ناواقف ہوتے ہیں یا پھر نفس کی گمراہی میں پھنس کر غفلت اختیار کئے ہوئے ہیں۔

بَابُ : الِاسْتِنْجَاءِ بِالْحِجَارَةِ وَالنَّهْيِ عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ

یہ باب پتھروں' گوبر اور پرانی ہڈی کے ذریعے استنجاء کی ممانعت کے بیان میں ہے

استنجاء کرنے کے طریقے کا بیان

پاخانہ یا پیشاب کرنے کے بعد جو ناپاکی بدن پر لگی رہے اسکے پاک کرنے کو۔ استنجا کہتے ہیں پیشاب کرنے کے بعد مٹی کے

312 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 8' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 40

پاک ڈھیلے سے پیشاب کے مخرج کے سکھانا چاہئے اس کے بعد پانی سے دھوڈالنا چاہئے۔ پاخانہ کے بعد مٹی کے تین ڈھیلوں سے پاخانہ کے مقام کو صاف کرے پھر پانی سے دھوڈالے۔ استنجا ان چیزوں سے جائز ہے جو پتھر کی طرح صاف کرنے والی ہیں، جیسے پاک مٹی کا ڈھیلا، ریت، لکڑی، پھٹا ہوا بیقیمت کپڑا و چمڑا اور اس کے سوا ایسی چیزیں جو پاک ہوں اور نجاست کو دور کردیں بشرطیکہ قیمت والی اور احترام۔ والی نہ ہوں۔ پاک مٹی کو ڈھیلوں سے استنجا کرنا سنت ہے ڈھیلے سے استنجا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں طرف زور دیکر بیٹھے، قبلہ کی طرف منھ نہ ہو، اور ہوا، سورج اور چاند کی طرف سے بھی بچ جائے، تین یا پانچ یا سات مٹی کے ڈھیلے اپنے ساتھ لے جائے صاف کرتے وقت پہلے ڈھیلے کو آگے سے پیچھے کی طرف لے جائے اور دوسرے کو پیچھے سے آگے کی طرف لائے پھر تیسرے کو پیچھے کی طرف لے جائے۔ یہ طریقہ گرمی کے موسم کا ہے لیکن جاڑوں میں اس کے برخلاف، پہلے ڈھیلے کو پیچھے سے آگے کی طرف لائے اور دوسرے کو پیچھے لے جائے اور تیسرے کو آگے لائے اور عورت ہمیشہ وہی طریقہ کرے جو مرد جاڑوں میں کرتا ہے۔ اور طریقہ مقصود نہیں بلکہ صفائی کا مددگار ہے اصل مقصود صفائی اور پاکی ہے خواہ جس طریقہ سے بھی حاصل ہو جائے۔ اگر ایک یا دو ڈھیلے سے صفائی حاصل ہو جاتی ہے تو تین کی گنتی پوری کرلے اور اگر تین سے بھی صفائی حاصل نہ ہو اور چار سے حاصل ہو تو پانچواں ڈھیلا اور لے تاکہ طاق ہو جائیں کیونکہ طاق عدد کا استعمال مستحب ہے۔ مستحب یہ ہے کہ پاک ڈھیلے یا پتھر دائیں طرف رکھے اور استعمال کئے ہوئے بائیں طرف رکھے اور ان کی نجس جانب نیچے کو کردے، ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرنا سنت ہے۔ افضل یہ ہے کہ پردہ دار جگہ ہو تو دونوں کو جمع کرے پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے سے استنجا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ذکر کو بائیں ہاتھ میں پکڑ کر ڈھیلے یا پتھر پر جو زمین سے اٹھا ہوا ہو یا بائیں ہاتھ میں لیا ہوا ہو حرکت دے یہاں تک کہ رطوبت خشک ہو جائیاور یہ یقین ہو جائے کہ اب پیشاب نہ آئے گا۔ بعض کے نزدیک استبراء یعنی پیشاب کے بعد چند قدم چلنا یا زمین پر پاؤں مارنا یا کھنکارنا یا دائیں ٹانگ پر بائیں ٹانگ لپیٹنا اور پھر اس کے برعکس کرنا واجب ہے۔ تاکہ رکا ہوا قطرہ نکل جائے، لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں اور ہر شخص کے لئے اپنا اطمینان ضروری ہے اور یہ استبراء کا حکم مردوں کے لئے ہے عورت پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر ٹھر کر پہلے ڈھیلے سے مقام پیشاب کو خشک کر لے پھر پانی سے طہارت کرلے یا صرف پانی سے طہارت۔ کرلے پانی سے استنجا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہاتھ کے کلائی تک دھولے پھر اگر روزہ دار نہ ہو پاخانہ کے مقام کو خوب ڈھیلا چھوڑ کر بیٹھے اور بائیں ہاتھ سے خوب استنجا کرے اور اسقدر دھوئے کہ اس کو پاکی کا یقین یا ظن غالب ہو اور چکنائی جاتی رہے اور دھونے میں خوب زیادتی کرے اور اگر روزہ دار ہو تو زیادتی نہ کرے اور نہ زیادہ پھیل کر بیٹھے، دھونے کا کچھ شمار مقرر نہیں اگر وسوسہ والا شخص ہو تو اپنے لئے تین مرتبہ دھونا مقرر کرلے۔ عورت کشادہ ہو کر بیٹھے اور ہتھیلی سے اوپر اوپر دھولے عورت مرد سے زیادہ کشادہ ہو کر بیٹھے، پیشاب کے مقام کو پہلے دھوئے۔ مختار ہے استنجا کے پاک ہونے کے ساتھ ہی ہاتھ بھی پاک ہو جاتا ہے۔ استنجا کے بعد ہاتھ کلائیوں تک دھولے جیسا کہ اول میں دھوتا ہے تاکہ خوب ستھرا ہو جائے۔ جاڑے میں گرمیوں کی نسبت مبالغہ کرے اور اگر گرم پانی ہو تو جاڑے۔ کا حکم بھی گرمیوں کی طرح ہے۔

بیت الخلاء میں قبلہ رخ ہو کر بیٹھنے کی ممانعت کا بیان

313- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ أَنْبَأَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ أُعَلِّمُكُمْ إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَأَمَرَ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ وَنَهَى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهَى أَنْ يَسْتَطِيبَ الرَّجُلُ بِيَمِينِهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: بے شک میں تمہارے لیے اسی طرح ہوں جس طرح اولاد کے لیے والد ہوتا ہے میں تمہاری تعلیم وتربیت کرتا ہوں جب تم بیت الخلاء میں جاؤ تو قبلہ کی طرف رخ نہ کرو اور اس کی طرف پیٹھ بھی نہ کرو۔ (راوی کہتے ہیں:) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین پتھر استعمال کرنے کی ہدایت کی تھی اور مینگنی یا ہڈی کے ذریعے استنجاء کرنے سے منع کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی منع کیا ہے کہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ کے ذریعے استنجاء کرے۔

مینگنی سے استنجاء کرنے کی کراہت کا بیان

314- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ عَنْ زُهَيْرٍ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ قَالَ لَيْسَ أَبُو عُبَيْدَةَ ذَكَرَهُ وَلَكِنْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْأَسْوَدِ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى الْخَلَاءَ فَقَالَ ائْتِنِي بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ فَأَتَيْتُهُ بِحَجَرَيْنِ وَرَوْثَةٍ فَأَخَذَ الْحَجَرَيْنِ وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ وَقَالَ هِيَ رِجْسٌ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس تین پتھر لے آؤ میں دو پتھر اور ایک مینگنی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر حاصل کر لیے اور مینگنی کو پھینک دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ناپاک ہے۔

شرح

بعض روایتوں میں تین سے کم پتھر پر اکتفا کرنے سے منع کیا گیا ہے جس سے تین پتھر کے استعمال کا وجوب ثابت ہوتا ہے، بعض احادیث میں اس ممانعت کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ یہ تمہارے بھائی جنوں کی خوراک ہے، نیز یہاں رِمّۃ (بوسیدہ ہڈی) سے مراد مطلق ہڈی ہے جیسا کہ دوسری روایتوں میں آتا ہے، یا یہ کہا جائے کہ بوسیدہ ہڈی جو نجس نہیں ہوتی، جب اسے نجاست سے آلودہ کرنے کی ممانعت ہے تو وہ ہڈی جو بوسیدہ نہ ہو بدرجہ اولی ممنوع ہوگی۔

314 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 156' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 43

تین پتھروں سے استنجاء کرنے کا بیان

315- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ اَنْبَاَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ ح و حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ جَمِيعًا عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِي خُزَيْمَةَ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاِسْتِنْجَاءِ ثَلٰثَةُ اَحْجَارٍ لَيْسَ فِيهَا رَجِيعٌ

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''استنجاء کرتے ہوئے تین پتھر ہونے چاہئیں' ان میں کوئی مینگنی نہیں ہونی چاہئے''۔

شرح

مسند احمد میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: '' گوبر نجس ہے، ایک اور پتھر لاؤ'' (ورجالہ ثقات)، علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں: '' ممکن ہے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی تیسرا پتھر اٹھایا ہو۔ (تحفۃ الاحوذی) چنانچہ آگے کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تین پتھر لینا سنت ہے۔

ہڈی سے استنجاء کرنے کی ممانعت کا بیان

316- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ وَّالْاَعْمَشُ عَنْ اِبْرٰهِيمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ لَهُ بَعْضُ الْمُشْرِكِيْنَ وَهُمْ يَسْتَهْزِءُوْنَ بِهٖ اِنِّيْ اَرٰى صَاحِبَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ كُلَّ شَيْءٍ حَتّٰى الْخِرَاءَةِ قَالَ اَجَلْ اَمَرَنَا اَنْ لَّا نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَلَا نَسْتَنْجِيَ بِاَيْمَانِنَا وَلَا نَكْتَفِيَ بِدُوْنِ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ لَيْسَ فِيهَا رَجِيعٌ وَّلَا عَظْمٌ

عبدالرحمٰن بن یزید' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات بیان کرتے ہیں: کچھ مشرکین نے ان کا مذاق اڑانے کے لیے ان سے یہ کہا کہ ہم نے یہ بات نوٹ کی ہے کہ آپ کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہر چیز کی تعلیم دی ہے یہاں تک کہ قضائے حاجت کے آداب بھی بتائے ہیں' تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے بتایا: جی ہاں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ ہدایت کی ہے کہ ہم قبلہ کی طرف رخ کر کے قضائے حاجت نہ کریں اور اپنے دائیں ہاتھ کے ذریعے استنجاء نہ کریں اور تین پتھروں سے کم پر اکتفاء نہ کریں' ان میں مینگنی یا ہڈی نہیں ہونی چاہئے (پتھر ہی ہونے چاہئیں)

315: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 41

316 اخرجہ مسلم فی الصحیح'' رقم الحدیث: 605' ورقم الحدیث: 606' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 7' اخرجہ الترمذی فی '' الجامع'' رقم الحدیث 16' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 41' ورقم الحدیث: 49

شرح

جس طرح شریعت محمدی کے مخاطب انسان ہیں اسی طرح جنات بھی ہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح انسانوں کی دنیوی اور دینی رہبری فرماتے ہیں اسی طرح جنات کی دینی و دنیوی امور کی بھی رعایت فرماتے ہیں چنانچہ اس حدیث کے ذریعہ انسانوں کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ لید اور ہڈی سے استنجاء نہ کیا جائے کیونکہ ہڈی تو جنات کی غذا ہے اور لید ان کے جانوروں کی خوراک ہے۔

بَابُ: النَّهْيِ عَنِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ بِالْغَائِطِ وَالْبَوْلِ

یہ باب پیشاب یا پاخانہ قبلہ رخ ہو کر کرنے کی ممانعت میں ہے

پیشاب و پاخانہ میں قبلہ کی جانب رخ اور پشت کرنے کی ممانعت کا بیان

317 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ الْمِصْرِيُّ أَنْبَأَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ الزُّبَيْدِيَّ يَقُولُ أَنَا أَوَّلُ مَنْ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ حَدَّثَ النَّاسَ بِذَلِكَ

◄► حضرت عبداللہ بن حارث زبیدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "کوئی بھی شخص قبلہ کی طرف رخ کر کے ہرگز پیشاب نہ کرے"۔ اور میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں جس نے لوگوں کو یہ بات بتائی۔

318 - حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيَّ يَقُولُ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الَّذِي يَذْهَبُ إِلَى الْغَائِطِ الْقِبْلَةَ وَقَالَ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا

◄► حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے کہ جو شخص قضائے حاجت کے لیے جاتا ہے وہ قبلہ کی طرف رخ کرے۔ آپ نے فرمایا ہے (مدینہ منورہ کے حساب سے) مشرق یا مغرب کی طرف رخ کیا کرو۔

شرح

حدیث میں جہت اور سمت کا جو تعین فرمایا گیا ہے وہ اہل مدینہ کے اعتبار سے یا ان لوگوں کے لئے جو اسی سمت رہتے ہیں اس

---

317 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

318 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 144' ورقم الحدیث: 394' اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث: 608' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 9' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 8' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 21' ورقم الحدیث: 22

لئے کہ مدینہ میں قبلہ جنوب کی طرف پڑتا ہے اس لئے ان کو تو مشرق اور مغرب ہی کی طرف منہ اور پشت کرنی ہوگی، ہمارے ملک والوں کے لئے یا ان ممالک کے لئے جو اس سمت میں واقع ہیں ان کو مشرق اور مغرب کی طرف منہ اور پشت نہ کرنی چاہئے کیونکہ یہاں کے اعتبار سے قبلہ مغرب کی طرف پڑتا ہے۔ بہر حال۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، ہمارے امام صاحب تو فرماتے ہیں کہ پیشاب، پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف نہ منہ کرنا چاہئے خواہ جنگل ہو یا آبادی و گھر ہو، اگر کرے گا تو مرتکب حرام ہوگا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبلہ کی طرف منہ اور پشت کرنا جنگل میں تو حرام ہے آبادی و گھر میں حرام نہیں ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل پہلی حدیث ہے جو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس حدیث میں قبلہ کی طرف منہ اور پشت نہ کرنے کا حکم مطلقاً ہے اس میں جنگل و آبادی و گھر کی کوئی قید نہیں ہے لہٰذا جو حکم جنگل کا ہوگا وہی حکم آبادی کا بھی ہوگا یہ حدیث نہ صرف یہ کہ حضرت ابو ایوب ہی سے منقول ہے بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی تعداد اس کی روایت کرتی ہے۔ پھر امام صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ اور پشت نہ کرنے کا حکم قبلہ کی تعظیم و احترام کے پیش نظر دیا ہے لہٰذا جس طرح جنگل میں تعظیم قبلہ ملحوظ رہے گا اسی طرح آبادی و گھر میں بھی احترام قبلہ کا لحاظ ضروری ہوگا جیسا کہ قبلہ کی طرف تھوکنا اور پاؤں پھیلانا ہر جگہ منع ہے۔ امام محی السنۃ نے حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی جو حدیث روایت کی ہے وہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف پشت کرنا گھر میں جائز ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اول تو یہ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں بیت الخلاء کے اندر قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کئے ہوئے اس حکم کے نفاذ سے پہلے دیکھا ہوگا، لہٰذا یہ حکم پہلے کے لئے ناسخ ہے۔

پھر دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے نہیں بیٹھے ہوں گے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس انداز سے گھوم کر بیٹھے ہوں گے کہ حقیقت میں قبلہ کی طرف پشت نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ موقع کے نزاکت کے پیش نظر عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہاں کھڑے ہو کر بغور تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہیں ہوگا، بلکہ جب یہ چھت پر چڑھے تو ان کی نظر اچانک ادھر بیت الخلاء کی طرف اٹھ گئی ہوگی اس لئے اس میں سرسری طور پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکے اس حدیث کے بارے میں جب یہ احتمال بھی نکل سکتا ہے تو پھر حضرت شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مسلک کی دلیل کے لئے اس کا سہارا لینا کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

319 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ حَدَّثَنِىْ عَمْرُو بْنُ يَحْيَى الْمَازِنِىُّ عَنْ اَبِىْ زَيْدٍ مَوْلَى الثَّعْلَبِيِّيْنَ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ اَبِىْ مَعْقِلٍ الْاَسَدِىِّ وَقَدْ صَحِبَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَتَيْنِ بِغَائِطٍ اَوْ بِبَوْلٍ

319: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 10

حضرت معقل بن ابومعقل اسدی رضی اللہ عنہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں وہ یہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے ہم پیشاب یا پاخانہ کرتے ہوئے دونوں قبلوں (میں سے کسی کی طرف بھی) رخ کریں۔

320 - حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ أَنَّهُ شَهِدَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بِبَوْلٍ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ہمیں حدیث سنائی' انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گواہی دے کر یہ بات بتائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے' کہ ہم پاخانہ یا پیشاب کرتے ہوئے قبلہ کی طرف رخ کریں۔

جنگل وغیر جنگل میں قبلہ کی طرف رخ کر کے قضائے حاجت کرنے کی ممانعت کا بیان

321 -حَدَّثَنَا قَالَ أَبُو الْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ وَ حَدَّثَنَاهُ عُمَيْرُ بْنُ مِرْدَاسٍ الدَّوْنَقِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَبُو يَحْيَى الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانِي أَنْ أَشْرَبَ قَائِمًا وَأَنْ أَبُولَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس بات سے منع کیا ہے' میں کھڑے ہو کر کچھ پیوں یا قبلہ کی طرف رخ کر کے پیشاب کروں۔

شرح

حضرت مروان اصفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے اپنا اونٹ قبلہ کی طرف بٹھایا پھر خود بیٹھے اور اونٹ کی طرف پیشاب کیا میں نے (یہ دیکھ کر) عرض کیا "ابوعبدالرحمٰن! (یہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے) کیا اس طرح قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے سے منع فرمایا گیا" انہوں نے فرمایا" ہاں جنگل میں اس سے منع فرمایا گیا ہے لیکن جب تمہارے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلداول: رقم الحدیث، 350)

اس مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے دلیل پکڑتے تھے جسے اس باب کی پہلی حدیث میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبلہ کی طرف پشت کر کے پاخانہ کرتے ہو دیکھا تھا اور یہ اسی موقع پر بتایا جاچکا ہے کہ اس فعل میں کئی احتمالات پیدا ہوتے ہیں لہٰذا فعل محتمل کو دلیل کے طور پر پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور پھر اس کی بھی وضاحت کی جاچکی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر احادیث سے یہ

320 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

321 ھو الحدیث الاول لکن فیہ زیادۃ

ثابت ہو چکا ہے کہ پیشاب و پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت نہ کرنے کا حکم عام ہے اس میں جنگل کی تخصیص نہیں ہے اسی لئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے کہ اس حکم میں جنگل و آبادی سب برابر ہیں قبلہ کی طرف منہ و پشت کرنا ہر جگہ ممنوع ہے خواہ جنگل کا کھلا میدان ہو یا آبادی میں گھرے ہوئے مکانات۔

بَابُ: الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ فِي الْكَنِيفِ وَإِبَاحَتِهِ دُوْنَ الصَّحَارِيْ

یہ باب بیت الخلاء میں اس کی اجازت اور جو جگہ کھلی نہ ہو وہاں اس کا مباح ہونے میں ہے

قضائے حاجت کے وقت قبلہ کے تقدس کا بیان

322- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ حَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْاَنْصَارِيُّ ح و حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ اَخْبَرَهُ اَنَّ عَمَّهُ وَاسِعَ بْنَ حَبَّانَ اَخْبَرَهُ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ يَقُوْلُ اُنَاسٌ اِذَا قَعَدْتَ لِلْغَائِطِ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَقَدْ ظَهَرْتُ ذَاتَ يَوْمٍ مِّنَ الْاَيَّامِ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتِنَا فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدًا عَلٰى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ هٰذَا حَدِيْثُ يَزِيْدَ بْنِ هَارُوْنَ.

◄◄ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے لوگ کہتے ہیں کہ رفع حاجت کے وقت قبلہ یا بیت المقدس کی طرف منہ نہیں کرنا چاہیے۔ میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا' میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کر رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ بیت المقدس کی طرف تھا۔

شرح

یہ حدیث حکم قبلہ سے پہلے کی ہے۔ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اول تو یہ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں بیت الخلاء کے اندر قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کئے ہوئے اس حکم کے نفاذ سے پہلے دیکھا ہوگا، لہذا یہ حکم پہلے کے لئے ناسخ ہے۔

اس مسئلہ میں اہل علم کے کئی اقوال ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے: بعض اہل علم کا مذہب ہے کہ قضاء حاجت کے وقت غیر عمارت میں (کھلی جگہ) قبلہ کی طرف منہ اور پشت کرنا حرام ہے اور انہوں نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بغائط ولا بول وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوا اَوْ غَرِّبُوا صحيح البخاري: الوضوء،

322 اخرجہ بخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 145' ورقم الحدیث:148' ورقم الحدیث:149' ورقم الحدیث:3102' اخرجہ مسلم فی الصحیح'' رقم الحدیث 610' ورقم الحدیث 611 'اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:12 'اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث:11 'اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 23

باب لا تستقبل القبلة ببول ولا غائط ح: وصحيح مسلم، الطهارة، باب الاستطابة، ح: واللفظ له ۔

جب تم قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف منہ اور پشت نہ کرو بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرو۔ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرنے کا یہ حکم مدینہ اور اس کے مضافات اور شام وغیرہ کے لیے مخصوص ہے جو مکہ مکرمہ کے شمال میں ہیں بلکہ مکہ مکرمہ کے جنوب میں واقع یمن وغیرہ کے لیے بھی یہی حکم ہے، لیکن مکہ مکرمہ کے مشرق یا مغرب میں واقع مقامات، مثلاً: پاکستان، بھارت، چین، شمالی افریقہ اور امریکہ وغیرہ کے لیے قبلہ کا رخ شرقاً یا غرباً ہونے کے باعث قضائے حاجت کے وقت شرقاً غرباً بیٹھنا ممنوع ہے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ہم شام گئے تو دیکھا کہ بیت الخلا قبلہ رخ بنائے گئے تھے۔ ہم جب ان سے باہر نکلتے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کر لیتے تھے۔ اہل علم کے اس گروہ نے ابوایوب رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو اسے غیر عمارت پر محمول کیا ہے، البتہ عمارت کے اندر رخ اور پشت کرنا جائز ہے کیونکہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے:

میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے اوپر چڑھا تو میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف پشت کیے اور شام کی طرف منہ کیے قضائے حاجت کر رہے تھے۔

323- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى عَنْ عِيْسَى الْحَنَّاطِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كَنِيْفِهِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ

قَالَ عِيْسٰى فَقُلْتُ ذٰلِكَ لِلشَّعْبِيِّ فَقَالَ صَدَقَ ابْنُ عُمَرَ وَصَدَقَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اَمَّا قَوْلُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ فِي الصَّحْرَاءِ لَا يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَلَا يَسْتَدْبِرُهَا وَاَمَّا قَوْلُ ابْنِ عُمَرَ فَاِنَّ الْكَنِيْفَ لَيْسَ فِيْهِ قِبْلَةٌ اسْتَقْبِلْ فِيْهِ حَيْثُ شِئْتَ

قَالَ اَبُوالْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ وَ حَدَّثَنَا اَبُوْحَاتِمٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى فَذَكَرَ نَحْوَهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیت الخلاء میں قبلہ کی طرف رخ کر کے (قضائے حاجت کرتے ہوئے) دیکھا ہے۔

عیسیٰ نامی راوی بیان کرتے ہیں یہ روایت میں نے امام شعبی کو سنائی تو انہوں نے فرمایا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بالکل ٹھیک کہا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی بالکل ٹھیک کہا ہے جہاں تک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو انہوں نے یہ کہا ہے صحرا میں تم قبلہ کی طرف رخ یا پیٹھ نہ کرو جہاں تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیان کا تعلق ہے تو بیت الخلاء میں قبلہ کی پابندی نہیں ہوتی' بیت الخلاء میں تم جس طرف چاہو رخ کر سکتے ہو۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

323 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

قبلہ کی طرف منہ یا پشت کر کے پیشاب کرنے کا حکم

قضائے حاجت کے احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ اس عمل کے دوران قبلے کی طرف نہ منہ کیا جائے اور نہ ہی پشت، ایسا کرنا مکروہِ تحریمی ہے، چاہے قضائے حاجت کا وقت ہو یا (ننگے ہو کر) غسل کرنے کی حالت ہو، شہر میں ہو یا دیہات میں، جنگل میں ہو یا صحرا میں، تمام صورتوں میں یہی حکم ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرنے کے لیے آئے تو قبلے کی طرف نہ چہرہ کرے اور نہ ہی پشت کرے۔ بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے بیٹھے۔
واضح رہے کہ مذکورہ حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھو یا مغرب کی طرف منہ کر کے بیٹھو، یعنی جنوب یا شمال کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھو، یہ اس وجہ سے کہ مدینہ منورہ میں قبلہ جنوب کی جانب ہے۔ جب کہ ہمارے ہاں پاکستان میں قبلہ مغرب کی جانب ہے، لہٰذا پاکستان میں رہتے ہوئے منہ مغرب کی طرف نہیں کیا جائے گا، بلکہ شمال یا جنوب کی طرف کیا جائے گا۔

324- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَلِىُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ خَالِدِ بْنِ اَبِى الصَّلْتِ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمٌ يَكْرَهُوْنَ اَنْ يَسْتَقْبِلُوْا بِفُرُوْجِهِمُ الْقِبْلَةَ فَقَالَ اُرَاهُمْ قَدْ فَعَلُوْهَا اسْتَقْبِلُوْا بِمَقْعَدَتِى الْقِبْلَةَ

اَبُوالْحَسَنِ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ الْمُغِيْرَةِ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ خَالِدِ بْنِ اَبِى الصَّلْتِ مِثْلَهُ

◆◆ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا گیا کہ کچھ لوگ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں' ان کی شرمگاہوں کا رخ قبلہ کی طرف ہو' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اندازہ تھا کہ وہ لوگ ایسا ہی کریں گے' تم لوگ میرے بیت الخلاء کا رخ قبلہ کی طرف کر دو''۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

325- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِىْ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْحٰقَ عَنْ اَبَانَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِبَوْلٍ فَرَاَيْتُهُ قَبْلَ اَنْ يُقْبَضَ بِعَامٍ يَسْتَقْبِلُهَا

◆◆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کرتے ہوئے قبلہ کی طرف رخ کرنے سے منع

---

324. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

325 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 13' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 9

کیا تھا پھر آپ ﷺ کے وصال سے ایک سال پہلے میں نے آپ ﷺ کو قبلہ کی طرف رخ کر کے (پیشاب کرتے ہوئے) دیکھا ہے۔

شرح

عذر کے اسباب اور اسی طرح اعذار کے مختلف مواقع کے سبب احکام میں نرمی وسہولت پائی جاتی رہی ہے۔ مذکورہ احادیث میں اہل علم اور خاص طور پر اصول حدیث کے مطابق حدیث قولی کی ترجیح پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ جب اقوال اور افعال میں تعارض آجائے تو افعال احتمال تخصیص رکھتے ہیں۔ لہٰذا تمام احادیث کے مطالعہ کے بعد خلاصہ یہ ہوا کہ استنجاء و پیشاب و پاخانہ کے وقت قبلہ کی جانب رخ یا پشت کرنا منع ہے۔ (عفا اللہ عنہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی عفی اللہ رسول علم)

بَابُ: اِلاسْتِبْرَاءِ بَعْدَ الْبَوْلِ

یہ باب پیشاب کرنے کے بعد استبراء کے بیان میں ہے

پیشاب کے بعد قطروں سے اطمینان پانے کا بیان

326- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا اَبُوْنُعَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنَا زَمْعَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عِيسَى بْنِ يَزْدَادَ الْيَمَانِيِّ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بَالَ اَحَدُكُمْ فَلْيَنْتُرْ ذَكَرَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

قَالَ اَبُوالْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا اَبُوْنُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَمْعَةُ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

◆◆ عیسیٰ بن یزداد یمانی اپنے والد کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ”جب کوئی شخص پیشاب کرلے تو اپنی شرمگاہ کو تین مرتبہ دبائے (تاکہ اندر موجود پیشاب کا قطرہ نکل آئے)“۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شرح

بعض کے نزدیک استبراء یعنی پیشاب کے بعد چند قدم چلنا یا زمین پر پاؤں مارنا یا کھنکارنا یا دائیں ٹانگ پر بائیں ٹانگ لپیٹنا اور پھر اس کے برعکس کرنا واجب ہے۔ تاکہ رکا ہوا قطرہ نکل جائے، لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں اور ہر شخص کے لئے اپنا اطمینان ضروری ہے اور یہ استبراء کا حکم مردوں کے لئے ہے عورت پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہر کر پہلے ڈھیلے سے مقام پیشاب کو خشک کرلے پھر پانی سے طہارت کرلے یا صرف پانی سے طہارت۔ کرلے پانی سے استنجا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہاتھ کے کلائی تک دھولے پھر اگر روزہ دار نہ ہو پاخانہ کے مقام کو خوب ڈھیلا چھوڑ کر بیٹھے اور بائیں ہاتھ سے خوب استنجا کرے اور اسقدر دھوئے کہ اس کو پاکی کا یقین یا ظن غالب ہو اور چکنائی جاتی رہے اور دھونے میں خوب زیادتی کرے اور اگر روزہ دار ہو تو

326 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

زیادتی نہ کرے اور نہ زیادہ پھیل کر بیٹھے، دھونے کا کچھ شمار مقرر نہیں اگر وسوسہ والا شخص ہو تو اپنے لئے تین مرتبہ دھونا مقرر کرلے۔ عورت کشادہ ہو کر بیٹھے اور ہتھیلی سے اوپر اوپر دھولے عورت مرد سے زیادہ کشادہ ہو کر بیٹھے، پیشاب کے مقام کو پہلے دھوئے یہی مختار ہے استنجا کے پاک ہونے کے ساتھ ہی ہاتھ بھی پاک ہو جاتا ہے۔ استنجا کے بعد ہاتھ کلائیوں تک دھولے جیسا کہ اول میں دھوتا ہے تاکہ خوب ستھرا ہو جائے۔ جاڑے میں گرمیوں کی نسبت مبالغہ کرے اور اگر گرم پانی ہو تو جاڑے کا حکم بھی گرمیوں کی طرح ہے۔

بَابُ: مَنْ بَالَ وَلَمْ يَمَسَّ مَآءً

یہ باب پیشاب کے بعد پانی استعمال نہ کرنے کے بیان میں ہے

327- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَحْيَى التَّوْاَمِ عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيْكَةَ عَنْ اُمِّهٖ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ انْطَلَقَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبُوْلُ فَاتَّبَعَهٗ عُمَرُ بِمَآءٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا عُمَرُ قَالَ مَآءٌ قَالَ مَا اُمِرْتُ كُلَّمَا بُلْتُ اَنْ اَتَوَضَّاَ وَلَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً

◄◄ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کرنے کے لیے تشریف لے گئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے پانی لے کر گئے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا اے عمر رضی اللہ عنہ! یہ کیا ہے' انہوں نے عرض کی: یہ پانی ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں جب بھی پیشاب کروں' تو ساتھ وضو بھی کرلوں' اگر میں ایسا کرلیتا ہوں' تو یہ چیز سنت بن جائے گی"۔

شرح

اصل مقصد تو نجاست سے پاکی حاصل کرنا ہے اور جب تین ڈھیلے سے استنجا کرے گا اور نجاست صاف کرے گا تو پانی سے استنجاء کی حاجت نہیں رہے گی کیونکہ اصل طہارت اس سے حاصل ہو جائے گی جس سے نماز پڑھنی بھی جائز ہو جائے گی، البتہ ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجاء کرے تو یہ اچھی بات ہوگی کیونکہ پانی سے استنجاء کرنا مستحب ہے۔

بَابُ: النَّهْىِ عَنِ الْخَلَاءِ عَلٰى قَارِعَةِ الطَّرِيْقِ

یہ باب راستے میں قضائے حاجت کرنے کی ممانعت کے بیان میں ہے

تین مقامات پر قضائے حاجت کرنے کی ممانعت کا بیان

328- حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِىْ نَافِعُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ اَنَّ اَبَا سَعِيْدِ الْحِمْيَرِىَّ حَدَّثَهٗ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يَتَحَدَّثُ بِمَا لَمْ يَسْمَعْ اَصْحٰبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ

327 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 42

328 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 26

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَسْكُتُ عَمَّا سَمِعُوا فَبَلَغَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو مَا يَتَحَدَّثُ بِهِ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ هٰذَا وَاَوْشَكَ مُعَاذٌ اَنْ يَفْتِنَكُمْ فِي الْخَلَاءِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ مُعَاذًا فَلَقِيَهُ فَقَالَ مُعَاذٌ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو اِنَّ التَّكْذِيبَ بِحَدِيثٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِفَاقٌ وَاِنَّمَا اِثْمُهُ عَلٰى مَنْ قَالَهُ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَ الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِ وَالظِّلِّ وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ .

ابوسعید حمیری بیان کرتے ہیں: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وہ روایات بیان کیا کرتے تھے' جو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں سنی ہوئی ہوتی تھیں' اور ان چیزوں کو بیان نہیں کرتے تھے' جو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنی ہوئی ہوتی تھیں' ایک مرتبہ ایسی ہی ایک روایت (جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہیں سنی ہوئی تھی) کی اطلاع حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو ملی تو وہ بولے اللہ کی قسم! میں نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح ارشاد فرماتے ہوئے نہیں سنا' معاذ رضی اللہ عنہ لوگوں کو بیت الخلاء کے بارے میں آزمائش میں مبتلا کر دیں گے' اس بات کی اطلاع حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ملی' وہ ان سے ملے' تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمرو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے جھوٹی بات بیان کرنا منافقت ہے اور اس کا گناہ اس شخص کو ہوگا' جو یہ بیان کرے گا' میں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''لعنت کی تین جگہوں سے بچو' گھاٹ' سائے اور راستے میں پاخانہ کرنے سے بچو''۔

شرح

یہ تین افعال ایسے ہیں جو لعنت کا سبب ہیں یعنی جب کوئی آدمی کسی راستہ پر، یا گھاٹ پر، یا سایہ کی جگہ پر پاخانہ کرتا ہے تو جو لوگ اس راستہ سے گزرتے ہیں یا گھاٹ کو استعمال کرتے ہیں، یا سایہ دار جگہ پر آتے ہیں وہ اس آدمی پر لعنت بھیجتے ہیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ آدمی ان افعال بد کی بنا پر لوگوں کی ان منفعت اور آرام کو جو ان جگہوں سے مختص ہیں فاسد کرتا ہے، لہٰذا یہ ظالم ہوا اور ظالم آدمی ملعون ہوتا ہے۔ موارد ان مکانوں کو فرماتے ہیں جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں اور وہاں بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرتے ہیں، بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ موارد جمع مورد گھاٹ کو کہتے ہیں جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ سایہ، عام ہے خواہ درخت کا سایہ ہو یا کسی اور چیز کا جہاں لوگ سوتے اور بیٹھتے ہوں، نیز اپنے جانوروں کو باندھتے ہیں۔

راستوں میں قضائے حاجت کرنے کی ممانعت کا بیان

329- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ زُهَيْرٍ قَالَ قَالَ سَالِمٌ سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَالتَّعْرِيسَ عَلٰى جَوَادِّ الطَّرِيقِ وَالصَّلٰوةَ عَلَيْهَا فَاِنَّهَا مَاْوَى الْحَيَّاتِ وَالسِّبَاعِ وَقَضَاءَ الْحَاجَةِ عَلَيْهَا فَاِنَّهَا مِنَ الْمَلَاعِنِ

329 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "راستے میں پڑاؤ کرنے سے اور وہاں نماز ادا کرنے سے بچو" کیونکہ یہ سانپوں اور درندوں کی پناہ گاہ ہوتے ہیں اور اس جگہ پر قضائے حاجت کرنے سے بھی بچو' کیونکہ یہ ایسی جگہ ہے جہاں لعن طعن ہوتی ہے"۔

شرح

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم میں سے کوئی آدمی کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔ (ابوداؤد، سنن نسائی، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 333)

سوراخ میں پیشاب کرنے سے اس لئے روکا جارہا ہے کہ اکثر و بیشتر سوراخ کیڑے مکوڑوں اور سانپ بچھو کا مسکن ہوتے ہیں چنانچہ ہوسکتا ہے کہ پیشاب کرتے وقت اس میں سے سانپ یا بچھو یا تکلیف دینے والا کوئی دوسرا کیڑا نکل کر ایذاء پہنچائے یا اگر اس سوراخ کے اندر کوئی ضعیف اور بے ضرر جانور ہو تو پھر پیشاب کی وجہ سے اسے تکلیف پہنچے گی۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوراخوں میں جنات رہتے ہیں۔

چنانچہ ایک صحابی سعد بن عبادہ خزرجی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے زمین حوران کے ایک سوراخ میں پیشاب کر دیا تھا تو ان کو جنات نے مار ڈالا اور اس میں یہ شعر پڑھتے تھے۔ نَحْنُ قَتَلْنَا سَيِّدَ الْخَزْرَجِ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ وَرَمَيْنَاهُ بِسَهْمَيْنِ فَلَمْ نُخْطِ فُؤَادَهُ ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا ہم نے اس کی طرف دو تیر مارے اور اس کے دل کو نشانہ بنانے میں خطا نہیں کی اور بعض علماء کرام لکھتے ہیں کہ اگر کوئی سوراخ خاص طور پر پیشاب ہی کے لئے ہو تو اس میں پیشاب کرنا مکروہ نہیں ہے۔

330- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ قُرَّةَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُصَلَّى عَلَى قَارِعَةِ الطَّرِيقِ أَوْ يُضْرَبَ الْخَلَاءُ عَلَيْهَا أَوْ يُبَالَ فِيهَا

سالم اپنے والد (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے' راستے میں نماز ادا کی جائے یا وہاں قضائے حاجت کی جائے یا وہاں پیشاب کیا جائے۔

جن جگہوں میں استنجاء کرنا مکروہ ہے

جن جگہوں میں استنجاء کرنا مکروہ ہے وہ درج ذیل ہیں: پانی میں، حوض یا چشمے کے کنارے، پھل دار درخت کے نیچے، کھیتی میں، ہر ایسے سایہ میں جہاں لوگ بیٹھتے ہوں، مساجد اور عیدگاہ کے پہلو میں، قبرستان میں اور مسلمانوں کی گذرگاہ میں، سورج یا چاند کی طرف منہ کر کے، ڈھلوان (نیچے والی سطح) میں بیٹھ کے اوپر کی جانب پیشاب کرنا، ہوا کے رُخ پر پیشاب کرنا، چوہے، سانپ یا چیونٹی کے بل میں پیشاب کرنا۔ غرض جس جگہ سے بھی لوگوں کا نفع وابستہ ہو اور وہاں ناپاکی یا گندگی ان کے لیے تکلیف دہ ہو یا اس

330 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عمل کی وجہ سے خود اس کو کسی ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو، وہاں پیشاب پاخانہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(البحر الرائق، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس، دار الکتب العلمیۃ)

بَابُ :التَّبَاعُدِ لِلْبَرَازِ فِي الْفَضَاءِ

یہ باب قضائے حاجت کے لیے کھلی جگہ پر دور چلے جانے کے بیان میں ہے

331-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَهَبَ الْمَذْهَبَ اَبْعَدَ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے دور تشریف لے جایا کرتے تھے۔

332-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُثَنّٰى عَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَتَنَحّٰى لِحَاجَتِهٖ ثُمَّ جَآءَ فَدَعَا بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّاَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں شریک تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے ایک طرف ہٹ گئے' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کا پانی منگوایا اور وضو کیا۔

333-حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ عَنِ ابْنِ خُثَيْمٍ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا ذَهَبَ اِلَى الْغَائِطِ اَبْعَدَ

حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دور چلے جاتے تھے۔

334-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ الْخَطْمِيِّ قَالَ اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَاسْمُهٗ عُمَيْرُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ وَالْحَارِثُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي قُرَادٍ قَالَ حَجَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبَ لِحَاجَتِهٖ فَاَبْعَدَ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوقراد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

331 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 1' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 20' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 17

332 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

333 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

334 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 16.

قضائے حاجت کے لیے دور تشریف لے گئے تھے۔

335-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى اَنْبَاَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ سَفَرٍ وَّكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَاْتِى الْبَرَازَ حَتّٰى يَتَغَيَّبَ فَلَا يُرٰى

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں روانہ ہو گئے' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو اتنی دور چلے جاتے تھے کہ غائب ہو جاتے تھے اور دکھائی نہیں دیتے تھے۔

336-حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيْمِ الْعَنْبَرِىُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ كَثِيْرِ بْنِ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا كَثِيْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِىُّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِىِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ الْحَاجَةَ اَبْعَدَ

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کا ارادہ کرتے تو دور تشریف لے جاتے تھے۔

بَابُ: الْاِرْتِيَادِ لِلْغَائِطِ وَالْبَوْلِ

یہ باب پاخانہ یا پیشاب کرنے کے لیے جگہ تلاش کرنے کے بیان میں ہے

استنجاء کے احکام کا بیان

337-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا ثَوْرُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ حُصَيْنٍ الْحِمْيَرِىِّ عَنْ اَبِىْ سَعْدِ الْخَيْرِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ تَخَلَّلَ فَلْيَلْفِظْ وَمَنْ لَاكَ فَلْيَبْتَلِعْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَتَى الْخَلَاءَ فَلْيَسْتَتِرْ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ اِلَّا كَثِيْبًا مِّنْ رَّمْلٍ فَلْيَمْدُدْهُ عَلَيْهِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ ابْنِ اٰدَمَ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''جو شخص پتھر استعمال کرتا ہے' تو وہ طاق تعداد میں استعمال کرے' جو شخص ایسا کرے گا' تو یہ اچھا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا تو اس کو کوئی گناہ بھی نہیں ہے' جو شخص خلال کرتا

335 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2

336: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

337 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 35' اخرجہ ابن ماجہ فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3498

ہے (تو وہ خلال کے ذریعے نکلی ہوئی چیز) کو پھینک دے اور جو شخص زبان کے ذریعے چیز باہر نکالتا ہے اسے نگل لے جو ایسا کرے گا تو یہ اچھا ہے جو ایسا نہیں کرے گا تو اسے کوئی گناہ بھی نہیں ہے جو شخص قضائے حاجت کے لیے جاتا ہے وہ پردہ کرلے اگر اسے پردے کے لیے صرف ریت کا ٹیلہ ملتا ہے تو اسے ہی زیادہ کرلے کیونکہ شیطان آدمی کی قضائے حاجت کی جگہ کے ساتھ کھیلتا ہے جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اچھا کرے گا اور جو ایسا نہیں کرے گا تو اسے کوئی گناہ نہیں ہے"۔

قضائے حاجت کے احکام اور جدید سائنسی تحقیقات کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گزرگاہوں اور راستوں میں پیشاب کرنے سے بڑی سختی سے منع فرمایا۔اس کے طبعی طبی اور سائنسی فوائد درج ذیل ہیں۔

راستہ سے ہر کوئی گزرتا ہے اور جب راستہ میں پیشاب کیا جاتا ہے تو پیشاب کی بُو اور جراثیم فضاء میں معلق ہو جاتے ہیں اور ہوا کی وجہ سے اس راستہ سے گزرنے والوں کے جسم میں سرایت کر جاتے ہیں جس سے سانس کی پرابلم پیدا ہو جاتی ہے۔اس کے علاوہ پیشاب کی بو اور جراثیم سے آلودہ ہوا اگر انسان کے اندر پہنچ جائے تو دل، جگر اور پتے کی بیماریوں کا بھی غالب گمان کیا جاسکتا ہے۔

احادیث اور فقہ میں سایہ دار اور پھلدار درخت کے نیچے پیشاب کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔اس کے چند طبعی، طبی اور سائنسی فوائد یہ ہیں: سایہ دار درخت لوگوں کے قیام اور سکون کی جگہیں ہیں۔یہاں فضلہ کرنا انتہائی بُرا ہے اور اس سے یقیناً بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ اس درخت کے سائے میں بیٹھنے والے کئی قسم کی وبائی امراض کا شکار ہو سکتے ہیں۔نیز پھلدار درخت سے گرنے والا پھل بھی گندگی سے آلودہ ہو کر قابل استعمال نہ رہ سکے گا۔

احادیث اور فقہ میں ہوا کے رُخ پر پیشاب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔اس کے طبی و سائنسی فوائد درج ذیل ہیں۔اگر ہوا کے رخ پیشاب کیا جائے تو ہوا کے دباؤ کی وجہ سے وہ پیشاب اُڑ کر جسم، چہرے اور کپڑوں پر پڑیگا جس سے جسم اور کپڑے پلید ہو جائیں گے۔نیز اس پیشاب کے جراثیم بھی مساموں کے راستے سے جسم میں داخل ہو کر الرجی، خارش، فساد خون اور کئی اور جلدی امراض پیدا کریں گے۔آنکھوں میں پڑنے سے آنکھیں سوج جائیں گی، سرخ ہو جائیں گی۔علاوہ ازیں آنکھوں میں خارش ہونے اور پانی کے بہنے کے ساتھ ساتھ کئی وبائی بیماریاں بھی لاحق ہو سکتی ہیں۔اور اگر ہوا کی وجہ سے پیشاب اُڑ کر منہ میں چلا گیا تو اس سے منہ کی بیماری لاحق ہونے کے ساتھ ساتھ منہ کا فالج بھی ہو سکتا ہے۔اس کے علاوہ منہ میں زخم، مسوڑھوں میں پیپ اور دانتوں کی بیماری بھی پیدا ہو سکتی ہے۔زبان اور گلہ بھی بُری طرح متاثر ہو سکتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بل اور سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا اس کے بھی بے شمار سائنسی اور طبی فوائد ہیں۔مثلاً

اگر زہریلے جانور کے بل میں پیشاب کیا گیا تو اس جانور کے باہر نکل کر نقصان پہنچانے کا خطرہ ہوتا ہے۔بعض زمینیں کلر زدہ

اور شورہ زدہ ہوتی ہیں اور ان کے بلوں اور سوراخوں میں تیزاب اور شورہ کے مادے جمع ہوتے ہیں۔ اگر ان میں پیشاب کیا گیا تو۔ پیشاب چونکہ خود ایک تیزاب ہے اور جب ایک تیزاب دوسرے تیزاب سے ملے گا تو زہریلے بخارات اُٹھ کر جسم انسانی کو نقصان پہنچائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے غسل کی جگہ پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے کہ اس سے بے شمار وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ فقہاء کرام رحمتہ اللہ علیہم فرماتے ہیں۔ غسل کی جگہ پیشاب نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے عقل اور ذہن پر اثر پڑتا ہے، یاداشت کمزور ہو جاتی ہے اور آدمی کئی وسوسوں میں پھنس کر شیطان اور بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔

ایک سائنسی میگزین بنام سائنس اور صحت میں لکھا ہے۔ غسل کی جگہ پیشاب کرنے سے شہوت نفاسیہ کی زیادتی ہوتی ہے اور اس سے معاشرتی مہلکات پیدا ہوتے ہیں۔ غسل کی جگہ پیشاب کرنے سے انسان نفسیاتی امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ غسل کی جگہ پیشاب کرنے سے گردے میں پتھری پیدا ہوتی ہے۔ بہر حال غسل کی جگہ پیشاب کرنے سے اور بھی بہت سے نقصانات کا قوی اندیشہ ہے

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ چونکہ پیشاب جراثیموں سے پُر ہوتا ہے اور بعض اوقات اس میں بعض امراض (سوزاک، آتشک، گردوں کا جراثیمی انفیکشن وغیرہ) کی وجہ سے پیپ بھی موجود ہوتی ہے۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے اس کے چھینٹے بدن اور لباس کو آلودہ کر دیتے ہیں، جس سے کئی امراض وجود میں آسکتے ہیں۔ اس طرح پیشاب کرنے سے غدہ قدامیہ پر بُرا اثر پڑتا ہے اور وہ متورم ہو کر بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے پیشاب بند ہو جاتا ہے، قطرہ قطرہ آتا ہے اور دھار بھی پتلی ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ اور بھی کئی امراض جنم لے سکتے ہیں۔

(اسلامی نظام زندگی، شیخ احمد دیدات)

طاق مرتبہ سرمہ لگانے کا بیان

338- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الصَّبَّاحِ بِإِسْنَادِهِ نَحْوَهُ وَزَادَ فِيهِ وَمَنْ اكْتَحَلَ فَلْيُوتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ لَاكَ فَلْيَبْتَلِعْ

◄► یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے' تاہم اس میں یہ الفاظ زائد ہیں: ''جو شخص سرمہ لگاتا ہے' تو وہ طاق تعداد میں لگائے جو ایسا کرے گا' تو اس نے اچھا کیا اور جو ایسا نہیں کرے گا' تو اس کو کوئی گناہ بھی نہیں ہے' اور جو شخص زبان کے ذریعے (دانتوں میں سے) کوئی چیز نکالتا ہے وہ اسے نگل لے''۔

شرح

طاق سلائیوں سے سرمہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ تین سلائی ایک آنکھ میں لگائے، زیادہ بہتر یہی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی ایسا ہی معمول منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی اس میں سے آپ سرمہ اس طرح لگاتے تھے کہ تین سلائی ایک آنکھ میں لگاتے اور تین سلائی دوسری آنکھ میں لگاتے۔ بعضوں نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ تین

سلائیاں دائیں آنکھ میں لگائے اور دو سلائیاں بائیں آنکھ میں لگائے، نیز کچھ حضرات نے کہا ہے کہ پہلے دو سلائیاں دائیں آنکھ میں لگائے اور دو سلائیاں بائیں آنکھ میں لگائے اور اس کے بعد پھر ایک سلائی دائیں آنکھ میں لگائے تاکہ ابتدا بھی دائیں آنکھ سے ہو اور اختتام بھی دائیں ہی آنکھ پر ہو، جو آدمی طاق سلائی لگائے گا اس کے لئے بہتر اور اچھا ہوگا اور جو آدمی طاق سلائی نہ لگائے گا اس میں کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں ہے کیونکہ طاق سلائی لگانا مستحب ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طاق ڈھیلوں سے استنجاء کرنے کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ "جس نے ایسا کیا اچھا کیا اور جس نہ ایسا نہ کیا تو کوئی گناہ نہیں، اس سے حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ تین یا طاق ڈھیلے لینے واجب نہیں ہیں اس سے کم اور زیادہ بھی لئے جاسکتے ہیں البتہ طاق ڈھیلے لینا مستحب ہے، کھانا کھانے کے بعد خلال سے نکالی ہوئی چیز کو منہ سے پھینک دینے کو بہتر قرار دیا جارہا ہے اور زبان سے نکالی ہوئی چیز کو نگل لینے کے لئے کہا جارہا ہے اس لئے کہ تنکے سے خلال کرنے میں اکثر خون بھی نکل آتا ہے اس لئے احتیاطاً اس کو پھینک دینا ہی بہتر ہے زبان سے چونکہ خون نکلنے کا احتمال نہیں ہوتا اس لئے اس کو نگل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر اتنی بات سمجھ لینی چاہئے کہ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ "جس نے ایسا نہ کیا کوئی گناہ نہیں" تو یہ حکم اسی صورت میں ہوگا جب کہ خون نکلنے کا یقین نہ ہو بلکہ احتمال ہو اگر خون نکلنے کا یقین ہو تو پھر خلال میں ہر طرح کی نکلی ہوئی چیز کا نگلنا حرام ہوا، اس کا پھینک دینا واجب ہوگا۔

آخر حدیث میں فرمایا ہے کہ جب کوئی آدمی پاخانہ کے لئے جائے تو پاخانہ کے وقت اسے پردہ کر کے بیٹھنا چاہئے یعنی ایسی جگہ بیٹھے جہاں لوگ نہ دیکھ سکیں اگر پردہ کے لئے کچھ نہ پائے بایں طور کے نہ تو ایسی جگہ ہے جو گھری ہوئی اور لوگوں کی نظروں سے محفوظ ہو اور نہ اپنے پاس ایسا کوئی کپڑا یا کوئی دوسری چیز ہے جس سے پردہ کیا جاسکے تو اس وقت یہ کرنا چاہئے کہ ریت کا تودہ جمع کر لے اور اس کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ جائے اس طرح کسی نہ کسی حد تک پردہ ہو جائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو آدمی پاخانہ کے وقت پردہ کا لحاظ نہیں کرتا تو شیطان اس کے پاخانہ کے مقام سے کھیلتا ہے کھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور انہیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اس آدمی کے ستر کو دیکھیں جو بے پردہ بیٹھا ہوا پاخانہ کر رہا ہے، نیز یہ کہ اگر پردہ نہ کیا جائے تو اس کا بھی خطرہ رہتا ہے کہ جب ہوا چلے تو اس کی وجہ سے ناپاک چھینٹیں اڑ کر بدن اور کپڑے پر پڑیں گی اس لئے پاخانہ کے وقت پردہ کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بارہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی پردہ کا لحاظ کرے تو یہ اچھا ہے اور اگر نہ کرے تو کوئی گناہ کی بات بھی نہیں ہے مگر احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ پردہ کا خیال رکھا جائے بلکہ اگر اس بات کا یقین ہو کہ پردہ نہ کیا گیا تو لوگ دیکھیں گے تو ایسی شکل میں پردہ کرنا لازم اور ضروری ہے، اگر پردہ نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔

اگر بحالت مجبوری کوئی آدمی بغیر پردہ کے پاخانہ کے لئے بیٹھ جائے تو پھر اس کی ستر کی طرف قصداً دیکھنے والوں کو گناہ ہوگا، مجبوری سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا موقع آپڑے جب کہ پردہ کا کوئی انتظام ممکن نہ ہو اور اس کو شدید حاجت ہو تو اس صورت میں اسے مجبور کہا ہے۔ ریت کے تودہ کو پشت کی طرف کرنے کو اس لئے فرمایا گیا ہے کہ آگے کے ستر کو تو دامن وغیرہ سے بھی چھپایا جاسکتا

ہے بخلاف پیچھے کے ستر کے کہ اس کو چھپانا ذرا مشکل ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے حکم پر کھجور کے دو درختوں کے جمع ہوجانے کا بیان

339- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَاَرَادَ اَنْ يَقْضِيَ حَاجَتَهُ فَقَالَ لِي ائْتِ تِلْكَ الْاَشَائَتَيْنِ قَالَ وَكِيعٌ يَعْنِي النَّخْلَ الصِّغَارَ فَقُلْ لَهُمَا اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُكُمَا اَنْ تَجْتَمِعَا فَاجْتَمَعَتَا فَاسْتَتَرَ بِهِمَا فَقَضٰى حَاجَتَهُ ثُمَّ قَالَ لِي ائْتِهِمَا فَقُلْ لَهُمَا لِتَرْجِعْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْكُمَا اِلٰى مَكَانِهَا فَقُلْتُ لَهُمَا فَرَجَعَتَا

◄◄ یعلیٰ بن مرہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں شریک تھا آپ قضائے حاجت کے لیے جانے لگے تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تم ان دو چھوٹے کھجور کے درختوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ اللہ کے رسول ﷺ تم دونوں کو یہ حکم دے رہے ہیں' تم دونوں اکٹھے ہو جاؤ' (راوی کہتے ہیں) تو وہ اکٹھے ہو گئے' نبی کریم ﷺ ان کی اوٹ میں ہو گئے' وہاں آپ ﷺ نے قضائے حاجت کی پھر آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:

''تم ان دونوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو تم دونوں میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر واپس چلا جائے''۔ (راوی کہتے ہیں) میں نے ان دونوں سے کہا تو وہ دونوں اپنی جگہ پر واپس چلے گئے۔

340- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِي يَعْقُوبَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ اَحَبَّ مَا اسْتَتَرَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهِ هَدَفٌ اَوْ حَائِشُ نَخْلٍ

◄◄ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے لیے پردہ کرتے ہوئے زمین کے بلند حصے یا کھجوروں کے جھنڈ کو پسند کرتے تھے۔

341- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَقِيلِ بْنِ خُوَيْلِدٍ حَدَّثَنِي حَفْصُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنِي اِبْرٰهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ عَدَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الشِّعْبِ فَبَالَ حَتّٰى اِنِّي اٰوِي لَهُ مِنْ فَكِّ وَرِكَيْهِ حِينَ بَالَ

◄◄ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ ایک طرف ہٹ کر گھاٹی کی طرف چلے گئے'

339 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

340 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 772' ورقم الحدیث: 6220' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 2549

341 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

وہاں آپ ﷺ نے پیشاب کیا یہاں تک کہ پیشاب کرتے ہوئے آپ ﷺ کے اپنی سرین کو (زمین سے) دور رکھنے (میں دقت کی وجہ سے) میرے دل میں آپ ﷺ کے لیے رقت پیدا ہوگئی۔

بَابُ: النَّهْيِ عَنِ الِاجْتِمَاعِ عَلَى الْخَلَاءِ وَالْحَدِيثِ عِنْدَهُ

یہ باب قضائے حاجت کے موقع پر اکٹھے ہونے یا وہاں رہتے ہوئے بات چیت کرنے کی ممانعت کے بیان میں ہے

قضائے حاجت کے وقت کلام کرنے کی ممانعت کا بیان

342- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ رَجَاءٍ أَنْبَأَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ عِيَاضٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ عَلَى غَائِطِهِمَا يَنْظُرُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَى عَوْرَةِ صَاحِبِهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَمْقُتُ عَلَى ذَلِكَ

◄► حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''دو آدمی قضائے حاجت کرتے ہوئے بات چیت نہ کریں اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھ رہا ہو اس کی وجہ یہ ہے اللہ تعالیٰ اس بات پر ناراض ہوتا ہے''۔

شرح

مردوں اور عورتوں کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ پاخانہ کے لئے اس طرح بیٹھیں کہ ایک دوسرے کی شرم گاہیں دیکھیں اسی طرح ایسی حالت میں آپس میں باتیں کرنا بھی مکروہ ہے یہ دونوں چیزیں غضب الٰہی کا سبب اور اس کے عتاب کا باعث ہیں۔ اس موقع پر اس تکلیف دہ صورت حال کی وضاحت ضروری ہے کہ آج کل عورتوں میں خصوصیت سے ایسی بد احتیاطیاں پائی جاتی ہیں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عورتیں آپس میں ایک دوسری کے سامنے ستر کھولنے کو قطعاً معیوب نہیں سمجھتیں خصوصاً غسل اور پاخانہ کے وقت اس قسم کی شرمناک حرکتیں عام طور پر کرتی ہیں، ایسی عورتوں کو چاہئے کہ وہ اس حدیث کو غور سے پڑھیں اور پھر سمجھیں کہ وہ ایسی ناشائستہ اور شرم وحیاء کے منافی چیزوں کے ارتکاب سے اللہ کا غضب مول رہی ہیں اور اس کے عتاب کا باعث ہو رہی ہیں۔ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ پاخانہ کرتے وقت اور جماع (ہم بستری) کے وقت زبان سے ذکر اللہ نہ کیا جائے بلکہ دم کے ساتھ کیا جائے۔

342م- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْوَرَّاقُ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِيَاضِ بْنِ هِلَالٍ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى وَهُوَ الصَّوَابُ

◄► یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے۔

342 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:15

342م-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ نَحْوَهُ

◄► یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے۔

بَابُ: النَّهْيِ عَنِ الْبَوْلِ فِي الْمَآءِ الرَّاكِدِ

یہ باب ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت کے بیان میں ہے

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت کا بیان

343-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ نَهَى عَنْ اَنْ يُّبَالَ فِي الْمَآءِ الرَّاكِدِ

◄► حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا ہے۔

شرح

ٹھہرے ہوئے پانی سے مراد وہ پانی ہے جو نہر اور دریا کے پانی کی طرح جاری نہ ہو، جیسے گڑھا، جھیل اور تالاب وغیرہ کا پانی ان میں پیشاب کرنا منع ہے، تو پاخانہ کرنا بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔

ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں ویسے ہی سڑاند پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بدبودار ہو جاتا ہے، اگر اس میں مزید نجاست اور گندگی ڈال دی جائے، تو یہ پانی مزید بدبودار ہو جائے گا، اور اس کی سڑاند سے قرب وجوار کے لوگوں کو تکلیف پہنچے گی، اور صحت عامہ میں خلل پیدا ہوگا، اور ماحول آلودہ ہوگا۔

344-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْخَالِدٍ الْاَحْمَرُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَآءِ الرَّاكِدِ

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''کوئی بھی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے''۔

345-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ فَرْوَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَآءِ

343: اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 653' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 35

344: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 70

345: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

النَّاقِعِ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''کوئی بھی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے''۔

کھڑے یا جاری پانی میں پیشاب کرنے کی ممانعت میں فقہی تصریحات

صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی ناپاکی کی حالت میں ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے (تاکہ پانی ناپاک نہ ہو جائے) لوگوں نے کہا "ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پھر کس طرح نہانا چاہئے؟ انہوں نے فرمایا "اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی (چلو سے) لے کر پانی سے باہر نہانا چاہئے۔

یہاں جس پانی میں پیشاب کرنے اور پھر اس میں نہانے سے روکا جا رہا ہے اس سے ماءِ قلیل یعنی تھوڑا پانی مراد ہے کیونکہ ماء کثیر یعنی زیادہ پانی ماء جاری یعنی بہنے والے پانی کا حکم رکھتا ہے جو پیشاب وغیرہ سے ناپاک نہیں ہوتا اور پھر اس میں نہانا بھی جائز ہے۔

بعض علماء کرام نے کہا کہ ماء کثیر یعنی زیادہ پانی میں بھی پیشاب کرنا ممنوع ہے اگرچہ وہ پانی پیشاب وغیرہ سے نجس نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اس میں کوئی آدمی پیشاب کرے گا تو اس کے دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس میں پیشاب کرنے لگیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عمومی طور پر سب ہی لوگ اس میں پیشاب کرنے کی عادت میں مبتلا ہو جائیں گے جس کی وجہ سے پانی رفتہ رفتہ متغیر (تبدیل) ہو جائے گا یعنی جب اس میں زیادتی اور کثرت سے پیشاب کیا جائے گا تو پانی کا رنگ مزہ اور بو تینوں چیزیں بدل جائیں گی اور پانی اصل حیثیت کھو کر ناپاک ہو جائے گا۔ لہٰذا اب اس حدیث میں مذکورہ حکم کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ پہلی شکل یعنی پانی کم ہونے کی صورت میں تو یہ نہی حرمت کے لئے ہے کیونکہ کم پانی میں پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔

دوسری شکل یعنی پانی زیادہ ہونے کی صورت میں کراہت کے لئے ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اصطلاح شریعت میں " کم پانی" اور زیادہ پانی کی مقدار اور اس کی تحدید کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں انشاء اللہ تعالیٰ اگلے صفحات میں پوری وضاحت کی جائے گی۔ اتے بھی سمجھ لیجئے کہ حدیث میں پانی کے ساتھ جاری یعنی بہنے والے کی قید کیوں لگائی گئی ہے؟ اس قید کی وجہ یہ ہے کہ اگر پانی جاری یعنی بہنے وال ہو تو خواہ کم ہو یا زیادہ ہو اس میں نجاست مثلاً پیشاب وغیرہ پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

نیز علماء کرام نے لکھا ہے کہ یہ تمام تفصیلات دن کے لئے ہیں، رات میں جنابت کے خوف کی وجہ سے مطلقاً اس میں قضائے حاجت مکروہ اور ممنوع ہے کیونکہ جنات رات کو وہیں رہتے ہیں جہاں پانی ہوتا ہے چنانچہ اکثر و بیشتر ندی و نالے اور تالاب جوہڑ اور نہر وغیرہ رات کو جنات کا مسکن ہوتی ہیں۔ حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جنبی پانی میں ہاتھ نکالنے کے لئے ڈالے تو پانی مستعمل یعنی ناقابل استعمال نہیں ہوگا اور اگر وہ پانی میں ہاتھ اس لئے ڈالے تاکہ اپنے ہاتھوں کو ناپاکی دور کرنے کے لئے اس میں دھوئے تو اس شکل میں اپنی مستعمل یعنی ناقابل استعمال ہو جائے گا۔

پیشاب کے احکام اور جدید سائنسی تحقیقات کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہوئے پانی میں پیشاب اور پاخانہ کرنے سے منع فرمایا۔ اس کے طبی اور سائنسی فوائد ملاحظہ فرمائیں۔

کنواں، تالاب، جوہڑ اور جھیل جیسے کھڑے پانی میں اگر قضائے حاجت کی جائے گی تو پانی میں جراثیموں کے داخل ہونے سے تمام پانی آلودہ اور خطرناک امراض کا سبب بن جائے گا۔ اب اگر کوئی ذی روح (پرندے، جانور یا انسان وغیرہ) اس پانی کو پیے گا تو وہ کئی ایک مہلک امراض کا شکار ہو جائے گا مثلاً تپ محرقہ، ٹائی فائیڈ، جراثیمی یرقان، آنتوں کے کیڑوں کے انڈے کی پیدائش، پیراسائٹ اور طفیلی کیڑوں کی پیدائش وغیرہ۔

اس کے علاوہ کھڑے پانی میں پیشاب کرنے والا خود بھی کئی بیماریوں کا شکار ہو سکتا ہے مثلاً پیشاب کے چھینٹے اُڑنے کی وجہ سے ایک قسم کی بھاپ اٹھتی ہے جو پیشاب کرنے والے کو کئی بیماریوں میں مبتلا کر سکتی ہے۔ اس بھاپ سے سونگھنے کی قوت سلب ہو سکتی ہے، آدمی آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہو سکتا ہے اور دماغ و گلے پر بھی گہرا اثر پڑ سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چلتے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ اس کی سائنسی اور طبی وجہ ملاحظہ فرمائیں۔ چلتا پانی جیسے دریا، نہریں اور نالے کیونکہ قریہ قریہ سے گزر کر جاتے ہیں۔ کئی انسان اور جانور اس پانی سے نفع لیتے ہیں۔ اگر فضلے کی وجہ سے یہ پانی آلودہ ہو جائے تو چلتے چلتے جراثیم کا گڑھ بن جاتا ہے اور بیماریاں پھیلاتا جاتا ہے۔ اگر کوئی آدمی اس نہر یا نالے وغیرہ کو پار کرنے کے لیے پانی سے گزرے گا تو اس کا جتنا جسم پانی میں جائے گا اس کو نقصان کا اندیشہ ہے۔ اس پانی سے الرجی، پھوڑے، پھنسیاں اور وبائی خارش وغیرہ بھی پھیلتی ہے۔ اس کے علاوہ جب کوئی شخص چلتے پانی میں پیشاب کرے گا تو اس سے بو اُٹھے گی جو کہ دماغ اور پھیپھڑوں کے لیے انتہائی مضر ہے۔ (اسلامی نظام زندگی، شیخ احمد دیدات)

بَابُ: التَّشْدِيْدِ فِي الْبَوْلِ

یہ باب پیشاب کے حوالے سے شدید تاکید کے بیان میں ہے

پیشاب کے قطروں سے پرہیز کرنے کا بیان

346- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ حَسَنَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِیْ يَدِهِ الدَّرَقَةُ فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَلَسَ فَبَالَ اِلَيْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ انْظُرُوْا اِلَيْهِ يَبُوْلُ كَمَا تَبُوْلُ الْمَرْاَةُ فَسَمِعَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْحَكَ اَمَا عَلِمْتَ مَا اَصَابَ صَاحِبَ بَنِیْ اِسْرَآئِيْلَ كَانُوْا اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَوْلُ قَرَضُوْهُ بِالْمَقَارِيْضِ فَنَهَاهُمْ عَنْ ذٰلِكَ فَعُذِّبَ فِیْ قَبْرِهٖ

346 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 22 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 30

قَالَ اَبُو الْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا اَبُو حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسٰى اَنْبَاَنَا الْاَعْمَشُ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

◆◆ حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک ڈھال تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈھال کی طرف رخ کر کے پیشاب کیا۔ کسی (غیر مسلم یا کسی منافق نے) یہ کہا ان کی طرف دیکھو یہ یوں پیشاب کر رہے ہیں جس طرح عورت (پردہ کر کے) پیشاب کرتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی یہ بات سن لی اور فرمایا: تمہارا ستیاناس ہو کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھنے والے ایک فرد کو کیا مصیبت لاحق ہوئی تھی؟

بنی اسرائیل کا یہ معمول تھا کہ جب ان کے کپڑوں پر پیشاب لگ جاتا تھا' تو وہ قینچی کے ذریعے اسے کاٹ دیتے تھے اس شخص نے انہیں اس سے منع کیا' تو اس شخص کو اس کی قبر میں عذاب دیا گیا۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شرح

بنی اسرائیل کی شریعت میں تھا کہ اگر کسی آدمی کے بدن میں نجاست لگ جاتی تو اتنے حصہ کے گوشت کو چھیل ڈالتے تھے اور اگر کپڑے پر لگ گئی تو اس جگہ سے کپڑا کاٹ ڈالتے تھے مگر ان میں سے ایک آدمی نے اپنی شریعت کے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا اور وہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے روکا کرتا تھا لہٰذا اس بنا پر اسے عذاب قبر میں مبتلا کیا گیا۔ اسی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ بنی اسرائیل کی شریعت کا وہ قاعدہ اگرچہ شرعی اعتبار سے پسندیدہ تھا مگر چونکہ اس میں مال اور جان کا ضرر ہوتا تھا اس لئے خلاف عقل و دانائی تھا مگر اس کے باوجود شریعت کے اس حکم کو نہ ماننے اور دوسرے لوگوں کو اس سے روکنے پر جب اس آدمی پر عذاب قبر نازل کیا گیا تو شرم وحیاء نہ کرنا بطریق اولیٰ عذاب کا سبب ہے کیونکہ پیشاب کے وقت پردہ کرنا اور شرم کرنا نہ صرف یہ کہ از راہ شریعت پسندیدہ اور بہتر چیز ہے بلکہ عقل و دانائی کے اعتبار سے بھی اولیٰ وافضل ہے۔

پیشاب سے نہ بچنے کا حکم اور ائمہ کرام کی تصریحات کا بیان

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے اور فرمایا: "ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے، اور انہیں کسی بڑی چیز کی بنا پر عذاب نہیں ہو رہا، یا یہ فرمایا: پھر فرمایا: کیوں نہیں، ان میں سے ایک شخص تو پیشاب سے بچتا نہیں تھا، اور دوسرا شخص چغلی اور غیب کرتا تھا"

اور صحیح مسلم میں بھی یہی حدیث وارد ہے، اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اور دوسرا شخص پیشاب سے بچتا نہیں تھا"

میرا سوال یہ ہے کہ حدیث میں استتار اور تنزہ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس میں کیا فرق ہے، اور دونوں روایتوں میں موافقت کیسے دی جا سکتی ہے؟

یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے باغوں میں سے ایک باغ کے پاس سے گزرے تو دو انسانوں کو ان کی قبر میں عذاب دیے جانے کی آواز سنی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور انہیں عذاب کسی بڑی چیز کی بنا پر نہیں ہو رہا، پھر فرمایا: کیوں نہیں، ان میں سے ایک شخص تو اپنے پیشاب سے بچتا نہیں تھا، اور دوسرا چغلی اور غیبت کرتا تھا، پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک سبز ٹہنی منگوائی اور اسے دو ٹکڑے کر کے ہر قبر پر ایک ٹکڑا رکھ دیا۔

کسی نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امید ہے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوگی یا ان کے خشک ہونے تک ان پر تخفیف کی جائیگی"

صحیح بخاری، رقم الحدیث، (216) صحیح مسلم، رقم الحدیث، (292)

علامہ بدالدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کرنا بہتر ہے پیشاب (کی چھینٹوں) سے اجتناب کرو کیوں کہ عموماً عذاب قبر پیشاب کے سبب سے ہوتا ہے۔ یہ حدیث امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ اور امام ابن خزیمہ اور دیگر ائمہ حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس حدیث کی وعید کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر قسم کے پیشاب سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ (علامہ بدرالدین عینی حنفی، عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ لا یستنزہ عن البول او من البول " اور نسائی کی روایت میں ہے: لا یستبرء من بولہ "

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "لا یستتر من بولہ " اس میں تین روایات ہیں: " یستتر " دو تاء کے ساتھ اور "یستنزہ " زاء اور ہاء کے ساتھ اور "یستبرء " باء اور ہمزہ کے ساتھ، یہ سب روایات صحیح ہیں اور ان کا معنی یہ ہے کہ وہ پیشاب کے چھینٹوں سے اجتناب اور احتراز نہیں کرتا تھا۔ (شرح مسلم للنووی (3 201)

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ قولہ: " لا یستتر " اکثر روایات میں ایسا ہی ہے، اور ابن عساکر کی روایت میں "یستبرء " کے لفظ ہیں، اور مسلم اور ابوداود کی اعمش سے مروی روایت میں " یستنزہ " کے لفظ ہیں۔

اکثر روایات کی بنا پر "یستتر " کا معنی یہ ہوگا کہ: وہ اپنے اور پیشاب کے درمیان آڑ نہیں کرتا تھا یعنی وہ اس کے چھینٹوں حفاظت نہیں کرتا تھا، تو لا یستنزہ والی روایت کے موافق ہو جائیگا کیونکہ تنزہ ابعاد کو کہا جاتا ہے۔

اور ابو نعیم کی المستخرج میں وکیع عن الاعمش کے طریق سے روایت میں ہے کہ: "لا یتوقع " اور یہ تفسیر ہے کہ اس سے کیا مراد ہے، اور بعض علماء نے اسے اپنے ظاہر پر ہی رکھتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے کہ وہ اپنی شرمگاہ نہیں چھپاتا تھا۔ اور "الاستبراء " والی روایت تو بچاؤ کے اعتبار سے زیادہ بلیغ ہے۔ ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ: اگر استتار کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو یہ لازم آتا ہے کہ صرف شرمگاہ ننگی کرنا ہی مذکورہ عذاب کا سبب ہے، اور حدیث کا سیاق وسباق اس کی دلیل ہے کہ عذاب قبر کا باعث تو خاص پیشاب تھا، اس کی طرف اشارہ کرتا ہے جسے ابن خزیمہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کو صحیح کہا ہے کہ: " قبر کا اکثر عذاب

پیشاب سے بے احتیاطی پیشاب سے نہ بچنا عذاب قبر کا باعث ہے، وہ کہتے ہیں: اس کی تائید حدیث میں "من" کے الفاظ لانے سے ہوتی ہے کیونکہ "من" تعلیل اور سببیت کا حرف ہے، تو اس کی نسبت کا معنی یہ ہوگا کہ "من" حرف سببیہ ہے اور عذاب کا سبب ہے۔

دوسرے معنی میں یہ ہے کہ عذاب کا ابتدائی سبب پیشاب ہے، اور اگر اسے صرف شرمگاہ ننگی کرنے پر ہی محمول کر لیا جائے تو یہ معنی زائل ہو جائیگا، تو اسے مجاز پر محمول کرنا متعین ہو گیا تاکہ سب احادیث کے الفاظ ایک معنی پر جمع ہو جائیں، کیونکہ اس کا مخرج ایک ہی ہے، اور اس کی تائید مسند احمد کی ابو بکرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ہوتی ہے، جو کہ ابن ماجہ میں بھی ہے۔ "ان میں سے ایک کو پیشاب کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔"

اور اسی طرح انس رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں حدیث صحیح ہے۔ (فتح الباری ج1 ص318)

صنعانی کہتے ہیں۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ان میں سے ایک کے عذاب کا سبب یہ تھا کہ: "اس لیے کہ وہ پیشاب سے اجتناب اور بچاؤ نہیں کرتا تھا" اس لیے کہ وہ اپنے پیشاب سے پردہ نہیں کرتا تھا یعنی وہ اپنے اور اپنے پیشاب کے درمیان آڑ نہیں کرتا تھا کہ چھینٹے پڑنے سے بچ سکے، یا اس لیے کہ وہ بچتا نہیں تھا، یہ سب الفاظ روایات میں وارد ہیں، اور سب کے سب پیشاب سے نہ بچنے اور اس کے چھینٹوں سے نہ بچنے کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ (سبل السلام ج1 ص119-120)

خلاصہ یہ ہوا کہ مختلف روایات کے الفاظ یہ ہیں:

"لا یستتر" اور "لا یستبرئ" اور "لا یستنزہ" یہ سب الفاظ ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ آئمہ کرام کی کلام سے واضح ہو چکا ہے، اور ان میں اشتقاق اصل تحریر اور اس کے لغوی اشتقاق میں ہے، لہذا کلمہ "لا یستتر" "استتار" سے ہے، اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے اور اپنے پیشاب کے درمیان آڑ نہیں کرتا تھا۔

اور "لا یستبرئ" "استبراء" سے ہے جو کہ صفائی اور فراغت کے معنی ہے، اور "لا یستنزہ" کا لفظ تنزہ سے ہے اور اس کا معنی بعد و دوری ہے۔

پیشاب کے سبب عذاب قبر ہونے کا بیان

347 حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ جَدِيدَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنْ بَوْلِهِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا' ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور (بظاہر) کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا (پھر آپ ﷺ نے خود ہی وضاحت کی)' ان میں سے ایک پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔

---

347 أخرجه البخاري في "الصحيح" رقم الحديث: 218، ورقم الحديث: 1361، ورقم الحديث: 1378، ورقم الحديث: 6052، أخرجه مسلم في "الصحيح" رقم الحديث: 675، أخرجه أبو داؤد في "السنن" رقم الحديث: 20، أخرجه الترمذي في "الجامع" رقم الحديث: 70، أخرجه النسائي في "السنن" رقم الحديث: 31، ورقم الحديث: 2068

348-حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا اَبُوعَوَانَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرُ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "زیادہ تر قبر کا عذاب پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے"۔

349-حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْاَسْوَدُ بْنُ شَيْبَانَ حَدَّثَنِي بَحْرُ بْنُ مَرَّارٍ عَنْ جَدِّهِ اَبِي بَكْرَةَ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَيُعَذَّبُ فِي الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُعَذَّبُ فِي الْغِيبَةِ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے' اور ان دونوں کو کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ہے ان میں سے ایک شخص کو پیشاب کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اور دوسرے کو غیبت کرنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے۔

شرح

وہ عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے کا مطلب ہے کہ ان کے خیال میں یہ کوئی بڑا گناہ نہیں تھا، ورنہ شریعت کی نگاہ میں تو وہ بڑا گناہ ہی تھا، اگر بڑا نہ ہوتا تو انہیں عذاب کیوں دیا جاتا، مطلب یہ ہے کہ ان سے بچنا کوئی بہت مشکل مسئلہ نہ تھا وہ چاہتے تو آسانی سے اس سے بچ سکتے تھے۔

بَابُ: الرَّجُلِ يُسَلَّمُ عَلَيْهِ وَهُوَ يَبُوْلُ

یہ باب ہے کہ جب کوئی شخص پیشاب کر رہا ہو اور اس دوران اسے سلام کیا جائے

وضو کر کے سلام کرنے کا بیان

350-حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الطَّلْحِيُّ وَاَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الدَّارِمِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ حُضَيْنِ بْنِ الْمُنْذِرِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ وَعْلَةَ اَبِي سَاسَانَ الرَّقَاشِيِّ عَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ جُدْعَانَ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَوَضَّاُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ وُضُوْئِهِ قَالَ اِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي مِنْ اَنْ اَرُدَّ اِلَيْكَ اِلَّا اَنِّي كُنْتُ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ

قَالَ اَبُو الْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا اَبُوحَاتِمٍ حَدَّثَنَا الْاَنْصَارِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ اَبِي عَرُوْبَةَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

349: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

350 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 17 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 38

حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت وضو کررہے تھے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب نہیں دیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر کے فارغ ہوئے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں جواب اس لیے نہیں دیا تھا کیونکہ میں اس وقت بے وضو حالت میں تھا۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شرح

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے بغیر سلام کا جواب دینا پسند نہیں فرماتے تھے اگر کوئی سلام کرتا اور آپ کا وضو نہ ہوتا تو تیمم فرمالیتے ،اس حدیث کی روشنی میں لا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه (حدیث) کو دیکھا جائے تو اس کے مفہوم کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے موقف کی برتری ثابت واضح ہوجاتی ہے۔ مذکورہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ سے دارمی میں حضرت ابوسعید سے مروی ہے اس کے باعث امام احمد بن حنبل وضو سے پہلے تسمیہ کا پڑھنا واجب اور وضو کی شرط بتاتے ہیں، جبکہ جمہور نے ترک تسمیہ کمال پر محمول کیا ہے کیونکہ ارشاد خداوندی اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم کو دیکھیے۔ اگر تسمیہ وضو کی شرط ہوتی تو اس کا ذکر فاغسلوا وجوھکم سے پہلے ہوتا، معلوم ہوا کہ وضو سے پہلے تسمیہ کا پڑھنا ضروری نہیں ہاں باعث تکمیل وضو ہونے کے سبب مستحب یا سنت ہے

351- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا مَسْلَمَةُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِيْ كَثِيْرٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُوْلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ فَلَمَّا فَرَغَ ضَرَبَ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ فَتَيَمَّمَ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت پیشاب کررہے تھے اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر تیمم کیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے سلام کا جواب دیا۔

352- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ هَاشِمِ بْنِ الْبَرِيْدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيْلٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَجُلًا مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُوْلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتَنِيْ عَلٰى مِثْلِ هٰذِهِ الْحَالَةِ فَلَا تُسَلِّمْ عَلَيَّ فَاِنَّكَ اِنْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ لَمْ اَرُدَّ عَلَيْكَ

351۔اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

352 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا آپ ﷺ اس وقت پیشاب کر رہے تھے اس شخص نے آپ ﷺ کو سلام کیا' تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: ''جب تم مجھے اس طرح کی حالت میں دیکھو تو مجھے سلام نہ کیا کرو' اگر تم ایسا کرو گے' تو میں تمہیں سلام کا جواب نہیں دوں گا''۔

353-حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ وَّالْحُسَيْنُ بْنُ اَبِى السَّرِىِّ الْعَسْقَلَانِىُّ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاوُدَ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُوْلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا' نبی کریم ﷺ اس وقت پیشاب کر رہے تھے اس شخص نے آپ ﷺ کو سلام کیا' تو نبی کریم ﷺ نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا۔

شرح

سلام کا جواب نہیں دیا'' کا مطلب یہ ہے کہ فوری طور پر جواب نہیں دیا، نہ کہ مطلقاً جواب ہی نہیں دیا، کیونکہ حدیث میں گزر چکا ہے کہ پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ہتھیلیاں زمین پر ماریں اور تیمم کیا، اس کے بعد سلام کا جواب دیا، اور سنن نسائی میں مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "**فلم یرد علیہ السلام حتی توضأ فلما توضأ رد علیہ**" وضو کرنے تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواب نہ دیا، پھر جب وضو کرلیا تو سلام کا جواب دیا۔

بَابُ: الِاسْتِنْجَاءِ بِالْمَآءِ

یہ باب پانی کے ذریعے استنجاء کرنے کے بیان میں ہے

پانی سے استنجاء کرنے کی فضیلت کا بیان

354-حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِىِّ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ قَطُّ اِلَّا مَسَّ مَآءً

سیدہ عائشہ صدیقہ ﷺ بیان کرتی ہیں میں نے کبھی نبی کریم ﷺ کو بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے ہوئے نہیں دیکھا مگر یہ کہ آپ ﷺ پانی استعمال کیا کرتے تھے (یعنی آپ ﷺ ہمیشہ ایسا کرتے تھے)

353: اخرجہ مسلم فی الصحیح'' رقم الحدیث 821' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 16' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 90' ورقم الحدیث: 2720' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 37

354-اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

355-اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

355-حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا عُتْبَةُ بْنُ اَبِىْ حَكِيمٍ حَدَّثَنِىْ طَلْحَةُ بْنُ نَافِعٍ اَبُوْسُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبُوْاَيُّوْبَ الْاَنْصَارِىُّ وَجَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَاَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ نَزَلَتْ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَثْنٰى عَلَيْكُمْ فِى الطُّهُوْرِ فَمَا طُهُوْرُكُمْ قَالُوْا نَتَوَضَّاُ لِلصَّلٰوةِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَنَسْتَنْجِىْ بِالْمَآءِ قَالَ فَهُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ

◆◆ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ بات بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی: "اس میں ایسے لوگ ہیں جو اس بات کو پسند کرتے ہیں' وہ اچھی طرح سے پاکیزگی حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ اچھی طرح سے پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے انصار کے گروہ! اللہ تعالیٰ نے طہارت کے حصول کے حوالے سے تمہاری تعریف کی ہے' تو تمہارا طہارت کے حصول کا طریقہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: ہم نماز کے لیے وضو کرتے ہیں' جنابت کے بعد غسل کرتے ہیں اور پانی کے ذریعے استنجاء کرتے ہیں' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہی وجہ ہوگی' تو تم اس کو اپنے اوپر لازم رکھنا۔

356-حَدَّثَنَا عَلِىُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ جَابِرٍ عَنْ زَيْدٍ الْعَمِّىِّ عَنْ اَبِى الصِّدِّيقِ النَّاجِىِّ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْسِلُ مَقْعَدَتَهُ ثَلَاثًا قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَعَلْنَاهُ فَوَجَدْنَاهُ دَوَاءً وَّطُهُوْرًا قَالَ اَبُوالْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا اَبُوحَاتِمٍ وَّاِبْرٰهِيْمُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْوَاسِطِىُّ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْنُعَيْمٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ نَحْوَهُ

◆◆ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء کے مقام کو تین مرتبہ دھویا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بات بیان کی ہے ہم نے بھی ایسا کیا ہے' تو ہم نے اس عمل کو ایسا پایا کہ یہ دوا بھی ہے اور طہارت کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

357-حَدَّثَنَا اَبُوْكُرَيْبٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ بْنِ اَبِىْ مَيْمُوْنَةَ عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَتْ فِىْ اَهْلِ قُبَاءَ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ قَالَ كَانُوْا يَسْتَنْجُوْنَ بِالْمَآءِ فَنَزَلَتْ فِيْهِمْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: یہ آیت اہل قبا کے بارے میں

356۔اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

357 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 44' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:3100

نازل ہوئی۔''اس میں ایسے لوگ ہیں جو اس بات کو پسند کرتے ہیں: وہ اچھی طرح سے طہارت حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ اچھی طرح سے طہارت حاصل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' راوی بیان کرتے ہیں: وہ لوگ پانی کے ذریعے استنجاء کرتے تھے' تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

استنجاء کرنے کے طریقے کا بیان

قضاء حاجت سے فارغ ہونے کے بعد پہلے بائیں ہاتھ کو دھولے اور بائیں ہاتھ کی تین انگلیوں کے پیٹ سے استنجاء کرے انگلیوں کے پوروں سے نہیں اور تین سے زیادہ انگلیاں استعمال نہ کرے۔ پہلے پیشاب کا مقام پھر پاخانہ کا مقام دھوئے آہستہ آہستہ پانی ڈالے ابتداء میں بیچ کی انگلی اونچی رکھے پھر وہ انگلی جو اس سے متصل ہو پھر چھوٹی انگلی اونچی رکھے اور اچھی طرح دھوئے یہاں تک کہ چکنائی دور ہو جائے۔ بعد ازاں مٹی یا صابن وغیرہ سے ہاتھ دھو لینا بہتر ہے استنجاء کے وقت پانی آہستہ آہستہ ڈال کر دھوئے تا کہ پانی کی چھینٹیں جسم پر نہ آئیں۔ (فتاوی عالمگیری ج1)

پاخانہ یا پیشاب کرنے کے بعد جو ناپاکی بدن پر لگی رہے اسکے پاک کرنے کو۔ استنجا کہتے ہیں پیشاب کرنے کے بعد مٹی کے پاک ڈھیلے سے پیشاب کے مخرج کے سکھانا چاہیے اس کے بعد پانی سے دھوڈالنا چاہیے۔ پاخانہ کے بعد مٹی کے تین ڈھیلوں سے پاخانہ کے مقام کو صاف کرے پھر پانی سے دھوڈالے۔ استنجا ان چیزوں سے جائز ہے جو پتھر کی طرح صاف کرنے والی ہیں، جیسے پاک مٹی کا ڈھیلا، ریت، لکڑی، پھٹا ہوا بے قیمت کپڑا و چیڑا اور اس کے سوا ایسی چیزیں جو پاک ہوں اور نجاست کو دور کر دیں بشرطیکہ قیمت والی اور احترام۔والی نہ ہوں۔ پاک مٹی کو ڈھیلوں سے استنجا کرنا سنت ہے ڈھیلے سے استنجا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں طرف زور دیکر بیٹھے، قبلہ کی طرف منھ نہ ہو، اور ہوا، سورج اور چاند کی طرف سے بھی بچ جائے، تین یا پانچ یا سات مٹی کے ڈھیلے اپنے ساتھ لے جائے صاف کرتے وقت پہلے ڈھیلے کو آگے سے پیچھے کی طرف لے جائے اور دوسرے کو پیچھے سے آگے کی طرف لائے پھر تیسرے کو پیچھے کی طرف لے جائے۔ یہ طریقہ گرمی کے موسم کا ہے لیکن جاڑوں میں اس کے برخلاف، پہلے ڈھیلے کو پیچھے سے آگے کی طرف لائے اور دوسرے کو پیچھے لے جائے اور تیسرے کو آگے لائے اور عورت ہمیشہ وہی طریقہ کرے جو مرد جاڑوں میں کرتا ہے۔ اور طریقہ مقصود نہیں بلکہ صفائی کا مددگار ہے اصل مقصود صفائی اور پاکی ہے خواہ جس طریقہ سے بھی حاصل ہو جائے۔ اگر ایک یا دو ڈھیلے سے صفائی حاصل ہو جاتی ہے تو تین کی گنتی پوری کرلے اور اگر تین سے بھی صفائی حاصل نہ ہو اور چار سے حاصل ہو تو پانچواں ڈھیلا اور لے تا کہ طاق ہو جائیں کیونکہ طاق عدد کا استعمال مستحب ہے۔

بَابُ: مَنْ دَلَكَ يَدَهُ بِالْاَرْضِ بَعْدَ الِاسْتِنْجَاءِ

یہ باب استنجاء کرنے کے بعد ہاتھ زمین پر رگڑنے والے کے بیان میں ہے

358- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ بْنِ

358، خرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:45

جَرِيْرٍ عَنْ اَبِيْ زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيْرٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى حَاجَتَهٗ ثُمَّ اسْتَنْجٰى مِنْ تَوْرٍ ثُمَّ دَلَكَ يَدَهٗ بِالْاَرْضِ

قَالَ اَبُوالْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْحَاتِمٍ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْوَاسِطِيُّ عَنْ شَرِيْكٍ نَحْوَهٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن کے ذریعے استنجاء کیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک کو زمین پر مل لیا۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شرح

نجاست والی جگہ کو پانی اور ہر ایسی بہنے والی چیز کے ذریعے پاک کرنا جائز ہے۔ جس کے ذریعے اس نجاست کو دور کرنا ممکن ہو۔ مثال کے طور پر سرکہ اور عرق گلاب اور جب موزے کو ایسی نجاست لگ گئی جس کے لئے جسم ہے۔ یعنی جسم رکھنے والی ہے۔ پس وہ خشک ہوگئی تو اس نے اس نجاست کو زمین کے ساتھ رگڑ کر صاف کر لیا تو ایسے موزے میں نماز پڑھنا جائز ہے اور منی نجاست ہے۔ تر منی کا دھونا واجب ہے۔

پس جب منی کپڑے پر لگ کر سوکھ گئی تو اس کو اس کپڑے سے کھرچ دینا (مل دینا) کافی ہوگا اور جب نجاست شیشے یا تلوار کو لگ گئی تو اس نجاست کو ان سے پونچھ کر صاف کر دینا ہی کفایت کرے گا اور اگر نجاست زمین پر لگی پھر دھوپ کی وجہ سے خشک ہوگئی اور اس کا اثر ختم ہوگیا تو ایسی جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے جبکہ اسی جگہ سے تیمم کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اور وہ چیز جسے گاڑھی نجاست لگ جائے مثلاً خون' پیشاب (بول) پاخانہ اور شراب اور یہ ایک درہم کی مقدار ہوں۔ یا اس سے بھی کم ہوں تو اس چیز کے ساتھ نماز پڑھ لینا جائز ہوگا اور اگر اس سے زیادہ ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا اور اگر کسی چیز کو ہلکی نجاست مثلاً وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب لگ جائے تو اس کے ساتھ نماز پڑھ لینا جائز ہوگا مگر جب تک وہ نجاست کپڑے کے چوتھے حصے تک نہ پہنچی ہو اور وہ نجاست جسے دھونا واجب ہے۔

اس سے پاکیزگی حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ پس وہ نجاست جو ہو بہو جوں کی توں دکھائی دیتی ہو۔ اس سے چیز کا پاک ہونا اس سے نجاست کی اصل کا ختم ہونا ہے یعنی جیسے وہ ہو بہو نظر آ رہی تھی وہ چیز نہ رہے مگر یہ کہ اس نجاست کا ایسا نشان باقی رہ جائے جسے صرف پانی کے ساتھ ختم کرنا مشکل ہو، تو کوئی حرج نہیں، اور وہ نجاست جو ہو بہو نظر نہ آتی ہو تو ایسی نجاست سے کسی چیز کا پاک ہونا یہ ہے کہ وہ اسے دھوئے یہاں تک کہ دھونے والے کے گمان پر یہ بات غالب آ جائے کہ بے شک اب وہ شئے پاک ہوگئی ہے۔ (قدوری، کتاب طہارت، لاہور)

زمین کی رگڑ کے ساتھ نجاست کو صاف کرنے میں فقہی مذاہب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جب تم میں سے کوئی اپنے

جوتوں کے ساتھ گندگی پر چلے تو مٹی اس کو پاک کرنے والی ہے (ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی اسی کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔(مشکوٰۃ شریف: جلداول: رقم الحدیث، 470)

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی جوتے پہنے ہوئے چل رہا ہے اتفاق سے کسی جگہ گندگی پڑی ہوئی تھی وہ اس کے جوتوں پر لگ گئی اب پھر وہ جب پاک اور صاف زمین پر چلے گا تو مٹی سے رگڑ کھانے کی وجہ سے اس کا جوتا پاک ہو جائے گا اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ایک شاگرد حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں گندگی سے مراد جو جسم والی اور خشک ہو یعنی اگر کسی راہ چلتے کے جوتے یا موزے میں ایسی گندگی لگ جائے جو جسم والی ہو اور خشک ہو تو پاک زمین پر رگڑ دینے سے وہ جوتا یا موزہ پاک ہو جائے گا اور اگر گندگی خشک نہ ہو تو پھر رگڑنے سے گندگی زائل نہیں ہوگی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوسرے شاگرد رشید حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث کی مراد عام ہے یعنی گندگی خواہ خشک ہو یا تر زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جائے گی مگر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پہلا قول ہے ان کا جدید مسلک یہ ہے کہ اس گندگی کو ہر حال میں پانی سے دھونا چاہئے زمین پر رگڑنے سے پاک نہیں ہوگی۔

فقہ حنفی میں فتویٰ حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ ہی کے قول پر ہے جو کہ جوتے یا موزے پر اگر تن دار نجاست لگ جائے خواہ وہ خشک ہو یا تر ہو تو زمین پر خوب اچھی طرح رگڑ دینے سے موزہ یا جوتا پاک ہو جائے گا۔

یہ سمجھ لیجئے کہ اس مسئلے میں علماء کرام کا یہ اختلاف تن دار نجاست جیسے گوبر وغیرہ ہی کے بارے میں ہے کیونکہ غیر تن دار نجاست مثلاً پیشاب و شراب کے بارے میں سب کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ اسے دھونا ہی واجب ہے۔

ستر کو چھپانے والی جگہ پر قضائے حاجت کیلئے جانے کا بیان

359- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا اَبُوْنُعَيْمٍ حَدَّثَنَا اَبَانُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنِى اِبْرٰهِيْمُ بْنُ جَرِيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ نَبِىَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْغَيْضَةَ فَقَضٰى حَاجَتَهٗ فَاَتَاهُ جَرِيْرٌ بِاِدَاوَةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَاسْتَنْجٰى مِنْهَا وَمَسَحَ يَدَهٗ بِالتُّرَابِ

ابراہیم بن جریر اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ درختوں کے جھنڈ میں تشریف لے گئے' آپ ﷺ نے قضائے حاجت کی' حضرت جریر رضی اللہ عنہ پانی کا برتن لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' تو نبی کریم ﷺ نے اس کے ذریعے استنجاء کیا' پھر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کو مٹی پر مل لیا۔

359 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 51

قضائے حاجت کے طریقے کا بیان

جب کوئی شخص بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ کرے، تو اس کے لیے مناسب ہے کہ ایسے وقت میں ہی چلا جائے جب اس پر قضائے حاجت کا بہت زیادہ تقاضا نہ ہو؛ بلکہ یہ شخص اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے پہلے ہی بیت الخلاء میں داخل ہو جائے، اس دوران یہ شخص اپنے ساتھ کوئی ایسی چیز جس پر اللہ کا نام (یا قرآن پاک کی آیت وغیرہ لکھی ہوئی) ہو، نہ لے جائے، اور ننگے سر بھی نہ جائے، جب دروازے کے پاس پہنچ جائے تو بیت الخلاء میں داخل ہونے والی دعا پڑھنے سے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے، پھر دعائے ماثورہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ پڑھے، پھر بایاں پاؤں اندر داخل کرے، پھر زمین کے قریب ہو کر ستر کھولے، پھر اپنے پاؤں کو قدرے کشادہ کر کے اس طرح بیٹھے کہ اس کے بدن کا زیادہ وزن بائیں پاؤں پر ہو، اس حالت میں یہ شخص اُخروی امور (مثلاً: علم دین، فقہ وغیرہ) کے بارے میں نہ سوچے، کوئی شخص اس کو سلام کرے تو اُسے جواب نہ دے، موذن کی آواز اس کے کانوں میں پڑے تو اُس کا جواب نہ دے، اس حالت میں اس کو چھینک آئے تو الحمد للہ نہ کہے، اپنے اعضائے مستورہ کی طرف نظر نہ کرے، بدن سے نکلنے والی گندگی کی طرف بھی نہ دیکھے، پاخانہ پر تھوک، ناک کی رینٹھ، اور بلغم وغیرہ نہ تھوکے، بہت زیادہ دیر تک وہاں نہ بیٹھے، آسمان کی طرف نہ دیکھے، بلکہ معتدل کیفیت کے ساتھ رہے، پھر جسم سے خارج ہونے والی نجاست کو پانی ڈال کر اچھی طرح بہا دے۔

پھر جب فارغ ہو جائے تو شرمگاہ کے نیچے کی جانب موجود رگ پر اپنی انگلی پھیر کے اُسے اچھی طرح پیشاب کے قطروں سے خالی کر دے، پھر تین پتھروں سے اپنے عضو سے نجاست دور کرے، پھر فارغ ہو کے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے پہلے اپنے ستر عورت کو چھپالے، پھر اپنا دایاں پاؤں بیت الخلاء سے باہر نکال کر قضائے حاجت کے بعد کی دعا پڑھے غُفْرَانَكَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیْ الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔ (رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الطھارۃ، باب الانجاس، دار عالم الکتب)

قضائے حاجت کے وقت کی احتیاطیں

تکمیل عبادات کے لیے چوں کہ طہارتِ کاملہ ضروری ہے؛ اس لیے قضائے حاجت سے فراغت پر استنجاء کرتے وقت مبالغے کی حد تک اپنے آپ کو پیشاب کے قطروں اور ناپاکی سے بچانا ضروری ہے، بالخصوص موجودہ دور میں جب کہ پختہ بیت الخلاء اور پانی سے استنجاء کرنے کا معمول عام ہو چکا ہے، احتیاط لازم ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جیسے ہی بیت الخلاء میں داخل ہو، اسی وقت ٹونٹی کھول کے پانی کے ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ کرلے۔

بَابُ: تَغْطِيَةِ الْإِنَاءِ

یہ باب برتنوں کو ڈھانپ کر رکھنے کے بیان میں ہے

برتنوں کو صفائی کیلئے ڈھانپ رکھنے کا بیان

360- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا يَعْلَى بْنُ عُبَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ اَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُوكِيَ اَسْقِيَتَنَا وَنُغَطِّيَ اٰنِيَتَنَا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ ہدایت کی تھی کہ ہم اپنے مشکیزوں کے منہ بند رکھیں اور اپنے برتنوں کو ڈھانپ کر رکھیں۔

شرح

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جب رات کی تاریکی پھیل جائے یا یہ فرمایا کہ جب شام ہو جائے تو تم اپنے بچوں کو (گھر سے نکلنے اور گلی کوچوں میں پھرنے سے) روک دو کیونکہ اس وقت شیطان یعنی جنات چاروں طرف پھیل جاتے ہیں، پھر جب رات کی ایک گھڑی گزر جائے تو بچوں کو (کہیں آنے جانے کے لئے) چھوڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، نیز اللہ کا نام لے کر (یعنی بسم اللہ پڑھ کر) دروازوں کو بند کر دو۔

کیونکہ (بسم اللہ پڑھ کر) بند (کئے گئے) دروازوں کو شیطان نہیں کھولتا (باوجودیکہ شیاطین اور جنات کو اس پر قدرت حاصل ہے کہ وہ دروازوں اور دیواروں میں بیٹھ جائیں، لیکن اللہ کے ذکر کے سبب وہ بیٹھنے کی مجال نہیں رکھتے) اور اللہ کا نام لے کر (ان) مشکیزوں کے منہ باندھ دو (جن میں پانی موجود ہوتا کہ ان میں کیڑا و پتنگا وغیرہ نہ گھس جائے) اور اللہ کا نام لے کر اپنے برتنوں کو ڈھانک دو اور خواہ برتن پر عرضاً ہی کوئی چیز رکھ دو (یعنی اگر برتن پر ڈھکنے کے لئے کوئی ایسی چیز موجود نہ ہو جس سے اس برتن کا پورا منہ چھپ سکے تو اس پر عرضاً کوئی لکڑی وغیرہ رکھ دو اگرچہ اس صورت میں برتن پوری طرح نہیں ڈھکے گا لیکن اس طرح کم سے کم کراہت تو ختم ہو ہی جائے گی اور اس حکم کی برکت سے برتن میں موجود کھانے پینے کی چیز اس ضرر و نقصان سے بچ جائے گی جو برتن کے بالکل کھلے ہوئے ہونے کی صورت میں یقینی ہوتا جیسے شیطان کا تصرف) اور (سوتے وقت) اپنے چراغوں کو بجھا دو۔"

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: رقم الحدیث، 231)

اور مذکورہ بالا روایت تو یکساں الفاظ میں بخاری و مسلم میں منقول ہے ہی لیکن یہ مضمون مختلف الفاظ کے ساتھ بخاری و مسلم نے الگ الگ بھی نقل کیا ہے چنانچہ) بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "برتنوں کو ڈھانک دیا کرو، مشکیزوں کے منہ باندھ دیا کرو، دروازوں کو بند کر دیا کرو اور اپنے بچوں کو اپنے پاس بٹھائے رکھو (ان کو ادھر ادھر نہ جانے دو) جب کہ شام ہو جائے کیونکہ (اس وقت) جنات چاروں طرف پھیل جاتے ہیں اور اچک لیتے ہیں اور سوتے سوتے چراغوں کو بجھا

360 اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث 3412

دیا کرو کیونکہ (اکثر یا بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ) چوہا بتی کو کھینچ لے جاتا ہے اور گھر والوں کو جلا دیتا ہے۔" اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "برتنوں کو ڈھانک دیا کرو" مشکیزوں کے منہ باندھ دیا کرو دروازوں کو بند کر دیا کرو اور چراغوں کو بجھا دیا کرو، کیونکہ (اللہ کا نام لینے کی وجہ سے) شیطان (بندھے ہوئے) مشکیزوں کو نہیں، کھولتا اور نہ (بند) دروازوں کو کھولتا ہے اور نہ ڈھانکے ہوئے) برتنوں کو کھولتا ہے۔ اگر تم میں سے کسی کو (ڈھانکنے کے لئے کوئی چیز) نہ ملے لاَّ یہ کہ وہ اللہ کا نام لے کر برتن کے منہ پر عرضا لکڑی ہی رکھ سکتا ہو تو وہ ایسا ہی کر لے (یعنی بسم اللہ پڑھ کر برتن کے منہ پر کوئی لکڑی ہی رکھ دے) اور (سوتے وقت چراغ کو اس لئے بجھا دیا کرو) کہ (چوہا چراغ کی بتی کو کھینچ کر) گھر والوں پر ان کے گھر کو بھڑکا دیتا ہے۔ (یعنی چوہا جلی ہوئی بتی کو لے جا کر کسی ایسی جگہ ڈال دیتا ہے، جہاں کسی چیز میں آگ لگ جاتی ہے اور پھر سارا گھر جل جاتا ہے۔ اور مسلم کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "برتن کو ڈھانک دیا کرو اور مشکیزہ کا منہ بند نہیں ہوتا اس وبا کا کچھ حصہ اس میں بھی داخل ہو جاتا ہے۔

متفق علیہ روایت کے بعد بخاری کی جو روایت نقل کی گئی ہے اور اس میں عند المساء (جب کہ شام ہو جائے) کا جو لفظ مذکور ہوا ہے۔ اس کے بارے میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا تعلق ساری مذکورہ چیزوں سے ہو (یعنی رات شروع ہو جائے تو برتنوں کو ڈھانک دیا جائے، مشکیزوں کے منہ بھی باندھ دیئے جائیں، دروازے بھی بند کر دیئے جائیں اور بچوں کو باہر نکلنے سے روک دیا جائے، اس صورت میں "شام" سے مراد وہ وقت ہوگا جو ابتداء شام سے عشاء تک رہتا ہے کہ دروازوں کو بند رکھنے اور برتنوں کو ڈھانکنے کا یہی وقت ہے اور اگر یہ مراد لیا جائے کہ عند المساء کا تعلق صرف و اکفتوا صبیانکم (اپنے بچوں کو اپنے پاس بٹھائے رکھو) سے ہے جیسا کہ حدیث کا سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے تو مراد انسب ہوگی اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ رات میں ان سب چیزوں کا اس طرح خیال رکھو کہ رات کے ابتدائی حصے میں یعنی سورج ڈوبنے کے فوراً بعد بچوں کو باہر نکلنے اور ادھر ادھر ہونے سے روک دو، کیونکہ یہ وقت جنات کے پھیلنے کا ہے اور جب رات کی ایک گھڑی (یعنی ایک گھنٹہ) گزر جائے تو یہ سب کام کرو، یعنی برتن کو ڈھانک دو اور دروازے بند کر دو نیز اس وقت بچوں کو باہر جانے دینے میں کوئی حرج نہیں اس توجیہ سے اس روایت کی متفق علیہ روایت کے ساتھ بھی مطابقت ہو جائے گی۔ "اور اچک لیتے ہیں" شیاطین کا بچوں کو اچک لینا ایک حقیقت ہے جس کی تصدیق بعض واقعات سے بھی ہوئی ہے اگرچہ یہ قلیل الوقوع ہے، یا پھر اچک لینے سے مراد بچوں کے ہوش وحواس کو زائل کر دینا یا ان کو کھیل کود میں لگا دینا ہے۔

"جنات و شیاطین" اصل میں یہ دونوں ایک ہی ہیں "جنات میں سے جو سرکش و فاسق ہیں ان کو شیطان کہتے ہیں! فحمہ شروع رات میں یعنی مغرب و عشاء کے درمیان جو تاریکی چھا جاتی ہے اس کو فحمہ کہتے ہیں اور عشاء کی نماز سے صبح ہونے تک جو تاریکی رہتی ہے اس کو عسعسہ کہتے ہیں، چنانچہ قرآن کریم کی آیت (وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ، التکویر: 17) سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے واضح رہے کہ اس حدیث میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ بطریق وجوب نہیں ہیں، بلکہ ان کا مقصد محض ان امور کی ہدایت کرنا ہے جو ہماری روز مرہ زندگی میں بھلائی و مصلحت اندیشی کے متقاضی ہوتے ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان احکام کا تعلق استحباب سے ہے

یعنی حدیث میں مذکورہ ہدایت پر عمل کرنا مستحب ہے۔

امام نووی کہتے ہیں کہ (اگر بنظر عمیق اس حدیث کے مضمون پر غور کیا جائے اور ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو واضح ہوگا کہ) اس ارشاد میں مختلف قسم کی بھلائیاں اور کتنے ہی جامع آداب اور تہذیب کے رموز پنہاں ہیں خاص طور سے ان میں سے جو سب سے بہتر تعلیم ہے وہ یہ ہے کہ ہر حرکت وسکون کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا یعنی بسم اللہ پڑھنا ایک ایسا سہل ذریعہ ہے جو دنیا و آخرت کی آفات وبلاؤں سے سلامتی وحفاظت کا ضامن قرار دیا جاسکتا ہے۔ (شرح صحیح مسلم نووی)

تیار شدہ برتنوں کو ڈھانپ کر رکھنے کا بیان

361- حَدَّثَنَا عِصْمَةُ بْنُ الْفَضْلِ وَيَحْيَى بْنُ حَكِيمٍ قَالَا حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ حَدَّثَنَا حُرَيْشُ بْنُ الْخِرِّيتِ أَنْبَأَنَا ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَضَعُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ آنِيَةٍ مِنَ اللَّيْلِ مُخَمَّرَةً إِنَاءً لِطَهُورِهِ وَإِنَاءً لِسِوَاكِهِ وَإِنَاءً لِشَرَابِهِ

◄◄ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں میں رات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تین برتن تیار کر کے رکھ دیتی تھی جنہیں ڈھانپا گیا ہوتا تھا' ایک برتن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لیے تھا ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسواک کے لیے تھا اور ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کے لیے تھا۔

صدقے کو خود تقسیم کرنے کا بیان

362- حَدَّثَنَا أَبُو بَدْرٍ عَبَّادُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُطَهَّرُ بْنُ الْهَيْثَمِ حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ أَبِي جَمْرَةَ الضُّبَعِيُّ عَنْ أَبِيهِ أَبِي جَمْرَةَ الضُّبَعِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكِلُ طُهُورَهُ إِلَى أَحَدٍ وَلَا صَدَقَتَهُ الَّتِي يَتَصَدَّقُ بِهَا يَكُونُ هُوَ الَّذِي يَتَوَلَّاهَا بِنَفْسِهِ

◄◄ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے ہوئے کسی سے مدد نہیں لیتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ تقسیم کرنے میں کسی سے مدد نہیں لیتے تھے (یعنی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کیا ہوتا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود یہ کام کرتے تھے۔

بَابُ: غَسْلِ الْإِنَاءِ مِنْ وُلُوغِ الْكَلْبِ

یہ باب کتے کے منہ ڈالنے پر برتن کو دھونے کے بیان میں ہے

کتے کے جوٹھے کو سات مرتبہ دھونے کا بیان

363- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي رَزِينٍ قَالَ رَأَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَضْرِبُ جَبْهَتَهُ بِيَدِهِ وَيَقُولُ يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ أَنْتُمْ تَزْعُمُونَ أَنِّي أَكْذِبُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَكُونَ لَكُمُ الْمَهْنَأُ وَعَلَيَّ الْإِثْمُ أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَقُوْلُ اِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِيْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ

ابورزین بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر مارتے ہوئے فرمایا: تم لوگ یہ سمجھتے ہو میں نبی کریم کے حوالے سے جھوٹی بات بیان کردوں گا تاکہ تمہارے لئے سہولت ہو جائے اور مجھے گناہ ہو۔ میں گواہی دے کر یہ بات کہتا ہوں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: جب کتا کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو وہ اسے سات مرتبہ دھوئے۔

کتے کے جوٹھے برتن کو پاک کرنے کا بیان

مسلم کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ تم میں سے جس کے برتن سے کتا پانی پی لے اس (برتن) کو پاک کرنے کی صورت یہ ہے اسے سات مرتبہ دھو ڈالے اور پہلی مرتبہ مٹی سے دھوئے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھی دوسری نجاستوں کے حکم میں شمار کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ اس برتن کو صرف تین مرتبہ بغیر مٹی کے دھو ڈالنا کافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں سات مرتبہ دھونے کا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ وجوب کے طریقے پر نہیں ہے بلکہ اختیار کے طور پر ہے، یا پھر یہ کہ سات مرتبہ دھونے کا یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا! واللہ اعلم۔ اکثر محدثین اور تینوں آئمہ کے مسلک یہ ہیں کہ اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے یا کسی برتن سے پانی پی لے اور کھائے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھونا چاہیے۔

364- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ اَبِى الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِىْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں سے پانی پی لے تو اسے سات مرتبہ دھولو"۔

365- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِى التَّيَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ مُطَرِّفًا يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُغَفَّلِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِى الْاِنَاءِ فَاغْسِلُوْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَّعَفِّرُوْهُ الثَّامِنَةَ بِالتُّرَابِ

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات مرتبہ دھولو اور آٹھویں مرتبہ مٹی کے ذریعے مانجھ لو۔

366- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ مَرْيَمَ اَنْبَاَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِىْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جب کتا کسی شخص کے برتن میں منہ ڈال دے تو وہ اسے سات مرتبہ دھولے۔

بَابُ: الْوُضُوْءِ بِسُؤْرِ الْهِرَّةِ وَالرُّخْصَةِ فِيهِ

یہ باب بلی کے جوٹھے کے ساتھ وضو کرنا اور اس کی رخصت کے بیان میں ہے

بلی کے جوٹھے کا بیان

367- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ اَنْبَاَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ اَخْبَرَنِيْ اِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيُّ عَنْ حُمَيْدَةَ بِنْتِ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبٍ وَّكَانَتْ تَحْتَ بَعْضِ وَلَدِ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّهَا صَبَّتْ لِاَبِيْ قَتَادَةَ مَاءً يَتَوَضَّاُ بِهِ فَجَائَتْ هِرَّةٌ تَشْرَبُ فَاَصْغٰى لَهَا الْاِنَاءَ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ يَا ابْنَةَ اَخِيْ اَتَعْجَبِيْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ هِيَ مِنَ الطَّوَّافِيْنَ اَوِ الطَّوَّافَاتِ.

◄► کبشہ بنت کعب جو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے کسی صاحبزادے کی اہلیہ تھیں وہ بیان کرتی ہیں: ایک مرتبہ انہوں نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے لیے پانی رکھا تاکہ وہ اس کے ذریعے وضو کرلیں ایک بلی آئی اور اس میں سے پینے لگی۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے برتن اس کی طرف کر دیا میں ان کی طرف دیکھ رہی تھی انہوں نے فرمایا: اے میری بھتیجی! کیا تم اس بات پر حیران ہو رہی ہو؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: یہ ناپاک نہیں ہے بلکہ یہ گھر میں آنے جانے والے جانوروں میں سے ہے۔

368- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ رَافِعٍ اَبُوْ حُجْرٍ وَّاِسْمٰعِيْلُ بْنُ تَوْبَةَ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ اَبِيْ زَائِدَةَ عَنْ حَارِثَةَ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَتَوَضَّاُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ قَدْ اَصَابَتْ مِنْهُ الْهِرَّةُ قَبْلَ ذٰلِكَ

◄► سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: بعض اوقات میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے برتن سے وضو کر لیتے تھے جس میں سے اس سے پہلے بلی پانی پی چکی ہوتی تھی۔

بلی کا جوٹھا مکروہ ہے

بلی کا جوٹھا پاک ہے لیکن مکروہ ہے جبکہ امام ابویوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک غیر مکروہ ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۲۸، دہلی) پاک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن سے وضو کیا۔ جس کو پہلے بلی پہنچ چکی تھی۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ (بلی) نجس نہیں ہے یہ تو طوافین اور طوافات میں سے ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۰، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

368 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بلی کے ناپاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ کہ''الھرۃ سبع ''بلی درندہ ہے ایک دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ بلی کا جوٹھا پاک ہو جبکہ دوسری دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ بلی کا گوشت ناپاک ہے لہٰذا اس کا جوٹھا بھی ناپاک ہونا چاہیے۔ پس فقہاء نے اس کیلئے کراہت کا حکم ثابت کردیا۔ (ہدایہ مع البنایہ ج ۱ ص ۴۲۸، المجتبائے دہلی)

ہر چیز کے جوٹھے کا حکم، قاعدہ فقہیہ

ہر چیز کے جوٹھے کا حکم اس کے گوشت کے حکم کے مطابق دیا جائے گا۔ یعنی جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا لعاب بھی پاک ہے اور جن کا گوشت حرام ہے ان کا لعاب بھی ناپاک ہے۔

اس قاعدے کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کتا تم میں سے کسی ایک کے برتن سے (پانی) پی لے تو وہ اس کو سات مرتبہ دھولے۔

(الجامع البخاری ج ۱ ص ۲۹، قدیمی کتب خانہ کراچی، دارقطنی، ابن عدی، بیہقی بتصرف اسنادھا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کتا نجس ہے اور اس کا لعاب بھی نجس ہے کیونکہ طہارت کا حکم تب ہوتا ہے جب حدث یا نجس کا وجود پایا جائے۔ اور اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ کتے کا گوشت نجس ہے اور اس کے گوشت سے بننے والا لعاب بھی نجس ہے۔ تو کتے کا جوٹھا کتے کے گوشت کے تابع ہوا جب متبوع حرام ہے تو تابع بھی حرام ہے۔ اور یہی حال تمام جانوروں کا ہے جو حرام ہیں۔

(قواعد فقہیہ، ص ۱۸۴، شبیر برادرز لاہور)

بلی کے جوٹھے میں امام ابو یوسف اور طرفین کا اختلاف و دلائل

بلی کا جوٹھا پاک ہے لیکن مکروہ ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک غیر مکروہ ہے۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اور رسول اللہ ﷺ نے ایک برتن سے وضو کیا جس کو پہلے بلی پہنچ چکی تھی۔ اور جب یہ حدیث موجود ہے تو کیسے پانی پر حکم کراہت ثابت کیا جائے۔

جبکہ طرفین کا مؤقف یہ ہے بلی کا جوٹھا مکروہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے''الھرۃ سبع وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ , حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ'' اس حدیث میں فقہ کو بیان کیا گیا ہے نہ کہ بلی کی صورت یا خلقت کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی بعثت شریعت بیان کرنا ہے اور آپ ﷺ شارع ہیں۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ (بلی) نجس نہیں ہے یہ تو طوافین اور طوافات میں سے ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۰، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، دارقطنی، ابوداؤد، طبرانی)

علت طواف کی وجہ سے حکم حرمت ساقط ہوگیا اور حکم کراہت باقی رہ گیا۔ اور اسی طرح علت ''سبع'' کی وجہ سے حکم حلت ساقط ہوگیا اور حکم کراہت باقی رہ گیا لہٰذا بلی کا جوٹھا مکروہ ہے۔ (عنایہ شرح الھدایہ، ج ۱، ۱۶۵ ص، بیروت)

بلی کے ناپاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ کہ''الھرۃ سبع ''بلی درندہ ہے ایک دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ بلی کا جوٹھا پاک

ہو جبکہ دوسری دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ بلی کا گوشت ناپاک ہے لہٰذا اس کا جوٹھا بھی ناپاک ہونا چاہیے۔ پس فقہاء نے اس کیلئے کراہت کا حکم ثابت کر دیا۔ (هدایه مع البنایه ج ۱ ص ۲۸ ،المجتبائی دهلی)

369- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ يَعْنِي أَبَا بَكْرٍ الْحَنَفِيَّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْهِرَّةُ لَا تَقْطَعُ الصَّلَاةَ لِأَنَّهَا مِنْ مَتَاعِ الْبَيْتِ

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "بلی (آگے سے گزر کر) نماز نہیں توڑتی ہے' کیونکہ یہ گھر کے سامان کا ایک حصہ ہے"۔

بلی کے جوٹھے سے متعلق فقہی حکم کا بیان

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کبشہ کو بھتیجی کہا ہے حالانکہ وہ ان کی بھتیجی نہیں تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں عام طور پر مرد مخاطب کو اگر وہ چھوٹا ہوتا ہے بھتیجا یا چچا کا بیٹا اور عورت مخاطب کو بھتیجی کہہ کر پکارتے ہیں چاہے حقیقت میں ان کا یہ رشتہ نہ ہو کیونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، اس لئے وہ اسلامی اخوت کے رشتے کے پیش نظر اس کی اولاد کو بھتیجا یا بھتیجی کہتے ہیں۔ روایت میں "طوافین" اور طوافات" دونوں لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بلی اگر نر ہے تو اس کی مناسبت سے "طوافین" کا لفظ ہوگا اور اگر بلی مادہ ہے تو اس کی مناسبت سے "طوافات" کا لفظ ہوگا۔ یہ دونوں لفظ یہاں "خادم" کے معنی میں استعمال فرمائے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ "بلیاں تمہاری خادم ہیں" ان کو خادم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی انسانوں کی مختلف طریقوں سے خدمت کرتی ہیں اور ان کے آرام و راحت کی بعض چیزوں میں بڑی معاون ہوتی ہیں مثلاً نقصان دہ جانوروں جیسے چوہے وغیرہ کو یہ مارتی ہیں۔ یا ان کو خادم اس مناسبت سے کہا گیا ہے کہ جیسے خادموں کی خبر گیری میں ثواب ملتا ہے اسی طرح بلیوں کی خبر گیری میں بھی ثواب ہوتا ہے اور جس طرح گھروں میں خادم پھرتے رہتے ہیں اس طرح بلیاں بھی گھروں میں پھرتی رہتی ہیں۔ بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلیاں تمہارے پاس ہر وقت خادموں کی طرح رہتی ہیں اور گھر کے ہر حصے میں پھرا کرتی ہیں اگر ان کے استعمال کئے کو ناپاک قرار دے دیا جائے تو تم سب بڑی دشواریوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس لئے یہ حکم کیا جاتا ہے کہ بلیوں کا استعمال کردہ پاک ہے۔ گویا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ بلی کا استعمال کردہ پاک ہے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ بلیوں کا استعمال کردہ ناپاک نہیں ہے بلکہ پاک ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ بلی کا استعمال کردہ مکروہ تنزیہی ہے یعنی اگر بلی کے استعمال کردہ پانی کے علاوہ دوسرا پانی نہ مل سکے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ اس کی موجودگی میں تیمم کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر بلی کے استعمال کردہ پانی کے علاوہ دوسرا پانی موجود ہو اور اس کے باوجود اسی جھوٹے پانی سے وضو کیا جائے گا تو وضو ہو جائے گا لیکن مکروہ ہوگا۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس شکل میں اسے مکروہ بھی اس لئے فرماتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث میں بلی کو درندہ کہا گیا ہے

369 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اور درندہ کے بارے میں بتایا گیا کہ ناپاک ہوتا ہے لیکن یہ حدیث چونکہ اس کے بالکل برعکس ہے اس لئے ان دونوں حدیثوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی ایسا حکم نافذ کیا جانا چاہئے جو دونوں حدیثوں کے مفہوم کے مطابق ہو لہذا اب یہی کیا جائے گا کہ جس حدیث میں بلی کو درندہ کہہ کر اس کی نجاست کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے مگر اس حدیث نے بلی کی نجاست کے حکم کو کراہت میں بدل دیا ہے لہذا اس کے استعمال کئے ہوئے کو ناپاک تو نہیں کہیں گے البتہ مکروہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بَابُ: الرُّخْصَةِ بِفَضْلِ وَضُوْءِ الْمَرْاَةِ

یہ باب عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے (وضو کرنے کی) اجازت کے بیان میں ہے

پانی کا جنابت والا نہ ہونے کا بیان

370- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اغْتَسَلَ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ جَفْنَةٍ فَجَآءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِیَغْتَسِلَ اَوْ یَتَوَضَّاَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ كُنْتُ جُنُبًا قَالَ الْمَآءُ لَا یُجْنِبُ

◄► حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ محترمہ نے ایک برتن میں سے غسل کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس برتن میں سے غسل یا شاید وضو کرنے لگے۔ اس خاتون نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں جنابت کی حالت میں تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانی جنبی نہیں ہوتا۔

شرح

اس حدیث سے تو بصراحت یہ معلوم ہوا کہ عورت کے غسل کے بقیہ پانی سے مرد کا وضو کرنا جائز ہے لیکن آئندہ احادیث آ رہی ہیں جن میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے غسل کے بقیہ پانی سے مرد کو وضو کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا ان دونوں روایتوں میں مطابقت کے لئے کہ کہا جائے گا کہ یہ حدیث تو جواز پر دلالت کرتی ہے اور وہ دوسری حدیث ترک کی اولیت پر دلالت کرتی ہے، یعنی اگر کوئی مرد عورت کے غسل کے بقیہ پانی سے وضو کرنا چاہئے تو اس حدیث کی رو سے اس کا وضو جائز تو ہو جائے گا لیکن دوسری حدیث کے پیش نظر اس پانی سے وضو نہ کرنا ہی بہتر اور اولیٰ ہوگا۔

371- حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِیْعٌ عَنْ سُفْیَانَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَاَةً مِنْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اغْتَسَلَتْ مِنْ جَنَابَةٍ فَتَوَضَّاَ اَوْ اغْتَسَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَضْلِ وَضُوْئِهَا

◄► حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ محترمہ نے غسل جنابت کیا۔ پھر اس خاتون کے بچائے ہوئے پانی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) غسل کیا۔

---

370 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 68' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 65' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 324

372- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى وَإِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا أَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ بِفَضْلِ غُسْلِهَا مِنَ الْجَنَابَةِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ ان کے غسل جنابت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کر لیتے تھے۔

حالت جنابت میں مباح امور سے متعلق مذاہب اربعہ کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جنابت کی حالت میں ایک برتن سے نہالیا کرتے تھے۔ (اور بعض اوقات) میں ایام سے ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے (تہ بند باندھنے کے واسطے) ارشاد فرماتے جب میں تہبند باندھ لیتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے (ناف کے اوپر اوپر) اپنے بدن کو لگا کر لیٹ جایا کرتے تھے اور (بعض مرتبہ) آپ اعتکاف میں ہوتے اور اپنا سر مبارک (مسجد سے) باہر نکال دیتے تو میں اپنے ایام کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھویا کرتی تھی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 513)

عرب کے قاعدے اور معمول کے مطابق ایک بڑا برتن جو طشت کی قسم کا ہوتا تھا پانی سے بھرا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان رکھا ہوتا اور یہ دونوں اس میں سے چلو بھر بھر کر نہاتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے جسم کے اس حصے سے فائدہ اٹھانا جو ناف کے نیچے اور زانو کے اوپر ہوتا ہے حرام ہے۔ یعنی وہاں ہاتھ لگانا اور جماع کرنا ممنوع ہے چنانچہ اس کی وضاحت دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے اور یہی مسلک امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

امام محمد، امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما اور بعض شوافع حضرات کا مسلک یہ ہے کہ حائضہ عورت سے صرف وطی یعنی شرمگاہ میں دخول کرنا حرام ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد سے بالکل ملا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کا دروازہ بھی مسجد ہی کی طرف کھلا ہوا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تھے تو اپنے سر مبارک اسی دروازے سے حجرے کی طرف نکال دیتے تھے وہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک دھو دیتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی اعتکاف میں بیٹھا ہوا اور اپنے جسم کے کسی حصے کو مسجد سے باہر نکالے تو اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

---

372 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بَابُ: النَّهْيِ عَنْ ذٰلِكَ

یہ باب اس کی ممانعت کے بیان میں ہے

مرد یا عورت کے بچے ہوئے پانی کو استعمال کرنے کی ممانعت کا بیان

373- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ عَنْ اَبِیْ حَاجِبٍ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يَّتَوَضَّاَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ وَضُوْءِ الْمَرْاَةِ

حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے کہ مرد عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔

شرح

علامہ سید جمال الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث اور اس کے بعد آنے والی حدیث جس سے عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو وضو کرنے کی جو ممانعت ثابت ہو رہی ہے اس کو "نہی تنزیہی" پر محمول کیا جائے تاکہ اس حدیث اور اس حدیث میں جس سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ مطہرہ کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے وضو فرمایا تھا تعارض پیدا نہ ہو سکے اور دونوں حدیثیں اپنی جگہ جگہ قابل عمل رہیں۔

374- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا الْمُعَلّٰى بْنُ اَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ الْمُخْتَارِ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ الْاَحْوَلُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّغْتَسِلَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ وَضُوْءِ الْمَرْاَةِ وَالْمَرْاَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ وَلٰكِنْ يَّشْرَعَانِ جَمِيْعًا قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ بْن مَاجَةَ الصَّحِيْحُ هُوَ الْاَوَّلُ وَالثَّانِيْ وَهْمٌ قَالَ اَبُو الْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَاتِمٍ وَّاَبُوْ عُثْمَانَ الْمُحَارِبِیُّ قَالَا حَدَّثَنَا الْمُعَلّٰى بْنُ اَسَدٍ نَحْوَهٗ

حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے کوئی مرد عورت کے وضو کے بچے ہوئے پانی کے ذریعے غسل کرے یا کوئی عورت مرد کے بچائے ہوئے پانی سے (غسل کرے) تاہم یہ دونوں ایک ساتھ کسی پانی سے (وضو یا غسل کر سکتے ہیں) امام ابن ماجہ فرماتے ہیں: پہلی روایت درست ہے اور دوسری روایت وہم ہے۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شرح

مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے پاکی حاصل کرنے کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں، لہٰذا

373 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 82 'اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 63 'ورقم الحدیث: 64 'اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 342

374 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ممانعت یا عدم جواز کی روایات کو اس پانی پر محمول کیا جائے، جو اعضاء کو دھوتے وقت گرا ہو، یا ان میں وارد ممانعت نہی تنزیہی ہے، تحریمی نہیں، یعنی نہ کرنا اولیٰ اور بہتر ہے، جواز کی روایتوں کو برتن میں بچے ہوئے پانی پر محمول کیا جائے، اس صورت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

375- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ عَنْ إِسْرَآئِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ يَغْتَسِلُونَ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ وَّلَا يَغْتَسِلُ أَحَدُهُمَا بِفَضْلِ صَاحِبِهِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ایک ہی برتن کے ذریعے غسل کر لیتے تھے' ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بچے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرتا تھا۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین رحمہم اللہ نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کتاب کے مرتب محمد بن علی نیموی فرماتے ہیں کہ محدثین نے ان روایات کی تطبیق میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے ممانعت والی احادیث کو مکروہ تنزیہ پر محمول کیا ہے اور بعض نے ممانعت والی احادیث کو اس پانی پر محمول کیا ہے جو غسل کرتے وقت اعضاء سے گر (کر جمع ہو) کیونکہ وہ مستعمل پانی ہے اور جواز والی روایت کو (برتن میں) بچے ہوئے پانی پر محمول کیا ہے۔ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح تطبیق دی ہے۔

جنابت کے نجاست حکمی ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی اور میں جنبی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں آپ کے ہمراہ ہولیا۔ جب آپ بیٹھ گئے تو میں چپکے سے نکل کر اپنے مکان آیا اور نہا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے (مجھے دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہاں تھے؟ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اصل واقعہ) ذکر کیا (کہ میں ناپاک تھا اس لئے چلا گیا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سبحان اللہ! مومن ناپاک نہیں ہوتا۔" روایت کے الفاظ صحیح البخاری کے ہیں مسلم نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ (انہوں نے کہا) چونکہ میں حالت ناپاکی میں تھا اس لئے یہ مناسب معلوم نہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھوں جب تک کہ نہا نہ لوں۔ اسی طرح صحیح البخاری کی ایک دوسری روایت میں بھی یہ الفاظ منقول ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، نمبر 424)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنابت نجاست حکمی ہے کہ شریعت نے اس کا حکم کیا ہے اور اس پر غسل کو واجب قرار دیا ہے، حالت جنابت میں آدمی حقیقۃً نجس نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جنبی کا نہ تو جھوٹا ناپاک ہوتا ہے اور نہ اس کا پسینہ ہی ناپاک ہے، اس لئے جنبی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ملنا جلنا، مصافحہ کرنا، کلام کرنا یا اسی طرح اس کے ساتھ دوسرے معاملات کرنا جائز ہیں، اس میں کوئی

375: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

قباحت نہیں ہے۔

بَابُ: الرَّجُلِ وَالْمَرْاَةِ يَغْتَسِلَانِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ

یہ باب مرد اور عورت (یعنی میاں بیوی) کا ایک ہی برتن سے غسل کرنے کے بیان میں ہے

زوجین کا ایک ہی برتن کے ذریعے غسل کرنے کا بیان

376- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح و حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ

◄► سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن کے ذریعے غسل کر لیتے تھے۔

377- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ خَالَتِهِ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ

◄► حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنی خالہ (ام المومنین) سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن کے ذریعے غسل کر لیتے تھے۔

378- حَدَّثَنَا اَبُوْعَامِرٍ الْاَشْعَرِيُّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِىْ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اِبْرٰهِيْمُ بْنُ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ اَبِىْ نَجِيْحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْتَسَلَ وَمَيْمُوْنَةَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ فِىْ قَصْعَةٍ فِيْهَا اَثَرُ الْعَجِيْنِ

◄► سیدہ اُم ہانی رضی اللہ عنہا نے یہ بات بیان کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک ہی برتن کے ذریعے غسل کیا تھا جس میں آٹے کا نشان موجود تھا۔

379- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْاَسَدِيُّ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيْلٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَزْوَاجُهُ يَغْتَسِلُوْنَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ

---

376 اخرجہ مسلم فی الصحیح' رقم الحدیث 725' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:72' ورقم الحدیث:228' ورقم الحدیث 343

377 اخرجہ مسلم فی الصحیح' رقم الحدیث:731' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:62' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 236

378 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:240

379 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

◄► حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ایک ہی برتن سے غسل کرلیتے تھے۔

380- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِىْ كَثِيْرٍ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اُمِّ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا كَانَتْ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلَانِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ

◄► سیّدہ زینب (بنت ابوسلمہ) رضی اللہ عنہا اپنی والدہ سیّدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتی ہیں: وہ (یعنی سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے۔

شرح

جس برتن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مشترکہ طور پر غسل فرماتے تھے وہ ایک طشت کی قسم سے تھا جس میں تین صاع تقریباً بارہ سیر پانی سماتا تھا، غسل کے وقت یہ دونوں اس میں ہاتھ ڈال ڈال کر پانی نکالتے اور اس سے نہاتے، حدیث کے الفاظ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم (پانی لینے میں) جلدی کرتے تھے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نہانے سے پہلے تھوڑے سے پانی سے نہا لیتے تھے اور بقیہ پانی چھوڑ دیتے تھے، جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہاتی تھیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانی کا برتن دونوں کے درمیان رکھا رہتا تھا اور دونوں اکٹھے اس سے نہاتے تھے۔ حدیث کے آخری جملے "وہ دونوں حالت ناپاکی میں ہوتے تھے کے تحت ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس پانی میں جنبی ہاتھ ڈالے وہ پانی طاہر و مطہر ہے جنبی خواہ مرد ہو یا عورت۔

امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کرام کا یہ قول ہے کہ اگر محدث (بے وضو) جنبی (جس پر غسل واجب ہو) اور حائض (حیض والی عورت) کے ہاتھ پاک ہوں اور وہ برتن میں چلو بھرنے کے لئے ہاتھ ڈالیں تو پانی مستعمل (یعنی ناقابل استعمال) نہیں ہوتا۔ کیوں کہ برتن سے پانی نکالنے کے لئے وہ اس طریقے کے محتاج ہیں۔ چنانچہ امام موصوف اپنے اس قول کی دلیل میں یہی حدیث پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ "اس کے برخلاف اگر جنبی پانی کے برتن میں اپنا پاؤں یا سر ڈالے تو پھر پانی ناقابل استعمال ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں اسے کوئی مجبوری نہیں ہے اور نہ اسی طریقہ کی ضرورت ہے۔

بَابُ: الرَّجُلِ وَالْمَرْاَةِ يَتَوَضَّاٰنِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ

یہ باب مرد اور عورت کا ایک ہی برتن سے وضو کرنے کے بیان میں ہے

مرد اور عورتوں کا اکٹھے وضو کرنے کا بیان

381- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ حَدَّثَنِىْ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الرِّجَالُ

380: اخرجہ بخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 322 ورقم الحدیث: 1929 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 733

وَالنِّسَاءُ يَتَوَضَّئُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مرد اور عورتیں (یعنی ان کی بیویاں گھر میں) اکٹھے وضو کر لیا کرتے تھے۔

382- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ حَدَّثَنَا اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ النُّعْمَانِ وَهُوَ ابْنُ سَرْحٍ عَنْ اُمِّ صُبَيَّةَ الْجُهَنِيَّةِ قَالَتْ رُبَّمَا اخْتَلَفَتْ يَدِىْ وَيَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْوُضُوْءِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ قَالَ اَبُوْعَبْد اللّٰهِ بْن مَاجَةَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُوْلُ اُمُّ صُبَيَّةَ هِىَ خَوْلَةُ بِنْتُ قَيْسٍ فَذَكَرْتُ لِاَبِىْ زُرْعَةَ فَقَالَ صَدَقَ

سیّدہ ام صبیہ جہنیہ بیان کرتی ہیں: بعض اوقات وضو کرتے ہوئے میرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آگے پیچھے برتن میں داخل ہوتے تھے۔

امام ابن ماجہ کہتے ہیں: میں نے محمد نامی محدث کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے سیّدہ ام صبیہ سے مراد سیّدہ خولہ بنت قیس ہیں۔(ابن ماجہ کہتے ہیں) میں نے اس بات کا تذکرہ امام ابوزرعہ سے کیا' تو وہ بولے: اس نے ٹھیک کہا ہے۔

383- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا دَاوٗدُ بْنُ شَبِيْبٍ حَدَّثَنَا حَبِيْبُ بْنُ اَبِىْ حَبِيْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ هَرِمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُمَا كَانَا يَتَوَضَّاٰنِ جَمِيْعًا لِلصَّلٰوةِ

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات منقول ہے' یہ دونوں نماز کے لیے ایک ساتھ وضو کیا کرتے تھے۔

بَابُ: الْوُضُوْءِ بِالنَّبِيْذِ

یہ باب نبیذ کے ذریعے وضو کرنے کے بیان میں ہے

نبیذ تمر سے وضو کرنے کے حکم کا بیان

384- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَلِىُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ اَبِيْهِ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِىْ فَزَارَةَ الْعَبْسِيِّ عَنْ اَبِىْ زَيْدٍ مَّوْلٰى عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ لَيْلَةَ الْجِنِّ عِنْدَكَ طَهُوْرٌ قَالَ

381: اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 193' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 79' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 71' ورقم الحدیث 341

382 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 78

383: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

384 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 84' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 88

لَا اِلَّا شَيْءٌ مِنْ نَبِيْذٍ فِيْ اِدَاوَةٍ قَالَ تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَّمَآءٌ طَهُوْرٌ فَتَوَضَّأَ هٰذَا حَدِيْثُ وَكِيْعٍ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جنات سے ملاقات کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا تمہارے پاس وضو کے لیے پانی ہے؟ انہوں نے عرض کی: جی نہیں ایک برتن میں تھوڑی سی "نبیذ" موجود ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھجور پاک ہوتی ہے اور پانی کے ذریعے طہارت حاصل کر لی جاتی ہے۔ (راوی کہتے ہیں:) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ذریعے وضو کیا۔ یہ روایت وکیع نامی راوی نے روایت کی ہے۔

385- حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيْدِ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيْعَةَ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ الْحَجَّاجِ عَنْ حَنَشٍ الصَّنْعَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِابْنِ مَسْعُوْدٍ لَيْلَةَ الْجِنِّ مَعَكَ مَآءٌ قَالَ لَا اِلَّا نَبِيْذًا فِيْ سَطِيْحَةٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَّمَآءٌ طَهُوْرٌ صُبَّ عَلَيَّ قَالَ فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ فَتَوَضَّأَ بِهِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جنات سے ملاقات والی رات یہ فرمایا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ انہوں نے عرض کی: جی نہیں صرف ایک مشکیزے میں نبیذ ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کھجور پاک ہے اور پانی طہارت دینے والا ہے تم وہی مجھ پر بہا دو۔ (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: میں نے وہ پانی آپ پر انڈیلا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ذریعے وضو کر لیا۔

نبیذ تمر سے وضو سے متعلق ائمہ احناف کے اختلاف کا بیان

اگر وضو کرنے والے نے صرف نبیذ تمر کا پانی پایا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ وہ وضو کرے اور تیمم نہیں کرے گا۔ اس کی دلیل "لیلۃ الجن" والی حدیث ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پانی نہ پایا تو نبیذ تمر سے وضو کیا۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: تیمم کرے گا اور نبیذ تمر کے ساتھ وضو نہ کرے۔ اور ایک امام اعظم سے بھی ایک روایت اسی طرح مروی ہے۔ اور امام شافعی نے فرمایا یہ نبیذ تمر والی حدیث کی بجائے آیت تیمم پر عمل کریں کیونکہ وہ آیت اس حدیث سے زیادہ قوی ہے یا وہ حدیث اس آیت سے منسوخ ہے۔ کیونکہ یہ آیت مدنی ہے اور حدیث لیلۃ الجن کی ہے۔

اور امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ وضو کرے اور تیمم بھی کرنے کیونکہ حدیث میں اضطراب ہے اور اسکی تاریخ مجہول ہے لہٰذا احتیاط کے طور پر دونوں کو جمع کرنا واجب ہے۔ ہم نے کہا کہ "لیلۃ الجن" متعدد تھیں لہٰذا نسخ کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں۔ اور ایسی حدیث مشہورہ جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کیا ہو اس کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز نہیں۔ (ہدایہ، کتاب طہارت)

امام محمد علیہ الرحمہ کی حدیث لیلۃ الجن پر جرح وتعدیل اور جواب

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حدیث لیلۃ الجن کو حضرت ابو فزارہ نے ابو زید سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن

385. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"عَنْ مَسْعُوْدٍ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ لَيْلَةَ الْجِنِّ: مَا فِي إِدَاوَتِكَ ؟ قَالَ: نَبِيذُ تَمْرٍ، قَالَ: تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُورٌ)

اس کوامام ابوداؤد،امام ابن ماجہ اورامام ترمذی نے روایت کیا ہے۔اور ترمذی کی روایت میں "فتوضاء منه" اورامام ابن ابی شیبہ نے ایک طویل روایت بیان کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔

(هَلْ مَعَكَ مِنْ وَضُوءٍ ؟ قُلْتُ لَا، قَالَ: فَمَا فِي إِدَاوَتِكَ ؟ قُلْتُ: نَبِيذُ تَمْرٍ، قَالَ: تَمْرَةٌ حُلْوَةٌ وَمَاءٌ طَيِّبٌ، ثُمَّ تَوَضَّأَ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ)

اوراس روایت کوضعیف کہا ہے کیونکہ امام ترمذی نے کہا کہ ابوزید مجہول ہے۔اور بعض نے کہا کہ ابوفزارہ مجہول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ راشد بن کیسان مجہول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوئی دوسرا آدمی مجہول ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابوزید کو قاضی ابوبکر ابن عربی نے جامع ترمذی کی شرح میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ عمرو بن حریث کے غلام ہیں اورانہوں نے راشد بن کیسان العبسی الکوفی سے روایت کی ہے۔اور ابو ورق نے انہیں جہالت سے نکالا ہے۔اور ابوفزارہ کے بارے میں شیخ تقی الدین الامام نے کہا ہے کہ ان کی جہالت محل نظر ہے۔کیونکہ ابوفزارہ نے اس حدیث کو اہل علم کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے۔جیسے سفیان، شریک، اسرائیل، جراح بن ملیح قیس بن ربیع،

ابن عدی نے کہا ہے کہ ابوفزارہ کی یہ حدیث مشہور ہے اور ابوفزارہ کا نام راشد بن کیسان ہے۔اوراسی طرح امام دارقطنی نے کہا ہے۔

اور جو روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ لیلۃ الجن ہم میں سے کوئی ایک بھی حاضر نہ تھا جواس حدیث کے معارض ہے۔حالانکہ ابن ابیہ شیبہ والی حدیث ان کے ساتھ ہے۔

اور ابوحفص بن شاہین بیان کرتے ہیں کہ میں "لیلة الجن" میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔وَعَنْهُ أَنَّهُ رَأَى قَوْمًا مِنَ الزُّطِّ فَقَالَ: هَؤُلَاءِ أَشْبَهُ مَنْ رَأَيْتُ بِالْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ"

اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ ان کے سوا کوئی ایک بھی شریک نہ تھا یعنی ان کی شرکت کا اختصاص ہے۔اوراس حدیث میں ان کی شرکت کا بیان ہوگیا۔اسی طرح امام ابومحمد البطلوسی نے اپنے کتاب "التنبيه على الاسباب الموجبة لخلاف" میں ذکر کیا ہے۔(فتح القدیر، ج ۱،ص ۲۱۱، بیروت)

نبیذ تمر سے وضو کرنے یا نہ کرنے کے حکم کا بیان

بدائع میں ابوالعالیہ الریاحی سے مروی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سمندری سفر میں تھا کہ نماز کا وقت آگیا کشتی والوں کے پاس پانی ختم ہو چکا تھا ان کے پاس شیرہ کھجور تھا تو بعض نے اسی سے وضو کر لیا اور سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ سمجھا اور بعض نے سمندر کے پانی سے وضو کر لیا، یہ اجماع کی حکایت ہے کیونکہ جو حضرات سمندر کے پانی سے وضو کر رہے تھے تو وہ اس کے

پانی سے وضو کے جواز کے قائل تھے اور انہوں نے نبیذ تمر سے وضو اس لئے نہ کیا کہ انہوں نے ماء مطلق کو پایا اور جو نبیذ تمر سے وضو کر رہے تھے وہ سمندر کے پانی کو طہور نہیں سمجھتے تھے، یا وہ یہ کہتے تھے کہ یہ پانی ناراضگی اور عذاب کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا ہے شاید ان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں پہنچی کہ سمندر کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردہ حلال ہے تو پانی نہ ہونے کی صورت میں انہوں نے نبیذ تمر سے وضو کیا۔ (بدائع الصنائع، مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶)

بدائع میں ہے کہ وہ نبیذ تمر جس میں اختلاف ہے اس کی معرفۃ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی جائیں تو ان کی مٹھاس پانی میں آجائے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبیذ تمر کی یہی تفسیر منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے لیلۃ الجن میں وضو فرمایا تھا، آپ نے فرمایا میں نے کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی تھیں تو اس کو اس پانی پر محمول کیا جائے جس میں مٹھاس پیدا ہوگئی ہو اور مطلق پانی سے نکل گیا ہو، جیسا اس حدیث کی ابتداء میں بروایت ابن شیبہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کیا تمہارے پاس وضو کا پانی ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارے توشہ دان میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا نبیذ تمر ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو میٹھی کھجوریں اور پاک پانی ہے، تو اگر وہ پانی مطلق ہوتا تو آپ جواب میں نہ نہ فرماتے۔

بدائع میں ہے کہ اگر نبیذ شیرہ کی طرح گاڑھا ہو تو بلا اختلاف اس سے وضو جائز نہیں ہے اور اسی طرح اگر رقیق ہے مگر اس میں اتنا جوش آگیا ہو کہ جھاگ دے گیا ہو کیونکہ اب یہ مُسکر ہو گیا اور مسکر حرام ہے لہٰذا اس سے وضو جائز نہیں، نیز یہ کہ جس نبیذ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تھا وہ رقیق اور میٹھا تھا لہٰذا کڑوا اور گاڑھا نبیذ اس کے حکم میں نہیں۔

تاہم ملک العلماء نے اس تمام گفتگو کے بعد جو ہم نے اوپر ذکر کی، فرمایا: عرب کی عادت تھی کہ وہ کھاری پانی میں کھجوریں ڈالتے تھے تاکہ پانی میٹھا ہو جائے۔ (بدائع الصنائع، مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶)

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ وہ دونوں سے وضو کے جواز کے قائل ہوں جبکہ نبیذ پر پانی غالب ہو، جیسا کہ ان شاء اللہ آئے گا، تو جس نے اس سے وضو کیا اس نے سمندری پانی سے وضو کو جو نبیذ اس کے پاس ہے اس کا پانی غالب ہے اور جس نے سمندری پانی سے وضو کیا اس کو اس نبیذ میں شک تھا جو اس کے پاس موجود تھا تو اس نے بطور کراہت تحریمی اس سے وضو نہ کیا اور سمندری پانی سے وضو کر لیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں کہتا ہوں یہ جواب بھی اُن دو حضرات کے قول کی طرف میلان ہے، مگر میرے نزدیک یہ جواب درست نہیں، کیونکہ اگر یہی بات ہوتی تو پانی کا نام باقی رہتا اور مطلق رہتا اور اس سے مطلقاً وضو جائز ہوتا۔ شیخ نے آخر میں فرمایا نبیذ تمر سے وضو کا جواز قیاس کے برخلاف ثابت ہے، کیونکہ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ وضو صرف مطلق پانی سے ہی جائز ہو، اور یہ مطلق پانی نہیں ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ماء مطلق پر قدرت ہوتے ہوئے اس سے وضو جائز نہیں، لیکن اس کا جواز روئے نص ثابت ہے اس لئے ہمیں ضرورت ہوئی کہ ہم حدیث کا جواب دیں، اور جواب یہ ہے کہ یہ آیت تیمم سے منسوخ ہے، اور اس لئے اتقانی امام محمد کے قول کی طرف مائل ہوئے کہ وضو اور تیمم دونوں کو جمع کیا جائے تاکہ طہارت بالیقین حاصل ہو جائے۔ میں کہتا ہوں میری ناقص سمجھ میں یہ بات نہ آسکی

کہ یہ اجماع کیونکر ہوگیا کہ پانی نہ ہونے کے وقت نبیذ تمر سے وضو جائز ہے، کیونکہ جن حضرات نے سمندر کے پانی سے وضو کیا ممکن ہے کہ وہ موجودہ حالت میں نبیذ تمر سے وضو کو جائز نہ سمجھتے ہوں کیونکہ پانی موجود ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نبیذ تمر سے وضو کو بالکل جائز نہ سمجھتے ہوں یہاں تک کہ اگر نبیذ موجود ہو اور پانی نہ موجود ہو تو وہ تیمم کے قائل ہوں جیسا کہ یہ ہمارے نزدیک مفتی بہ ہے اور سلف کی عرف میں کراہت جواز پر دلالت نہیں کرتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۲، ص ۴۷۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مثبت نافی سے اولی ہوتا ہے قاعدہ فقہیہ کا بیان

مثبت نافی سے اولی ہوتا ہے۔ (المنار، ۱۹۷) اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب کسی مثبت اور منفی حکم میں تعارض آ جائے تو امام کرخی علیہ الرحمہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ مثبت نافی سے افضل ہوتا ہے۔ جبکہ فقہاء احناف میں بھی اختلاف ہے بعض مواضع ایسے ہیں جہاں مثبت اولی ہوتا ہے اور بعض مواضع ایسے ہیں جہاں نافی اولی ہوتا ہے لہذا فقہاء نے اس اختلاف کو حل کرتے ہوئے ایک اور قاعدہ بیان کیا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے۔ اس کا ثبوت اس حدیث سے فقہاء احناف کا استدلال ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حالت احرام میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ (صحیح مسلم ج ۱، ص ۴۵۴، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حالت احرام میں حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا ہے جبکہ دوسری روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے حالت احرام میں نکاح سے منع فرمایا ہے اور آپ حالت حلت میں نکاح کیا تھا۔ حضرت یزید بن اصم بیان کرتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے حالت حلت میں نکاح کیا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا میری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں۔

(صحیح مسلم ج ۱، ص ۴۵۴، قدیمی کتب خانہ کراچی)

فقہاء احناف کے نزدیک مذکورہ قاعدہ کے مطابق حالت احرام میں نفس نکاح جائز ہے کیونکہ نکاح عقد کی مثل ہے اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ (قواعد فقہیہ، ص ۳۱۲، شبیر برادرز لاہور)

بَابُ: الْوُضُوْءِ بِمَآءِ الْبَحْرِ

باب سمندر کے پانی کے ذریعے وضو کرنے کے بیان میں ہے

سمندری پانی وضو کرنے کے حکم کا بیان

386- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ حَدَّثَنِي صَفْوَانُ بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ سَلَمَةَ

386 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 83' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 69' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 59' ورقم الحدیث 331' ورقم الحدیث 4361

هُوَ مِنْ اٰلِ ابْنِ الْاَزْرَقِ اَنَّ الْمُغِيْرَةَ بْنَ اَبِیْ بُرْدَةَ وَهُوَ مِنْ بَنِیْ عَبْدِ الدَّارِ حَدَّثَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيْلَ مِنَ الْمَآءِ فَاِنْ تَوَضَّاْنَا بِهٖ عَطِشْنَا اَفَنَتَوَضَّاُ مِنْ مَّآءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہم سمندری سفر کرتے ہیں: ہم اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی لے کر جاتے ہیں: اگر ہم اس کے ذریعے وضو کریں' تو ہم پیاسے رہ جائیں گے' تو کیا ہم سمندر کے پانی کے ذریعے وضو کرلیا کریں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس کا پانی طہارت دیتا ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔

شرح

سمندر کا مردار حلال ہے": اس سے مراد حلال جانور ہیں جو کسی صدمہ سے مر گئے اور سمندر نے ان کو ساحل پر ڈال دیا، اسی کو آیت (اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ، سورۃ المائدۃ: 96) میں طعام سے تعبیر کیا گیا ہے، یاد رہے سمندری جانور وہ ہے جو خشکی پر زندہ نہ رہ سکے جیسے مچھلی، تو مچھلی تمام اقسام کی حلال ہیں، رہے دیگر جانور اگر مضر اور خبیث ہیں یا ان کے بارے میں نص شرعی وارد ہے تو حرام ہیں، اگر کسی جانور کا نص شرعی سے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کھانا مروی ہے، اور وہ ان کے زمانے میں موجود تھا، تو اس کے بارے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

387- حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ اَبِیْ سَهْلٍ حَدَّثَنَا يَحْيٰی بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنِی اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ مَخْشِیٍّ عَنِ ابْنِ الْفِرَاسِیِّ قَالَ كُنْتُ اَصِيْدُ وَكَانَتْ لِیْ قِرْبَةٌ اَجْعَلُ فِيْهَا مَآءً وَاِنِّیْ تَوَضَّاْتُ بِمَآءِ الْبَحْرِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ

ابن فراسی بیان کرتے ہیں: میں شکار کیا کرتا تھا میرے پاس ایک مشکیزہ تھا جس میں' میں پانی رکھا کرتا تھا اور میں سمندر کے پانی سے وضو کرلیا کرتا تھا میں نے اس بات کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے کیا' تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا پانی طہارت کے حصول کا ذریعہ اور اس کا مردار حلال ہے۔

388- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰی حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا اَبُو الْقَاسِمِ بْنُ اَبِی الزِّنَادِ قَالَ حَدَّثَنِیْ اِسْحٰقُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ ابْنِ مِقْسَمٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ مَآءِ الْبَحْرِ فَقَالَ هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ

387 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

388 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حَدَّثَنَا قَالَ اَبُو الْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ الْهِسْنَجَانِيُّ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا اَبُو الْقَاسِمِ بْنُ اَبِي الزِّنَادِ حَدَّثَنِي اِسْحٰقُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ هُوَ ابْنُ مِقْسَمٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی کے بارے میں دریافت کیا گیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کا پانی طہارت دینے والا اور اس کا مردار حلال ہے۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

بَابُ: الرَّجُلِ يَسْتَعِينُ عَلٰى وُضُوئِهٖ فَيَصُبُّ عَلَيْهِ

یہ باب آدمی کا کسی دوسرے سے وضو میں مدد لینا کہ اس کے لیے پانی انڈیلا جائے

389- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ صُبَيْحٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَعْضِ حَاجَتِهٖ فَلَمَّا رَجَعَ تَلَقَّيْتُهُ بِالْاِدَاوَةِ فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثُمَّ ذَهَبَ يَغْسِلُ ذِرَاعَيْهِ فَضَاقَتِ الْجُبَّةُ فَاَخْرَجَهُمَا مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ فَغَسَلَهُمَا وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ ثُمَّ صَلّٰى بِنَا

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے' تو میں برتن میں پانی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی انڈیلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے پھر اپنا چہرہ مبارک دھویا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں بازو دھونے لگے' تو جبے کی آستینیں تنگ تھیں' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبے کے نیچے سے دونوں بازو نکال کر انہیں دھویا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا اور ہمیں نماز پڑھائی۔

شرح

اکثر عادت ایسی ہی تھی کہ وضو کرنے میں اور پانی لانے اور کپڑے پاک کرنے میں کسی سے مدد نہ لیتے ،اور اگر کوئی بخوشی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بجالاتا تو اس کو بھی منع نہ کرتے ، چنانچہ اوپر کی روایت میں ابھی گزرا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وضو کا پانی رکھتیں ،اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صاحب اداوہ و نعلین مشہور تھے، یعنی وضو کے وقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پانی والی چھاگل لانے اور آپ کے لیے نعلین مبارک لاکر رکھنے والے صحابی کی حیثیت سے آپ کی شہرت تھی ،اور ثوبان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرایا۔

390- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ جَمِيلٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ

389 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 363' ورقم الحدیث: 388' ورقم الحدیث: 2918' ورقم الحدیث 5798' اخرجہ مسلم فی الصحیح ' رقم الحدیث 628' ورقم الحدیث 629' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 123

عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِيضَاةٍ فَقَالَ اسْكُبِي فَسَكَبْتُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَاَخَذَ مَاءً جَدِيدًا فَمَسَحَ بِهِ رَاْسَهُ مُقَدَّمَهُ وَمُؤَخَّرَهُ وَغَسَلَ قَدَمَيْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا

◆◆ سیّدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پانی کا برتن لائی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اسے بہاؤ میں نے اسے بہایا تو نبی کریم ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک اور دونوں بازو دھوئے پھر آپ ﷺ نے نئے سرے سے پانی لے کر اس کے ذریعے اپنے سر کے آگے والے اور پیچھے والے حصے کا مسح کیا پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں پاؤں تین تین مرتبہ دھوئے۔

391- حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ اٰدَمَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنِي الْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنِي حُذَيْفَةُ بْنُ اَبِي حُذَيْفَةَ الْاَزْدِيُّ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ صَبَبْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَآءَ فِي السَّفَرِ وَالْحَضَرِ فِي الْوُضُوْءِ

◆◆ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے سفر کے دوران اور حضر کے دوران' نبی کریم ﷺ کے وضو کرنے کے لیے آپ ﷺ کے لیے پانی انڈیلا ہے۔

392- حَدَّثَنَا كُرْدُوسُ بْنُ اَبِي عَبْدِ اللّٰهِ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْكَرِيمِ بْنُ رَوْحٍ حَدَّثَنَا اَبِي رَوْحُ بْنُ عَنْبَسَةَ بْنِ سَعِيدِ بْنِ اَبِي عَيَّاشٍ مَوْلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ عَنْ اَبِيهِ عَنْبَسَةَ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ جَدَّتِهِ اُمِّ اَبِيهِ اُمِّ عَيَّاشٍ وَكَانَتْ اَمَةً لِرُقَيَّةَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كُنْتُ اُوَضِّئُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا قَائِمَةٌ وَهُوَ قَاعِدٌ

◆◆ سیّدہ ام عیاش' نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں' وہ بیان کرتی ہیں: میں نبی کریم ﷺ کو وضو کروایا کرتی تھی میں کھڑی ہوتی تھی اور آپ ﷺ تشریف فرما ہوتے تھے۔

بَابُ: فِي الرَّجُلِ يَسْتَيْقِظُ مِنْ مَنَامِهِ هَلْ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْاِنَاءِ قَبْلَ اَنْ يَغْسِلَهَا

یہ باب جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو کیا وہ ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں داخل کر سکتا ہے؟ کے بیان میں ہے

بیدار ہونے کے بعد سب سے پہلے ہاتھ دھونے کا بیان

393- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرٰهِيمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي

390 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 127' ورقم الحدیث: 128' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 33

391 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

392 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَا يُدْخِلْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يُفْرِغَ عَلَيْهَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلٰثًا فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي فِيمَ بَاتَتْ يَدُهُ

◆◆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص رات کے (بعد صبح) بیدار ہو تو وہ اپنا ہاتھ برتن میں اس وقت تک نہ ڈالے جب تک اس ہاتھ پر دو یا تین مرتبہ پانی نہ انڈیل لے کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات بھر کہاں رہا؟

394- حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي ابْنُ لَهِيعَةَ وَجَابِرُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يُدْخِلْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا

◆◆ سالم اپنے والد کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو اپنا ہاتھ اس وقت تک برتن میں داخل نہ کرے جب تک اسے دھو نہ لے۔

395-حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ تَوْبَةَ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَكَّائِيُّ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ النَّوْمِ فَأَرَادَ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَلَا يُدْخِلْ يَدَهُ فِي وَضُوئِهِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ وَلَا عَلٰى مَا وَضَعَهَا

◆◆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو اور وضو کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنا ہاتھ وضو کے پانی میں اس وقت تک داخل نہ کرے جب تک اسے دھو نہ لے کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات بھر کہاں رہا ہے یا اس نے کس جگہ پر اسے رکھا تھا؟"

396-حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ قَالَ دَعَا عَلِيٌّ بِمَاءٍ فَغَسَلَ يَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهُمَا الْإِنَاءَ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ

◆◆ حارث بیان کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا اور پھر انہوں نے برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو دھویا اور یہ بات ارشاد فرمائی: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔

شرح

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وضو سے پہلے ہاتھوں کو دھونا سنت ہے، جہاں تک سو کر اٹھنے کے بعد کی قید کا سوال ہے اس کی

393 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:24' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:440

394 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

395 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

396 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ عرب میں پانی کی قلت ہوتی ہے، خاص طور پر زمانہ نبوت میں تو پانی بہت ہی کم مقدار میں دستیاب ہوتا تھا، اس لئے اکثر و بیشتر لوگ پانی سے استنجا نہیں کرتے تھے پہلے ڈھیلوں سے یا پتھروں سے صاف کر لیا کرتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ گرم ہوا کی بنا پر سوتے میں استنجاء کے مقام پر پسینہ آ جاتا ہے، اس صورت میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ رات میں سوتے وقت ہاتھ استنجاء کے مقام پر پہنچ جائے جس سے ہاتھ گندے ہو جائیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونے والے کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا ہاتھ رات کو سوتے وقت کہاں رہا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب کوئی آدمی سو کر اٹھے تو چاہئے کہ وہ پہلے اپنے ہاتھوں کو پانی کے برتن میں نہ ڈال دے بلکہ ہاتھ تین مرتبہ دھو ڈالے تاکہ وہ پاک وصاف ہو جائیں اس کے بعد برتن سے پانی لے کر وضو کر لے۔ بہر حال یہاں نیند کی قید تو اس لئے ہے کہ اس میں ہاتھوں کو نجاست لگنے کا احتمال ہے ورنہ ہر ایک وضو کرنے والے کو پہلے تین مرتبہ ہاتھ دھونا چاہئے اس لئے کہ علماء لکھتے ہیں کہ اس طرح ہاتھ دھونا اس آدمی کے لئے بھی سنت ہے جو سو کر نہ اٹھا ہو کیونکہ ہاتھ دھونے کا سبب یعنی ہاتھ کو نجاست و میل لگنے کا احتمال جاگنے کی حالت میں بھی موجود ہے۔

ہاتھ دھونے کا یہ حکم فرض اور واجب نہیں ہے بلکہ مسنون کے درجہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم احتیاط کے طور پر دیا ہے اگر کوئی آدمی ہاتھ نہ دھوئے تو بھی وہ پاک ہے کہ اگر بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دے تو اس سے پانی ناپاک و نجس نہیں ہوتا کیونکہ سوتے میں ہاتھ کا ناپاک ہونا یقینی نہیں ہے بلکہ احتمال کے درجہ کی چیز ہے مگر حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سو کر اٹھنے کے بعد ہاتھ کا دھونا واجب ہے، اگر کوئی آدمی سو کر اٹھا اور اس نے بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دیا تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

بَابُ: مَا جَاءَ فِي التَّسْمِيَةِ عَلَى الْوُضُوْءِ

یہ باب وضو کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں ہے

397- حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْعَامِرٍ الْعَقَدِيُّ ح و حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْاَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ قَالُوْا حَدَّثَنَا كَثِيْرُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ رُبَيْحِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ

◄► حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ”اس شخص کا وضو نہیں ہوتا جو وضو کے (آغاز میں) اس پر اللہ کا نام نہیں لیتا“۔

شرح

فرمایا اور ابتدائے وضو میں اللہ کا نام لینا (سنت) ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اس شخص کا وضو نہیں جس

397 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

نے اللہ کا نام نہ لیا اور اس سے مراد فضیلت کی نفی ہے اور اصح یہ ہے کہ تسمیہ مستحب ہے اگر چہ (صاحب قدوری) نے کتاب (قدوری) میں اس کو سنت کہا ہے اور تسمیہ استنجاء سے پہلے بھی پڑھے اور اس کے بعد بھی یہی صحیح ہے۔ (ہدایہ، کتاب طہارت، لاہور)

بسم اللہ کے بغیر وضو کے عدم کمال کا بیان

398- حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ اَنْبَاَنَا يَزِيدُ بْنُ عِيَاضٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ ثِفَالٍ عَنْ رَبَاحِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ اَنَّهٗ سَمِعَ جَدَّتَهٗ بِنْتَ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ تَذْكُرُ اَنَّهَا سَمِعَتْ اَبَاهَا سَعِيدَ بْنَ زَيْدٍ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّا وُضُوْءَ لَهٗ وَلَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ

◄◄ رباح بن عبدالرحمٰن اپنی دادی' جو حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں' کے حوالے سے' ان کے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: اس شخص کی نماز نہیں ہوتی' جس کا وضو نہ ہو اور اس شخص کا وضو نہیں ہوتا جو وضو سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا۔

شرح

اس حدیث سے وضو کے ابتداء میں بسم اللہ کہنے کی فضیلت واہمیت کا اظہار ہو رہا ہے، حدیث کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جس آدمی نے ابتداء وضو میں اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا یعنی بسم اللہ نہیں کہی تو اس کا وضو درجہ تکمیل کو نہ پہنچا جس کی بنا پر اسے ثواب نہیں ملا۔ ویسے اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ابتداء وضو میں بسم اللہ کہنا واجب ہے، مگر جمہور علماء کے کرام کے نزدیک سنت یا مستحب ہے۔ ابتداء وضو میں علماء سلف سے یہ الفاظ منقول ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ بعض علماء نے کہا ہے کہ اَعُوْذُ باپڑھنے کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنا افضل ہے اور مشہور یہ الفاظ ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی دِيْنِ الْاِسْلَامِ۔ روایت کے آخر میں ایک لفظی غلطی ہے، جو ہو سکتا ہے کہ کاتب وغیرہ سے سہو ہو یعنی آخر میں یہ الفاظ ذکر کیے گئے ہیں والدارمی عن ابی سعید الخدری عن ابیہ غلط ہے بلکہ صحیح ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی درامی نے اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ابی سعید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

399- حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ وَّعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ فُدَيْكٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوْسٰى بْنِ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ يَعْقُوْبَ بْنِ سَلَمَةَ اللَّيْثِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّا وُضُوْءَ لَهٗ وَلَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ

◄◄ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس کا وضو نہیں ہوتا اور اس کا وضو نہیں ہوتا جو وضو کے آغاز میں اس پر اللہ کا نام نہیں لیتا''۔

---

398 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 25

399 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 101

400- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرٰهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي فُدَيْكٍ عَنْ عَبْدِ الْمُهَيْمِنِ بْنِ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّا وُضُوْءَ لَهٗ وَلَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَلَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّا يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ وَلَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّا يُحِبُّ الْاَنْصَارَ قَالَ اَبُو الْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ مَرْحُومٍ الْعَطَّارُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمُهَيْمِنِ بْنُ عَبَّاسٍ فَذَكَرَ نَحْوَهٗ

◄◄ عبدالمہیمن بن عباس اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا (حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس کا وضو نہیں ہوتا اور اس شخص کا وضو نہیں ہوتا جو اس پر اللہ کا نام نہیں لیتا اور اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتا' اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو انصار سے محبت نہیں رکھتا۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا فرض ہے

امام مالک فرماتے ہیں کہ وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا فرض ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ بغیر بسم اللہ پڑھے وضو نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو اس کو دل پر حمل کیا جائے گا کیونکہ دل قائم مقام زبان ہے۔ تاکہ حرج دور کیا جائے کیونکہ دوبارہ وضو کرنے میں حرج ہوگا۔

ابتدائے وضو میں بسم اللہ کے سنت ہونے میں احناف کا مؤقف ودلیل:

ائمہ احناف کے نزدیک بسم اللہ وضو کے شروع میں پڑھنا سنت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت وضو شرط کی قید سے خالی یعنی مطلق ہے۔ لہٰذا اس کو اطلاق پر جاری رکھیں گے۔ مقید اس لئے نہیں کریں گے کہ ترک تسمیہ سے بھی وضو کے اطلاق میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ پانی کی خلقت ہی طہارت کیلئے ہے۔ جو پانی میں اصل ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے وضو کیا اور اللہ کا نام ذکر کیا اس کا سارا بدن پاک ہوا۔ اور جس نے وضو کیا اور اللہ کا نام ذکر نہ کیا اس کے بدن کا وہ حصہ پاک ہوا جہاں تک پانی پہنچ گیا۔ (بدائع الصنائع، ج۱، ص۲۰، بیروت)

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ امام محمد بن الحاج علیہ الرحمہ فرماتے ہیں مجھے اس شخصیت سے تعجب ہے جس نے صرف اس حدیث سے سنت ہونے پر استدلال کیا ہے اس سے وہ حدیث مراد ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کسی کے پاس پانی ہے؟ پس آپ نے برتن میں دستِ مبارک رکھا اور فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر وضو کرو، تو میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اُبل رہا تھا حتیٰ کہ تمام صحابہ کرام نے وضو کر لیا، اور وہ ستر کے قریب تھے۔ اس حدیث کو امام نسائی، ابن خزیمہ اور بیہقی نے بھی روایت کیا۔ امام بیہقی نے فرمایا: بسم اللہ

400 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کے بارے میں روایت کی جانے والی یہ صحیح ترین حدیث ہے۔امام نووی نے کہا کہ اس کی سند عمدہ ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ،التسمیہ علی الوضوء ا/۴۳)

ہر وضو کے لیے بسم اللہ کے سنت ہونے پر اس حدیث کی دلالت کا ضعیف ہونا ظاہر ہے۔

کیونکہ اس جگہ تو تھوڑے پانی میں برکت حاصل کرنے کیلئے بسم اللہ پڑھی گئی ہے۔"اس کا وضو نہیں جس نے اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا" سے گزشتہ استدلال کے مطابق زیادہ سے زیادہ استحباب ثابت ہوتا ہے۔کیونکہ جس طرح سنت کے ترک کرنے سے فضیلت اور کمال کی نفی ہوتی ہے فی الجملہ مستحب کے ترک سے بھی یہ نفی ثابت ہوتی ہے، اس بحث سے استحباب کے قول کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔(فتاویٰ رضویہ، ج ا، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے میں غیر مقلدین کا نظریہ ودلیل

علامہ محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اہل ظواہر یعنی غیر مقلدین کے نزدیک بسم اللہ کے بغیر وضو جائز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اس حدیث میں "لا" نفی جنس کیلئے ہے حقیقت یہ ہے کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔(غیر مقلدین اگرچہ قیاس کے مخالف ہیں) لیکن اس مسئلہ میں وہ اس حدیث کو دوسری حدیث پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں۔(لَا صَلَاۃَ إِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ) وَهُوَ أَفَادَ الْوُجُوبَ ۔

کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔اور یہ حدیث وجوب کا فائدہ دیتی ہے لہٰذا اس کا تقاضہ یہ ہے بسم اللہ وضو کیلئے واجب یا شرط ہونی چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث فاتحہ مشہور ہے جبکہ حدیث تسمیہ فی الوضو غیر مشہور ہے۔کیونکہ آپ ﷺ نے ہر نماز میں فاتحہ پڑھی لیکن ہر وضو میں بسم اللہ نہیں پڑھی۔اور حکم دلیل کی قوت سے ثابت ہوتا ہے۔اور وہ قوت یہاں نہیں ہے۔اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم وضو میں بسم اللہ کو شرط یا واجب قرار دیں تو اس سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی۔جو کہ جائز نہیں۔اس کا تیسرا جواب یہ ہے اس سے کتاب اللہ کا نسخ لازم آئے گا جو درست نہیں۔

ابتدائے وضو میں بسم اللہ کے بارے میں امام طحاوی وامام قدوری کا مؤقف ودلیل

یہ ائمہ فرماتے ہیں کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے کیونکہ حضرت عثمان اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کا وضو جو مروی ہے اس میں انہوں نے تسمیہ کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کیا پس آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا حتی کہ آپ وضو سے فارغ ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے کسی چیز نے بھی سلام کے جواب سے منع نہیں کیا مگر میں نے طہارت کے بغیر اللہ کا ذکر پسند نہ کیا۔(سنن ابن ماجہ، ج ا، باب الرجل یسلم علیہ وھو یبول۔قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے وضو کے وقت اللہ کا ذکر طہارت سے پہلے کرنا پسند نہیں فرمایا اور بسم اللہ بھی اللہ کا

ذکر ہے لہٰذا اس کا ترک بھی ثابت ہوا اور جب آپ ﷺ سے کسی عمل کا سنت کے ساتھ ساتھ ترک بھی ثابت ہو تو مستحب ہوتا ہے۔ (عنایہ شرح ہدایہ، ج۱، ص۲۳، دارالفکر، بیروت)

حدیث ''لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يُسَمِّ اللّٰهَ'' کا معنی

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ یہ حدیث احاد میں سے ہے۔ اور خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ کے مطلق کو مقید کرنا جائز نہیں لہٰذا اس حدیث کو کمال وضو کی نفی پر محمول کریں گے۔ اور یہی معنی سنت ہے جیسا حدیث میں ہے۔ قَوْلِ النبی لَا صَلَاةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ "مسجد کے ہمسائے کی نماز نہیں ہے مگر مسجد میں۔ کیونکہ اگر مسجد کے ہمسائے سے جماعت چھوٹ جائے اور وہ بعد جماعت گھر میں نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے اور اس کی نماز درست ہے البتہ ثواب میں کمال کی نفی ضرور ہوگی۔ جو اسے مسجد میں حاصل ہوتا تھا اس حدیث کے پیش نظر ہم کہیں گے کہ بسم اللہ وضو کے شروع میں پڑھنا نبی کریم ﷺ سے مواظبت سے ثابت ہے لہٰذا سنت ہے صاحب ہدایہ کا سنت کہنے کی وجہ یہ بھی ہے دلیل میں قوت ہے کہ ''لا وضو'' یعنی نفی شئی یقیناً کسی امر معین میں ہوتی ہے۔

بَابُ: التَّيَمُّنِ فِي الْوُضُوْءِ

یہ باب وضو کرتے ہوئے دائیں طرف سے ابتداء کرنے کے بیان میں ہے

وضو کو دائیں اعضاء سے شروع کرنے کا بیان

401- حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَشْعَثَ بْنِ اَبِي الشَّعْثَاءِ ح و حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ عَنْ اَشْعَثَ بْنِ اَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ اَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِي الطُّهُوْرِ اِذَا تَطَهَّرَ وَفِي تَرَجُّلِهِ اِذَا تَرَجَّلَ وَفِي انْتِعَالِهِ اِذَا انْتَعَلَ

◄► سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم ﷺ کو وضو کرنے میں، کنگھی کرنے میں اور جوتا پہننے میں دائیں طرف سے آغاز کرنا پسند تھا۔

402- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا اَبُو جَعْفَرٍ النُّفَيْلِيُّ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّاْتُمْ فَابْدَءُوْا بِمَيَامِنِكُمْ

401 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 168' ورقم الحدیث: 426یا446' ورقم الحدیث: 5380' ورقم الحدیث: 5384' ورقم الحدیث 5926' اخرجہ مسلم فی الصحیح'' رقم الحدیث 615' ورقم الحدیث: 616' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4140' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 608' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 112' ورقم الحدیث: 419' ورقم الحدیث: 5255

402 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 4141

قَالَ اَبُوالْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا اَبُوحَاتِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ صَالِحٍ وَّابْنُ نُفَيْلٍ وَّغَيْرُهُمَا قَالُوْا حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

◆◆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جب تم وضو کرو تو دائیں طرف سے آغاز کرو''۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شرح

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم حتی الامکان اپنے تمام کاموں کو سیدھے ہاتھ سے شروع کرنا محبوب رکھتے تھے اور (مثلاً) اپنی طہارت میں، اپنا جوتا پہننے میں۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 377)

اس حدیث میں اچھے کاموں کو داہنے ہاتھ سے شروع کرنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں اسے پسند فرماتے اور عزیز رکھتے تھے کہ جہاں تک اپنا بس چلے تمام کام داہنے ہاتھ سے انجام دیے جائیں چنانچہ لفظ ما استطاع (حتی الامکان) سے اسی محافظت اور تاکید کی طرف اشارہ ہے۔

''طہارت'' دائیں طرف سے شروع کرنے کی یہ شکل تھی کہ وضو میں دایاں ہاتھ اور دایاں پیر پہلے دھوتے تھے اور بایاں ہاتھ و بایاں پیر بعد میں دھوتے تھے، اسی طرح نہانے کے وقت دائیں جانب پہلے دھوتے اور بائیں جانب بعد میں دھوتے تھے۔ بہر حال اس حدیث میں تین چیزیں ذکر کی گئی ہیں، جو مثال کے طور ہیں ورنہ تو ہر وہ چیز جو از قبیل بزرگی ہوتی تھی اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ سے شروع کرتے تھے، جیسے کپڑے پہننا، ازار زیب تن کرنا، موزہ پہننا، مسجد میں داخل ہونا، مسواک کرنا، بیت الخلاء سے باہر آنا (یعنی بیت الخلاء سے پہلے دایاں پیر باہر نکالتے تھے، سرمہ لگانا، ناخن کتروانا، بغل کے بال صاف کرنا، لب کے بال کتروانا، سر منڈوانا، زیر ناف بال صاف کرنا، مصافحہ کرنا، کھانا پینا اور کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح جو چیز از قبیل بزرگی نہیں ہیں ان کو بائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے، مثلاً بیت الخلاء (یعنی بیت الخلاء میں پہلے بایاں پیر رکھنا، بازار میں جانا، مسجد سے نکلنا، ناک سنکنا، تھوکنا، استنجاء کرنا اور کپڑے اور جوتے اتارنا یا ایسے ہی دوسرے کام، ان کاموں کو بائیں طرف سے شروع کرنے میں ایک لطیف اور پر حقیقت نکتہ بھی ہے یہ کہ ایسی چیزوں کی ابتداء بائیں طرف سے کرنے کی وجہ دائیں طرف کی تکریم و احترام کا مظاہرہ ہوتا ہے مثلاً جب کوئی آدمی مسجد سے نکلتے وقت پہلے بایاں قدم باہر نکالے گا تو دائیں قدم کی تکریم ہوئی بایں طور کہ دایاں قدم محترم جگہ میں باقی رہا۔ اسی پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے، یہی وجہ کہ انسان کے ہمراہ جو دو فرشتے ہوتے ہیں ان میں سے دائیں ہاتھ کا فرشتہ دائیں طرف کی فضیلت و احترام کی بناء پر بائیں ہاتھ کے فرشتے پر شرف و فضیلت رکھتا ہے، نیز اسی نقطہ کے پیش نظر کہا جاتا ہے کہ دائیں طرف کا ہمسایہ بائیں طرف کے ہمسایہ پر مقدم ہے۔

بَابُ: اَلْمَضْمَضَةِ وَالاسْتِنْشَاقِ مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ

یہ باب ایک ہی چلو کے ذریعے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے بیان میں ہے

ایک ہی چلو سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا بیان

403-حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْجَرَّاحِ وَاَبُوْبَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ غُرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ

◄◄ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی چلو کے ذریعے کلی بھی کی اور ناک میں پانی بھی ڈالا۔

شرح

حدیث کے آخر جملہ میں دو احتمال ہیں یعنی اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ آپ نے ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی دیا اور اس طرح تین مرتبہ کیا یا یہ کہ تین چلو سے تین مرتبہ کلی کی اور پھر تین چلو سے تین مرتبہ ناک میں پانی دیا۔ دوسرے معنی زیادہ مناسب اور اکثر روایات کے مطابق ہیں۔ ان کے علاوہ ایک تیسرا احتمال اور بھی ہوسکتا ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی چلو سے تین مرتبہ کلی کی اور ناک میں پانی بھی دیا، دوسرا چلو نہیں لیا۔ یہی تمام احتمالات اس کے بعد والی حدیث میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

404-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ خَيْرٍ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّاَ فَمَضْمَضَ ثَلٰثًا وَّاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا مِنْ كَفٍّ وَّاحِدٍ

◄◄ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ کلی کی اور تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل ایک ہی چلو کے ذریعے کیا۔

ایک چلو یا الگ الگ چلو سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا فقہی بیان

حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ایک ہی چلو سے کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ایسا کیا اس باب میں عبداللہ بن عباس بھی حدیث نقل کرتے ہیں ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن زید کی حدیث حسن غریب ہے یہ حدیث عمرو بن یحییٰ سے مالک ابن عیینہ اور کئی دوسرے راویوں نے نقل کی ہے لیکن اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی چلو سے ناک میں بھی پانی ڈالا اور کلی بھی کی اسے صرف خالد بن

403 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 140' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 137' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 36' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 101' ورقم الحدیث: 102

404۔ اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عبداللہ نے ذکر کیا ہے خالد محدثین کے نزدیک ثقہ اور حافظ ہیں۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے لئے ایک ہی چلو کافی ہے اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ دونوں نے کہا ہے کہ دونوں کے لئے الگ پانی لینا مستحب ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر دونوں ایک ہی چلو سے کرے تو جائز ہے اور اگر الگ الگ چلو سے کرے تو یہ ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے۔ (جامع ترمذی: جلداول: رقم الحدیث، 27)

405-حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوالْحُسَيْنِ الْعُكْلِيُّ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيٰى عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَنَا وَضُوْءًا فَاَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدٍ

حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے لیے پانی طلب کیا۔ میں پانی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی چلو کے ذریعے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔

کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی سنت میں مذاہب اربعہ

حضرت سلمہ بن قیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم وضو کرو تو ناک صاف کرو اور جب استنجے کے لیے پتھر استعمال کرو تو طاق عدد میں لو اس باب میں حضرت عثمان لقیط بن صبرہ ابن عباس مقدام بن معدیکرب وائل بن حجر ابو ہریرہ سے بھی روایات مذکور ہیں ابوعیسیٰ کہتے ہیں حدیث سلمہ بن قیس حسن صحیح ہے اہل علم نے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے بارے میں اختلاف کیا ہے ایک گروہ کے نزدیک وضو میں ان دونوں کو چھوڑنے سے نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی اور انہوں نے وضو اور جنابت میں اس حکم کو یکساں قرار دیا ہے ابن ابی لیلی عبداللہ بن مبارک احمد اور اسحاق بھی یہی کہتے ہیں۔

امام احمد نے فرمایا کلی کرنے سے ناک میں پانی ڈالنے کی زیادہ تاکید ہے ابوعیسیٰ نے فرمایا کہ ایک گروہ نے کہا کہ جنابت میں اعادہ کرے وضو میں نہ کرے سفیان ثوری اور بعض اہل کوفہ کو یہی قول ہے اور ایک گروہ کے نزدیک نہ وضو میں اعادہ کرے اور نہ غسل جنابت میں کرے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔

لہذا جو ان دونوں کو وضو اور غسل جنابت میں چھوڑ دے تو اس پر اعادہ نہیں ہے امام مالک اور امام شافعی کا یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلداول، رقم الحدیث، 26)

405 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 185' ورقم الحدیث: 186' ورقم الحدیث: 191' ورقم الحدیث 192' ورقم الحدیث 197' ورقم الحدیث 199' اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث: 554' ورقم الحدیث 555' ورقم الحدیث: 556' ورقم الحدیث: 557' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 100' ورقم الحدیث 118' ورقم الحدیث: 119' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 28' ورقم الحدیث 32' ورقم الحدیث 47' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 97' ورقم الحدیث 98' ورقم الحدیث: 99

بَابُ: اَلْمُبَالَغَةِ فِی الْاِسْتِنْشَاقِ وَالْاِسْتِنْثَارِ

یہ باب ناک میں پانی ڈالتے ہوئے اور ناک صاف کرتے ہوئے مبالغہ کرنے کے بیان میں ہے

اچھی طرح کلی اور استنشاق کرنے کا بیان

406- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ مَنْصُوْرٍ ح وحَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ قَيْسٍ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّاْتَ فَانْثُرْ وَاِذَا اسْتَجْمَرْتَ فَاَوْتِرْ

حضرت سلمہ بن قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: جب تم وضو کرو تو ناک میں پانی ڈالو اور جب تم پتھر (کے ذریعے استنجاء کرو) تو طاق تعداد میں کرو۔

407- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ الطَّائِفِىُّ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ كَثِيْرٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِىْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَبَالِغْ فِى الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا

عاصم بن لقیط اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' میں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وضو کے بارے میں بتایئے' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھی طرح وضو کرو اور ناک میں پانی ڈالتے ہوئے مبالغہ کرو! البتہ اگر تم روزے کی حالت میں ہو' تو حکم مختلف ہے۔

شرح

سوال کا مقصد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کمال وضو کا طریقہ بتا دیجئے تا کہ اسے اختیار کر کے ثواب کا مستحق ہو سکوں اس کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیا کہ وضو کو پورا کرو، یعنی وضو کے جو فرائض اور سنن و مستحبات ہیں انہیں پورا کرو۔ وضو میں انگلیوں کے درمیان خلال کرنا حضرت امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سنت ہے مگر یہ حکم اس شکل میں ہے جبکہ انگلیاں خلقی اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا اور کشادہ ہوں لیکن آپس میں اگر اس طرح ملی ہوں کہ آسانی اور بے تکلفی سے پانی ان کے درمیان نہ پہنچا ہو تو پھر انگلیوں کے درمیان خلال کرنا واجب ہوگا۔

حنفیہ کے یہاں انگلیوں کے درمیان خلال کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کیا جائے۔ یہی طریقہ اولیٰ ہے۔ پاؤں کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے

406 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 27' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 43' ورقم الحدیث: 89

407 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 142' ورقم الحدیث: 143' ورقم الحدیث: 144' ورقم الحدیث: 2366' ورقم الحدیث 3973' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 38' ورقم الحدیث 778' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 87' ورقم الحدیث: 114

کرنا چاہئے اس طرح کہ اسے دائیں پاؤں کی چھنگلیا کے نیچے داخل کر کے خلال کرنا شروع کیا جائے، یہاں تک کہ بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کیا جائے۔ ناک میں پانی دینے کی حد یہ ہے کہ پانی ناک کے نرم حصہ تک پہنچایا جائے اور اس میں مبالغہ جو حدیث کا منشا ہے یہ ہے کہ پانی اس سے بھی آگے گزر جائے، مگر جیسا کہ خود حدیث نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ مبالغہ یعنی ناک کے نرم حصہ سے بھی آگے پانی پہنچانا اس وقت ہے جب کہ وضو کرنے والا روزہ دار نہ ہو، اگر وضو کرنے والا روزہ دار ہو تو پھر اس کے لئے یہ مبالغہ مکروہ ہے۔ اس موقع پر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو میں سنت ہے اور غسل میں فرض مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غسل اور وضو میں یہ دونوں چیزیں سنت ہیں۔

408- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ سُلَيْمَانَ ح و حَدَّثَنَا عَلِىُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنِ ابْنِ اَبِىْ ذِئْبٍ عَنْ قَارِظِ بْنِ شَيْبَةَ عَنْ اَبِىْ غَطَفَانَ الْمُرِّىِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَنْثِرُوْا مَرَّتَيْنِ بَالِغَتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا

◄► حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''دو مرتبہ یا تین مرتبہ مبالغے کے ساتھ ناک میں پانی ڈالو''۔

409- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ وَدَاوُدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِىْ اِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِىِّ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّاَ فَلْيَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ

◄► حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے' وضو کرنے والے شخص کو چاہیے کہ وہ ناک میں پانی ڈالے اور ڈھیلے استعمال کرنے والے شخص کو طاق تعداد میں ڈھیلے استعمال کرنے چاہئیں۔

بَابُ: مَا جَاءَ فِى الْوُضُوْءِ مَرَّةً مَرَّةً

یہ باب ایک' ایک مرتبہ وضو کرنے کے بارے میں ہے

410- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ حَدَّثَنَا شَرِيْكُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ النَّخَعِىُّ عَنْ ثَابِتِ بْنِ اَبِىْ صَفِيَّةَ الثُّمَالِىِّ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا جَعْفَرٍ قُلْتُ لَهٗ حُدِّثْتَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ مَرَّةً مَرَّةً قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَمَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَثَلٰثًا ثَلٰثًا قَالَ نَعَمْ

◄► ثابت بن ابوصفیہ بیان کرتے ہیں: میں نے ابوجعفر (یعنی امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ) سے دریافت کیا: کیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کو یہ حدیث سنائی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک، ایک مرتبہ اور دو دو مرتبہ اور تین، تین مرتبہ وضو کیا ہے'

408- اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:141

409- اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث:161' اخرجہ مسلم فی الصحیح'' رقم الحدیث:561' ورقم الحدیث:562' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 88

410- اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث:45' ورقم الحدیث:46

انہوں نے جواب دیا: جی ہاں۔

411- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّاَ غُرْفَةً غُرْفَةً

◄◄ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو ایک، ایک مرتبہ وضو کرتے ہوئے دیکھا۔

412- حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا رِشْدِيْنُ بْنُ سَعْدٍ اَنْبَاَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ شُرَحْبِيْلَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُمَرَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ تَوَضَّاَ وَاحِدَةً وَّاحِدَةً

◄◄ حضرت عمر ﷺ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو غزوہ تبوک کے موقع پر دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا۔

شرح

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعضاء وضو کو کبھی ایک ایک مرتبہ دھوتے تھے کبھی دو دو مرتبہ دھوتے تھے اور کبھی تین تین مرتبہ دھوتے تھے اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ اکثر تین تین مرتبہ ہی دھوتے تھے۔ ان میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعضاء وضو کو کبھی کبھی ایک ایک مرتبہ دھونا بیان جواز کے لئے تھا یعنی اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ ایک ایک مرتبہ دھونا جائز ہے اور اس طرح وضو ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ادنیٰ درجہ ہے اور فرض بھی ایک ایک مرتبہ ہی دھونا ہے، اسی طرح دو دو مرتبہ بھی بیان جواز کے لئے دھوتے تھے کہ اس طرح بھی وضو ہو جاتا ہے اور اکثر و بیشتر تین تین مرتبہ اس لئے دھوتے ہیں کہ یہ طہارت کا انتہائی درجہ ہے، لہٰذا اعضاء وضو کو تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے اور اس پر زیادتی کرنا منع ہے، بعض احادیث میں بعض اعضاء کو تین تین مرتبہ بعض اعضاء کو دو دو مرتبہ اور بعض اعضاء کو ایک ایک مرتبہ بھی دھونا ثابت ہے چنانچہ یہ سب طریقے بھی بیان جواز کے لئے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک اعضاء وضو کو ایک ایک مرتبہ دھونا گناہ ہے کیونکہ اس طرح سنت مشہورہ ترک ہوتی ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جب خود احادیث سے ایک ایک مرتبہ دھونا ثابت ہے اسے گناہ کہنا مناسب نہیں ہے۔ آخر حدیث کے یہ الفاظ کہ "تین تین مرتبہ وضو کیا" یعنی اعضاء وضو کو تین بار دھویا۔ اس سے بظاہر تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سر کا مسح بھی تین مرتبہ کیا ہوگا لیکن جن روایتوں میں اعضاء وضو کے دھونے کی تفصیل اور وضاحت کی گئی ہے جیسے کہ صحیحین کی روایتیں گزری ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سر کا مسح ایک ہی مرتبہ ہے۔

---

411 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 157 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 138 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 42 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 80

412 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 42

بَابُ: الْوُضُوْءِ ثَلٰثًا ثَلٰثًا

یہ باب تین، تین مرتبہ وضو کرنے کے بیان میں ہے

413- حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ خَالِدٍ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ الدِّمَشْقِيُّ عَنِ ابْنِ ثَوْبَانَ عَنْ عَبْدَةَ بْنِ اَبِیْ لُبَابَةَ عَنْ شَقِيْقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ رَاَيْتُ عُثْمَانَ وَعَلِيًّا يَتَوَضَّاٰنِ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَيَقُوْلَانِ هٰكَذَا كَانَ وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اَبُو الْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَاهُ اَبُوْحَاتِمٍ حَدَّثَنَا اَبُوْنُعَيْمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ ثَابِتِ بْنِ ثَوْبَانَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

◄► شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تین، تین مرتبہ وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے ان دونوں حضرات نے یہ بات بیان کی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو اسی طرح تھا۔

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

414- حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَنْطَبٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ تَوَضَّاَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَرَفَعَ ذٰلِكَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

◄► حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں یہ بات منقول ہے انہوں نے تین، تین مرتبہ وضو کیا اور اس عمل کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی۔

415- حَدَّثَنَا اَبُوْكُرَيْبٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ حَيَّانَ عَنْ سَالِمٍ اَبِی الْمُهَاجِرِ عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ مِهْرَانَ عَنْ عَآئِشَةَ وَاَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا

◄► سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین، تین مرتبہ وضو کرتے تھے۔

416- حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ فَآئِدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَوَضَّاَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَمَسَحَ رَاْسَهٗ مَرَّةً

◄► حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین، تین مرتبہ وضو کرتے ہوئے

---

413 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

414 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 81

415 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

416 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اور ایک مرتبہ سر کا مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

417- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ لَيْثٍ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا

◄► حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ تین تین مرتبہ وضو کرتے تھے۔

418- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا

◄► سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم ﷺ تین تین مرتبہ وضو کرتے تھے۔

بَابُ: مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ مَرَّةً وَّمَرَّتَيْنِ وَثَلَاثًا

یہ باب ایک مرتبہ' دو مرتبہ' تین مرتبہ وضو کرنے کے بارے میں جو کچھ منقول ہے

419- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنِي مَرْحُومُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْعَطَّارُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ زَيْدٍ الْعَمِّيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً وَّاحِدَةً فَقَالَ هَذَا وُضُوءُ مَنْ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْهُ صَلَاةً إِلَّا بِهِ ثُمَّ تَوَضَّأَ ثِنْتَيْنِ ثِنْتَيْنِ فَقَالَ هَذَا وُضُوءُ الْقَدْرِ مِنَ الْوُضُوءِ وَتَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَّقَالَ هَذَا أَسْبَغُ الْوُضُوءِ وَهُوَ وُضُوئِي وَوُضُوءُ خَلِيلِ اللَّهِ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ تَوَضَّأَ هَكَذَا ثُمَّ قَالَ عِنْدَ فَرَاغِهِ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فُتِحَ لَهُ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ

◄► حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ایک ایک مرتبہ وضو کیا' پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ وہ وضو ہے' جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں کرتا ہے' پھر آپ ﷺ نے دو دو مرتبہ وضو کیا' پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا' یہ وہ وضو ہے' جس کی وجہ سے قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے' پھر آپ ﷺ نے تین' تین مرتبہ وضو کیا اور ارشاد فرمایا: یہ سب سے زیادہ اہتمام کے ساتھ کیا جانے والا وضو ہے' یہ میرا اور اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وضو کرنے کا طریقہ ہے' جو شخص اس طرح وضو کرے اور اس سے فارغ ہونے کے بعد یہ پڑھے۔

''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔

---

417 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

418 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

419 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

(نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں) تو اس شخص کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں' وہ ان میں سے جس میں بھی چاہے داخل ہو جائے"۔

420-حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُسَافِرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ قَعْنَبٍ اَبُوْ بِشْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَرَادَةَ الشَّيْبَانِيُّ عَنْ زَيْدِ بْنِ الْحَوَارِيِّ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ دَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّاَ مَرَّةً مَرَّةً فَقَالَ هٰذَا وَظِيْفَةُ الْوُضُوْءِ اَوْ قَالَ وُضُوْءٌ مَنْ لَّمْ يَتَوَضَّاْهُ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةً ثُمَّ تَوَضَّاَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ قَالَ هٰذَا وُضُوْءٌ مَنْ تَوَضَّاَهُ اَعْطَاهُ اللّٰهُ كِفْلَيْنِ مِنَ الْاَجْرِ ثُمَّ تَوَضَّاَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا فَقَالَ هٰذَا وُضُوْئِىْ وَوُضُوْءُ الْمُرْسَلِيْنَ مِنْ قَبْلِىْ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے پانی منگوایا پھر آپ ﷺ نے ایک' ایک مرتبہ وضو کیا' پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ لازم وضو ہے۔

(راوی کو شک ہے شاید آپ ﷺ نے یہ فرمایا) یہ اس شخص کا وضو ہے' جو شخص یہ وضو نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو قبول نہیں کرتا پھر آپ ﷺ نے دو دو مرتبہ وضو کیا' پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ وہ وضو ہے' جو شخص اس طرح وضو کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دوگنا اجر عطا کرتا ہے' پھر آپ ﷺ نے تین' تین مرتبہ وضو کیا' اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ میرا اور مجھ سے پہلے رسولوں کے وضو کا طریقہ ہے۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِى الْقَصْدِ فِى الْوُضُوْءِ وَكَرَاهَةِ التَّعَدِّىْ فِيْهِ

یہ باب وضو میں میانہ روی اختیار کرنا اور حد سے تجاوز کرنے کا مکروہ ہونے کے بیان میں ہے

421-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاوٗدَ حَدَّثَنَا خَارِجَةُ بْنُ مُصْعَبٍ عَنْ يُوْنُسَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عُتَيِّ بْنِ ضَمْرَةَ السَّعْدِيِّ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَيْطَانًا يُّقَالُ لَهٗ وَلَهَانُ فَاتَّقُوْا وَسْوَاسَ الْمَآءِ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: وضو کے لئے ایک مخصوص شیطان ہے' جس کا نام "ولہان" ہے' اس لئے تم پانی کے وسوسے سے بچو۔

شرح

ولھان" کے معنی ہیں عقل کا جاتے رہنا اور متحیر ہونا۔ یہ نام اس شیطان کا اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کر کے انہیں متحیر اور بے عقل کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وضو کرنے والا اس چکر میں پھنس کر وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ وہ جب وضو کرتا ہے تو یہ وسوسے اس کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں کہ نا معلوم فلاں عضو پر ٹھیک سے پانی پہنچا ہے یا نہیں؟ فلاں عضو

420 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

421 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 57

کو ایک مرتبہ دھویا ہے یا دو مرتبہ؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "پانی کے وسوسہ سے بچو" یعنی وضو کے وقت پانی استعمال کرنے میں جب اس قسم کے وسوسے اور وہم پیدا ہوں تو انہیں قائم نہ رہنے دو بلکہ انہیں اپنے دل سے باہر نکال پھینکو تا کہ حدود سنت سے تجاوز نہ کر سکو، کیونکہ اس شیطان کا مقصد تو یہی ہوتا ہے کہ وضو کرنے والا ان وسوسوں اور اوہام میں مبتلاء ہو کر اعضاء وضو کو تین مرتبہ سے بھی زیادہ دھو ڈالے یا ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کرے جس کی بنا پر وہ مسنون طریقہ سے ہٹ جائے۔

تین تین مرتبہ اعضائے وضو کو دھونے کا بیان

422- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا خَالِي يَعْلَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُوسَى بْنِ اَبِي عَائِشَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهُ عَنِ الْوُضُوءِ فَاَرَاهُ ثَلٰثًا ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ هٰذَا الْوُضُوءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ اَسَاءَ اَوْ تَعَدّٰى اَوْ ظَلَمَ

◄► عمرو بن شعیب اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: ایک دیہاتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے بارے میں دریافت کیا: تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین، تین مرتبہ وضو کر کے دکھایا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ وضو ہے' جو شخص اس سے زیادہ کرے گا' وہ غلط کرے گا اور وہ ظلم و زیادتی کا مرتکب ہو گا۔

423- حَدَّثَنَا اَبُو اِسْحٰقَ الشَّافِعِيُّ اِبْرٰهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْعَبَّاسِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو سَمِعَ كُرَيْبًا يَقُوْلُ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُوْنَةَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّاَ مِنْ شَنَّةٍ وُضُوْءًا يُقَلِّلُهُ فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ كَمَا صَنَعَ

◄► حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے اپنی خالہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رات بسر کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے مشکیزے سے وضو کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر وضو کیا۔ پھر میں اٹھا اور میں نے بھی ویسا ہی کیا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

وضو کرنے میں اسراف کے منع ہونے کا بیان

424- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفّٰى الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَضْلِ عَنْ اَبِيهِ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَتَوَضَّاُ فَقَالَ لَا تُسْرِفْ لَا تُسْرِفْ

---

422 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 135' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 140

423 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 138' ورقم الحدیث: 726' ورقم الحدیث: 859' اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم لحدیث 1790' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث۔232' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 441

424 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔425

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: تم اسراف نہ کرو! اسراف نہ کرو۔

425- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ حُيَيِّ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمَعَافِرِيِّ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَّهُوَ يَتَوَضَّاُ فَقَالَ مَا هٰذَا السَّرَفُ فَقَالَ اَفِي الْوُضُوْءِ اِسْرَافٌ قَالَ نَعَمْ وَاِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهَرٍ جَارٍ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ وضو کر رہے تھے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' یہ کیا فضول خرچی ہے' انہوں نے عرض کی: کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں' اگرچہ تم ایک بہتی ہوئی نہر پر وضو کر رہے ہو۔

شرح

یہ حدیث اس بات پر تنبیہ کر رہی ہے کہ وضو وغسل میں پانی ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اسراف ہے اور اسراف شریعت کی نگاہ میں کوئی محبوب چیز نہیں ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وضو میں پانی زیادہ خرچ کر رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تنبیہ فرمائی اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بڑا تعجب ہوا کہ پانی کوئی نایاب اور کم یاب چیز تو ہے نہیں پھر اس میں اسراف کے کیا معنی؟ اسی بنا پر انہوں نے سوال بھی کیا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہوسکتا ہے؟ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسراف تو اسے بھی کہیں گے کہ تم نہر جاری پر بیٹھ کر وضو کرو اور پانی زیادہ خرچ کرو جب کہ نہر یا دریا وغیرہ سے کتنا بھی پانی خرچ کر دیا جائے اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوسکتی۔ اس جملہ کی تشریح علماء کرام یہ کرتے ہیں کہ نہر جاری پر اسراف اس لئے ہوتا ہے کہ جب کوئی آدمی حدود شریعت سے تجاوز کر کے ضرورت شرعی سے زیادہ پانی خرچ کرتا ہے تو اس میں عمر اور وقت یوں ہی ضائع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اسراف ہے۔ علامہ طیبی نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اس سے اس بات میں مبالغہ منظور ہے کہ جس چیز میں اسراف متصور نہیں ہے جب اس میں بھی اسراف ہوسکتا ہے تو پھر ان چیزوں کا کیا حال ہوگا جس میں اسراف واقعۃً ہوتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ وضو اور غسل وغیرہ میں ضرورت شرعی سے زیادہ پانی خرچ کرنا اسراف میں شامل ہے اور یہ چیز مناسب نہیں ہے۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِيْ اِسْبَاغِ الْوُضُوْءِ

یہ باب اچھی طرح وضو کرنے کے بیان میں ہے

426- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ سَالِمٍ اَبُوْ جَهْضَمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ

425 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

426 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 808' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 1701' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 141' ورقم الحدیث

اللّٰهِ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِسْبَاغِ الْوُضُوْءِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دیا ہے۔

شرح

اسباغ الوضوء کے معنی ہیں، ہر اس عضو تک، جس کا دھونا وضو میں ضروری ہے، پوری طرح احتیاط کے ساتھ پانی پہنچانا، تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔

427-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِيْ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيْلٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يُكَفِّرُ اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَزِيْدُ بِهٖ فِي الْحَسَنَاتِ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطٰى اِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کیا میں تم لوگوں کی رہنمائی اس کام کی طرف کروں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے نیکیوں میں اضافہ کر دیتا ہے؟ لوگوں نے عرض کی: جی ہاں یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب طبیعت آمادہ نہ ہو اس وقت اچھی طرح وضو کرنا' زیادہ قدموں کے ساتھ چل کر مسجد کی طرف جانا' اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔

428-حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ حَمْزَةَ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفَّارَاتُ الْخَطَايَا اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَاِعْمَالُ الْاَقْدَامِ اِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں' گناہوں کو ختم کرنے والی چیز' جب طبیعت آمادہ نہ ہو اس وقت وضو کرنا' مساجد کی طرف پیدل چل کر جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا ہیں۔

427-اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

428-اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِي تَخْلِيلِ اللِّحْيَةِ

یہ باب داڑھی کے خلال کے بیان میں ہے

وضو میں داڑھی کے خلال کے سنت ہونے کا بیان

429- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْعَدَنِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ أَبِي أُمَيَّةَ عَنْ حَسَّانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ ح و حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ حَسَّانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی داڑھی کا خلال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

شرح

وضو میں داڑھی کا اس طرح خلال کرنا مستحب ہے، یہ خلال منہ دھونے کے بعد کرنا چاہئے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ انگلیاں داڑھی کے نیچے سے داخل کر کے اوپر کی طرف کا باہر نکالی جائیں۔

430- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ الْقَزْوِينِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ عَامِرِ بْنِ شَقِيقٍ الْأَسَدِيِّ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَخَلَّلَ لِحْيَتَهُ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنی داڑھی کا خلال کیا۔

431- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَفْصِ بْنِ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ أَبُو النَّضْرِ صَاحِبُ الْبَصْرِيِّ عَنْ يَزِيدَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ خَلَّلَ لِحْيَتَهُ وَفَرَّجَ أَصَابِعَهُ مَرَّتَيْنِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے ہوئے اپنی دونوں انگلیوں کو کشادہ کر کے اپنی داڑھی مبارک کا دو مرتبہ خلال کیا کرتے تھے۔

432- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ حَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ قَيْسٍ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ عَرَكَ عَارِضَيْهِ

---

429 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 29 ورقم الحدیث: 30

430 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 31

431 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

432 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بَعْضَ الْعَرْكِ ثُمَّ شَبَّكَ لِحْيَتَهُ بِاَصَابِعِهِ مِنْ تَحْتِهَا

⚫⚫ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے ہوئے اپنے رخسار کو کچھ ملتے تھے پھر نیچے کی طرف سے اپنی انگلیاں داڑھی میں داخل کر کے (اس کا خلال کرتے تھے)

433- حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّقِّيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيعَةَ الْكِلَابِيُّ حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ السَّائِبِ الرَّقَاشِيُّ عَنْ اَبِيْ سَوْرَةَ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ فَخَلَّلَ لِحْيَتَهُ

⚫⚫ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا' تو اپنی داڑھی کا خلال بھی کیا۔

شرح

امام طبرانی اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے حالانکہ اس وقت آپ وضو فرما رہے تھے۔ پس آپ نے داڑھی کا خلال کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح طہارت ہے؟ فرمایا ہاں مجھے میرے رب کا حکم اسی طرح ہے۔ (رواہ طبرانی فی الاوسط)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ داڑھی کے خلال کا حکم یعنی امر دیا گیا ہے اور امر کا تقاضہ یہ ہے کہ داڑھی کا خلال کرنا واجب ہو اور دوسری دلیل یہ ہے کہ داڑھی کے بال اس جگہ پر اگتے ہیں جو چہرے میں داخل ہے اور چہرے کا دھونا فرض ہے لہٰذا داڑھی کا خلال محل فرض میں داخل ہے جس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ داڑھی کا خلال فرض نہیں تو واجب ضرور ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے جو خلال ثابت ہے اس میں مواظبت ثابت نہیں بلکہ یہ محض خبر واحد ہے جبکہ وجوب کیلئے مواظبت ضروری ہے۔ اور سنت اس لئے ہے کہ اس سے فرض کی تکمیل ہوتی ہے جو سنت میں اصل ہے۔

(عنایہ شرح ہدایہ، ج ۱، ص ۳۰، بیروت)

اور محل فرض نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ داڑھی کے بال اگنے کے بعد وہ جگہ حکم وجہ یعنی بشرہ (جلد) سے خارج ہو گیا۔ اور جس طرح دوسرے چہرے کو دھونا فرض ہے اسی طرح داڑھی کا خلال کرتے ہوئے پانی کا جلد تک پہنچانا فرض نہیں ہے کیونکہ اگر فرض قرار دیا جائے تو حرج لازم آتا ہے۔ جو شریعت اسلامیہ سے اٹھا لیا گیا ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی وضو فرماتے تو کلی کرتے۔ ناک میں پانی ڈالتے اور اپنی انگلیاں داڑھی کے نیچے سے ڈال کر داڑھی کا خلال فرماتے۔ (المسند لاحمد بن حنبل مجمع الزوائد للہیثمی،)

433: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِي مَسْحِ الرَّأْسِ

یہ باب سر کا مسح کرنے کے بیان میں ہے

سر کا مسح دو مرتبہ کرنے کا بیان

434- حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى قَالَا أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِدْرِيسَ الشَّافِعِيُّ قَالَ أَنْبَأَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُرِيَنِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ نَعَمْ فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتَّى رَجَعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ

◆◆ عمرو بن یحییٰ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: انہوں نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے جو عمرو بن یحییٰ کے دادا ہیں ان سے یہ کہا: کیا آپ یہ کر سکتے ہیں؟ کہ مجھے یہ دکھائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کیا کرتے تھے تو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں۔

پھر انہوں نے وضو کا پانی منگوایا پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں پر اسے بہا کر انہیں دو مرتبہ دھویا پھر انہوں نے تین مرتبہ کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا پھر انہوں نے اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا۔

پھر انہوں نے دونوں بازو کہنیوں تک دو دو مرتبہ دھوئے پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کے ذریعے اپنے سر کا دو مرتبہ مسح کیا وہ پہلے ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف لے کر گئے اور پھر پیچھے سے آگے کی طرف لے کر آئے انہوں نے سر کے اگلے حصے سے آغاز کیا پھر وہ دونوں ہاتھ پیچھے گدی تک لے گئے تھے پھر انہیں واپس لے آئے تھے اس جگہ جہاں سے انہوں نے مسح کا آغاز کیا تھا۔ پھر انہوں نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

سر کے مسح کے تکرار ہونے یا نہ ہونے میں مذاہب اربعہ

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ سر کا مسح بھی تین بار ہو یا ایک ہی بار؟ امام شافعی کا مشہور مذہب اول ہے اور امام احمد اور ان کے تبعین کا دوم۔ دلائل یہ ہیں حضرت عثمان بن عفان وضو کرنے بیٹھتے ہیں اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالتے ہیں، انہیں دھو کر پھر کلی کرتے ہیں اور ناک میں پانی دیتے ہیں، پھر تین مرتبہ منہ دھوتے ہیں، پھر تین تین بار دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتے ہیں، پہلے دایاں پھر بایاں۔ پھر اپنے سر کا مسح کرتے ہیں پھر دونوں پیر تین تین بار دھوتے ہیں پہلے داہنا پھر بایاں۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا اور وضو کے بعد آپ نے فرمایا جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو

کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں (بخاری و مسلم)
سنن ابی داؤد میں اسی روایت میں سر کے مسح کرنے کے ساتھ ہی یہ لفظ بھی ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ کیا، حضرت علی سے بھی اسی طرح مروی ہے اور جن لوگوں نے سر کے مسح کو بھی تین بار کہا ہے انہوں نے حدیث سے دلیل لی ہے۔ جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار اعضاء وضو کو دھویا۔ حضرت عثمان سے مروی ہے کہ آپ نے وضو کیا پھر اسی طرح روایت ہے اور اس میں کلی کرنی اور ناک میں پانی دینے کا ذکر نہیں اور اس میں ہے کہ پھر آپ نے تین مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ اپنے دونوں پیر دھوئے۔ پھر فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا اور آپ نے فرمایا جو ایسا وضو کرے اسے کافی ہے۔ لیکن حضرت عثمان سے جو حدیثیں صحاح میں مروی ہیں ان سے تو سر کا مسح ایک بار ہی ثابت ہوتا ہے۔

سر کا مسح ایک مرتبہ کرنے کا بیان

435- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ فَمَسَحَ رَاْسَهٗ مَرَّةً

◄► حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے آپ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے سر کا مسح کیا۔

436- حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِىْ حَيَّةَ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ رَاْسَهٗ مَرَّةً

◄► حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ اپنے سر مبارک کا ایک مرتبہ مسح کرتے تھے۔

437- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَارِثِ الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ رَاشِدٍ الْبَصْرِيُّ عَنْ يَزِيْدَ مَوْلٰى سَلَمَةَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ فَمَسَحَ رَاْسَهٗ مَرَّةً

◄► حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے، آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک پر ایک مرتبہ مسح کیا۔

438- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيْلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ تَوَضَّاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ رَاْسَهٗ مَرَّتَيْنِ

---

435 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

436 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

437 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

438 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی کریم ﷺ نے وضو کرتے ہوئے اپنے سر پر دومرتبہ مسح کیا۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِي مَسْحِ الْأُذُنَيْنِ

یہ باب دونوں کانوں کے مسح کے بیان میں ہے

439-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ اُذُنَيْهِ دَاخِلَهُمَا بِالسَّبَّابَتَيْنِ وَخَالَفَ اِبْهَامَيْهِ اِلٰى ظَاهِرِ اُذُنَيْهِ فَمَسَحَ ظَاهِرَهُمَا وَبَاطِنَهُمَا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے اپنے دونوں کانوں کا مسح کیا' آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلیاں کانوں کے اندر داخل کیں اور انگوٹھوں کو کان کے باہر والے حصے پر رکھا پھر آپ ﷺ نے اس کے بیرونی اور اندرونی حصے کا مسح کیا۔

440-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيْلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ فَمَسَحَ ظَاهِرَ اُذُنَيْهِ وَبَاطِنَهُمَا

سیدہ ربیع رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم ﷺ نے وضو کرتے ہوئے اپنے کانوں کے بیرونی اور اندرونی حصے کا مسح کیا۔

441-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيْلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ تَوَضَّاَ النَّبِيُّ ﷺ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ جُحْرَيْ اُذُنَيْهِ

سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم ﷺ نے وضو کرتے ہوئے اپنی انگلیاں کانوں کے سوراخوں میں داخل کیں۔

442-حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ حَدَّثَنَا حَرِيْزُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّاَ فَمَسَحَ بِرَاْسِهٖ وَاُذُنَيْهِ ظَاهِرَهُمَا وَبَاطِنَهُمَا

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے وضو کرتے ہوئے اپنے سر مبارک اور دونوں کانوں کا مسح کیا' آپ ﷺ نے ان دونوں کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصے کا مسح کیا۔

---

440 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

441 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:131

442، اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:122' ورقم الحدیث:123

بَابُ: الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ

یہ باب دونوں کان سر کا حصہ ہیں کے بیان میں ہے

دونوں کان سر کا حصہ ہیں

443- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''دونوں کان سر کا حصہ ہیں''۔

شرح

اس سے معلوم ہوا کہ سر کے مسح کے پانی سے کان کا مسح بھی کیا جائے گا کیونکہ کان بھی سر ہی کا ایک حصہ ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کان کے لئے نیا پانی لینا بھی مشروع ہے لیکن علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کانوں کے لئے نیا پانی لینا ثابت نہیں، البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے ثابت ہے، تحفۃ الاحوذی والے کہتے ہیں: میرے علم میں کوئی ایسی صحیح مرفوع روایت نہیں جس میں یہ بیان ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کے لئے نیا پانی لیا ہو، ہاں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسا کرنا ثابت ہے، امام مالک نے موطا میں نافع کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی دونوں انگلیوں سے اپنے کانوں کے لئے نیا پانی لیتے تھے۔

444- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ أَنْبَأَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سِنَانِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ وَكَانَ يَمْسَحُ رَأْسَهُ مَرَّةً وَكَانَ يَمْسَحُ الْمَاقَيْنِ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''دونوں کان' سر کا حصہ ہیں''۔ (راوی بیان کرتے ہیں:) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک کا ایک مرتبہ مسح کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آنکھوں کے اطراف کو بھی ملا کرتے تھے۔

445- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الْحُصَيْنِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُلَاثَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ الْجَزَرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

443 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

444: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 134' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 37

445: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

وَسَلَّمَ الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: دونوں کان سر کا حصہ ہیں۔

کانوں کا سر کے حکم میں داخل ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ تین تین مرتبہ دھوئے پھر سر کا مسح کیا اور فرمایا کان سر میں داخل ہیں ابوعیسٰی کہتے ہیں کہ قتیبہ حماد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ یہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا ابوامامہ کا اس باب میں حضرت انس سے بھی روایت منقول ہے۔

امام ترمذی نے کہا اس حدیث کی سند زیادہ قوی نہیں صحابہ اور تابعین میں سے اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کہ کان سر میں داخل ہیں، سفیان ثوری، ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور بعض اہل علم کے نزدیک کانوں کو سامنے کا حصہ چہرے میں اور پیچھے کا حصہ سر میں داخل ہے اسحاق کہتے ہیں مجھے یہ بات پسند ہے کہ کانوں کے اگلے حصے کا مسح چہرے کے ساتھ اور پچھلے کا مسح سر کے ساتھ کیا جائے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 36)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں کان سر سے ہیں۔ امام دارقطنی اس حدیث کو ۵۵ مختلف اسناد کے ساتھ لائے ہیں۔

جن میں مرفوع اور غیر مرفوع دونوں طرح کی روایات جمع ہیں۔ (سنن دارقطنی، ج ۱، ص، دار المعرفہ، بیروت)

احناف کے نزدیک سر کے پانی کے ساتھ ہی کانوں کا مسح کرنا سنت ہے اور دلیل یہ حدیث ہے کہ اذنان بھی راٴس سے ہیں جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ نئے پانی کے ساتھ سنت ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوامامہ باہلی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کا مسح نئے پانی کے ساتھ کیا۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح اور کانوں کا مسح ایک ہی پانی کے ساتھ کیا۔ (عنایہ شرح ہدایہ، ج ۱، ص ۲۹، دار الفکر، بیروت)

بَابُ: تَخْلِيلِ الْأَصَابِعِ

یہ باب انگلیوں کے خلال کرنے کے بیان میں ہے

وضو میں انگلیوں کے خلال کے سنت ہونے کا بیان

446- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفَّى الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حِمْيَرٍ عَنِ ابْنِ لَهِيعَةَ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْمَعَافِرِيُّ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَخَلَّلَ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصِرِهِ

446 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 148 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 40

قَالَ اَبُوالْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا حَازِمُ بْنُ يَحْيَى الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے چھوٹی انگلی کے ذریعے اپنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کا خلال کیا تھا۔ یہی روایت بعض دیگر اسناد کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شرح

وضو میں انگلیوں کے درمیان خلال کرنا حضرت امام اعظم اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سنت ہے مگر یہ حکم اس شکل میں ہے جبکہ انگلیاں خلقی اعتبار سے ایک دوسرے سے جدا اور کشادہ ہوں لیکن آپس میں اگر اس طرح ملی ہوں کہ آسانی اور بے تکلفی سے پانی ان کے درمیان نہ پہنچتا ہو تو پھر انگلیوں کے درمیان خلال کرنا واجب ہوگا۔ حنفیہ کے یہاں انگلیوں کے درمیان خلال کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کیا جائے۔ یہی طریقہ اولیٰ ہے۔ پاؤں کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے کرنا چاہئے اس طرح کہ اسے دائیں پاؤں کی چھنگلیا کے نیچے داخل کر کے خلال کرنا شروع کیا جائے، یہاں تک کہ بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کیا جائے۔ ناک میں پانی دینے کی حد یہ ہے کہ پانی ناک کے نرم حصہ تک پہنچایا جائے اور اس میں مبالغہ جو حدیث کا منشا ہے یہ ہے کہ پانی اس سے بھی آگے گزر جائے، مگر جیسا کہ خود حدیث نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ مبالغہ یعنی ناک کے نرم حصہ سے بھی آگے پانی پہنچانا اس وقت ہے جب کہ وضو کرنے والا روزہ دار نہ ہو، اگر وضو کرنے والا روزہ دار ہو تو پھر اس کے لئے یہ مبالغہ مکروہ ہے۔ اس موقع پر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو میں سنت ہے اور غسل میں فرض مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غسل اور وضو میں یہ دونوں چیزیں سنت ہیں۔

447- حَدَّثَنَا اِبْرٰهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْجَوْهَرِيُّ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنِ ابْنِ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ صَالِحٍ مَوْلَى التَّوْاَمَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَاجْعَلِ الْمَآءَ بَيْنَ اَصَابِعِ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ .

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جب تم نماز ادا کرنے لگو تو اچھی طرح وضو کرو اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے درمیان پانی داخل کرو۔

شرح

اس سے معلوم ہوا کہ پیروں کی انگلیوں کے درمیان خلال مسنون ہے، انگلیوں کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ دو انگلیوں کے درمیان انگلی اس طرح داخل کرے کہ دونوں انگلیوں کا درمیانی حصہ پوری طرح تر ہو جائے۔

---

447 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:39

448- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ الطَّائِفِيُّ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ كَثِيْرٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ لَقِيْطِ بْنِ صَبْرَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ

◆◆ عاصم بن لقیط اپنے والد کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں اچھی طرح وضو کرو اور اپنی انگلیوں کے درمیان خلال کرو۔

449- حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مُحَمَّدٍ الرَّقَاشِيُّ حَدَّثَنَا مَعْمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ رَافِعٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ رَافِعٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا تَوَضَّاَ حَرَّكَ خَاتَمَهُ

◆◆ عبیداللہ بن ابورافع اپنے والد کا یہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب وضو کرتے تھے تو آپ ﷺ اپنی انگوٹھی کو حرکت دیتے تھے۔

وضو میں انگلیوں کے خلال کے سنت ہونے کا فقہی بیان

حضرت عاصم بن لقیط بن صبرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم وضو کرو تو انگلیوں کا خلال کرو اس باب میں ابن عباس مستورد اور ابوایوب سے بھی احادیث مذکور ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ وضو میں پاؤں کی انگلیوں کا خلال کیا جائے۔

امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اسحاق فرماتے ہیں کہ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کیا جائے ابوہاشم کا نام اسماعیل بن کثیر ہے۔ (جامع ترمذی: جلداول: رقم الحدیث، 37)

بَابُ: غَسْلِ الْعَرَاقِيْبِ

یہ باب ایڑیوں کو دھونے کے بیان میں ہے

وضو میں ایڑیوں کو دھونے میں احتیاط کرنے کا بیان

450- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ اَبِیْ يَحْيٰى عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا يَتَوَضَّئُوْنَ وَاَعْقَابُهُمْ تَلُوْحُ فَقَالَ وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ

449 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

450 اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث: 569' ورقم الحدیث: 570' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 97' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 111' ورقم الحدیث 142.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھا جب کہ ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں (یعنی وہ خشک تھیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایڑیوں کے لیے جہنم کی بربادی ہے تم لوگ اچھی طرح وضو کرو۔

451-قَالَ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا اَبُوْحَاتِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمُؤْمِنِ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: (بعض) ایڑیوں کے لیے جہنم کی بربادی ہے۔

452-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ الْمَكِّيُّ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ ح و حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَّاَبُوْخَالِدٍ الْاَحْمَرُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ قَالَ رَاَتْ عَائِشَةُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ وَهُوَ يَتَوَضَّاُ فَقَالَتْ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ وَيْلٌ لِّلْعَرَاقِيْبِ مِنَ النَّارِ

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اچھی طرح وضو کرو کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ بعض ایڑیوں کے لیے جہنم کی بربادی ہے۔

شرح

راقیب": عرقوب کی جمع ہے، اور وہ موٹی رگ ہے جو ایڑی کے اور پاؤں کے پیچھے ہے، یعنی ایڑیاں اگر وضو میں خشک رہ جائیں گی تو جہنم میں جلائی جائیں گی۔

453-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِى الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ الْمُخْتَارِ حَدَّثَنَا سُهَيْلٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: بعض ایڑیوں کے لیے جہنم کی بربادی ہے۔

454-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِىْ كَرِبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ وَيْلٌ لِّلْعَرَاقِيْبِ مِنَ النَّارِ

---

452 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

453 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

454 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

◆◆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: بعض ایڑیوں کے لیے جہنم کی بربادی ہے۔

455-حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عُثْمَانَ وَعُثْمَانُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ الدِّمَشْقِيَّانِ قَالَا حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا شَيْبَةُ بْنُ الْاَحْنَفِ عَنْ اَبِیْ سَلَّامٍ الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ الْاَشْعَرِیِّ حَدَّثَنِیْ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ الْاَشْعَرِیُّ عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ وَيَزِيدَ بْنِ اَبِیْ سُفْيَانَ وَشُرَحْبِيلَ ابْنِ حَسَنَةَ وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ كُلُّ هٰؤُلَاءِ سَمِعُوا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتِمُّوا الْوُضُوْءَ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ

◆◆ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، حضرت یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ، حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یہ سب حضرات یہ بات بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے مکمل وضو کرو بعض ایڑیوں کے لیے جہنم کی بربادی ہے۔

بَابُ: مَا جَاءَ فِي غَسْلِ الْقَدَمَيْنِ

یہ باب دونوں قدموں کو دھونے کے بیان میں ہے

456-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِیْ حَيَّةَ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا تَوَضَّاَ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ اَرَدْتُّ اَنْ اُرِيَكُمْ طُهُوْرَ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

◆◆ ابوحیہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے پھر یہ ارشاد فرمایا: میں نے یہ چاہا کہ میں تمہیں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ دکھا دوں۔

457- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا حَرِيزُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلٰثًا ثَلٰثًا

◆◆ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے ہوئے دونوں پاؤں تین تین مرتبہ دھوئے۔

458-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ رَوْحِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ قَالَتْ اَتَانِیْ ابْنُ عَبَّاسٍ فَسَاَلَنِیْ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ تَعْنِیْ حَدِيثَهَا الَّذِیْ ذَكَرَتْ اَنَّ

---

455 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

456 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

457 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

458 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّ النَّاسَ اَبَوْا اِلَّا الْغَسْلَ وَلَا اَجِدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ اِلَّا الْمَسْحَ

سیدہ ربیع رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا (راوی کہتے ہیں) سیدہ ربیع کی مراد ان کی نقل کردہ وہ حدیث تھی' جس میں انہوں نے یہ بات ذکر کی ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: لوگوں نے صرف پاؤں دھونے کا حکم نقل کیا ہے' جبکہ اللہ کی کتاب میں مجھے صرف مسح کا حکم ملتا ہے۔

شرح

اس حدیث میں "ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا" سے آخر تک محدثین کرام کے نزدیک منکر ہے، اس لئے اس کی بنیاد پر حدیث کے ضعف پر استدلال درست نہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما خود پیر دھونے پر عامل اور اس کے قائل تھے۔

پاؤں کو دھونے میں اسلاف فقہاء کے اختلاف کا بیان

اور (ارجلکم) لام کی زبر سے عطف ہے جو (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا) 5۔المائدہ:6) پر ماتحت ہے دھونے کے حکم کے۔ ابن عباس یونہی پڑھتے تھے اور یہی فرماتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عروہ، حضرت عطاء، حضرت عکرمہ، حضرت حسن، حضرت مجاہد، حضرت ابراہیم، حضرت ضحاک، حضرت سدی، حضرت مقاتل بن حیان، حضرت زہری، حضرت ابراہیم تیمی وغیرہ کا یہی قول اور یہی قرأت ہے، اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ پاؤں دھونے چاہئیں،

پاؤں پر مسح کرنے والوں کے دلائل وجوابات کا بیان

آیت کے اس جملے کی ایک قرأت اور بھی ہے یعنی (وارجلکم) لام کے زیر سے اور اسی سے شیعہ نے اپنے اس قول کی دلیل لی ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا عطف سر کے مسح کرنے پر ہے۔ بعض سلف سے بھی کچھ ایسے اقوال مروی ہیں جن سے مسح کے قول کا وہم پڑتا ہے، چنانچہ ابن جریر میں ہے کہ موسیٰ بن انس نے حضرت انس سے لوگوں کی موجودگی میں کہا کہ حجاج نے اہواز میں خطبہ دیتے ہوئے طہارت اور وضو کے احکام میں کہا کہ منہ ہاتھ دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو دھویا کرو عموماً پیروں پر ہی گندگی لگتی ہے۔ پس تلوؤں کو اور پیروں کی پشت کو اور ایڑی کو خوب اچھی طرح دھویا کرو۔ حضرت انس نے جواباً کہا کہ اللہ سچا ہے اور حجاج جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آیت (وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا) 5۔ المائدہ: 6) اور حضرت انس کی عادت تھی کہ پیروں کا جب مسح کرتے انہیں بالکل بھگو لیا کرتے، آپ ہی سے مروی ہے کہ قرآن کریم میں پیروں پر مسح کرنے کا حکم ہے، ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پیروں کا دھونا ہے۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ وضو میں دو چیزوں کا دھونا ہے اور دو پر مسح کرنا۔ حضرت قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ آیت میں پیروں پر مسح کرنے کا بیان ہے۔

ابن عمر، علقمہ، ابوجعفر، محمد بن علی اور ایک روایت میں حضرت حسن اور جابر بن زید اور ایک روایت میں مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت عکرمہ اپنے پیروں پر مسح کرلیا کرتے تھے شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل کی معرفت مسح کا حکم نازل ہوا ہے، آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جن چیزوں کے دھونے کا حکم تھا ان پر تو تیمم کے وقت مسح کا حکم رہا اور جن چیزوں پر مسح کا حکم تھا تیمم کے وقت انہیں چھوڑ دیا گیا۔ عامر سے کسی نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت جبرائیل پیروں کے دھونے کا حکم لائے ہیں آپ نے فرمایا جبرائیل مسح کے حکم کے ساتھ نازل ہوئے تھے۔ پس یہ سب آثار بالکل غریب ہیں۔

اور محمول ہیں اس امر پر کہ مراد مسح سے ان بزرگوں کی ہلکا دھونا ہے، کیونکہ سنت سے صاف ثابت ہے کہ پیروں کا دھونا واجب ہے، یاد رہے کہ زیر کی قرأت یا تو مجاورت اور تناسب کلام کی وجہ سے ہے جیسے عرب کا کلام جحر ضب خرب میں اور اللہ کے کلام آیت (عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا) 76 ۔ الدھر: 21) میں لغت میں عرب میں پاس ہونے کی وجہ سے دونوں لفظوں کو ایک ہی اعراب دے دینا یہ اکثر پایا گیا ہے۔ حضرت امام شافعی نے اس کی ایک توجیہہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب پیروں پر جرابیں ہوں بعض کہتے ہیں مراد مسح سے ہلکا دھولینا ہے جیسے کہ بعض روایتوں میں سنت سے ثابت ہے۔

الغرض پیروں کا دھونا فرض ہے جس کے بغیر وضو نہ ہوگا۔ آیت بھی یہی ہے اور احادیث میں بھی یہی ہے جیسے کہ اب ہم انہیں وارد کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ بیہقی میں ہے حضرت علی بن ابوطالب ظہر کی نماز کے بعد بیٹھک میں بیٹھے رہے پھر پانی منگوایا اور ایک چلو سے منہ کا، دونوں ہاتھوں سر کا اور دونوں پیروں کا مسح کیا اور کھڑے ہو کر بچا ہوا پانی پی لیا پھر فرمانے لگے کہ لوگ کھڑے کھڑے پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور میں نے جو کیا یہی کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو (بخاری)

شیعوں میں سے جن لوگوں نے پیروں کو مسح اسی طرح قرار دیا جس طرح جرابوں پر مسح کرتے ہیں ان لوگوں نے یقیناً غلطی کی اور لوگوں کو گمراہی میں ڈالا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی خطا کار ہیں جو مسح اور دھونا دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور جن لوگوں نے امام ابن جریر کی نسبت یہ خیال کیا ہے کہ انہوں نے احادیث کی بنا پر پیروں کے دھونے کو اور آیت قرآنی کی بنا پر پیروں کے مسح کو فرض قرار دیا ہے۔ ان کی تحقیق بھی صحیح نہیں، تفسیر ابن جریر ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ پیروں کو رگڑنا واجب ہے اور اعضاء میں یہ واجب نہیں کیونکہ پیر زمین کی مٹی وغیرہ سے رگڑتے رہتے ہیں تو ان کو دھونا ضروری ہے تاکہ جو کچھ لگا ہو ہٹ جائے لیکن اس رگڑنے کیلئے مسح کا لفظ لائے ہیں اور اسی سے بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مسح اور غسل جمع کردیا ہے حالانکہ دراصل اس کے کچھ معنی ہی نہیں ہوتے مسح تو غسل میں داخل ہے چاہے مقدم ہو چاہے مؤخر ہو پس حقیقتاً امام صاحب کا ارادہ یہی ہے جو میں نے ذکر کیا اور اس کو نہ سمجھ کر اکثر فقہاء نے اسے مشکل جان لیا، میں نے مکرر غور و فکر کیا تو مجھ پر صاف طور سے یہ بات

واضح ہوگئی ہے کہ امام صاحب دونوں قرأتوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں پس زیر کی قرأت یعنی مسح کو تو وہ محمول کرتے ہیں دلک پر یعنی اچھی طرح مل رگڑ کر صاف کرنے پر اور زبر کی قرأت کو غسل پر یعنی دھونے پر دلیل ہے ہی پس وہ دھونے اور ملنے دونوں کو واجب کہتے ہیں تا کہ زیر اور زبر کی دونوں قرأت دوں پر ایک ساتھ ہو جائے "اب ان احادیث کو سنئے جن میں پیروں کے دھونے کا اور پیروں کے دھونے کے ضروری ہونے کا ذکر ہے۔

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان امیر المومنین حضرت علی بن ابو طالب حضرت ابن عباس حضرت معاویہ حضرت عبداللہ بن زید عاصم حضرت مقداد بن معدی کرب کی روایات پہلے بیان ہو چکی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے ہوئے اپنے پیروں کو دھویا، ایک بار یا دو بار یا تین بار، عمرو بن شعیب کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے دونوں پیر دھوئے پھر فرمایا یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے تھے جب آپ آئے تو ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے کیونکہ عصر کی نماز کا وقت کافی دیر سے ہو چکا تھا ہم نے جلدی جلدی اپنے پیروں پر چھوا چھوئی شروع کر دی تو آپ نے بہت بلند آواز سے فرمایا وضو کو کامل اور پورا کرو ایڑیوں کو خرابی سے آگ کے لگنے سے، ایک اور حدیث میں ہے ویل ہے ایڑیوں کیلئے اور تلووں کیلئے آگ سے۔ (بیہقی و حاکم)

اور روایت میں ہے ٹخنوں کو ویل ہے آگ سے (مسند امام احمد) ایک شخص کے پیر میں ایک درہم کے برابر جگہ بید حلی دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرابی ہے ایڑیوں کیلئے آگ سے۔ (مسند)

سنن ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھ کر جن کی ایڑیوں پر اچھی طرح پانی نہیں پہنچا تھا اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ایڑیوں کو آگ سے خرابی ہوگی،

مسند احمد میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ وارد ہیں۔ ابن جریر میں دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان الفاظ کو کہنا وارد ہے راوی حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں پھر تو مسجد میں ایک بھی شریف و وضیع ایسا نہ رہا جو اپنی ایڑیوں کو بار بار دھو کر نہ دیکھتا ہو اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس کی اڑی یا ٹخنے میں بقدر نیم درہم کے چڑی خشک رہ گئی تھی تو یہی فرمایا پھر تو یہ حالت تھی کہ اگر ذرا سی جگہ پیر کی کسی خشک رہ جاتی تو وہ پورا وضو پھر سے کرتا، پس ان احادیث سے کھلم کھلا ظاہر ہے کہ پیر کا دھونا فرض ہے، اگر ان کا مسح فرض ہوتا تو ذرا سی جگہ کے خشک رہ جانے پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وعید سے اور وہ بھی جہنم کی آگ کی وعید سے نہ ڈراتے، اس لئے کہ مسح میں ذرا ذرا سی جگہ پر ہاتھ کا پہنچانا داخل ہی نہیں۔ بلکہ پھر تو پیر کے مسح کی وہی صورت ہوتی ہے جو پیر کے اوپر جراب ہونے کی صورت میں مسح کی صورت ہے۔

یہی چیز امام ابن جریر نے شیعوں کے مقابلہ میں پیش کی ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اس کا پیر کسی جگہ سے ناخن کے برابر دھلا نہیں خشک رہ گیا تو آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔ بیہقی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے، مسند میں ہے کہ ایک نمازی کو آپ نے نماز میں دیکھا کہ اس کے پیر میں بقدر درہم کے جگہ

شک رہ گئی ہے تو اسے وضو لوٹانے کا حکم کیا۔ حضرت عثمان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا وضو کا طریقہ جو مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے انگلیوں کے درمیان خلال بھی کیا۔

سنن میں ہے حضرت صبرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وضو کامل اور اچھا کرو انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں پانی اچھی طرح دھو ہاں روزے کی حالت میں ہو تو اور بات ہے، مسند و مسلم وغیرہ میں ہے حضرت عمرو بن عنبسہ کہتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وضو کی بابت خبر دیجئے آپ نے فرمایا جو شخص وضو کا پانی لے کر کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی دیتا ہے اس کے منہ سے نتھنوں سے پانی کے ساتھ ہی خطائیں جھڑ جاتی ہیں جبکہ وہ ناک جھاڑتا ہے پھر جب وہ منہ دھوتا ہے جیسا کہ اللہ کا حکم ہے تو اس کے منہ کی خطائیں داڑھی اور داڑھی کے بالوں سے پانی کے گرنے کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں پھر وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے کہنیوں سمیت تو اس کے ہاتھوں کو گناہ اس کی پوریوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں، پھر وہ مسح کرتا ہے تو اس کے سر کی خطائیں اس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں پھر جب وہ اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت حکم الٰہی کے مطابق دھوتا ہے تو انگلیوں سے پانی ٹپکنے کے ساتھ ہی اس کے پیروں کے گناہ بھی دور ہو جاتے ہیں، پھر وہ کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کے لائق جو حمد و ثنا ہے اسے بیان کر کے دو رکعت نماز جب ادا کرتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ تولد ہوا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوامامہ نے حضرت عمرو بن عنبسہ سے کہا خوب غور کیجئے کہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے اسی طرح سنا ہے؟ کیا یہ سب کچھ ایک ہی مقام میں انسان حاصل کر لیتا ہے؟ حضرت عمرو نے جواب دیا کہ ابوامامہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میری ہڈیاں ضعیف ہو چکی ہیں، میری موت قریب آ پہنچی ہے، مجھے کیا فائدہ جو میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولوں، ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ نہیں، میں نے تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سات بار بلکہ اس سے بھی زیادہ سنا ہے، اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔

صحیح مسلم کی دوسری سند والی حدیث میں ہے پھر وہ اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے جیسا کہ اللہ نے اسے حکم دیا ہے۔ پس صاف ثابت ہوا کہ قرآن حکیم کا حکم پیروں کے دھونے کا ہے۔ ابواسحاق سبیعی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فی الجنہ سے بواسطہ حضرت حارث روایت میں حضرت علی سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں قدم جوتی میں ہی بھگو لیے اس سے مراد جوتیوں میں ہی ہلکا دھونا ہے اور چپل جوتی پیر میں ہوتے ہوئے پیر دھل سکتا ہے غرض یہ حدیث بھی دھونے کی دلیل ہے۔

بَابُ: مَا جَاءَ فِي الْوُضُوْءِ عَلٰى مَا اَمَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى

یہ باب وہ وضو جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا جائے کے بیان میں ہے

459- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ اَبِیْ صَخْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ حُمْرَانَ يُحَدِّثُ اَبَا بُرْدَةَ فِي الْمَسْجِدِ اَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَتَمَّ الْوُضُوْءَ كَمَا اَمَرَهُ اللّٰهُ فَالصَّلٰوةُ الْمَكْتُوْبَاتُ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ

459، اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث 545 ورقم الحدیث: 546 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 145

جامع بن شداد بیان کرتے ہیں: میں نے حمران کو مسجد میں حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو یہ روایت بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہوئے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے: جو شخص مکمل وضو اسی طرح کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو فرض نمازیں ان کے درمیان میں ہونے والے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔

460- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ حَدَّثَنِیْ عَلِیُّ بْنُ يَحْيَى بْنِ خَلَّادٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَمِّهٖ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ اَنَّهٗ كَانَ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهَا لَا تَتِمُّ صَلٰوةٌ لِاَحَدٍ حَتّٰى يُسْبِغَ الْوُضُوْءَ كَمَا اَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَغْسِلُ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ وَيَمْسَحُ بِرَاْسِهٖ وَرِجْلَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک آدمی کی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ اچھی طرح وضو نہیں کرتا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے وہ اپنے چہرے کو دھوئے دونوں بازو کہنیوں تک دھوئے۔ اپنے سر کا مسح کرے اور دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔

وضو کے فرائض کے شرعی ماٴخذ کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَزَّوَجَلَّ: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۔ (سورۃ المائدہ ۶)

اے ایمان والو! جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ اور سروں کا مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ۔

(کنزالایمان)

فرض اول چہرہ دھونے میں داڑھی کے شامل ہونے پر فقہی بیان

چہرے کی حد فقہاء کے نزدیک لمبائی میں سر کے بالوں کی اگنے کی جو جگہ عموماً ہے وہاں سے داڑھی کی ہڈی اور تھوڑی تک ہے اور چوڑائی میں ایک کان سے دوسرے کان تک۔ اس میں اختلاف ہے کہ دونوں جانب کی پیشانی کے اڑے ہوئے بالوں کی جگہ سر کے حکم میں ہے یا منہ کے؟ اور داڑھی کے لٹکتے ہوئے بالوں کا دھونا منہ کے دھونے کی فرضیت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ ان پر پانی کا بہانا واجب ہے اس لئے کہ منہ سامنے کرنے کے وقت اس کا بھی سامنا ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو داڑھی ڈھانپے ہوئے دیکھ کر فرمایا اسے کھول دے یہ بھی منہ

460 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 857 ورقم الحدیث: 858 ورقم الحدیث: 859 ورقم الحدیث: 560 ورقم الحدیث: 561 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 302 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 666 ورقم الحدیث: 1052 ورقم الحدیث: 1135 ورقم الحدیث 1312 ورقم الحدیث 1313

میں داخل ہے، حضرت مجاہد فرماتے ہیں عرب کا محاورہ بھی یہی ہے کہ جب بچے کے داڑھی نکلتی ہے تو وہ کہتے ہیں طلع وجھہ پس معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں داڑھی منہ کے حکم میں ہے اور لفظ وجہ میں داخل ہے۔ داڑھی گھنی اور بھری ہوئی ہو تو اس کا خلال کرنا بھی مستحب ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے راوی کہتا ہے کہ آپ نے منہ دھوتے وقت تین دفعہ داڑھی کا خلال کیا۔ پھر فرمایا جس طرح تم نے مجھے کرتے دیکھا اسی طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے (ترمذی وغیرہ) اس روایت کو امام بخاری اور امام ترمذی حسن بتاتے ہیں۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے وقت ایک چلو پانی لے کر اپنی تھوڑی تلے ڈال کر اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے میرے رب عزوجل نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔

حضرت امام بیہقی فرماتے ہیں داڑھی کا خلال کرنا حضرت عمار حضرت عائشہ حضرت ام سلمہ حضرت علی سے مروی ہے، اور اس کے ترک کی رخصت ابن عمر حسن بن علی اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ (صحاح و کتب احادیث)

طہارت کے فرائض تین اعضاء کو دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے اور فرائض غسل میں ہمارے تینوں علماء علیہم الرحمہ کے نزدیک کہنیاں اور ٹخنے میں شامل ہیں جبکہ حضرت امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے اور وہ چیز جو سر کا مسح کرنے میں فرض قرار دی گئی ہے۔ وہ ماتھا یعنی پیشانی کی مقدار ہے اور وہ سر کا چوتھائی حصہ ہے۔ جس طرح حدیث پاک میں ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر تشریف لائے تو پیشاب فرمایا اور وضو فرمایا اور سر پر پیشانی کی مقدار اور اپنے دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔ (قدوری، کتاب طہارت، لاہور)

بَابُ: مَا جَآءَ فِي النَّضْحِ بَعْدَ الْوُضُوْءِ

یہ باب وضو کے بعد پانی چھڑکنے کے بیان میں ہے

461- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ اَبِیْ زَائِدَةَ قَالَ قَالَ مَنْصُوْرٌ حَدَّثَنَا مُجَاهِدٌ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ سُفْيَانَ الثَّقَفِيِّ اَنَّهٗ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّاَ ثُمَّ اَخَذَ كَفًّا مِّنْ مَّآءٍ فَنَضَحَ بِهٖ فَرْجَهٗ

◄◄ حضرت حکم بن سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی کریم ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا پھر آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلی میں پانی لیا اور اسے اپنی شرمگاہ پر چھڑک لیا۔

شرح

غرض یہ ہے کہ پانی چھڑکنے سے پیشاب کا قطرہ رک جائے گا اور نہ نکلے گا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ احلیل مرد کا عورت کی طرح

461 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 166 'ورقم الحدیث:167' ورقم الحدیث:168' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 134 'ورقم الحدیث 135'

ہے، اور گائے وغیرہ کی چھاتی کی طرح ہے، جب پستان میں دودھ کو روکنا منظور ہوتا ہے، تو پانی چھڑک دیتے ہیں، اسی طرح شرم گاہ پر چھڑکنے سے قطرہ رک جاتا ہے۔

462- حَدَّثَنَا إِبْرٰهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفِرْيَابِيُّ حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَنِي جِبْرَائِيلُ الْوُضُوءَ وَأَمَرَنِي أَنْ أَنْضَحَ تَحْتَ ثَوْبِي لِمَا يَخْرُجُ مِنَ الْبَوْلِ بَعْدَ الْوُضُوءِ

قَالَ أَبُو الْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا أَبُو حَاتِمٍ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ التِّنِّيسِيُّ عَنِ ابْنِ لَهِيعَةَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

◆◆ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جبرائیل علیہ السلام نے مجھے وضو کرنے کا طریقہ بتایا: انہوں نے مجھے یہ ہدایت کی کہ میں اپنے کپڑے کے نیچے پانی چھڑک لوں اس وجہ سے کہ وضو (کے بعد پیشاب کا کوئی قطرہ) باہر آسکتا ہے۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

463- حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ سَلَمَةَ الْيَحْمِدِيُّ حَدَّثَنَا سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْهَاشِمِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَضِحْ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: جب تم وضو کرو (تو اپنی شرمگاہ پر) پانی چھڑک لو۔

464- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا قَيْسٌ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلٰى عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ تَوَضَّأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَضَحَ فَرْجَهُ

◆◆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے وضو کرنے کے بعد اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑکا۔

بَابُ: الْمِنْدِيلِ بَعْدَ الْوُضُوءِ وَبَعْدَ الْغُسْلِ

یہ باب وضو یا غسل کے بعد رومال استعمال کرنے کے بیان میں ہے

وضو یا غسل کے بعد تولیہ وغیرہ استعمال کرنے کا بیان

465- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَنْبَأَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ

462: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

463 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:50

464. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

اَنَّ اَبَا مُرَّةَ مَوْلٰى عَقِيْلٍ حَدَّثَهٗ اَنَّ اُمَّ هَانِئٍ بِنْتَ اَبِىْ طَالِبٍ حَدَّثَتْهُ اَنَّهٗ لَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى غُسْلِهٖ فَسَتَرَتْ عَلَيْهِ فَاطِمَةُ ثُمَّ اَخَذَ ثَوْبَهٗ فَالْتَحَفَ بِهٖ

◆◆ سیدہ اُمِ ہانی بنت ابوطالب رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرنے کے لیے تشریف لے گئے' تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پردہ تان لیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا لیا اور اسے التحاف کے طور پر لپیٹ لیا۔

شرح

وضو کے بعد ہاتھ منہ صاف کرنے کے سلسلہ میں ممانعت کی کوئی حدیث صحیح نہیں لہٰذا جائز ہے ضروری نہیں، بلکہ زاد المعاد میں ابن القیم نے فرمایا ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس باب میں ایک حدیث آئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کپڑا تھا جس سے آپ اپنے اعضاء وضو پونچھا کرتے تھے۔

466-حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ لَيْلٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَسْعَدَ بْنِ زُرَارَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ شُرَحْبِيْلَ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اَتَانَا النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْنَا لَهٗ مَآءً فَاغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَيْنَاهُ بِمِلْحَفَةٍ وَرْسِيَّةٍ فَاشْتَمَلَ بِهَا فَكَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى اَثَرِ الْوَرْسِ عَلٰى عُكَنِهٖ

◆◆ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا' پھر ہم نے ورس لگا ہوا ایک رومال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے جسم پر لپیٹ لیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ کی سلوٹ پر ورس کے نشان کا منظر گویا آج بھی میری نگاہ میں ہے۔

467-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِى الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ خَالَتِهٖ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

465- اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 280' ورقم الحدیث: 357' ورقم الحدیث: 3171' ورقم الحدیث: 6158' اخرجہ مسلم فی الصحیح'' رقم الحدیث: 762' ورقم الحدیث: 763' ورقم الحدیث: 1666' ورقم الحدیث: 1667' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 1579' ورقم الحدیث: 2734' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 225

466. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

467 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 249' ورقم الحدیث: 257' ورقم الحدیث: 259' ورقم الحدیث: 260' ورقم الحدیث: 265' ورقم الحدیث 266' ورقم الحدیث 274' ورقم الحدیث 276' ورقم الحدیث: 281' اخرجہ مسلم فی الصحیح'' رقم الحدیث: 720' ورقم الحدیث 721' ورقم الحدیث 722' ورقم الحدیث 765' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 245' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 103' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 253' ورقم الحدیث 406' ورقم الحدیث 416' ورقم الحدیث: 417' ورقم الحدیث: 426' اخرجہ ابن ماجہ فی ''السنن'' رقم الحدیث: 573

وَسَلَّمَ بِثَوْبٍ حِينَ اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ فَرَدَّهُ وَجَعَلَ يَنْفُضُ الْمَاءَ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنی خالہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں کپڑا لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کر کے فارغ ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کپڑا واپس کر دیا اور ہاتھوں کے ذریعے ہی پانی کو خشک کیا۔

468-حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيدِ وَاَحْمَدُ بْنُ الْاَزْهَرِ قَالَا حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ السِّمْطِ حَدَّثَنَا الْوَضِينُ بْنُ عَطَاءٍ عَنْ مَحْفُوظِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ فَقَلَبَ جُبَّةَ صُوفٍ كَانَتْ عَلَيْهِ فَمَسَحَ بِهَا وَجْهَهُ

◆◆ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اونی جبہ پہنا ہوا تھا اسے الٹا کیا اور اس کے ذریعے اپنے چہرے کو پونچھ لیا۔

بَابُ: مَا يُقَالُ بَعْدَ الْوُضُوْءِ

یہ باب وضو کے بعد کیا پڑھا جائے؟ اس کے بیان میں ہے

وضو کے بعد شہادتین پڑھنے کی فضیلت کا بیان

469-حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ وَزَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُوْنُعَيْمٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ وَهْبٍ اَبُوْسُلَيْمَانَ النَّخَعِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي زَيْدٌ الْعَمِّيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ قَالَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فُتِحَ لَهُ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ دَخَلَ

قَالَ اَبُوالْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا اِبْرٰهِيمُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْنُعَيْمٍ بِنَحْوِهٖ

◆◆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو شخص وضو کرتے ہوئے اچھی طرح وضو کرے پھر تین مرتبہ یہ پڑھے۔ ''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں وہی ایک معبود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) تو اس شخص کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں وہ ان میں سے

468 اخرجہ ابن ماجہ فی ''السنن'' رقم الحدیث: 3564

469 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بس میں سے چاہے داخل ہو جائے۔ یہ روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

470- حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ عَمْرٍو الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَطَاءٍ الْبَجَلِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَتَوَضَّاُ فَيُحْسِنُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَآءَ

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جو بھی مسلمان اچھی طرح وضو کرے اور پھر یہ پڑھے۔

"میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

تو اس شخص کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں: وہ ان میں سے جس میں سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

بَابُ: الْوُضُوْءِ بِالصُّفْرِ

یہ باب پیتل کے برتن سے وضو کرنے کے بیان میں ہے

471- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ الْمَاجِشُوْنِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيٰى عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ صَاحِبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْرَجْنَا لَهٗ مَآءً فِىْ تَوْرٍ مِّنْ صُفْرٍ فَتَوَضَّاَ بِهٖ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیتل کے برتن میں پانی پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ذریعے وضو کرلیا۔

شرح

تور: طشت کے مشابہ ایک برتن ہے، اور مخضب: ایک برتن ہے جس میں کپڑے دھوتے ہیں وہ بھی مثل طشت کے ہے، ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ پیتل کے برتن گھر میں رکھنا اور استعمال کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

472- حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ اَنَّهٗ كَانَ لَهَا

470 اخرجه مسلم فى "الصحيح" رقم الحديث: 552' اخرجه النسائى فى "السنن" رقم الحديث: 148

472 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

مِخْضَبٌ مِنْ صُفْرٍ قَالَتْ فَكُنْتُ اُرَجِّلُ رَاْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ

ابراہیم بن محمد اپنے والد کے حوالے سے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں ان کے پاس پیتل کا بنا ہوا ایک ٹب تھا وہ بیان کرتی ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو اس میں کنگھی کیا کرتی تھی (یعنی اس برتن میں موجود پانی کے ذریعے دھو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال سنوارا کرتی تھی)

473- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ بْنِ جَرِيْرٍ عَنْ اَبِيْ زُرْعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَرِيْرٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ فِيْ تَوْرٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (پتھر یا پیتل) برتن میں موجود پانی کے ذریعے وضو کیا۔

بَابُ: الْوُضُوْءِ مِنَ النَّوْمِ

یہ باب نیند سے بیدار ہونے پر وضو کرنے کے بیان میں ہے

474- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُ حَتّٰى يَنْفُخَ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ وَلَا يَتَوَضَّاُ قَالَ الطَّنَافِسِيُّ قَالَ وَكِيْعٌ تَعْنِيْ وَهُوَ سَاجِدٌ

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سو جاتے تھے تو خراٹے لینے لگتے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر نماز ادا کرتے تھے اور از سر نو وضو نہیں کرتے تھے۔ طنافسی کہتے ہیں وکیع نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی حالت میں سو جایا کرتے تھے۔

475- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ اَبِيْ زَائِدَةَ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اِبْرٰهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور نماز ادا کرنے لگے۔

476- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ زَائِدَةَ عَنْ حُرَيْثِ بْنِ اَبِيْ مَطَرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ

474 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

475 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عَبَّادٍ اَبِیْ هُبَيْرَةَ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ نَوْمُهُ ذٰلِكَ وَهُوَ جَالِسٌ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سونا بیٹھے ہوئے ہوتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

477- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفَّى الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ عَنِ الْوَضِيْنِ بْنِ عَطَاءٍ عَنْ مَحْفُوْظِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِذٍ الْاَزْدِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ

حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں' آنکھ' پچھلی شرمگاہ کا سربند ہے' تو جو شخص سو جائے اسے وضو کر لینا چاہیے۔

478- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُنَا اَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ لٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ ہدایت کرتے تھے' جب ہم سفر کی حالت میں ہوں' تو ہم تین دن اور تین راتوں تک اپنے موزے نہ اتاریں' البتہ جنابت کی صورت میں اتارنے ہوں گے، لیکن پاخانہ، پیشاب یا سونے (کی وجہ سے وضو ختم ہونے پر دوبارہ وضو کرتے ہوئے انہیں اتاریں گے)

شرح

اس باب کی احادیث سے ثابت ہوا کہ معمولی نیند سے یا سجدہ وغیرہ میں سوجانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، ہاں لیٹ کر سو گیا تو وضو کرے مسافر کے لئے جائز ہے کہ اگر موزے وضو کے بعد پہنے ہیں تو تین دن تین رات تک نہ اتارے مسح کرتا رہے، اگر غسل جنابت ہو تو اتارنا ضروری ہے، مقیم کے لئے موزوں پر مسح ایک دن ایک رات کے لئے ہے۔

بَابُ: الْوُضُوْءِ مِنْ مَّسِّ الذَّكَرِ

یہ باب شرمگاہ کو چھونے پر وضو لازم ہونے کے بیان میں ہے

479- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ

476 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

477 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:204

478 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:96' ورقم الحدیث:2387' ورقم الحدیث:3535' ورقم الحدیث:3536' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 126' ورقم الحدیث 127' ورقم الحدیث 158' ورقم الحدیث 159' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث:4070

عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ بُسْرَةَ بِنْتِ صَفْوَانَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَسَّ اَحَدُكُمْ ذَكَرَهٗ فَلْيَتَوَضَّاْ

◈◈ سیّدہ بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ جب کوئی شخص اپنی شرمگاہ کو چھولے تو اسے وضو کر لینا چاہئے۔

480-حَدَّثَنَا اِبْرٰهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيْسٰى ح و حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نَافِعٍ جَمِيْعًا عَنِ ابْنِ اَبِيْ ذِئْبٍ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَسَّ اَحَدُكُمْ ذَكَرَهٗ فَعَلَيْهِ الْوُضُوْءُ

◈◈ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''جب کوئی شخص اپنی شرمگاہ کو چھولے تو اس پر وضو لازم ہوگا''۔

481-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا الْمُعَلَّى بْنُ مَنْصُوْرٍ ح و حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ بَشِيْرِ بْنِ ذَكْوَانَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ مَكْحُوْلٍ عَنْ عَنْبَسَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ مَسَّ فَرْجَهٗ فَلْيَتَوَضَّاْ

◈◈ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھولے وہ وضو کرے۔

482-حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ اَبِيْ فَرْوَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ مَسَّ فَرْجَهٗ فَلْيَتَوَضَّاْ

◈◈ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھولے اسے چاہئے کہ وہ وضو کرے''۔

479- اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 181' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 82' ورقم الحدیث: 84' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 163' ورقم الحدیث 164' ورقم الحدیث: 443' ورقم الحدیث: 444' ورقم الحدیث: 446+445

480 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

481 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

482 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

مس ذکر کے ناقض وضو نہ ہونے میں فقہ شافعی وحنفی کے اختلاف کا بیان

حضرت طلق بن علی المرتضی) اسم گرامی طلق بن علی اور کنیت ابوعلی ہے ان کی حدیثیں ان کے بیٹے قیس سے مروی ہیں۔ (فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ وضو کرنے کے بعد اگر کوئی آدمی اپنے ذکر کو چھوئے (تو کیا حکم ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" وہ بھی تو آدمی کے گوشت کا ایک ٹکڑا ہے ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

امام محی السنۃ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس لئے کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کے آنے کے بعد اسلام لائے ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث منقول ہے کہ جب تم میں سے کسی کا ہاتھ اپنے ذکر پر پہنچ جائے اور ہاتھ و ذکر کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو اس کو چاہئے وضو کرے۔" (شافعی، دارقطنی اور سنن نسائی نے بسرہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت نقل کی ہے جس میں لَيْسَ بَيْنَهُ، وَبَيْنَهَا شَيْءٌ کے الفاظ مذکور ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف: جلداول:، رقم الحدیث، 303)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بدن کے گوشت کے دیگر ٹکڑے مثلاً ہاتھ پاؤں کان ناک وغیرہ ہیں اسی طرح ذکر بھی بندہ کے گوشت ہی کا ایک ٹکڑا ہے اور جب ان دوسرے ٹکڑوں اور حصوں کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو پھر ذکر کے چھو جانے سے کیوں وضو ٹوٹے گا لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ مس ذکر ناقص وضو نہیں ہے۔ امام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول دراصل حضرات شوافع کی ترجمانی ہے اس کا مطب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرۃ وطلق بن علی رضی اللہ عنہما کے بہت بعد اسلام لائے ہیں، کیونکہ حضرت طلق رضی اللہ عنہ ہجرت کے فوراً بعد جب کہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سن ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر اسلام لائے ہیں اس لئے حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سننا پہلے ہوا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا سننا بعد میں ہوا ہوگا، للہذا حضرت طلق رضی اللہ عنہ کی حدیث منسوخ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ناسخ ہوئی۔

حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت طلق کے اسلام لانے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنی بھی بعد میں ہو شوافعہ کا یہ دعویٰ تو جب صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ثابت ہو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے ہی حضرت طلق رضی اللہ عنہ انتقال فرما چکے تھے یا یہ کہ اپنے وطن کو چلے گئے تھے کہ پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی کبھی حاضر نہیں ہوئے، اس لئے کہ اگر حضرت طلق رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے انتقال فرما جاتے ہیں یا اپنے وطن کو واپس لوٹ جاتے تو پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد کچھ نہیں سن سکتے تھے مگر اب تو یہ ممکن ہے کہ حضرت طلق رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد ہی سنی ہو لہٰذا شوافع کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ حضرت مظہر نے ایک اچھی اور فیصلہ کن بات کہہ دی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہو گیا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث

سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ مس ذکر ناقض وضو ہے اور حضرت طلق رضی اللہ عنہ کی حدیث مس ذکر کو ناقض وضو نہیں کہتی لہٰذا اس تعارض کی شکل میں ہمیں چاہئے کہ ہم دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال کی طرف رجوع کریں چنانچہ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مثلاً حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت ابودرداء، حضرت حذیفہ اور حضرت عمر فاروق رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہ اقوال ثابت ہیں کہ ذکر چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حنفیہ ہی کا مسلک صحیح ہے کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ: الرُّخْصَةِ فِيْ ذٰلِكَ

یہ باب اس بارے میں اجازت کے بیان میں ہے

مس ذکر کے سبب وضو لازم نہ ہونے سے متعلق احادیث کا بیان

483- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ قَيْسَ بْنَ طَلْقٍ الْحَنَفِيَّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ مَسِّ الذَّكَرِ فَقَالَ لَيْسَ فِيْهِ وُضُوْءٌ اِنَّمَا هُوَ مِنْكَ

◄► قیس بن طلق حنفی اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو سنا آپ ﷺ سے شرمگاہ کو چھونے کے بارے میں دریافت کیا گیا' تو آپ ﷺ نے فرمایا: (اس سے) وضو کرنا لازم نہیں ہوتا یہ تمہارے جسم کا ایک حصہ ہے۔

484- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ كَثِيْرِ بْنِ دِيْنَارٍ الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسِّ الذَّكَرِ فَقَالَ اِنَّمَا هُوَ جُزْءٌ مِّنْكَ

◄► حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے شرمگاہ کو چھونے کے بارے میں دریافت کیا گیا' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ تمہارا حصہ ہے۔

شرح

پیشاب گاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جانے میں اختلاف ہے، بلکہ اس مسئلہ میں خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی اختلاف تھا چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے اپنے ذکر کو ننگی ہتھیلی سے چھو دیا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، ان کی دلیل یہی مذکورہ حدیث ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر کو چھو دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا، ان

483 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 182' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 85' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 165

484 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کی دلیل مابعد کی حدیث ہے جو قیس بن علی کی روایت کے ساتھ جسے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے، مسند ابی حنیفہ میں مذکور ہے اس کے علاوہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل میں اور بہت سی حدیثیں وارد ہیں اس سلسلہ میں مزید تشفی کے لئے شرح ملا علی قاری اور مشکوۃ کا ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ حضرت ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں یعنی بسرہ کی یہ حدیث جو شوافع کی دلیل ہے اور طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو آگے آ رہی ہے اور حنیفہ کی دلیل ہے، درجہ حسن سے باہر نہیں ہیں لیکن حضرت طلق ابن علی رضی اللہ عنہا کی حدیث کو حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پر ترجیح ہوگی اس لئے کہ حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا عورت اور حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ مرد ہیں اور ظاہر ہے کہ عورت کے مقابلے میں مرد کی حدیث قوی ہوتی ہے کیونکہ وہ عوت کی نسبت علم اور حدیث کو خوب اچھی طرح یاد رکھتے ہیں اور ان کی قوت حافظہ عورتوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے۔

بَابُ: الْوُضُوْءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ

یہ باب آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنے کے بیان میں ہے

485- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَوَضَّؤُا مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَتَوَضَّاُ مِنَ الْحَمِيْمِ فَقَالَ لَهٗ يَا ابْنَ اَخِيْ اِذَا سَمِعْتَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا فَلَا تَضْرِبْ لَهُ الْاَمْثَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو چیز آگ پر پکی ہو اس کو کھانے سے وضو کرنا لازم ہوگا خواہ وہ پنیر کا ٹکڑا ہو۔

راوی بیان کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! کیا ہم گرم پانی کی وجہ سے وضو کریں گے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! جب تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے کوئی حدیث سن لو تو اس کے سامنے مثالیں نہ بیان کیا کرو۔

شرح

یہ حکم منسوخ ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے سبب وضو واجب ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل حسب ذیل روایت دیکھئے۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں، ابی بن کعب اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے گوشت روٹی کھائی (کھانے سے فارغ ہو کر) میں نے وضو کے لئے پانی منگوایا ابی بن کعب اور طلحہ رضی اللہ عنہما نے کہا "تم وضو کیوں کرتے

485 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 79۔

ہو"" میں نے کہا" اس کھانے کی وجہ سے جو میں نے ابھی کھایا ہے ان دونوں نے کہا" کیا تم پاک چیزوں کے کھانے سے وضو کرتے ہو ان چیزوں کو کھا کر اس آدمی نے وضو نہیں کیا جو تم سے بہتر ہیں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

(مسند احمد بن حنبل، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 309)

486-حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ اَنْبَاَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيْدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّؤُا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ

◄► سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے آگ پر پکی ہوئی چیز (کھالینے کے بعد) وضو کرو۔

487-حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ خَالِدٍ الْاَزْرَقُ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ يَزِيْدَ بْنِ اَبِي مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ يَضَعُ يَدَيْهِ عَلٰى اُذُنَيْهِ وَيَقُوْلُ صُمَّتَا اِنْ لَّمْ اَكُنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ تَوَضَّؤُا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ

◄► حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھے اور یہ ارشاد فرمایا: یہ دونوں بہرے ہو جائیں اگر میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے نہ سنا ہو کہ آگ پر پکی ہوئی چیز (کھالینے کے بعد) وضو کرو۔

شرح

حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ (اسم گرامی حضرت سوید ابن نعمان رضی اللہ عنہ ہے آپ کا شمار اہل مدینہ میں ہے)۔ بیان کرتے ہیں کہ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر (کے فتح) کے سال سفر پر گئے جب صہباء کے مقام پر پہنچے جو خیبر کے نزدیک ہے، عصر کی نماز پڑھی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توشہ (زادراہ) منگوایا، چنانچہ ستو کے علاوہ کچھ نہ تھا جو حاضر کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو گھولا گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم نے اس کو کھایا اور پھر مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی اور وضو نہیں کیا۔"

(صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 294)

اس حدیث نے اس مسئلہ کی وضاحت کردی کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس لئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستو کھایا جو آگ ہی سے تیار کیا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف کلی کر کے مغرب کی نماز پڑھ لی اور وضو نہیں کیا۔

آگ پر پکی چیز کے سبب نقض وضو والی احادیث کے منسوخ ہونے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکلے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا

486 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

487 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

پھر ایک انصاری عورت کے گھر داخل ہوئے اس عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بکری ذبح کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھایا پھر وہ کھجوروں کا ایک تھال لے آئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی کھجوریں کھائیں پھر وضو کیا ظہر کی نماز ادا کی پھر واپس آئے تو وہ عورت اسی بکری کا کچھ بچا ہوا گوشت لائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ادا کی وضو نہیں کیا اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق سے بھی روایت ہے لیکن ان کی حدیث اسناد کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حسام بن مصک نے ابن سیرین سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے ابوبکر صدیق سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ ابن عباس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

حفاظ حدیث نے اسی طرح روایت کی ہے اور یہ روایت ابن سیرین سے کئی طرح سے مروی ہے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں عطاء بن یسار عکرمہ محمد بن عمرو بن عطار علی بن عبداللہ بن عباس اور کئی حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نقل کرتے ہوئے اس میں ابوبکر کا ذکر نہیں کرتے اور یہی زیادہ صحیح ہے اس باب میں حضرت ابوہریرہ ابن مسعود ابورافع ام حکم عمرو بن امیہ ام عامر سوید بن نعمان اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایات منقول ہیں امام ابوعیسیٰ کہتے ہیں صحابہ تابعین اور تبع تابعین میں سے اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے جیسا کہ سفیان ابن مبارک شافعی اور اسحاق ان سب کے نزدیک آگ پر پکے ہوئے کھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہے یہ حدیث پہلی حدیث کو منسوخ کرتی ہے جس میں آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا واجب ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 78)

بَابُ: الرُّخْصَةِ فِيْ ذٰلِكَ

یہ باب اس بارے میں اجازت کے بیان میں ہے

آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے باوجود وضو لازم نہ ہونے کا بیان

488-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتِفًا ثُمَّ مَسَحَ يَدَيْهِ بِمِسْحٍ كَانَ تَحْتَهُ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى

◆◆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (جانور کے) کندھے کا گوشت کھایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اس کپڑے کے ذریعے صاف کئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے موجود تھا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کرنا شروع کر دی (یعنی از سر نو وضو نہیں کیا)

489-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَعَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ

488 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 189

489-اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيْلٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ خُبْزًا وَّلَحْمًا وَّلَمْ يَتَوَضَّؤُا

⇔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روٹی اور گوشت کھایا اور (اس کے بعد از سرنو) وضو نہیں کیا۔

490-حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ حَضَرْتُ عَشَآءَ الْوَلِيْدِ اَوْ عَبْدِ الْمَلِكِ فَلَمَّا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ قُمْتُ لِاَتَوَضَّاَ فَقَالَ جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ اُمَيَّةَ اَشْهَدُ عَلٰى اَبِيْ اَنَّهٗ شَهِدَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ اَكَلَ طَعَامًا مِّمَّا غَيَّرَتْ النَّارُ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّاْ و قَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَّاَنَا اَشْهَدُ عَلٰى اَبِيْ بِمِثْلِ ذٰلِكَ

⇔ ابن شہاب زہری بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ میں ولید یا شاید عبدالملک (نامی حکمران) کے ہاں رات کے کھانے میں شریک ہوا جب نماز کا وقت ہوا تو میں وضو کرنے کے لیے اٹھا تو حضرت جعفر بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی میں اپنے والد کے حوالے سے گواہی دے کر یہ بات کہتا ہوں انہوں نے نبی کریم ﷺ کے حوالے سے گواہی دے کر یہ بات بیان کی تھی کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے آگ پر پکا ہوا کھانا کھایا تھا پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے نماز ادا کی تھی اور از سرنو وضو نہیں کیا تھا۔

اس پر ''علی'' جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے تھے۔ انہوں نے بھی یہ بات بیان کی کہ میں اپنے والد کے حوالے سے گواہی دے کر اسی کی مانند بات بیان کرتا ہوں۔

491-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اُمِّ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِكَتِفِ شَاةٍ فَاَكَلَ مِنْهُ وَصَلّٰى وَلَمْ يَمَسَّ مَآءً

⇔ سیدہ زینب بنت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتی ہیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بکری کا کندھے کا گوشت پیش کیا گیا آپ ﷺ نے اسے کھالیا اور نماز ادا کی آپ ﷺ نے پانی استعمال نہیں کیا (یعنی از سرنو وضو نہیں کیا)

492-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ

490: اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 208' ورقم الحدیث: 675' ورقم الحدیث: 2923' ورقم الحدیث: 5408' ورقم الحدیث 5462+5422' اخرجہ مسلم فی الصحیح'' رقم الحدیث: 789' ورقم الحدیث: 790' ورقم الحدیث: 791' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 1836

491 اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 182' ورقم الحدیث: 18269

492 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 290' ورقم الحدیث: 215' ورقم الحدیث: 2981' ورقم الحدیث: 4175' ورقم الحدیث 4195' ورقم الحدیث 5384' ورقم الحدیث 5390' ورقم الحدیث: 5454' ورقم الحدیث: 5455' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 186

اَنْبَاَنَا سُوَيْدُ بْنُ النُّعْمَانِ الْاَنْصَارِیُّ اَنَّهُمْ خَرَجُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلٰی خَيْبَرَ حَتّٰی اِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ صَلَّی الْعَصْرَ ثُمَّ دَعَا بِاَطْعِمَةٍ فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِسَوِيْقٍ فَاَكَلُوْا وَشَرِبُوْا ثُمَّ دَعَا بِمَآءٍ فَمَضْمَضَ فَاهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی بِنَا الْمَغْرِبَ

◆◆ حضرت سوید بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: وہ لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خیبر گئے جب یہ حضرات ''صہباء'' کے مقام پر پہنچے تو نبی کریم ﷺ نے عصر کی نماز ادا کی پھر آپ ﷺ نے کھانے کے لیے منگوایا تو آپ ﷺ کی خدمت میں صرف ستو پیش کیے گئے' آپ ﷺ نے انہیں کھالیا اور پانی پی لیا پھر آپ ﷺ نے پانی منگوا کر کلی کی پھر آپ ﷺ اٹھے اور آپ ﷺ نے ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی (یعنی آپ ﷺ نے از سر نو وضو نہیں کیا)

493-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِی الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ الْمُخْتَارِ حَدَّثَنَا سُهَيْلٌ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ فَمَضْمَضَ وَغَسَلَ يَدَيْهِ وَصَلّٰی

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے بکری کے کندھے کا گوشت کھایا' پھر آپ ﷺ نے کلی کی دونوں ہاتھ دھوئے اور نماز ادا کرلی۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِی الْوُضُوْءِ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ

یہ باب اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کے بیان میں ہے

اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کا بیان

494-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيْسَ وَاَبُوْمُعَاوِيَةَ قَالَا حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَيْلٰی عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوُضُوْءِ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ فَقَالَ تَوَضَّؤُا مِنْهَا

◆◆ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا' تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے بعد وضو کرلیا کرو۔

495-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ وَاِسْرَآئِيْلُ عَنْ اَشْعَثَ بْنِ

493 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

494 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:184' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث:8

495 اخرجہ مسلم فی الصحیح'' رقم الحدیث:800' ورقم الحدیث:801

اَبِی الشَّعْثَاءِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ ثَوْرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَوَضَّاَ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ وَلَا نَتَوَضَّاَ مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ ہدایت کی تھی کہ ہم اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرلیا کریں' البتہ بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو نہ کیا کریں۔

شرح

اونٹ اور بکری کے گوشت میں تفریق کی حکمت اور وجہ جاننا ضروری نہیں کیونکہ یہ تعبدی احکام ہیں، ان کی حکمت کا عقل میں آنا ضروری نہیں، شارع کے نزدیک اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ومصلحت ضرور پوشیدہ ہوگی گو وہ ہماری عقل میں نہ آئے۔

496-حَدَّثَنَا اَبُوْاِسْحٰقَ الْهَرَوِیُّ اِبْرٰهِيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَوْلٰى بَنِیْ هَاشِمٍ وَّكَانَ ثِقَةً وَّكَانَ الْحَكَمُ يَاْخُذُ عَنْهُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ لَيْلٰى عَنْ اُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَوَضَّئُوْا مِنْ اَلْبَانِ الْغَنَمِ وَتَوَضَّئُوْا مِنْ اَلْبَانِ الْاِبِلِ

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''بکریوں کا دودھ پینے کے بعد وضو نہ کرو البتہ اونٹنی کا دودھ پینے کے بعد وضو کرلیا کرو''۔

497-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ عَبْدِ رَبِّهٖ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ عُمَرَ بْنِ هُبَيْرَةَ الْفَزَارِیِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ سَمِعْتُ مُحَارِبَ بْنَ دِثَارٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ تَوَضَّئُوْا مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ وَلَا تَوَضَّئُوْا مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ وَتَوَضَّئُوْا مِنْ اَلْبَانِ الْاِبِلِ وَلَا تَوَضَّئُوْا مِنْ اَلْبَانِ الْغَنَمِ وَصَلُّوْا فِیْ مُرَاحِ الْغَنَمِ وَلَا تُصَلُّوْا فِیْ مَعَاطِنِ الْاِبِلِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اونٹوں کا گوشت کھانے کے بعد وضو کرلیا کرو' بکریوں کا گوشت کھانے کے بعد وضو نہ کیا کرو' اونٹنی کا دودھ پینے کے بعد وضو کرلیا کرو' بکریوں کا دودھ پینے کے بعد وضو نہ کیا کرو' بکریوں کے باڑے میں نماز ادا کرلیا کرو' اونٹوں کے باڑے میں نماز ادا نہ کیا کرو''۔

بَابُ: اَلْمَضْمَضَةِ مِنْ شُرْبِ اللَّبَنِ

یہ باب دودھ پینے کے بعد کلی کرنے کے بیان میں ہے

498-حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ الدِّمَشْقِیُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِیُّ عَنْ

496: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

497: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَضْمِضُوْا مِنَ اللَّبَنِ فَاِنَّ لَهٗ دَسَمًا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: دودھ پینے کے بعد کلی کرلیا کرو کیونکہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے۔

499- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ يَعْقُوْبَ حَدَّثَنِيْ اَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبْتُمُ اللَّبَنَ فَمَضْمِضُوْا فَاِنَّ لَهٗ دَسَمًا

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا' جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں' وہ بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جب تم دودھ پی تو کلی کرلیا کرو' کیونکہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے۔

500- حَدَّثَنَا اَبُوْمُصْعَبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمُهَيْمِنِ بْنُ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيُّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَضْمِضُوْا مِنَ اللَّبَنِ فَاِنَّ لَهٗ دَسَمًا

عبدالمہیمن بن عباس اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا (حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے' دودھ پینے کے بعد کلی کرلیا کرو' کیونکہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے۔

501- حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ السَّوَّاقُ حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا زَمْعَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَلَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم شَاةً وَّشَرِبَ مِنْ لَبَنِهَا ثُمَّ دَعَا بِمَآءٍ فَمَضْمَضَ فَاهُ وَقَالَ اِنَّ لَهٗ دَسَمًا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا دودھ دوہ لیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دودھ کو پی لیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اپنے منہ میں کلی کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس میں چکناہٹ ہوتی ہے۔

بَابُ: الْوُضُوْءِ مِنَ الْقُبْلَةِ

یہ باب بوسہ لینے کے بعد وضو کرنے بیان میں ہے

498 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 211' ورقم الحدیث: 5609' اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث 796' ورقم الحدیث 797' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 196' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 89' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 187

499 اس روایت کونقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

500 اس روایت کونقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

501 اس روایت کونقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

502- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ اَبِىْ ثَابِتٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ بَعْضَ نِسَائِهِ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَتَوَضَّاْ قُلْتُ مَا هِيَ اِلَّا اَنْتِ فَضَحِكَتْ

◄► سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ کا بوسہ لیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازسرِنو وضو نہیں کیا۔ راوی کہتے ہیں: میں نے کہا وہ آپ ہی ہوں گی تو سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مسکرائیں۔

شرح

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مرد کو اپنی عورت کا بوسہ لینے سے وضو لازم آتا ہے۔ (موطا امام مالک)" اور حضرت عبداللہ ابن عمر راوی ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ بوسہ لینا لمس میں داخل ہے (جو قرآن میں مذکور ہے) لہٰذا بوسہ لینے کے بعد وضو کیا کرو۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث 311)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے ان روایتوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اوّل تو یہ تمام روایتیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر موقوف ہیں یعنی یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال ہیں اس لئے ان کا حکم حدیث مرفوع یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد جیسا نہیں ہوسکتا دوسرے ان کے نزدیک یہ روایتیں درجہ صحت کو بھی نہیں پہنچی ہوئی ہیں۔ پھر اس سے قطع نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے جو پہلے ذکر کی گئی اور جس کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ اس سے بصراحت یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، نیز اس کے علاوہ " مسند ابی حنیفہ " میں ایک دوسری حدیث مذکور ہے جسے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لیس فی القبلۃ وضو یعنی بوسہ لینے سے وضو لازم نہیں ہوتا جسے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لیس فی القبلۃ وضو یعنی بوسہ لینے سے وضو لازم نہیں ہوتا" گویا اس حدیث نے بھی اس بات کی تصدیق کردی کہ عورت کو چھونے یا اس کا بوسہ لینے کو ناقضِ وضو کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

503- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ زَيْنَبَ السَّهْمِيَّةِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّاُ ثُمَّ يُقَبِّلُ وَيُصَلِّيْ وَلَا يَتَوَضَّاُ وَرُبَّمَا فَعَلَهُ بِيْ

---

502 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 179 ورقم الحدیث: 180 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 86

503 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

◆◆ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تھے پھر اپنی کسی زوجہ محترمہ کا بوسہ لے لیتے تھے اور نماز ادا کر لیتے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم از سر نو وضو نہیں کرتے تھے' بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ بھی ایسا کر لیتے تھے۔

شرح

قرآن مجید میں جس جگہ ان چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو وضو کو توڑنے والی ہیں انہیں ایک چیز ناقض وضو یہ بھی بتائی گئی ہے کہ: اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ۔ "یعنی تم عورت سے ملامست کرو۔" "ملامست" کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ اور اس کا محل کیا ہے؟ اسی میں اختلاف ہو رہا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ ملامست کے معنی عورت کو ہاتھ لگانا ہے، تو گویا اس طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو محض ہاتھ لگانے کے بعد اگر کسی آدمی کا وضو ہے تو وہ ٹوٹ جائے گا لہٰذا اگر وہ نماز پڑھنا چاہے تو اس کو دوبارہ وضو کرنا ضروری ہوگا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مذکورہ بالا ارشاد کا مفہوم بھی یہی ہے جو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تصدیق کر رہا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی فرما رہے ہیں کہ عورت کو صرف ہاتھ لگانا، یا عورت کا بوسہ لینا ملامست میں داخل ہے جس کو قرآن میں ناقض وضو فرمایا گیا ہے۔ ہمارے امام صاحب "ملامست" کے معنی قرار دیتے ہیں "جماع اور ہمبستری" یعنی قرآن میں ملامست عورت کا جو ذکر کیا گیا ہے اور جسے ناقض وجو کہا گیا ہے اس سے جماع اور ہمبستری مراد ہے۔ امام اعظم نے اپنے اس مسلک کی تصدیق میں دلائل کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا ہے جو فقہ کی کتابوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔

عورت کو چھونے کے سبب وضو نہ ٹوٹنے میں مذاہب اربعہ

اس مسئلہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسند احمد بن حنبل کے نزدیک غیر محرم عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غیر محرم عورت کو اگر شہوت کے ساتھ چھوئے تو وضو ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں ٹوٹے گا ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا، ان کی دلیل یہی حدیث ہے، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری حدیث بھی جو صحیح البخاری و صحیح مسلم میں مذکور ہے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں تہجد پڑھنے کے لئے بیدار ہوتے تو میں سوتی رہتی اور میرے دونوں پاؤں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کی جگہ پڑے رہتے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کے وقت میرے پیروں میں ٹھوکا دیتے تھے تو میں اپنے پیر سمیٹ لیتی تھی" لہٰذا اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، امام جامع ترمذی کا یہ کہنا عروہ رضی اللہ عنہ کی سماعت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں ہے" بالکل صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیحین میں (صحیح البخاری و صحیح مسلم) ہے۔

اکثر احادیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا سماع ثابت ہے معلوم ہوتا ہے کہ جامع ترمذی کے اس قول کو نقل کرنے میں مصنف مشکوٰۃ سے کچھ چوک ہوگئی ہے کیونکہ جامع ترمذی کے اس قول کا یہ مطلب نہیں لیا جاتا جو مصنف

مشکوٰۃ نے اخذ کیا ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ "یہ حدیث یعنی مرسل کی ایک قسم منقطع) ہے" دراصل حنفیہ کی اس دلیل کو کمزور کرتی ہے کہ جب یہ حدیث مرسل ہے تو حنفیہ کا اس کو اپنی دلیل میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارے نزدیک حدیث مرسل بھی حجت ہوتی ہے اور نہ صرف ہمارے نزدیک بلکہ جمہور علماء بھی مرسل حدیث کی حجیت کو تسلیم کرتے ہیں، لہٰذا اس حدیث کو مرسل کہہ کر اسے نا قابل استدلال قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بَابُ: الْوُضُوْءِ مِنَ الْمَذْيِ

یہ باب مذی کے خروج پر وضو کرنے کے بیان میں ہے

خروج مذی کے سبب وضو کے لازم ہونے کا بیان

504- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذْيِ فَقَالَ فِيْهِ الْوُضُوْءُ وَفِي الْمَنِيِّ الْغُسْلُ

◄◄ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے مذی کے بارے میں دریافت کیا گیا' تو آپ نے فرمایا: مذی (خارج ہونے) پر صرف وضو کرنا لازم ہوگا اور منی (خارج ہونے) پر غسل لازم ہوگا۔

505- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ سَالِمٍ اَبِي النَّضْرِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَدْنُوْ مِنِ امْرَاَتِهٖ فَلَا يُنْزِلُ قَالَ اِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ ذٰلِكَ فَلْيَنْضَحْ فَرْجَهٗ يَعْنِيْ لِيَغْسِلْهُ وَيَتَوَضَّاْ

◄◄ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا: جو اپنی عورت کے قریب ہوتا ہے' تو اسے انزال نہیں ہوتا' تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص کو اس طرح کی صورتحال ہو' تو وہ (زوجہ محترمہ) اپنی شرمگاہ پر پانی چھڑک لے۔ (راوی کہتے ہیں:) نبی کریم ﷺ کی مراد یہ تھی کہ وہ اسے دھو کر وضو کر لے۔

506- حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ وَعَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ كُنْتُ اَلْقٰى مِنَ الْمَذْيِ شِدَّةً فَاُكْثِرُ مِنْهُ الْاِغْتِسَالَ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّمَا يُجْزِيْكَ مِنْ ذٰلِكَ الْوُضُوْءُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ

504. اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:114

505' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:207' ورقم الحدیث:208' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:156' ورقم الحدیث' 439

506' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:210' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:115

اللّٰہِ کَیْفَ بِمَا یُصِیْبُ ثَوْبِیْ قَالَ اِنَّمَا یَکْفِیْکَ کَفٌّ مِّنْ مَّآءٍ تَنْضَحُ بِہٖ مِنْ ثَوْبِکَ حَیْثُ تَرٰی اَنَّہٗ اَصَابَ

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میری مذی بکثرت خارج ہوا کرتی تھی جس کے نتیجے میں مجھے بکثرت غسل کرنا پڑتا تھا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسی صورت میں تمہارے لیے وضو کافی ہے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جو میرے کپڑے پر لگ جاتا ہے اس کا کیا ہوگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم ایک چلو میں پانی لے کر اسے اپنے کپڑے پر اس جگہ چھڑک دو جہاں وہ لگی ہوتی ہے۔

507 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَۃَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ مُّصْعَبِ بْنِ شَیْبَۃَ عَنْ اَبِیْ حَبِیْبِ بْنِ یَعْلَی بْنِ مُنْیَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ اَتٰی اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ وَّمَعَہٗ عُمَرُ فَخَرَجَ عَلَیْہِمَا فَقَالَ اِنِّیْ وَجَدْتُ مَذْیًا فَغَسَلْتُ ذَکَرِیْ وَتَوَضَّاْتُ فَقَالَ عُمَرُ اَوَ یُجْزِئُ ذٰلِکَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَسَمِعْتَہٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات منقول ہے: وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان دونوں صاحبان کے پاس (گھر سے باہر) تشریف لائے اور بتایا: میری مذی خارج ہوگئی تھی' تو میں نے اپنی شرمگاہ کو دھو کر وضو کیا ہے (اس لیے باہر آنے میں دیر ہوگئی) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیا یہ جائز ہے' تو انہوں نے جواب دیا: جی ہاں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیا آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ بات سنی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں۔

مذی اور ودی میں غسل لازم نہ ہونے جبکہ وضو لازم کا بیان

حضرت سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ مجھے مذی سے سختی اور تکلیف پہنچتی تھی اس لئے میں بار بار غسل کرتا تھا پس میں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور اس کا حکم پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے وضو کرنا ہی کافی ہے میں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ کپڑوں پر لگ جائے تو کیا حکم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی کا ایک چلو لے کر اس جگہ چھڑک دو جہاں پر وہ لگی ہو ابو عیسیٰ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ہمیں علم نہیں کہ محمد بن اسحاق کے علاوہ بھی اس طرح کی کوئی حدیث کسی نے روایت کی ہو اور اختلاف کیا ہے۔

اہل علم نے مذی کے بارے میں کہ اگر مذی کپڑوں کو لگ جائے تو بعض اہل علم کے نزدیک اس کا دھونا ضروری ہے یہی قول امام شافعی اور اسحاق کا ہے اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس پر پانی کے چھینٹے مار دینا ہی کافی ہے اور امام احمد فرماتے ہیں کہ

507 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

مجھے امید ہے کہ پانی چھڑ کنا ہی کافی ہوگا۔ (جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 110)

علامہ علاؤالدین کاسانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مذی اور ودی میں غسل نہیں ودی میں غسل اس لئے نہیں ہے کیونکہ وہ پیشاب کا بقیہ ہے اور مذی کے بارے میں حدیث مبارکہ ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایسا مرد ہوں جسے مذی آتی ہے اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیاء آتی ہے کیونکہ ان کی بیٹی میرے نکاح میں ہے تو انہوں نے حضرت مقداد بن اسود کو حکم دیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مرد کو مذی آتی ہے اور اس میں وضو ہے۔ یہ حدیث مذی پر وضو کے لزوم پر نص ہے۔ اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ غسل کی نفی کو بیان کرنے والی ہے کیونکہ مذی کثیر الوقوع ہے اور اس کی علت اس حکم سے بھی واضح ہے "کل فحل یمذی" ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۱، ص ۷۲، بیروت)

بَابُ وُضُوْءِ النَّوْمِ

یہ باب نیند کے ناقض وضو ہونے کے بیان میں ہے

508- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ سَمِعْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ يَقُولُ لِزَائِدَةَ بْنِ قُدَامَةَ يَا اَبَا الصَّلْتِ هَلْ سَمِعْتَ فِي هٰذَا شَيْئًا فَقَالَ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَدَخَلَ الْخَلَاءَ فَقَضٰى حَاجَتَهُ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ ثُمَّ نَامَ

◄► حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت بیدار ہوئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ دھوئے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے۔

508م- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ اَنْبَاَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ اَنْبَاَنَا بُكَيْرٌ عَنْ كُرَيْبٍ قَالَ فَلَقِيْتُ كُرَيْبًا فَحَدَّثَنِيْ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

◄► یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

وضو کو توڑنے والی نیند کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں سوئے ہوئے تھے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے یا فرمایا لمبے لمبے سانس لینے لگے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو سو گئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو اس پر واجب

508 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6316' اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث: 696' ورقم الحدیث: 1785' ورقم الحدیث: 1791' ورقم الحدیث: 1792' ورقم الحدیث: 1793' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 5043' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 1120.

ہوتا ہے جو لیٹ کر سوئے اس لئے کہ لیٹ جانے سے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ ابو خالد کا نام یزید بن عبدالرحمٰن ہے اور اس باب میں حضرت عائشہ اور ابن مسعود اور ابوہریرہ سے بھی روایات منقول ہے۔
(جامع ترمذی: جلداول: رقم الحدیث، 75)

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" آنکھیں سرین کا سربند ہیں چنانچہ آنکھ سو جاتی ہے تو سربند کھل جاتا ہے۔ (دارمی، مشکوۃ شریف: جلداول: رقم الحدیث، 299)

جب انسان جاگتا رہتا ہے تو گویا اس کے مقعد پر بند لگا رہتا ہے جس کی وجہ سے ہوا خارج نہیں ہوتی بلکہ رکی رہتی ہے اور اگر خارج ہوتی ہے تو اس کا احساس ہوتا ہے جب سو جاتا ہے تو چونکہ وہ بے اختیار ہو جاتا ہے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں تو ہوا کے خارج ہونے کا گمان رہتا ہے جس کا اسے یقینی احساس نہیں ہو سکتا اسی لیے نیند کو ناقض وضو کہا جاتا ہے۔

نیند کے سبب وضو کے ٹوٹنے میں فقہی مذاہب

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو نیند آجایا کرتی تھی پھر اٹھ کر نماز پڑھ لیتے اور وضو نہ کرتے امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے صالح بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے ابن مبارک سے اس آدمی کے متعلق پوچھا جو تکیہ لگا کر سوتا ہے فرمایا اس پر وضو نہیں سعید بن عروبہ نے قتادہ کے واسطہ سے حضرت ابن عباس سے حدیث روایت کی ہے اس میں ابوعالیہ کا ذکر نہیں اور نہ ہی اسے مرفوعا روایت کیا ہے نیند سے وضو کے واجب ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

اکثر علماء جن میں ابن مبارک سفیان ثوری اور امام احمد شامل ہیں کا قول یہ ہے کہ اگر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر سوئے تو وضو واجب نہیں ہوتا یہاں تک کہ لیٹ کر سوئے بعض اہل علم کے نزدیک اگر اس کی عقل پر نیند غالب ہو جائے تو وضو واجب ہے اسحاق کا یہی قول ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بیٹھ کر سوتے ہوئے خواب دیکھے یا نیند کے غلبے کی وجہ سے سرین اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو اس پر وضو واجب ہے۔ (جامع ترمذی: جلداول: رقم الحدیث، 76)

نیند کے ناقض وضو ہونے میں فقہی تصریحات کا بیان

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نیند (۱) دو شرطوں سے ناقضِ وضو ہوتی ہے: اول یہ کہ دونوں سرین اس وقت خوب جمے نہ ہوں دوسرے یہ کہ ایسی ہیئات پر سویا ہو جو غافل ہو کر نیند آنے کو مانع نہ ہو۔ جب یہ دونوں شرطیں جمع ہوں گی تو سونے سے وضو جائیگا اور ایک بھی کم ہے تو نہیں، مثلاً:

(۱) دونوں (۲) سرین زمین پر ہیں اور دونوں پاؤں ایک طرف پھیلے ہوئے کرسی کی نشست اور ریل کی تپائی بھی اس میں داخل ہے۔

اقول مگر (۳) یورپین ساخت کی کرسی جس کے وسط میں ایک بڑا سوراخ اسی مہمل غرض سے رکھا جاتا ہے اس سے مستثنیٰ ہے اس کی نشست مانع حدث نہیں ہوسکتی۔

(۲) دونوں سرین پر بیٹھا ہے اور گھٹنے کھڑے ہیں اور ہاتھ ساقوں پر محیط ہیں جسے عربیہ میں احتبا کہتے ہیں خواہ ہاتھ زمین وغیرہ پر ہوں اگرچہ سر گھٹنوں پر رکھا ہو۔(۳) دوزانو سیدھا بیٹھا ہو۔(۴) چارزانو پالتی مارے یہ صورتیں خواہ زمین پر ہوں یا تخت یا چارپائی پر یا کشتی یا شقدف یا شبری یا گاڑی کے کھٹولے میں۔

(۵) گھوڑے (۴) یا خچر وغیرہ پر زین رکھ کر سوار ہے۔

(۶ و ۷) ننگی پیٹھ پر (۱) سوار ہے مگر جانور چڑھائی پر چڑھ رہا یا راستہ ہموار ہے۔ظاہر ہے کہ ان سب صورتوں میں دونوں سرین جمے رہیں گے لہٰذا وضو نہ جائیگا اگرچہ کتنا ہی غافل ہوجائے اگرچہ سر بھی قدرے جھک گیا ہو نہ اتنا کہ سرین نہ جمے رہیں اگرچہ (۲) دیوار وغیرہ کسی چیز پر ایسا تکیہ لگائے ہو کہ وہ شے ہٹالی جائے تو یہ گر پڑے یہی ہمارے امام رضی اللہ عنہ کا اصل مذہب وظاہر الروایہ ومفتی بہ وصحیح ومعتمد ہے اگرچہ ہدایہ وشرح وقایہ میں حالت تکیہ کو ناقض وضو لکھا۔

(۸) کھڑے کھڑے سوگیا۔(۹) رکوع کی صورت پر۔

(۱۰) سجدۂ مسنونہ مردان کی شکل پر کہ پیٹ رانوں اور رانیں ساقوں اور کلائیاں زمین سے جدا ہوں اگرچہ یہ قیام وہیات رکوع وسجود غیر نماز میں ہو اگرچہ سجدہ کی اصلاتیت بھی نہ ظاہر ہے کہ یہ تینوں صورتیں غافل ہوکر سونے کی مانع ہیں تو ان میں بھی وضو نہ جائے گا۔ (۱۱) اکڑوں (۴) بیٹھے سویا۔(۱۲،۱۳،۱۴) چت یا پٹ یا کروٹ پر لیٹ کر۔

(۱۵) ایک کہنی پر تکیہ لگا کر۔(۱۶) بیٹھ کر سویا مگر ایک کروٹ کو جھکا ہوا کہ ایک یا دونوں سرین اُٹھے ہوئے ہیں۔(۱۷) ننگی پیٹھ پر سوار ہے اور جانور ڈھال میں اتر رہا ہے۔

اقول فقیر گمان کرتا ہے (۵) کہ کاٹھی بھی ننگی پیٹھ کے مثل ہے اور وہ یورپین وضع کی کاٹھیاں جن کے وسط میں اس لئے خلا رکھتے ہیں مانع حدث نہیں ہوسکتیں اگرچہ راہ ہموار ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۸) دوزانو بیٹھا اور پیٹ رانوں پر رکھا ہے کہ دونوں سرین جمے نہ رہے ہوں۔(۱۹) اسی طرح اگر چارزانو ہے اور سر رانوں یا ساقوں پر ہے۔

(۲۰) سجدۂ غیر (۶) مسنونہ کی طور پر جس طرح عورتیں گھڑی بن کر سجدہ کرتی ہیں اگرچہ خود نماز یا اور کسی سجدہ مشروعہ یعنی سجدۂ تلاوت یا سجدۂ شکر میں ہو ان دس صورتوں میں دونوں شرطیں جمع ہونے کے سبب وضو جاتا رہے گا اور جب اصل مناط بتادیا گیا تو زیادہ تفصیل صور کی حاجت نہیں ان دونوں شرطوں کو غور کرلیں جہاں مجتمع ہیں وضو نہ رہے گا ورنہ ہے البتہ فتاوی امام قاضی خان میں فرمایا کہ تنور (۷) کے کنارے اُس میں پاؤں لٹکائے بیٹھ کر سونے سے بھی وضو جاتا رہتا ہے کہ اُس کی گرمی سے مفاصل ڈھیلے ہوجاتے ہیں۔(فتاوی رضویہ، ج ۱، ص، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

بَابُ: الْوُضُوْءِ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَّالصَّلَوَاتِ كُلِّهَا بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ

یہ باب ہر نماز کے لیے وضو کرنا' ایک ہی وضو کے ذریعے تمام نمازیں ادا کرنے کے بیان میں ہے

509- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّاُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَّكُنَّا نَحْنُ نُصَلِّى الصَّلَوَاتِ كُلَّهَا بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کیا کرتے تھے اور ہم تمام نمازوں کے لیے ایک ہی وضو کیا کرتے تھے۔

شرح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا پہلے واجب تھا مگر بعد میں وجوب کا یہ حکم منسوخ ہو گیا، جب کہ اس کے بعد آنے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کچھ علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ اور عزیمت سمجھ کر ہر نماز کے لئے تازہ وضو فرماتے تھے۔

510- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَلِىُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّاُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ فَتْحِ مَكَّةَ صَلَّى الصَّلَوَاتِ كُلَّهَا بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ

سلیمان بن بریدہ اپنے والد کے حوالے سے یہ بات نقل کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی وضو کے ذریعے تمام نمازیں ادا کی تھیں۔

ایک وضو سے کئی نمازوں کو ادا کرنے کا بیان

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "فتح مکہ کے دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں (یعنی ایک ہی وضو سے پانچوں نمازیں پڑھیں) اور موزوں پر مسح کیا (یہ دیکھ کر) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آج وہ چیز کی ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں کیا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" عمر فاروق (رضی اللہ عنہ)! میں نے ایسا قصداً کیا ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف، جلد اول رقم الحدیث 293)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ پہلے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معمول یہ تھا کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے، مگر آج آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خلاف معمول ایک وقت وضو کر لیا پھر اسی وضو سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

509 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:214' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:171' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:60' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:131' 510' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث:640' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 172' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 61' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:133

نے پانچوں نمازیں ادا فرمائیں اور پھر ایک نئی چیز کی کہ موزوں پر مسح بھی فرمایا حالانکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا کبھی نہیں کرتے تھے۔ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرا عمل کسی دوسری وجہ سے نہیں بلکہ میں نے قصداً کیا ہے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں اور دوسرے بھی ایسا کر سکتے ہیں۔

511- حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ تَوْبَةَ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُبَشِّرٍ قَالَ رَاَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ فَقُلْتُ مَا هٰذَا فَقَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ هٰذَا فَاَنَا اَصْنَعُ كَمَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فضل بن مبشر بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا انہوں نے ایک ہی وضو کے ساتھ تمام نمازیں ادا کیں، تو میں نے ان سے دریافت کیا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے، تو میں تو ویسا ہی کروں گا، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔

شرح

حضرت محمد بن یحیی بن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے یہ بتائیے کہ کیا حضرت عبداللہ ابن عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے خواہ وہ باوضو ہوں یا بے وضو اور انہوں نے یہ عمل کس سے حاصل کیا تھا؟ حضرت عبید اللہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے حضرت اسماء بنت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ ابی عامر الغسیل رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کا وضو کرنے کے لئے حکم دیا گیا تھا خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوضو ہوں یا بے وضو جب آپ کے لئے یہ مشکل ہوا تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیا گیا اور وضو کو موقوف کیا گیا (یعنی ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا واجب نہ رہا، جب تک وضو ٹوٹ نہ جائے" حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ خیال تھا کہ مجھ میں ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کی قوت ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی پر موت کے وقت تک عمل کیا۔ (مسند احمد بن حنبل، مشکوۃ شریف، جلد اول: رقم الحدیث 401)

لفظ غسیل کے معنی ہیں" نہلایا گیا" یہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی صفت ہے، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ انتقال کے بعد انہیں فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنظلہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ سے پوچھا کہ ان کا کیا حال تھا؟ (یعنی جب وہ گھر سے نکلے تو کیا کام کر رہے تھے) انہوں نے جواب دیا کہ وہ حالت ناپاکی میں تھے اور (نہانے کے وقت) اپنے سر کا ایک ہی حصہ دھو پائے تھے کہ اتنے میں انہوں نے صدا سنی (کہ جہاد کے لئے بلایا جا رہا ہے، چنانچہ وہ اسی حالت میں گھر سے باہر نکل کھڑے ہوئے اور (غزوہ احد میں) جام شہادت نوش فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں نے دیکھا کہ فرشتے انہیں نہلا رہے تھے۔ (طیبی)

511 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

علامہ طیبی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسواک بہت زیادہ فضیلت اور بزرگی رکھتی ہے کہ جب ہی تو اسے واجب وضو کا قائم مقام قرار دیا گیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر نماز کے لئے تازہ وضو اس لئے کرتے تھے کہ انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اگرچہ اس کا وجوب منسوخ ہو گیا ہے مگر اس آدمی کے لئے جو اس پر عمل کی طاقت وقوت رکھتا ہے اس کی فضیلت باقی ہے اس لئے انہوں نے جب یہ دیکھا کہ میرے اندر اتنی قوت وہمت ہے کہ میں اس عمل کو بخوبی پورا کر سکتا ہوں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس فضیلت وسعادت سے محروم رہوں۔ چنانچہ انہوں نے اسے اپنا معمول بنالیا کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو فرماتے اور جب تک موت کی آغوش نے انہیں اپنے اندر چھپا نہ لیا وہ اس معمول پر قائم ودائم رہے۔

بَابُ: الْوُضُوْءِ عَلَى الطَّهَارَةِ

یہ باب پہلے سے باوضو ہونے کے باوجود وضو کرنے کے بیان میں ہے

512- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ الْمُقْرِئُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زِيَادٍ عَنْ اَبِيْ غُطَيْفٍ الْهُذَلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ مَجْلِسِهٖ فِي الْمَسْجِدِ فَلَمَّا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ قَامَ فَتَوَضَّاَ وَصَلّٰى ثُمَّ عَادَ اِلٰى مَجْلِسِهٖ فَلَمَّا حَضَرَتِ الْعَصْرُ قَامَ فَتَوَضَّاَ وَصَلّٰى ثُمَّ عَادَ اِلٰى مَجْلِسِهٖ فَلَمَّا حَضَرَتِ الْمَغْرِبُ قَامَ فَتَوَضَّاَ وَصَلّٰى ثُمَّ عَادَ اِلٰى مَجْلِسِهٖ فَقُلْتُ اَصْلَحَكَ اللّٰهُ اَفَرِيْضَةٌ اَمْ سُنَّةٌ الْوُضُوْءُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ قَالَ اَوَ فَطِنْتَ اِلَيَّ وَاِلٰى هٰذَا مِنِّيْ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ لَا لَوْ تَوَضَّاْتُ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ لَصَلَّيْتُ بِهِ الصَّلَوَاتِ كُلَّهَا مَا لَمْ اُحْدِثْ وَلٰكِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَوَضَّاَ عَلٰى كُلِّ طُهْرٍ فَلَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَّاِنَّمَا رَغِبْتُ فِي الْحَسَنَاتِ

◄► ابوغطیف ہذلی بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو مسجد میں ان کی مجلس میں سنا جب نماز کا وقت ہوا تو وہ اٹھے اور انہوں نے وضو کیا اور نماز ادا کی اور پھر اپنی محفل میں آکر بیٹھ گئے جب عصر کی نماز کا وقت ہوا تو وہ اٹھے انہوں نے وضو کیا اور نماز ادا کی اور واپس اپنی محفل میں آکر بیٹھ گئے جب مغرب کا وقت ہوا تو وہ اٹھے انہوں نے وضو کیا اور نماز ادا کی پھر واپس اپنی محفل میں آکر بیٹھ گئے میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کی بہتری کرے کیا ہر نماز کے لیے وضو کرنا فرض ہے یا سنت ہے؟ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا: کیا تم نے اسے میری طرف منسوب کیا ہے یا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ میری طرف سے ہے؟ میں نے جواب دیا: جی ہاں' تو انہوں نے فرمایا نہیں۔ اگر میں چاہتا' تو صبح کی نماز کے لیے وضو کرنے کے بعد اسی وضو کے ذریعے تمام نمازیں ادا کرتا جب تک میں بے وضو نہیں ہوتا لیکن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔

''جو شخص باوضو ہونے کے باوجود وضو کرے اسے دس نیکیاں ملتی ہیں۔'' (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا) میں نے

512 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 62' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 59

نیکیوں میں رغبت کی ہے۔

بَابُ: لَا وُضُوءَ اِلَّا مِنْ حَدَثٍ

یہ باب وجوب وضو صرف حدث کی صورت ہونے کے بیان میں ہے

513- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ اَنْبَاَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدٍ وَّعَبَّادُ بْنُ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ شُكِيَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ لَا حَتّٰى يَجِدَ رِيحًا اَوْ يَسْمَعَ صَوْتًا

◄◄ عباس بن تمیم اپنے چچا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص کی شکایت کی گئی جسے نماز کے دوران کچھ محسوس ہوتا ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ جب تک وہ بو کو محسوس نہیں کرتا یا آواز نہیں سنتا (اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹے گا)

514- حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ عَنْ مَعْمَرِ بْنِ رَاشِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ اَنْبَاَنَا سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِي سَعِيدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّشَبُّهِ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ لَا يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيحًا

◄◄ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے نماز کے دوران شبہ لاحق ہونے کے بارے میں دریافت کیا گیا' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی اس وقت تک نماز ختم نہیں کرے گا' جب تک (ہوا خارج ہونے کی آواز) نہیں سن لیتا یا اسے بو محسوس نہیں ہوتی۔

515- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَّعَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالُوْا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوءَ اِلَّا مِنْ صَوْتٍ اَوْ رِيحٍ

◄◄ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: وضو اس وقت لازمی ہوتا ہے' جب آواز آئے یا ہوا (بدبو) خارج ہو۔

516- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ

---

513 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 137' ورقم الحدیث: 177' ورقم الحدیث: 2056' اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث: 802' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 176' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 160

514. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

515 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 74

516 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ رَأَيْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَشُمُّ ثَوْبَهُ فَقُلْتُ مِمَّ ذٰلِكَ قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا وُضُوءَ إِلَّا مِنْ رِيحٍ أَوْ سَمَاعٍ

محمد بن عمرو بیان کرتے ہیں میں نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کو اپنے کپڑے کو سونگھتے ہوئے دیکھا' میں نے دریافت کیا: اس کی کیا وجہ ہے' تو انہوں نے بتایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: وضو صرف اس وقت لازم ہوتا ہے' جب بو محسوس ہو یا آواز سنائی دے۔

شرح

جو چیزیں وضو کو توڑنے والی ہیں ہر وہ چیز ہے جو سبیلین سے نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان " او جاء احد کم منکم من الغائط " کی وجہ سے ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا حدث کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سبیلین سے نکلے اور کلمہ ما عام ہے لہٰذا معتاد اور غیر معتاد (دونوں) کو شامل ہوگا۔ (ہدایہ اولین، کتاب طہارت، لاہور)

معانی ناقضہ کا بیان

یہاں پر معانی سے مراد وہ علل ہیں جو ناقض وضو ہیں۔ کیونکہ علت کی وجہ سے ہی حکم طہارت لازم ہوا ہے۔ اور نقض سے مراد ابطال ہے یعنی وہ علل جن کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

معتاد اور غیر معتاد کے معنی کا بیان

معتاد سے مراد پیشاب اور پاخانہ ہے۔ جن کا خروج پر وفیشنل طور پر سبیلین سے ہی ہوتا ہے۔ اور غیر معتاد سے مراد وہ نجاست ہے جو سبیلین سے خارج ہو یا غیر سبیلین سے خارج ہو۔ ائمہ احناف کے نزدیک یہاں حدیث میں بیان کردہ کلمہ "ما" نجاست معتاد اور غیر معتاد دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا نجاست کا خروج سبیلین سے بطور معتاد یعنی پیشاب و پاخانہ ہو یا غیر معتاد یعنی خون و پیپ وغیرہ کا خروج ہو ہر حال میں حکم نجاست ثابت ہوگا جو کہ ناقض وضو ہے۔

صاحب ہدایہ نے کلمہ "ما" سے مراد معتاد اور غیر معتاد بیان کرتے ہوئے امام مالک کے مسلک کی تردید کی ہے کیونکہ فقہ مالکی کے مطابق دم استحاضہ، حضاۃ ناقض وضو اس لئے نہیں کہ ان کا خروج غیر معتاد سے ہے۔ (عنایہ شرح ہدایہ، ج ۱، ص ۴۴، بیروت)

علل وضو کا وضو کیلئے نواقض ہونے کے ثبوت کا بیان

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ (المائدہ، ۶)

ترجمہ: اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہو لو اور اگر تم بیمار یا سفر میں ہو یا تم میں کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں سے صحبت کی۔ (کنزالایمان)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ حدث کیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ سبیلین سے خارج ہو حدث ہے۔

فقہاء حدث سے کیا مراد لیتے ہیں

حدث کا کیا مطلب ہے اس حوالے سے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہاں پر دو چیزوں کا بیان ہے ایک ماہیت حدث ہے اور دوسرا اس حدث کا حکم ہے۔ ماہیت حدث کی دو اقسام ہیں (۱) حقیقی (۲) حکمی۔

ائمہ ثلاثہ احناف فرماتے ہیں کہ حدث حقیقی سے مراد وہ نجاست ہے جو زندہ آدمی کے جسم سے خارج ہو چاہے وہ سبیلین سے ہو جیسے دبر اور ذکر اور فرج عورت یا وہ غیر سبیلین سے خارج ہو جیسے زخم سے خون، ناک، منہ سے خون، قئے اور نکسیر وغیرہ اور اسی طرح سبیلین سے خارج ہونے والی نجاست معتاد ہو جیسے بول، براز، منی، ودی، مذی، حیض، نفاس یا غیر معتاد جیسے خون استحاضہ ہے۔ یہ سب نجاست حقیقی ہیں۔ امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ زندہ آدمی سے ظہور نجاست ہی نجاست حقیقی ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ خروج نجاست معتاد من السبیل نجاست حقیقی ہے جبکہ خون استحاضہ نجاست حقیقی نہیں کیونکہ وہ غیر معتاد ہے۔ امام شافعی کا ایک قول امام مالک کے قول ہی کی طرح ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کا قول حدیث کے موقف کے خلاف ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ مستحاضہ ہر نماز کیلئے وضو کرے۔ (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۲۴، مکان النشر بیروت)

بَابُ: مِقْدَارِ الْمَآءَ الَّذِیْ لَا یَنْجِسُ

یہ باب پانی کی اس مقدار کا بیان جو ناپاک نہیں ہوتا کے بیان میں ہے

پانی کے دو قلوں کا بیان

517 - حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ خَلَّادٍ الْبَاهِلِیُّ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحٰقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْمَآءِ يَكُوْنُ بِالْفَلَاةِ مِنَ الْاَرْضِ وَمَا يَنُوْبُهُ مِنَ الدَّوَابِّ وَالسِّبَاعِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا بَلَغَ الْمَآءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يُنَجِّسْهُ شَیْءٌ

عبید اللہ بن عبد اللہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو سنا آپ ﷺ سے اس پانی کے بارے میں دریافت کیا گیا' جو کسی ویرانے میں ہوتا ہے اور اس سے درندے اور چوپائے آکر پیتے ہیں: تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب پانی دو قلے ہو جائے' تو اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ہے۔

قلہ کے فقہی مفہوم کا بیان

قلہ بڑے مٹکے کو کہتے ہیں جس میں اڑھائی مشک پانی آتا ہے "قلتین" یعنی دو مٹکوں میں پانچ مشک پانی سماتا ہے دو مٹکوں

517. اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 64' ورقم الحدیث: 65' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 67

کے پانی کا وزن علماء کرام نے سواچھ من لکھا ہے اس حدیث کے پیش نظر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی دو مٹکوں کے برابر ہو اور اس میں نجاست وغلاظت گر جائے تو جب تک پانی کا رنگ، مزہ اور بو متغیر نہ ہو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ لیکن جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے اس کے بارے میں علماء کرام کا بہت زیادہ اختلاف ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ سفر السعادہ کے مصنف جو ایک جلیل القدر محدث ہیں لکھتے ہیں کہ "علماء کرام کی ایک جماعت کا قول تو یہ ہے کہ حدیث صحیح ہے مگر ایک دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔" علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے جو جلیل القدر علماء اور ائمہ حدیث کے امام اور حضرت عبداللہ بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں لکھتا ہے کہ "یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہیں ہے۔"

نیز علماء کرام لکھتے ہیں کہ "یہ حدیث اجماع صحابہ کے برخلاف ہے کیونکہ ایک مرتبہ چاہ زمزم میں ایک حبشی گر پڑا تو حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے یہ حکم دیا کہ کنویں کا تمام پانی نکال دیا جائے اور یہ واقعہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ہوا اور کسی نے بھی اس حکم کی مخالفت نہیں کی۔

پھر اس کے علاوہ علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اس مسئلہ میں پانی کی حد اور مقدار متعین کرنے کے سلسلے میں نہ تو حنفیہ کو اور نہ ہی شوافع کو ایسی کوئی صحیح حدیث ہاتھ لگی ہے جس سے معلوم ہو کہ نجاست پڑنے سے کتنی مقدار کا پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور کتنی مقدار کا ناپاک نہیں ہوتا۔" امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ جو فن حدیث کے ایک جلیل القدر امام اور حنفی مسلک کے تھے فرماتے ہیں کہ "حدیث قلتین (یعنی یہ حدیث) اگرچہ صحیح ہے لیکن اس پر ہمارے عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں پانی کی مقدار دو قلے بتائی گئی ہے اور قلے کے کئی معنی آتے ہیں، چنانچہ قلہ مٹکے کو بھی کہتے ہیں اور مشک کو بھی، نیز پہاڑ کی چوٹی بھی قلہ کہلاتی ہے، لہٰذا جب یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں حدیث میں قلہ سے کیا مراد ہے تو اس پر عمل کیسے ہو سکتا ہے؟ بہر حال اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ جو علماء صرف حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہیں ان کا مسلک تو یہ ہے کہ "نجاست وغیرہ پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا خواہ پانی کم ہو یا زیادہ ہو، جاری ہو یا ٹھہرا ہوا ہو اور خواہ نجاست پڑنے سے پانی کا رنگ مزہ اور بو متغیرہ ہو یا نہ ہو۔

حدیث کے یہ الفاظ پیش کرتے ہیں کہ الحدیث (اِنَّ الْمَآءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهٗ شَيْءٌ) (یعنی پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی) حالانکہ مطلقاً پانی نہیں ہے بلکہ زیادہ پانی ہے۔ ان کے علاوہ تمام علماء اور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی زیادہ ہوگا تو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوگا اور اگر پانی کم ہے تو نجاست پڑنے سے ناپاک ہو جائے گا۔ اب اس کے بعد چاروں اماموں کے ہاں "زیادہ" اور "کم" کی مقدار میں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نجاست پڑنے سے جس پانی کا رنگ، مزہ اور بو متغیر نہ ہو وہ ماء کثیر (زیادہ پانی) کہلائے گا اور جو پانی متغیر ہو جائے وہ ماء قلیل (کم پانی) کے حکم میں ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اس حدیث کے پیش نظر یہ ہے جو پانی دو قلوں کے برابر ہوگا اسے ماءِ کثیر کہیں گے اور جو پانی دو قلوں کے برابر نہ ہوگا وہ "ماء قلیل" کہلائے گا۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان

کے ماننے والے یہ فرماتے ہیں کہ۔ "اگر پانی اتنی مقدار میں ہو کہ اس کے ایک کنارے کو ہلانے سے دوسرا کنارہ نہ ہلے تو وہ "ماءِ کثیر" ہے اور اگر دوسرا کنارہ ہلنے لگے تو وہ "ماءِ قلیل" ہے۔ "بعد کے بعض حنفی علماء نے "دہ دردہ" کو ماءِ کثیر کہا ہے یعنی اتنا بڑا حوض جو دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہو اور اتنا گہرا ہو کہ اگر چلو سے پانی اٹھائیں تو زمین نہ کھلے ایسے حوض کو دہ دردہ کہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے حوض کے پانی میں جو "دہ دردہ" ہو ایسی نجاست پڑ جائے جو پڑ جانے کے بعد دکھلائی نہ دیتی ہو جیسے پیشاب، خون، شراب وغیرہ تو چاروں طرف وضو کرنا درست ہے جدھر سے چاہے وضو کر سکتا ہے، البتہ اگر اتنے بڑے حوض میں اتنی نجاست پڑ جائے کہ پانی کا رنگ یا مزہ بدل جائے یا بدبو آنے لگے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اور اگر حوض کی شکل یہ ہو کہ لمبا تو وہ بیس ہاتھ اور چوڑا پانچ ہاتھ ہو یا ایسے ہی لمبا پچیس ہاتھ ہو اور چوڑا چار ہاتھ ہو تو یہ دہ دردہ کی مثل ہی کہلائے گا۔

517 م- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ

یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ منقول ہے۔

518 -حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ الْمُنْذِرِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا لَمْ يُنَجِّسْهُ شَيْءٌ

قَالَ أَبُو الْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا أَبُو حَاتِمٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ وَأَبُو سَلَمَةَ وَابْنُ عَائِشَةَ الْقُرَشِيُّ قَالُوا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ

عبید اللہ بن عبداللہ اپنے والد کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جب پانی دو قلے ہو جائے یا تین قلے ہو جائے تو اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ہے۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

چالیس قلوں کے پانی نجس نہ ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب پانی چالیس قلوں کو پہنچ جائے تو وہ نجس نہیں ہوتا۔ اس حدیث کو امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔

بَابِ : اَلْحِيَاضُ

یہ باب حوضوں کے بیان میں ہے

519 -حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْحِيَاضِ الَّتِي بَيْنَ مَكَّةَ

519: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

وَالْمَدِيْنَةِ تَرِدُهَا السِّبَاعُ وَالْكِلَابُ وَالْحُمُرُ وَعَنِ الطَّهَارَةِ مِنْهَا فَقَالَ لَهَا مَا حَمَلَتْ فِي بُطُوْنِهَا وَلَنَا مَا غَبَرَ طَهُوْرٌ

◆◆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ سے ان حوضوں کے بارے میں دریافت کیا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہیں' جہاں درندے کتے اور گدھے (آ کر پانی) پیتے ہیں' ان سے وضو کرنے کے بارے میں بھی نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ درندے اپنے پیٹ میں جو ڈال لیتے ہیں وہ ان کا ہوا اور جو وہ چھوڑ جاتے ہیں وہ ہمارے لیے طہارت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

بئیر بضاعہ کے پانی کے حکم کا بیان

بیر بضاعہ مدینہ کے ایک کنویں کا نام ہے وہ ایک ایسی جگہ واقع تھا جہاں نالے کی رو آتی تھی اس نالے میں جو گندگی اور غلاظت ہوتی تھی وہ اس کنویں میں پڑتی تھی مگر کہنے والے نے کچھ اس انداز سے بیان کیا جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ لوگ خود اس میں نجاست ڈالتے تھے، حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اس قسم کی گندگی اور غلط چیزوں کا ارتکاب تو عام مسلمان بھی نہیں کرسکتا چہ جائے کہ وہ ایسی غیر شرعی غیر اخلاقی چیز کا ارتکاب کرتے جو افضل المومنین تھے۔ بہر حال! اس کنویں میں بہت زیادہ پانی تھا اور چشمہ دار تھا اس لئے جو گندگی اس میں گرتی تھی بہہ کر نکل جاتی تھی بلکہ علماء کی تحقیق تو یہ ہے کہ اس وقت کنواں جاری تھا اور نہر جاری کی طرح ایک باغ میں بہتا بھی تھا چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنویں کی اس صفت کی وجہ سے اس کے پانی کے بارے میں وہی حکم فرمایا جو ماء کثیر یا جاری پانی کا ہوتا ہے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ نجاست پڑنے سے کوئی پانی ناپاک نہیں ہوتا خواہ وہ تھوڑا پانی ہو یا زیادہ پانی بلکہ یہ حکم ماء کثیر یعنی زیادہ پانی کا ہے ماء قلیل یعنی کم پانی کا یہ حکم نہیں ہے۔ حنفیہ کے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ چشمہ دار کنواں بھی "جاری پانی" کا حکم رکھتا ہے یعنی جو حکم بہنے والے پانی کا ہوتا ہے وہی چشمہ دار کنویں کا ہوتا ہے۔

520- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ طَرِيْفِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا نَضْرَةَ يُحَدِّثُ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ انْتَهَيْنَا اِلٰى غَدِيْرٍ فَاِذَا فِيْهِ جِيْفَةُ حِمَارٍ قَالَ فَكَفَفْنَا عَنْهُ حَتّٰى انْتَهٰى اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ الْمَاءَ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ فَاسْتَقَيْنَا وَاَرْوَيْنَا وَحَمَلْنَا

◆◆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں' ہم لوگ ایک کنویں کے پاس پہنچے تو وہاں اس میں ایک مردار گدھا پڑا ہوا تھا' راوی کہتے ہیں: ہم اس پانی سے وضو کرنے سے رک گئے پھر ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور آپ ﷺ کو اس بارے میں بتایا) تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ہے۔ (راوی کہتے ہیں) پھر ہم نے اسے پی بھی لیا اور جانوروں کو بھی پلایا اور زادِ راہ کے طور پر ساتھ بھی رکھ لیا۔

520 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

پانی کے معروف تین اوصاف کا بیان

521-حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ خَالِدٍ وَالْعَبَّاسُ بْنُ الْوَلِيْدِ الدِّمَشْقِيَّانِ قَالَا حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا رِشْدِيْنُ اَنْبَاَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَاءَ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ اِلَّا مَا غَلَبَ عَلٰى رِيْحِهِ وَطَعْمِهِ وَلَوْنِهِ

حضرت امامہ باہلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی ہے' ماسوائے اس چیز کے جو اس کی بو' ذائقے یا رنگ پر غالب آجائے''۔

شرح

: ٹھوس چیز کے ملنے سے خواہ پانی کے تمام اوصاف تبدیل ہو جائیں پھر بھی کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اگر مائع چیز کے دو وصف ہوں تو اس کا ایک وصف پانی میں ظاہر ہونے سے پانی مغلوب سمجھا جائے گا۔ جیسے دودھ اس کا رنگ اور مزہ ہوتا ہے اور اس کی بو نہیں ہوتی۔ اور جس بہنے والی چیز کے تین وصف ہوں، اس کے دو وصف اگر پانی میں ظاہر جائیں گے تو غلبہ پانا جائے گا۔ جیسے سرکہ۔

اور جس بہنے والی چیز کا کوئی وصف نہ ہو جیسے استعمال کردہ پانی یا عرق گلاب جس کی خوشبو منقطع ہوگی ہو اس میں غلبہ کا اعتبار وزن پر ہوگا۔ پس اگر مستعمل پانی کے دو رطل مطلق پانی کے ایک رطل میں مل گئے تو وضو جائز نہیں اور اسکے عکس کی صورت میں وضو جائز ہے۔

پانی کے ایک وصف تبدیل ہونے کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جبکہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کے لئے پانی بیر بضاعہ سے لایا جاتا ہے حالانکہ وہ کنواں ایسا ہے جس میں کتوں کا گوشت، حیض آلود کپڑے اور لوگوں کا فضلہ ڈالا جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کہ میں نے قتیبہ بن سعد سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں بئر بضاعہ کے متولی سے پوچھا کہ اس کنویں میں گہرائی کتنی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب اس میں پانی زیادہ ہوتا ہے تو زیرناف تک ہوتا ہے میں پوچھا کہ جب کم ہوتا ہے تو کہاں تک ہوتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ستر سے کچھ کم۔ (گھٹنوں تک یا اس سے کم) ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کہ میں نے بیرَ بضاعہ پر اپنی چادر پھیلا کر ناپا تو اس کا عرض چھ ہاتھ نکلا اور میں نے باغ والے سے پوچھا کہ کیا اس کنویں کا حال پہلے کی نسبت اب کچھ بدل گیا ہے؟ اس نے کہا نہیں! اور میں دیکھا کہ اس کے پانی کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ (سنن ابوداؤد، جلد اول، رقم الحدیث، 66)

مطلق پانی کا معاشرے میں اطلاق ہونے کا بیان

امام محمد رضی اللہ عنہ گویا یوں فرماتے ہیں کہ رفع حدث کیلئے شرعاً مطلق پانی کا استعمال ضروری ہے، اور مطلق پانی وہ ہے جو پانی کا

521 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

لفظ بولنے پر ذہن میں آئے، اور اس میں شک نہیں کہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو مشہور و معروف اور ہر ایک کو معلوم ہے اس کو جاننے کیلئے کسی کو غیر سے سمجھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ وہ یہ بتائے کہ پانی یہ ہے۔ لہٰذا مطلق پانی سے مراد یہی عام فہم حقیقت ہے۔ لہٰذا جب کسی دوسری بہنے والی چیز کا رنگ پانی میں ظاہر ہوتا ہے تو دیکھنے والے کو ضرور تردّد ہوتا ہے کہ کیا یہ پانی ہے یا کیا ہے تو جب کوئی دوسرا باخبر شخص بتائے تو اس کا تردّد ہوتا ہے ورنہ نہیں، پانی میں سب سے پہلے رنگ کا علم ہوتا ہے اور اگر رنگ پانی پر غالب نہ ہو تو پھر جب کلی کرنے کیلئے پانی منہ میں ڈالا جائے تو اس وقت دوسری مائع چیز کا ذائقہ محسوس ہونے لگتا ہے پھر اس کو تردّد ہوتا ہے جو کہ دیکھنے پر رنگت کی تبدیلی سے نہ ہوا تھا، پس یہ رنگ کی وجہ سے تردّد اور ذائقہ کی وجہ سے تردّد والا پانی، مطلق پانی سے خارج ہوگا، جہاں تک بُو کا تعلق ہے تو وہ قُرب وجوار میں پڑی ہوئی چیز کی خوشبو کا اثر ہو سکتا ہے ضروری نہیں کہ پانی میں مخلوط کسی چیز کی وجہ سے بُو آ رہی ہو، رنگ اور ذائقہ اگر درست ہو تو استعمال کرنے والے کو کوئی تردّد پیدا نہیں ہوتا کہ یہ خالص پانی ہے، پس اگر پانی میں ریح کے بغیر کسی دوسری شی کی ملاوٹ ہو برابر یا غالب طور پر ہو تو استعمال کرنے والے کو تردد ہوگا مگر جب اسے کوئی خارج سے خبر دے۔ تو اس وقت وہ جانے گا یہ پانی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ نفس پانی کا ادراک کسی خارجی امداد کے بغیر ہوتا ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ پانی میں تردّد پیدا کرنے میں کسی مائع چیز کا دخل ہوتا ہے اس کے برخلاف کسی جامد چیز کے ملنے سے پانی کے رنگ یا ذائقہ کی تبدیلی کی وجہ سے استعمال کرنے والے کو اس وقت تک تردّد نہیں ہوتا جب تک کسی دوسرے مقصد کیلئے تیاری سے پانی کے نام کو تبدیل نہ قرار دیا جائے۔ اس بات سے پانی میں جامد چیز اور مائع چیز کے ملنے کا فرق واضح ہو جاتا ہے، اور یوں امام محمد کے مذہب کے چاروں اجزاء واضح ہوئے۔

بَابُ: مَا جَاءَ فِي بَوْلِ الصَّبِيِّ الَّذِي لَمْ يُطْعَمْ

یہ باب کھانا نہ کھانے والے بچے کے پیشاب کے بیان میں ہے

چھوٹے بچے کے پیشاب پر پانی چھڑک کر پاک کرنے کا بیان

522- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوالْاَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ قَابُوسَ بْنِ اَبِي الْمُخَارِقِ عَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ بَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فِي حِجْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعْطِنِي ثَوْبَكَ وَالْبَسْ ثَوْبًا غَيْرَهُ فَقَالَ اِنَّمَا يُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ وَيُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْاُنْثٰى

◄► سیّدہ لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پیشاب کر دیا، میں نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنا کپڑا دیجیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرا کپڑا پہن لیجیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

522 اخرجه ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 375' اخرجه ابن ماجه فی "السنن" رقم الحدیث: 3923

نے ارشاد فرمایا بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے گا اور بچی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔

523- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَلِىُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اُتِىَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِىٍّ فَبَالَ عَلَيْهِ فَاَتْبَعَهُ الْمَاءَ وَلَمْ يَغْسِلْهُ

◆◆ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بچے کو لایا گیا' تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیشاب کر دیا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پانی چھڑک دیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دھویا نہیں۔

524- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِىِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ قَالَتْ دَخَلْتُ بِابْنٍ لِّىْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَاْكُلِ الطَّعَامَ فَبَالَ عَلَيْهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَرَشَّ عَلَيْهِ

◆◆ سیّدہ اُم قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' ایک مرتبہ میں اپنے چھوٹے بچے' جس نے ابھی کچھ کھانا شروع نہیں کیا تھا' کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس بچے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا کر اس پر چھڑک دیا۔

چھوٹے بچے اور بچی کے پیشاب میں فرق ہونے کا بیان

525- حَدَّثَنَا حَوْثَرَةُ بْنُ مُحَمَّدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ سَعِيْدِ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ اِبْرٰهِيْمَ قَالَا حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ اَنْبَاَنَا اَبِىْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِىْ حَرْبِ بْنِ اَبِى الْاَسْوَدِ الدِّيْلِىِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَلِىٍّ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِىْ بَوْلِ الرَّضِيْعِ يُنْضَحُ بَوْلُ الْغُلَامِ وَيُغْسَلُ بَوْلُ الْجَارِيَةِ

قَالَ اَبُو الْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُوْسَى بْنِ مَعْقِلٍ حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ الْمِصْرِىُّ قَالَ سَاَلْتُ الشَّافِعِىَّ عَنْ حَدِيْثِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ وَيُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَالْمَاءَانِ جَمِيْعًا وَّاحِدٌ قَالَ لِاَنَّ بَوْلَ الْغُلَامِ مِنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ وَبَوْلَ الْجَارِيَةِ مِنَ اللَّحْمِ وَالدَّمِ ثُمَّ قَالَ لِىْ فَهِمْتَ اَوْ قَالَ لَقِنْتَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمَّا خَلَقَ اٰدَمَ خُلِقَتْ حَوَّاءُ مِنْ ضِلْعِهِ الْقَصِيْرِ فَصَارَ بَوْلُ الْغُلَامِ مِنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ وَصَارَ بَوْلُ الْجَارِيَةِ مِنَ اللَّحْمِ وَالدَّمِ قَالَ قَالَ لِىْ فَهِمْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ لِىْ نَفَعَكَ اللّٰهُ بِهٖ

◆◆ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیتے بچے کے پیشاب کے بارے میں ارشاد فرمایا

---

523. اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

524 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 223' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 663' ورقم الحدیث: 664' ورقم الحدیث: 5726' ورقم الحدیث: 5727' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 374' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 71' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 301

525. اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 377' ورقم الحدیث: 378' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 610

ہے لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے گا اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔

ابوالیمان مصری بیان کرتے ہیں: میں نے امام شافعی سے نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا۔

''لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جائے گا اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے گا''۔

جب کہ دونوں طرف چیز تو ایک ہی ہے' تو امام شافعی نے فرمایا: بچے کا پیشاب پانی اور مٹی سے نکلتا ہے' جبکہ بچی کا پیشاب گوشت اور خون سے نکلتا ہے' پھر انہوں نے فرمایا: تمہیں سمجھ آ گئی ہے؟ یا یہ فرمایا: تمہیں پتہ چل گیا ہے؟ میں نے کہا: جی نہیں' تو انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا' تو سیدہ حوا کو ان کی چھوٹی پسلی سے پیدا کیا اس لیے بچے کا پیشاب پانی اور مٹی سے نکلتا ہوگا اور بچی کا پیشاب گوشت اور خون سے نکلتا ہو گا۔

راوی کہتے ہیں: پھر امام شافعی نے مجھے فرمایا' تمہیں سمجھ آ گئی ہے؟ میں نے جواب دیا جی ہاں' تو امام شافعی نے مجھ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے نفع عطا کرے۔

526- حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ وَمُجَاهِدُ بْنُ مُوسَى وَالْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ قَالُوا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مُحِلُّ بْنُ خَلِيفَةَ أَخْبَرَنَا أَبُو السَّمْحِ قَالَ كُنْتُ خَادِمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِيءَ بِالْحَسَنِ أَوِ الْحُسَيْنِ فَبَالَ عَلَى صَدْرِهِ فَأَرَادُوا أَنْ يَغْسِلُوهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُشَّهُ فَإِنَّهُ يُغْسَلُ بَوْلُ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ

◄► حضرت ابوسمح بیان کرتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کا خادم تھا آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا شاید حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لایا گیا' تو انہوں نے آپ ﷺ کے سینے پر پیشاب کر دیا لوگوں نے اُسے دھونے کا ارادہ کیا' تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس پر پانی بہا دو کیونکہ بچی کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے اور بچے کے پیشاب پر پانی بہا دیا جاتا ہے۔

527- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أُمِّ كُرْزٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَوْلُ الْغُلَامِ يُنْضَحُ وَبَوْلُ الْجَارِيَةِ يُغْسَلُ

◄► سیدہ ام کرز بیان کرتی ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے' لڑکے کے پیشاب پر پانی چھڑک دیا جائے گا اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔

چھوٹے بچے کے پیشاب کرنے پر طہارت میں مذاہب اربعہ

حضرت ام قیس بنت محصن سے روایت ہے کہ وہ اپنے چھوٹے لڑکے کو بھی جو ابھی کھانا نہ کھاتا تھا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ

526 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 376' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 224

527 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

وسلم کی خدمت میں لائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو اپنی گود میں بٹھا لیا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگایا اور کپڑوں پر بہا دیا اور خوب مل کر نہیں دھویا۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 465)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر شیر خوار بچہ جو اناج نہ کھاتا ہو کسی کپڑے وغیرہ پر پیشاب کر دے تو اسے دھونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس پر پانی چھڑک دینا کافی ہو جائے گا چنانچہ یہ حدیث بھی بظاہر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مسلک کی تائید کر رہی ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کا مسلک یہ ہے کہ بچے کے پیشاب کو بھی ہر حال میں دھونا ضروری ہے۔ اس حدیث میں "نضح" جو لفظ آیا ہے اور جس کے معنی چھڑکنا ہیں اس کے معنی یہ دونوں حضرات "دھونا" ہی فرماتے ہیں۔ پھر حدیث کے آخری الفاظ "لا یغسلہ" (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کو دھویا نہیں) کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب مل مل کر نہیں دھویا بلکہ بچے کے پیشاب کے پیش نظر معمولی طور پر اس پر پانی بہا کر دھوڈالنا ہی کافی سمجھا یہ دونوں حضرات اس حدیث کی یہ مذکورہ تاویل اس لیے کرتے ہیں کہ دوسری احادیث مثلاً استنزھوا من البول (یعنی پیشاب سے پاکی حاصل کرو) سے یہ بات بصراحت ثابت ہوتی ہے کہ ہر ایک پیشاب کو دھونا چاہیے حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں "نضح" سے مراد بغیر ملے اور نچوڑے پانی کا بہانا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بچوں کو دعا و برکت حاصل کرنے کے لیے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے پاس لے جانا مستحب ہے، نیز بچوں کے ساتھ تواضع و نرمی اور محبت و شفقت کا معاملہ کرنا بھی مستحب ہے۔

امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ کئی صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے فقہاء جن میں امام احمد اور اسحاق بھی ہیں ان کا قول ہے کہ لڑکے کے پیشاب پر پانی بہایا جائے اور لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے اور یہ اس صورت میں ہے کہ دونوں ابھی کھانا نہ کھاتے ہوں اگر کھانا کھانے لگیں تو دونوں کے پیشاب کو دھویا جائے گا۔ (جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 69)

بَابَ : الْاَرْضِ یُصِیْبُھَا الْبَوْلُ کَیْفَ تُغْسَلُ .

یہ باب زمین پر پیشاب لگا ہو تو اس کو کس طرح دھونے کے بیان میں ہے

ناپاک زمین پر پانی بہا کر پاک کرنے کا بیان

528- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ اَنْبَاَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَعْرَابِیًّا بَالَ فِی الْمَسْجِدِ فَوَثَبَ اِلَیْہِ بَعْضُ الْقَوْمِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُزْرِمُوْہُ ثُمَّ دَعَا بِدَلْوٍ مِّنْ مَّاءٍ

528 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 6025' اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث: 327' ورقم الحدیث: 657' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 53' ورقم الحدیث 328

فَصَبَّ عَلَيْهِ

◆◆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کردیا لوگ اسے مارنے کے لئے بڑھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسے کچھ نہ کہو! پھر آپ نے پانی کا ڈول منگوا کر اس جگہ بہادیا۔

529- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ دَخَلَ اَعْرَابِيٌّ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِمُحَمَّدٍ وَّلَا تَغْفِرْ لِاَحَدٍ مَّعَنَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَقَدِ احْتَظَرْتَ وَاسِعًا ثُمَّ وَلّٰى حَتّٰى اِذَا كَانَ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَشَجَ يَبُوْلُ فَقَالَ الْاَعْرَابِيُّ بَعْدَ اَنْ فَقِهَ فَقَامَ اِلَيَّ بِاَبِيْ وَاُمِّيْ فَلَمْ يُؤَنِّبْ وَلَمْ يَسُبَّ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا الْمَسْجِدَ لَا يُبَالُ فِيْهِ وَاِنَّمَا بُنِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَلِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اَمَرَ بِسَجْلٍ مِّنْ مَّاءٍ فَاُفْرِغَ عَلٰى بَوْلِهٖ

◆◆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دیہاتی مسجد میں آیا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت وہاں تشریف فرما تھے وہ شخص بولا: اے اللہ! میری اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کردے' ہمارے ساتھ کسی اور کی مغفرت نہ کرنا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے ایک کشادہ چیز کو تنگ کردیا ہے' پھر وہ مڑ کر جانے لگا' یہاں تک کہ وہ مسجد کے کونے میں پہنچا اور وہاں پیشاب کرنے لگا (اس کے بعد پورا واقعہ ہے جس میں آگے چل کر یہ بات ہے)

اس چیز کا علم حاصل ہونے کے بعد اس دیہاتی نے کہا' پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر میرے پاس آئے' میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو مجھے ملامت کی نہ مجھے برا بھلا کہا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس مسجد میں پیشاب نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ یہ اللہ کے ذکر اور نماز کے لیے بنائی گئی ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت پانی کا ایک ڈول اس کے پیشاب پر بہادیا گیا۔

530- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ الْهُذَلِيِّ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى هُوَ عِنْدَنَا ابْنُ اَبِيْ حُمَيْدٍ اَنْبَاَنَا اَبُو الْمَلِيْحِ الْهُذَلِيُّ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ وَمُحَمَّدًا وَّلَا تُشْرِكْ فِيْ رَحْمَتِكَ اِيَّانَا اَحَدًا فَقَالَ لَقَدْ حَظَرْتَ وَاسِعًا وَّيْحَكَ اَوْ وَيْلَكَ قَالَ فَشَجَ يَبُوْلُ فَقَالَ اَصْحٰبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهُ ثُمَّ دَعَا بِسَجْلٍ مِّنْ مَّاءٍ فَصَبَّ عَلَيْهِ

◆◆ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دیہاتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: اے اللہ! تو مجھ پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم کر اور اپنی رحمت میں ہمارے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرنا' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

529 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

530: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

نے ارشاد فرمایا: تم نے کشادہ چیز کو تنگ کر دیا ہے تمہارا ستیاناس ہو۔ (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) تمہارا خانہ خراب ہو۔

راوی کہتے ہیں: پھر وہ شخص پیشاب کرنے لگا تو نبی کریم ﷺ کے اصحاب نے کہا: ٹھہر جاؤ! تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے کرنے دو! پھر نبی کریم ﷺ نے پانی کا ڈول منگوایا اور اس پر بہا دیا۔

زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے

علامہ طیبی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث (اعرابی نے مسجد میں پیشاب کیا تھا) اس بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ اگر زمین کسی نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو جائے تو وہ خشک ہونے سے پاک نہیں ہوتی یعنی وہ جگہ پانی بہا کر نجاست کو زائل کر دینے ہی سے پاک ہوگی اور اس جگہ کو کھرچ ڈالنا یا وہاں سے مٹی کھود کر اٹھا لینا ضروری نہیں ہے۔

مگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک خشک ہونے سے زمین پاک ہو جاتی ہے اور اگر کوئی چاہے کہ خشک ہونے سے پہلے ہی زمین پاک ہو جائے تو وہاں سے مٹی کھرچ کر اٹھا دی جائے تاکہ وہ حصہ پاک ہو جائے۔

علماء حنفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں نے مسجد کی زمین کے اس حصہ کے جہاں خشک ہو جانے سے پہلی جگہ جہاں دیہاتی نے پیشاب کر دیا تھا نماز پڑھ لی گی جس کی بناء پر حکم لگا دیا گیا کہ ناپاک زمین بغیر پانی بہائے ہوئے پاک نہیں ہوتی، جہاں تک سوال پانی ڈالنے کا ہے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نجاست کی جگہ پانی بہانے کا حکم اس لیے دیا ہوگا کہ پیشاب کی نجاست میں کچھ کمی ہو جائے اور پیشاب کا رنگ اور اس کی بدبو پانی بہانے کی وجہ سے ختم ہو جائے، مگر زمین کا وہ حصہ خشک ہونے کے بعد ہی پاک ہوا ہوگا۔ اس سلسلے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مشکوٰۃ کی شرح مرقات میں اور بہت سی دلیلیں لکھی ہیں جو وہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ (مرقات)

بَابُ: اَلْاَرْضُ يُطَهِّرُ بَعْضُهَا بَعْضًا

یہ باب زمین کا ایک حصہ دوسرے کو پاک کر دینے کے بیان میں ہے

531- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَارَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرٰهِيْمَ بْنِ الْحَارِثِ التَّيْمِيِّ عَنْ اُمِّ وَلَدٍ لِاِبْرٰهِيْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّهَا سَاَلَتْ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنِّي امْرَاَةٌ اُطِيْلُ ذَيْلِيْ فَاَمْشِيْ فِي الْمَكَانِ الْقَذِرِ فَقَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ

◄► ابراہیم بن عبدالرحمٰن کی اُمّ ولد بیان کرتی ہیں: انہوں نے سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: میں ایک ایسی عورت ہوں، جس کا دامن لمبا ہوتا ہے اور میں گندگی والی جگہ سے بھی چلتی ہوئی گزرتی ہوں، تو سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے

531 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 383 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 143

بتایا: نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: اس کے بعد والا حصہ اسے پاک کر دیتا ہے۔

زمین سے رگڑنا بھی ذریعہ طہارت ہے

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے جوتوں کے ساتھ گندگی پر چلے تو مٹی اس کو پاک کرنے والی ہے (ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی اسی کے ہم معنی روایت نقل کی ہے)۔

(مشکوٰۃ المصابیح)

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی جوتے پہنے ہوئے چل رہا ہے اتفاق سے کسی جگہ گندگی پڑی ہوئی تھی وہ اس کے جوتوں پر لگ گئی اب پھر وہ جب پاک اور صاف زمین پر چلے گا تو مٹی سے رگڑ کھانے کی وجہ سے اس کا جوتا پاک ہو جائے گا اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے ایک شاگرد حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں گندگی سے مراد جو جسم والی اور خشک ہو یعنی اگر کسی راہ چلتے کے جوتے یا موزے میں ایسی گندگی لگ جائے جو جسم والی ہو اور خشک ہو تو پاک زمین پر رگڑ دینے سے وہ جوتا یا موزہ پاک ہو جائے گا اور اگر گندگی خشک نہ ہو تو پھر رگڑنے سے گندگی زائل نہیں ہو گی۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک دوسرے شاگرد رشید حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث کی مراد عام ہے یعنی گندگی خواہ خشک ہو یا تر زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جائے گی مگر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ پہلا قول ہے ان کا جدید مسلک یہ ہے کہ اس گندگی کو ہر حال میں پانی سے دھونا چاہئے زمین پر رگڑنے سے پاک نہیں ہو گی۔

فقہ حنفی میں فتویٰ حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کے قول پر ہے جو کہ جوتے یا موزے پر اگر تن دار نجاست لگ جائے خواہ وہ خشک ہو یا تر ہو تو زمین پر خوب اچھی طرح رگڑ دینے سے موزہ یا جوتا پاک ہو جائے گا۔

یہ سمجھ لیجئے کہ اس مسئلے میں علماء کرام کا یہ اختلاف جسم والی نجاست جیسے گوبر وغیرہ ہی کے بارے میں ہے کیونکہ غیر جسم والی نجاست مثلاً پیشاب و شراب کے بارے میں سب کا متفقہ طور پر یہ مسلک ہے کہ اسے دھونا ہی واجب ہے۔

532- حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا اِبْرٰهِيْمُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ الْيَشْكُرِيُّ عَنِ ابْنِ اَبِيْ حَبِيْبَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ عَنْ اَبِيْ سُفْيَانَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُرِيْدُ الْمَسْجِدَ فَنَطَاُ الطَّرِيْقَ النَّجِسَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَرْضُ يُطَهِّرُ بَعْضُهَا بَعْضًا

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ ہم مسجد آ رہے ہوتے ہیں، تو بعض اوقات راستے میں کسی نجس حصے کو اپنے پاؤں تلے دیتے ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: زمین کا ایک حصہ دوسرے کو پاک کر دیتا ہے۔

532 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

533- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عِيْسٰى عَنْ مُوْسٰى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ امْرَاَةٍ مِّنْ بَنِىْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ قَالَتْ سَاَلْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّ بَيْنِىْ وَبَيْنَ الْمَسْجِدِ طَرِيْقًا قَذِرَةً قَالَ فَبَعْدَهَا طَرِيْقٌ اَنْظَفُ مِنْهَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَهٰذِهِ بِهٰذِهِ

◄► موسیٰ بن عبداللہ' بنوعبداشہل سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' وہ کہتی ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا: میرے اور مسجد کے درمیان ایسا راستہ ہے جہاں گندگی پڑی ہوتی ہے' تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو اس کے بعد ایسا راستہ بھی ہے' جو اس سے زیادہ صاف ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو یہ اس کے لیے کافی ہوگا۔

نجاستوں کو پاک کرنے کے مختلف طرق وذرائع کا بیان

نجاستوں کے پاک کرنے کا طریقہ جو چیزیں اپنی ذات سے ناپاک (نجس) نہیں ہیں لیکن کسی نجاست کے لگنے کی وجہ سے ناپاک ہوگئیں ان کے پاک کرنے کے دس طریقہ ہیں۔

ا۔ دھونا پانی اور ہر بہنے والی رقیق و پاک چیز سے کہ جس سے نجاست دور ہو سکے وہ نجاست پاک کی جا سکتی ہے جیسے سرکہ، گلاب، زعفران کا پانی، عرقِ باقلا، درختوں، پھلوں اور تربوز کا پانی وغیرہ مائعات جن سے کپڑا بھگو کر نچوڑا جا سکے، لیکن جس میں چکنائی ہو اور جس سے بھگو کر کپڑا نچوڑا نہ جا سکے اس سے نجاست دور کرنا جائز نہیں، جیسے تیل، گھی، شوربا، شہد، شیرہ وغیرہ۔ اگر نجاست خشک ہونے کے بعد نظر آنے والی ہو تو نجاست کا وجود دور کیا جائے اور اس میں دھونے کی تعداد کا اعتبار نہیں اگر ایک ہی مرتبہ کے دھونے میں اور نجاست اور اس کا اثر یعنی رنگ و بو چھوٹ جائے تو وہی کافی ہے لیکن پھر بھی تین بار دھو لینا مستحب ہے اور اگر تین مرتبہ میں بھی اثر نہ چھوٹے تو اس وقت تک دھوئے جب تک وہ اثر بلکل نہ چھوٹ جائے اثر زائل کرنے کے لئے صابن وغیرہ کی ضرورت نہیں اگر صاف پانی آنے لگے اور نجاست کا جسم دور ہو جائے مگر رنگ باقی رہ جائے اور وہ دور نہیں ہوتا تو اس کا مذائقہ نہیں اور رنگدار نجاست بذات خود نجس نہیں تو تین بار دھونے سے پاک ہو جائے گا خواہ رنگدار پانی نکلتا رہے مثلاً رنگنے کے لئے رنگ گھولا اور اس میں کسی بچہ نے پیشاب کر دیا یا کوئی اور نجاست پڑ گئی اور اس سے کپڑا رنگ لیا تو تین بار دھو ڈالیں پاک ہو جائے گا اگرچہ پھر بھی رنگ نکلتا رہے۔ اگر نجاست خشک ہونے پر نظر آنے والی نہ ہو تو اس کو تین بار دھوئے، اور جو چیز نچوڑی جا سکتی ہے اس کو ہر مرتبہ نچوڑنا شرط ہے اور تیسری مرتبہ خوب اچھی طرح پوری طاقت سے نچوڑے ہر شخص کی اپنی طاقت کا اعتبار ہے جو چیز نچوڑی نہیں جا سکتی جیسے چٹائی یا بھاری کپڑا یا دری، کمبل وغیرہ تو تین مرتبہ دھوئے اور ہر مرتبہ خشک کرے اور خشک کرنے کی حد یہ ہے کہ اس کو لٹکا کر اتنی دیر چھوڑ دے کہ اس سے پانی ٹپکنا بند ہو جائے بالکل سوکھنا شرط نہیں اگر وہ بھاری چیز ایسی ہو کہ نجاست کے جذب نہیں کرتی جیسے چٹائی وغیرہ تو صرف تین بار کے دھو لینے سے پاک ہے جائے گا ہر بار اتنی دیر چھوڑنا کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے۔ ضروری نہیں جذب کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے چیزیں تین قسم کی ہیں اول جو نجاست کے بالکل جذب نہیں کرتی جیسے لوہا تانبا پیتل وغیرہ کی چیزیں

533 ،خرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 384

دھو لینے سے پاک ہو جاتی ہیں اور پونچھ ڈالنے سے بھی پاک ہو جاتی ہیں جبکہ اثر جاتا رہے اور وہ کھردری نہ ہو دوم جو نجاست کو بہت زیادہ جذب نہ کرے لیکن کچھ نہ کچھ جذب کرے جیسے چٹائی وغیرہ یہ بھی نجاست دور ہو جانے پر پاک ہو جاتی ہیں سوم جو بلکل جذب کر لیتی ہیں جیسے کپڑا وغیرہ ایسی چیزوں کو پاک کرنے کے لیے تین بار کا دھونا اور ہر بار نچوڑنا چاہئے اگر وہ چیز نچوڑی نہ جا سکے تو ہر بار لٹکا کر اسقدر چھوڑنا چاہئے کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے۔

بَابُ: مُصَافَحَةِ الْجُنُبِ

یہ باب جنبی شخص کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بیان میں ہے

جنبی مؤمن کے ناپاک نہ ہونے کا بیان

534- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ لَقِيَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ طَرِيْقٍ مِّنْ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ وَهُوَ جُنُبٌ فَانْسَلَّ فَفَقَدَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَآءَ قَالَ اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقِيْتَنِیْ وَاَنَا جُنُبٌ فَكَرِهْتُ اَنْ اُجَالِسَكَ حَتّٰى اَغْتَسِلَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ

◄► حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی کسی گلی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سامنا ہو گیا' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت جنبی تھے (وہ بیان کرتے ہیں) میں ایک طرف ہو کر دوسری جانب نکل گیا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غیر موجود پایا۔ غسل کرنے کے بعد جب وہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت کیا: ابو ہریرہ! تم کہاں چلے گئے تھے؟ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! جب آپ مجھ سے ملے تھے' میں اس وقت جنبی تھا اس لیے مجھے اچھا نہیں لگا کہ میں اس حالت میں غسل کیے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن ناپاک نہیں ہوتا۔

شرح

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنابت نجاست حکمی ہے کہ شریعت نے اس کا حکم کیا ہے اور اس پر غسل کو واجب قرار دیا ہے، للہٰذا حالت جنابت میں آدمی حقیقۃً نجس نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جنبی کا نہ تو جھوٹا ناپاک ہوتا ہے اور نہ اس کا پسینہ ہی ناپاک ہے، اس لئے جنبی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ملنا جلنا، مصافحہ کرنا، کلام کرنا یا اسی طرح اس کے ساتھ دوسرے معاملات کرنا جائز ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

534 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 383' ورقم الحدیث: 385' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 822' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 23' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 121' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 269

جنابت والے کا سلام دعا کرنے کا بیان

535-حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح و حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَنْبَأَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ جَمِيعًا عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ وَاصِلٍ الْأَحْدَبِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَقِيَنِي وَأَنَا جُنُبٌ فَحِدْتُ عَنْهُ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ فَقَالَ مَا لَكَ قُلْتُ كُنْتُ جُنُبًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجھ سے ملاقات ہوئی میں اس وقت جنابت کی حالت میں تھا' تو میں دوسری طرف نکل گیا پھر میں غسل کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تمہیں کیا ہوا تھا؟ میں نے عرض کی: میں اس وقت جنابت کی حالت میں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان ناپاک نہیں ہوتا۔

شرح

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا، خواہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا، مردہ ہو یا زندہ، امام بخاری نے ایک روایت میں تعلیقاً یہ الفاظ بھی نقل فرمائے ہیں کہ مومن زندہ یا مردہ کسی صورت میں نجس نہیں ہوتا، اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بزرگوں کی محفلوں میں پاکی کے اہتمام کے ساتھ حاضر ہونا چاہیے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم یا استاذ اپنے شاگردوں کا حال پوچھے اور غیر حاضری کے اسباب دریافت کرے۔

جنابت کے نجاست حکمی ہونے کا بیان

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنابت نجاست حکمی ہے کہ شریعت نے اس کا حکم کیا ہے اور اس پر غسل کو واجب قرار دیا ہے، لہٰذا حالت جنابت میں آدمی حقیقۃً نجس نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جنبی کا نہ تو جھوٹا ناپاک ہوتا ہے اور نہ اس کا پسینہ ہی ناپاک ہے، اس لئے جنبی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ملنا جلنا، مصافحہ کرنا، کلام کرنا یا اسی طرح اس کے ساتھ دوسرے معاملات کرنا جائز ہیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

بَابُ: الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ

یہ باب منی کا کپڑے پر لگ جانے کے بیان میں ہے

536-حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ سَأَلْتُ

535 اخرجہ مسلم فی الصحیح" رقم الحدیث: 823' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 230' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 268

536 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 229' ورقم الحدیث: 230' ورقم الحدیث: 231' ورقم الحدیث: 232' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 670' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 373' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 117' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 294

سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ عَنِ الثَّوْبِ يُصِيبُهُ الْمَنِيُّ أَنَغْسِلُهُ أَوْ نَغْسِلُ الثَّوْبَ كُلَّهُ قَالَ سُلَيْمَانُ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصِيبُ ثَوْبَهُ فَيَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِهِ ثُمَّ يَخْرُجُ فِي ثَوْبِهِ إِلَى الصَّلٰوةِ وَأَنَا أَرٰى أَثَرَ الْغَسْلِ فِيهِ

◄◄ عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں: میں نے سلیمان بن یسار سے ایسے کپڑے کے بارے میں دریافت کیا: جس پر منی لگ جاتی ہے؟ کیا ہم اس منی کو دھولیں گے یا پورے کپڑے کو دھوئیں گے؟ تو سلیمان نے بتایا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات بیان کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر بھی یہ لگ جاتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے کے اسی حصے کو دھو لیتے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی کپڑا پہن کر نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے حالانکہ میں دھونے کا نشان اس میں دیکھ رہی ہوتی تھی۔

شرح

امام قدوری لکھتے ہیں کہ نمازی کو اپنا جسم' کپڑا اور جگہ جہاں وہ نماز پڑھتا ہے اس کو نجاست سے پاک کرنا واجب ہے اور نجاست والی جگہ کو پانی اور ہر ایسی بہنے والی چیز کے ذریعے پاک کرنا جائز ہے جس کے ذریعے اس نجاست کو دور کرنا ممکن ہو۔ مثال کے طور پر سرکہ اور عرق گلاب اور جب موزے کو ایسی نجاست لگ گئی جس کے لئے جسم ہے۔ یعنی جسم رکھنے والی ہے۔ پس وہ خشک ہوگئی تو اس نے اس نجاست کو زمین کے ساتھ رگڑ کر صاف کر لیا تو ایسے موزے میں نماز پڑھنا جائز ہے اور منی نجاست ہے۔ تر منی کا دھونا واجب ہے۔

پس جب منی کپڑے پر لگ کر سوکھ گئی تو اس کو اس کپڑے سے کھرچ دینا (مل دینا) کافی ہوگا اور جب نجاست شیشے یا تلوار کو لگ گئی تو اس نجاست کو ان سے پونچھ کر صاف کر دینا ہی کفایت کرے گا اور اگر نجاست زمین پر لگی پھر دھوپ کی وجہ سے خشک ہوگئی اور اس کا اثر ختم ہوگیا تو ایسی جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے جبکہ اسی جگہ سے تیمم کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اور وہ چیز جسے گاڑھی نجاست لگ جائے مثلاً خون' پیشاب (بول) پاخانہ اور شراب اور یہ ایک درہم کی مقدار ہوں۔ یا اس سے بھی کم ہوں تو اس چیز کے ساتھ نماز پڑھ لینا جائز ہوگا اور اگر اس سے زیادہ ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا اور اگر کسی چیز کو ہلکی نجاست مثلاً وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب لگ جائے تو اس کے ساتھ نماز پڑھ لینا جائز ہوگا مگر جب تک وہ نجاست کپڑے کے چوتھے حصے تک نہ پہنچی ہو اور وہ نجاست جسے دھونا واجب ہے۔

اس سے پاکیزگی حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ پس وہ نجاست جو ہو بہو جوں کی توں دکھائی دیتی ہو۔ اس سے چیز کا پاک ہونا اس سے نجاست کی اصل کا ختم ہونا ہے یعنی جیسے وہ ہو بہو نظر آ رہی تھی وہ چیز نہ رہے مگر یہ کہ اس نجاست کا ایسا نشان باقی رہ جائے جسے صرف پانی کے ساتھ ختم کرنا مشکل ہو، تو کوئی حرج نہیں، اور وہ نجاست جو ہو بہو نظر نہ آتی ہو تو ایسی نجاست سے کسی چیز کا پاک ہونا یہ ہے کہ وہ اسے دھوئے یہاں تک کہ دھونے والے کے گمان پر یہ بات غالب آ جائے کہ بے شک اب وہ شئے پاک ہوگئی ہے۔ (قدوری، کتاب طہارت، لاہور)

بَابُ: فِي فَرْكِ الْمَنِيِّ مِنَ الثَّوْبِ

یہ باب کپڑے سے منی کو کھرچ دینے کے بیان میں ہے

537- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ جَمِيعًا عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرٰهِيمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ رُبَّمَا فَرَكْتُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي

◄► سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: بعض اوقات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں سے اپنے ہاتھوں کے ذریعے (منی کو) کھرچ دیتی تھی۔

شرح

اگر کپڑے میں منی لگ جائے تو اسے دور کرنے کے تین طریقے ہیں، کھرچنا، رگڑنا، اور دھونا، جس طریقے سے بھی اس کا ازالہ ممکن ہو کر سکتا ہے، بعض روایتوں میں اگر منی گیلی ہو تو دھوئے اور سوکھی ہو تو کھرچنے یا رگڑنے کا ذکر ہے، کھرچنے، رگڑنے، یا دھونے سے پاکی حاصل ہوگی۔

538-حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرٰهِيمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ نَزَلَ بِعَائِشَةَ ضَيْفٌ فَاَمَرَتْ لَهُ بِمِلْحَفَةٍ لَهَا صَفْرَاءَ فَاحْتَلَمَ فِيهَا فَاسْتَحْيَا اَنْ يُرْسِلَ بِهَا وَفِيهَا اَثَرُ الْاِحْتِلَامِ فَغَمَسَهَا فِي الْمَاءِ ثُمَّ اَرْسَلَ بِهَا فَقَالَتْ عَائِشَةُ لِمَ اَفْسَدَ عَلَيْنَا ثَوْبَنَا اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ اَنْ يَفْرُكَهُ بِاِصْبَعِهِ رُبَّمَا فَرَكْتُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِصْبَعِي

◄► ہمام بن حارث بیان کرتے ہیں: سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک مہمان ٹھہرا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے زرد رنگ کی ایک چادر بھجوائی' اسے اس چادر میں احتلام ہوگیا اسے اس بات پر شرم آئی کہ وہ اس چادر کو واپس بھیج دے جبکہ اس پر احتلام کا نشان موجود تھا' اس نے اسے پانی سے دھولیا' پھر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھجوایا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس نے ہمارے چادر کو کیوں خراب کیا؟ اس کے لئے یہ کافی تھا: وہ اپنی انگلیوں کے ذریعے اسے کھرچ دیتا۔ میں نے کئی مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے اپنی انگلیوں کے ذریعے اسے کھرچا ہے۔

539- حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ اِبْرٰهِيمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ رَاَيْتُنِي اَجِدُهُ فِي ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَحُتُّهُ عَنْهُ

---

537 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 667' ورقم الحدیث: 668' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 371' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 296' ورقم الحدیث: 297' ورقم الحدیث: 298

538 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 116

539 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 668' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 300

◄► سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: مجھے اپنے بارے میں یہ بات اچھی طرح یاد ہے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے میں اسے (یعنی منی کو) پاتی تھی تو اسے کھرچ دیتی تھی۔

منی کے نجس ہونے میں فقہی مذاہب کا بیان

حضرت سلیمان بن یسار فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے کپڑے پر لگی ہوئی منی کے بارے میں پوچھا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھویا کرتی تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (جب اسی گیلے کپڑے کے ساتھ) نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو اس کپڑے پر (منی) کے دھونے کا نشان رہتا تھا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 463)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ منی ناپاک ہے اگر منی کسی کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو اسے دھو کر پاک کر لینا چاہئے چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح سنک (یعنی ناک سے نکلنے والی) رطوبت پاک ہے اسی طرح منی بھی پاک ہے۔

حضرت اسود روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے (خشک) منی کھرچ دیا کرتی تھی" (صحیح مسلم) اور مسلم نے اس کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت علقمہ اور حضرت اسود رضی اللہ عنہما کی ہی طرح ایک روایت بھی نقل کی ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کپڑے سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 464)

یہ حدیث بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق منی کے ناپاک ہونے کو وضاحت کے ساتھ ثابت کر رہی ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ تر منی کو دھونا چاہئے اور گاڑھی منی کو جو کپڑے کے اندر سرایت نہ کرے خشک ہونے کے بعد کھرچ کر اور رگڑ کر صاف کر دینا چاہئے۔

بَابُ: الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الَّذِيْ يُجَامِعُ فِيْهِ

یہ باب جس کپڑے میں صحبت کی تھی اس میں نماز ادا کرنے کے بیان میں ہے

پاک کپڑے میں نماز ادا کرنے کا بیان

540- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ حَبِيْبٍ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حُدَيْجٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ اَنَّهُ سَاَلَ اُخْتَهُ اُمَّ حَبِيْبَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي الثَّوْبِ الَّذِيْ يُجَامِعُ فِيْهِ قَالَتْ نَعَمْ اِذَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ اَذًى

540 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 366' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 293

حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے انہوں نے اپنی بہن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیّدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی کپڑے میں نماز ادا کر لیتے تھے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحبت کی ہوتی تھی؟ تو سیّدہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: جی ہاں جب اس میں کوئی ناپاکی نہ لگی ہو۔

541- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْرَقُ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ يَحْيَى الْخُشَنِيُّ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَاقِدٍ عَنْ بُسْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ مَاءً فَصَلَّى بِنَا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ قَدْ خَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ تُصَلِّي بِنَا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ قَالَ نَعَمْ أُصَلِّي فِيهِ وَفِيهِ أَيْ قَدْ جَامَعْتُ فِيهِ

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کپڑے میں ہمیں نماز پڑھادی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توشح کے طور پر لپیٹا ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کنارے مخالف سمت میں کندھے پر رکھے ہوئے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے فرض پڑھ کر فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ہی کپڑا پہن کر نماز پڑھادی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں میں نے اس میں نماز ادا کی ہے اور اسی میں۔ (راوی کہتے ہیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی: میں نے اسی کپڑے میں صحبت بھی کی تھی۔

542- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ الزِّمِّيُّ ح و حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ حَكِيمٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ الرَّقِّيُّ قَالَا حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي الثَّوْبِ الَّذِي يَأْتِي فِيهِ أَهْلَهُ قَالَ نَعَمْ إِلَّا أَنْ يَرَى فِيهِ شَيْئًا فَيَغْسِلَهُ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا وہ اس کپڑے میں نماز ادا کر سکتا ہے جس کو پہن کر اس نے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں البتہ اگر وہ اس کپڑے میں کوئی چیز (یعنی کوئی نجاست لگی ہوئی دیکھے) تو پھر اسے دھولے؟

بَاب: مَا جَاءَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

یہ باب موزوں پر مسح کرنے کے بیان میں ہے

541 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

542 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

خف ''موزہ'' کے معنی کا بیان

لغت عرب میں لفظ ''خف'' کا معنی ''موزہ'' ہے۔ یہ خفیف سے ہے جس کا لغوی معنی ہے ''ہلکا'' پھرتیلا، اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ موزے جوتوں کی بہ نسبت ہلکے ہوتے ہیں اسی وجہ سے انہیں موزے کہا جاتا ہے۔ جبکہ اصطلاح شرع میں چمڑے کے بنے ہوئے وہ موزے جنہیں پہنا جا سکے اور وہ پاؤں میں ٹھہر سکیں وہ موزے کہلاتے ہیں۔

543- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرٰهِيمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ بَالَ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَقِيلَ لَهُ أَتَفْعَلُ هٰذَا قَالَ وَمَا يَمْنَعُنِي وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ قَالَ إِبْرٰهِيمُ كَانَ يُعْجِبُهُمْ حَدِيثُ جَرِيرٍ لِأَنَّ إِسْلَامَهُ كَانَ بَعْدَ نُزُولِ الْمَائِدَةِ

◄► ہمام بن حارث بیان کرتے ہیں: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر انہوں نے وضو کرتے ہوئے موزوں پر مسح کر لیا ان سے کہا گیا: کیا آپ ایسا کر رہے ہیں انہوں نے فرمایا میں ایسا کیوں نہ کروں کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ابراہیم بیان کرتے ہیں: ان لوگوں کو حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ یہ روایت بہت پسند تھی کیونکہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے سورہ مائدہ نازل ہونے کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔

544- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ح وَحَدَّثَنَا أَبُو هَمَّامٍ الْوَلِيدُ بْنُ شُجَاعِ بْنِ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا أَبِي وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَابْنُ أَبِي زَائِدَةَ جَمِيعًا عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ

◄► حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا۔

545- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ أَنْبَأَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرٰهِيمَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيهِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ

543. اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 387' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 621' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 93' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 118' ورقم الحدیث: 773

545 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 182' ورقم الحدیث: 203' ورقم الحدیث: 4421' ورقم الحدیث: 5799' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 625' ورقم الحدیث: 629' ورقم الحدیث: 631' ورقم الحدیث: 951' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 149' ورقم الحدیث: 151' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث: 79' ورقم الحدیث: 82' ورقم الحدیث: 124

عَلَى الْخُفَّيْنِ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بھی پانی کے برتن کے ہمراہ آپ کے پیچھے چل دیئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور وضو کے دوران موزوں پر مسح کیا۔

546- حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مُوسَى اللَّيْثِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ اَبِي عَرُوبَةَ عَنْ اَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ رَاَى سَعْدَ بْنَ مَالِكٍ وَهُوَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ اِنَّكُمْ لَتَفْعَلُونَ ذٰلِكَ فَاجْتَمَعْنَا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ سَعْدٌ لِعُمَرَ اَفْتِ ابْنَ اَخِي فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ عُمَرُ كُنَّا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَمْسَحُ عَلَى خِفَافِنَا لَا نَرَى بِذٰلِكَ بَاْسًا فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاِنْ جَآءَ مِنَ الْغَائِطِ قَالَ نَعَمْ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: انہوں نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا: کیا آپ لوگ ایسا کرتے ہیں؟

پھر یہ دونوں حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا' موزوں پر مسح کے بارے میں میرے بھتیجے کو فتویٰ دیجیے! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' تو ہم اپنے موزوں پر مسح کرلیا کرتے تھے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں۔

تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا: اگر چہ کوئی شخص پاخانہ کرکے آیا ہو انہوں نے جواب دیا: جی ہاں۔

547- حَدَّثَنَا اَبُو مُصْعَبٍ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمُهَيْمِنِ بْنُ الْعَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيُّ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَاَمَرَنَا بِالْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

عبدالمہیمن بن عباس اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا (حضرت سہل بن سعد ساعدی) کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزوں پر مسح کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بھی موزوں پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے۔

548- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ الْمُثَنّٰى عَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَقَالَ هَلْ مِنْ مَّاءٍ فَتَوَضَّاَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ لَحِقَ بِالْجَيْشِ فَاَمَّهُمْ

546: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

547: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

548: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا پانی موجود ہے؟ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں موزوں پر مسح کیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد لشکر کے ساتھ جا کر مل گئے اور ان کی امامت کی۔

549- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا دَلْهَمُ بْنُ صَالِحٍ الْكِنْدِيُّ عَنْ حُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْكِنْدِيِّ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدَى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا

ابن بریدہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو سیاہ سادے موزے بھیجے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہن کر وضو کیا اور ان پر مسح کر لیا۔

بَابُ: مَا جَاءَ فِي مَسْحِ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلِهِ

یہ باب موزوں کے اوپر والے حصے پر اور نیچے والے حصے پر مسح کرنے کے بیان میں ہے

550- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ رَجَاءِ بْنِ حَيْوَةَ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلَهُ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے اوپر والے حصے پر اور نیچے والے حصے پر مسح کیا تھا۔

551- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفَّى الْحِمْصِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ عَنْ جَرِيرِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنِي مُنْذِرٌ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ يَتَوَضَّأُ وَيَغْسِلُ خُفَّيْهِ فَقَالَ بِيَدِهِ كَأَنَّهُ دَفَعَهُ إِنَّمَا أُمِرْتَ بِالْمَسْحِ وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ هَكَذَا مِنْ أَطْرَافِ الْأَصَابِعِ إِلَى أَصْلِ السَّاقِ وَخَطَّطَ بِالْأَصَابِعِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک شخص کے پاس سے ہوا جو وضو کر رہا تھا اور اس نے اپنے موزوں کو دھو لیا تھا' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کے ذریعے اشارہ کیا: یوں' جیسے اسے پرے کرنا چاہتے ہوں (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا) تمہیں مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کے ذریعے اشارہ کر کے اس طرح فرمایا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں کی انگلیوں کی طرف سے پنڈلی کی جڑ کی طرف اپنا ہاتھ لے کر

549. اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 155' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 2820

550 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 166' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 97

551 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

گئے اور آپ ﷺ نے ہاتھ کی انگلیوں کے ذریعے لکیریں بنائیں۔

موزے کے ظاہر و باطن مسح میں فقہاء احناف و شوافع کا اختلاف کا بیان

امام شافعی علیہ الرحمہ اور امام مالک سے ایک قول یہ ہے کہ موزے میں سنت یہ ہے کہ اس کے ظاہر اور باطن کا مسح کیا جائے ان کی دلیل یہ ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے موزے کے ظاہر اور باطن کا مسح کیا ہے۔

احناف کے نزدیک موزے کے صرف ظاہر کا مسح کیا جائے گا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں موزوں پر رکھے اور ان کی انگلیوں سے اوپر کھینچا۔ ایک بار مسح کیا اور میں مسح کے اثر کو رسول اللہ ﷺ کے موزوں پر انگلیوں کے خطوط کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

امام شافعی اور امام مالک کے موقف میں پیش کی گئی حدیث کا جو معنی انہوں نے بیان کیا ہے اس پر امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے طعن کیا ہے اور دیگر ائمہ حدیث کا طعن بھی ثابت ہے۔ اور حدیث کا صحیح معنی ہے کہ مسح پنڈلی کی طرف کیا جائے۔ (یعنی کی طرف کھینچنا یہ اعلیٰ کا معنی ہے اور پنڈلی سے نیچے کی جانب یہ "اسفلہ" کا معنی ہے۔

اسی طرح یہ مسئلہ خلاف قیاس ہے کیونکہ جس طرح مسح مزیل نجاست نہیں اسی طرح وہ قائم مقام غسل نہیں ہونا چاہیے حالانکہ وہ قائم مقام غسل ہے۔

اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دین میں رائے کی کوئی حیثیت ہوتی تو موزوں کے نیچے مسح کیا جاتا حالانکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے موزوں کے ظاہر پر مسح کیا ان کے نیچے مسح نہیں کیا۔

(عنایه شرح الهدایه، ج ۱، ص ۲۳۳، بیروت)

بَابُ: مَا جَآءَ فِي التَّوْقِيتِ فِي الْمَسْحِ لِلْمُقِيمِ وَالْمُسَافِرِ

یہ باب مقیم اور مسافر کے لیے مسح کی مدت کا تعین کے بیان میں ہے

552- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُخَيْمِرَةَ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَتْ ائْتِ عَلِيًّا فَسَلْهُ فَإِنَّهُ أَعْلَمُ بِذَلِكَ مِنِّي فَأَتَيْتُ عَلِيًّا فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْمَسْحِ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا أَنْ نَمْسَحَ لِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَلِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

◄► شریح بن ہانی بیان کرتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے دریافت کرو کیونکہ وہ اس بارے میں مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں: میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے ان سے مسح کرنے کے بارے میں دریافت کیا: تو انہوں

552 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 637' ورقم الحدیث: 638' ورقم الحدیث: 639' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 128,129

یہ فرمایا ہے: نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ ہدایت کی تھی کہ مقیم شخص ایک دن اور ایک رات تک اور مسافر شخص تین دن اور تین رات تک مسح کرسکتا ہے۔

553- حدثنا علي بن محمد حدثنا وكيع حدثنا سفيان عن أبيه عن إبراهيم التيمي عن عمرو بن ميمون عن خزيمة بن ثابت قال جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم للمسافر ثلاثا ولو مضى السائل على مسألته لجعلها خمسا

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے مسافر کے لیے تین دن مدت مقرر کی ہے اگر سوال کرنے والا شخص اپنے سوال کو جاری رکھتا تو نبی کریم ﷺ اسے پانچ دن بھی کر دیتے۔

554- حدثنا محمد بن بشار حدثنا محمد بن جعفر حدثنا شعبة عن سلمة بن كهيل قال سمعت إبراهيم التيمي يحدث عن الحارث بن سويد عن عمرو بن ميمون عن خزيمة بن ثابت عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ثلاثة أيام أحسبه قال ولياليهن للمسافر في المسح على الخفين

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: تین دن (راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے نبی کریم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا) اور تین راتوں تک مسافر کو موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے۔

555- حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة وأبو كريب قالا حدثنا زيد بن الحباب قال حدثنا عمر بن عبد الله بن أبي خثعم الثمالي قال حدثنا يحيى بن أبي كثير عن أبي سلمة عن أبي هريرة قال قالوا يا رسول الله ما الطهور على الخفين قال للمسافر ثلاثة أيام ولياليهن وللمقيم يوم وليلة

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ (ﷺ)! موزوں پر طہارت حاصل کرنے کی متعین مدت کیا ہوگی؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں اور مقیم شخص کے لیے ایک دن اور ایک رات۔

556- حدثنا محمد بن بشار وبشر بن هلال الصواف قالا حدثنا عبد الوهاب بن عبد المجيد قال حدثنا المهاجر أبو مخلد عن عبد الرحمن بن أبي بكرة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه رخص للمسافر إذا توضأ ولبس خفيه ثم أحدث وضوءا أن يمسح ثلاثة أيام ولياليهن وللمقيم يوما وليلة

عبدالرحمن بن ابوبکرہ اپنے والد کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ بات نقل کرتے ہیں

553 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 157 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 95

555 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

556 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

آپ ﷺ نے مسافر کو اس بات کی اجازت دی تھی کہ جب وہ وضو کرلے اور موزے پہن لے پھر اس کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ تین دن اور تین راتوں تک مسح کرسکتا ہے جب کہ مقیم شخص ایک دن اور ایک رات تک کرسکتا ہے۔

موزوں پرمسح کرنے مقیم ومسافر کیلئے مدت کا بیان

اور جب مقیم نے مسح کیا اور ایک دن اور ایک رات کی مدت پوری کرنے سے پہلے ہی وہ مسافر ہوگیا تو وہ تین دن اور تین راتیں مسح کرے گا۔ کیونکہ (حکم) حدیث اس کے بارے میں مطلق ہے۔ اور اس لئے بھی کہ یہ حکم وقت کے ساتھ متعلق ہے لہٰذا اس کے آخر کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اگر اس نے مدت اقامت مکمل کرلی پھر وہ مسافر ہوا تو اب اس کیلئے مدت سفر پوری کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ حدث قدم میں سرایت کرچکا ہے اور موزہ حدث کو اٹھانے والا نہیں۔

اور اگر مسافر ماسح مقیم ہوگیا تو وہ مدت اقامت پوری کرے گا۔ کیونکہ سفر کی رخصت سفر کے بغیر باقی نہیں رہتی۔ جبکہ اس نے ایک دن اور ایک رات کی مدت کو پورا نہ کیا تو وہ اسی مدت کو پورا کرے گا۔ کیونکہ یہی مدت اقامت ہے اور وہ شخص مقیم ہے۔

مقیم ماسح کے مسافر ہونے کے بعد حکم شرعی فقہ شافعی وحنفی کا مؤقف ودلائل کا بیان

علامہ محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) اس مسح کی مدت کو مسافر والی مدت کے مطابق بالاتفاق شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ جب اس نے طہارت ٹوٹنے سے پہلے ہی سفر شروع کردیا۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو مدت سفر کی طرف نہیں پھیرا جائے گا۔ اور یہ اس وقت ہے جب اس نے حدث کے بعد اور مقیم والی مدت پوری ہونے کے بعد سفر شروع کیا۔ (۳) اس کی تیسری صورت یہ ہے کہ جب وہ حدث کے بعد مقیم والی مدت سے پہلے مسافر ہوگیا تو احناف کے نزدیک اس کو مسافر والی مدت کی طرف پھیرا جائے گا۔

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسح عبادت ہے۔ جو اقامت کی حالت میں شروع ہوئی اور ہر عبادت کیلئے حکم ہے کہ وہ جس میں شروع ہوا سی میں رہتی ہے یعنی حکم اقامت میں رہے گا۔ لہٰذا اسے سفر کی وجہ سے تبدیل نہ کیا جائے گا۔ جس طرح کسی شخص نے روزہ رکھا اور وہ مقیم تھا پھر مسافر ہوگیا۔ جس طرح کسی نے شہر میں کھڑی کشتی میں نماز شروع کی اور پھر وہ کشتی سفر پر روانہ ہوگئی۔ تو نماز میں مسافر نہ ہوگا اور نہ ہی نماز کو بدلے (قصر) گا۔ کیونکہ اقامت کی حالت عزیمت ہے اور سفر کی رخصت کی حالت ہے۔ اور جب یہ دونوں عبادت میں جمع ہوجائیں۔ تو عزیمت رخصت پر غالب آتی ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک حدیث میں مسافر کے مسح کا حکم مطلق ہے۔ جس میں مقیم ماسح کے مسافر ہونے اور عام مسافروں کے درمیان کوئی فرق بیان نہیں ہوا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ یہاں حکم وقت کے ساتھ متعلق ہے اور اسی طرح کے ہر حکم میں وقت کے آخر کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ جس طرح حائض اگر آخر وقت پاک ہوئی تو اس پر اس وقت کی نماز واجب ہے۔

اسی طرح طاہرہ کو نماز کے آخر وقت میں حیض آگیا تو اس وقت کی نماز ساقط ہوجائے گی۔ اور مسافر جب آخر وقت میں مقیم ہوگیا

تو وہ مدت پوری کرے گا۔ اور مقیم جب مسافر ہوا تو اس میں قصر ہے۔

امام شافعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ روزہ اور نماز میں اجزاء نہیں ہوتے۔ اور روزے کا اعتبار "اول الصوم" ہونے کی وجہ سے اقامت کا ہوگا۔ لہٰذا روزہ افطار کرنا اس کیلئے مباح نہ ہوگا۔ اور سفر کے اعتبار سے آخر کا اعتبار کریں گے۔ جس کا تقاضہ یہ ہے کہ روزے کا افطار مباح ہو۔ جبکہ اس صورت میں جانب حرمت کو ترجیح ہوگی۔ اور اسی طرح نماز میں بھی احتیاط کے طور پر جانب اقامت کو ترجیح ہوگی۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱، ص ۲۳۶، بیروت)

بَابُ: مَا جَاءَ فِي الْمَسْحِ بِغَيْرِ تَوْقِيتٍ

یہ باب کسی متعین مدت کے بغیر مسح کرنے کے بیان میں ہے

557- حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى وَعَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْمِصْرِيَّانِ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ أَنْبَأَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ رَزِينٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ قَطَنٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ عَنْ أُبَيِّ بْنِ عِمَارَةَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ صَلَّى فِي بَيْتِهِ الْقِبْلَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ قَالَ نَعَمْ قَالَ يَوْمًا قَالَ وَيَوْمَيْنِ قَالَ وَثَلَاثًا حَتَّى بَلَغَ سَبْعًا قَالَ لَهُ وَمَا بَدَا لَكَ

◄◄ حضرت ابی بن عمارہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ان کے گھر میں دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی ہے ان صحابی نے نبی کریم ﷺ سے گزارش کی' کیا میں اپنے موزوں پر مسح کرلیا کروں' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جی ہاں' انہوں نے دریافت کیا: ایک دن تک' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دو دن تک' ان صحابی نے عرض کی: تین دن تک؟ یہاں تک کہ سات تک کا تذکرہ کیا' تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا' جتنا تمہیں مناسب محسوس ہو (اتنے عرصے تک تم اس پر مسح کر سکتے ہو)

شرح

عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ فتح مصر کی خوش خبری لے کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تھے، چونکہ ایسے موقعہ پر رکنے ٹھہرنے کا موقعہ نہیں ہوتا، اس لئے انہوں نے تین دن سے زیادہ تک مسح کرلیا، یہ حکم ایسی ہی اضطراری صورتوں کے لئے ہے، ورنہ اصل حکم وہی ہے جو گزرا، مقیم ایک دن اور ایک رات، اور مسافر تین دن اور تین رات تک مسح کر سکتا ہے۔

اسی مضمون کے مطابق احادیث کی وہی شرح ہوگی جس طرح مسافر کیلئے پندرہ دنوں کی مسافت ہے لیکن جب وہ معین نہ کرے اور کئی ماہ یا سال بھی گزارے تو اس کیلئے حالت سفر کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس مسئلہ ماہ وسال کا قیاس بعید ہے لیکن بہر حال بغیر تعیین کے تین سے زائد دن ہوئے تھے کیونکہ تعیین نہ تھا۔

557 أخرجه ابوداؤد فی "السنن" رقم الحديث: 158

دوسری توجیہ یہ ہے کہ تعین مدت والی احادیث پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ ان میں تعین اس مسئلہ میں صریح نص ہے۔

558- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوسُفَ السُّلَمِيُّ حَدَّثَنَا اَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ اَبِىْ حَبِيبٍ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَلَوِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ اللَّخْمِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ اَنَّهُ قَدِمَ عَلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مِنْ مِصْرَ فَقَالَ مُنْذُ كَمْ لَمْ تَنْزِعْ خُفَّيْكَ قَالَ مِنَ الْجُمُعَةِ اِلَى الْجُمُعَةِ قَالَ اَصَبْتَ السُّنَّةَ

◄► حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ مصر سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: تم نے کتنے عرصے سے اپنے موزے نہیں اتارے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ایک جمعے سے لے کر اگلے جمعے تک تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے سنت پر عمل کیا ہے۔

موزوں پر مسح کرنے کی مدت کا بیان

حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس، ان سے موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھنے آیا تو انہوں نے کہا کہ تم ابو طالب کے بیٹے (یعنی علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھو (اس لئے کہ) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ ہم نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے مسح کی مدت تین دن تین رات مقرر فرمائی اور مقیم کے لئے ایک دن رات۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث 139)

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم سفر میں ہوتے تھے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ تین دن اور تین راتوں تک (وضو کرنے کے وقت پاؤں کو (دھونے کے لیے) موزے نہ اتارے جائیں، نہ پاخانے کی وجہ سے نہ پیشاب کی وجہ سے نہ سونے کی وجہ سے البتہ جنابت کی وجہ سے (یعنی غسل واجب ہونے کی صورت میں نہانے کے لیے اتارے جائیں۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

مطلب یہ ہے کہ سو کر اٹھنے یا پیشاب و پاخانے کے بعد وضو کرنے کی صورت میں اس مدت تک جو مسافر یا مقیم کے لیے ہے پاؤں کو دھونے کے لیے موزوں کو اتارنا نہیں چاہئے بلکہ موزوں پر مسح کر لیا جائے اور جنابت کی حالت میں یعنی جب غسل واجب ہو جائے تو نہانے کے لیے موزے اتارنے ضروری ہیں کیونکہ اس حالت میں موزوں پر مسح درست نہیں ہے۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِى الْمَسْحِ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ

یہ باب جرابوں اور جوتوں پر مسح کرنے کے بیان میں ہے

559-حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِىْ قَيْسٍ الْاَوْدِيِّ عَنِ الْهُزَيْلِ بْنِ

558 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

559 اخرجہ ابو داؤد فی "السنن" رقم الحدیث 159 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 99

شُرَحْبِيلَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ

◆◆ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے ہوئے دونوں جرابوں اور موزوں پر مسح کیا۔

560- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ مَنْصُورٍ وَبِشْرُ بْنُ اٰدَمَ قَالَا حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عِيسَى بْنِ سِنَانٍ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَرْزَبٍ عَنْ اَبِي مُوسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ قَالَ الْمُعَلّٰى فِي حَدِيثِهِ لَا اَعْلَمُهُ اِلَّا قَالَ وَالنَّعْلَيْنِ

◆◆ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جرابوں اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔ معلیٰ نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں: میرے علم کے مطابق روایت میں صرف موزوں پر مسح کرنے کا حکم ہے۔

شرح

اورامام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں۔ مگر جب وہ مجلد ہوں یا منعل ہوں اور صاحبین نے کہا ہے کہ جائز ہے۔ اور صاحبین کا جواز اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ دونوں سخت موٹے کپڑے (جس سے پانی کی تری پاؤں تک نہ پہنچے) بغیر پکڑے اترنے والے نہ ہوں۔ کیونکہ جو روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جرابوں پر مسح کیا۔ اور ایسے موزے پہن کر چلنا ممکن ہے جو موٹے ہوں اور وہ بغیر باندھے پنڈلی پر ٹھہر جائیں۔ لہٰذا وہ جوراب موزہ کے مشابہ ہو گیا۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ موزہ کے معنی میں نہیں ہے۔ کیونکہ چلنے والے کی مواظبت ممکن نہیں مگر جب وہ منعل ہو۔ اور یہی حدیث کا محمل ہے۔ اور امام اعظم علیہ الرحمہ سے ایک روایت صاحبین کے قول کی طرف رجوع کی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ عمامہ ٹوپی، برقع اور دستانوں پر مسح جائز نہیں۔ کیونکہ ان چیزوں کو اتارنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور رخصت دفع حرج کیلئے تھی۔

(ہدایہ اولین، کتاب طہارت)

کس طرح کے موزوں پر مسح کیا جائے

موزے جانور کے چمڑے کے ہوں یا کسی کپڑے کے، اُن کے لئے فقہائے کرام نے احادیث شریفہ کی روشنی میں مندرجہ ذیل شرائط بیان کئے ہیں۔

(1) موزے ایسے ہوں جس میں پیر کے ٹخنے چھپ جائیں لیکن شرط یہ ہیکہ وہ بغیر باندھے پیر پر جمے رہیں۔

(2) خواہ وہ چمڑے کے ہوں یا کسی ایسی چیز کے جو دبیز و موٹی ہو اور اس میں پانی سرایت نہ کرے۔

560 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

(۵) اور ایسے ہوں کہ آدمی اس کو پہن کر بلا تکلف عادت کے موافق چل پھر سکے۔(مِنْهَا) أَنْ يَكُونَ الْخُفُّ مِمَّا يُمْكِنُ قَطْعُ السَّفَرِ بِهِ وَتَتَابُعُ الْمَشْيِ عَلَيْهِ وَيَسْتُرُ الْكَعْبَيْنِ۔(فتاوی عالمگیری، ج ۱، کتاب الطہارۃ، ص 32)

جرابوں پر مسح کرنے میں غیر مقلدین کا جاہلانہ استدلال کا بیان

غیر مقلدین کا عجب حال ہے کہ عام لوگوں کو اور سادہ اردو طبقہ کو اپنے جال میں پھنسانے کیلئے کتب احادیث اور ان کے حوالے اس کثرت سے بیان کریں گے کہ عام لوگ ان کے علمی اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے (کیونکہ جہالت ہمیشہ جہالت کی طرف مائل ہوتی ہے) اور حقیقت میں علمی حیثیت یہ ہے کسی ایک حدیث میں بھی ان کو فقہ حاصل نہیں۔ اسی طرح کے بہت مسائل میں سے ایک مسئلہ "جرابوں پر مسح کرنا" ہے۔ اب ہم قارئین کو بتائیں گے کہ یہ لوگ کس طرح کثرت کے ساتھ احادیث وآثار بیان کرنے کے بعد ایک بھی حدیث سے مسئلہ کا تعین نہ کر سکے، اور محض احادیث کے الفاظ سے ظاہری طور پر لوگوں کی دھوکا دینے کی کوشش کی ہے جسے اصحاب علم ودانش ٹھکرا دیا اور ان کے مکتبہ فکر کے علماء نے بھی ان کے استدلال کو قبول نہیں کیا۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ یہ اتنی احادیث وآثار بیان کرنے کے بعد یہ مسئلہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے دور کی مروجہ اونی وسوتی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ حالانکہ یہ جرابیں اور ہیں جن پر مسح کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ سب پہلے ہم غیر مقلدین کے دلائل من وعن ذکر کریں گے اور ان کے استدلال بھی ذکر کریں گے اور اس کے بعد ان کے جاہلانہ استدلال کا عالمانہ جواب ذکر کریں گے۔ ملاحظہ ہو۔

جرابوں پر مسح کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے بطریق صحیح احادیث سے ثابت ہے اور جرابوں پر مسح نہ کرنے کے بارے میں کوئی بھی دلیل ثابت نہیں ہے۔ سنت مصطفوی کے علاوہ متعدد جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہ سے بھی جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے، جن کی تعداد تیرہ تک پہنچتی ہے۔ کسی ایک صحابی سے بھی اس کی مخالفت مروی نہیں ہے۔ امام ابوداود نے جرابوں پر مسح کرنے کے بارے میں مستقل باب باندھا ہے اور اس باب میں حدیث مغیرہ نقل کرنے کے بعد اس کی تائید میں فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول میں سے حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، براء بن عاذب، انس بن مالک، ابوامامہ سہل بن سعد، عمرو بن حریث نے جرابوں پر مسح کیا ہے۔

اسی طرح عمر بن خطاب، ابن عباس، عمار بن یاسر، ہلال بن عبداللہ بن ابی اوفی اور ابن عمر سے نقلا اور فعلا جرابوں پر مسح کرنا مروی ہے۔

قال ابوداود ومسح علی الجوربین علی بن ابی طالب وابن مسعود والبراء بن عاذب وانس بن مالك وابو امامہ وسھل بن سعد وعمرو بن حریث وروی ایضا عن عمار وبلال بن عبداللّٰہ بن ابی اوفی وابن عمر۔

(ابوداود ج 1 باب مسح علی الجوربین)

☆ امام ابن حزم الاندلسی نے حضرت علی، ابن عمر اور انس بن مالک وغیرہم کا عمل بھی ثابت کیا ہے کہ یہ سب حضرات جرابوں پر مسح کیا

کرتے تھے۔

☆ تہذیب السنن میں ابن قیم فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل جرابوں پر مسح کو سنت جانتے ہیں کیونکہ یہ اصحاب رسول ﷺ سے ثابت ہے اور قیاسا بھی۔ کیونکہ موزوں اور جرابوں پر مسح کرنے کا ایک ہی حکم ہے۔ اور ان میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی حکما موزوں اور جرابوں میں مسح میں کوئی فرق ہے۔ لہٰذا موزوں اور جرابوں دونوں پر مسح کرنے پر اکثر اہل علم کا قول ہے۔ تابعین میں سے سفیان ثوری، ابن مبارک، عطا، حسن بصری، سعید بن مسیب بھی جرابوں پر مسح کے قائل ہیں۔

(معالم السنن للخطابی ج 1 ص 121 فقہ السنن ج 1 ص 61 تہذیب السنن لابن قیم)

عمل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے جرابوں پر مسح کے ثبوت کا بیان

☆ حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور اپنی جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا:

عن مغير بن شعب رضى الله عنه قال توضا النبى صلى الله عليه وسلم ومسح على الجوربين والنعلين

(ابوداود حدیث 159، ترمذی ج 1 ص 29، ابن ماجہ حدیث 559، احمد ج 3 ص 252)

امام طحاوی حنفی اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

مسح على نعلين تحتهما جوربين وكان قاصدا بمسحه ذالك الى جوربيه لا نعليه و جورباه لو كان عليه بلا نعلين جاز له ان يمسح عليهما مكان مسحه ذالك مسحا اراد به الجوربان

یعنی آپ نے جوتوں پر مسح کیا ان کے نیچے جرابیں تھیں اور آپ کا ارادہ اس کے ساتھ جرابوں کا مسح کرنے کا ہی تھا نہ کہ جوتوں کا یعنی آپ کی مراد جوتوں پر مسح کرنا نہیں تھی۔ اگر آپ کی جرابیں بغیر جوتے کے بھی ہوتیں تو ان پر مسح کرنا جائز ہے۔ اس سے مراد آپ کی جرابوں پر مسح کرنے کی تھی۔ (شرح معانی الآثار ج 1 ص 176)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موزوں اور جرابوں پر مسح کیا کرتے تھے اس حدیث کو طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ مزید یہ کہ حنفیہ کی مشہور و متداول کتاب الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ میں ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا۔ جن میں سے ایک کے سب راوی ثقہ ہیں

☆ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے ہوئے جرابوں اور جوتیوں پر مسح کیا:

ان رسول اللهِ صلى الله عليه وسلم توضا ومسح على الجوربينِ والنعلينِ (

(ابن ماجہ ج 1 حدیث 560 دیکھئے)

س پر امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

والظاهر ان النبى صلى الله عليه وسلم انما مسح على سيور النعلِ التى على ظاهرِ القدمِ فاما

اسفله وعقبه فلا يسن مسحه من الخلف فكذالك النعل ۔

یعنی جوتیوں پر مسح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جوتی کے تسموں پر مسح کیا جو پاوں کے ظاہری حصے پر ہوتے ہیں اس کے نچلے اور پچھلے حصے پر مسح کرنا خلف سے ثابت نہیں۔ (المغنی ج1 ص 182 مسئلہ 1427)

غیر مقلدین کی غیر مقلدین سے تردید:

سب سے پہلے ہم غیر مقلدین کے گھر سے ان کا رد کرتے ہیں کیونکہ خود ان کے علماء نے بھی مروجہ جرابوں پر مسح کرنے کو ناجائز لکھا ہے۔ مشہور اہل حدیث عالم میاں نذیر حسین دہلوی فتاویٰ نذیریہ میں لکھتے ہیں۔ ''مذکورہ سوتی یا اونی جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں''۔

(فتاویٰ نذیریہ، ج ۱، ص ۳۲۷)

اب یہ ذمہ داری غیر مقلدین کی ہے کہ اپنے مکتبہ فکر رہنما کی بات مانتے ہوئے فقہ حنفی کی تائید کرتے ہیں یا اپنے ہی اسلاف پر جہنم کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے انکار کرتے ہیں۔

اصل اور فرع میں اجتماع کا مسئلہ

احکام شرعیہ میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن میں شریعت کی طرف سے مخصوص حالات یا مخصوص اوقات میں رخصت دی گئی ہے۔ جس طرح حالت حیض ونفاس میں عورت کو نماز معاف اور روزے قضاء کرنا جائز ہے حالت سفر میں نماز قصر کا مسئلہ ہے۔ اسی طرح پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا مسئلہ ہے۔ اس قسم کے تمام مسائل میں یہ اصول فقہاء کے نزدیک متعین ہوا کہ جس وقت اصل پائی جائے گی اس وقت فرع پر عمل نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے فقہاء وتمام محدثین کا یہ مؤقف ہے کہ وضو اور تیمم کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر پانی ہے تو وضو کرے اور پانی نہ پائے تو تیمم کرے۔ ایسا کرنا جائز نہیں کہ وہ وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔

اسی طرح موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ ہے۔ اہل عرب میں بھی اور آج کل بھی چمڑے کے موزے دستیاب ہیں۔ ان موزوں کی یہ خاصیت ہے کہ ان پر جب مسح کیا جائے تو پانی ان میں سرایت نہیں کرتا۔ لہٰذا ان پر مسح کرنا پاؤں دھونے کے قائم مقام کر دیا گیا ہے اور شریعت اسلامیہ نے یہ لحاظ برقرار رکھا۔ کہ پاؤں دھونے اور موزوں کو اتارنے کی بجائے صرف موزوں پر مسح کر لینا کافی ہے۔ غیر مقلدین نے ایسی جرابوں پر مسح کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ جو سوتی یا اونی ہوتی ہیں۔ اور استدلال یہ کیا ہے کہ احادیث میں جرابوں کا لفظ موجود ہے۔ لیکن ان کے ادراک میں یہ بات نہ آئی کہ ہمارے ہاں مروجہ جرابیں اور ہیں اور احادیث میں جن جرابوں کا ذکر ہے وہ تو منعل اور سخت (جن کے اندر پانی سرایت نہ کرے) وہ جرابیں ہیں۔

اگر بقول غیر مقلدین مروجہ سوتی یا اونی جرابوں پر مسح کر لیا جائے تو پانی ان کے اندر سرایت کرتا ہوا پاؤں تک جا پہنچے گا۔ جس سے پاؤں کا بعض حصہ دھویا جائے گا اور بعض حصہ نہیں دھویا جائے گا۔ یعنی جزوی طور پر پاؤں میں غسل پایا جائے گا۔ اور جزوی طور پر پاؤں کا مسح پایا جائے گا۔ جس سے اصل یعنی پاؤں دھونا اور فرع یعنی مسح کرنا دونوں کا اجتماع لازم آئے گا۔ جو کہ بالاتفاق جمہور فقہاء ومحدثین منع ہے۔

اسی طرح دوسری ممانعت یہ لازم آئے گی کہ مسح کرنا یہ عمل رخصت ہے اور پاؤں کو دھونا یہ عمل عزیمت ہے۔ یہ غیر مقلدین بتائیں کہ کیا احکام شرع میں بیک وقت رخصت وعزیمت کو جمع کرنا جائز ہے۔ اگر رخصت وعزیمت کو جمع کرنے کے قائل ہیں تو حیضہ عورت کا نماز پڑھنا بھی جائز ہے؟ (رضوی غفرلہ)

قاموس میں لکھا ہے کہ جورب پاؤں کے لفافے کو کہتے ہیں جیسے ہمارے ہاں جراب یا موزہ کہلاتا ہے اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں اس کی تفصیل حلبی میں بڑی وضاحت سے مذکور ہے یہاں اس کے بعض احکام ومسائل لکھے جاتے ہیں۔

حنفی مسلک میں جوربین یعنی موزوں پر مسح اس وقت درست ہوگا جب کہ وہ مجلد ہوں یعنی ان کے اوپر نیچے چمڑا لگا ہوا ہو، منعل ہوں یعنی فقط نیچے ہی چمڑا ہو اور ثخین ہوں۔ ثخین اس موزے کو کہتے ہیں جس کو پہن کر ایک فرسخ چلا جا سکے اور وہ بغیر باندھے ہوئے پنڈلی پر رکا رہے نیز اس کے اندر کا کوئی حصہ نہ دکھلائی دے اور نہ اس کے اندر پانی چھن سکتا ہو حلبی کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر جوربین منعلین بغیر ثخنین ہوں گے تو اس پر مسح جائز نہیں ہوگا لہٰذا منعلین پر مسح اسی وقت درست ہوگا جب کہ ثخنین بھی ہوں۔

چونکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جورب پر مسح درست نہیں خواہ وہ منعل ہی کیوں نہ ہو اس لیے یہ حدیث حنفیہ کی جانب سے ان پر حجت ہے جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جورب پر مسح فرمایا ہے نیز حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت انس ابن مالک اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی منقول ہے کہ ان حضرات نے اس پر مسح کیا ہے۔

آخر حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ نے نعلین کے ساتھ جوربین پر مسح کیا تو یہاں نعلین کے مفہوم کے تعین میں دو احتمال ہیں اول تو یہ کہ اس سے جوتے مراد ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوربین پر جوتوں کے ساتھ مسح کیا چونکہ عرب میں اس وقت ایسے جوتے استعمال ہوتے تھے جو بالکل چپل کی طرح ہوتے تھے اور ان پر اس طرح تسمہ لگا رہتا تھا کہ انہیں پہننے کے بعد پاؤں کے اوپر کا حصہ کھلا رہتا تھا جس کی وجہ سے موزوں پر مسح کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ یا پھر اس سے یہ مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جوربین پر مسح کیا جن کے نیچے چمڑا لگا ہوا تھا۔ (مظاہر حق)

غیر مقلدین کے نزدیک موزے اتارنے سے وضو نہیں ٹوٹتا

غیر مقلدین کے ابن تیمیہ جن کی غیر مقلدین حرف بہ حرف لفظ بہ لفظ تقلید کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص مسح کرنے کے بعد موزے یا جرابیں اتار دے تو اہل علم کے صحیح قول کے مطابق ان کی طہارت باطل نہیں ہوگی، اس لیے کہ جب آدمی موزے یا جراب پر مسح کرتا ہے تو شرعی دلیل کی بنا پر اس کا وضوء اور طہارت مکمل ہو جاتی ہے، چنانچہ جب وہ اسے اتار دے تو شرعی دلیل کے مقتضی سے ثابت شدہ طہارت شرعی دلیل کے بغیر ختم نہیں ہو سکتی، اور جراب یا موزے اتارنے والے کا وضوء ٹوٹنے کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ (مجموع الفتاویٰ)

وہ موزے جو سوتی ہیں ان پر مسح کرنا جائز نہیں

سُوتی یا اُونی موزے جیسے ہمارے بلاد میں رائج ان پر مسح کسی کے نزدیک درست نہیں کہ نہ وہ مجلد ہیں یعنی ٹخنوں تک چمڑا منڈھے ہوئے نہ منعل یعنی تلا چمڑے کا لگا ہوا نہ ثخین یعنی ایسے دبیز ومحکم کہ تنہا اُنہیں کو پہن کر قطع مسافت کریں تو شق نہ ہو جائیں اور ساق پر اپنے دبیز ہونے کے سبب بے بندش کے رُکے رہیں ڈھلک نہ آئیں اور اُن پر پانی پڑے تو روک لیں فوراً پاؤں کی طرف چھن نہ جائے جو پائتابے ان تینوں وصف مجلد منعل ثخین سے خالی ہوں اُن پر مسح بالاتفاق ناجائز ہے۔ ہاں اگر اُن پر چمڑا منڈھ لیں یہ چمڑے کا تلا لگالیں تو بالاتفاق یا شاید کہیں اُس طرح کے دبیز بنائے جائیں تو صاحبین کے نزدیک مسح جائز ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱، باب تیمم)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جرابوں پر مسح جائز نہیں مگر یہ کہ چمڑے کی ہوں یعنی اس تمام جگہ کو گھیر لیں جو قدم کو ٹخنوں تک ڈھانپتی ہے (یا منعل ہوں) یعنی جرابوں کا جو حصہ زمین سے ملتا ہے صرف وہ چمڑے کا ہو، جیسے پاؤں کی جوتی ہوتی ہے (اور صاحبین نے فرمایا اگر (جرابیں) ایسی دبیز ہوں کہ نہ کھلتی ہوں تو مسح جائز ہے کیونکہ اگر جراب اس طرح کی ہو کہ پانی قدم تک تجاوز نہ کرے تو وہ جذب کرنے کے حق میں چمڑے اور چمڑا چڑھائے ہوئے موزے کی طرح ہے مگر کچھ دیر ٹھہرنے یا رگڑنے سے پانی جذب کرے تو کوئی حرج نہیں بخلاف پتلی جراب کے، کہ وہ پانی کو جذب کر کے فوراً پاؤں تک پہنچاتی ہے۔

(غنیۃ، ص ۱۲۰، باب مسح، سہیل اکیڈمی لاہور)

مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا قاعدہ فقہیہ

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ پائچوں کا کعبین (ٹخنوں) سے نیچے ہونا جسے عربی میں اسبال کہتے ہیں اگر براہ عجب وتکبر ہے تو قطعاً ممنوع وحرام ہے اور اس پر وعید شدید وارد۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ اپنی صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے تکبر کی وجہ سے اپنی چادر کو لٹکایا قیامت کے دن اللہ عزوجل اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔ امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ، امام نسائی اور امام ترمذی نے بھی الفاظ متقاربہ کے ساتھ اسی طرح روایت کیا ہے اور اگر بوجہ تکبر نہیں تو بحکم ظاہر حدیث مردوں کو بھی جائز ہے جیسے کہ تکبر کی قید سے تم کو خود معلوم ہوگا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میری ازار ایک جانب سے لٹک جاتی ہے فرمایا تو ان میں سے نہیں ہے جو ایسا تکبر کرتا ہو، احادیث میں جو اس پر وعید ہے اس سے یہی صورت مراد ہے کہ بہ تکبر اسبال کرتا ہو ورنہ ہرگز یہ وعید شدید اس پر وارد نہیں مگر علماء در صورت عدم تکبر حکم کراہت تنزیہی دیتے ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے اگر اسبال تکبر سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ اسی طرح غرائب میں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۱۲۵، ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا تکبر کے ساتھ مقید ہے۔ اور جن احادیث میں یہ مذکور ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ دوزخ میں ہوگا۔ یہ حکم مطلق ہے اور اس مطلق حکم کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی صاحب مدظلہ العالی اس مسئلہ کی ایک تفریع بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہوگا وہ دوزخ میں ہوگا۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث ۵۷۸۷)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے بعض اوقات کسی حکم یا کسی فعل کی کوئی شرط یا اس کا سبب بطور قید بیان فرماتے ہیں اور پھر اس حکم یا فعل کو اس قید کے بغیر بھی بیان فرماتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اب وہ قید معتبر نہیں ہے وہ قید اب بھی معتبر ہوتی ہے اور اس کے اعتبار کرنے پر وہ حدیث دلیل ہوتی ہے جس میں اس قید کا ذکر فرمایا ہوتا ہے۔ مثلاً یہ حدیث ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: جب تک سال نہ گزر جائے کسی مال میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۵۷۳)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے وجوب زکوٰۃ کیلئے سال گزرنے کی شرط کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ بے شمار احادیث ہیں جن میں اس شرط کا ذکر نہیں ہے اس کے باوجود وجوب زکوٰۃ میں اس شرط کا اعتبار کیا جاتا ہے کیونکہ اس حدیث میں اس شرط کا ذکر ہے ہم صرف ایک حدیث کا ذکر کر رہے ہیں جس میں وجوب زکوٰۃ کیلئے اس شرط کا ذکر نہیں ہے حالانکہ ایسی بے شمار احادیث ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے گھوڑوں اور غلاموں سے زکوٰۃ معاف کر دی۔ تم ہر چالیس درہم سے ایک درہم چاندی زکوٰۃ دو اور ایک سو نوے درہم میں بالکل زکوٰۃ نہیں ہے اور جب دو سو درہم ہو جائیں تو اس میں پانچ درہم زکوٰۃ ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۱۵۷۴)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں تہبند گھسیٹنے یا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے پر وعید بیان فرمائی اور اس کو تکبر پر معلق فرمایا اور بعض احادیث میں اس قید کا ذکر نہیں فرمایا تو جہاں اس قید کا ذکر نہیں ہے۔

وہاں بھی اس قید کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے اعتبار کرنے پر وہ احادیث دلیل ہیں جن میں آپ نے اس قید کا ذکر فرمایا ہے جس طرح ہم زکوٰۃ میں سال گزرنے کی شرط کے متعلق بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کیلئے ہی حمد ہے جس نے مجھے اس مسئلہ کو حل کرنے کی توفیق دی اور شاید قارئین کو کسی اور جگہ یہ تفصیل اور اس مسئلہ کا حل نہ مل سکے۔ (تبیان القرآن ج ۳ ص ۳۲۸، فرید بک سٹال لاہور)

وہ احادیث میں جن میں جرابوں پر مسح کرنے کا ثبوت ہے۔ مسح کے حکم میں مطلق ہیں۔ اور جن احادیث سے موزوں پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ موزے اپنی تعریف میں حقیقت واصل پر مبنی ہیں۔ جن کے اندر ثخانت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا ہر وہ چیز جس پر مسح کرنے کو ثابت کریں گے۔ اس میں یہ قید ضروری ہوگی وہ منعل ہو، ثخانت والی ہو۔ غیر مقلدین اگر اس قید کو سمجھ لیتے تو وہ بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہ کرتے۔ جرابوں کے حکم مطلق کی تقیید اس روایت سے بھی واضح ہے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں۔ حدثنا هشيم قال اخبرنا يونس عن الحسن وشعبه عن قتادة عن سعيد بن المسيب والحسن انهما قالا يمسح على الجوربين اذا كانا صفيقين (مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جرابوں پر مسح جائز ہے، بشرطیکہ وہ خوب موٹی ہوں

واضح رہے کہ ثوب صفیق اس کپڑے کو کہتے ہیں جو خوب مضبوط اور دبیز ہو ملاحظہ ہو قاموس اور مختار الصحاح وغیرہ۔

فقہ حنفی کے مطابق جرابوں پر عدم مسح کے فقہی دلائل کا بیان

جس قسم کے سوتی، اونی یا نائیلون کے موزے، آجکل رائج ہیں، ان پر مسح کرنا ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں، ایسے باریک موزوں کے بارے میں تمام مجتہدین اس پر متفق ہیں کہ ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے چنانچہ ملک العلماء کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ فان کانا رقیقین یشفان الماء، لا یجوز المسح علیھما بالاجماع

پس اگر موزے اتنے باریک ہوں کہ ان میں سے پانی چھن سکتا ہو تو ان پر باجماع مسح جائز نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع)

اور علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ولا یجوز المسح علی الجورب الرقیق من غزل او شعر بلا خلاف، ولو کان ثخینا یمشی معه فرسخا فصاعدا، فعلی الخلاف. (البحر الرائق)

اس سے معلوم ہوا کہ جن موزوں میں ثخین کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں، یعنی ان میں پانی چھن جاتا ہو، یا وہ کسی چیز سے باندھے بغیر محض اپنی موٹائی کی بناء پر کھڑے نہ رہ سکتے ہوں، یا ان میں ایک کوس تک بغیر جوتے کے چلنا ممکن نہ ہو، ان پر مسح کرنا کسی بھی مجتہد کے مذہب میں جائز نہیں، ہاں جن موزوں میں یہ تینوں شرائط پائی جاتی ہوں، ان پر مسح کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے سورہ مائدہ میں وضو کا جو طریقہ بیان فرمایا ہے اس میں پوری وضاحت کے ساتھ پاؤں دھونے کا حکم دیا ہے، نہ کہ ان پر مسح کرنے کا لہٰذا قرآن کریم کی اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ وضو میں ہمیشہ پاؤں دھوئے جائیں، اور ان پر مسح کسی صورت میں بھی جائز نہ ہو یہاں تک کہ جب کسی شخص نے چمڑے کے موزے پہنے ہوئے ہوں اس وقت بھی مسح کی اجازت نہ ہو، لیکن چمڑے کے موزوں پر اجازت جو باجماع امت دی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے موزوں پر مسح کرنا اور اس کی اجازت دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے تواتر سے ثابت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ اگر مسح علی الخفین کے جواز پر دو تین حدیثیں ہوتیں تب بھی ان کی بناء پر قرآن کریم پر زیادتی یا اسکا نسخ یا اس کی تقیید جائز نہیں ہوتی۔ لیکن چونکہ مسح علی الخفین کی احادیث معنی متواتر ہیں، اس لئے ان متواتر احادیث کی روشنی میں تمام امت کا اس پر اجماع منعقد ہو گیا کہ قرآن کریم کی آیت میں پاؤں دھونے کا حکم اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب انسان نے خفین (یعنی چمڑے کے موزے) نہ پہن رکھے ہوں، چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ماقلت بالمسح حتی جاء نی فیه ضوء النهار (البحر الرائق صج)

میں مسح علی الخفین کا اس وقت تک قائل نہیں ہوا جب تک میرے پاس روز روشن کی طرح اس کے دلائل نہیں پہنچ گئے۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ادرکت سبعین بدریا من الصحابة کلهم کانوا یرون المسح علی الخفین (تلخیص الحبیر ص جو بدائع)

اگر مسح علی الخفین کا حکم ایسے تواتر یا استفاضے کے ساتھ ثابت نہ ہوتا تو قرآن کریم نے پاؤں دھونے کا جو حکم دیا اس میں کسی

تخصیص یا تقیید کی گنجائش نہیں تھی، چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ انما یجوز نسخ القرآن بالسنة اذا وردت کورد المسح علی الخفین الا ستفاضة (احکام القرآن للجصاص)

سنت نبویہ سے قرآن کریم کے کسی حکم کو منسوخ (بمعنی مقید) کرنا اسی وقت جائز ہو سکتا ہے جب وہ سنت ایسے تواتر سے ثابت ہو جیسے مسح علی الخفین ثابت ہے

خلاصہ یہ ہے کہ وضو میں پاؤں دھونے کا قرآنی حکم ایسی چیز نہیں ہے جسے دو تین روایتوں کی بنیاد پر کسی خاص حالت کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے، بلکہ اس کے لئے ایسا تواتر درکار ہے جیسا مسح علی الخفین کی احادیث کو حاصل ہے۔ الخفین (چمڑے کے موزوں) کے بارے میں تو یہ تواتر موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مسح خود بھی فرمایا اور دوسروں کو بھی اس کی اجازت دی، لیکن خفین کے سوا کسی چیز پر مسح کرنے کے بارے میں ایسا تواتر موجود نہیں ہے اور خفین کیونکہ عربی زبان میں صرف چمڑے کے موزوں کو کہتے ہیں۔ کپڑے کے موزوں کو خف نہیں کہا جاتا، اس لئے یہ صرف چمڑے ہی کے موزوں کے ساتھ مخصوص رہے گی۔ دوسرے موزوں کے بارے میں قرآن کریم کے اصلی حکم یعنی پاؤں دھونے پر ہی عمل ہوگا۔ ہاں اگر کپڑے کے موزے اتنے ثخین (موٹے) ہوں کہ وہ اپنی خصوصیت اور اوصاف میں چمڑے کے ہم پایہ ہو گئے ہوں، یعنی نہ تو ان میں پانی چھنتا ہو، نہ انہیں کھڑا رکھنے کے لئے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت ہو اور انکو پہن کر میل دو میل چل سکتے ہوں تو ایسے موزوں کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہو گیا، بعض فقہاء نے فرمایا کہ چونکہ ایسے موزے چمڑے ہی کے معنی میں آ گئے ہیں اس لئے ان پر بھی مسح جائز ہونا چاہیے، اور بعض حضرات نے فرمایا چونکہ مسح کرنا تواتر کے ساتھ صرف خفین (چمڑے کے موزوں) پر ہی ثابت ہے، اس لئے ان پر مسح کرنا درست نہیں، گویا موزے تین قسم کے ہو گئے۔

(۱) چمڑے کے موزے جنہیں خفین کہا جاتا ہے، ان پر مسح باجماع جائز ہے۔

(۲) وہ باریک موزے جو نہ چمڑے کے ہوں، اور نہ ان میں چمڑے کے اوصاف پائے جاتے ہوں، جیسے آجکل کے سوتی، اونی یا نائلون کے موزے، ان کے بارے میں اجماع ہے کہ ان پر مسح جائز نہیں کیونکہ ایسے موزوں پر مسح کرنا ایسے دلائل سے ثابت نہیں جن کی بناء پر پاؤں دھونے کے قرآنی حکم کو چھوڑا جا سکے۔

(۳) وہ موزے جو چمڑے کے تو نہیں ہیں، لیکن ان میں موٹے ہونے کی بناء پر اوصاف چمڑے ہی کے پائے جاتے ہیں۔ ان پر مسح کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

سارے ذخیرہ حدیث میں یہ کل تین حدیثیں ہیں ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ایک حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے، اور ایک حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم سے۔ حضرت بلال کی حدیث معجم صغیر طبرانی میں ہے، اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے روایت کی ہے، لیکن حافظ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کے بارے میں ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں سنداً ضعیف ہیں۔ (نصب الرایہ)

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں تو امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے

ليس بالمتصل ولا بالقوى (بذل المجهود) لهٰذا يه دونوں روايتيں تو خارج از بحث هيں۔

وكان عبدالرحمن بن مهدى لا يحدث بهذه الحديث لان المعروف عن المغيره ان النبى صلى الله عليه وسلم مسح على الخفين (بذل المجهود)

حضرت عبدالرحمٰن بن مھدی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث نہیں بیان کیا کرتے تھے کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے جو معروف روایتیں ہیں وہ مسح علی الخفین کی ہیں، (نہ کہ جوربین پر مسح کی)

امام نسائی سنن کبریٰ میں لکھتے ہیں۔ لا نعلم احدا تابع انه ابا قيس على هذه الرواية، والصحيح عن المغيره انه عليه السلام مسح على الخفين (نصب الرايه)۔

یہ روایت ابوقیس کے سوا کسی نے روایت نہیں کی، اور ہمارے علم میں کوئی اور راوی اس کی تائید نہیں کرتا، البتہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت مسح علی الخفین کی ہی ہے۔

اسکے علاوہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ، علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے اس روایت کو ابوقیس اور ھزیل بن شرجیل دونوں کے ضعف کی بناپر ضعیف قرار دیا ہے، اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شارح صحیح مسلم لکھتے ہیں۔

كل واحد من هولاء لو انفرد قدم على الترمذى، مع ان الجرح مقدم على التعديل، واتفق الحفاظ على تضعيفه، ولا يقبل قول الترمذى انه حسن صحيح (نصب الرايه بحواله بالا)

جن حضرات نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اگر ان میں سے ہر ایک تنہا ہوتا تب بھی وہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ پر مقدم ہوتا، اس کے علاوہ یہ قاعدہ ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، اور حفاظ حدیث اسکی تضعیف پر متفق ہیں، لہٰذا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ، یہ حسن صحیح ہے قابل قبول نہیں۔

اول تو اکثر حفاظ حدیث کے نزدیک یہ حدیث ضعیف اور ناقابل استدلال ہے۔ دوسرے اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو پورے ذخیرہ حدیث میں تنہا یہ ایک روایت ہوگی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوربین پر مسح کرنا مذکور ہے۔

اب آپ غور فرمایئے کہ قرآن کریم نے پاؤں دھونے کا جو صریح حکم دیا ہے اسے صرف اس ایک روایت کی بناء پر کیسے چھوڑ دیا جائے، جب کہ ائمہ حدیث نے اس پر تنقید بھی کی ہے؟ آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ مسح علی الخفین کا حکم اسی وقت ثابت ہوا جب اسکی احادیث تواتر کی حد تک پہنچ گئیں، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر مسح علی الخفین کی احادیث اتنی کثرت کے ساتھ نہ ہوتیں تو پاؤں دھونے کے قرآنی حکم کو چھوڑنے کی گنجائش نہ تھی۔ لیکن مسح علی الجوربین کی احادیث متواتر تو کیا ہوتیں، پورے ذخیرہ حدیث میں اس کی صرف تین روایتیں ہیں جن میں سے دو بالاتفاق ضعیف ہیں اور ایک کو اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے، صرف امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے صحیح کہتے ہیں۔ ایسی روایت کی بناء پر قرآن کریم کے کسی حکم میں تخصیص پیدا نہیں کی جاسکتی، چنانچہ امام ابوبکر

بعنایہ موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

والأصل فيه انه قد ثبت أن مراد الآية الغسل على ماقدمنا ، فلو لم ترد الآثار المتواترة على النبي ﷺ في المسح على الخفين لما أجزنا المسح ۔ ولما لم ترد الآثار في جواز المسح على الجوربين في وزن ورودها في المسح على الخفين ابقينا حكم الغسل على مراد الآية

(أحكام القرآن للجصاص)

مسئلے کی حقیقت یہ ہے کہ آیت کی اصلی مراد پاؤں دھونا ہے جیسے کہ پیچھے گزر چکا۔لہٰذا اگر آپ ﷺ سے مسح علی الخفین کی متواتر احادیث ثابت نہ ہوتیں تو ہم کبھی مسح علی الخفین کو جائز قرار نہ دیتے۔اور چونکہ جوربین (کپڑے کے موزوں) پر مسح کی احادیث اس وزنی طریقے سے مروی نہیں ہیں جس وزنی طریقے سے مسح علی الخفین کی احادیث مروی ہیں۔اس لئے ہم نے وہاں آیت قرآنی کی اصل مراد یعنی پاؤں دھونے کے حکم کو برقرار رکھا ہے اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ انہوں نے جوربین پر مسح کیا یا اسکی اجازت دی تو ان کے اس عمل کی کیا وجہ تھی؟ اسکا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان آثار میں کہیں بھی یہ صراحت نہیں ہے کہ جوربین کپڑے کے باریک موزے تھے،اور جب تک یہ صراحت نہ ہو اس وقت تک ان آثار سے باریک موزوں پر مسح کا جواز کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟

چنانچہ مشہور اہل حدیث عالم علامہ شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں۔

ان الجورب يتخذ من الاديم و كذا من الصوف و كذا من القطن ويقال لكل من هذه انه جورب، ومن المعلوم ان هذه الرخصه بهذا العموم لا تثبت الا بعد ان يثبت ان الجوربين الذين مسح عليهما النبي صلى الله عليه وسلم كانا من الصوف الخ (عون المعبود)

یعنی جوربین کھال کے بھی ہوتے ہیں،اون کے بھی اور روئی کے بھی،اور ہر ایک کو جورب کہا جاتا ہے،اور ہر قسم کے موزے پر مسح کی اجازت اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتی جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ آپ ﷺ نے اون کے جوربین پر مسح فرمایا بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ ثابت ہے کہ ان حضرات نے جن جوربین پر مسح فرمایا وہ یا تو چمڑے کے تھے یا اپنی موٹائی کی وجہ سے چمڑے کے موزوں کی طرح تھے،اور ان میں چمڑے کے موزوں کی صفات پائی جاتی تھیں۔

چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے۔

حدثنا هشيم قال اخبرنا يونس عن الحسن وشعبه عن قتادة عن سعيد بن المسيب والحسن انهما قالا : يمسح على الجوربين اذا كانا صفيقين (مصنف ابن ابی شيبه)

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جرابوں پر مسح جائز ہے،بشرطیکہ وہ خوب موٹی ہوں ،واضح رہے کہ ثوب صفیق اس کپڑے کو کہتے ہیں جو خوب مضبوط اور دبیز ہو ملاحظہ ہو قاموس اور مختار الصحاح وغیرہ۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ دونوں جلیل القدر تابعین میں سے ہیں اور انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل دیکھ کر ہی یہ فتویٰ دیا ہے۔

لہٰذا ان حضرات کے عمل اور فتویٰ سے جو بات ثابت ہوئی وہ اس سے زائد نہیں کہ جو موزے بہت موٹے ہونے کی بناء پر چمڑے کے اوصاف کے حامل ہوں، ان پر مسح جائز ہے، اور اس موٹائی کی وضاحت کے لئے میں نے وہ تین شرائط ذکر کی ہیں کہ ایک تو ان میں پانی نہ چھنے دوسرے وہ کسی چیز سے باندھے بغیر اپنی موٹائی کی وجہ سے خود کھڑے رہیں، اور تیسرے یہ کہ ان کو پہن کر میل دو میل چلنا ممکن ہو، ایسے موزے چونکہ چمڑے کے اوصاف کے حامل ہوتے ہیں، اس لئے ان کو بھی اکثر فقہاء نے مسح علی الخفین کی احادیث کی دلالت النص اور مذکورہ آثار صحابہ رضی اللہ عنہ کی بناء پر خفین کے حکم میں داخل کر لیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں۔

لاشك ان المسح على الخف على خلاف القياس، فلا يصلح الحاق غيره به، الا اذا كان بطريق الدلالة، وهو ان يكون في معناه، ومعناه الساتر لمحل الفرض الذى هو بصدد متابعة المشى فيه فى السفر وغيره ۔ (فتح القدير)

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسح علی الخفین کی مشروعیت خلاف قیاس ہوئی ہے لہٰذا کسی دوسری چیز کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا الا یہ کہ وہ دلالۃ النص کے طریقے پر خفین کے معنی میں داخل ہو، اور خفین کے معنی ایک ایسے موزے کے ہیں جنہوں نے پاؤں کو بالکل ڈھانپ رکھا ہو اور ان میں سفر وغیرہ کے دوران مسلسل چلنا ممکن ہو۔

لہٰذا فقہاء نے جوربین پر مسح کرنے کی جو شرائط مقرر کی ہیں، ان کی یہ تعبیر بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے کہ حدیث میں مسح علی الجوربین کی اجازت مطلق تھی، اور انہوں نے اپنی طرف سے شرائط عائد کر کے اسے مقید کر دیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اصولی اعتبار سے پاؤں دھونے کے فریضے کو چھوڑ کر مسح کرنے کا حکم اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس پر احادیث متواترہ موجود نہ ہوں، خفین پر چونکہ ایسی احادیث موجود تھیں، اس لئے وہاں مسح کی اجازت دیدی گئی، لیکن جوربین پر مسح کسی ایسی حدیث سے بھی ثابت نہیں جو متفق علیہ طور پر صحیح ہو، لہٰذا ان پر مسح کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی، الا یہ کہ وہ جوربین خفین کی صفات کے حامل ہو کر خفین کے حکم میں بدلالۃ النص داخل ہو جائیں، اور چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہ وتابعین سے ایسے موزوں پر مسح ثابت تھا، اس لئے بیشتر فقہاء نے اسکی اجازت دی، اور خفین کی بنیادی صفات کو مذکورہ تین شرائط کے ذریعے بیان کر دیا۔ اور اس پر تمام ائمہ مجتہدین کا اجماع منعقد ہو گیا۔

ساری امت کے تمام فقہاء، تمام محدثین اور تمام مجتہدین کے بارے میں تو یہ الزام ہے کہ ان کے اس قول کا کوئی ماخذ نہیں، حالانکہ ان کے نا قابل انکار دلائل آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں اور دوسری طرف اپنا خود اجتہاد یہ ہے کہ بلا وجہ پاؤں پر کپڑا لپیٹ کر اس پر بھی مسح کیا جا سکتا ہے۔ کیا اس رائیعنی حرکت کی خاطر پاؤں دھونے کے قرآنی حکم کو ترک کرنے کا بھی کوئی ماخذ ہے؟

جوربین اگر موٹے ہوں تو ان پر مسح کرنے کے تو بعض فقہاء قائل بھی ہیں، لیکن جوتوں پر مسح کرنا تو کسی بھی امام کے مذہب میں جائز

نہیں۔لم یذھب احد من الائمۃ الی جواز المسح علی النعلین (معارف السنن) ائمہ میں سے کوئی بھی جوتوں پر مسح کرنے کا قائل نہیں۔(فقہی مقالات)

دھونے اور تیمم کو جمع نہ کیا جائے

علامہ فخر الدین عثمان بن علی زیلعی حنفی متوفی ۷۴۳ ھ لکھتے ہیں کہ دھونے اور تیمم کو جمع نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس سے بدل اور مبدل میں اجتماع لازم آتا ہے جس کی شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔اور حکم اکثر کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے۔اسی طرح وہ حکم کہ جب مشکوک پانی یعنی گدھے کا جوٹھا ہو تو وہ شخص وضو کرے اور تیمم بھی کرے تو اس کا معنی یہ نہیں کہ حکم شرعی دونوں سے ادا ہوا ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ حکم شرعی کسی ایک سے ادا ہوا ہے اور ایسا اسی لئے کیا گیا ہے۔کہ امکان اختلاف پایا گیا ہے۔

(تبیین الحقائق،ج ۱،ص ۹۹،بولاق قاہرہ)

بَابُ: مَا جَآءَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ

یہ باب عمامہ پر مسح کرنے کے بارے میں ہے

561-حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي لَيْلٰى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ عَنْ بِلَالٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْخِمَارِ

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں موزوں اور چادر پر مسح کیا تھا۔

562- حَدَّثَنَا دُحَيْمٌ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ ح و حَدَّثَنَا اَبُو بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُصْعَبٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِي كَثِيرٍ حَدَّثَنَا اَبُو سَلَمَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْعِمَامَةِ

حضرت عمرو بن اُمیہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں اور عمامہ پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

563-حَدَّثَنَا اَبُو بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ دَاوُدَ بْنِ اَبِي الْفُرَاتِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اَبِي شُرَيْحٍ عَنْ اَبِي مُسْلِمٍ مَوْلٰى زَيْدِ بْنِ صُوحَانَ قَالَ كُنْتُ مَعَ سَلْمَانَ فَرَاٰى رَجُلًا يَنْزِعُ

---

561 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 636، اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 101، اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 104

562 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 204، ورقم الحدیث 205، اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 119

563 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

خُفَّيْهِ لِلْوُضُوءِ فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ امْسَحْ عَلٰى خُفَّيْكَ وَعَلٰى خِمَارِكَ وَبِنَاصِيَتِكَ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْخِمَارِ

ابومسلم بیان کرتے ہیں: میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جس نے وضو کے لیے اپنے موزے اتار دیے تھے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: تم اپنے موزوں پر اپنی چادر پر اپنی پیشانی پر مسح کرو کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے موزوں اور اپنی چادر پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

564 - حَدَّثَنَا أَبُوْ طَاهِرٍ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي مَعْقِلٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ قِطْرِيَّةٌ فَأَدْخَلَ يَدَهُ مِنْ تَحْتِ الْعِمَامَةِ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِهِ وَلَمْ يَنْقُضِ الْعِمَامَةَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطری عمامہ باندھا ہوا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ عمامے کے نیچے داخل کیا اور سر کے آگے والے حصے کا مسح کر لیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامے کو اتارا نہیں تھا۔

جرابوں اور عمامہ پر مسح جائز نہ ہونے کی علت کا بیان

امام اوزاعی اور امام احمد بن حنبل اور اہل ظواہر کے نزدیک عمامہ پر مسح کرنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ اور موزوں پر مسح کیا۔

عمامہ پر مسح کرنا تو حرج کو دور کرنے مباح ہوا اور یہی اس کی علت رخصت ہے۔ جبکہ عمامہ اتارنے میں کوئی حرج نہیں۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو (اس کی سند) ضعیف ہے۔ اور اس طرح کتاب اللہ پر جس میں حکم ہے۔ (وامسحوا روء سکم) اس پر زیادتی لازم آئے گی۔ حالانکہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا یا اسے منسوخ کرنا جائز نہیں۔

(عمامہ پر مسح کرنے کی ممانعت میں صحیح روایت یہ ہے) امام محمد علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے امام مالک سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت صفیہ بنت ابی عبید کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا اور اپنا دوپٹہ اتارا اور سر کا مسح کیا۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان دنوں چھوٹا تھا۔ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم اسی حدیث سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ دوپٹے پر مسح کرنا جائز نہیں۔ اور جس طرح دوپٹے پر مسح کرنا جائز نہیں اسی طرح عمامہ پر بھی مسح کرنا جائز نہیں۔ اور روایت ہم تک پہنچی وہ متروک ہے۔ (عنایہ شرح الهدایہ، ج ۱، ص ۲۵۳، بیروت)

اس مسئلہ کی علت خود حدیث ہے جسے علامہ عینی نے ذکر کیا ہے اور یاد رہے جہاں نص مذکور ہو وہاں کسی قسم کے قیاس کی علت

564 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 147

سے حکم کا استنباط نہیں کیا جاتا۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِي التَّيَمُّمِ

یہ باب تیمم سے متعلق ابواب کے بیان میں ہے

تیمم کی تعریف کا بیان

پاک سطح زمین کا قصد کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو"۔ جس کا ملک العلماء نے بدائع میں افادہ فرمایا اور بہت سے حضرات نے ان کا اتباع کیا جس کے آخری لوگوں میں سے صاحب درر ہیں وہ یہ ہے: ''جنس زمین کا وہ خاص عضووں میں، تطہیر کے ارادہ سے، مخصوص شرائط کے ساتھ استعمال کرنا"۔ امام زیلعی نے حضرات علماء سے حکایت کرتے ہوئے جو الفاظ ذکر کیے وہ یہ ہیں ''زمین کے کسی جز کا، خاص اعضاء پر تطہیر کے ارادہ سے استعمال کرنا۔ (بدائع الصنائع، کتاب طہارت)

565-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ أَنَّهُ قَالَ سَقَطَ عِقْدُ عَائِشَةَ فَتَخَلَّفَتْ لِالْتِمَاسِهِ فَانْطَلَقَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى عَائِشَةَ فَتَغَيَّظَ عَلَيْهَا فِي حَبْسِهَا النَّاسَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الرُّخْصَةَ فِي التَّيَمُّمِ قَالَ فَمَسَحْنَا يَوْمَئِذٍ إِلَى الْمَنَاكِبِ قَالَ فَانْطَلَقَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَ مَا عَلِمْتُ إِنَّكِ لَمُبَارَكَةٌ

◆◆ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گر گیا' تو وہ اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور لوگوں کے ان کی وجہ سے رک جانے پر' ان پر ناراضگی کا اظہار کیا' تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کی رخصت کا حکم نازل کیا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اس دن ہم نے کندھوں تک مسح کیا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ارشاد فرمایا: مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم مبارک ہو۔

قرآن وحدیث سے تیمم کے ثبوت کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا) جب تم پانی نہ پاؤ تو تم پاکیزہ مٹی سے تیمم کرو۔

حکم تیمم کے زمانہ نزول کا بیان

حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں نکلے، جب بیداء یا ذات الجیش میں پہنچے (بیداء اور ذات الجیش خیبر اور مدینہ کے درمیان مقام کے نام ہیں) تو میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ڈھونڈنے کے لئے ٹھہر گئے۔ لوگ بھی ٹھہر گئے۔ وہاں پانی نہ تھا اور نہ لوگوں کے پاس پانی تھا۔ لوگ سیدنا ابوبکر

565 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 317' ورقم الحدیث: 318' ورقم الحدیث: 319' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث: 571

رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم دیکھتے نہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کو ٹھہرایا ہے اور لوگوں کو بھی، جہاں پانی نہیں اور نہ ان کے پاس پانی ہے۔ یہ سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور رسول اللہ ﷺ اپنا سر میری ران پر رکھے سو گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ تو نے رسول اللہ ﷺ کو روک رکھا ہے اور لوگوں کو جہاں نہ پانی ہے اور نہ لوگوں کے پاس پانی ہے اور انہوں نے غصہ کیا اور جو اللہ نے چاہا وہ کہہ ڈالا اور میری کوکھ میں ہاتھ سے گھونسے مارنے لگے۔

میں ضرور ہلتی مگر رسول اللہ ﷺ کا سر میری ران پر تھا، اس وجہ سے میں نہ ہلی۔ پھر آپ ﷺ سوتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور پانی بالکل نہ تھا تب اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت اتاری تو سب نے تیمم کیا۔ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جو نقیبوں میں سے تھے، نے کہا کہ اے ابوبکر کی اولاد! یہ تمہاری کچھ پہلی برکت نہیں ہے (یعنی تمہاری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ مسلمانوں کو فائدہ دیا ہے، یہ بھی ایک نعمت تمہارے سبب سے ملی) اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی، تو ہار اس کے نیچے سے مل گیا۔ (بخاری، رقم الحدیث ۳۳۴)

566- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِىْ عُمَرَ الْعَدَنِىُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرٍو عَنِ الزُّهْرِىِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ تَيَمَّمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَنَاكِبِ

◄► حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کندھوں تک مسح کیا تھا۔

نبی کریم ﷺ کیلئے تمام روئے زمین کو طہارت کا ذریعہ بنا دینے کا بیان

567- حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ كَاسِبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِىْ حَازِمٍ ح و حَدَّثَنَا اَبُوْ اِسْحٰقَ الْهَرَوِىُّ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ جَمِيْعًا عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جُعِلَتْ لِىَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے' میرے لیے تمام روئے زمین کو نماز ادا کرنے کی جگہ اور طہارت کے حصول کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔

شرح

ساری زمین پر صلاۃ کی ادائیگی صحیح ہے، اور پاک کرنے والی کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک قسم کی زمین پر تیمم صحیح ہے، اور نبی اکرم ﷺ سے دیوار پر تیمم کرنا ثابت ہے، لیکن شافعی اور احمد اور ابوداود کے یہاں زمین سے مٹی مراد ہے، اور مالک، ابوحنیفہ، عطاء، اوزاعی اور ثوری کا قول ہے کہ تیمم زمین پر اور زمین کی ہر چیز پر درست ہے، مگر امام مسلم کی ایک روایت میں تربت کا لفظ ہے، اور ابن خزیمہ کی روایت میں تراب کا، اور امام احمد اور بیہقی نے باسناد حسن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے. وجعل التراب لی طهوراً

566 اخرجه النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:314

567 اخرجه مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث:1163' اخرجه الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:1553

یعنی مٹی میرے لئے پاک کرنے والی کی گئی، اس سے ان لوگوں کی تائید ہوتی ہے، جو تیمم کو مٹی سے خاص کرتے ہیں، اور زمین کے باقی اجزاء سے تیمم کو جائز نہیں کہتے، اور قرآن میں جو صعید کا لفظ ہے اس سے بھی بعضوں نے مٹی مراد لی ہے، اور لغت والوں کا اس میں اختلاف ہے، بعضوں نے کہا: صعید روئے زمین کو کہتے ہیں، پس وہ زمین کے سارے اجزاء کو عام ہوگا۔

جنس ارض سے ہونے یا نہ ہونے کا قاعدہ فقہیہ

کل ما یحترق بالنار فیصیر رمادا اوینطبع اویلین فلیس من جنس الارض .

(عنایہ شرح الہدایہ، ج۱، ص ۱۹۵، بیروت)

ہر وہ چیز جو آگ سے جل کر راکھ ہو جائے یا ڈھل جائے یا نرم ہو وہ جنس زمین سے نہیں۔ جبکہ جوہرہ نیرہ کی میں اس قاعدہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ھو ما اذا طبع لاینطبع ولایلین واذا احرق لایصیر رمادا .

(جوہرہ نیرہ، ج۱، ص ۷۹، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ)

جنس زمین وہ ہے کہ ڈھالا جائے تو نہ ڈھلے اور نہ نرم ہو اور جب جلایا جائے تو راکھ نہ ہو۔

قاعدہ جنس ارض اکثریہ ہے کلیہ نہیں

الظاهر ان هذا اغلبی لاکلی فلایشکل بان البعض یحترق لاکبریت۔

ظاہر یہ ہے کہ حکم اکثری ہے کلی نہیں۔ اس لیے یہ اشکال نہ ہوگا کہ جنس زمین سے ایسی چیزیں بھی ہیں جو جل جاتی ہیں جیسے کبریت۔ (فتح المعین، بحث جنس ارض، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۹۱)

568- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ اَسْمَآءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنَاسًا فِيْ طَلَبِهَا فَاَدْرَكَتْهُمُ الصَّلٰوةُ فَصَلَّوْا بِغَيْرِ وُضُوْءٍ فَلَمَّا اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَكَوْا ذٰلِكَ اِلَيْهِ فَنَزَلَتْ اٰيَةُ التَّيَمُّمِ فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ جَزَاكِ اللّٰهُ خَيْرًا فَوَاللّٰهِ مَا نَزَلَ بِكِ اَمْرٌ قَطُّ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ لَكِ مَخْرَجًا وَّجَعَلَ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ بَرَكَةً

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: انہوں نے سیّدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک ہار ادھار لیا وہ گم ہو گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں میں سے کچھ کو اسے ڈھونڈنے کے لیے بھیجا۔ ان حضرات کی نماز کا وقت ہو گیا ان حضرات نے وضو کے بغیر نماز پڑھ لی جب یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس بات کی شکایت کی تو تیمم سے متعلق آیت نازل ہوئی:

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: (اے اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا) اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزاء عطا کرے۔ اللہ کی قسم! آپ کو

568 اخرجہ بخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 5164، ورقم الحدیث 3773، اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 815

جب بھی کوئی مشکل پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے نکلنے کا راستہ دیا اور مسلمانوں کے لئے اس میں برکت رکھ دی۔

تیمم کرنے کے مسنون طریقے کا بیان

پہلے بسم اللہ پڑھ کر تیمم کی نیت کی جائے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کسی ایسی مٹی پر جس کو نجاست نہ پہنچی ہو یا اس کی نجاست دھو کر زائل کر دی گئی ہو، ہتھیلیوں کی جانب سے کشادہ کر کے مار کر ملے اس کے بعد ہاتھوں کو اٹھا کر ان کی مٹی جھاڑ ڈالے اور پھر پورے دونوں ہاتھوں کو اپنے پورے منہ پر ملے اس طرح کہ کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہ جائے جہاں ہاتھ نہ پہنچے۔ پھر اسی طرح دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مار کر ملے پھر ان کی مٹی جھاڑ ڈالے اور بائیں ہاتھ کی تین انگلیاں سوائے کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے کے، داہنے ہاتھ کے انگلیوں کے سرے پر پشت کی جانب رکھ کر کہنیوں تک کھینچ لائے اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی بھی لگ جائے اور کہنیوں کا مسح بھی ہو جائے پھر باقی انگلیوں کو اور ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسری جانب رکھ کر انگلیوں تک کھینچا جائے، اسی طرح بائیں ہاتھ کا بھی مسح کرے۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمم کا یہی طریقہ ہے اور ایک ہی تیمم دونوں کے لیے کافی ہے۔ اگر دونوں کی نیت کر لی جائے۔

بَابُ: فِي التَّيَمُّمِ ضَرْبَةً وَّاحِدَةً

یہ باب تیمم میں ایک ضرب ہونے کے بیان میں ہے

569- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَرٍّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيهِ اَنَّ رَجُلًا اَتٰى عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَالَ اِنِّىْ اَجْنَبْتُ فَلَمْ اَجِدِ الْمَآءَ فَقَالَ عُمَرُ لَا تُصَلِّ فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ اَمَا تَذْكُرُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ اَنَا وَاَنْتَ فِیْ سَرِيَّةٍ فَاَجْنَبْنَا فَلَمْ نَجِدِ الْمَآءَ فَاَمَّا اَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّكْتُ فِى التُّرَابِ فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا اَتَيْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْكَ وَضَرَبَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْهِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ نَفَخَ فِيْهِمَا وَمَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ

سعید بن عبدالرحمٰن اپنے والد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں بتایا کہ ایک مرتبہ میں جنابت کا شکار ہو گیا اور مجھے پانی دستیاب نہیں ہو سکا تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ (جو اس وقت وہاں موجود تھے) نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! آپ کو یاد ہے ایک مرتبہ سفر کے دوران ہمیں بھی یہی صورت لاحق ہوئی تھی آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی اور میں نے زمین پر لوٹ پوٹ ہو

569: اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 338' ورقم الحدیث: 339' ورقم الحدیث: 340' ورقم الحدیث: 341' ورقم الحدیث: 342' ورقم الحدیث: 343' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 818' ورقم الحدیث: 819' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 322' ورقم الحدیث: 323' ورقم الحدیث: 324' ورقم الحدیث: 325' ورقم الحدیث: 326' ورقم الحدیث: 327' ورقم الحدیث: 328' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 144' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 311' ورقم الحدیث: 315' ورقم الحدیث: 316,317' ورقم الحدیث: 318

کر نماز پڑھ لی تھی اور جب میں نے اس بات کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا تھا: تمہارے لیے اتنا ہی کافی تھا' اور پھر نبی کریم ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر مار کر پہلے ان پر پھونک ماری پھر ان کے ذریعے اپنے چہرے اور بازوؤں کا مسح کیا۔

570- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ ابْنِ اَبِىْ لَيْلٰى عَنِ الْحَكَمِ وَسَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ اَنَّهُمَا سَاَلَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ اَبِىْ اَوْفٰى عَنِ التَّيَمُّمِ فَقَالَ اَمَرَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّارًا اَنْ يَّفْعَلَ هٰكَذَا وَضَرَبَ بِيَدَيْهِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ نَفَضَهُمَا وَمَسَحَ عَلٰى وَجْهِهٖ قَالَ الْحَكَمُ وَيَدَيْهِ وَقَالَ سَلَمَةُ وَمِرْفَقَيْهِ

ابن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں: حکم اور سلمہ بن کہیل نے حضرت عبداللہ بن ابواوفی رضی اللہ عنہ سے تیمم کے بارے میں دریافت کیا' تو انہوں نے بتایا: نبی کریم ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اس طرح کرنے کا حکم دیا تھا' پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے پھر ان پر پھونک ماری اور پھر انہیں اپنے چہرے پر پھیر لیا۔

حکم نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے' انہوں نے دونوں بازوؤں پر پھیرا' جب کہ سلمہ نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے' دونوں کہنیوں پر پھیرا۔

تیمم کی ضربوں میں مذاہب اربعہ کا بیان

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ تیمم کے لیے دو ضربیں یا ایک ضرب ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ تیمم کے لیے دو ضربیں ہیں یعنی پاک مٹی یا اس کے قائم مقام مثلاً پاک چونے اور پتھر وغیرہ پر دو دفعہ ہاتھ مارنا چاہئے ایک ضرب تو منہ کے لیے ہے اور دوسری ضرب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لیے۔ حضرت امام شافعی کا بھی مختار مسلک یہی ہے اور بعض حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

لیکن حضرت امام احمد بن حنبل کا مشہور مسلک اور حضرت امام شافعی کا قدیم قول یہ ہے کہ تیمم ایک ہی ضرب ہے یعنی تیمم کرنے والے کو چاہئے کہ ایک ہی مرتبہ پاک مٹی وغیرہ پر ہاتھ مار کر اسے منہ اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں پر پھیر لے، حضرت امام اوزاعی، عطاء اور مکحول سے بھی یہی منقول ہے۔ دونوں فریقین کے مذہب و مسلک کی تائید میں احادیث منقول ہیں۔ جن پر علامہ ابن ہمام کی جرح وتعدیل ہم ذکر کر رہے ہیں۔

حدیث ضربتان پر جرح وتعدیل کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو انہی الفاظ "اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ، ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ" امام حاکم اور امام دار قطنی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

570 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

امام حاکم نے اس سند پر سکوت کیا ہے اور کہا ہے کہ میں اس حدیث کو علی بن ظبیان کے سوا عبید اللہ کو نہیں جانتا۔اور وہ صدوق راوی ہے۔امام یحیٰ بن قطعان، ہشیم وغیرہما نے ان کے بارے میں توقف کیا ہے۔

علامہ ابن عدی نے امام نسائی اور ابن معین سے ابن ظبیان کا ضعف نقل کیا ہے۔جبکہ ان الفاظ کے سوا امام حاکم اور امام دار قطنی نے یہ حدیث بیان کی ہے۔جس کو عثمان بن محمد انماطی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:(اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلذِّرَاعَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ)

امام حاکم نے کہا ہے یہ صحیح الاسناد حدیث ہے لیکن امام بخاری ومسلم نے اس کی تخریج نہیں کی۔امام دار قطنی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔

علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ عثمان کے بارے میں تکلم کیا گیا ہے کہ ان کی روایت کو رد کیا گیا ہے۔اور اس حدیث کو حضرت عمار رضی اللہ عنہ والی حدیث پر محمول کیا گیا ہے۔اور وہ حدیث یہ ہے۔

(عَمَّارٍ بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ إِلَى أَنْ قَالَ : فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا يَكْفِيكَ أَنْ تَقُولَ بِيَدَيْكَ هَكَذَا ، ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ ضَرْبَةً ، ثُمَّ مَسَحَ الشِّمَالَ عَلَى الْيُمْنَى وَظَاهِرَ كَفَّيْهِ وَوَجْهَهُ)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے کسی کام کیلئے یہ کہتے ہوئے بھیجا کہ تیرے بدن کیلئے یہ کافی ہے۔پھر آپ نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا۔اور بائیں سے دائیں کا مسح اور ہتھیلیوں کے ظاہر اور چہرے کا مسح کیا۔

امام مالک کا مذہب حقیقی یہی ہے کہ کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ کسی چیز کے جزء کا اطلاق کل پر کرنا ہی یہاں مراد ہے۔یعنی کفین ذراعین سے مراد کل ہے۔اور وقت کے اندر اس کا اعادہ کیا جائے گا۔

یہاں مراد دونوں ضربوں کا ظاہر ہے اور اسی پر اکثر امت کا عمل ہے۔لہٰذا اس حدیث کو حدیث عمار پر ترجیح دی جائے گی۔کیونکہ امت نے اس حدیث کو ہی قبول کیا ہے۔اور دوسری روایت سے اعراض کیا ہے۔یہی اس کی وجہ ترجیح ہے۔

ضربتان کا قول یہ فائدہ دیتا ہے کیونکہ ضرب ایک رکن ہے۔جس کا تقاضہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھوں کا مسح کیا جائے کیونکہ اس کے بعد چہرے کا مسح کرنا ہے اور اگر پہلے ہاتھوں کا مسح نہ کیا تو وہ ضرب حادث ہو جائے گی (جیسا ماء مستعمل میں ہوتا ہے لہٰذا اسی طرح مسح کو دوسرے عضو پر کرنے سے پہلے ہاتھوں کا مسح کر کے حدث کو دور کرنا ضروری ہے)۔لہٰذا یہ اسی طرح رکن ہو گیا جس طرح وضو کے اراکین کو ایک رکن کے بعد دوسرے رکن کو دھویا جاتا ہے۔اسی طرح سید ابو شجاع نے کہا ہے۔

قاضی "وَقَالَ الْقَاضِي الْإِسْبِيجَابِيُّ " نے کہا ہے کہ جس طرح حدث والے ہاتھ میں پانی لیا جاتا ہے پھر اسے استعمال کیا جاتا ہے۔اسی طرح تیمم کی ضرب میں بھی جائز ہے۔(فتح القدیر، ج ۱، ص ۲۴۴، بیروت)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی فرماتے ہیں کہ ایک شخص عمر بن خطاب کے پاس آیا اور کہا میں جنبی ہو گیا اور پانی نہیں مل رہا تو عمر نے فرمایا نماز مت پڑھو تو عمار بن یاسر نے کہا امیر المؤمنین! آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک سریہ میں تھے کہ جنبی ہو گئے اور پانی

نہ ملاتو آپ نے نمازہی نہیں پڑھی اور میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ ہوکر نماز پڑھ لی۔ پھر جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہواتو میں نے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا تمہارے لئے اتنا کافی تھا اور آپ نے اپنا ہاتھ زمین پر لگائے پھر ان پر پھونک ماری اور ان کو چہرہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی مضطرب روایات کا بیان

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ایک سفر میں تیمم کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہنیوں تک مسح کرو۔ (سنن ابوداؤد، ۳۲۸، معرفۃ السنن، ۳۲۵)

حضرت عبیداللہ بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کندھوں تک تیمم کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، ۵۶۶، سنن ابوداؤد، ۳۲۰)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں صرف اس طرح کرنا کافی ہے آپ نے اپنے ہاتھ کو زمین پر مٹی کی طرف مارا۔ پھر اس پر پھونک ماری اور اپنے چہرے پر اور ہاتھوں کے جوڑ تک مسح کیا اس میں کلائیوں کا ذکر نہیں۔

(صحیح ابن خزیمہ، ۲۷۰، سنن ابوداؤد، ۳۲۶)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پھونک ماری اور اس کے ساتھ اپنے چہرے اور ہتھیلیوں پر کہنیوں تک یا کلائیوں تک مسح کیا۔ (سنن ابوداؤد، ۳۲۵)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے منسوب جس قدر بھی روایت موجود ہیں اور جن کو ائمہ حدیث نے ذکر کیا ہے ان کے متن میں شدید اضطراب ہے ہم نے چند ایک کو مثال کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اور بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اس قدر اضطراب والی روایات سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں جس طرح فقہاء احناف نے دلائل ذکر کیے ہیں۔ وہی اصل وصحیح ہیں۔ اور ان کی ہی اتباع وپیروی کی جائے گی۔

حضرت امام اعظم، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا مسلک چونکہ یہ ہے کہ تیمم کے لیے مٹی پر دومرتبہ ہاتھ مارنا چاہئے ایک مرتبہ تو منہ پر پھیرنے کے لیے اور دوسری مرتبہ کہنیوں تک ہاتھوں پر پھیرنے کے لیے اس لیے حضرت شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی توجیہ یہ فرماتے ہیں کہ

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف یہ تھا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو مٹی پر ہاتھ مارنے کی کیفیت وصورت دکھادیں کہ جنابت کے لیے تیمم اس طرح کرلیا کرو مٹی میں لوٹ پوٹ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد پورے تیمم کی کیفیت بیان کرنا نہیں تھا اس لیے حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے بھی روایت حدیث کے وقت ایک مرتبہ ہاتھ مارنے ہی کو بطور تعلیم ذکر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کے علاوہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے جو روایتیں تیمم کے بارے میں منقول ہیں ان میں صراحت کے ساتھ دومرتبہ ہی ہاتھ مارنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

بَابُ: فِي التَّيَمُّمِ ضَرْبَتَيْنِ

یہ باب تیمم میں دوضربیں ہونے کے بیان میں ہے

571- حَدَّثَنَا أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ أَنْبَأَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ حِينَ تَيَمَّمُوا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ الْمُسْلِمِينَ فَضَرَبُوا بِأَكُفِّهِمُ التُّرَابَ وَلَمْ يَقْبِضُوا مِنَ التُّرَابِ شَيْئًا فَمَسَحُوا بِوُجُوهِهِمْ مَسْحَةً وَاحِدَةً ثُمَّ عَادُوا فَضَرَبُوا بِأَكُفِّهِمُ الصَّعِيدَ مَرَّةً أُخْرَى فَمَسَحُوا بِأَيْدِيهِمْ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' جب ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تیمم کیا' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی ہتھیلیاں مٹی پر ماریں لیکن مٹی مٹھی میں نہ لیں' پھر ان ہاتھوں کو ایک مرتبہ اپنے چہرے پر پھیر لیں پھر دوبارہ زمین پر ماریں اور اسکے ذریعے اپنے بازوؤں پر مسح کر لیں۔

تیمّم کی دوضربوں کے اختلاف میں مذاہب اربعہ

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ تیمم کے لیے دوضربیں یا ایک ضرب ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام ابویوسف، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ تیمم کے لیے دوضربیں ہیں یعنی پاک مٹی یا اس کے قائم مقام مثلاً پاک چونے اور پتھر وغیرہ پر دو دفعہ ہاتھ مارنا چاہئے ایک ضرب تو منہ کے لیے ہے اور دوسری ضرب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لیے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مختار مسلک یہی ہے اور بعض حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

لیکن حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مسلک اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم قول یہ ہے کہ تیمم ایک ہی ضرب ہے یعنی تیمم کرنے والے کو چاہئے کہ ایک ہی مرتبہ پاک مٹی وغیرہ پر ہاتھ مار کر اسے منہ اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں پر پھیر لے، حضرت امام اوزاعی، عطاء اور مکحول رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی منقول ہے۔

بَابُ: فِي الْمَجْرُوحِ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ فَيَخَافُ عَلَى نَفْسِهِ إِنِ اغْتَسَلَ

یہ باب جب کسی زخمی شخص کو جنابت لاحق ہو جائے

اور غسل کرنے کی صورت میں اسے اپنی جان کے حوالے سے اندیشہ ہو

572- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ حَبِيبِ بْنِ أَبِي الْعِشْرِينَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ

572 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يُخْبِرُ أَنَّ رَجُلًا أَصَابَهُ جُرْحٌ فِي رَأْسِهِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَصَابَهُ احْتِلَامٌ فَأُمِرَ بِالِاغْتِسَالِ فَاغْتَسَلَ فَكُزَّ فَمَاتَ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ أَوَلَمْ يَكُنْ شِفَاءَ الْعِيِّ السُّؤَالُ

قَالَ عَطَاءٌ وَبَلَغَنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ غَسَلَ جَسَدَهُ وَتَرَكَ رَأْسَهُ حَيْثُ أَصَابَهُ الْجِرَاحُ

◆◆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یہ بات بیان کرتے ہیں: ایک شخص کو سر میں زخم لگ گیا' یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کی بات ہے پھر اسے احتلام لاحق ہوا تو اسے غسل کرنے کا حکم دیا گیا' اس شخص نے غسل کیا' تو سردی کی وجہ سے بیمار ہو کر انتقال کر گیا' جب اس بات کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں نے اس کو قتل کر دیا ہے' اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو برباد کرے' کیا جاہل کے لیے پوچھ لینا شفا نہیں ہے۔

عطاء نامی راوی نے یہ بات بیان کی ہے' ہم تک یہ روایت پہنچی ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا' اگر وہ شخص اپنے جسم کو دھو لیتا اور سر کو چھوڑ دیتا یعنی اس جگہ کو (جہاں اس کو زخم لگا تھا' تو یہ مناسب تھا)

تیمم کا معذور کے وضو کی طرح نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے۔ اگرچہ وہ دس برس تک پانی نہ پائے اور جس وقت مل جائے تو بدن دھو لینا چاہئے کیونکہ یہ بہتر ہے۔ (مسند احمد بن حنبل جامع ترمذی، سنن ابوداؤد) اور نسائی نے بھی اسی طرح کی روایت عشر سنین تک نقل کی ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 498)

دس برس کی مدت تحدید کے لیے نہیں ہے بلکہ کثرت کے لیے ہے یعنی اگر اتنے طویل عرصے تک بھی پانی نہ ملے تو غسل یا وضو کے لیے تیمم کیا جاسکتا ہے اور پھر بعد میں جب بھی اتنا پانی مل جائے جو غسل یا وضو کے لیے کافی ہو اور پینے کی ضرورت سے زیادہ ہو نیز اس کے استعمال پر قادر بھی ہو تو غسل کرنا یا وضو کرنا چاہئے کیونکہ اس صورت میں غسل یا وضو واجب ہوگا تیمم جائز نہیں ہوگا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کا وقت ختم ہو جانے پر تیمم نہیں ٹوٹتا بلکہ اس کا حکم وضو (جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے وضو کا تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے اور جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے ان سے غسل کا تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔) کی طرح ہے کہ جس طرح جب تک وضو نہ ٹوٹے ایک وضو سے جتنے فرض یا نفل چاہے پڑھ سکتا ہے اسی طرح ایک تیمم سے بھی کئی وقت کی نماز پڑھی جاسکتی ہیں چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیمم معذور کے وضو کی طرح ہے کہ جس طرح نماز کا وقت گزر جانے سے معذور کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح نماز کا وقت ختم ہو جانے پر تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کئی راویوں نے اسے خالد حذاء انہوں نے ابوقلابہ انہوں نے عمرو بن بجدان اور انہوں نے ابوذر سے اسی طرح بیان کیا ہے یہ حدیث ایوب نے ابوقلابہ انہوں نے بنی عامر کے ایک شخص اور انہوں نے ابوذر سے نقل کی ہے

اوراس شخص کا نام نہیں لیا اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تمام فقہاء کا یہی قول ہے کہ اگر جنبی اور حائضہ کو پانی نہ ملے تو تیمم کرلیں اور نماز پڑھیں ابن مسعود جنبی کے لئے تیمم کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ پانی نہ ملتا ہو ان سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے اس قول سے رجوع کرلیا اور فرمایا کہ اگر پانی نہ ملے تو تیمم کرلے اور یہی سفیان ثوری، مالک، شافعی، احمد اور اسحاق کا ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، 118)

مقصود کا خلیفہ غیر مقصود کے خلیفہ کو ساقط کرنے کا قاعدہ فقہیہ

مقصود کا خلیفہ غیر مقصود کے خلیفہ کو ساقط کردیتا ہے۔ اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ جب کسی فقہی مسئلہ میں عبادت غیر مقصودہ کا خلیفہ یعنی وضو کا خلیفہ عبادت مقصودہ یعنی نماز جمعہ جس کا خلیفہ نماز ظہر ہے۔ اس مسئلہ میں جمعہ عبادت مقصودہ میں سے ہے۔ قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ جس طرح نماز عید یا جنازہ کے فوت ہونے کی وجہ سے تیمم مباح ہوا تھا اسی طرح فوت جمعہ اور عام نماز کے وقت کے فوت ہونے کی وجہ سے بھی تیمم مباح ہونا چاہیے۔ لیکن اس جواب فقہاء نے یہ دیا ہے کہ نماز جمعہ اور عام نمازوں کا خلیفہ موجود ہے۔ یعنی نماز جمعہ کا خلیفہ نماز ظہر ہے اور عام نمازوں کا خلیفہ قضاء نمازیں ہیں۔ یہ جو جمعہ کا خلیفہ ظہر اور عام نمازوں کا خلیفہ قضاء نماز ہے اس خلیفہ نے وضو کے خلیفہ کو ساقط کردیا لہٰذا حکم یہ ہوگا ہر وہ عبادت جو اپنا خلیفہ رکھتی ہے اس کیلئے تیمم کرنا جائز نہیں۔

عام نمازوں کا خلیفہ ہونے کے باوجود حکم تیمم کا بیان

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر خلیفہ والی عبادت کیلئے تیمم کی عدم اباحت کا اعتبار کرلیا جائے تو اس طرح کسی بھی نماز کیلئے تیمم مباح نہ ہوگا۔ کیونکہ تمام عمومی نمازوں کا خلیفہ قضاء موجود ہے۔ سوائے جنازہ وعیدین کے تو اس کا جواب یہ ہے۔ عام نمازیں جن کیلئے تیمم مباح ہوا تو ان میں وقت کی قید ہے۔ یعنی اگر ان نمازوں کیلئے تیمم مباح نہ ہو تو ساری نمازیں قضاء ہو جائیں گی۔ اور یہ قضاء جائز نہیں۔ لہٰذا عام نمازوں کی قضاء اس طرح نہیں ہے جس طرح نماز ظہر نماز جمعہ کا خلیفہ ہے۔ (ابن صادق رضوی عفی لہ)

بَابُ: مَا جَآءَ فِي الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ

یہ باب غسل جنابت کے بارے میں ہے

غسل جنابت کرنے کا بیان

573- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ خَالَتِهِ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَاغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ فَاَكْفَاَ الْاِنَاءَ بِشِمَالِهِ عَلٰى يَمِيْنِهِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ اَفَاضَ عَلٰى فَرْجِهِ ثُمَّ دَلَكَ يَدَهُ بِالْاَرْضِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلٰثًا وَّذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ اَفَاضَ الْمَاءَ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِهٖ ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنی خالہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے لیے پانی رکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل جنابت کرتے ہوئے اپنے بائیں ہاتھ کے ذریعے برتن سے پانی اپنے دائیں ہاتھ پر انڈیلا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ تین مرتبہ دھوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شرمگاہ پر پانی بہایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو زمین پر ملا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی، ناک میں پانی ڈالا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا پھر دونوں بازوؤں کو تین مرتبہ دھویا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پورے جسم پر پانی بہایا اور پھر ذرا ہٹ کے اپنے دونوں پاؤں دھو لیے۔

574- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ اَبِی الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ سَعِيدٍ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَيْرٍ التَّيْمِيُّ قَالَ انْطَلَقْتُ مَعَ عَمَّتِي وَخَالَتِي فَدَخَلْنَا عَلٰی عَائِشَةَ فَسَأَلْنَاهَا كَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ غُسْلِهِ مِنَ الْجَنَابَةِ قَالَتْ كَانَ يُفِيضُ عَلٰی كَفَّيْهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يُدْخِلُهَا فِي الْإِنَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ رَأْسَهُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يُفِيضُ عَلٰی جَسَدِهٖ ثُمَّ يَقُوْمُ إِلَى الصَّلٰوةِ وَاَمَّا نَحْنُ فَإِنَّا نَغْسِلُ رُؤُسَنَا خَمْسَ مَرَّاتٍ مِنْ اَجْلِ الضَّفْرِ

جمیع بن عمیر تیمی بیان کرتے ہیں: میں اپنی پھوپھی اور خالہ کے ساتھ گیا' ہم لوگ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے' ہم نے ان سے سوال کیا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کیسے کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دونوں ہتھیلیوں پہ تین مرتبہ پانی انڈیلتے تھے (یعنی انہیں دھوتے تھے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں برتن میں داخل کرتے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر کو تین مرتبہ دھوتے تھے پھر پورے جسم پر پانی بہا لیتے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے' تو چونکہ ہم نے مینڈھیاں بنائی ہوتی ہیں اس لیے ہم اپنے سر کو پانچ مرتبہ دھوتی ہیں۔

شرح: جنابت دور کرنے کیلئے غسل کرنے کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب غسل جنابت (یعنی ناپاکی کو دور کرنے کے لئے غسل) کا ارادہ فرماتے تو (غسل) اس طرح شروع فرماتے کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھ (پہنچوں تک) دھوتے پھر وضو کرتے جس طرح نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے پھر انگلیاں (تر ہونے کے لئے) پانی میں ڈالتے پھر انہیں نکال کر ان (انگلیوں کی تری) سے اپنے بالوں کی جڑوں میں خلال فرماتے پھر دونوں ہاتھوں سے تین چلو (پانی لے کر) سر پر ڈالتے اور پھر اپنے تمام بدن پر پانی بہاتے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل) شروع کرتے تو اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے پھر اپنی شرم گاہ کو دھوتے اور اس کے بعد وضو کرتے۔

(مشکوۃ شریف۔ جلد اول: رقم الحدیث، 408)

574 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 241

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے غسل کے طریقہ کو بتا رہی ہیں کہ جب آپ ناپاکی دور کرنے کے لئے غسل فرماتے تو اس کا طریقہ کیا ہوتا تھا؟ چنانچہ آپ فرما رہی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل شروع کرتے تو سب سے پہلے پہنچوں تک اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے تھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح وضو فرماتے جیسے کہ نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے، یعنی اگر آپ کسی ایسی جگہ غسل فرماتے کہ جہاں پاؤں رکھنے کی جگہ پانی جمع نہیں ہوتا مثلاً کسی تخت یا پتھر پر کھڑے ہو کر نہاتے تو وہ پورا وضو فرماتے اور اگر کسی ایسی جگہ نہاتے جہاں کوئی گڑھا وغیرہ ہوتا کہ اس کی وجہ سے پاؤں کے پاس پانی جمع رہتا تھا تو اس شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے وقت پاؤں نہیں دھوتے بلکہ غسل سے فراغت کے بعد اس جگہ سے ہٹ کر پیر دھوتے تھے۔ جیسا کہ اس کے بعد آنے والی حدیث سے وضاحت ہو رہی ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں بھی لکھا ہے کہ اسی طرح کرنا چاہئے یعنی اگر غسل کے وقت پاؤں رکھنے کی جگہ پانی جمع نہ ہوتا ہو تو وضو مکمل کرنا چاہیے اور اگر پاؤں کے پاس پانی جمع ہوتا ہو تو پھر اس وقت پاؤں نہ دھوئے جائیں بلکہ غسل سے فارغ ہو کر وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ پر پیر دھوئے جائیں۔ اس جگہ نکتہ کے طور پر یہ بھی سن لیجئے کہ طبرانی کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی احتلام نہیں ہوا اور نہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو احتلام ہوا تھا۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِي الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ

یہ باب غسل جنابت کے حکم کے بیان میں ہے

575- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ تَمَارَوْا فِي الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَّا اَنَا فَاُفِيْضُ عَلٰى رَاْسِيْ ثَلٰثَ اَكُفٍّ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے غسل جنابت کے بارے میں بحث کی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تو اپنے سر پر تین لپ پانی بہا لیتا ہوں۔

576- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ ح و حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ جَمِيْعًا عَنْ فُضَيْلِ بْنِ مَرْزُوْقٍ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَهٗ عَنِ الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ فَقَالَ ثَلٰثًا فَقَالَ الرَّجُلُ اِنَّ شَعْرِيْ كَثِيْرٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَكْثَرَ شَعْرًا مِنْكَ وَاَطْيَبَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک شخص نے ان سے غسل جنابت کے بارے میں دریافت کیا' تو انہوں نے فرمایا: تین مرتبہ (جسم کو دھویا جائے گا) اس شخص نے کہا' میرے تو بال بہت زیادہ

575 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 254' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 738' ورقم الحدیث: 739' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 239' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 250' ورقم الحدیث: 423

576 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

ہیں تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تم سے زیادہ تھے اور وہ تم سے زیادہ پاکیزہ تھے۔

577-حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا فِي أَرْضٍ بَارِدَةٍ فَكَيْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا أَنَا فَأَحْثُو عَلَى رَأْسِي ثَلَاثًا

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد (امام محمد باقر رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ٹھنڈے علاقے میں رہتا ہوں تو میں غسل جنابت کس طرح کروں؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تو اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہالیتا ہوں۔

578-حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ سَأَلَهُ رَجُلٌ كَمْ أُفِيضُ عَلَى رَأْسِي وَأَنَا جُنُبٌ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْثُو عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ قَالَ الرَّجُلُ إِنَّ شَعْرِي طَوِيلٌ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ شَعْرًا مِنْكَ وَأَطْيَبَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے ایک شخص نے ان سے دریافت کیا: میں اپنے سر پر کتنی مرتبہ پانی بہاؤں جب میں جنابت کی حالت میں ہوتا ہوں؟ تو انہوں نے جواب دیا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہاتے تھے وہ شخص بولا میرے بال تو لمبے ہیں تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تم سے زیادہ تھے اور وہ زیادہ پاکیزہ تھے۔

بَابُ: فِي الْوُضُوءِ بَعْدَ الْغُسْلِ

یہ باب غسل کے بعد وضو کرنے کے بیان میں ہے

غسل جنابت کے بعد وضو نہ کرنے کا بیان

579-حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَامِرِ بْنِ زُرَارَةَ وَإِسْمَعِيلُ بْنُ مُوسَى السُّدِّيُّ قَالُوا حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔

577 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 741

578 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

579 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 107 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 252 ورقم الحدیث: 428

بَابُ: فِي الْجُنُبِ يَسْتَدْفِئُ بِامْرَاَتِهٖ قَبْلَ اَنْ تَغْتَسِلَ

یہ باب جنبی شخص کا اپنی بیوی کے غسل کرنے سے پہلے اس کے جسم کو ساتھ لگا لینے میں ہے

580-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ حُرَيْثٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ يَسْتَدْفِئُ بِىْ قَبْلَ اَنْ اَغْتَسِلَ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرنے کے بعد تشریف لاتے اور میرے جسم سے گرمی حاصل کرنا چاہتے تھے تو میں آپ کو اپنے ساتھ چمٹا لیتی تھی حالانکہ میں نے غسل نہیں کیا ہوتا تھا۔

بَابُ: فِي الْجُنُبِ يَنَامُ كَهَيْئَتِهٖ لَا يَمَسُّ مَاءً

یہ باب جنبی کا پانی استعمال کیے بغیر ہی سو جانے کے بیان میں ہے

581-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجْنِبُ ثُمَّ يَنَامُ وَلَا يَمَسُّ مَاءً حَتّٰى يَقُوْمَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَيَغْتَسِلَ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں سو جایا کرتے تھے' آپ پانی استعمال نہیں کرتے تھے (یعنی غسل نہیں کرتے تھے) پھر آپ بیدار ہونے کے بعد غسل کرتے تھے۔

582-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كَانَتْ لَهٗ اِلٰى اَهْلِهٖ حَاجَةٌ قَضَاهَا ثُمَّ يَنَامُ كَهَيْئَتِهٖ لَا يَمَسُّ مَاءً

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اہلیہ کے ساتھ جو حاجت ہوتی تھی اسے پورا کرتے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں سو جایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی استعمال نہیں کرتے تھے۔

583-حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِىْ اِسْحٰقَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُجْنِبُ ثُمَّ يَنَامُ كَهَيْئَتِهٖ لَا يَمَسُّ مَاءً قَالَ سُفْيَانُ فَذَكَرْتُ الْحَدِيْثَ يَوْمًا فَقَالَ لِىْ اِسْمٰعِيْلُ يَا فَتٰى يُشَدُّ هٰذَا الْحَدِيْثُ بِشَىْءٍ

---

580 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 123

581 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:118

582 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

583 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 228' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:119

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنابت لاحق ہو جاتی تھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں سو جایا کرتے تھے اور پانی استعمال نہیں کرتے تھے۔

اس روایت کے ایک راوی سفیان کہتے ہیں: ایک دن میں نے یہ حدیث ذکر کی تو اسماعیل نے مجھ سے کہا' اے نوجوان! اس روایت کو کسی چیز کے ذریعے باندھا جاسکتا ہے۔

بَابُ: مَنْ قَالَ لَا يَنَامُ الْجُنُبُ حَتّٰى يَتَوَضَّاَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ

یہ باب جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ جنبی اس وقت تک نہیں سو سکتا جب تک وہ نماز کے وضو کی طرح وضو نہیں کر لیتا

584- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ الْمِصْرِىُّ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِىِّ عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّنَامَ وَهُوَ جُنُبٌ تَوَضَّاَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنابت کی حالت میں سونا ہوتا تھا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے وضو کی طرح وضو کر لیتے تھے۔

585- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِىٍّ الْجَهْضَمِىُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَرْقُدُ اَحَدُنَا وَهُوَ جُنُبٌ قَالَ نَعَمْ اِذَا تَوَضَّاَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: کیا ہم میں سے کوئی ایک شخص جنابت کی حالت میں سو سکتا ہے' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جی ہاں! جب وہ وضو کر لے۔

586- حَدَّثَنَا اَبُوْ مَرْوَانَ الْعُثْمَانِىُّ مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِىِّ اَنَّهٗ كَانَ تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ بِاللَّيْلِ فَيُرِيْدُ اَنْ يَّنَامَ فَاَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَوَضَّاَ ثُمَّ يَنَامَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے' ایک مرتبہ انہیں رات کے وقت جنابت لاحق ہو گئی' انہوں نے سونے کا ارادہ کیا' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت کی وہ وضو کر کے سوئیں۔

584: اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 697' ورقم الحدیث: 222' ورقم الحدیث: 223' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 256' ورقم الحدیث: 257' ورقم الحدیث 258' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث: 593

585 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

586 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بَابُ: فِي الْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ الْعَوْدَ تَوَضَّأَ

یہ باب جنبی کے دوبارہ ارادہ صحبت پر وضو کے بیان میں ہے

587- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَعُودَ فَلْيَتَوَضَّأْ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرے اور دوبارہ کرنا چاہے' تو اسے پہلے وضو کر لینا چاہیے''۔

بَابُ: مَا جَاءَ فِيمَنْ يَغْتَسِلُ مِنْ جَمِيعِ نِسَائِهِ غُسْلًا وَاحِدًا

باب جب کوئی شخص تمام بیویوں سے صحبت کرنے کے بعد ایک ہی مرتبہ غسل کرے

588- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ وَأَبُو أَحْمَدَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ فِي غُسْلٍ وَاحِدٍ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ اپنی تمام ازواج کے ساتھ صحبت کرنے کے بعد ایک ہی مرتبہ غسل کرتے تھے۔

589- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِي الْأَخْضَرِ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ وَضَعْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَاغْتَسَلَ مِنْ جَمِيعِ نِسَائِهِ فِي لَيْلَةٍ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے لیے غسل کا پانی رکھا گیا' تو آپ ﷺ نے ایک رات میں اپنی تمام ازواج کے ساتھ صحبت کرنے کے بعد غسل کیا۔

بَابُ: فِيمَنْ يَغْتَسِلُ عِنْدَ كُلِّ وَاحِدَةٍ غُسْلًا

باب جو شخص ہر ایک اہلیہ کے ساتھ صحبت کرنے کے بعد غسل کرے

590- حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَنْبَأَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَٰنِ بْنُ أَبِي رَافِعٍ

---

587 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 705' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 220' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 141' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 262

588 اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 140' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 264

589 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

590: اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 219

عَنْ عَمَّتِهِ سَلْمَى عَنْ اَبِي رَافِعٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ عَلٰى نِسَائِهِ فِي لَيْلَةٍ وَّكَانَ يَغْتَسِلُ عِنْدَ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ فَقِيلَ لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَلَا تَجْعَلُهُ غُسْلًا وَّاحِدًا فَقَالَ هُوَ اَزْكٰى وَاَطْيَبُ وَاَطْهَرُ

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج کے ساتھ صحبت کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہر ایک کے ہاں غسل کرتے رہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مرتبہ آخر میں (غسل کیوں نہیں کیا؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ زیادہ پاکیزہ' زیادہ صاف اور زیادہ پاک ہے۔

بَابُ: فِي الْجُنُبِ يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ

یہ باب جنبی شخص کا کھانے پینے کے بیان میں ہے

591-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ وَغُنْدَرٌ وَّوَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ اِبْرٰهِيمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّاْكُلَ وَهُوَ جُنُبٌ تَوَضَّاَ

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کی حالت میں کچھ کھانے کا ارادہ کرتے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر لیتے تھے۔

592-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ هَيَّاجٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيلُ بْنُ صُبَيْحٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُوَيْسٍ عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْجُنُبِ هَلْ يَنَامُ اَوْ يَاْكُلُ اَوْ يَشْرَبُ قَالَ نَعَمْ اِذَا تَوَضَّاَ وُضُوئَهُ لِلصَّلٰوةِ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنبی شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا: کیا وہ سو سکتا ہے یا کچھ کھا سکتا ہے یا کچھ پی سکتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں' جب وہ نماز کے وضو کی طرح وضو کر لے۔

بَابُ: مَنْ قَالَ يُجْزِئُهُ غَسْلُ يَدَيْهِ

یہ باب جنبی کیلئے صرف ہاتھ دھونے کی کفایت والے کے بیان میں ہے

593-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ

591 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 698' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 224' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 255

592 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّاْكُلَ وَهُوَ جُنُبٌ غَسَلَ يَدَيْهِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم ﷺ نے جب کچھ کھانا ہوتا اور آپ ﷺ اس وقت جنابت کی حالت میں ہوتے تو آپ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ دھو لیتے تھے۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِيْ قِرَائَةِ الْقُرْاٰنِ عَلٰى غَيْرِ طَهَارَةٍ

یہ باب وضو کے بغیر تلاوت قرآن کے بیان میں ہے

594-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْتِي الْخَلَاءَ فَيَقْضِي الْحَاجَةَ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيَاْكُلُ مَعَنَا الْخُبْزَ وَاللَّحْمَ وَيَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ وَلَا يَحْجُبُهُ وَرُبَّمَا قَالَ لَا يَحْجُزُهُ عَنِ الْقُرْاٰنِ شَيْءٌ اِلَّا الْجَنَابَةُ

عبداللہ بن سلمہ بیان کرتے ہیں: میں حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بتایا: نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تھے آپ ﷺ اپنی حاجت پوری کرتے تھے پھر واپس تشریف لا کر ہمارے ساتھ روٹی اور گوشت کھا لیتے تھے اور قرآن کی تلاوت بھی کر لیتے تھے۔ قرآن کی تلاوت سے کوئی چیز آپ کے لیے رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ (یہاں راوی نے ایک لفظ مختلف نقل کیا ہے) البتہ جنابت کا حکم مختلف ہے۔ (یعنی نبی کریم ﷺ جنابت کی حالت میں قرآن کی تلاوت نہیں کرتے تھے)

حالت جنابت میں قرأت قرآن سے ممانعت کا بیان

595-حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ الْجُنُبُ وَلَا الْحَائِضُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جنبی شخص اور حیض والی عورت قرآن نہیں پڑھ سکتے۔

حائض کیلئے تلاوت قرآن جائز نہ ہونے کا بیان

596-قَالَ اَبُو الْحَسَنِ وَحَدَّثَنَا اَبُوْ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْرَاُ الْجُنُبُ وَالْحَائِضُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْاٰنِ

---

594 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 229' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 146' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 265' ورقم الحدیث 266

595 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 131

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "جنبی شخص اور حیض والی عورت قرآن کی تلاوت بالکل نہ کریں"۔

بَابُ: تَحْتَ كُلِّ شَعَرَةٍ جَنَابَةٌ

یہ باب ہر بال کے نیچے جنابت ہونے کے بیان میں ہے

597- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ وَجِيهٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعَرَةٍ جَنَابَةً فَاغْسِلُوا الشَّعَرَ وَاَنْقُوا الْبَشَرَةَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے' تو تم بالوں کو دھویا کرو اور جلد کو صاف کیا کرو۔

شرح

اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ غسل جنابت میں سر کے بالوں کو اچھی طرح دھویا جائے تاکہ پانی بالوں کی جڑ میں پہنچ جائے اس لئے اگر پانی بالوں کی جڑ تک نہیں پہنچے گا تو پاکی حاصل نہیں ہوگی، چنانچہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اگر ایک بال کے نیچے کی بھی جگہ خشک رہ جائے گی تو غسل ادا نہ ہوگا۔ بالوں کے ساتھ ساتھ بدن کو بھی اچھی طرح دھونے کا حکم دیا جارہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نہانے کے وقت بدن کو خوب اچھی طرح مل کر میل وغیرہ کو صاف کرنا چاہئے اور پورے بدن پر پانی اس طرح بہانا چاہئے کہ بدن کا کوئی حصہ بھی خشک نہ رہ جائے کیونکہ اگر بدن پر خشک مٹی، آٹا یا موم وغیرہ لگا رہا اس کے نیچے پانی نہ پہنچا تو ناپاکی دور نہ ہوگی۔

598- حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنِي عُتْبَةُ بْنُ اَبِي حَكِيمٍ حَدَّثَنِي طَلْحَةُ بْنُ نَافِعٍ حَدَّثَنِي اَبُو اَيُّوبَ الْاَنْصَارِيُّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَى الْجُمُعَةِ وَاَدَاءُ الْاَمَانَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهَا قُلْتُ وَمَا اَدَاءُ الْاَمَانَةِ قَالَ غُسْلُ الْجَنَابَةِ فَاِنَّ تَحْتَ كُلِّ شَعَرَةٍ جَنَابَةً

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: "پانچ نمازیں' ایک جمعے سے لے کر دوسرے جمعے تک' امانت کو ادا کرنا' یہ سب درمیان میں ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں"۔ (راوی کہتے ہیں:) میں نے دریافت کیا: امانت کو ادا کرنے سے کیا مراد ہے' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غسل جنابت کرنا' کیونکہ ہر بال کے نیچے جنابت ہوتی ہے۔

---

597 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 248' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 106

598 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

غسل جنابت احتیاط کے ساتھ کرنے کا بیان

599- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا الْاَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ زَاذَانَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعَرَةٍ مِّنْ جَسَدِهٖ مِنْ جَنَابَةٍ لَّمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهٖ كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ شَعَرِيْ وَكَانَ يَجُزُّهٗ

◆◆ حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: ''جو شخص جنابت کی حالت میں اپنے جسم کی ایک بال کے برابر جگہ چھوڑ دیتا ہے اور اسے نہیں دھوتا ہے' تو اس کے ساتھ جہنم میں یہ اور یہ کیا جائے گا''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اسی وجہ سے میں اپنے بالوں کا دشمن بن گیا ہوں (راوی کہتے ہیں) حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی وجہ سے اپنے سر کے بال منڈوا کر رکھتے تھے۔

شرح

غسل جنابت میں بالوں کے سلسلے میں غفلت برتنے والوں کو متنبہ کر رہی ہے چنانچہ "اس طرح" یہ تعدد سے کنایہ ہے یعنی ایسے آدمی کو جس نے غسل احتیاط سے نہیں کیا اور بالوں کی جڑوں میں پانی اچھی طرح نہیں پہنچایا کئی قسم کے اور بہت زیادہ عذاب دیئے جائیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان مبارک سے یہ تہدید اور وعید سنی تو اس خوف سے کہ اگر بال رہے تو غسل جنابت کے وقت شاید ان کی جڑیں خشک رہ جائیں اپنے بالوں سے بالکل دشمنوں جیسا معاملہ کیا جس طرح ایک آدمی اپنے دشمن کو اپنے لئے خطرے کا سبب اور باعث سمجھ کر موقع ملتے ہی موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے، ایسے ہی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہدید اور وعید کی بنا پر ان بالوں کو اپنی عاقبت کی خرابی کا باعث سمجھتے ہوئے ان کا صفایا کر دیا۔ اس حدیث اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس عمل سے یہ معلوم ہوا کہ سر کے بال ہمیشہ مُنڈاتے رہنا جائز ہے مگر اولیٰ اور سنت بالوں کا رکھنا ہی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اپنے سروں پر بال رکھتے تھے اور صرف حج کے موقع پر منڈواتے تھے۔ جہاں تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد کا تعلق ہے، اس بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی مراد یہ ہے کہ میں نے اپنے سر کے جو بال منڈوائے ہیں، ان کی کوئی دوسری غرض نہیں ہے یعنی اس سے زیبائش اور آرائش یا کسی راحت و آرام کا طلب مقصود نہیں ہے بلکہ اصل مقصد وہی ہے جو بیان کیا گیا، اس طرح گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک ایسے فعل کے ترک پر عذر بیان کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مداومت کے ساتھ ثابت ہے۔

599۔ اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 249

بَابُ: مَا جَآءَ فِي الْمَرْأَةِ تَرٰى فِي مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ

یہ باب جب کوئی عورت خواب میں وہی چیز دیکھے جو مرد دیکھتا ہے اس کے بیان میں ہے

600 - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اُمِّ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّهَا اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَآءَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَتْهُ عَنِ الْمَرْاَةِ تَرٰى فِيْ مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ قَالَ نَعَمْ اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ فَلْتَغْتَسِلْ فَقُلْتُ فَضَحْتِ النِّسَاءَ وَهَلْ تَحْتَلِمُ الْمَرْاَةُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا اِذًا

◄◄ سیدہ زینب بنت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی والدہ سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتی ہیں اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی خاتون کے بارے میں دریافت کیا: جو خواب میں وہی کچھ دیکھتی ہے جو مرد دیکھتے ہیں: (یعنی جس عورت کو احتلام ہو جاتا ہے) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں۔ جب وہ پانی (یعنی منی یعنی احتلام کا نشان دیکھے) تو اسے غسل کر لینا چاہئے۔

سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے کہا تم نے خواتین کو شرمندہ کر دیا ہے کیا کسی عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں (اگر عورت کو احتلام نہ ہوتا ہو) تو پھر بچہ کس وجہ سے اس کے ساتھ مشابہت رکھتا ہوگا؟

شرح

معلوم ہوا کہ بچہ کی پیدائش میں مرد اور عورت دونوں کا نطفہ شریک ہوتا ہے، اور جب عورت کی منی بھی ثابت ہوئی تو خواب میں اس کی منی کا نکلنا کیا بعید ہے، جیسے مرد کی منی نکلتی ہے۔

بچے کا ماں باپ کے مشابہ ہونے کا بیان

601 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عَدِيٍّ وَعَبْدُ الْاَعْلٰى عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اُمَّ سُلَيْمٍ سَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَرْاَةِ تَرٰى فِيْ مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَتْ ذٰلِكَ فَاَنْزَلَتْ فَعَلَيْهَا الْغُسْلُ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيَكُوْنُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ مَاءُ الرَّجُلِ غَلِيْظٌ اَبْيَضُ وَمَاءُ الْمَرْاَةِ رَقِيْقٌ اَصْفَرُ فَاَيُّهُمَا سَبَقَ اَوْ عَلَا اَشْبَهَهُ الْوَلَدُ

600 اخرجہ البخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 130' ورقم الحدیث 282' ورقم الحدیث 3328' ورقم الحدیث 6091' ورقم الحدیث 6121' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 710' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 122' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 197

601 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 708' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 198' ورقم الحدیث 200

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: سیدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی خاتون کے بارے میں دریافت کیا: جو خواب میں وہی چیز دیکھتی ہے جو مرد دیکھتے ہیں: تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب عورت یہ چیز دیکھے اور اسے انزال ہو جائے تو عورت پر غسل لازم ہوگا۔

سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں۔ مرد کا مادہ سفید اور گاڑھا ہوتا ہے عورت کا مادہ پتلا اور زرد ہوتا ہے ان میں سے جو آگے نکل جائے یا جو غالب آجائے بچہ اس کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔

شرح

سوال یہ تھا کہ مثلاً ایک آدمی ہے وہ سو کر اٹھا اس نے کپڑے پر یا بدن پر منی یا مذی لگی ہوئی ہے مگر اسے کوئی ایسا خواب یاد نہیں ہے کہ اس نے نیند میں کسی سے مباشرت کی ہو جس کی وجہ سے یہ احتلام ہوا ہے تو کیا ایسے آدمی پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اسے نہانا چاہئے! گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ غسل کے وجوب کا دارومدار منی یا مذی کی تری پر ہے خواب کے یاد رہنے نہ رہنے پر نہیں ہے۔ حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ پیدائش اور طبائع کے اعتبار سے عورتیں چونکہ مردوں ہی کی مانند ہیں اس لئے مرد کی طرح اگر عورت بھی جاگنے کے بعد اپنے کپڑے اور بدن پر تری محسوس کرے تو اس پر بھی غسل واجب ہوگا۔ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محض تری دیکھ لینے سے غسل واجب ہوتا ہے اگرچہ اس بات کا یقین نہ ہو کہ منی کود کر نکلی ہے۔

چنانچہ تابعین کی ایک جماعت اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے۔ اکثر علماء کرام یہ فرماتے ہیں کہ غسل اس وقت تک واجب نہیں ہوگا جب تک یہ جانے کہ کہ منی کود کر نکلی ہے، اگر یہ جانے کہ منی کود کر نکلی ہے، تو غسل واجب ہو جائے گا ورنہ بصورت دیگر غسل واجب تو نہ ہوگا مگر احتیاطاً غسل کر لینا مستحب ہوگا۔ اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ مرد و عورت ایک ہی بستر پر اکٹھے سوئے، جب وہ سو کر اٹھے تو انہوں نے بستر پر منی کی تری محسوس کی۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ یہ کس کی منی کی تری ہے تو اس صورت میں دونوں میں سے کس پر غسل واجب ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شکل میں یہ دیکھا جائے گا کہ منی کا رنگ کیسا ہے؟ اگر وہ سفید ہے تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ مرد کی ہے لہٰذا مرد پر غسل واجب ہوگا۔ اور اگر رنگ زرد ہے تو پھر غسل عورت پر واجب ہوگا۔ مگر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں ہی غسل کر لیں۔

602- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَلِىُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ اَنَّهَا سَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَرْاَةِ تَرٰى فِىْ مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ فَقَالَ لَيْسَ عَلَيْهَا غُسْلٌ حَتّٰى تُنْزِلَ كَمَا اَنَّهٗ لَيْسَ عَلَى الرَّجُلِ غُسْلٌ حَتّٰى يُنْزِلَ

602 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 198

سیّدہ خولہ بنت حکیم ؓ بیان کرتی ہیں: انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ایسی عورت کے بارے میں دریافت کیا: جو خواب میں وہی چیز دیکھتی ہے جو مرد دیکھتا ہے' تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس پر اس وقت تک غسل لازم نہیں ہوگا' جب تک اسے انزال نہیں ہو جاتا بالکل اسی طرح جس طرح مرد پر اس وقت تک غسل لازم نہیں ہوتا جب تک اسے انزال نہیں ہو جاتا۔

شرح

مرد کو اگر صرف خواب دیکھائی دے لیکن منی نہ نکلے تو غسل لازم نہیں ہے، اسی طرح عورت اگر خواب دیکھے اور منی نہ نکلے تو غسل لازم نہیں، اور تری یا پانی سے دوسری حدیث میں منی ہی مراد ہے، اگر منی کے سوا کسی اور چیز کی تری ہے تب غسل لازم نہ ہوگا، اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

بَاب :مَا جَآءَ فِيْ غُسْلِ النِّسَآءِ مِنَ الْجَنَابَةِ

یہ باب خواتین کے غسل جنابت کے بیان میں ہے

عورتوں کا غسل جنابت سے طہارت حاصل کرنے کا بیان

603-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ اَيُّوْبَ بْنِ مُوْسٰى عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ امْرَاَةٌ اَشُدُّ ضَفْرَ رَاْسِيْ اَفَاَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ فَقَالَ اِنَّمَا يَكْفِيكِ اَنْ تَحْثِيْ عَلَيْهِ ثَلٰثَ حَثَيَاتٍ مِّنْ مَّآءٍ ثُمَّ تُفِيضِيْ عَلَيْكِ مِنَ الْمَآءِ فَتَطْهُرِيْنَ اَوْ قَالَ فَاِذَا اَنْتِ قَدْ طَهُرْتِ

سیّدہ اُمّ سلمہ ؓ بیان کرتی ہیں: میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میں ایسی عورت ہوں' جس نے بالوں کی مینڈھیاں بنائی ہوتی ہیں' تو کیا میں غسل جنابت کے لیے انہیں کھول لیا کروں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم ان پر پانی کے تین لپ بہا دیا کرو پھر تم اپنے جسم پر پانی بہالو تو تم پاک ہو جاؤ گی۔ (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) اس صورت میں تم پاک ہو جاؤ گی۔

شرح

یعنی جب ایسا کیا تو پاک ہوگئی کیونکہ مقصود سارے سر کا بھیگ جانا ہے، اور تین لپوں میں یہ سارا کام پورا ہو جاتا ہے، اگر پورا نہ ہو تو اس سے زیادہ بھی ڈال سکتی ہے، مگر بندھی ہوئی چوٹی کا کھولنا ضروری نہیں، اکثر علماء کے نزدیک رفع تکلیف کا یہ حکم عورتوں کے لئے خاص ہے۔

603 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث 742' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 251' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 105' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم حدیث 241

خواتین کیلئے غسل میں مینڈھیوں پر رخصت کا بیان

604- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ اَبِی الزُّبَيْرِ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ بَلَغَ عَآئِشَةَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو يَاْمُرُ نِسَائَهُ اِذَا اغْتَسَلْنَ اَنْ يَّنْقُضْنَ رُءُ وْسَهُنَّ فَقَالَتْ يَا عَجَبًا لِابْنِ عَمْرٍو هٰذَا اَفَلَا يَاْمُرُهُنَّ اَنْ يَّحْلِقْنَ رُءُ وْسَهُنَّ لَقَدْ كُنْتُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَغْتَسِلُ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ فَلَا اَزِيْدُ عَلٰی اَنْ اُفْرِغَ عَلٰی رَاْسِیْ ثَلٰثَ اِفْرَاغَاتٍ

عبید بن عمیر بیان کرتے ہیں: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا پتہ چلا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنی خواتین کو یہ ہدایت کرتے ہیں: وہ غسل کرتے وقت اپنے بالوں کو کھول لیا کریں' تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ابن عمرو پر حیرت ہے وہ ان خواتین کو یہ ہدایت کیوں نہیں کرتے کہ وہ اپنے سر منڈ والیں' میں خود اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایک ہی برتن کے ذریعے غسل کرتے تھے تو میں صرف تین مرتبہ اپنے سر پر پانی بہاتی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتی تھی۔

الحرج مرفوع قاعدہ فقہیہ

الحرج مرفوع (الاشباہ والنظائر) مینڈیوں کو کھول کر دھونے کی وجہ سے حرج لازم آئے گا اس لئے شریعت کی طرف سے یہ رخصت ہے کہ وہ مینڈیوں کو نہ کھولے اور بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچائے تو اس طرح کا غسل ہو جائے گا۔

رخصت اصل میں نہیں فرع میں ہے

بشرہ کا دھونا اصل ہے جبکہ بالوں کا دھونا اس کی فرع ہے مذکورہ حدیث اور اس کے تحت قاعدہ فقہیہ کے مطابق مینڈیوں کو نہ کھولنے کی رخصت بالوں میں یعنی فرع میں ہے۔ لہٰذا یہ رخصت فرع تک محدود رہے گی۔ اور فرع میں اس رخصت کے جاری ہونے کا سبب حرج ہے۔ رخصت کا فرع میں وقوع موجود ہے جس طرح چہرے کا دھونا اور گھنی داڑھی کا خلال کرنا ہے۔ وہاں بھی داڑھی کا خلال کرنے کو سنت کہا گیا ہے۔ نہ کہ فرض حالانکہ داڑھی کے بال حدود چہرہ میں ہیں اور چہرے کو دھونے کا حکم فرض ہے۔ وہاں پر بھی فرعیت کیلئے حکم میں تغیر موجود ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرعیت کی صورت میں مینڈیوں کو نہ کھولنے کی رخصت دی گئی ہے۔ (رضوی عفی عنہ)

بَابُ: مَا جَآءَ فِي الْجُنُبِ يَنْغَمِسُ فِي الْمَآءِ الدَّائِمِ اَيُجْزِئُهُ

یہ باب جنبی شخص کا ٹھہرے ہوئے پانی میں غوطہ لگانا' کیا یہ اس کے لیے کفایت کے بیان میں ہے

605- حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عِيْسٰى وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى الْمِصْرِيَّانِ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ

604. اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 745' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 414

605 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 656' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 220' ورقم الحدیث: 330' ورقم الحدیث 394

الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْاَشَجِّ اَنَّ اَبَا السَّائِبِ مَوْلٰى هِشَامِ بْنِ زُهْرَةَ حَدَّثَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ اَحَدُكُمْ فِى الْمَآءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنُبٌ فَقَالَ كَيْفَ يَفْعَلُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ يَتَنَاوَلُهٗ تَنَاوُلًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کوئی بھی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل جنابت نہ کرے۔ (راوی نے دریافت کیا) اے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پھر وہ شخص کیا کرے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: وہ پانی حاصل کرے (اور پھر اس کے ذریعے غسل کرے)

بَابُ: اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ

یہ باب منی کے خروج پر غسل لازم ہونے میں ہے

پانی کے سبب پانی لازم ہونے کا بیان

606- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ فَخَرَجَ رَاْسُهٗ يَقْطُرُ فَقَالَ لَعَلَّنَا اَعْجَلْنَاكَ قَالَ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِذَا اُعْجِلْتَ اَوْ اُقْحِطْتَ فَلَا غُسْلَ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ الْوُضُوْءُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری (کے گھر) کے پاس سے گزرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلوایا وہ شخص باہر آیا تو اس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید ہم نے تمہیں جلدی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس نے عرض کی: جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہیں جلدی ہو یا تمہیں انزال سے روک دیا گیا ہو تو تم پر غسل لازم نہیں ہوگا تم پر وضو لازم ہوگا۔

607- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ السَّائِبِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سُعَادَ عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: پانی (یعنی منی) کی وجہ سے پانی (یعنی غسل) لازم ہوتا ہے۔

شرح

امام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ "پانی پانی سے

606 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 180' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 776

607 اخرجہ ابخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 199

ہے" کا حکم احتلام کے لئے ہے۔ (جامع ترمذی)

اس ارشاد کے اسلوب پر بھی غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک طرف تو احکام شریعت کی تعلیم کی ذمہ داری ہے اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرم وحیاء کے انتہائی بلند و بالا مقام پر فائز ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا اسلوب اختیار فرماتے ہیں کہ مسئلہ کی وضاحت بھی ہو جائے اور شرم وحیاء کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو کنایۃ مسئلہ کی وضاحت کر رہے ہیں۔ بہر حال اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انزال نہ ہو یعنی منی نہ نکلے غسل واجب نہیں ہوتا مگر ابھی اس سے پہلے جو حدیث گزری ہے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ غسل محض دخول حشفہ سے واجب ہو جائے خواہ انزال ہو یا نہ ہو، اس طرح ان دونوں حدیثوں میں تعارض پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ اسی تعارض کو دفع کرنے کے لئے حضرت امام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ یعنی یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے منسوخ قرار دیا گیا ہے جس میں منقول ہے کہ یہ آسانی ابتداء اسلام میں تھی (کہ جب تک انزال نہ ہو غسل واجب نہیں ہوتا تھا) پھر بعد میں اس حکم کو منسوخ قرار دیا گیا۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے کہ اسی طرح بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہ اقوال منقول ہیں کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر بعد میں اسے منسوخ قرار دے کر یہ حکم نافذ کیا گیا کہ جب مرد کا ذکر عورت کی شرم گاہ میں داخل ہو اور ختنین مل جائیں تو غسل واجب ہو جائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ لیکن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حدیث ایک دوسری توجیہہ بیان فرما رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم احتلام کے بارے میں ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کا ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ محض خواب دیکھنے سے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد اگر کپڑے وغیرہ پر منی کی تری دیکھی جائے تو غسل واجب ہو جائے گا۔ گویا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس توجیہ کے پیش نظر اس حدیث کو منسوخ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ حدیث مطلق ہے یعنی اس حکم کا تعلق احتلام سے بھی تھا اور غیر احتلام سے بھی، مگر یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِيْ وُجُوبِ الْغُسْلِ اِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ

یہ باب شرمگاہوں کے مل جانے پر غسل لازم ہونے میں ہے

دخول حشفہ کے سبب وجوب غسل کا بیان

608- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ نِ الطَّنَافِسِيُّ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اِبْرٰهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ اَنْبَاَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْقَاسِمِ اَخْبَرَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَآئِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ فَعَلْتُهُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ

608 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 108

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاغْتَسَلْنَا

◄► سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب ختنے ختنوں سے مل جائیں (یعنی شرمگاہ شرمگاہ سے مل جائے) تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

میں نے اور نبی کریم ﷺ نے ایسا کیا تو ہم دونوں نے غسل کیا۔

609-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ اَنْبَاَنَا يُوْنُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ قَالَ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ السَّاعِدِيُّ اَنْبَاَنَا اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ قَالَ اِنَّمَا كَانَتْ رُخْصَةً فِي اَوَّلِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ اُمِرْنَا بِالْغُسْلِ بَعْدُ

◄► حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یہ رخصت ابتدائے اسلام میں تھی پھر بعد میں ہمیں (ایسی صورتحال میں) غسل کرنے کا حکم دیا گیا۔

610-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيِّ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ بَيْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ

◄► حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جب کوئی شخص عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے اور اسے مشقت میں مبتلا کرے (یعنی صحبت کرے) تو اس پر غسل واجب ہو جائے گا۔

شرح

عورت کی چار شاخوں" سے مراد اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر ہیں، یا اس سے مراد عورت کے دونوں پیر اور فرج (شرم گاہ) طرفین ہیں۔ یہ جملہ عورت کے پاس جماع کے لئے جانے اور صحبت کرنے کی بلیغ تعبیر ہے، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرم وحیاء کے انتہائی بلند مقام پر تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صورت مسئلہ کی وضاحت کے لئے الفاظ کے کنایا کا سہارا لیا ہے کھلے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح نہیں فرمائی ہے۔ بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی عورت کے پاس جماع کے لئے گیا اور اس نے جماع کیا تو محض حشفہ داخل کرنے سے اس پر غسل واجب ہو جائے گا، خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور اکثر صحابہ نیز چاروں اماموں کا یہی مسلک ہے۔

611-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا الْتَقَى الْخِتَانَانِ وَتَوَارَتِ الْحَشَفَةُ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ

---

609 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:214 'اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:110

610 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:291 'اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث:781 'اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:216 'اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 191

611 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں: جب شرمگاہیں مل جائیں اور حشفہ چھپ جائے تو غسل لازم ہو جاتا ہے۔

بَاب :مَنْ احْتَلَمَ وَلَمْ يَرَ بَلَلًا

یہ باب تری دیکھے بغیر احتلام والے کے بیان میں ہے

612-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ عَنِ الْعُمَرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَرَاَى بَلَلًا وَّلَمْ يَرَ اَنَّهُ احْتَلَمَ اغْتَسَلَ وَاِذَا رَاَى اَنَّهُ قَدِ احْتَلَمَ وَلَمْ يَرَ بَلَلًا فَلَا غُسْلَ عَلَيْهِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو اور وہ تری دیکھے اور اس کا یہ خیال نہ ہو کہ اسے احتلام ہوا ہے تو وہ غسل کرے لیکن جب اس کا یہ خیال ہو کہ اسے احتلام ہوا ہے اور اسے تری نظر نہ آئے تو اس پر غسل لازم نہیں ہوگا۔

شرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جو تری محسوس کرے اور خواب (احتلام) اسے یاد نہ ہو؟ آپ نے فرمایا کہ "نہانا چاہئے!اور ایسے آدمی کے بارے میں بھی پوچھا گیا جسے (سو کر اٹھنے کے بعد) احتلام تو یاد ہو مگر تری معلوم نہیں ہوتی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس پر غسل واجب نہیں "ام سلیم رضی اللہ عنہا نے پوچھا اگر عورت بھی یہی (تری) دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں" عورتیں بھی مردوں ہی کی مثل ہیں۔ (ترمذی، ابوداؤد، مشکوۃ شریف۔ جلد اول: رقم الحدیث 414)

سوال یہ تھا کہ مثلاً ایک آدمی ہے وہ سو کر اٹھا اس نے کپڑے پر یا بدن پر منی یا مذی لگی ہوئی ہے مگر اسے کوئی ایسا خواب یاد نہیں ہے کہ اس نے نیند میں کسی سے مباشرت کی ہو جس کی وجہ سے یہ احتلام ہوا ہے تو کیا ایسے آدمی پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اسے نہانا چاہئے! گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ غسل کے وجوب کا دارومدار منی یا مذی کی تری پر ہے خواب کے یاد رہنے نہ رہنے پر نہیں ہے۔ حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ پیدائش اور طبائع کے اعتبار سے عورتیں چونکہ مردوں ہی کی مانند ہیں اس لئے مرد کی طرح اگر عورت بھی جاگنے کے بعد اپنے کپڑے اور بدن پر تری محسوس کرے تو اس پر بھی غسل واجب ہوگا۔ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محض تری دیکھ لینے سے غسل واجب ہوتا ہے اگرچہ اس بات کا یقین نہ ہو کہ منی کود کر نکلی ہے چنانچہ تابعین کی ایک جماعت اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے۔ اکثر علماء کرام یہ فرماتے ہیں کہ غسل

612 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 236 'اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 113

ب وقت تک واجب نہیں ہوگا جب تک یہ جانے کہ کہ منی کود کر نکلی ہے، اگر یہ جانے کہ منی کود کر نکلی ہے، تو غسل واجب ہو جائے گا ورنہ بصورت دیگر غسل واجب تو نہ ہوگا مگر احتیاطاً غسل کر لینا مستحب ہوگا۔اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ مرد و عورت یک ہی بستر پر اکٹھے سوئے، جب وہ سو کر اٹھے تو انہوں نے بستر پر منی کی تری محسوس کی۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ یہ کس کی منی کی تری ہے تو اس صورت میں دونوں میں سے کس پر غسل واجب ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شکل میں یہ دیکھا جائے گا کہ منی کا رنگ کیسا ہے؟ اگر وہ سفید ہے تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ مرد کی ہے لہٰذا مرد پر غسل واجب ہوگا۔ اور اگر رنگ زرد ہے تو پھر غسل عورت پر واجب ہوگا۔ مگر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں ہی غسل کر لیں۔

بَابُ : مَا جَآءَ فِي الْاِسْتِتَارِ عِنْدَ الْغُسْلِ

یہ باب غسل کے وقت پردہ کرنے کے بیان میں ہے

613- حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ وَاَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ الْفَلَّاسُ وَمُجَاهِدُ بْنُ مُوسَى قَالُوْا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الْوَلِيدِ اَخْبَرَنِي مُحِلُّ بْنُ خَلِيفَةَ حَدَّثَنِي اَبُو السَّمْحِ قَالَ كُنْتُ اَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَغْتَسِلَ قَالَ وَلِّنِي قَفَاكَ فَاُوَلِّيهِ قَفَايَ وَاَنْشُرُ الثَّوْبَ فَاَسْتُرُهُ بِهِ

◄► حضرت ابو سمح بیان کرتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا نبی کریم ﷺ جب غسل کا ارادہ کرتے' تو آپ ﷺ یہ ہدایت کرتے' تو میں اپنی پشت آپ ﷺ کی طرف کر لیتا اور کپڑے کو پھیلا دیتا میں اس کے ذریعے آپ کا پردہ کر لیتا تھا۔

614- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ الْمِصْرِيُّ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نَوْفَلٍ اَنَّهُ قَالَ سَاَلْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّحَ فِي سَفَرٍ فَلَمْ اَجِدْ اَحَدًا يُخْبِرُنِي حَتّٰى اَخْبَرَتْنِي اُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ اَبِي طَالِبٍ اَنَّهُ قَدِمَ عَامَ الْفَتْحِ فَاَمَرَ بِسِتْرٍ فَسُتِرَ عَلَيْهِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ سَبَّحَ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ

◄► عبید اللہ بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں: میں نے یہ سوال اٹھایا کہ کیا نبی کریم ﷺ سفر کے دوران نوافل (یعنی سنتیں) ادا کیا کرتے تھے' تو مجھے ایسا کوئی شخص نہیں ملا جو مجھے اس بارے میں بتاتا صرف سیدہ اُم ہانی بنت ابوطالب رضی اللہ عنہا نے مجھے یہ بات بتائی کہ فتح مکہ کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے' تو آپ ﷺ کے حکم کے تحت پردہ کیا گیا آپ ﷺ نے غسل کیا پھر آپ ﷺ نے آٹھ نوافل (یعنی نماز چاشت) ادا کی۔

613- ... ... "السنن" رقم الحديث 376' اخرجه النسائي في "السنن" رقم الحديث: 224

614- ... ... "الصحيح" رقم الحديث: 1665' اخرجه ابن ماجة في "السنن" رقم الحديث: 1379

شرح

اس باب کی احادیث سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ غسل کرتے وقت پردہ کر لینا چاہیے، لیکن اگر کوئی کپڑے پہنے ہوئے ہے، تو بلا پردہ غسل کرنے کی اجازت ہے، نیز اس حدیث سے تو سفر میں نفل پڑھنا ثابت ہوا بعضوں نے کہا یہ صلاۃ الضحیٰ نہیں تھی بلکہ یہ مکہ فتح ہونے پر صلاۃ شکر تھی، اور سعید بن ابی وقاص نے جب کسریٰ کا خزانہ فتح کیا تو ایسا ہی کیا۔

615- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْحِمَّانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ اَبُو يَحْيَى الْحِمَّانِيُّ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُمَارَةَ عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلَنَّ اَحَدُكُمْ بِاَرْضِ فَلَاةٍ وَّلَا فَوْقَ سَطْحٍ لَا يُوَارِيهِ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ يَرَى فَاِنَّهُ يُرَى

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''کوئی بھی شخص کھلی جگہ پر ہرگز غسل نہ کرے اور کسی بلند جگہ پر اس طرح غسل نہ کرے کہ اس کو چھپانے کے لیے کوئی آڑ نہ ہو اگر وہ نہیں دیکھتا تو اسے تو دیکھا جا رہا ہے''۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِي النَّهْيِ لِلْحَاقِنِ اَنْ يُصَلِّيَ

باب جس شخص کو قضائے حاجت کی ضرورت ہو اس کے لیے نماز پڑھنے کی ممانعت

616- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ اَنْبَاَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمُ الْغَائِطَ وَاُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيَبْدَاْ

حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جب کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے جانا چاہتا ہو اور اس وقت نماز بھی کھڑی ہو چکی ہو تو اسے پہلے (قضائے حاجت کر لینی چاہیے)

617- حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ اٰدَمَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنِ السَّفْرِ بْنِ نُسَيْرٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ اَبِي اُمَامَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ وَهُوَ حَاقِنٌ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا ہے' جب آدمی کو قضائے حاجت کی ضرورت ہو اس وقت نماز پڑھے۔

618- حَدَّثَنَا اَبُو بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ عَنْ اِدْرِيسَ الْاَوْدِيِّ عَنْ اَبِيهِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ

615- اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

616 اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:88' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث:142' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 851

617 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُومُ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ وَبِهٖ اَذًى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "کوئی بھی شخص نماز کے لیے اس حالت میں نہ کھڑا ہو کہ اسے تکلیف دہ چیز لاحق ہو (یعنی اسے قضائے حاجت کی ضرورت ہو)"۔

619- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفَّى الْحِمْصِيُّ حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ صَالِحٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ اَبِي حَيٍّ الْمُؤَذِّنِ عَنْ ثَوْبَانَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ لَا يَقُومُ اَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَهُوَ حَاقِنٌ حَتّٰى يَتَخَفَّفَ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: مسلمانوں میں سے کوئی بھی شخص نماز کے لیے اس وقت کھڑا نہ ہو جب کہ اس کو قضائے حاجت کی طلب ہو' یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے (تو پھر نماز ادا کرے)

بَاب: مَا جَاءَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ الَّتِي قَدْ عَدَّتْ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا قَبْلَ اَنْ يَسْتَمِرَّ بِهَا الدَّمُ

یہ باب ایسی مستحاضہ عورت کا حکم' خون کی مسلسل آمد سے پہلے جو اپنے حیض کے دن شمار کر چکی ہو

620- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ اَنْبَاَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ اَبِي حَبِيبٍ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِي حُبَيْشٍ حَدَّثَتْهُ اَنَّهَا اَتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَكَتْ اِلَيْهِ الدَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا ذٰلِكَ عِرْقٌ فَانْظُرِي اِذَا اَتٰى قُرْؤُكِ فَلَا تُصَلِّي فَاِذَا مَرَّ الْقُرْءُ فَتَطَهَّرِي ثُمَّ صَلِّي مَا بَيْنَ الْقُرْءِ اِلَى الْقُرْءِ

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں سیدہ فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا نے انہیں یہ بات بتائی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خون کی آمد کی شکایت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کسی اور رگ کا خون ہے تم اس بات کا جائزہ لو جب تمہارے حیض کے مخصوص دن گزر جائیں' تو تم پاک ہو جاؤ اور پھر ایک حیض سے دوسرے حیض کے (درمیانی دنوں) میں نماز ادا کرتی رہو۔

حیض کے لغوی واصطلاحی معنی کا بیان

لغت میں "حیض" کے معنی "جاری ہونا" ہیں اور اصطلاح شریعت میں حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو عورت کے رحم سے بغیر

618' اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

619 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 90' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 357' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم حدیث 923

620 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 280' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 282,286' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم حدیث 201,215' ورقم الحدیث 348' ورقم الحدیث: 356' ورقم الحدیث: 3555

کسی بیماری اور ولادت کے جاری ہوتا ہے اور جسے عرف عام میں "ماہواری" یا ایام بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح رحم عورت سے جو خون کسی مرض کی وجہ سے آتا ہے اسے استحاضہ اور جو خون ولادت کے بعد جاری ہوتا ہے اسے "نفاس" کہتے ہیں۔ حیض کی مدت کم سے کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے لہٰذا اس مدت میں خون خالص سفیدی کے علاوہ جس رنگ میں بھی آئے وہ حیض کا خون شمار ہوگا یعنی حیض کے خون کا رنگ سرخ بھی ہوتا ہے اور سیاہ و سبز بھی، نیز زرد اور مٹی کے رنگ جیسا بھی حیض کے خون کا رنگ ہوتا ہے۔ ایام حیض میں نماز، روزہ نہ کرنا چاہئے البتہ ایام گزر جانے کے بعد روزے تو قضاء ادا کئے جائیں گے مگر نماز کی قضا نہیں ہوگی۔

حیض ونفاس اور استحاضہ کے بعض احکام کا بیان

(۱) اگر کوئی عورت سو کر اٹھنے کے بعد خون دیکھے تو اس کا حیض اسی وقت سے شمار ہوگا جب سے وہ بیدار ہوئی ہے اس سے پہلے نہیں اور اگر کوئی حائضہ عورت سو کر اٹھنے کے بعد اپنے کو طاہر پائے تو جب سے سوئی ہے اسی وقت سے طاہر سمجھی جائے گی۔

(۲) حیض ونفاس کی حالت میں عورت کے ناف اور زانوں کے درمیان کے جسم کو دیکھنا یا اس سے اپنے جسم کو ملانا بشرطیکہ کوئی کپڑا درمیان میں نہ ہو مکروہ تحریمی ہے اور جماع کرنا حرام ہے۔

(۳) حیض والی عورت اگر کسی کو قرآن مجید پڑھاتی ہو تو اس کو ایک ایک لفظ رک رک کر پڑھانے کی غرض سے کہنا جائز ہے۔ ہاں پوری آیت ایک دم پڑھ لینا اس وقت بھی ناجائز ہے۔

(۴) حیض ونفاس کی حالت میں عورت کے بوسے لینا، اس کا استعمال کیا پانی وغیرہ پینا اور اس سے لپٹ کر سونا اور اس کے ناف اور ناف کے اوپر اور زانوں کے نیچے کے جسم سے اپنے جسم کو ملانا اگرچہ کپڑا درمیان میں نہ ہو اور ناف وزانوں کے درمیان کپڑے کے ساتھ ملانا جائز ہے بلکہ حیض والی عورت سے علیحدہ ہو کر سونا یا اس کے اختلاط سے بچنا مکروہ ہے۔

(۵) جس عورت کا حیض دس دن اور دس راتیں آ کر بند ہوا ہو تو اس سے بغیر غسل کے خون بند ہوتے ہی جماع جائز ہے اور جس عورت کا خون دس دن سے کم آ کر بند ہوا ہو تو اگر اس کی عادت سے بھی کم آ کر بند ہوا ہے تو اس سے جماع جائز نہیں۔ جب تک کہ اس کی عادت نہ گزر جائے اور عادت کے موافق اگر بند ہوا ہے تو جب تک غسل نہ کرے یا ایک نماز کا وقت نہ گزر جائے جماع جائز نہیں۔ نماز کا وقت گزر جانے کے بعد بغیر غسل کے بھی جائز ہوگا۔ نماز کے وقت گزر جانے سے یہ مقصود ہے کہ اگر شروع وقت میں خون بند ہوا تو باقی وقت سب گزر جائے اور اگر آخر وقت میں خون بند ہوا تو اس قدر وقت ہونا ضروری ہے کہ جس میں غسل کر کے نماز کی نیت کرنے کی گنجائش ہو اور اگر اس سے بھی کم وقت باقی ہو تو پھر اس کا اعتبار نہیں دوسری نماز کا پورا وقت گزرنا ضروری ہے۔ یہی حکم نفاس کا ہے کہ اگر چالیس دن آ کر بند ہوا ہو تو خون بند ہوتے ہی بغیر غسل کے اور اگر چالیس دن سے کم آ کر بند ہوا ہو اور عادت سے بھی کم ہو تو بعد عادت گزر جانے کے اور اگر عادت کے موافق بند ہوا ہو تو غسل کے بعد یا نماز کا وقت گزر جانے کے بعد جماع وغیرہ جائز ہے۔ ہاں ان کے سب صورتوں میں مستحب ہے کہ بغیر غسل کے جماع نہ کیا جائے۔

(۶) جس عورت کا خون دس دن اور راتوں سے کم آ کر بند ہوا اور عادت مقرر ہو جانے کی شکل میں عادت سے بھی کم ہو تو اس

کو نماز کے آخر وقت مستحب تک غسل میں تاخیر کرنا واجب ہے اس خیال سے کہ شاید پھر خون آ جائے مثلاً عشاء کے شروع وقت
میں خون بند ہوا ہو تو عشاء کے آخر وقت مستحب یعنی نصف شب کے قریب تک اس کو غسل میں تاخیر کرنا چاہئے اور جس عورت کا حیض
دس دن یا عادت مقرر ہونے کی شکل میں عادت کے موافق آ کر بند ہوا ہو تو اس کو نماز کے آخر وقت مستحب تک غسل میں تاخیر کرنا
مستحب ہے۔

(۷) اگر کوئی عورت غیر زمانہ حیض میں کوئی ایسی دوا استعمال کرے جس سے خون آ جائے تو وہ حیض نہیں مثلاً کسی عورت کو مہینے
میں ایک دفعہ پانچ دن حیض آتا ہو تو اس کے حیض کے پانچ دن کے بعد کسی دوا کے استعمال سے خون آ جائے تو وہ حیض نہیں۔

(۸) اگر کسی عادت والی عورت کو خون جاری ہو جائے اور برابر جاری رہے اور اس کو یہ یاد نہ رہے کہ مجھے کتنے دن حیض آتا تھا
پھر یہ یاد نہ رہے کہ مہینہ کی کس کس تاریخ سے شروع ہوتا تھا اور کب ختم ہوتا تھا۔ یا دونوں باتیں یاد نہ رہیں تو اس کو چاہئے کہ اپنے
غالب گمان پر عمل کرے یعنی جس زمانے کو وہ حیض کا زمانہ خیال کرے اس زمانے میں حیض کے احکام پر عمل کرے اور جس زمانے کو
طہارت کا زمانہ خیال کرے اس زمانے میں طہارت کے احکام پر عمل کرے اور اگر اس کا گمان کسی طرف نہ ہو تو اس کو ہر نماز کے
وقت نیا وضو کر کے نماز پڑھنی چاہئے اور روزہ بھی رکھے مگر جب اس کا یہ مرض رفع ہو جائے روزہ کی قضاء ادا کرنی ہوگی اور اگر اس کو
شک کی کیفیت ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس کو کسی زمانے کی نسبت یہ شک ہو کہ یہ زمانہ حیض کا ہے یا طہر کا
تو اس صورت میں ہر نماز کے وقت نیا وضو کر کے نماز پڑھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو کسی زمانہ کی نسبت پر شک ہو کہ یہ زمانہ
حیض کا ہے یا طہر کا یا حیض سے خارج ہونے کا تو اس صورت میں وہ ہر نماز کے وقت غسل کر کے نماز پڑھ لے۔

مستحاضہ کے احکام کا بیان

621- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْجَرَّاحِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ح و حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَعَلِیُّ بْنُ
مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَآئَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِیْ
حُبَيْشٍ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ امْرَاَةٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ
اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ قَالَ لَا اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ فَاِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِی الصَّلٰوةَ وَاِذَا
اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِیْ عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّیْ هٰذَا حَدِيْثُ وَكِيْعٍ

◄◄ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: فاطمہ بنت ابو حبیش رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس
نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک ایسی عورت ہوں جسے استحاضہ کی شکایت ہے، میں پاک نہیں ہوتی ہوں کیا
میں نماز پڑھنا چھوڑ دوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں، یہ کسی دوسری رگ کا خون ہے، یہ حیض نہیں ہے، جب حیض آ
جائے، تو تم نماز پڑھنا ترک کر دو، جب وہ چلا جائے، تو تم خون کو دھو کر نماز پڑھنا شروع کر دو۔

621 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 752' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 217' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم حدیث 751' اخرجہ ترمذی
فی الجامع رقم حدیث 125' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 212' ورقم الحدیث 357

یہ روایت وکیع کی نقل کردہ ہے۔

622-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ إِمْلَاءً عَلَيَّ مِنْ كِتَابِهٖ وَكَانَ السَّائِلُ غَيْرِيْ اَنْبَانَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنْ اِبْرٰهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ طَلْحَةَ عَنْ اُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ كُنْتُ اُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً طَوِيلَةً قَالَتْ فَجِئْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْتَفْتِيهِ وَاُخْبِرُهُ قَالَتْ فَوَجَدْتُهُ عِنْدَ اُخْتِيْ زَيْنَبَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ اِلَيْكَ حَاجَةً قَالَ وَمَا هِيَ اَيْ هَنْتَاهُ قُلْتُ اِنِّي اُسْتَحَاضُ حَيْضَةً طَوِيلَةً كَبِيرَةً وَقَدْ مَنَعَتْنِي الصَّلٰوةَ وَالصَّوْمَ فَمَا تَاْمُرُنِيْ فِيهَا قَالَ اَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ فَاِنَّهٗ يُذْهِبُ الدَّمَ قُلْتُ هُوَ اَكْثَرُ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ شَرِيكٍ

◄◄ سیّدہ ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' مجھے بہت زیادہ استحاضہ کی شکایت ہوگئی' وہ بیان کرتی ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مسئلہ دریافت کروں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں بتاؤں وہ بیان کرتی ہیں: مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بہن سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں ملے وہ بیان کرتی ہیں' میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کام ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا کام ہے؟ اے بی بی! میں نے عرض کی: مجھے طویل عرصے سے استحاضہ کی شکایت ہے' جو بہت زیادہ ہے اس کی وجہ سے میں نماز بھی ادا نہیں کر پاتی اور روزہ بھی نہیں رکھ پاتی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں روئی استعمال کرنے کی تجویز دوں گا' کیونکہ یہ خون کو روک دیتی ہے' میں نے عرض کی: وہ اس سے زیادہ ہے۔

اس کے بعد راوی نے شریک کی نقل کردہ روایت کی مانند روایت نقل کی ہے۔

623-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَاَلَتِ امْرَاَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اِنِّيْ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ قَالَ لَا وَلٰكِنْ دَعِيْ قَدْرَ الْاَيَّامِ وَاللَّيَالِي الَّتِيْ كُنْتِ تَحِيضِينَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ فِيْ حَدِيثِهٖ وَقَدْرَهُنَّ مِنَ الشَّهْرِ ثُمَّ اغْتَسِلِيْ وَاسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ وَصَلِّيْ

◄◄ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' ایک خاتون نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا: اس نے عرض کی: مجھے استحاضہ کی شکایت ہے میں پاک نہیں ہوتی ہوں' تو کیا نماز چھوڑ دوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! بلکہ پہلے

622 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 287' ورقم الحدیث 289' ورقم الحدیث 3051' ورقم الحدیث 390' ورقم الحدیث 310' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 128' اخرجہ ابن ماجہ فی "السنن" رقم الحدیث: 627

623 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 274' ورقم الحدیث 275' ورقم الحدیث 276' ورقم الحدیث 277' ورقم الحدیث 278' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم حدیث 208' ورقم الحدیث 352' ورقم الحدیث 353

تمہیں جن دنوں میں حیض آتا تھا ان دنوں کی مقدار میں نماز ترک کردو۔

یہاں ابوبکر نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں "مہینے میں جتنے دن ایسا ہوتا تھا' پھر تم غسل کرو اور کپڑا باندھ لو اور نماز ادا کرنا شروع کردو"۔

624-حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُحَمَّدٍ وَّاَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ اَبِیْ ثَابِتٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ جَآءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِیْ حُبَيْشٍ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ امْرَاَةٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوةَ قَالَ لَا اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَّلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ اجْتَنِبِی الصَّلٰوةَ اَيَّامَ مَحِيْضِكِ ثُمَّ اغْتَسِلِیْ وَتَوَضَّئِیْ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَّاِنْ قَطَرَ الدَّمُ عَلَى الْحَصِيْرِ

◄◄ سیدہ عائشہ صدیقہ ﷞ بیان کرتی ہیں' فاطمہ بنت ابوحبیش نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے عرض کی: یارسول اللہ (ﷺ)! میں ایک ایسی عورت ہوں جسے استحاضہ کی شکایت ہے' میں پاک نہیں ہوتی ہوں' تو کیا میں نماز ترک کردوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں! یہ کسی دوسری رگ کا خون ہے یہ حیض نہیں ہے تم اپنے حیض کے مخصوص دنوں میں نماز سے اجتناب کرو پھر غسل کرکے ہر نماز کے لیے وضو کرلیا کرو اگرچہ خون کے قطرے چٹائی پر گر رہے ہوں۔

625-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَاِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُوْسٰى قَالَا حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ اَبِی الْيَقْظَانِ عَنْ عَدِیِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْتَحَاضَةُ تَدَعُ الصَّلٰوةَ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا ثُمَّ تَغْتَسِلُ وَتَتَوَضَّاُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَّتَصُوْمُ وَتُصَلِّیْ

◄◄ عدی بن ثابت اپنے والد کے حوالے سے اپنے دادا کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں' استحاضہ والی عورت اپنے حیض کے مخصوص دنوں میں نماز ترک کردے اور پھر وہ غسل کرے گی اور ہر نماز کے لیے وضو کرے گی' وہ عورت روزہ بھی رکھے گی اور نماز بھی پڑھے گی۔

استحاضہ والی عورت ہر نماز کے وقت وضو کرلیا کرے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں ایک ایسی عورت ہوں جسے برابر (استحاضہ کا) خون آتا رہتا ہے۔ چنانچہ میں کسی وقت پاک نہیں رہتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں! یہ تو ایک رگ کا خون ہے، حیض کا خون نہیں ہے لہٰذا جب تمہیں حیض آنے لگے تو تم نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو" جسم سے

624 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:298

625 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:297' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:126

خون کو دھو ڈالو (اور نہا کر) نماز پڑھ لو۔ (صحیح البخاری، صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 524)

اس مسئلے میں کہ اگر کوئی عورت مستحاضہ ہو جائے اور وہ ہر وقت استحاضہ کے خون سے ناپاک رہے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "اگر وہ ایسی عورت ہو جو معتادہ ہو یعنی اس کے حیض کے ایام مقرر ہوں مثلاً اسے ہر ماہ پانچ روز یا چھ روز خون آتا تھا تو جب وہ مستحاضہ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ ان دنوں کو جن میں حیض کا خون آتا تھا ایام حیض قرار دے اور ان دنوں میں نماز وغیرہ چھوڑ دے اور جب وہ دن پورے ہو جائیں تو خون کو دھو کر نہائے اور نماز وغیرہ شروع کر دے۔

اور اگر وہ مبتدیہ ہو یعنی ایسی عورت ہو کہ پہلا ہی حیض آنے کے بعد وہ مستحاضہ ہو گئی جس کے نتیجہ میں استحاضہ کا خون برابر جاری ہو گیا تو اسے چاہئے کہ وہ حیض کی انتہائی مدت یعنی دس دن کو ایام حیض قرار دے کر ان دنوں میں نماز وغیرہ چھوڑ دے اور بعد میں نہا دھو کر نماز وغیرہ شروع کر دے۔ اس صورت میں دوسرے ائمہ کے نزدیک عمل تمیز پر ہو گا یعنی اگر خون سیاہ رنگ کا ہو تو اسے حیض کا خون قرار دیا جائے گا اور اگر سیاہ رنگ کا نہ ہو تو وہ استحاضہ کا خون کہلائے گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مستحاضہ کو چاہئے کہ وہ ہر فرض نماز کے لیے اپنی شرم گاہ دھو لیا کرے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آئے جب ہی اپنی شرم گاہ دھولے پھر نہ دھوئے اور لنگوٹا باندھ کر جلدی جلدی وضو کر لے اس کے بعد جو خون جاری رہے گا اس میں وہ معذور ہو گی لہٰذا آخر وقت تک وہ جو چاہے پڑھے۔

مستحاضہ عورت کے ایام حیض واستحاض کے اعتبار میں مذاہب اربعہ

حضرت عمران بن طلحہ سے روایت ہے وہ اپنی والدہ حمنہ بنت جحش سے روایت کرتے ہیں کہ میں مستحاضہ ہوتی تھی اور خون استحاضہ بہت شدت اور زور سے آتا تھا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتوی پوچھنے کے لئے اور خبر دینے کے لئے آئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے اپنی بہن زینب بن جحش کے گھر میں پایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے استحاضہ بہت شدت کے ساتھ آتا ہے میرے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے پس تحقیق اس نے مجھے نماز اور روزہ سے روک دیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں کرسف رکھنے کا طریقہ بتایا ہے یہ خون کو روکتی ہے وہ کہنے لگیں وہ اس سے زیادہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لنگوٹ باندھ لو انہوں نے کہا وہ اس سے بھی زیادہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لنگوٹ میں کپڑا رکھ لو انہوں نے عرض کیا وہ تو اس سے بھی زیادہ ہے میں تو بہت خون بہاتی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں ان میں سے کسی ایک پر چلنا کافی ہے اور اگر دونوں کو کر سکو تو تم بہتر جانتی ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شیطان کی طرف سے ایک ٹھوکر ہے پس چھ یا سات دن اپنے آپ کو حائضہ سمجھو علم الٰہی میں اور پھر غسل کر لو پھر جب دیکھو کہ پاک ہو گئی ہو تو تیئس یا چوبیس دن رات تک نماز پڑھو اور روزے رکھو یہ تمہارے لئے کافی ہے۔

پھر اسی طرح کرتی رہو جیسے حیض والی عورتیں کرتی ہیں اور حیض کی مدت گزار کر طہر پر پاک ہوتی ہیں اور اگر تم ظہر کو موخر

اور عصر کو جلدی سے پڑھ سکو تو غسل کر کے دونوں نمازیں پاک ہو کر پڑھو پھر مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تعجیل کرو اور پاک ہونے پر غسل کرو اور دونوں نمازیں اکٹھی پڑھ لو پس اس طرح فجر کے لئے بھی غسل کرو اور نماز پڑھو اور اسی طرح کرتی رہو اور روزے بھی رکھو بشرطیکہ تم اس پر قادر ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں باتوں میں سے یہ مجھے زیادہ پسند ہے ابوعیسیٰ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسے عبیداللہ بن عمرو الرقی ابن جریج اور شریک نے عبداللہ بن محمد عقیل سے انہوں نے ابراہیم بن محمد بن طلحہ سے انہوں نے اپنے چچا عمران سے اور انہوں نے اپنی والدہ حمنہ سے روایت کیا ہے لیکن ابن جریج انہیں عمر بن طلحہ کہتے ہیں اور صحیح عمران بن طلحہ ہی ہے میں نے سوال کیا محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے بارے میں تو انہوں نے کہا یہ حدیث حسن ہے احمد بن حنبل نے بھی اسے حسن کہا ہے احمد اور اسحاق نے مستحاضہ کے متعلق کہا ہے کہ اگر وہ جانتی ہو اپنے حیض کی ابتداء اور انتہا تو اس کا حکم فاطمہ بنت حبیش کی حدیث کے مطابق ہوگا۔

اور اگر ایسی مستحاضہ ہے جس کے حیض کے دن معروف ہیں تو وہ اپنے مخصوص ایام میں نماز چھوڑ دے اور پھر غسل کرے اور ہر نماز کے لئے وضو کرے اور نماز پڑھے اور اگر خون مستقل جاری ہو اور اس کے ایام پہلے سے معروف نہ ہوں اور نہ ہی وہ خون کی رنگت سے فرق کر سکتی ہو تو اس کا حکم بھی حمنہ بنت جحش کی حدیث کے مطابق ہوگا۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب مستحاضہ کو ہمیشہ خون آنے لگے تو خون کے شروع ہی میں پندرہ دن کی نماز ترک کر دے اگر پندرہ دن یا اس سے پہلے پاک ہو گئی تو وہی اس کے حیض کی مدت ہے اگر خون پندرہ دن سے آگے بڑھ جائے تو چودہ دن کی نماز قضا کرے اور ایک دن کی نماز چھوڑ دے کیونکہ حیض کی کم سے کم مدت یہی ہے ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت میں اختلاف ہے بعض اہل علم کے نزدیک کم سے کم مدت تین دن جبکہ زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے یہ قول سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی ہے ابن مبارک کا بھی اسی پر عمل ہے جبکہ ان سے اس کے خلاف بھی منقول ہے بعض اہل علم جن میں عطاء بن رباح بھی ہیں کہتے ہیں کہ کم سے کم مدت حیض ایک دن رات اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے یہی قول ہے امام مالک شافعی احمد اسحاق اوزاعی اور ابوعبیدہ کا۔ (جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث 122)

بَابُ: مَا جَاءَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ إِذَا اخْتَلَطَ عَلَيْهَا الدَّمُ فَلَمْ تَقِفْ عَلَى أَيَّامِ حَيْضِهَا

یہ باب جب استحاضہ کا شکار کوئی عورت خون میں تمیز نہ کر سکے

اور وہ اپنے حیض کے مخصوص دنوں سے بھی واقف نہ ہو

626- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ اسْتُحِيضَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ

---

626 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 327' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 754' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 285' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 203' ورقم الحدیث: 204' ورقم الحدیث: 210' ورقم الحدیث: 355

جَحْشٍ وَهِيَ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ سَبْعَ سِنِيْنَ فَشَكَتْ ذٰلِكَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ وَاِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ فَاِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِيْ وَصَلِّيْ قَالَتْ عَآئِشَةُ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ ثُمَّ تُصَلِّيْ وَكَانَتْ تَقْعُدُ فِيْ مِرْكَنٍ لِاُخْتِهَا زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حَتّٰى اِنَّ حُمْرَةَ الدَّمِ لَتَعْلُو الْمَاءَ

◄◄ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو استحاضہ کی شکایت ہوگئی وہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں انہیں سات سال تک یہ شکایت رہی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ حیض نہیں ہے یہ کسی دوسری رگ کا خون ہے جب تمہیں حیض آ جائے تو تم نماز کو ترک کردو اور جب وہ رخصت ہو جائے تو تم غسل کر کے نماز ادا کرنا شروع کردو۔

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں وہ خاتون ہر نماز کے لیے غسل کرتی تھیں اور پھر نماز ادا کرتی تھیں وہ اپنی بہن سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ٹب میں بیٹھ جاتی تھیں یہاں تک کہ اس کے خون کی سرخی پانی پر غالب آ جاتی تھی۔

شرح

اس حدیث کے بارے میں اس سے پہلے حدیث کی تشریح میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ حدیث ان ائمہ کی دلیل ہے جو فرماتے ہیں کہ مستحاضہ ایام حیض کے سلسلہ میں تمیز پر عمل کرے کہ اگر خون کا رنگ گاڑھا سیاہ ہو تو اسے حیض کا خون قرار دے کر ان ایام میں نماز وغیرہ ترک کردے اور اگر رنگ گاڑھا سیاہ نہ ہو تو پھر اسے استحاضہ کا خون سمجھے اور نماز روزہ کرتی رہے چنانچہ اسی جگہ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ حدیث صحیح درجے کو نہیں پہنچی اس لئے اس کو کسی مسلک کی بنیاد قرار دینا اس مسلک کی کمزوری کو ظاہر کرنے کے مترادف ہے۔ بہر حال۔ یہاں خون کے جو رنگ بتائے گئے ہیں وہ دائمی اور کلی طور پر نہیں ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کے رنگ اکثر کے اعتبار سے بیان فرمائے ہیں کیونکہ کبھی حیض کا خون سرخ وغیرہ رنگ کا بھی ہوتا ہے حضرات حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی وضاحت یہ کرتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا محمول یہ ہوگا کہ "یہ تمیز عادت کے موافق ہو"۔ یعنی جس عورت کو استحاضہ لاحق ہو اور حیض میں جب خون کا رنگ سیاہ ہوگا تو اسے حیض کا خون قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا جب اس کی عادت کے دن گزر جائیں اور ان ہی دنوں میں خون کا رنگ سیاہ بمائل سرخی وغیرہ ہو تو اس کے بعد حیض کا خون شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کی عادت کے موافق خون کا رنگ اب سیاہ نہیں رہا۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِي الْبِكْرِ اِذَا ابْتَدَاَتْ مُسْتَحَاضَةً اَوْ كَانَ لَهَا اَيَّامُ حَيْضٍ فَنَسِيَتْهَا

یہ باب جب کسی کنواری لڑکی کا آغاز استحاضہ کے ساتھ ہو یا اس کے حیض کے مخصوص ایام ہوں جنہیں وہ بھول چکی ہو

627- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ

عَقِيلٍ عَنْ اِبْرٰهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ طَلْحَةَ عَنْ عَمِّهِ عِمْرَانَ بْنِ طَلْحَةَ عَنْ اُمِّهِ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ اَنَّهَا اسْتُحِيضَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنِّىْ اسْتُحِضْتُ حَيْضَةً مُنْكَرَةً شَدِيْدَةً قَالَ لَهَا احْتَشِىْ كُرْسُفًا قَالَتْ لَهُ اِنَّهُ اَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ اِنِّىْ اَثُجُّ ثَجًّا قَالَ تَلَجَّمِىْ وَتَحَيَّضِىْ فِىْ كُلِّ شَهْرٍ فِىْ عِلْمِ اللّٰهِ سِتَّةَ اَيَّامٍ اَوْ سَبْعَةَ اَيَّامٍ ثُمَّ اغْتَسِلِىْ غُسْلًا فَصَلِّىْ وَصُوْمِىْ ثَلٰثَةً وَّعِشْرِيْنَ اَوْ اَرْبَعَةً وَّعِشْرِيْنَ وَاَخِّرِى الظُّهْرَ وَقَدِّمِى الْعَصْرَ وَاغْتَسِلِىْ لَهُمَا غُسْلًا وَّاَخِّرِى الْمَغْرِبَ وَعَجِّلِى الْعِشَآءَ وَاغْتَسِلِىْ لَهُمَا غُسْلًا وَّهٰذَا اَحَبُّ الْاَمْرَيْنِ اِلَىَّ

◄◄ سیدہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں انہیں استحاضہ کی شکایت ہوگئی وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں' انہوں نے عرض کی: مجھے انتہائی شدید استحاضہ کی شکایت ہے' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم روئی استعمال کرو' انہوں نے عرض کی: وہ اس سے زیادہ ہے' یہ تو بہت زیادہ بہتا ہے' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم کپڑے کو مضبوطی سے باندھ لو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہر مہینے میں چھ دن یا سات دن حیض کے گنتی کرو پھر اس کے بعد غسل کرلو اور تئیس سے چوبیس دن تک نماز ادا کرتی رہو اور روزہ رکھتی رہو' تم ظہر کی نماز کو مؤخر کر کے اور عصر کی نماز کو جلدی ادا کرلیا کرو' ہر دو نمازوں کے لیے ایک مرتبہ غسل کیا کرو پھر مغرب کی نماز کو مؤخر کر کے عشاء کی نماز کو جلدی ادا کرلیا کرو' ان دونوں کے لیے ایک مرتبہ غسل کیا کرو' میرے نزدیک یہ زیادہ پسندیدہ بات ہے۔

خون استحاضہ کے احکام کا بیان

استحاضہ کا خون نکسیر کے خون کی طرح ہے جو نماز اور جماع سے نہیں روکتا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو وہ وضو کر اور نماز پڑھ اگر چہ خون بوریہ پر بھی گرے۔ اور جب نماز کا حکم معلوم ہوگیا تو روزے اور جماع کا حکم بطور اجماع ثابت ہوگیا۔

اور اگر خون دس دن سے بڑھ گیا حالانکہ اس عورت کی عادت معروفہ دس سے کم تھی تو اسے اس کی عادت کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اور جو وقت عادت معروفہ سے بڑھ جائے گا وہ استحاضہ ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مستحاضہ حیض والے دنوں میں نماز چھوڑ دے۔ اور جو عادت سے زائد ہے وہ اسی کی جنس سے ہے جو دس سے زائد ہے۔ (یعنی استحاضہ) لہٰذا اس کو اسی کے ساتھ لاحق کریں گے۔ اور اگر وہ مستحاضہ ہو بالغ ہوئی تو اس کا حیض ہر مہینے میں سے دس دن ہوگا اور باقی استحاضہ ہوگا کیونکہ ہم نے اسے حیض ہی پہچانا ہے۔ لہٰذا دس میں سے شک کی وجہ سے نکالا جائے گا۔

حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اُمّ حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھے استحاضہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خون ایک رگ کا ہے تو غسل کر اور نماز پڑھ۔ پھر وہ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔ لیث نے کہا کہ ابن شہاب نے یہ نہیں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم کیا تھا بلکہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خود ایسا کیا۔ (صحیح بخاری، کتاب طہارۃ)

استحاضہ کی تعریف وعلامات کا بیان

جو خون حیض اور نفاس کی صفت سے باہر ہو وہ استحاضہ ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اس میں بدبو نہیں ہوتی اور حیض اور نفاس کے خون میں بدبو ہوتی ہے اور استحاضہ کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں ۱۔ ایام حیض میں جو خون تین دن سے کم ہو، ۲۔ ایام حیض میں جو خون دس دن سے زیادہ ہو، ۳۔ جو خون نفاس چالیس دن سے زیادہ ہو، ۴۔ جو حیض ونفاس عادت مقررہ سے زیادہ ہو اور اپنی اکثر مدت یعنی دس دن اور چالیس دن سے زیادہ ہو جائے، ۵۔ حاملہ کا خون دوران حمل میں چاہے جتنے دن آئے، ۶۔ نو برس سے کم عمر کی لڑکی کو جو خون آئے، ۷۔ پچپن برس سے زیادہ ہو جانے پر جو خون آئے بشرطیکہ وہ قوی نہ ہو یعنی زیادہ سرخ وسیاہ نہ ہو، ۸۔ پندرہ روز سے کم وقفہ ہونا، ۹۔ پاخانہ کے مقام سے جو خون آئے، ۱۰۔ ولادت کے وقت آدھا بچہ یا اس سے کم آنے پر جو خون نکلے لیکن نصف سے زیادہ بچہ نکلنے کے بعد جو خون آئے گا وہ نفاس ہوگا، ۱۱۔ بالغ ہونے پر پہلی دفعہ حیض آیا اور وہ بند نہیں ہوا تو ہر مہینہ میں پہلے دس روز حیض کے شمار ہوں گے اور بیس روز استحاضہ شمار ہوں گے اسی طرح جس کو پہلی دفعہ نفاس آیا اور خون بند نہیں ہوا تو پہلے چالیس روز۔ نفاس شمار ہوگا اور باقی استحاضہ ہے۔

بَابُ: فِيْ مَا جَآءَ فِيْ دَمِ الْحَيْضِ يُصِيبُ الثَّوْبَ

یہ باب حیض کا خون کپڑے پر لگ جانے کے بیان میں ہے

628- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ ثَابِتِ بْنِ هُرْمُزَ اَبِي الْمِقْدَامِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ دِينَارٍ عَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ قَالَتْ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ دَمِ الْحَيْضِ يُصِيبُ الثَّوْبَ قَالَ اغْسِلِيْهِ بِالْمَآءِ وَالسِّدْرِ وَحُكِّيْهِ وَلَوْ بِضِلَعٍ.

◄► سیّدہ اُمّ قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے خون کے بارے میں دریافت کیا: جو کپڑے پر لگ جاتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پانی اور بیری کے پتوں کے ذریعے اسے دھو لو اور اسے کھرچ بھی دو اگرچہ ہڈی کے ذریعے ایسا کرو۔

629- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ خَالِدٍ الْاَحْمَرُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيقِ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ دَمِ الْحَيْضِ يَكُوْنُ فِي الثَّوْبِ قَالَ اقْرُصِيْهِ وَاغْسِلِيْهِ وَصَلِّيْ فِيْهِ.

---

628 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 363 'اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 291 'ورقم الحدیث: 393

629 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث: 227 'ورقم الحدیث: 307 'اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 673 'اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 361 'ورقم الحدیث: 362 'اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 292 'ورقم الحدیث 392

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں ایک مرتبہ ایک خاتون بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئی اور عرض کی: اگر کسی عورت کے کپڑوں کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا' اسے اچھی طرح مل کر پانی سے دھو لے پھراس پر پانی چھڑکے اور پھر انہی کپڑوں میں نماز ادا کرے۔

630- حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ اَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا كَانَتْ اِحْدَانَا لَتَحِيضُ ثُمَّ تَقْرُصُ الدَّمَ مِنْ ثَوْبِهَا عِنْدَ طُهْرِهَا فَتَغْسِلُهُ وَتَنْضَحُ عَلٰى سَائِرِهٖ ثُمَّ تُصَلِّيْ فِيهِ

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب ہم میں سے کوئی خاتون حائضہ ہوتی تو طہارت کے وقت وہ اس خون کو کھرچ کراس حصے کو دھوتی اور پورے کپڑے پر پانی چھڑک کراسی میں نماز پڑھ لیتی۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِي الْحَائِضِ لَا تَقْضِي الصَّلٰوةَ

یہ باب حیض والی عورت نماز کی قضاء کے بیان میں ہے

631- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ اَبِي عَرُوْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ امْرَاَةً سَاَلَتْهَا اَتَقْضِي الْحَائِضُ الصَّلٰوةَ فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ اَحَرُوْرِيَّةٌ اَنْتِ قَدْ كُنَّا نَحِيضُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَطْهُرُ وَلَمْ يَاْمُرْنَا بِقَضَاءِ الصَّلٰوةِ

حضرت معاذہ بیان کرتی ہیں ایک عورت نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا' کیا پاک ہونے کے بعد ہمیں نمازوں کی قضا ادا کرنا ہوگی؟ تو سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: کیا تم "حروریہ" ہو؟ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ہمیں بھی حیض آیا کرتا تھا پھر ہم پاک ہو جاتی تھیں' لیکن نبی کریم ﷺ نے ہمیں نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا۔

شرح

حروریہ: حروراء کی طرف منسوب ہے جو کوفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، یہ خوارج کے ایک گروہ کا نام ہے، یہ لوگ حیض کے مسئلہ میں متشدد تھے ان کا کہنا تھا کہ حائضہ صیام کی طرح صلاۃ کی بھی قضا کرے گی، اسی وجہ سے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت سے کہا" أحرورية أنت" (کیا تو حروریہ ہے) یعنی تو بھی وہی عقیدہ رکھتی ہے جو حروری (خارجی) رکھتے ہیں۔

حائضہ پر صلاۃ کی قضا نہیں ہے، لیکن صیام کی قضا ہے، ابن منذر اور نووی نے اس پر امت کا اجماع نقل کیا ہے، نیز صحیحین میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث میں ہے کہ ہم کو صوم کے قضا کرنے کا حکم ہوتا، اور صلاۃ کے قضا کرنے کا حکم نہیں ہوتا۔

630 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:308

631 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:321' اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث:759' ورقم الحدیث:760' ورقم الحدیث 761' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 262' ورقم الحدیث:263' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:130' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث 380,3317

بَابُ: الْحَائِضِ تَتَنَاوَلُ الشَّيْءَ مِنَ الْمَسْجِدِ

یہ باب حیض والی عورت کا مسجد میں سے کوئی چیز پکڑانے کے بیان میں ہے

632-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنِ الْبَهِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاوِلِيْنِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ اِنِّيْ حَائِضٌ فَقَالَ لَيْسَتْ حَيْضَتُكِ فِيْ يَدِكِ

◄► سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: مسجد میں سے مجھے چٹائی پکڑا دو' میں نے عرض کی: میں تو حیض کی حالت میں ہوں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

شرح

حجرہ کا دروازہ مسجد ہی میں تھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجرے کے اندر اپنا سر مبارک کر دیتے، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کنگھی کر دیتیں، بال دھو دیتیں، آپ ہمیشہ بال رکھتے تھے، آپ نے صرف حج میں بال منڈائے ہیں۔

633-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْنِيْ رَاْسَهُ اِلَيَّ وَاَنَا حَائِضٌ وَهُوَ مُجَاوِرٌ تَعْنِيْ مُعْتَكِفًا فَاَغْسِلُهُ وَاُرَجِّلُهُ

◄► سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک میری طرف بڑھا دیتے تھے اور میں اس وقت حیض کی حالت میں ہوتی تھی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اعتکاف کیا ہوتا تھا' تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو دھو دیتی تھی اور اس میں کنگھی کر دیا کرتی تھی۔

634-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَاَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ صَفِيَّةَ عَنْ اُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ رَاْسَهُ فِيْ حِجْرِيْ وَاَنَا حَائِضٌ وَيَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ

◄► سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھ لیتے تھے' میں اس وقت حالتِ حیض میں ہوتی تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت کر لیا کرتے تھے۔

---

632 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

633 اخرجہ ابن ماجہ فی ''السنن'' رقم الحدیث: 1778

634 اخرجہ بخاری فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 297' ورقم الحدیث: 7549' اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث: 691' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث: 260' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث: 273' ورقم الحدیث: 379

بَابُ: مَا لِلرَّجُلِ مِنُ امْرَاَتِهِ اِذَا كَانَتُ حَائِضًا

یہ باب جب عورت حیض کی حالت میں ہو، تو مرد اس کے ساتھ کیا کر سکتا ہے؟

حائض کے ساتھ محض مباشرت کرنے کا بیان

635- حَدَّثَنَا عَبُدُ اللّٰهِ بُنُ الْجَرَّاحِ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ عَبُدِ الْكَرِيمِ ح و حَدَّثَنَا اَبُو سَلَمَةَ يَحْيٰى بُنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا عَبُدُ الْاَعْلٰى عَنْ مُحَمَّدِ بُنِ اِسْحٰقَ ح و حَدَّثَنَا اَبُو بَكْرِ بُنُ اَبِى شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَلِىُّ بُنُ مُسْهِرٍ عَنِ الشَّيْبَانِىِّ جَمِيعًا عَنْ عَبُدِ الرَّحْمٰنِ بُنِ الْاَسْوَدِ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتُ كَانَتُ اِحْدَانَا اِذَا كَانَتُ حَائِضًا اَمَرَهَا النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَاْتَزِرَ فِى فَوْرِ حَيْضَتِهَا ثُمَّ يُبَاشِرُهَا وَاَيُّكُمُ يَمْلِكُ اِرْبَهُ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلِكُ اِرْبَهُ

◄◄ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب ہم (یعنی نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات) میں سے کوئی حائضہ ہوتی اور نبی کریم ﷺ اس سے مباشرت کا ارادہ کرتے تو اسے ازار باندھنے کا حکم دیتے پھر اس سے مباشرت کر لیتے۔ پھر سیدہ عائشہ صدیقہ نے (راوی کو مخاطب کرتے ہوئے) کہا: تم میں سے کون اپنی خواہش پر اس طرح قابو رکھ سکتا ہے جیسے نبی کریم کو اپنی خواہش پر قابو تھا؟

شرح

جو آدمی اپنے نفس پر قابو نہ رکھ پاتا ہو، اس کا حائضہ سے بوس و کنار اور چمٹنا مناسب نہیں کیونکہ خطرہ ہے کہ وہ اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے، اور جماع کر بیٹھے، جب کہ حائضہ سے جماع کی ممانعت تو قرآن کریم میں آئی ہے، ارشاد باری ہے: (فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ، البقرة:222)، "حالت حیض میں عورتوں سے دور رہو"، اور بعضوں نے کہا: جماع کے علاوہ ہر چیز درست ہے، کیونکہ دوسری حدیث میں ہے: سب باتیں کرو سوائے جماع کے، نیز یہاں مباشرت کا لفظ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، اصطلاحی معنی میں نہیں ہے، یعنی جسم کا جسم سے لگ جانا اور یہ جائز ہے۔

636- حَدَّثَنَا اَبُو بَكْرِ بُنُ اَبِى شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ اِبْرٰهِيمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتُ كَانَتُ اِحْدَانَا اِذَا حَاضَتْ اَمَرَهَا النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَاْتَزِرَ بِاِزَارٍ ثُمَّ يُبَاشِرُهَا

◄◄ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں جب ہم (یعنی نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات) میں سے کوئی ایک حائضہ ہوتی تو نبی کریم ﷺ اسے ازار باندھنے کا حکم دیتے پھر اس سے مباشرت کر لیتے۔

635، اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 302، اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 678، اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 274

636 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث 300، ورقم الحدیث: 3031، اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث 677، اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 268، اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 132، اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 285، ورقم الحدیث 372

637 - حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا اَبُوْ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ لِحَافِهٖ فَوَجَدْتُ مَا تَجِدُ النِّسَآءُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَانْسَلَلْتُ مِنَ اللِّحَافِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَفِسْتِ قُلْتُ وَجَدْتُ مَا تَجِدُ النِّسَآءُ مِنَ الْحَيْضَةِ قَالَ ذٰلِكِ مَا كَتَبَ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ قَالَتْ فَانْسَلَلْتُ فَاَصْلَحْتُ مِنْ شَاْنِىْ ثُمَّ رَجَعْتُ فَقَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَالَىْ فَادْخُلِىْ مَعِىْ فِى اللِّحَافِ قَالَتْ فَدَخَلْتُ مَعَهٗ

◄► سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لحاف میں لیٹی ہوئی تھی' مجھے وہی چیز محسوس ہوئی جو خواتین کو حیض کے حوالے سے محسوس ہوتی ہے' میں لحاف میں سے کھسک کر نکل گئی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا تمہیں حیض آ گیا ہے؟ میں نے عرض کی: مجھے وہی چیز محسوس ہوئی ہے' جو خواتین کو حیض کے حوالے سے محسوس ہوتی ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ وہ چیز ہے' جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں پر لازم کر دی ہے۔

سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' میں وہاں سے اٹھ کر گئی میں نے اپنا معاملہ ٹھیک کیا' پھر میں واپس آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' آ جاؤ اور میرے ساتھ لحاف میں داخل ہو جاؤ' سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لحاف میں داخل ہو گئی۔

638 -حَدَّثَنَا الْخَلِيْلُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُّحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ يَّزِيْدَ بْنِ اَبِىْ حَبِيْبٍ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ مُّعَاوِيَةَ بْنِ حُدَيْجٍ عَنْ مُّعَاوِيَةَ بْنِ اَبِىْ سُفْيَانَ عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ زَوْجِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَاَلْتُهَا كَيْفَ كُنْتِ تَصْنَعِيْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْحَيْضَةِ قَالَتْ كَانَتْ اِحْدَانَا فِىْ فَوْرِهَا اَوَّلَ مَا تَحِيْضُ تَشُدُّ عَلَيْهَا اِزَارًا اِلٰى اَنْصَافِ فَخِذَيْهَا ثُمَّ تَضْطَجِعُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

◄► حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ان سے یہ دریافت کیا: حیض کے دوران آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کرتی تھیں' تو سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ہم میں سے کوئی ایک حیض کے ابتدائی دنوں میں جب شدید خون آ رہا ہوتا ہے' تو وہ خاتون نصف رانوں تک تہبند باندھ لیتی تھی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لیٹ جایا کرتی تھی۔

ایام حیض اور جماع سے متعلقہ مسائل کا بیان

حضرت انس فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے تھے اور نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، صحابہ نے اس

637 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

638 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا جس کے جواب میں یہ آیت اتری، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے یہودی یہ سن کر کہنے لگے کہ انہیں تو ہماری مخالفت ہی سے غرض ہے، حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر نے یہودیوں کا یہ کلام نقل کر کے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہمیں جماع کی بھی رخصت دی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ یہ سن کر متغیر ہو گیا یہاں تک کہ اور صحابہ نے خیال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر ناراض ہو گئے۔ جب یہ بزرگ جانے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی بزرگ تحفتاً دودھ لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور وہ دودھ انہیں پلایا، اب معلوم ہوا کہ وہ غصہ جاتا رہا۔ (مسلم)

پس اس فرمان کا کہ حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو یہ مطلب ہوا کہ جماع نہ کرو اس لئے کہ اور سب حلال ہے۔ اکثر علماء کا مذہب ہے کہ سوائے جماع کے مباشرت جائز ہے، احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسی حالت میں ازواج مطہرات سے ملتے جلتے لیکن وہ تہمند باندھے ہوئے ہوتی تھیں (ابوداؤد)

حضرت عمارہ کی پھوپھی صاحبہ حضرت عائشہ صدیقہ سے سوال کرتی ہیں کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو اور گھر میں میاں بیوی کا ایک ہی بستر ہو تو وہ کیا کرے؟ یعنی اس حالت میں اس کے ساتھ اس کا خاوند سو سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا، سنو ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے، آتے ہی نماز کی جگہ تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے، دیر زیادہ لگ گئی اور اس عرصہ میں مجھے نیند آ گئی، آپ کو جاڑا لگنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ادھر آؤ، میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو حیض سے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھٹنوں کے اوپر سے کپڑا ہٹانے کا حکم دیا اور پھر میری ران پر رخسار اور سینہ رکھ کر لیٹ گئے، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک گئی تو سردی کچھ کم ہوئی اور اس گرمی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند آ گئی۔ حضرت مسروق ایک مرتبہ حضرت عائشہ کے پاس آئے اور کہا السلام علی النبی وعلی اھلہ حضرت عائشہ نے جواب دے کر مرحبا مرحبا کہا اور اندر آنے کی اجازت دی، آپ نے کہا ام المومنین ایک مسئلہ پوچھتا ہوں لیکن شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا سُن میں تیری ماں اور تو قائم مقام میرے بیٹے کے ہے، جو پوچھنا ہو پوچھ، کہا فرمایئے آدمی کیلئے اپنے حائضہ بیوی حلال ہے؟ فرمایا سوائے شرمگاہ کے اور سب جائز ہے۔ (ابن جریر)

اور سندوں سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ام المومنین کا یہ قول مروی ہے، حضرت ابن عباس مجاہد حسن اور عکرمہ کا فتویٰ بھی یہی ہے، مقصد یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا اس کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ امور بالاتفاق جائز ہیں۔ حضرت عائشہ سے منقول ہے میں حیض سے ہوتی تھی، میں ہڈی چوستی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی ہڈی کو وہیں منہ لگا کر چوستے تھے، میں پانی پیتی تھی پھر گلاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں منہ لگا کر اسی گلاس سے پانی پیتے اور میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی، ابوداؤد میں روایت ہے کہ میرے حیض کے شروع دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ ہی لحاف میں سوتے تھے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی ہی جگہ کو دھو ڈالتے۔ اگر جسم مبارک پر کچھ لگ جاتا تو اسے بھی دھو ڈالتے اور پھر ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے۔ ہاں ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں میں جب حیض سے ہوتی تو بستر سے اتر جاتی اور بوریئے پر آ جاتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے قریب بھی نہ

آتے جب تک میں پاک نہ ہو جاؤں۔ تو یہ روایت محمول ہے کہ آپ پرہیز اور احتیاط کرتے تھے نہ یہ کہ محمول ہو حرمت اور ممانعت پر بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ تہبند ہوتے ہوئے فائدہ اٹھائے، حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی کسی اہلیہ سے ان کی حیض کی حالت میں ملنا چاہتے تھے تو انہیں حکم دیتے تھے کہ تہبند باندھ لیں (بخاری)

اس طرح بخاری مسلم میں بھی یہ حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص سوال کرتا ہے کہ میری بیوی سے مجھے اس کے حیض کے حالت میں کیا کچھ حلال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تہبند سے اوپر کا کل۔

(ابوداؤد وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔ حضرت عائشہ حضرت ابن عباس، حضرت سعید بن مسیب اور حضرت شریح کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعی کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ اکثر عراقیوں وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تو متفقہ فیصلہ ہے کہ جماع حرام ہے اس لئے اس کے آس پاس سے بھی بچنا چاہئے تاکہ حرمت میں واقع ہونے کا خطرہ نہ رہے۔ حالت حیض میں جماع کی حرمت اور اس کام کے کرنے والے کا گنہگار ہونا تو یقین امر ہے جسے توبہ استغفار کرنا لازمی ہے لیکن اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں اس میں علماء کرام کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفارہ بھی ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ دے۔

ترمذی میں ہے کہ خون اگر سرخ ہو تو ایک دینار اور اگر زرد رنگ کا ہو تو آدھا دینار۔ مسند احمد میں ہے کہ اگر خون پیچھے ہٹ گیا اور ابھی اس عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اس حالت میں اس کا خاوند اس سے ملے تو آدھا دینار ورنہ پورا دینار، دوسرا قول یہ ہے کہ کفارہ کچھ بھی نہیں صرف اللہ عزوجل سے استغفار کرے۔ امام شافعی کا بھی آخری اور زیادہ صحیح یہی مذہب ہے اور جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔ جو حدیثیں اوپر بیان ہوئیں ان کی نسبت یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے۔ یہ فرمان کہ جب تک عورتیں پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ یہ تفسیر ہے اس فرمان کی کہ عورتوں سے ان کی حیض کی حالت میں جدا رہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حیض ختم ہو جائے پھر نزدیکی حلال ہے۔ حضرت امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل فرماتے ہیں طہر یعنی پاکی دلالت کرتی ہے کہ اب اس سے نزدیکی جائز ہے۔ حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ ہم میں سے جب کوئی حیض سے ہوتی تو تہبند باندھ لیتی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میں سوتی، اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس زندگی سے منع کیا گیا ہے وہ جماع ہے، ویسے سونا بیٹھنا وغیرہ سب جائز ہے۔ اس کے بعد یہ فرمان ان کے پاک ہو جانے کے بعد ان کے پاس آؤ۔ اس میں ارشاد ہے کہ اس کے غسل کر لینے کے بعد ان سے جماع کرو۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ ہر حیض کی پاکیزگی کے بعد جماع کرنا واجب ہے، اس کی دلیل آیت (فاتوھن) ہے جس میں حکم ہے لیکن یہ دلیل کوئی پختہ نہیں۔ یہ امر تو صرف حرمت کو ہٹا دینے کا اعلان ہے اور اس کے سوا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں، علماء اصول میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ امر یعنی حکم مطلقاً وجوب کیلئے ہوتا ہے ان لوگوں کو امام ابن حزم کا جواب بہت گراں ہے بعض کہتے ہیں یہ امر صرف اباحت کیلئے ہے اور چونکہ اس سے پہلے ممانعت وارد ہو چکی ہے یہ قرینہ ہے جو امر کو وجوب سے ہٹا دیتا ہے لیکن یہ غور طلب

بات ہے، دلیل سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر یعنی پہلے منع ہو پھر "حکم" ہو تو حکم اپنی اصل پر رہتا ہے یعنی جو بات منع سے پہلے جیسی تھی ویسی ہی اب ہو جائے گی یعنی اگر منع سے پہلے وہ کام واجب تھا تو اب بھی واجب ہی رہے گا، جیسے قرآن کریم میں ہے آیت (فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ، التوبہ:5) یعنی جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں سے جہاد کرو۔ اور اگر یہ کام ممانعت سے پہلے مباح تھا تو اب بھی وہ مباح رہے گا جیسے آیت (وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا) 5۔المائدہ:2) جب تم احرام کھول دو تو شکار کھیلو، اور جگہ ہے آیت (فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ) 62۔الجمعہ:10) یعنی جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔

ان علماء کرام کا یہ فیصلہ ان مختلف اقوال کو جمع بھی کر دیتا ہے جو امر کے وجوب وغیرہ کے بارے میں ہیں۔ غزالی وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے اور بعض ائمہ متاخرین نے بھی اسے پسند فرمایا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔ یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ تمام علماء امت کا اتفاق ہے کہ جب خون حیض کا آنا رک جائے، مدت حیض گزر جائے پھر بھی اس کے خاوند کو اپنی بیوی سے مجامعت کرنی حلال نہیں جب تک وہ غسل نہ کر لے، ہاں اگر وہ معذور ہو اور غسل کے عوض تیمم کرنا اسے جائز ہو تو تیمم کر لے۔ اس کے بعد اس کے پاس اس کا خاوند آسکتا ہے۔

ہاں امام ابوحنیفہ ان تمام علماء کے مخالف ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جب حیض زیادہ سے زیادہ دنوں تک آخری معیاد یعنی دس دن تک رہ کر بند ہو گیا تو اس کے خاوند اس سے صحبت کرنا حلال ہے، گو اس نے غسل نہ کیا ہو، واللہ اعلم، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تو لفظ (یطھرون) کا اس سے مراد خون حیض کا بند ہونا ہے اور (تطھرون) سے مراد غسل کرنا ہے۔ حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت حسن، حضرت مقاتل بن حیات، حضرت لیث بن سعد وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں، پھر ارشاد ہوتا ہے اس جگہ سے آؤ جہاں سے آنے کا حکم اللہ نے تمہیں دیا ہے، مراد اس سے آگے کی جگہ ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ مراد اس سے بچوں کے تولد ہونے کی جگہ ہے، اس کے سوا اور جگہ یعنی پاخانہ کی جگہ جانا حرام ہے، ایسا کرنے سے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ صحابہ اور تابعین سے بھی یہی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جس جگہ سے حالت حیض میں تم روکے گئے تھے اب وہ جگہ تمہارے لئے حلال ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاخانہ کی جگہ وطی کرنا حرام ہے۔ اس کا مفصل بیان بھی آتا ہے انشاء اللہ۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ پاکیزگی کی حالت میں آؤ جبکہ حیض سے نکل آئیں اس لئے اس کے بعد کے جملہ میں ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں، اس حالت میں جماع سے باز رہنے والوں، گندگیوں اور ناپاکیوں سے بچنے والوں، حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے نہ ملنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ سے محفوظ رہنے والوں کو بھی پروردگار اپنا محبوب بنالیتا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ، بیروت)

بَابُ: النَّهْيِ عَنْ اِتْيَانِ الْحَائِضِ

یہ باب حیض والی عورت کے ساتھ صحبت کرنے کی ممانعت میں ہے

639-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حَكِيمٍ الْاَثْرَمِ عَنْ اَبِي تَمِيمَةَ الْهُجَيْمِيِّ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى حَائِضًا اَوْ امْرَاَةً فِي دُبُرِهَا اَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ

◄► حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص کسی حیض والی عورت کے ساتھ یا کسی عورت کے ساتھ اس کی پچھلی شرمگاہ میں صحبت کرے یا کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کرے تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے۔

شرح

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی حلال اور جائز سمجھ کر کسی حائضہ سے جماع کرے یا کسی عورت کے پیچھے کی طرف بد فعلی کرے یا کاہن کے پاس جائے اور کاہن اسے غیب کے متعلق جو چیزیں بتائے انہیں وہ سچ جانے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر یہ شکل ہو کہ کوئی آدمی حائضہ عورت سے جماع یا عورت سے لواطت کرے مگر یہ سمجھتا ہو کہ یہ حلال اور جائز نہیں ہے وہ کافر نہیں بلکہ فاسق ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی کاہن کے پاس جائے مگر اس نے جو چیزیں بتائی ہیں اس کو سچ نہ جانے تو بھی فاسق ہوگا۔ اس صورت میں اس حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ جس آدمی نے ایسا کیا گویا اس نے کفران نعمت کیا۔ " کاہن اس آدمی کو کہتے ہیں جو آئندہ واقعات کی خبر دیتا ہے اور نجومی اسے کہتے ہیں جو ستاروں کی مدد سے خبر دیتا ہے۔ کاہن اور نجومی دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ جس طرح کاہن کے پاس غیب کی خبریں جاننے کے لئے جانا ممنوع ہے اور اس کی دی ہوئی خبر پر یقین کرنا کفر ہے اسی طرح نجومی کے پاس بھی جانا فسق اور اس کی بتائی باتوں کو سچ جاننا کفر ہے۔ اس حدیث میں پیچھے کی طرف بد فعلی کرنے کے سلسلے میں صرف عورت کی جو قید لگائی ہے اور وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مرد سے اغلام کرنا اس سے بھی زیادہ برا ہے۔

بَابُ: فِيْ كَفَّارَةِ مَنْ اَتٰى حَائِضًا

یہ باب جو شخص حیض والی عورت کے ساتھ صحبت کرے اسکے کفارے میں ہے

640-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَّمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَّابْنُ اَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الَّذِي يَاْتِي امْرَاَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ قَالَ يَتَصَدَّقُ بِدِينَارٍ اَوْ بِنِصْفِ دِينَارٍ

---

639 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 3904 اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 135

640 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 264 ورقم الحدیث: 2168 اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث: 288 ورقم الحدیث 368

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں: جو شخص اپنی حیض والی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے۔

شرح

ایک دینار ساڑھے چار ماشے سونے کا ہوتا ہے۔ اگر سونا روپے تولہ ہو تو ایک دینار چھ روپے کا ہوا اور آدھا دینار تین روپے کا۔ خطابی نے کہا ہے کہ اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرلے تو اس کا کفارہ صرف استغفار ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ کا یہی مسلک ہے مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے اپنی حائضہ عورت سے اس وقت جماع کیا جب کہ خون جاری تھا تو اسے ایک دینار صدقہ کرنا مستحب ہے اسی طرح اگر کسی نے انقطاع خون کے بعد صحبت کی تو اسے بھی نصف دینار صدقہ کرنا مستحب ہے۔ حضرت ابن ہمام حنفی حرمہ اللہ تعالیٰ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنی حائضہ بیوی سے یہ سمجھ کر صحبت کرے کہ یہ حلال ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور جس آدمی نے اسے حرام سمجھتے ہوئے کیا تو اس نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا لہٰذا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خداوند کریم کی بارگاہ میں اس حرام فعل کے صدور پر شرمسار ہو کر اس سے توبہ و بخشش کا خواستگار ہو اور ایک دینار یا نصف دینار از روئے استحباب صدقہ کرلے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما پر مرسل ہے یا موقوف ہے کیونکہ اس حدیث کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع متصل ہونا ثابت نہیں ہے۔

بَابُ: فِي الْحَائِضِ كَيْفَ تَغْتَسِلُ

یہ باب حیض والی عورت کے طریقہ غسل کے بیان میں ہے

641- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا وَكَانَتْ حَائِضًا انْقُضِى شَعْرَكِ وَاغْتَسِلِىْ قَالَ عَلِيٌّ فِىْ حَدِيْثِهٖ انْقُضِى رَأْسَكِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا، وہ اس وقت حیض کی حالت میں تھیں، تم اپنے سر کے بال کھول دو اور غسل کرلو۔ علی نامی راوی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔ ''تم اپنے سر کو کھول دو''۔

شرح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل حیض میں سر کا کھولنا ضروری ہے، اس میں بہ نسبت غسل جنابت کے زیادہ صفائی کی ضرورت ہوتی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ جنابت کے غسل میں سر کا کھولنا ضروری نہ رکھا، کیونکہ وہ اکثر ہوا کرتا ہے، اور بار بار کھولنے سے عورتوں کو تکلیف ہوتی ہے، اور حیض کا غسل مہینے میں ایک بار ہوتا ہے، اس میں سر کھولنے سے کسی طرح کا حرج نہیں

641 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بلکہ ہر ایک عورت مہینے میں ایک دو بار اپنا سر کھولتی، اور بالوں کو دھوتی ہے۔

642 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ بْنِ مُهَاجِرٍ قَالَ سَمِعْتُ صَفِيَّةَ تُحَدِّثُ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ اَسْمَاءَ سَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْغُسْلِ مِنَ الْمَحِيْضِ فَقَالَ تَاْخُذُ اِحْدَاكُنَّ مَآئَهَا وَسِدْرَهَا فَتَطَهَّرُ فَتُحْسِنُ الطُّهُوْرَ اَوْ تَبْلُغُ فِى الطُّهُوْرِ ثُمَّ تَصُبُّ عَلٰى رَاْسِهَا فَتَدْلُكُهُ دَلْكًا شَدِيْدًا حَتّٰى تَبْلُغَ شُؤُوْنَ رَاْسِهَا ثُمَّ تَصُبُّ عَلَيْهَا الْمَآءَ ثُمَّ تَاْخُذُ فِرْصَةً مُمَسَّكَةً فَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَتْ اَسْمَآءُ كَيْفَ اَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِىْ بِهَا قَالَتْ عَآئِشَةُ كَاَنَّهَا تُخْفِىْ ذٰلِكَ تَتَبَّعِىْ بِهَا اَثَرَ الدَّمِ قَالَتْ وَسَاَلَتْهُ عَنِ الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ فَقَالَ تَاْخُذُ اِحْدَاكُنَّ مَآئَهَا فَتَطَهَّرُ فَتُحْسِنُ الطُّهُوْرَ اَوْ تَبْلُغُ فِى الطُّهُوْرِ حَتّٰى تَصُبَّ الْمَآءَ عَلٰى رَاْسِهَا فَتَدْلُكُهُ حَتّٰى تَبْلُغَ شُؤُوْنَ رَاْسِهَا ثُمَّ تُفِيْضُ الْمَآءَ عَلٰى جَسَدِهَا فَقَالَتْ عَآئِشَةُ نِعْمَ النِّسَآءُ نِسَآءُ الْاَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ اَنْ يَّتَفَقَّهْنَ فِى الدِّيْنِ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے بعد غسل کے بارے میں دریافت کیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت پانی اور بیری کے پتے لے کر ان کے ذریعے غسل کرے اور اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرے پھر اپنے سر پر پانی بہا کر اچھی طرح ملے یہاں تک کہ وہ بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے' پھر وہ اپنے جسم پر پانی بہالے پھر مشک لگی روئی کو لے کر اس کے ذریعے پاکیزگی حاصل کرو۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا: میں اس کے ذریعے کیسے پاکیزگی حاصل کروں؟

(یہاں سنن ابن ماجہ کے ایک نسخے میں یہ الفاظ ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سبحان اللہ' تم اس کے ذریعے پاکیزگی حاصل کرو)

(صفیہ نامی راوی خاتون بیان کرتی ہیں' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ان کے کہنے کا انداز یہ تھا جیسے وہ یہ مخفی طور پر بیان کر رہی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی: وہ خون کے نشانات کو اس کے ذریعے صاف کرلے)

وہ بیان کرتی ہیں' میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل جنابت کے بارے میں دریافت کیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت پانی لے پھر اس کے ذریعے پاکیزگی حاصل کرے اور اچھی طرح سے پاکیزگی حاصل کرے (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) وہ اس کے ذریعے طہارت کے حصول میں مبالغہ کرے پھر وہ اپنے جسم پر پانی بہائے اور اسے ملے یہاں تک کہ پانی سر کی جڑوں تک پہنچ جائے پھر وہ اپنے جسم پر پانی بہالے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' انصار کی خواتین اس حوالے سے اچھی ہیں' دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے میں حیا

---

642 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

642 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 748' ورقم الحدیث: 749' ورقم الحدیث: 750' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث 314' ورقم الحدیث 315' ورقم حدیث 316

ان کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی ہے۔

حائض کے غسل کے طریقے کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (ایک دن) ایک انصاری عورت نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے غسل حیض کے بارے میں پوچھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غسل کا حکم دیا کہ کس طرح غسل کیا جائے۔" (یعنی پہلی حدیثوں میں غسل کی جو کیفیت گزری ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بیان فرمائی اور پھر فرمایا کہ مشک میں (بھگوئے ہوئے کپڑے) کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے پاکی حاصل کرو، اس نے کہا کہ اس سے کس طرح پاکی حاصل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم اس سے پاکی حاصل کرو۔" اس نے پھر پوچھا کہ اس سے کس طرح پاکی حاصل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سبحان اللہ (یعنی اللہ پاک ہے)۔ تم اس سے پاکی حاصل کرو، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انہیں الفاظ کو بار بار سن کر) میں نے اس عورت کو اپنی جانب کھینچ لیا اور اس سے کہا کہ "(تم اس کپڑے کو) خون کی جگہ (یعنی شرم گاہ پر) رکھ لو!۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 410)

اس قسم کے مسائل جہاں آ رہے ہیں۔ وہاں آپ حدیث کا اسلوب دیکھ رہے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مسائل کو کس انداز سے بیان فرماتے ہیں، بات وہی ہے کہ ایک طرف تو مسائل شرعیہ کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر ہے جس میں شرم و حیاء کی وجہ سے کسی اخفاء کی گنجائش نہیں ہے دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم و حیاء کے وہ فطری تقاضے ہیں جو خلاف ادب و تہذیب جملوں کی ادائیگی میں حائل ہوتے ہیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مسائل کے بیان میں ایسی راہ اختیار کرتے ہیں جو شرم و حیاء کے دائرے سے سر مو تجاوز نہیں ہوتی اور مسائل کی وضاحت بھی حتی الامکان ہو جاتی ہے۔

اب آپ یہیں دیکھئے کہ ایک سائلہ عورتوں کے مسئلے کی وضاحت چاہتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے جواب دیتے ہیں اور پھر اس سلسلے میں نظامت و لطافت کے ایک خاص طریقہ کی طرف اس کی راہنمائی فرمانا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشاروں اشاروں میں اسے سمجھا رہے ہیں، سائلہ زیادہ سمجھ کا ثبوت نہیں دیتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ اپنے جملوں کو دہراتے ہیں تاکہ وہ سمجھ جائے مگر وہ مزید وضاحت چاہتی ہے تو آپ پھر انتہائی تعجب سے فرماتے ہیں کہ "سبحان اللہ! تم اس سے پاکی حاصل کرو۔" یعنی تعجب کی بات ہے کہ تم اتنے سیدھے سادھے اور ظاہر مسئلہ کو نہیں سمجھ پا رہی ہو۔ یہ کوئی ایسا باریک مسئلہ نہیں ہے، کوئی خاص نکتہ نہیں ہے جسے سمجھنے میں اعلیٰ غور و فکر کی ضرورت ہو" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس وقت ذکاوت و ذہانت کا بہترین ثبوت دیتی ہیں، انہوں نے تاڑ لیا کہ اُدھر تو عورت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد اور مطلب تک پہنچ نہیں پا رہی ہے۔ ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم و حیاء اس سے آگے بڑھ کر مزید وضاحت کی اجازت نہیں دیئے جا رہی ہے، چنانچہ آپ اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں اور پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد وضاحت کے ساتھ سمجھاتی ہیں۔

حدیث کے الفاظ خذی فرصۃ من مسک قطھری میں لفظ مسک میم کے زیر کے ساتھ ہے جس کے معنی "مشک" کے ہیں، اس کا

مطلب یہ ہوگا کہ مشک کا ایک بڑا ٹکڑا یا مشک میں بھیگے ہوئے یا رنگے ہوئے کپڑے کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے پاکی حاصل کرو۔ایک روایت میں میم کے زبر کے ساتھ بھی آیا ہے جس کے معنی چمڑے کے ہیں۔لیکن روایت کے مطابق اور موقع کی مناسبت سے میم کے زیر کے ساتھ یعنی مشک کے معنی زیادہ بہتر اور اولیٰ ہیں۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِيْ مُؤَاكَلَةِ الْحَائِضِ وَسُؤْرِهَا

یہ باب حیض والی عورت کے ساتھ کھانے پینے اور اس کے جوٹھے کے بیان میں ہے

643-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَتَعَرَّقُ الْعَظْمَ وَاَنَا حَائِضٌ فَيَاْخُذُهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَمَهُ حَيْثُ كَانَ فَمِيْ وَاَشْرَبُ مِنَ الْاِنَاءِ فَيَاْخُذُهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَمَهُ حَيْثُ كَانَ فَمِيْ وَاَنَا حَائِضٌ

◄► سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: بعض اوقات میں حیض کی حالت میں کوئی ہڈی چوستی تھی پھر نبی کریم ﷺ اسے لے لیتے تھے اور آپ ﷺ اپنا منہ مبارک اسی جگہ رکھتے تھے جہاں میں نے اپنا منہ مبارک رکھا تھا۔اسی طرح میں کسی برتن میں سے پیتی تھی تو نبی کریم ﷺ اسے لے کر اپنا منہ مبارک اسی جگہ رکھتے تھے جہاں میں نے اپنا منہ رکھا ہوتا تھا حالانکہ میں اس وقت حیض کی حالت میں ہوتی تھی۔

644-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ الْيَهُوْدَ كَانُوْا لَا يَجْلِسُوْنَ مَعَ الْحَائِضِ فِيْ بَيْتٍ وَّلَا يَاْكُلُوْنَ وَلَا يَشْرَبُوْنَ قَالَ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا الْجِمَاعَ

◄► حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یہودیوں کا یہ معمول تھا کہ وہ ایک ہی گھر میں حیض والی خواتین کے ساتھ نہیں بیٹھتے تھے ان کے ساتھ کھاتے نہیں تھے پیتے نہیں تھے۔راوی بیان کرتے ہیں: اس بات کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے کیا گیا' تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

''لوگ تم سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں: تم یہ فرمادو! وہ گندگی ہے' تو تم حیض کے دوران خواتین سے

643 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث:690' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث:259' اخرجہ النسائی فی ''السنن'' رقم الحدیث 70' ورقم الحدیث 278' ورقم الحدیث 279' ورقم الحدیث۔280' ورقم الحدیث 281' ورقم الحدیث:340' ورقم الحدیث:375' ورقم الحدیث 376' ورقم الحدیث' 377' ورقم الحدیث 378

644 اخرجہ مسلم فی ''الصحیح'' رقم الحدیث۔690' اخرجہ ابوداؤد فی ''السنن'' رقم الحدیث 258' ورقم الحدیث۔2165' اخرجہ الترمذی فی ''الجامع'' رقم الحدیث 2977م' ورقم الحدیث 2978

الگ رہو۔'' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم صحبت کرنے کے علاوہ سب کچھ کر سکتے ہو۔

شرح

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "یہود میں سے جو کوئی عورت ایام سے ہو جاتی تو وہ لوگ نہ صرف یہ کہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے نہ تھے بلکہ گھروں میں سونا بیٹھنا تک چھوڑ دیتے تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں حکم پوچھا (کہ حائضہ عورتوں کے بارے میں یہودیوں کا تو یہ عمل ہے لیکن ہم کیا کریں؟) جبھی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ) 2۔ البقرۃ:222) (یعنی یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں الخ" نازل فرمائی (آیت کے نازل ہونے کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) تم اپنی عورتوں کے ساتھ جب کہ وہ حائضہ ہوں) سوائے صحبت کے جو چاہے کیا کرو جب یہ خبر یہودیوں کو پہنچی تو انہوں نے کہا یہ آدمی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جس دینی امر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس میں ہماری مخالفت ضرور کرتے ہیں۔" (یہود کی زبانی یہ سن کر دو صحابہ کرام) حضرت اسید ابن حضیر اور حضرت عباد ابن بشر رضی اللہ عنہما (دربار رسالت میں) حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہودی ایسا ایسا کہہ رہے ہیں (یعنی انہوں نے یہودیوں کا کلام نقل کیا اور پھر یہ کہا کہ) اگر اجازت ہو (یہودیوں کی موافقت کے لئے) ہم اپنی عورتوں کے پاس (ایام حیض) میں رہنا سہنا چھوڑ دیں۔" (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا اور ہمیں یہ گمان ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں پر خفا ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں بھی نکل کر چل دیئے۔ ان کے جاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے تحفہ میں دودھ آ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے پیچھے (کسی آدمی کو بلانے کے لئے) بھیجا (جب وہ آ گئے تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہ دودھ پلا دیا (تاکہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف و کرم کا احساس ہو جائے چنانچہ دودھ پینے کے بعد انہوں نے جانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ناراض نہیں ہیں۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 512)

پوری آیت یہ ہے (وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَـطْهُرْنَ ، البقرۃ:222) "اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں سو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دیجئے کہ وہ تو نجاست ہے لہٰذا ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تم وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور ان سے مقاربت نہ کرنے کا حکم دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں سے حیض کی حالت میں جماع نہ کرو، اس کے علاوہ تمام چیزیں جائز ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ کھانا، پینا، گھروں میں رہنا سہنا، لیٹنا، بیٹھنا یہاں تک کہ عورت کے ناف کے اوپر کے حصے سے اپنا بدن ملانا یا ہاتھ لگانا یہ سب چیزیں جائز ہیں۔

لہٰذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایام حیض میں اگر کوئی آدمی جماع کرے گا تو وہ آدمی گنہ گار ہو گا کیونکہ یہ حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی آدمی اپنی عورت سے ایام حیض میں یہ سمجھ کر جماع کرے کہ یہ حلال اور جائز ہے تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس کا حرام

ہونا قرآن سے ثابت ہوتا ہے، (دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہود کی باتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو معروضہ پیش کیا تھا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہ کر لیجئے کہ اللہ نخواستہ ان کے ذہن میں اس حکم کی کوئی اہمیت نہ تھی یا یہ کہ ایک اسلامی حکم کے مقابلے میں یہودیوں کی بات کا انہیں زیادہ خیال تھا بلکہ ان کا مطلب تو صرف یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو ہم عورتوں کے ساتھ ایام حیض میں اٹھنا بیٹھنا ترک کر دیں اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیں، تا کہ یہود جو طعن کرتے ہیں وہ نہ کریں اور ہم آپس میں الفت و یک جہتی کے ساتھ رہا کریں۔

حائض کے ساتھ کھانے پینے کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حالت ایام میں پانی پی کر (وہ برتن) رسول اللہ کو دے دیا کرتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ سے جہاں میرا منہ لگا ہوتا تھا منہ لگا کر پی لیتے اور کبھی میں ایام کی حالت میں ہڈی سے گوشت نوچ کر کھاتی پھر وہ ہڈی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ پر منہ رکھ کر گوشت کو نوچتے جہاں سے میں نے منہ رکھ کر نوچا ہوتا تھا۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 514)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل دو وجہ سے ہوا کرتا تھا اول تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بے انتہا محبت تھی دوسری یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کی مخالفت منظور ہوتی تھی چنانچہ یہودی تو کہاں حائضہ عورت کے ساتھ گھر میں رہنا اور ان کو ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کرتے تھے اور ادھر یہ معمول تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایام حیض میں برتن میں جس جگہ سے منہ لگا کر پانی پیا کرتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی جگہ منہ (لگا کر پانی پیتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جس جگہ سے منہ لگا کر ہڈی سے گوشت کو نوچا کرتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی جگہ منہ لگا کر ہڈی سے گوشت نوچا کرتے تھے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ کھانا پینا اور اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جائز ہے نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے اعضائے بدن نجس و ناپاک نہیں ہوتے۔

بَابُ: فِيْ مَا جَآءَ فِيْ اجْتِنَابِ الْحَائِضِ الْمَسْجِدَ

یہ باب حیض والی عورت کا مسجد سے اجتناب کرنے کے بیان میں ہے

645- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى قَالَا حَدَّثَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِىْ غَنِيَّةَ عَنْ اَبِى الْخَطَّابِ الْهَجَرِيِّ عَنْ مَحْدُوجٍ الذُّهْلِيِّ عَنْ جَسْرَةَ قَالَتْ اَخْبَرَتْنِىْ اُمُّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَرْحَةَ هٰذَا الْمَسْجِدِ فَنَادٰى بِاَعْلٰى صَوْتِهٖ اِنَّ الْمَسْجِدَ لَا يَحِلُّ لِجُنُبٍ وَّلَا لِحَائِضٍ

◄◄ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد کے صحن میں داخل ہوئے اور بلند آواز میں اعلان کیا'

645: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بے شک مسجد جنبی شخص اور حیض والی عورت کے لیے حلال نہیں ہے۔

شرح

مسجد اللہ کا گھر ہونے کی وجہ سے ایک مقدس اور محترم جگہ ہے، اس پاک جگہ کی عظمت واحترام اور اس کے تقدس کا تقاضہ ہے کہ کوئی ایسا آدمی اس میں داخل نہ ہو جو حالت ناپاکی میں ہو۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف (گھروں کو ایسے دروازے جن میں گزرنے کے لئے مسجد سے گزرنا پڑتا ہے ان) کے رخ تبدیل کر دیئے جائیں تاکہ جنبی اور حائضہ جو اپنے مکانوں میں جانے کے لئے مسجد سے گزرنے کے لئے مجبور ہیں اس شکل میں مسجد سے نہ گزر سکیں، حضرت امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر جنبی اور حائضہ کسی دوسری جگہ جانے کے لئے مسجد سے گزرنا چاہیں تو وہ گزر سکتے ہیں لیکن انہیں مسجد کے اندر بحالت ناپاکی بیٹھنا جائز نہیں ہے۔" مگر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح جنبی اور حائضہ کو مسجد کے اندر ٹھہرنا ناجائز ہے اسی طرح انہیں مسجد کے اندر سے گزرنا بھی حرام ہے چنانچہ یہ حدیث امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی تائید کر رہی ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی اور حائضہ کو مسجد میں داخل ہونے سے مطلقاً منع فرمایا ہے اس میں گزرنے یا ٹھہرنے کی کوئی قید نہیں ہے۔ لہٰذا اس عموم کا تقاضہ یہ ہے کہ جنبی اور حائضہ کو مطلقاً مسجد میں داخل ہونے سے روکا جائے خواہ وہ گزرنے کے لئے مسجد میں داخل ہوں یا وہاں ٹھہرنے کے لئے۔

حائض وجنبی کیلئے دخول مسجد سے ممانعت کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے دیکھا کہ صحابہ کے کمروں کا رخ مسجد کی طرف ہے (یعنی انکے کمروں کے دروازے مسجد میں یا مسجد کی طرف کھلتے تھے تاکہ ایک دوسرے کے گھر میں آنے جانے کی سہولت ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھروں کا رخ مسجد سے پھیر دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد پھر تشریف لائے اور لوگوں نے اس امید پر کہ شاید انکے بارے میں کوئی رخصت نازل ہو اس وقت تک کوئی ردو بدل نہیں کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تشریف لائے تو فرمایا کہ گھروں کا رخ مسجد سے پھیر دو کیونکہ میں مسجد کو جنبی اور حائضہ کے لیے حلال نہیں کرتا۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ افلت راوی سے مراد فلیت عامری ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد اول: رقم الحدیث، 231)

بَابُ: مَا جَآءَ فِي الْحَائِضِ تَرٰى بَعْدَ الطُّهْرِ الصُّفْرَةَ وَالْكُدْرَةَ

یہ باب حیض والی عورت کا طہر کے بعد زردیا مٹیالا مواد دیکھنے میں ہے

646- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسٰى عَنْ شَيْبَانَ النَّحْوِيِّ عَنْ يَحْيٰى بْنِ اَبِي كَثِيرٍ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ بَكْرٍ اَنَّهَا اُخْبِرَتْ اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَرْاَةِ تَرٰى مَا يَرِيبُهَا بَعْدَ الطُّهْرِ قَالَ اِنَّمَا هِيَ عِرْقٌ اَوْ عُرُوقٌ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى يُرِيدُ بَعْدَ

646 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:293

الطُّهْرِ بَعْدَ الْغُسْلِ

◆◆ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی خاتون کے بارے میں جو طہر کے بعد وہ چیز دیکھتی ہے' جو اسے شک میں مبتلا کردے' اس کے بارے میں یہ فرمایا ہے' یہ کسی دوسری رگ کا (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں' دوسری رگوں کا مواد ہے)

محمد بن یحییٰ بیان کرتے ہیں: ان کی مراد یہ تھی کہ طہر کے بعد غسل کر لینے کے بعد جو مواد نظر آتا ہے (اس کا یہ حکم ہے)

647- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى اَنْبَاَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ اَنْبَاَنَا مَعْمَرٌ عَنْ اَيُّوْبَ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ لَمْ نَكُنْ نَرَى الصُّفْرَةَ وَالْكُدْرَةَ شَيْئًا

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّقَاشِيُّ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا لَا نَعُدُّ الصُّفْرَةَ وَالْكُدْرَةَ شَيْئًا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى وُهَيْبٌ اَوْلَاهُمَا عِنْدَنَا بِهٰذَا

◆◆ سیدہ اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ہم لوگ زرد یا مٹیالے مواد کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ ایک اور سند کے ساتھ یہ بات منقول ہے سیدہ اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم لوگ زرد یا مٹیالے مواد کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ محمد بن یحییٰ نامی راوی کہتے ہیں: دونوں راویوں میں سے وہیب نامی راوی میرے نزدیک زیادہ قابل اعتماد ہیں۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِي النُّفَسَاءِ كَمْ تَجْلِسُ

یہ باب نفاس والی عورت کے ٹھہرنے مدت کے بیان میں ہے

648- حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا شُجَاعُ بْنُ الْوَلِيْدِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الْاَعْلٰى عَنْ اَبِيْ سَهْلٍ عَنْ مُسَّةَ الْاَزْدِيَّةِ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَتِ النُّفَسَاءُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجْلِسُ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا وَّكُنَّا نَطْلِيْ وُجُوْهَنَا بِالْوَرْسِ مِنَ الْكَلَفِ

◆◆ سیدہ اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نفاس والی عورت چالیس دن تک بیٹھی رہتی تھی ہم (خواتین اس دوران) چھائیوں کی وجہ سے اپنے چہروں پر کسم کا لیپ کیا کرتی تھیں۔

649- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ عَنْ سَلَّامِ بْنِ سُلَيْمٍ اَوْ سَلْمٍ شَكَّ اَبُو الْحَسَنِ وَاَظُنُّهُ هُوَ اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِلنُّفَسَاءِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اِلَّا اَنْ تَرَى الطُّهْرَ قَبْلَ ذٰلِكَ

◆◆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاس والی خواتین کے لیے چالیس دن کی مدت متعین

647 اخرجہ البخاری فی "الصحیح" رقم الحدیث:326' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:308' اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث:366

648 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث:311' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث:139

649 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

کی تھی البتہ اگر وہ اس سے پہلے طہر دیکھ لے تو حکم مختلف ہوگا۔

شرح

نفاس وہ بچے کی پیدائش کے بعد نکلنے والا خون ہے اور وہ خون جسے حاملہ عورت دیکھے اور وہ جسے عورت بچے کی پیدائش کی حالت میں بچے کے پیدا ہونے سے پہلے دیکھے وہ بیماری کا خون ہے اور نفاس کی کم سے کم مدت کی کوئی حد نہیں اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے اور جو خون اس سے بھی زائد ہو تو وہ بیماری کا خون ہے اور جب خونِ نفاس چالیس دن سے بھی تجاوز کر جائے اور وہ عورت ایسی ہے جو اس سے پہلے بھی بچہ جن چکی ہے۔

اور اس کی کوئی مقررہ عادت بھی ہے تو اس خون کو اس کی عادت کے دنوں کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور اگر اس کی کوئی مقررہ عادت نہیں ہے تو پھر نفاس کا خون تو چالیس دن ہی ہوتا ہے۔ (یعنی اس کے علاوہ بیماری کا خون ہوگا) اور وہ عورت جس نے ایک ہی پیٹ سے دو بچوں کو جنم دیا تو شیخین (یعنی حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ) کے نزدیک اس عورت کا نفاس وہ خون ہوگا جو پہلے بچے کی ولادت کے بعد نکلے امام محمد اور امام زفر رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا نفاس وہ خون ہے جو دوسرے بچے کی پیدائش کے بعد نکلے۔ (قدوری، کتاب طہارت، لاہور)

نفاس کی تعریف اور اس کے حکم کا بیان

نفاس وہ خون ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد رحم سے آگے کی راہ سے نکلے جب نصف سے زیادہ بچہ باہر نکل آئے تو اب جو خون نکلے گا وہ نفاس ہوگا، اس سے پہلے نفاس نہیں ہوگا اگر توام (جوڑا) بچے پیدا ہوں تو نفاس پہلے بچے کے پیدا ہونے کے وقت سے ہوگا اور اس کی پیدائش کے بعد سے چالیس دن تک نفاس ہوگا اس کے بعد استحاضہ ہے مگر غسل کا حکم دیا جائے گا یعنی نہا کر نماز پڑھے گی شرط یہ ہے کہ دونوں توام بچوں کی ولادت میں چھ مہینہ سے کم کا فاصلہ ہو اگر دونوں کے درمیان چھ مہینہ یا اس سے زیادہ فاصلہ ہو تو دو حمل اور دو نفاس ہونگے۔

نفاس کی کم سے کم مدت کچھ مقرر نہیں، نصف سے زیادہ بچہ نکلنے کے بعد خون آ جائے خواہ ایک ہی ساعت ہو وہ نفاس ہے اگر بچہ نصف سے کم نکلا اور اس وقت خون آیا تو وہ نفاس نہیں بلکہ استحاضہ ہے اور نفاس کی اکثر مدت چالیس دن ہے، اگر خون چالیس دن سے زیادہ آتا رہا تو اس عورت کے لئے جس کو پہلی مرتبہ نفاس آیا چالیس دن نفاس ہوگا اور باقی استحاضہ اور جس عورت کی نفاس کی عادت مقرر ہے اس کے لئے مقررہ عادت کے دنوں تک نفاس ہے اور باقی استحاضہ، نفاس کی عادت کے ایک بار خلاف ہونے سے عادت بدل جاتی ہے اسی پر فتویٰ ہے۔

نفاس کی مدت چالیس یا پچاس یا ساٹھ دن ہونے میں فقہی مذاہب

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ نفساء (وہ عورتیں جن کو نفاس کا خون آتا ہو) چالیس روز تک بیٹھی رہتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور ہم ملتے تھے اپنے منہ پر چھائیوں کی وجہ سے بٹنا امام ابوعیسیٰ کہتے ہیں اس

حدیث کو ہم ابو سہل کی روایت کے علاوہ کسی اور کی روایت سے نہیں جانتے وہ روایت کرتے ہیں مسۃ الازدیہ سے اور وہ ام سلمہ سے نقل کرتی ہیں ابو سہل کا نام کثیر بن زیاد ہے امام محمد بن اسماعیل بخاری نے کہا علی بن عبدالاعلی اور ابو سہل ثقہ ہیں وہ بھی اس روایت کو ابو سہل کے علاوہ کسی کی روایت سے نہیں جانتے تمام اہل علم کا صحابہ و تابعین اور تبع تابعین میں سے اس بات پر اجماع ہے کہ نفاس والی عورتیں چالیس دن تک نماز چھوڑ دیں اگر اس سے پہلے طہارت حاصل ہو جائے تو غسل کر کے نماز پڑھیں اگر چالیس دن کے بعد بھی خون نظر آئے تو اکثر علماء کے نزدیک نماز نہ چھوڑیں۔

اکثر فقہاء کا یہی قول ہے اور سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور حسن بصری کہتے ہیں کہ اگر خون بند نہ ہو تو پچاس دن تک نماز نہ پڑھے عطاء بن رباح اور شعبی کے نزدیک اگر خون بند نہ ہو تو ساٹھ دن تک نماز نہ پڑھے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: رقم الحدیث، ۱۳۹)

دوران حمل آنے والے خون کا حکم

علامہ علاؤ الدین کاسانی لکھتے ہیں۔ اگر کسی عورت کو دوران حمل خون آیا تو وہ حیض کا خون نہ ہوگا۔ اگرچہ وہ خون ابتداء ہی کیوں نہ آئے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ خون حیض کا خون ہوگا۔ اور ترک روزہ وصلوٰۃ کے حکم میں اسے حیض ہی کہیں گے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ بن جحش رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کہ جب تمہیں وہ خون (حیض) آئے تو تم نماز کو ترک کر دو۔ اس حدیث میں ترک صلوٰۃ کا حکم حاملہ وغیر حاملہ دونوں کے حال کو شامل ہے کیونکہ یہ حدیث (مطلق ہے اور اس کے بیان میں اطلاق یعنی مطلق ہونے کی وجہ سے دونوں حاملہ وغیر حاملہ کو شامل ہوگی)۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حاملہ کو حیض نہیں آتا۔ اس روایت کا تقاضہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ نے سنی ہوگی تب ہی تو انہوں نے فرمایا: کہ حاملہ حیض والی نہیں۔

ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ حیض اس خون کا نام ہے جو رحم سے خارج ہو جبکہ حمل کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے۔ جب رحم کا منہ بند ہو گیا تو رحم سے خارج ہونے والا خون کیسے رحم سے خارج ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حالت حمل میں جو خون خارج ہوا وہ دم استحاضہ ہوگا۔ وہ ہرگز حیض نہیں۔

امام شافعی علیہ الرحمہ جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اگر وہ حاملہ کے خون کو حیض سمجھتے ہیں۔ تو پھر وہ حاملہ کے خون کو حیض کی تعریف میں شامل کیوں نہیں کرتے۔ وہ بھی حیض کا اطلاق غیر حاملہ والی عورت کے خون کرتے ہیں۔

(بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۴۲، بیروت)

اس عبارت میں علامہ کاسانی علیہ الرحمہ نے جو فقہاء احناف کا موقف بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی حاملہ عورت کا خون حکم شرعی کے اعتبار سے نہ دم حیض کے حکم میں ہوگا اور نہ ہی وہ خون دم نفاس کے حکم میں ہوگا۔ اور فقہاء کی دلیل وہی ہے کہ جب رحم کا منہ بند ہو جائے تو اس سے نفاس یا حیض خارج نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا لامحالہ وہ خون استحاضہ کا خون ہوگا۔

باب: مَنْ وَقَعَ عَلَى الْمَرأَةِ وَهِيَ حَائِضٌ

یہ باب جب کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کے ساتھ صحبت کرلے جو حیض کی حالت میں ہو

650 - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْجَرَّاحِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ إِذَا وَقَعَ عَلَى امْرَأَتِهِ وَهِيَ حَائِضٌ أَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِنِصْفِ دِينَارٍ

◄► حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرے اور اس وقت وہ حیض کی حالت میں ہو تو ایسے شخص کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے یہ حکم دیا ہے: وہ نصف دینار صدقہ کرے۔

شرح

مطلب یہ ہے کہ حیض کی حالت میں جماع کرنے سے جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جماع کے وقت اگر حیض کے خون کا رنگ سرخ ہو تو ایک دینار صدقہ کرنا ضروری ہے اور اگر حیض کے خون کا رنگ زرد ہو تو آدھا دینار صدقہ کرنا چاہئے چنانچہ جو علماء کرام فرماتے ہیں کہ ابتدائے حیض میں صحبت کرنے کی وجہ سے ایک دینار اور حالت انقطاع میں نصف دینار مستحب ہے۔ وہ اسی حدیث سے استدلال ہیں کیونکہ ابتداء میں حیض کے خون کا رنگ سرخ ہوتا ہے اور آخر میں زرد ہو جاتا ہے۔

بَابُ: فِي مُؤَاكَلَةِ الْحَائِضِ

یہ باب حائض کے ساتھ کھانے کے بیان میں ہے

651 - حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ بَكْرُ بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ حَرَامِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مُؤَاكَلَةِ الْحَائِضِ فَقَالَ وَاكِلْهَا

◄► حضرت عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ سے حیض والی عورت کے ساتھ کھانے کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اس کے ساتھ کھالو۔

شرح

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حالت ایام میں پانی پی کر (وہ برتن) رسول اللہ کو دے دیا کرتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ سے جہاں میرا منہ لگا ہوتا تھا منہ لگا کر پی لیتے اور کبھی میں ایام کی حالت میں ہڈی سے گوشت نوچ کر کھاتی پھر وہ ہڈی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ پر منہ رکھ کر گوشت کو نوچتے جہاں سے میں نے منہ رکھ

650: اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 137

651: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 212' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 133

کر نوچا ہوتا تھا۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 514)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل دو وجہ سے ہوا کرتا تھا اول تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بے انتہا محبت تھی دوسری یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کی مخالفت منظور ہوتی تھی چنانچہ یہودی تو کہاں حائضہ عورت کے ساتھ گھر میں رہنا اور ان کو ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کرتے تھے اور ادھر یہ معمول تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایام حیض میں برتن میں جس جگہ سے منہ لگا کر پانی پیا کرتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی جگہ منہ (لگا کر پانی پیتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جس جگہ سے منہ لگا کر ہڈی سے گوشت کو نوچا کرتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی جگہ منہ لگا کر ہڈی سے گوشت نوچا کرتے تھے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ کھانا پینا اور اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جائز ہے نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے اعضائے بدن نجس و ناپاک نہیں ہوتے۔

بَابُ: فِي الصَّلٰوةِ فِي ثَوْبِ الْحَائِضِ

یہ باب حائض کا کپڑے میں نماز ادا کرنے کے بیان میں ہے

652- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ وَاَنَا اِلٰى جَنْبِهٖ وَاَنَا حَائِضٌ وَّعَلَیَّ مِرْطٌ لِّیْ وَعَلَيْهِ بَعْضُهٗ

◆◆ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کر رہے ہوتے تھے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں حیض کی حالت میں ہوتی تھی میرے اوپر چادر ہوتی تھی جس کا کچھ حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا تھا۔

653- حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ اَبِیْ سَهْلٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِیُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى وَعَلَيْهِ مِرْطٌ بَعْضُهٗ عَلَيْهِ وَعَلَيْهَا بَعْضُهٗ وَهِیَ حَائِضٌ

◆◆ سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر ایک چادر موجود تھی جس کا کچھ حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا اور کچھ حصہ سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا پر تھا اور سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اس وقت حیض کی حالت میں تھیں۔

---

652 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 1147 'اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 370 'اخرجہ النسائی فی "السنن" رقم الحدیث' 767

653 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 369

بَابُ: إِذَا حَاضَتِ الْجَارِيَةُ لَمْ تُصَلِّ إِلَّا بِخِمَارٍ

یہ باب جب لڑکی حائض ہو جائے تو چادر کے بغیر نماز نہ ہونے میں ہے

654 - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَاخْتَبَأَتْ مَوْلَاةٌ لَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاضَتْ فَقَالَتْ نَعَمْ فَشَقَّ لَهَا مِنْ عِمَامَتِهِ فَقَالَ اخْتَمِرِي بِهَذَا

◆◆ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے' تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیز چھپ گئی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا اسے حیض آ چکا ہے' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: جی ہاں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمامے کو چیر دیا اور ارشاد فرمایا: تم اس کے ذریعے سر کو ڈھانپ لو۔

655 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ وَأَبُو النُّعْمَانِ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلَاةَ حَائِضٍ إِلَّا بِخِمَارٍ

◆◆ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتی ہیں اللہ تعالیٰ حیض والی (یعنی بالغ) عورت کی نماز چادر کے بغیر قبول نہیں کرتا۔

بَابُ: الْحَائِضِ تَخْتَضِبُ

یہ باب حائض کے خضاب لگانے میں ہے

656 - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُعَاذَةَ أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَخْتَضِبُ الْحَائِضُ فَقَالَتْ قَدْ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَخْتَضِبُ فَلَمْ يَكُنْ يَنْهَانَا عَنْهُ

◆◆ سیّدہ معاذہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' ایک خاتون نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: کیا حیض والی عورت خضاب لگا سکتی ہے؟ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی تھیں' تو ہم خضاب لگا لیا کرتی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع نہیں کیا۔

---

654 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

655 اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 641' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث: 377

656 اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

بَابُ: الْمَسْحِ عَلَى الْجَبَائِرِ

یہ باب پٹی پرمسح کرنے کے بیان میں ہے

657-حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ الْبَلْخِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَنْبَأَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ عَمْرِو بْنِ خَالِدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ انْكَسَرَتْ إِحْدَى زَنْدَيَّ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَنِي أَنْ أَمْسَحَ عَلَى الْجَبَائِرِ قَالَ أَبُو الْحَسَنِ بْنُ سَلَمَةَ أَنْبَأَنَا الدَّبَرِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ نَحْوَهُ

امام زید اپنے والد (امام زین العابدین) کے حوالے سے اپنے دادا (امام حسین رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے امام علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں' میری ایک ہڈی ٹوٹ گئی' میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ ہدایت کی کہ میں پٹی پرمسح کرلوں۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔

شرح

اور پٹی پرمسح کرنا جائز ہے اگرچہ اسے بغیر وضو کے باندھا ہو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ پٹی اتارنے والا حرج تو موزہ اتارنے والے حرج سے بھی بڑا ہے۔ لہٰذا پٹی پرمسح کی مشروعیت زیادہ حقدار ہے۔ اور پٹی کے مسح پراس کے اکثر پراکتفاء کیا جائے گا۔ اسی کو امام حسن رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے اور پٹی کا مسح کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں۔ کیونکہ توقیت نص ہی توقیت کے ساتھ معدوم ہے۔

اور اگر پٹی ٹھیک ہوئے بغیر گرگئی تو مسح باطل نہ ہوگا۔ کیونکہ عذر قائم ہے اور اس پرمسح اس سے نیچے دھونے کی طرح ہے جب تک وہ باقی ہے اس وقت تک یہ مسح بھی باقی ہے۔ اور اگر پٹی ٹھیک ہونے کے بعد گرگئی تو مسح باطل ہوگیا۔ کیونکہ عذر ختم ہوگیا۔ اور نماز میں گرگئی تو نماز نئے سرے سے پڑھے۔ کیونکہ بدل کے ساتھ حصول مقصود سے پہلے ہی وہ اصل پر قادر ہوگیا۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ (ہدایہ اولین، کتاب طہارت، لاہور)

پٹی پرمسح کرنے کے جواز کی اصل وعلت کا بیان

اگر کسی کے زخم کو پانی کا پہنچنا نقصان دہ ہو تو اس زخم پر باندھی ہوئے مضبوط پٹی پرمسح کرنا جائز ہے۔ اور دھونا نقصان دہ نہ ہو تو اس صورت میں پٹی پرمسح کرنا جائز نہیں۔

اس مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد اور ایک روایت کے مطابق فتح خیبر کے موقع حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پٹی پرمسح کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم ہاتھ کے زخمی ہونے کی وجہ سے تھا۔ یہ حدیث اس مسئلہ کی اصل ہے اور اس مسئلہ کی علت

657۔اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

دھونے کا نقصان ہے۔ کیونکہ اگر زخمی ہاتھ کو دھوئے گا تو اس طرح وہ زخم بڑھتا جائے گا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ۱، ص ۲۵۵، بیروت)

پٹی کے مسح اور موزے کے مسح میں چند وجوہ سے فرق کا بیان

۱ یہ بدل وخلیفہ نہیں، اور مسح موزہ دھونے کا بدل وخلیفہ ہے، ۲-اس کے لئے مدت مقرر نہیں، ۳-اگر پہلے جبیرہ وعصابہ کو بدل ڈالے تو دوسرے پر مسح کو لوٹانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے، ۴-اگر اوپر نیچے دو جبیرہ بندھے ہوں اور ایک کو کھول ڈالے تو دوسرے پر مسح لوٹانا واجب نہیں مستحب ہے ۵-جبیرہ والے پاؤں کو مسح کرے اور دوسرے پاؤں کو دھولے بخلاف موزہ کہ اگر صرف ایک پاؤں میں موزہ ہو تو دونوں کو دھونا فرض ہے ایک پر مسح جائز نہیں، ۶-جبیرہ کا طہارت پر باندھنا شرط نہیں،

۷-اگر جبیرہ پر مسح ضرر کرے تو ترک جائز ہے، ۸-جبیرہ کا مسح عذر میں جائز ہے بلا عذر جائز نہیں، ۹-حدث وجنابت یعنی غسل میں بھی جبیرہ پر مسح جائز ہے، ۱۰-اگر جبیرہ زخم اچھا ہو جانے پر گر جائے تو مسح باطل ہو جائے گا ورنہ نہیں، ۱۱-جبیرہ کے مسح میں نیت بالاتفاق شرط نہیں، موزہ کی نیت کے بارے میں اختلاف ہے، ۱۲-زخم اچھا ہونے پر جبیرہ گر پڑے تو صرف اسی جگہ کا دھونا لازم ہے، ۱۳-اگر جبیرہ میں مسح کرنے کے بعد کسی طرح پانی داخل ہو جائے تو مسح باطل نہ ہوگا موزہ کا مسح باطل ہو جائے گا ۱۴-ٹوٹے ہوئے عضو پر جبیرہ باندھ کر مسح کرنا جائز ہے اگرچہ وہ عضو تین انگل سے کم باقی رہا ہو، مسح موزہ میں تین انگل کی مقدار کا باقی رہنا شرط ہے۔

۱۵-بعض روایات میں جبیرہ وعصابہ کے مسح کا ترک جائز ہے، ۱۶-جبیرہ وعصابہ کا پاؤں میں ہونا شرط نہیں، ۱۷-جبیرہ وعصابہ میں اکثر حصہ کا مسح شرط ہے موزہ میں تین انگل کی۔ مقدار شرط ہے ۱۸-جب بیمار عضو کا مسح نہ کر سکے تب جبیرہ کا مسح صحیح ہے۔

۱۹-مسح جبیرہ وعصابہ فرض عملی ہے اور موزہ کا مسح رخصت وجائز ہے، ۲۰-مسح جبیرہ کی مدت معین نہیں کیونکہ وہ دھونے کی شکل ہے اور جب تک وہ زخم وغیرہ اچھا نہ ہو مسح کرے گا اور تندرستوں کی امامت کرے گا بخلاف صاحب عذر کے اور مسح موزہ کی مدت معین ہے۔

بَابُ: اللُّعَابِ يُصِيبُ الثَّوْبَ

یہ باب کپڑے پر لعاب لگ جانے کے بیان میں ہے

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے لعاب مبارک کا بیان

658-حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَامِلَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَى عَاتِقِهِ وَلُعَابُهُ يَسِيلُ عَلَيْهِ

◄► حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو اٹھایا ہوا تھا اور ان کا لعاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہہ رہا تھا۔

658-اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

شرح

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلی سے تبرک حاصل کرتے تھے، اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلی کی وجہ سے کھارہ پانی میٹھا ہوجاتا، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے اندر ہی کلی کردیتے، اور کسی کو ایسا کرنا مناسب نہیں تا کہ لوگوں کو نفرت نہ پیدا ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں پھونکنے سے منع کیا ہے اس خیال سے کہ منہ سے لعاب وغیرہ نکل کر اس میں گر نہ جائے، نیز ایک بات یہ بھی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا بدن اور پسینہ معطر اور خوشبودار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھوٹھا پانی بھی مشک اور عنبر سے بہتر ہوتا، پس اور کوئی یہ صفت کہاں سے لاسکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن کی برکت کا بیان

حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن فرمایا: کل میں یہ جھنڈا (کہ جو کمانداری کی علامت ہے) ایسے شخص کو عطا کروں گا کہ جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا اور وہ شخص اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اس کو دوست رکھتے ہیں" چنانچہ تمام صحابہ نے اس انتظار اور شوق میں پوری رات جاگ کر گزاری کہ دیکھئے کل صبح یہ سرفرازی کس کے حصہ میں آتی ہے اور جب) صبح ہوئی تو ہر شخص اس آرزو کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ جھنڈا اسی کو ملے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (تمام صحابہ پر نظر ڈال کر فرمایا کہ "علی ابن ابی طالب کہاں ہیں" دراصل حضرت علی آشوب چشم میں مبتلا ہوگئے تھے اور اس وجہ سے اس وقت وہاں حاضر نہیں تھے) صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آنکھوں نے ان کو پریشان کر رکھا ہے (اور اس عذر کی بنا پر وہ یہاں موجود نہیں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو بھیج کر ان کو بلوالو، چنانچہ حضرت علی کو بلا کر لایا گیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈالا اور وہ آنکھیں ایک دم اس طرح اچھی ہوگئیں جیسے ان میں کوئی تکلیف اور خرابی تھی نہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا۔ حضرت علی (اس سرفرازی سے بہت خوش ہوئے اور) بولے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ان لوگوں (دشمنوں سے) اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہوجائیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اور نرمی و بردباری کے ساتھ چل کر ان (دشمنوں) علاقہ میں پہنچو، پھر (سب سے پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو اللہ کے وہ حقوق بتاؤ جو اسلام میں ان پر عائد ہوتے ہیں (اور پھر اگر وہ دعوت اسلام کو ٹھکرادیں تو ان سے جزیہ طلب کرو، اگر وہ جزیہ پر صلح کرنے سے انکار کردیں تو پھر آخر میں ان کے خلاف اعلان جنگ کرو اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں یا جزیہ دے کر اسلامی نظام کی سیاسی اطاعت قبول کرنے پر تیار نہ ہوجائیں) پس (اے علی) اللہ کی قسم، یہ بات کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے، تمہیں ملنے والے سرخ اور چوپایوں سے کہیں بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: رقم الحدیث، 704)

"خیبر" ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے ساٹھ میل دور بملک شام کی سمت واقع ہے، یہ غزوہ ۷ھ میں پیش آیا تھا۔ "پس" (اے علی) اللہ کی قسم۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی جو راہ نمائی فرمائی تھی کہ کفار کو اپنے اسلام کی دعوت دیں تو اسی کی

تاکید کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے کے جملے قسم کھا کر ارشاد فرمائے، اس پر تاکید راہنمائی کی وجہ یہ احساس تھا کہ جنگ وقتال کی صورت میں اگر چہ مال غنیمت مثلاً اعلیٰ وعمدہ اونٹ اور چوپائے وغیرہ حاصل ہوتے ہیں لیکن اگر کفار کو نرمی وبردباری کے ساتھ اسلام کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ دعوت اکثر بار آور ہو جاتی ہے اور مخالفین اسلام کی بڑی تعداد جنگ وجدل کے بغیر مسلمان ہو جاتی ہے جو اسلام کا اصل منشاء ومقصد ہے علامہ ابن ہمام نے اسی بنیاد پر بڑی پیاری بات کہی ہے کہ: ایک مؤمن کا پیدا کرنا ہزار کفار کو معدوم کرنے سے بہتر ہے۔

بَابُ: الْمَجِّ فِي الْإِنَاءِ

یہ باب برتن میں کلی کرنے کے بیان میں ہے

نبی کریم ﷺ کی کلی مبارک کی برکت کا بیان

659- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مِسْعَرٍ ح و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ كَرَامَةَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِدَلْوٍ فَمَضْمَضَ مِنْهُ فَمَجَّ فِيْهِ مِسْكًا اَوْ اَطْيَبَ مِنَ الْمِسْكِ وَاسْتَنْثَرَ خَارِجًا مِنَ الدَّلْوِ

◄► عبدالجبار بن وائل اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں، میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ کی خدمت میں ایک ڈول لایا گیا' آپ ﷺ نے اس میں سے کلی کی اور اسی ڈول میں کلی والا پانی ڈال دیا' تو وہ مشک کی مانند تھا یا مشک سے بھی زیادہ پاکیزہ تھا تاہم آپ ﷺ نے ڈول میں سے پانی لے کر باہر ناک صاف کی۔

660- حَدَّثَنَا اَبُوْ مَرْوَانَ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ وَكَانَ قَدْ عَقَلَ مَجَّةً مَجَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دَلْوٍ مِنْ بِئْرٍ لَهُمْ

◄► حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں مجھے یہ بات یاد تھی کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے کنوئیں میں سے ڈول کے ذریعے پانی لے کر اس میں کلی ڈال دی تھی۔

بَابُ: النَّهْيِ اَنْ يَّرٰى عَوْرَةَ اَخِيْهِ

یہ باب اپنے (کسی مسلمان) بھائی کی شرمگاہ دیکھنے کی ممانعت میں ہے

661- حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَنْظُرُ الْمَرْاَةُ اِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْاَةِ وَلَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ

659: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

661 اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 667' ورقم الحدیث: 766' اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 4018' اخرجہ الترمذی فی "الجامع" رقم الحدیث 2793

عبدالرحمٰن بن ابوسعید خدری اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں: کوئی عورت کسی دوسری عورت کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے۔

شرح

آگے اور پیچھے کی شرم گاہ، فوطے اور سُرین (چوتڑ)، کا دیکھنا متفقہ طور پر صحیح نہیں ہے، ناف، بدن اور گھٹنے کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، احتیاط تو یہی ہے کہ ان اعضاء کو بھی نہ دیکھے، اور جیسے مرد کو دوسرے مرد سے اپنا ستر چھپانا ضروری ہے ویسے ہی عورت کے لئے بھی دوسری عورت سے ستر کی پردہ پوشی ضروری ہے۔

662-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ مَوْلًى لِعَائِشَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا نَظَرْتُ اَوْ مَا رَاَيْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ كَانَ اَبُوْ نُعَيْمٍ يَقُوْلُ عَنْ مَوْلَاةٍ لِعَائِشَةَ

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے کبھی نظر نہیں کی (راوی کو شک ہے شاید یہ الفاظ ہیں) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ کو کبھی نہیں دیکھا۔ ابوبکر نامی راوی بیان کرتے ہیں: ابونعیم نے یہ بات بیان کی ہے: یہ روایت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیز سے منقول ہے۔

بَابُ: مَنِ اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ فَبَقِيَ مِنْ جَسَدِهٖ لُمْعَةٌ لَّمْ يُصِبْهَا الْمَآءُ كَيْفَ يَصْنَعُ

یہ باب جو شخص غسل جنابت کرے اور اس کے جسم کا کچھ حصہ ایسا رہ جائے جہاں تک پانی نہ پہنچا ہو تو وہ کیا کرے گا؟ اسکے بیان میں ہے

663-حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ وَاِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ هَارُوْنَ اَنْبَاَنَا مُسْتَلِمُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ اَبِیْ عَلِيِّ الرَّحَبِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْتَسَلَ مِنْ جَنَابَةٍ فَرَاٰى لُمْعَةً لَّمْ يُصِبْهَا الْمَاءُ فَقَالَ بِجُمَّتِهٖ فَبَلَّهَا عَلَيْهَا قَالَ اِسْحٰقُ فِیْ حَدِيْثِهٖ فَعَصَرَ شَعْرَهٗ عَلَيْهَا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسلِ جنابت کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم کے ایک حصے کو دیکھا کہ وہاں تک پانی نہیں پہنچا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بالوں کو پکڑا اور ان کی تری اس پر ڈال دی۔ اسحاق نامی راوی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بالوں کو اس پر نچوڑ دیا۔

شرح

اس میں وضو دہرانے کا حکم تہدیداً کیا ورنہ سابقہ باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس مقام کا تر کر لینا کافی تھا،

662: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔
663: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

البتہ صلاۃ کا اعادہ ضروری ہوگا اس لئے کہ جب وضو کامل نہ ہوا تو گویا صلاۃ بغیر وضو کے پڑھی گئی، اور دوسری حدیث میں ہے کہ صلاۃ بغیر طہارت کے قبول نہیں ہوتی۔

664- حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي اغْتَسَلْتُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَصَلَّيْتُ الْفَجْرَ ثُمَّ أَصْبَحْتُ فَرَأَيْتُ قَدْرَ مَوْضِعِ الظُّفْرِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتَ مَسَحْتَ عَلَيْهِ بِيَدِكَ أَجْزَأَكَ

◄► حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: میں نے غسلِ جنابت کر کے فجر کی نماز پڑھ لی پھر صبح میں نے دیکھا کہ ایک ناخن کے برابر جگہ ایسی تھی جہاں پانی نہیں پہنچا تھا' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم اپنے ہاتھ کے ذریعے اس پر مسح کر لیتے تو یہ تمہارے لیے جائز تھا۔

بَابُ: مَنْ تَوَضَّأَ فَتَرَكَ مَوْضِعًا لَّمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ

باب جو شخص وضو کرتے ہوئے کسی ایک جگہ کو چھوڑ دے کہ وہاں تک پانی نہ پہنچے

دوبارہ وضو کرنے کا حکم دینے کا بیان

665- حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ تَوَضَّأَ وَتَرَكَ مَوْضِعَ الظُّفْرِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ

◄► حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے وضو کیا تھا اور ایک ناخن کے برابر جگہ کو چھوڑ دیا تھا اور وہاں تک پانی نہیں پہنچا تھا' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم واپس جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔

666- حَدَّثَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ ح و حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا تَوَضَّأَ فَتَرَكَ مَوْضِعَ الظُّفْرِ عَلَى قَدَمِهِ فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيدَ الْوُضُوءَ وَالصَّلٰوةَ قَالَ فَرَجَعَ

◄► حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جس نے وضو کرتے ہوئے اپنے پاؤں میں ایک ناخن کے برابر جگہ کو چھوڑ دیا تھا' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ ہدایت

664: اس روایت کو نقل کرنے میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں۔

665: اخرجہ ابوداؤد فی "السنن" رقم الحدیث: 173' ورقم الحدیث: 598

666: اخرجہ مسلم فی "الصحیح" رقم الحدیث: 575

کی کہ وہ دوبارہ وضو کر کے دوبارہ نماز ادا کرے۔راوی کہتے ہیں اس شخص نے دوبارہ ایسا کیا تھا۔

وضو کے بغیر نماز نہ ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" بے وضو کی نماز قبول نہیں کی جاتی جب تک کہ وضو نہ کرے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: رقم الحدیث، 287)

اس کا تعلق اس آدمی سے ہے جو پانی رکھتا ہو اور اس کے استعمال کی قدرت بھی اس کے اندر ہو یعنی جس آدمی کے پاس پانی اور اس پانی کے استعمال کرنے میں اس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو تو اس کو نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے اگر اس نے وضو نہیں کیا تو اس کی نماز ادا نہیں ہوگی۔اگر کوئی آدمی پانی نہ پائے یا اس کے استعمال کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ بجائے وضو کے پاک وصاف مٹی سے تیمم کرے ایسا آدمی جو نہ تو پانی پائے اور نہ پاک وصاف مٹی ہی اسے ملے اور نہ وہ ان کے استعمال کی قدرت رکھتا ہو تو ایسے آدمی کو اصطلاح شریعت میں فاقد الطھورین فرماتے ہیں اس آدمی کے بارہ میں یہ حکم ہے کہ وہ نماز نہ پڑھے، ہاں جب پانی وغیرہ پائے تو وضو کر کے نماز پڑھے۔

اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک دوسرا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایسے آدمی یعنی "فاقد الطھورین" کو چاہئے کہ اس شکل میں بھی وقت نماز کے احترام میں بغیر وضو اور تیمم ہی کے نماز پڑھ لے جب اسے پانی یا مٹی دستیاب ہو جائے تو وضو یا تیمم کر کے قضاء کر لے۔

ہمارے علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی قصداً بغیر طہارت کے نماز پڑھ لے اور پھر یہ کہ اس سے اس کا مقصد احترام وقت بھی نہ ہو تو یہ آدمی کافر ہو جاتا ہے، یا اگر لوگوں کی شرم کی وجہ سے محض دکھلانے کے لئے بھی بغیر طہارت کے نماز پڑھے تو بھی کافر ہو جاتا ہے کیونکہ ان دونوں شکلوں میں اس نے شرع کی تحقیر کی ہے اس لئے ایسا آدمی جو اپنے قول سے یا فعل سے شریعت کی تحقیر کا سبب بنتا ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ دائرہ اسلام اور ایمان میں رہ سکے۔

شرح سنن ابن ماجہ جلد اوّل کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! آج بہ روز بدھ بہ مورخہ ۱۲ جمادی الاول ۱۴۳۶ھ بہ مطابق ۴ مارچ ۲۰۱۵ء کو شرح سنن ابن ماجہ کی پہلی جلد مکمل ہوگئی ہے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت پر استقامت عطاء فرمائے۔اللہ تعالیٰ تا حیات مجھے عقائد حقہ کو سمجھنے اور ان کا پرچار کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔اور میں اس موقع پر خاص طور اللہ تعالیٰ بارگاہ میں عرض کرتا ہوں۔

اے اللہ! جو کچھ تو نے مجھ کو سکھایا ہے اس سے مجھے فائدہ عطاء فرما اور مجھے مزید علم عطا فرما۔ہر حال میں تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔اور میں دوزخیوں کے حال سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔قرب قیامت ظاہر ہونے والے تمام فتنوں سے پناہ طلب کرتا ہوں۔دنیا میں منافقین کے شر وفساد اور خوارج کی قتل وغارت سے پناہ طلب کرتا ہوں یا اللہ امت مسلمہ کو ان فتنوں سے محفوظ فرما۔ اور اس کتاب میرے لئے آخرت کا توشہ بنادے۔آمین۔

محمد لیاقت علی رضوی حنفی بن محمد صادق